

تاریخ عالم قبل از اسلام سے لے کر مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر
تک ملت اسلامیہ کی تیرہ سو سالہ مکمل تاریخ، ڈھائی ہزار سے زائد صفحات پر

تاریخِ ملت

تالیف

جناب مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی جناب مفتی انعام اللہ شہابی اکبر آبادی

جلد سوم

خلافت عثمانیہ
تاریخِ صقلیت
سلاطین ہند: اول
سلاطین ہند: دوم

www.KitaboSunnat.com

دارالافتاء اسلامیہ

لاہور — کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب

عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

تاریخِ ملت

تاریخِ عالم قبل از اسلام سے لے کر مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر تک ملتِ اسلامیہ کی تیرہ سو سالہ مکمل تاریخ، ڈھائی ہزار سے زائد صفحات پر افراد اور اقوام کے نشیب و فراز اور عروج و زوال کی داستانوں پر مشتمل مفید عام کتاب ہے۔ تاریخِ اسلام کی بے شمار کتب میں سے یہ کتاب ہے۔ سلیس زبان، عام فہم اور آسان طرز بیان، مدارس سکولوں، کالجوں اور جامعات کے اساتذہ و طلباء کے لیے یکساں فائدہ مند۔ ایک ایسی منفرد تاریخ جس کا ہر اچھی لائبریری اور پڑھے لکھے گھرانے میں ہونا ضروری ہے۔

تالیف

جناب مفتی زین العابدین تاجاد میرٹھی ○ جناب مفتی اسحاق اللہ شاہی اکبر آبادی

جلد سوم

- ① نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم
- ② خلافت راشدہ
- ③ خلافت بنی امیہ
- ④ خلافت بنی عباس
- ⑤ خلافت عباسیہ: اول
- ⑥ خلافت عباسیہ: دوم
- ⑦ تاریخ مصر و مغرب اقصیٰ
- ⑧ خلافت عثمانیہ
- ⑨ تاریخ صقلیت
- ⑩ سلاطین ہند: اول
- ⑪ سلاطین ہند: دوم

- ⑧ خلافت عثمانیہ
- ⑨ تاریخ صقلیت
- ⑩ سلاطین ہند: اول
- ⑪ سلاطین ہند: دوم

www.KitaboSunnat.com

اِخْلَافُ اِسْلَامِیَّاتٍ اِنَّا رَکَعُیْ لَہٗ



2209
1401ھ

نام کتاب _____ تاریخ ملت (جلد سوم)
طباعت اول _____ مئی ۱۹۹۱ء
باہتمام _____ اشرف برادران سلمہ الرحمن
ناشر _____ ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
کتبت _____ مشتاق احمد جلالپوری
مطبع _____
قیمت _____

ادارہ اسلامیات پبلشرز، بک سیلرز، کمپیوٹرز (امیتا)

ڈسٹری بیوٹرز: مال روڈ، لاہور۔ ۱۹۰۔ انارکلی، لاہور، پاکستان۔ ۴۷۵۲۵۵
پوسٹ آرڈر: بازار، کراچی۔ فون: ۶۴۲۲۸۱

الْمَكْتَبَةُ الْإِسْلَامِيَّةُ

۹۹۔۔۔ جے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور

نمبر.....15859

_____ ملنے کے پتے _____

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور فون ۶۳۲۵۳

دارالاشاعت ادو بازار۔ کراچی

ادارہ المعارف دارالعلوم کونجی کراچی

مکتبہ دارالعلوم۔ ڈاکٹر ذوالعلوم کونجی کراچی

فہرست مضامین

(جلد سوم)

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۳۹	پاشا	۳۳	فتح بروصہ	۱۹	⑧ خلافت عثمانیہ
۳۹	فتوحات	۳۳	وصیت	۲۱	تاریخ اتراک
۴۰	مسجد مدرسہ	۳۴	وفات	۲۱	ترک اور عرب
۴۰	لنگر خانہ	۳۴	اوصاف	۲۶	اطغرل مویش آل عثمان
۴۰	قراسی	۳۵	سادہ زندگی	۲۷	خطاب
۴۰	نظم مملکت	۳۵	آٹا ذخیر	۲۹	اوصاف
۴۰	رفاہ عام	۳۵	وسعت سلطنت	۳۰	وفات
۴۱	علمی ترقی	۳۵	اشاعت اسلام	۳۰	امیر عثمان خاں غازی
۴۱	زبان ترکی	۳۶	سلطان اور خان	۳۰	بانی دولت عثمانیہ
۴۱	یورپ کا داعلہ	۳۶	نام و نسب	۳۰	نام
۴۳	یورپ میں پہلا قدم	۳۶	تعلیم و تربیت	۳۰	تعلیم و تربیت
۴۴	سلیمان پاشا	۳۶	تخت عثمانیہ	۳۰	وقائع
۴۴	وفات	۳۷	صدارت عظمیٰ	۳۰	قرابہ جہاد
۴۴	اوصاف	۳۷	مملکت کا نظام	۳۱	تکفیر
۴۵	وسعت سلطنت	۳۷	لباس	۳۱	بادشاہی
۴۵	علمائے عصر	۳۷	فوجی تنظیم	۳۲	آزاد حکمرانی
۴۶	سلطان مراد اول	۳۸	انکشاریہ	۳۲	انتظام حکومت
۴۶	نام و نسب	۳۹	فن جنگ	۳۲	فتوحات

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۶۸	تاریخ وفات	۵۳	سلطان بایزید اول یدلیم	۶۶	پیدائش
۶۸	علمائے عصر	۵۳	تحت نشینی - نام و نسب	۶۶	تعلیم و تربیت
۶۹	سلطان محمد اول چلبی	۵۳	امیر العسکر - ولادت	۶۶	وزارت عظمیٰ
۶۹	نزاع تحت	۵۳	وقائع - تعلیم و تربیت	۶۶	امیر العسکر
۷۰	بھائیوں کی باہمی آویزش	۵۳	شہنشاہ قسطنطنیہ {	۶۷	امیر کرمانیہ کی بغاوت
۷۱	تحت نشینی	۵۴	سے جدید صلح نامہ {	۶۷	فتوحات تھریس
۷۱	امرائے ناطولیہ آویزش	۵۴	اناٹولیہ کی بقیہ ریاستیں	۶۷	جنرل لالہ شاہین کے کارنامے
۷۲	قلمیہ پیر قلیچہ	۵۴	محاصرہ قسطنطنیہ	۶۷	جنگ مارٹینر
۷۲	دعویٰ ارسلطنت	۵۵	ولاچیا	۶۸	دارالحکومت
۷۳	دور سلطنت	۵۵	فتح بلغاریہ	۶۸	شہنشاہ قسطنطنیہ کا باغداد پہنچنا
۷۳	اوصاف	۵۵	صلیبی جنگ	۶۸	شہزادہ بایزید کی شادی
۷۳	حلی ترقی	۵۶	فرمان خلیفہ عباسی	۶۹	شہر آق کی خرید
۷۴	وفات	۵۸	فتح یونان	۶۹	فتوحات
۷۴	آٹا ذخیر	۵۸	مغلوں کی یلغار	۷۰	شاہ مرویہ کی خود سری
۷۴	علمائے عصر	۵۹	صاحب قرن امیر تیمور	۷۰	وفات
۷۵	سلطان مراد ثانی	۶۰	مہر کہ تیمور و بایزید	۷۰	وسعت سلطنت
۷۶	تحت نشینی - نام و نسب	۶۱	مہر کہ انگورہ	۷۱	کارنامے
۷۶	مراد اور مصطفیٰ تعلیم و تربیت	۶۲	بایزید کا انجام	۷۱	اصلاحات
۷۶	قسطنطنیہ کا محاصرہ	۶۴	بایزید کی موت	۷۲	نہرانی غدار
۷۷	شہنشاہ قسطنطنیہ	۶۵	اوصاف بایزید	۷۲	رایت احمر
۷۸	سالونیکا اور سرویا	۶۶	عیش و عشرت	۷۲	اوصاف
۷۸	واقعات ہونیاد سفاک	۶۶	سلطنت عثمانیہ	۷۲	علمائے عصر
۷۹	جنرل فرید پاشا اور ہونیاد	۶۷	گیتی ستان		
۸۰	شہزادہ علاء الدین کا انتقال	۶۷			

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۹۷	وفات - اوصاف	۹۰	علمی ترقی	۸۰	شاہ ہنگوی بغاوت نشینی
۹۷	عالمائے عصر	۹۰	مدارس	۸۱	بغاوت انگلشیہ
۹۸	سلطان سلیم اول	۹۱	نظم مملکت	۸۱	وفات مراد
۹۸	بھائیوں کی نزاع	۹۱	آئین سلطنت	۸۱	اوصاف
۹۸	وقائع شاہ اسماعیل صفوی	۹۱	صدر اعظم	۸۲	معاصر علماء
۹۹	فتح مصر	۹۲	قاضی عسکر	۸۳	سلطان محمد ثانی فاتح
۱۰۰	یونس پاشا کا حشر	۹۲	خواجہ	۸۳	قسطنطنیہ
۱۰۰	خلافت پرفائز ہونا	۹۲	مفتی	۸۳	تخت نشینی نام و نسب تعلیم و تربیت
۱۰۰	نعمانیوں کو مراعات	۹۲	نشاہی	۸۳	معصوم بھائی کا قتل
۱۰۱	وفات	۹۲	رئیس آفندی	۸۴	قلعہ کی تعمیر
۱۰۱	اوصاف	۹۲	دیوان	۸۴	قسطنطنیہ پر حملہ
۱۰۱	علمی ترقی	۹۲	آغا داخلی - آغا خارجی	۸۴	فتح قسطنطنیہ
۱۰۲	سلطان سلیمان اعظم قانونی	۹۳	معاصر علماء	۸۵	محاصرہ
۱۰۲	تخت نشینی	۹۴	سلطان بایزید ثانی	۸۶	فتوحات
۱۰۲	شام میں بغاوت	۹۴	تخت سلطنت	۸۶	بحری بیڑہ
۱۰۲	فتوحات	۹۴	امیر پرچم کی بغاوت	۸۶	فتنہ حسن اوزان
۱۰۳	بزرگ درویش کریم الخاقانی	۹۵	فتوحات	۸۶	وقائع
۱۰۳	ہنگری کے وقائع	۹۵	مصر	۸۸	جزائر بحر روم
۱۰۴	ویانہ پر حملہ	۹۵	ایران	۸۸	درویش
۱۰۴	بغداد	۹۵	ممالک یورپ سے تعلقات	۸۸	وفات
۱۰۴	الجزائر	۹۶	یورپ میں فتوحات	۸۸	اوصاف
۱۰۵	ہندوستان	۹۶	وقائع	۸۹	فنون جنگ
۱۰۶	جزائر بحر روم	۹۶	گوشہ نشینی	۸۹	لامداداری

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۱۲۴	وقائع	۱۱۴	یورپ سے جنگ	۱۰۶	سلطانی بیڑا
۱۲۵	کوہ پرلی	۱۱۴	وفات	۱۰۷	تجارتی عہد نامہ
۱۲۶	مقدس عہد	۱۱۴	اوصاف	۱۰۷	فرانس اور شارکان
۱۲۶	سلطان سلیمان ثانی	۱۱۴	اولاد	۱۰۷	شارلکان
۱۲۷	وقائع	۱۱۵	سلطان محمد ثالث	۱۰۷	شاہ طہماسپ
۱۲۷	آسٹریا	۱۱۵	تخت نشینی	۱۰۸	وفات
۱۲۷	وفات	۱۱۵	انتظام مملکت	۱۰۸	اوصاف
۱۲۷	اوصاف	۱۱۶	سلطان احمد اول	۱۰۸	شعراء و علمائے عصر
۱۲۸	سلطان احمد ثانی	۱۱۶	تخت نشینی	۱۰۹	سلطان سلیم ثانی
۱۲۸	تخت نشینی	۱۱۶	وقائع	۱۰۹	خلافت
۱۲۸	وقائع	۱۱۶	صدر اعظم	۱۰۹	صدر اعظم
۱۲۸	وفات	۱۱۷	شاہ عباس صفوی	۱۰۹	معاهدات
۱۲۸	مصفی ثانی	۱۱۷	مہالک مغرب	۱۱۰	بین
۱۲۸	محاربات	۱۱۸	سلطان مصطفیٰ اول	۱۱۰	قبرص
۱۲۹	مسئلہ شرقیہ	۱۱۹	سلطان عثمان خاں ثانی	۱۱۰	ترکی بیڑا
۱۳۰	حسین پاشا	۱۲۰	قتلہ و فساد	۱۱۱	انتقال
۱۳۱	سلطان احمد ثالث	۱۲۱	سلطان مراد رابع	۱۱۲	سلطان مراد خاں ثالث
۱۳۱	علمی ترقی	۱۲۱	وقائع بغداد	۱۱۲	تخت نشینی
۱۳۱	پیٹر اعظم	۱۲۲	علمائے عصر	۱۱۲	صدر اعظم
۱۳۲	بغاوت	۱۲۳	سلطان ابراہیم خاں	۱۱۲	وقائع
۱۳۲	وقائع ایران	۱۲۳	صدر اعظم	۱۱۳	معاهدات
۱۳۲	پہلا مطبع	۱۲۳	فتح کریٹ	۱۱۳	مراقبہ
۱۳۲	سلطان محمود اول	۱۲۴	سلطان محمد رابع	۱۱۳	دیگر فتوحات

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۱۶۴	سفرِ یورپ	۱۶۴	نپولین سے دود و ہاتھ	۱۳۴	صدر اعظم
۱۶۵	معزولی سلطان	۱۵۷	سلطان کی معزولی	۱۳۴	قلعہ نادر شاہ
۱۶۷	سلطان مراد خامس	۱۵۷	سلطان مصطفیٰ رابع	۱۳۵	روس و آسٹریا
۱۶۸	سلطان عبدالحمید ثانی	۱۵۸	زار اور نپولین کا معاہدہ	۱۳۵	محارب بات عجم
۱۶۸	ملک کی حالت	۱۵۸	سلطان محمود ثانی	۱۳۵	انتظامِ سلطنت
۱۶۸	دستور کا اعلان	۱۵۸	خانہ جنگی	۱۳۶	وقائعِ فرانس
۱۶۹	جنگِ بلونا	۱۵۵	محمد بن عبدالوہاب نجدی	۱۳۷	سلطان عثمان ثالث
۱۷۰	کوائفِ مصر	۱۵۶	حمد مکہ معظمہ	۱۳۸	سلطان مصطفیٰ ثالث
۱۷۲	شرقی رومیلی کی بغاوت	۱۵۷	مصری و نجدی آویزش	۱۳۸	وقائعِ راغب پاشا
۱۷۲	کریٹ	۱۵۸	یونان	۱۳۸	وقائعِ روس
۱۷۳	ترکوں میں سیاسی بیداری	۱۵۸	انکشاریہ کا قاتمہ	۱۳۸	ترکی بیڑے کی تباہی
۱۷۴	بطلِ حریتِ مدحت پاشا	۱۵۸	یونان کی آزادی	۱۳۹	امیرِ مسلم کرائی خاں کی غداری
۱۷۴	علامہ جمال الدین افغانی	۱۵۹	الجزائر پر فرانس کا قبضہ	۱۴۰	مصر میں بغاوت
۱۷۷	عبدالقادر الجزائری	۱۵۹	سربیا	۱۴۱	سلطان عبدالحمید اول
۱۷۷	مصطفیٰ کمال پاشا	۱۶۰	مصر کی آزادی	۱۴۱	سلطنت کی زبوں حالی
۱۸۴	جمعیتِ حریت	۱۶۱	دفاہِ عام	۱۴۱	صلح
۱۸۳	عثمانیہ انجمن اتحاد و ترقی	۱۶۱	تعلیم کی ترقی	۱۴۱	وقائع
۱۸۴	غیر اسلامی انجمنوں کے تعاون	۱۶۱	غلامی کے دواغ کا انسداد	۱۴۲	قلعہ روس
۱۸۵	دستور	۱۶۲	سلطان عبدالحمید اول	۱۴۲	روس اور آسٹریا
۱۸۶	دستور کی طلبی	۱۶۲	اصلاحات	۱۴۳	سلطان سلیم ثالث
۱۸۷	قیامِ حکومتِ دستوریہ	۱۶۳	درود	۱۴۳	دولتِ عثمانیہ
۱۸۷	اشتہار	۱۶۳	وفات	۱۴۳	روس اور آسٹریا
۱۸۹	قیامِ جمہوریت	۱۶۳	آثارِ عظم	۱۴۴	اصلاحات
		۱۶۴	سلطان عبدالعزیز	۱۴۴	فوجی تنظیم

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۲۵۰	یونانی	۲۱۱	عہدِ انا ترک	۱۹۱	معزولی سلطان
۲۵۱	سرقوسہ کی دیاست	۲۱۱	صنعت و حرفت	۱۹۱	اشخصیت و جمہوریت کی کشمکش
۲۵۲	قرطاجنہ	۲۱۱	تعلیمی ترقی	۱۹۵	سلطان محمد خاس
۲۵۳	یونانیوں اور قرطاجنوں کے محارب بات	۲۱۱	جمہوریہ ترکیہ پر نظر	۱۹۵	کوائف طرابلس
۲۵۴	جیکو کے جانشین	۲۱۲	عصمت پاشا	۱۹۶	مجاہد طرابلس امیر علی پاشا
۲۵۵	صقلیہ کی حالت رومیوں کے زمانے میں	۲۱۳	احلال بائرمہدر جمہوریہ	۱۹۷	پندرہ سالہ مجاہد طرابلس
۲۵۶	رومن قوم کی ابتدائی حالت	۲۱۳	دولت عثمانیہ کا پس منظر	۱۹۸	فاطمہ بنت عبداللہ
۲۵۷	رومیوں اور قرطاجنوں کے محارب	۲۱۳	دورِ منتزل	۱۹۹	بلقانی شورش
۲۵۸	صقلیہ پر رومن قوم کا قبضہ	۲۱۸	سیاسی بیداری	۲۰۰	بلقانی باہم لڑ پڑے
۲۵۹	سرقوسہ کا خاتمہ اور کل صقلیہ پر رومیوں کا تصرف	۲۱۹	نظامِ مملکت	۲۰۲	جنگ عمومی
۲۶۰	رومن قوم کی حالت رومن	۲۲۳	مذہب	۲۰۳	شریف مکہ کی بغاوت
۲۶۱	رومن قوم کے زمانہ میں	۲۲۴	ترکوں کا علمی عہد	۲۰۵	سلطان عبدالوحید خاں
۲۶۲	رومن قوم کی حالت رومن	۲۲۴	ترکی خواتین	۲۰۵	مصطفیٰ کمال کا کارنامہ
۲۶۳	رومن قوم کے زمانہ میں	۲۳۲	ترکوں کا نظریہ خلافت	۲۰۷	حزب وطنی
۲۶۴	رومن قوم کے زمانہ میں	۲۳۲	تاریخ صقلیہ	۲۰۷	صدارت
۲۶۵	رومن قوم کے زمانہ میں	۲۳۳	تاریخ صقلیہ	۲۰۷	خلافت ماب
۲۶۶	رومن قوم کے زمانہ میں	۲۳۳	تاریخ صقلیہ	۲۰۸	باشترکیوں سے عہدہ
۲۶۷	رومن قوم کے زمانہ میں	۲۳۳	تاریخ صقلیہ	۲۰۸	مصطفیٰ کمال کا بڑا کارنامہ
۲۶۸	رومن قوم کے زمانہ میں	۲۳۳	تاریخ صقلیہ	۲۰۹	لوزان کانفرنس
۲۶۹	رومن قوم کے زمانہ میں	۲۳۳	تاریخ صقلیہ	۲۱۰	انحلائے قسطنطنیہ
۲۷۰	رومن قوم کے زمانہ میں	۲۳۳	تاریخ صقلیہ	۲۱۰	قیام جمہوریت ترکیہ
۲۷۱	رومن قوم کے زمانہ میں	۲۳۳	تاریخ صقلیہ	۲۱۱	سلطان عبدالحمید خاں
۲۷۲	رومن قوم کے زمانہ میں	۲۳۳	تاریخ صقلیہ	۲۱۱	خاتمہ خلافت

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۲۳۲	صقلیہ اور جزائر سے مسلمانوں کا اخراج	۳۰۹	حسن بن احمد بن ابی الغنیر	۲۸۰	میدان جنگ
۳۴۰	دولتِ فاطمیہ پر ایک نظر	۳۱۰	احمد بن زیادہ اللہ بن قریب	۲۸۲	محمد بن ابی الجواری
۲۴۳	خلفائے فاطمیہ	۳۱۱	ابو سعید موسیٰ بن احمد	۲۸۴	محمد بن عبداللہ بن الاغلب
۳۴۴	عہدِ طلیہ	۳۱۳	ابو العباس خلیل بن اسحاق طرطبی	۲۸۶	ابوالاغلب ابراہیم بن عبداللہ
۳۴۴	مسلمانانِ صقلیہ	۳۱۵	ابو عیاض محمد بن اشعث لازوی	۲۸۸	امی میں غلقون اور
۳۴۵	دارالحکومت	۳۱۶	ابوالغنائم حسن بن علی بن	۲۸۹	مفرج کی سرگرمیاں
۳۴۵	بلادِ صقلیہ	۳۱۹	ابو القاسم بن حسن کلبی	۲۹۱	عباس بن فضل
۳۴۶	علمائے صقلیہ	۳۲۱	جابر بن ابوالقاسم کلبی	۲۹۱	احمد بن یعقوب والی صقلیہ
۳۴۶	صقلیہ کا علمی دور	۳۲۱	جعفر بن محمد کلبی	۲۹۲	خواجه بن سفیان
۳۴۶	تذکرۃ اربابِ فضل	۳۲۲	ثقة الدولہ ابو الفتوح	۲۹۳	محمد بن خواجہ والی صقلیہ
۳۴۷	تاریخِ ہندو	۳۲۳	یوسف بن عبداللہ کلبی	۲۹۴	رباح بن یعقوب
۳۴۹	عربوں کی آمد کے برکات	۳۲۴	تاج الدولہ سیف الملت	۲۹۴	حسین بن رباح
۳۵۰	عہدِ فاروقی میں سندھ	۳۲۴	جعفر بن ابو الفتوح کلبی	۲۹۵	عبداللہ بن محمد
۳۵۱	پر پہلی مہم	۳۲۶	تأیید الدولہ احمد الکحل کلبی	۲۹۶	جعفر بن محمد والی صقلیہ
۳۵۱	عہدِ عثمانی میں سندھ پر مہم	۳۲۶	صمصام الدولہ حسین بن	۲۹۷	اغلب بن محمد متعب صقلیہ
۳۵۲	عہدِ علی میں سندھ پر مہم	۳۲۶	ثقة الدولہ کلبی	۲۹۹	ابوالعباس بن ابراہیم اعلیٰ
۳۵۲	عہدِ امیر معاویہ میں سندھ پر مہم	۳۲۶	صقلیہ میں طوائف الملوک	۳۰۳	محمد بن مرقوسی
۳۵۲	عہدِ عبدالملک	۳۲۹	صوبوں کے حکمران	۳۰۳	احمد بن ابی الحسین بن رباح
۳۵۴	عہدِ ولید بن عبدالملک	۳۲۹	صقلیہ سے اسلامی حکومت کا خاتمہ	۳۰۴	آخری اعلیٰ تاجدار کا انجام
۳۵۵	فاتح سندھ کی دواواری	۳۳۱	تاریخِ نارمن	۳۰۵	علی بن محمد بن ابی الفوارس
			ابن الجراح آخری تاجدار صقلیہ	۳۰۵	دولتِ اغالہ
				۳۰۶	دولتِ اغالہ افریقہ
				۳۰۸	ولاء صقلیہ

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۴۲۷	آل سبکیں کا زوال	۴۲۰	سلطان محمد	۳۹۱	عہد بنی عباس
۴۲۷	غزنوی سلطنت کے خاتمہ میں	۴۲۰	سلطان مسعود	۳۹۲	حکومت ہمدانیہ
۴۲۷	ہندو حکمرانوں کا شترک	۴۲۲	سلطان مودود	۳۹۹	سومرہ قوم کی اصلیت
۴۲۷	غزنوی سلاطین کے دور	۴۲۳	ہندوستان میں جذبہ طغیت	۴۰۲	پایہ تخت
۴۲۷	میں ہندوستان میں	۴۲۳	سلطان عبدالرشید	۴۰۵	کاشتکاری اور باغبانی
۴۲۷	علوم و فنون کی ترقی	۴۲۴	نوشنگین حاکم پنجاب	۴۰۶	سلاطین لنگاہان میں
۴۲۸	شعراء	۴۲۴	سلطان فرخ زاد	۴۰۸	لنگاہ بادشاہوں کے کارنامے
۴۲۹	علماء و محدثین و قضاة	۴۲۴	سلطان ابراہیم	۴۱۱	سلطان محمود غزنوی
۴۳۰	مشارح	۴۲۴	سلطان مسعود بن ابراہیم	۴۱۲	شجرہ خاندان غزنویہ
۴۳۲	ممتاز اعیان	۴۲۴	طغائیں حاکم پنجاب	۴۱۳	سبکیں
۴۳۲	سلطان معز الدین	۴۲۴	سلطان ارسلان	۴۱۳	راجہ جے پال کی وعدہ
۴۳۲	محمد بن شام غوری	۴۲۵	محمد بابہیم والی پنجاب	۴۱۳	غلامی اور سبکیں کا
۴۳۳	قرامط کا استیصال	۴۲۵	بہرام شاہ	۴۱۳	حملہ ہندوستان پر
۴۳۳	غزنوی سلطنت کو ٹٹانا	۴۲۵	قلعہ ناگور پر قبضہ	۴۱۴	سلطان محمود
۴۳۳	ہندوستان میں مستحکم	۴۲۵	محمد بابہیم کی بغاوت اور زوال	۴۱۴	محمود کی ترکاڑیاں
۴۳۳	سلطنت کی تاسیس	۴۲۵	حسین بن ابراہیم والی پنجاب	۴۱۳	سلطان محمود کے حملے
۴۳۵	وفات	۴۲۶	غزنی کی بربادی	۴۱۳	ہندوستان پر
۴۳۶	جانشین	۴۲۶	خسر و شاہ	۴۱۷	نظم صوبہ پنجاب
۴۳۶	سیرت و کردار	۴۲۶	غزنوی سلاطین کا	۴۱۷	محمود کی رواداری
۴۳۷	علماء و مشائخ	۴۲۶	ماہن ہندوستان	۴۱۷	محمود کا علمی دربار
۴۳۸	سلطان قطب الدین	۴۲۶	ملک خسرو	۴۱۹	کتب خانہ
۴۳۸	ایک المعز	۴۲۶	راجہ جوں کی دعوت	۴۱۹	علمی مجلس و مباحثے
۴۳۹	اوصاف	۴۲۶	شاہاب الدین غوری کو	۴۲۰	فکر و سخن

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۴۷۶	مجلس قضاۃ	۴۵۸	اولاد	۴۴۱	آرام شاہ
۴۷۷	علمی ترقی	۴۵۸	التمش کے پیرو مُرشد	۴۴۲	مقبور سلطان
۴۷۷	اس کے عہد کے صوفیاء	۴۵۹	آثار التمش	۴۴۳	سلطان شمس الدین التمش
۴۷۷	محکمہ احتساب	۴۶۰	قطب صاحب کی لاٹ	۴۴۴	شہنشاہ ہند
۴۷۸	عدل و انصاف	۴۶۱	یا مینامہ یا مازند	۴۴۵	خاندانی حالات
۴۷۸	رواداری	۴۶۲	التمش کی عبادت گزاری	۴۴۶	التمش کا واقعہ زندگی
۴۷۹	علمی ترقی	۴۶۵	خلافت	۴۴۷	شاہی
۴۷۹	مجلس علماء	۴۶۵	سورج شمسی	۴۴۸	تخت و مجلس
۴۸۰	مقبور التمش	۴۶۶	رضیہ سلطانہ	۴۴۹	بیعت
۴۸۱	سلطان معز الدین	۴۶۷	تخت نشینی	۴۵۰	واقعہ سخاوت
۴۸۱	بہرام بن التمش	۴۶۸	سیاست	۴۵۱	ابتدائی زندگی کا خاتمہ
۴۸۱	علاء الدین محمود شاہ	۴۷۰	ابن بطوطہ کا بیان	۴۵۱	حد ملحدین
۴۸۳	ناصر الدین محمود شاہ	۴۷۱	واقعہ شہادت	۴۵۲	التمش کی فتوحات اور اسلامی جوش
۴۸۴	مذہبیت	۴۷۱	رضیہ کا بچپن	۴۵۲	ہنگین
۴۸۵	ناصر الدین محمود شاہ کے	۴۷۲	رضیہ سلطانہ کی محرومی کا سبب	۴۵۳	خلعت عباسیہ
۴۸۵	خاص خاص واقعات	۴۷۳	مذہب کا خلق	۴۵۴	روحانی مدارس اور اشاعت اسلام
۴۸۷	غیاث الدین بلبن	۴۷۴	علمی مناظرے	۴۵۵	التمش کی ہمان نوازی
۴۸۸	بلبن کی ترقی	۴۷۴	مذہب	۴۵۵	اور دہلی کی رونق
۴۸۸	بلبن کی فرض شناسی	۴۷۵	محد قرامطہ کا استیصال	۴۵۵	آداب الحرب و الشجاعت
۴۸۹	انتظام سلطنت	۴۷۵	احوال قرامطہ	۴۵۶	فتوحات
۴۸۹	فیاضی و دریا دلی	۴۷۵	علماء کی منزلت	۴۵۶	پہلاں بار
۴۹۰	عدل پروری	۴۷۶	خواجہ بختیار کاکی کی	۴۵۷	نامور فضلاء و علماء
۴۹۱	محکمہ جاسوسی	۴۷۶	خدمت میں حاضری	۴۵۷	التمش کے اوصاف و عمدہ

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۵۱۷	نئے مسلک کے بڑے اور مرمی	۵۰۲	وزیر نظام الدین کا قتل	۴۹۱	فوج کی تہذیب
۵۱۷	فوج عالم کا خیال	۵۰۳	خاندان خلجی	۴۹۱	مذہب و کرم
۵۱۸	علاء الدین کی حق پسندی	۵۰۳	جلال الدین فیروز شاہ	۴۹۲	باغیوں کی سرکوبی
۵۲۰	محکمہ جاسوسی کا قیام	۵۰۴	جلال الدین کی سلامت طبع	۴۹۲	شکاہ کا شوق
۵۲۰	مشرکوں کی حفاظت	۵۰۴	علم و کرم	۴۹۳	سطوت و جبروت
۵۲۰	میخواری کا سد باب	۵۰۵	علم پروری	۴۹۳	خودداری
۵۲۰	تعلقات ازدواج کی رفعت	۵۰۵	جلال کی شاعری	۴۹۳	بلبن کے بڑے بیٹے
۵۲۱	مالگذاری کے اصول	۵۰۶	خونریزی سے احتراز	۴۹۳	محمد سلطان کے فضائل
۵۲۱	مغلوں کا حملہ روکنے کی کم	۵۰۷	نری و اشتی پسندی	۴۹۴	محمد سلطان کی تہذیب
۵۲۱	کے لئے تدابیر	۵۰۸	عفو و کرم کی مثال	۴۹۴	محمد سلطان کی بیاض
۵۲۳	چیزوں کے نرخ	۵۰۹	امن پسندی	۴۹۴	بزرگوں کا احترام
۵۲۶	تحقیقی حالات کی کیفیت	۵۱۰	سید مولہ کا قتل	۴۹۵	علماء و مشائخ شہادت
۵۲۶	فوج کی تنخواہ	۵۱۱	صفات	۴۹۶	حکومت بلبن پر ایک عمومی تبصرہ
۵۲۷	عارضی مالک کی خدمات	۵۱۲	علاء الدین کی سرکشی	۴۹۶	فراست و دانائی
۵۲۷	علماء کی قدر دانی	۵۱۳	جلال الدین کا قتل	۴۹۶	ناصر الدین شاہ کی کامیابی کا لالہ
۵۲۹	عبدالعلی کی خصوصیات	۵۱۴	سلطان علاؤ الدین خلجی	۴۹۷	مغلوں کے حملہ کا دفاع
۵۳۰	افسانوں کی حقیقت	۵۱۴	علاء الدین کی بیدار مغزی	۴۹۷	باغیوں کی سرکوبی
۵۳۲	سلطان شہاب الدین	۵۱۵	سلطنت کی رونق	۴۹۸	قلعوں اور مشرکوں کی تعمیر
۵۳۲	بن علاؤ الدین خلجی	۵۱۵	داد و دہش	۴۹۸	ترک جاگیرداروں کا انتظام
۵۳۲	سلطان قطب الدین بابر شاہ	۵۱۵	تخت نشینی	۴۹۹	بنگال کی مہم
۵۳۲	علاء الدین خلجی	۵۱۶	عزم و ثبات	۴۹۹	بلبن کی سکندرانہ اولوالعزمی
۵۳۲	ناصر الدین خسرو شاہ	۵۱۷	مغلوں کی شکست	۵۰۱	بلبن کا انتقال
۵۳۶	تغلیقہ خاندان	۵۱۷	مشاورت فی الامر	۵۰۱	معز الدین کی قیادت

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۶۱۷	غیاث الدین تغلق	۵۳۶	انتظام آب پاشی	۵۳۶	غیاث الدین تغلق
۶۱۸	سلطان محمد تغلق شاہ	۵۴۱	نئے شہروں کی بنا	۵۴۱	سلطان محمد تغلق شاہ
۶۱۸	علی عظیم	۵۴۱	خانقاہیں اور سرائیں	۵۴۱	علی عظیم
۶۱۸	کارخانہ جات	۵۴۱	نہریں	۵۴۱	کارخانہ جات
۶۱۸	نائب و ارکان سلطنت	۵۴۵	مدارس	۵۴۵	نائب و ارکان سلطنت
۶۱۹	ارکان عدالت عالیہ	۵۴۵	لاٹریں	۵۴۵	ارکان عدالت عالیہ
۶۲۰	معمولات	۵۴۶	دیوان خیرات	۵۴۶	معمولات
۶۲۰	اخلاقی زندگی	۵۴۶	دارالترجمہ و کتب خانہ	۵۴۶	اخلاقی زندگی
۶۲۲	انتظام برید	۵۴۷	فنون کی ترویج	۵۴۷	انتظام برید
۶۲۳	سنگہ اور اوزان	۵۴۸	علماء و فضلاء	۵۴۸	سنگہ اور اوزان
۶۲۳	مدبارہ	۵۴۸	فتوحات	۵۴۸	مدبارہ
۶۲۴	جلوس عید	۵۴۹	رحم دلی	۵۴۹	جلوس عید
۶۲۴	فتوحات	۵۴۹	وفات	۵۴۹	فتوحات
۶۲۸	طعام	۵۵۰	فیروز شاہ کے عہد	۵۵۰	طعام
۶۲۸	بغاوت	۵۵۲	میں طب کو فروغ	۵۵۲	بغاوت
۶۲۸	اسباب ناکامی	۵۵۲	اتفاق شاہ ثانی	۵۵۲	اسباب ناکامی
۶۳۳	نیادار الحکومت	۵۵۴	سرد خاندان	۵۵۴	نیادار الحکومت
۶۳۴	وفات	۵۵۴	لودھی خاندان	۵۵۴	وفات
۶۳۴	سلطان فیروز شاہ	۵۵۵	سلطان سکندر بن سلطان سکندر	۵۵۵	سلطان فیروز شاہ
۶۳۴	اخلاقی زندگی	۵۵۶	سلطان ابراہیم	۵۵۶	اخلاقی زندگی
۶۳۴	ترقی زراعت	۵۵۶	عہد سکندر لودھی کا دور علمی	۵۵۶	ترقی زراعت
۶۳۸	آمدنی	۵۶۱	علمائے عصر	۵۶۱	آمدنی
۶۳۹	فیروز گاہی کا انسداد	۵۶۲		۵۶۲	فیروز گاہی کا انسداد
۶۳۹	کارخانہ جات	۵۶۲		۵۶۲	کارخانہ جات
۶۳۹	سنگہ	۵۶۳		۵۶۳	سنگہ

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۶۷۷	دین النبی	۶۷۰	اکبر اعظم	۶۶۰	بابر اعظم
۶۷۸	شہزادہ سلیم کی بغاوت	۶۷۰	اکبر کا نام و لقب	۶۶۰	شجرہ خاندان مغلیہ
۶۷۹	اکبر کی شادی بیاہ	۶۷۰	پیدائش	۶۶۱	شاہان مغلیہ
۶۷۹	اولاد	۶۷۰	تعلیم و تربیت	۶۶۲	مغلیہ خاندان
۶۷۹	اکبر کی آخری زندگی	۶۷۰	ابتدائی سوانح	۶۶۳	پیدائش بابر
۶۸۰	وفات	۶۷۰	تخت نشینی	۶۶۳	تعلیم و تربیت
۶۸۰	عہد اکبر میں علمی ترقی	۶۷۱	خود مختاری	۶۶۶	قیام آگرہ
۶۸۲	کتب خانہ	۶۷۲	اکبری نورتن	۶۶۹	ہمایوں کی جانشینی
۶۸۲	مکتب خانہ	۶۷۲	ابوالفیض فیضی	۶۶۹	وفات
۶۸۳	ہندی کی ترقی	۶۷۲	علامی ابوالفضل	۶۶۹	سیرت
۶۸۴	ابوالمنظر نور الدین جہانگیر	۶۷۲	حکیم ہمام	۶۷۰	حلیہ
۶۸۴	ولادت	۶۷۲	راجہ بیربل	۶۷۰	مذہب
۶۸۴	تعلیم و تربیت	۶۷۳	راجہ ٹوڈر مل	۶۷۲	تصانیف
۶۸۴	شہزادہ سلیم کی بغاوت	۶۷۴	فتوحات اکبری	۶۷۳	بابر کے عہد کے علماء
۶۸۵	تخت نشینی	۶۷۴	تسخیر دکن	۶۷۴	نصیر الدین محمد ہالوی شاہ
۶۸۶	کابل کی سیر	۶۷۵	وسعت سلطنت	۶۷۵	شیر شاہ سوری
۶۸۷	نور جہاں	۶۷۵	صوبہ و نظام سلطنت	۶۷۷	شیر شاہ کا نظام حکومت
۶۸۷	کاٹگرہ کی فتح	۶۷۵	صیغہ مال	۶۷۷	اور اصلاحات
۶۸۸	شاہ جہاں کی بغاوت	۶۷۶	اصلاحات ملکی	۶۷۸	معمولات
۶۸۸	مہابت خاں کی گت خمی	۶۷۶	امور سلطنت	۶۷۸	ہمایوں کی دوسری تخت نشینی
۶۹۱	اور آصف خاں کساہ	۶۷۶	سیرت	۶۷۹	ہمایوں کے عہد
	قید ہونے کا ذکر	۶۷۷	سیاسی تدبیر	۶۷۹	کی تعلیمی ترقیاں

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۴۰۲	پندرہویں سال کے حالات	۴۹۹	تیسرے سال کے حالات	۴۹۳	بیگمات
۴۰۴	سولہویں سال کے حالات	۴۹۹	نظام الملک و خانبجھاں کی	۴۹۳	اولاد
۴۰۴	سترہویں سال کے حالات	۴۹۹	سرکوبی کے لئے روانگی	۴۹۳	وفات
۴۰۸	اٹھارہویں سال کے احوال	۴۹۹	کمال الدین دہلوی کی بغاوت	۴۹۳	نظام سلطنت
۴۰۸	انیسویں سال کے حالات	۴۹۹	اعظم خاں کی کامیاب جنگ	۴۹۳	بہانگیر کے عہد میں علمی ترقیاں
۴۰۸	بیسویں سال کے حالات	۴۰۰	چوتھے سال کے حالات	۴۹۵	ابوالمظفر شہاب الدین
۴۰۹	اکیسویں سال کے واقعات	۴۰۰	خانبجھاں کا انجام	۴۹۵	محمد شاہ جہاں
۴۰۹	بائیسویں سال کے حالات	۴۰۱	دکن میں قحط	۴۹۵	صاحبزادہ ثانی
۴۱۰	سیسواں سال	۴۰۱	سفیر ایران کی آمد	۴۹۵	ولادت
۴۱۰	چوبیسویں سال کے واقعات	۴۰۲	دیگر فتح	۴۹۵	تعلیم و تربیت
۴۱۰	پچیسواں سال	۴۰۲	ممتاز محل کی وفات	۴۹۵	شہزادہ کی نافرمانی
۴۱۰	چھبیسواں سال	۴۰۲	پانچویں سال کے حالات	۴۹۶	شہزادہ اور دیگر باغیوں
۴۱۱	ستاسواں سال	۴۰۲	قلعہ بیجاپور پر حملہ	۴۹۶	کے متعلق فرمان
۴۱۱	اٹھاسواں سال	۴۰۳	چھٹے سال کے حالات	۴۹۶	تخت نشینی
۴۱۱	اتیسواں سال	۴۰۳	ساتویں سال کے حالات	۴۹۶	فرمانبرداروں پر عنایت
۴۱۱	تیسواں سال	۴۰۴	آٹھویں سال کے حالات	۴۹۶	پہلا حکم
۴۱۳	اکتیسواں سال	۴۰۵	نویں سال کے حالات	۴۹۶	مشاغل ذاتی
۴۱۵	شجرہ شاہجہاں	۴۰۵	دسویں سال کے حالات	۴۹۶	مشاغل ملکی
۴۱۶	شاہ جہاں کے دور	۴۰۵	گیارہواں سال	۴۹۶	اصحت خاں
۴۱۶	کی تعلیمی ترقیاں	۴۰۶	بارہویں سال کے حالات	۴۹۶	قاتل ابوالفضل کا حال
۴۱۸	نومسلموں کی تعلیم	۴۰۶	تیرہویں سال کے حالات	۴۹۸	سال دوم
۴۱۸	کا انتظام	۴۰۶	چودھویں سال کے حالات	۴۹۸	خانبجھاں کی پھر بغاوت

صفحہ	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۴۳۷	علماء و شعراء عالمگیری	۴۲۹	طریقت سے لگاؤ	۴۱۹	شہنشاہ ابو مظفر محمدی الدین
۴۳۷	مفسرین	۴۲۹	عدل		محمد اور ننگ زیب عالمگیر
۴۳۷	محدثین	۴۳۰	جہود کہ دشمن	۴۲۰	عہد سزا دگی
۴۳۷	فقہاء	۴۳۰	معائنہ فوج	۴۲۰	بہادری
۴۳۷	قاضی	۴۳۱	جنگ پیلاں	۴۲۱	قدر دانی علماء
۴۳۷	مفتی	۴۳۱	دیوان عام	۴۲۱	بزرگان دین سے عقیدت
۴۳۷	حکماء	۴۳۱	دیوان خاص	۴۲۱	مزادات پر حاضری
۴۳۷	علماء	۴۳۲	مراحم خسروانہ	۴۲۲	جنگ میں شرکت
۴۳۸	مؤرخین	۴۳۲	فخرمان	۴۲۲	سوانحیات
۴۳۸	شعراء	۴۳۲	حرم سرا	۴۲۲	اصلاحات ملکی
۴۳۸	عالمگیر کے عہد کی علمی ترقیاں	۴۳۲	نماز ظہر	۴۲۲	قروان
۴۳۸	ملاذدین اسلم ہروی	۴۳۳	کسب معاش	۴۲۲	معافی
۴۳۸	کادرس آگرہ میں	۴۳۳	غسل خانہ	۴۲۲	وسعت سلطنت
۴۳۸	درس شاہ غلام نقشبند لکھنؤ	۴۳۳	نماز مغرب	۴۲۲	صنعت و حرفت
۴۳۸	شیخ احمد معروف بہ	۴۳۳	خواب گاہ	۴۲۲	معافی محصول
۴۳۸	ملا جیون ایشیوی	۴۳۴	تالیف فتاویٰ عالمگیری	۴۲۲	پیمائش
۴۳۸	سید قطب الدین	۴۳۴	منشور عالمگیری	۴۲۲	ٹیکس
۴۳۸	حبیب بخشیری شاگرد	۴۳۵	مؤلفین فتاویٰ	۴۲۲	مذہبی رواداری
۴۳۸	ملا ابوالفتح کلو	۴۳۵	موزوں طبع	۴۲۲	بے تعصبی
۴۳۸	سید مبارک بلگرامی	۴۳۶	سیرت	۴۲۸	صرف اوقات
۴۳۸	شیخ محمد فضل الہ آبادی	۴۳۶	دار الخلافہ	۴۲۸	صبح
۴۳۸	شاہ عالم بہادر شاہ	۴۳۷	وفات	۴۲۸	خلوت گاہ

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۷۹۱	مادھوجی سندھیا	۷۹۷	مدرسہ قاضی مبارک دہلی	۷۹۲	تعلیم و تربیت
۷۹۲	مادھو سندھیا کا اقتدار	۷۹۸	احمد شاہ بادشاہ	۷۹۳	وقائع
۷۹۳	روہیلوں میں بے چینی	۷۹۹	عالمگیر ثانی	۷۹۴	سیرت
۷۹۴	واقعات نواب غلام قادر	۸۰۰	کوائف سلطنت	۷۹۵	بہادر شاہ
۷۹۵	امراء کی کشیدگی	۸۰۱	مال غنیمت	۷۹۶	ملائقہ الدین سہاوی
۷۹۶	شاہ عالم کے اعمال کا ثمرہ	۸۰۲	تعداد افواج بھاؤ	۷۹۷	تلامذہ
۷۹۷	بادشاہ شاہ عالم کا نائیل پونا	۸۰۳	مرہٹہ سردار جو بچ رہے	۷۹۸	جہاندار شاہ بن بہادر شاہ
۷۹۸	مرہٹوں کے مظالم	۸۰۴	ابوالمظہر جلال الدین	۷۹۹	جہاندار شاہ
۷۹۹	لارڈ ولزلی	۸۰۵	محمد شاہ عالم ثانی	۸۰۰	قرن سیر
۸۰۰	دہلی پر انگریز مرہٹہ جنگ	۸۰۶	نام	۸۰۱	نام و نسب
۸۰۱	انگریزی قبضہ	۸۰۷	تعلیم و تربیت	۸۰۲	تعلیم و تربیت
۸۰۲	بادشاہ کی سخاوت	۸۰۸	ولی عہد	۸۰۳	سوانح
۸۰۳	ریزیڈنٹ کا تقرر	۸۰۹	برنگالہ کا قضیہ	۸۰۴	بغاوت
۸۰۴	مغلیہ حکومت کا آخری دور	۸۱۰	ایسٹ انڈیا کمپنی	۸۰۵	قرن سیر کا قتل
۸۰۵	وفات	۸۱۱	انگریزی اقتدار	۸۰۶	درس کلیم اللہ
۸۰۶	ولی عہد	۸۱۲	الہ آباد کا قیام	۸۰۷	ناصر الدین محمد شاہ
۸۰۷	شاعری اور شاہ عالم	۸۱۳	بکسر کی جنگ	۸۰۸	نادر شاہ
۸۰۸	شاہ عالم کے عہد میں شاعری کی ترقی	۸۱۴	شجاع الدولہ اور انگریز	۸۰۹	محمد شاہ کا علمی دور
۸۰۹	تصانیف	۸۱۵	بادشاہ کی دہلی میں تقریب آوری	۸۱۰	شاہ ولی اللہ کا دور
۸۱۰	علامہ عہد اور شاہ عالم	۸۱۶	نواب منابط تان	۸۱۱	قرن سیر
۸۱۱	دہلی کی شعر و شاعری	۸۱۷	ذوالفقار الدولہ نجف خاں یارانی	۸۱۲	مدرسہ شہابیہ
۸۱۲	کی سمجھا کا اجاڑ	۸۱۸	نجف خاں کی موت	۸۱۳	تلامذہ

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۸۳۶	لطیفہ	۸۲۰	علمی دور دورہ	۸۰۶	علمی دور
۸۳۷	معمولات	۸۲۱	علمائے عہد	۸۰۷	علمائے کرام
۸۳۸	انگریزی اقتدار	۸۲۲	مشائخ	۸۱۲	{ ابوالنصیر معین الدین اکبر شاہ ثانی شاہ دہلی
۸۴۱	دربار	۸۲۳	ابوظفر بہادر شاہ		
۸۴۲	شاہی اعلان	۸۲۴	سپر شمشیر	۸۱۲	شادی
۸۴۲	وفود مجاہدین کی آمد	۸۲۴	فن شہسواری	۸۱۳	جلوس
۸۴۴	پہلی جنگ	۸۲۵	بصری	۸۱۴	پالیسی کی تبدیلی
۸۴۵	فتویٰ جہاد	۸۲۶	قتیل سواری خاص	۸۱۶	وفات
۸۴۵	مورچہ بندی	۸۲۸	شاعری ذوق	۸۱۶	{ اکبر شاہ کے عہد کے انگریزی عہدہ دار
۸۴۸	ٹاکامیا بی	۸۲۹	سیاسی حالات		
۸۴۹	بہادر شاہ کی قید	۸۳۳	عالم شہزادگی	۸۱۷	مرشد اکبر ثانی
۸۵۰	مقدمہ بغاوت	۸۳۴	شریعت کی پابندی	۸۱۷	بیعت
۸۵۱	خاتمہ جلد سوم	۸۳۵	پیری مریدی	۸۱۷	سناوت
	❦	۸۳۵	اخلاقی زندگی	۸۱۷	مذہبی حالت

(۸)

خلافتِ عثمانیہ

خلافت عثمانیہ

جس میں اوطغرل مورث آل عثمان سے لے کر آخری خلیفہ
سلطان عبدالحمید خاں اور کمال آتاترک تک چونتیس سلاطین
آل عثمان کے عہد سلطنت کے حالات اور تاریخ کے تمام
ضروری گوشے جامع اور دلپذیر اسلوب میں بیان کئے گئے ہیں۔

تاریخِ اترک

اتراک اغرقوم کا ایک گروہ تھا جو بحالت خانہ بدوشی مشرقی ایشیا اور وسط ایشیا میں گھومتا رہتا تھا۔ یہ لوگ فطری طور سے قوی اور شجاع تھے۔ ان کی طبیعت میں خداداد ہمتور تھا۔ مغربی ایشیا اور مشرقی یورپ کی آبادیوں پر تنگ و تازہ کرتے رہتے۔ ان کی ہیبت دلوں پر مستولی تھی۔ جس علاقہ پر ان کا گزرا ہوتا آبادی خوف زدہ ہو کر گھر چھوڑ کر بھاگ جاتی۔ ستلہ میں ان خانہ بدوش ترکوں نے ایک بڑی سلطنت قائم کر لی جو منگولیا اور چین کی شمالی سرحد سے لے کر بحر اسود تک پھیلی ہوئی تھی۔

اس سلطنت کے دو حصے تھے ایک شمالی ترکی حکومت اور دوسری مغربی ترکی حکومت کہی جاتی تھی۔ شمالی کا بانی ”بوین“ تھا اور مغربی کا ”اسقوی“ پہلی صدی ہجری میں سلطنت چین نے اپنی اطاعت پر مجبور کیا مگر خود دار ترک کچھ عرصہ بعد آزاد ہو گئے۔ مغربی ترکوں میں ترکیش کا قبیلہ ممتاز تھا۔ اس کے سرداروں نے پہلی صدی ہجری میں خاقان کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ ۱۲ھ میں نصر بن سیار امیر عرب نے ترکیش ترکوں کی سرداری کا بہ قوت خاتمہ کر دیا۔

ترک اور عرب

اس زمانے سے پہلے سے ترکوں اور عربوں میں تعلقات قائم ہو چکے تھے۔ عربوں کی شجاعانہ سرگرمی اور ہمتور نے اس بہادر قوم کو ان کی طرف مائل کر دیا تھا۔ قتیبہ بن مسلم نے خلیفہ اموی ولید بن عبدالملک ۷۰ھ، ۷۱ھ کے عہد میں ترکی علاقہ ہقند، بخارا، سمرقند، خیوا، فرغانہ اور کاشغر وغیرہ فتح کر لئے تھے اور وہاں

اسلامی حکومت قائم ہو گئی تھی۔ مگر ترک ان سے مانوس تو ہوئے لیکن آبائی مذہب پر قائم رہے۔ پھر عربوں کے اخلاق اور ان کی صداقت اور خدا پرستی نے ترکوں کی طبیعت کو بہت پرستی سے بے زار کرنا شروع کر دیا۔

مسٹر آرنلڈ نے ان کی ترک بہت پرستی کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ :-
 ”وقتیہ بن مسلم نے بہت خانے تباہ کر دیئے۔ ترکوں میں یہ خیال جاگزیں تھا کہ جو بتوں سے بے ادبی کرے گا وہ ہلاک ہو جائے گا مگر قتیہ نے بت خانوں میں آگ لگوا دی۔ مگر اس کا بال بھی بیکانہ ہوا۔ اس واقعہ سے ترکوں پر اثر پڑا اور وہ بطبیعیہ خاطر اسلام میں داخل ہو گئے۔“ ۱۷

حضرت عمر بن عبدالعزیز سریر آدائے خلافت ہوئے جہاں ان کے عہد میں غلٹائے لاشدین کے زمانہ کی یاد تازہ ہوئی اسلام کی اشاعت بھی خوب ہوئی۔ خلیفہ نے ماوراء النہر کے ترک بادشاہوں کو بھی اسلام کی دعوت دی جن میں سے اکثر اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ ۱۸

عبداللہ بن معمر الیشکری اسلام کی تبلیغ کے لئے بھیجے گئے جن کے وعظ و تلقین سے کثیر التعداد ترک داخل اسلام ہو گئے۔

خلیفہ ہشام (۷۴۳ھ) کے زمانہ میں مبلغ اسلام ابو حیدر نے ماوراء النہر کے ترکوں میں اسلام پھیلایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سمرقند اور بخارا تک کے ترکوں نے بہت اثر لیا اور داخل اسلام ہو گئے۔ دولت بنی اُمیہ کے خاتمہ کے بعد آل عباس تخت خلافت پر متمکن ہوئے۔ سفاح کے بعد منصور سریر آدائے خلافت ہوا۔ گو عرب اس کے ہاتھوں پائمال ہوئے۔ عجمیوں کو عروج ہوا تو ان کے اقتدار سے گھبرا کر اس کی نظر اتراک پر پڑی۔ چنانچہ منصور نے ترکوں

کو فوج میں بھرتی کرنا شروع کر دیا۔ ہارون الرشید کے زمانہ میں عربوں اور عجمیوں میں حریفانہ کشمکش شروع ہو گئی۔ امین اور مامون کی جنگ میں عرب اور عجمی کھل کے سامنے آئے۔ امین کی ماں عرب تھی اور آل عباس سے، اور مامون کی ماں عجمی تھی۔ چنانچہ عجمیوں نے جان کی بازی لگا کر عربوں کو زیر کر لیا۔ امین قتل ہوا مامون کامیاب۔ نتیجہ ظاہر ہے عرب ختم ہو گئے اور عجمی برسرِ اقتدار آئے۔ جب معتصم خلیفہ ہوا عجمیوں کی خود سری بڑھی ہوئی تھی۔ اس کے سوا اس کی ماں ترک خاتون تھی اس لئے طبقاً اس کا میلان ترکوں کی طرف تھا۔ چنانچہ معتصم نے ہزار ہا ترک غلام خرید کر انہیں اسلامی تعلیم اور فوجی تربیت دلائی۔ تھوڑے عرصہ میں فوج میں ترک ہی ترک نظر آنے لگے۔ یہ لوگ ماوراء النہر سے لائے جاتے تھے۔

خلیفہ معتصم عباسی حسن صورت، کمال شجاعت اور اسلام کا شیفہ ہونے کی وجہ سے ترک غلاموں پر بے حد اعتماد کرنے لگا اور اپنے قصر کی حفاظت تک انہی کے سپرد کر دی۔ ترکوں کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔ بڑے صوبوں کے گورنر مقرر کر دیا اور انعام و اکرام کی بادش ان پر کی جانے لگی۔ غرضیکہ ترکوں کی تعداد عسکری اسلامی میں ستر ہزار کے قریب ہو گئی۔ ان کے لئے دجلہ کی مشرقی سمت ایک شہر سامرا تعمیر کیا اور اس کو ہی دار الخلافہ قرار دیا۔ واثق نے ترکوں کو حکومت کے نظم و نسق میں بھی دخیل کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد نتیجہ یہ ہوا کہ ترک حکومت پر بالکلیہ چھائے اور خلفاء کو بے دست و پا کر دیا۔ متوکل نے چاہا کہ ان کے اثرات گھٹائے مگر ترکوں نے اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ آگے چل کر امراء ترک کے اختیار میں خلفائے عباسیہ کا عزل و نصب اور جلس و قتل تھا۔

خلفاء میں اتنی طاقت باقی نہ رہی تھی کہ وہ ترکوں کے اقتدار کو گھٹاتے۔ چنانچہ جب احمد بن بویہ بغداد آیا تو خلیفہ وقت مستکفی نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ احمد کا سلسلہ نسب بہرام بن یزدجرد تک پہنچتا ہے جو ملوک سامان سے

تعلق رکھتا تھا۔ یہ لوگ بلادِ ولیم میں آباد تھے جہاں اطروش علوی نے اشاعتِ اسلام کی۔ ابو شجاع بویہ ماہی گیر تھا۔ اس کے لڑکے علی نے ترقی کر کے ۳۳۴ھ میں عراق پر حکمرانی شروع کی۔ یہ یمن بھائی تھے۔ خلیفہ نے مکن الدولہ، عماد الدولہ معز الدولہ خطاب عطا کئے۔

معز الدولہ نے خلافت کے نظم و نسق پر پورا اقتدار جمالیا اور تھوڑے عرصے میں خلیفہ بے بس ہو کر رہ گیا۔ پانچ ہزار درہم روزانہ خلیفہ کو گزارے کے لئے ملا کرتے تھے۔ ترکوں سے بڑھ کر ان آل بویہ نے خلفاء پر ظلم توڑے۔ ۳۲۰ھ سے ۳۶۶ھ تک ان کا اقتدار رہا۔ ان کی قوت کو توڑنے والا طغرل بیگ سلجوقی ترک تھا۔ طغرل نے آل بویہ کی سلطنت کا جنازہ نکال دیا اور وہاں حکومت سلجوقیہ کا سنگ بنیاد رکھا اور ۳۷۰ھ میں بغداد میں داخل ہوا اور تاتاریوں کی یورش ۶۵۶ھ تک وہ اور اُس کے جانشین وہاں کے سیاسی فرمانروا رہے۔

سلاجقہ کا عہد نہایت عروج و اقبال کا تھا۔ یہ ضرور ہے کہ بغداد پر اُن کے اقتدار سے خلافت عباسیہ صرف نام ہی کی باقی رہ گئی تھی۔ مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ سلجوقی ترک مسلمانوں کی قریب مرگ سلطنت میں از سر نو روح چھونکنے کے لئے بڑھے اور کامیاب ہو گئے۔

سلاجقہ برق و باد کی طرح ایران، جزیرہ، شام اور ایشیائے کوچک سے گزرے جس ملک نے مزاحمت کی اُسے تاخت و تاج کر ڈالا۔ ان فتوحات کے سیلاب کا یہ نتیجہ ہوا کہ اسلامی ایشیا، افغانستان کی مغربی سرحد سے بحیرہ روم تک مثل عباسی خلیفہ کے پھر ایک بادشاہ کے قبضہ میں آ گیا جو اجڑے سلطنت عباسیہ بھر گئے تھے وہ پھر ایک رشتہ میں منسلک ہو گئے۔

غرضیکہ اس پر شوکت و عظمت اسلامی سلطنت نے عیسائیوں کی باز نطفہ سلطنت کی پیش قدمی کا قرار واقعی انسداد کیا۔ بلکہ عیسائی مجاہدین بیت المقدس کی ناکامیوں کے باعث بہ نسبت اور کسی اور سلطنت اسلامی کے زیادہ تر

یہی پُر جوش اتراک تھے۔ یہی وجوہات ہیں جس سے خاندانِ سلاجقہ کو تاریخ میں مہتمم بالشانِ رتبہ حاصل ہے۔

مصر کا طولونی خاندان بھی ترکی خاندان سے تھا۔ احمد بن طولون نے مصر و شام میں ۶۵۴ھ سے ۶۸۸ھ میں آزاد سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ سینتیس سال تک بر عظمت طور سے اس خاندان نے حکمرانی کی۔ ان کے بعد اششیدی اُن کے جانشین ہوئے۔^۱

مصر کے سلاطین مملوک بحری اور چرکسیہ یہ سب ترک تھے۔ ۶۴۸ھ سے ۷۹۲ھ تک مصر پر مملوک خاندان حکمران رہے۔ برجی مملوک ۷۸۴ھ سے ۷۹۲ھ تک مصر کے فرمانروا تھے۔ ان سے حکومت آل عثمان نے لی۔^۲

ترک نسل سے دانشمند یہ خاندان بھی تھا جبکہ سلجوق ایشیائے کوچک میں اپنی خدمات کو بڑھا رہے تھے۔ ایک اور ترکی سردار گشتگیں بن دانشمند کیا ڈوشیہ کے مشہور شہروں سیواس، قیصاریہ اور ملیشیہ پر حکومت کا سکہ بٹھا رہا تھا۔ آخری مقام کے قریب اس نے فرانس کو ایسی شکست دی جو مدتوں تک نہ بھولی۔ ۵۲۷ھ سے ۵۶۰ھ تک یہ حکومت رہی۔ ابراہیم بن محمد ثانی آخری دانشمند یہ خاندان کا حکمران تھا۔ دیارِ کبر پر ایک ترکی خاندان ایک عرصہ تک حکمران رہا۔ اس کا بانی ارتوک بن اکساک ترک تھا۔ جب سلجوقی سلطان دمشق توٹش نے بیت المقدس فتح کیا تو ارتوک اس کا گورنر مقرر ہوا۔ اس کے لڑکے سلطان والغازی جنہوں نے فلسطین کے شہزادگان روم کے خلاف لڑائیوں میں ناموری حاصل کی تھی ۶۱۵ھ سے ۶۱۲ھ تک سلمان اور الغازی

۱۔ خلافت عباسیہ جلد دوم از انتظام اللہ شہابی -
۲۔ تاریخ ملت کی جلد ہفتم میں مفصل حالات خاندان طولون اور محالیک بحری و چرکسی کے ہم لکھ چکے ہیں۔ انتظام اللہ شہابی -

کی اولاد حکمران رہی۔ حلب پر بھی حکمران رہے۔ کیفہ بھی قبضہ میں رہا۔ تیمور گورکان کے تغلب و استیلاء پر یہ بھی اس کے مطیع ہو گئے۔

انابیگان آذربائیجان، خاندان سلفر، شاہان خوارزم یہ سب ترک نسل کے تھے۔ روم کی سلاجقہ سلطنت بتدریج دیسی ریاستوں میں تقسیم ہو گئی۔ خاندان قروی نے میسیسہ، ساروخان اور ایدین نے لیدیہ، من تشارنے قادہ۔ تقانے لیسہ و پمقیلیہ، حمید نے پسیدیہ و اسودیہ، قرمان نے لیکا اونیہ، قرمان نے فریجیہ، قزل احمدی نے پغلا گونیہ پر تصرف کر لیا۔ عثمانیہ خاندان فریجیہ ایلکس پر قابض تھا۔ ان تمام خاندانوں کو ترکی پذیر عثمانیہ حکمرانوں نے رفتہ رفتہ اپنے میں جذب کر لیا۔

غرضیکہ ترک جہاں شجاع اور بہادر تھے ان میں عربوں کے بعد حکمرانی کا بھی مادہ تھا چنانچہ ترکوں میں سب سے عظیم المرتبت حکومت آل عثمان کی ہے۔

ارطغرل

مورث آل عثمان

ارطغرل کا خاندان اتراک اغر سے تھا۔ جس زمانے میں شاہان خوارزم پر چنگیز نے یلغار کی اور اس کی سلطنت پاش پاش ہو کر رہ گئی۔ ترک قبائل جنوب کی طرف بھاگے۔ بعض ایران و شام گئے جو آگے چل کر ترکمانی مشہور ہوئے۔ بعض مصر کے سلاطین مملوک اتراک سے معرکہ آرا ہوئے مگر شکست کھا کر ایشیائے کوچک میں سلاجقہ سے آئے۔ انہی ترک قبائل میں ارطغرل کا قبیلہ بھی تھا۔ ارطغرل کا باپ سلیمان شاہ سرگرم وہ قبیلہ تھا جو فراسان سے

شام آیا اور فرات اترتے ہوئے سلیمان شاہ ڈوب گیا۔ قبیلہ کا بیشتر حصہ منتشر ہو گیا۔ جو لوگ رہ گئے ان کی سرداری ارطغرل نے اور اس کے بھائی دوندانے کی۔ ہر دو بھائی اپنے قبیلے کو لے کر ایشیائے کوچک کی طرف روانہ ہوئے اور سلطان علاؤ الدین سلجوقی کی سلطنت میں داخل ہوئے۔

یہاں سلجوقی علاقہ میں دو فوجیں برسرِ پیکار تھیں۔ ارطغرل نے کمزور جماعت کا اپنے قبیلے کے جوانمردوں کو لے کر ساتھ دیا۔ یہ پانچ سو تھے۔ یہ ترک اس بے جگری سے لڑے کہ طاقت و رجحانت نے راہِ فراہ اختیار کی۔ معلوم ہوا کہ یہ نامادی تھے جن کی حمایت کی گئی وہ علاء الدین کی قبادیسیر ملک شاہ سلجوقی کی سپاہ ہے۔

علاء الدین نے اس کارنامہ کی وجہ سے ارطغرل پر شاہانہ توجہ مبذول کی اور قصبہ سکوداہ اور طومانج کا سرسبز اور نہ خیز خطہ عطا کیا۔ یہ جگہ دریائے سکارہ کے کنارے رومی سرحد کے متصل واقع تھی۔ اس کو قرنجیہ ایکٹیس بھی کہتے تھے۔

خطاب

ارطغرل کو قطعہ اراضی کے ساتھ ”اوج بک“ کا خطاب عطا کیا اور ان حدود کا سپہدار مقرر فرمایا۔

ارطغرل نے اپنے علاقہ کا انتظام ہاتھ میں لے کر ایک چھوٹی سی سرداری کی تشکیل کر لی۔ سرگرت قصبہ کو اپنے قیام کا مرکز بنایا۔ اس کے قریب ہی حدودِ باندنطائن کے ملتے تھے۔ ۱۷

۱۷۔ نیوانائیٹکلو پیڈیا صفحہ ۱۵۳۸۔ از ایچ سی رولز۔ مطبوعہ لندن۔

۱۸۔ روئے زمین کے مسلمان سلاطین“ مسٹر شینلی لین پول۔ صفحہ ۱۳۲۔

علاء الدین کی قباد کے زمانہ میں دولت سلجوقیہ اندرونی اختلال اور امر لکی بغاوتوں کی وجہ سے زوال کی راہ لگ چکی تھی۔ اگر قونیہ میں ان کی کچھ شان و شکوہ قائم تھی۔ مگر دائرہ حکومت محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ ادھر ان میں اسلاف

۱۰ علاء الدین کی قباد کا مورث سلیمان اول بن قلمش (۶۴۰ھ) تھا۔ سلاطین سلاجقہ روم اس کی نسل سے تھے۔

فہرست سلاطین سلاجقہ روم

سلیمان اول بن قلمش ۶۴۰ھ ملک شاہ اول ۶۵۰ھ

قرل ارسلان داؤد ۶۸۵ھ اعز الدین قرل ارسلان ثانی ۶۵۱ھ

غیاث الدین کینخرو ۶۸۱ھ غیاث الدین کینخرو ثانی ۶۸۳ھ

قرل ارسلان ثالث ۶۸۱ھ یکن الدین قرل ارسلان رابع ۶۵۵ھ

(اس نے حکومت بیٹوں میں تقسیم کر دی) غیاث الدین مسعود ثانی ۶۹۲ھ

اعز الدین کیگاؤس اول ۶۷۷ھ

مسعود اول ۶۸۰ھ علاء الدین کی قباد اول ۶۸۲ھ

قطب الدین ملک شاہ ثانی ۶۸۵ھ اعز الدین کینخرو ۶۸۳ھ

دکن الدین سلیمان ثانی ۶۹۷ھ غیاث الدین کینخرو ۶۹۶ھ

کینخرو اول ۶۸۱ھ علاء الدین کی قباد ثانی ۶۹۶ تا ۷۰۰ھ

مفصل حالات سلاجقہ کے تاریخ ملت جلد ششم میں لکھ چکے ہیں۔

قلمش طغرل یک سلجوقی کے امراء سے تھا۔ اس نے الپ ارسلان سے بغاوت کر کے خود مختاری حاصل کر لی۔ اسے کے مقام پر ۶۵۶ھ میں ایک معرکہ میں کام آیا۔ اس کا بیٹا سلیمان ایشائے کوچک میں چلا آیا اور ۶۸۵ھ میں نائیباً پر جو باز نعلینی سلطنت کا مشہور شہر تھا، قابض ہو گیا اور اس کو بھی پایہ تخت بنالیا اور نئی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ ۶۸۷ھ میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی سی جانبازی، کشور کشائی کا شوق بھی نہ رہا تھا۔ جس قدر علاقہ قبضہ و تصرف میں تھا اس پر اکتفا کئے ہوئے تھے مگر حدود سلطنت کے قریب باز نطین فراروا تھا دوسری طرف تاتاری۔ چنانچہ ان تاتاری گروہ نے پھر متحد باز نطینوں کی کی فوج لے کر علاء الدین پر حملہ آور ہوئے تو ارطغرل نے بروصہ کے درمیان جا کر ان کو شکست دی۔ سلطان نے اس واقعہ کے صلہ میں انعام و اکرام سے نوازا اور ارطغرل کو اپنی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا۔

ارطغرل کے علاقہ میں قراہہ حصہ، پلے جیک اینی وغیرہ قلعے تھے جہاں خود مر امرائے ترک تھے جن کو ارطغرل نے زیر کرنے کی کوشش کی اور کچھ پر کامیاب بھی ہو گیا۔ اس طرح سے اس کے مقبوضات کا دائرہ وسیع تر ہو گیا اور امرائے دولت میں اُس کا درجہ فائق نظر آنے لگا۔ آخر کار سلطان علاء الدین سلجوقی نے ارطغرل کو اپنا نائب قرار دیا۔ ہلال جو علاء الدین کے علم کا نشان تھا اسی کو ارطغرل نے اختیار کیا۔

اوصاف ارطغرل جہاں بہادر تھا اسی کے ساتھ وہ رحم دل اور متواضع تھا۔ اُس نے دُور دُور سے جو اس کے قبیلے کے لوگ تھے،

بقیہ حاشیہ ص ۷ سے آگے) انطاکیہ بھی فتح کر لیا مگر پہلی صلیبی جنگ میں نائیسائے کے ہاتھ سے نکل گیا اور یہ حکومت صرف ایشیائے کوچک میں محدود ہو کر رہ گئی۔ ایک عرصہ بعد مسعود بن قزل ارسلان نے اس کی توسیع کی طرف توجہ کی اور قوتیہ کو دار الحکومت بنایا اور مضبوط حکومت کی بنیاد ڈالی۔ اس کے جانشین قزل ارسلان ثانی نے سلطنت میں اضافہ کیا اور آرمینیا کو مغلوب کر کے انہیں محکوم بنایا۔ کنجسرو اول نے انطاکیہ پر لے لیا اور کیا اُس نے سنوپ فتح کیا۔ علاء الدین کی قیادت اول کا دور حکومت شاندار ہے۔ کنجسرو ثانی کے زمانہ میں تاتاری سیلاب سے رہا سہا اقتدار بھی بہہ گیا۔ ہلاکونے اس کے دونوں بیٹوں عز الدین اور رکن الدین میں ملک تقسیم کر دیا۔ مگر تاتاریوں کے محکوم تھے۔

ان کو بلا کر اپنے علاقہ میں آباد کیا۔
وفات | ارطغرل نوے برس کی عمر پاکر ۶۸۷ھ، ۱۲۸۸ء میں فوت ہوا اور
 ”سنوپ“ میں دفن ہوا۔

امیر عثمان خان غازی

بانی دولتِ عثمانیہ

نام | عثمان ابن ارطغرل ۶۵۶ھ میں سرگرت میں پیدا ہوا۔
تعلیم و تربیت | امیر ارطغرل سلطان العلماء الدین کی قیادت کی صحبت سے اپنا
 قبیلے کے اگیا تھا تو اُس نے عثمان کو اور اپنے دوسرے لڑکوں کو مثل اہل اسلام
 کے طریقہ پر تعلیم و تربیت دلوائی۔ عثمان خود شجاع اور بہادر تھا۔ اسلام کی تعلیم
 اور اسلامی فضا نے اس میں چار چاند لگا دیئے ”اسکی شہر“ کے قریب ”ایترونی دیہ“
 میں ایک خدا رسیدہ عالم اوہ بالی رہا کرتے تھے۔ ان کی صحبت میں عثمان رہا کرتا تھا۔
 ایک عالم کی خدمت گزرا ہی سے عثمان کچھ سے کچھ ہو گیا۔ آخر شش ان کی صاحبزادی
 کرمال خاتون اس کے جالہ عقد میں آئی۔

وقائع | ارطغرل کے بعد عثمان اپنے قبیلے کا سردار پایا اور اس نے کچھ عرصہ
 میں اپنے ہمنوا وہم خیال دوہزار ترک کر لئے۔

قراچہ حصار | بازنطینی قلعہ دار دولت سلجوقیہ کے سرحدی علاقوں پر آئے

حملہ کرتے رہتے تھے۔ سلطان قونیہ کے ایک نائب کی حیثیت سے عثمان ان سے مقابل ہوتا اور ان کو پسپا کرتا رہتا۔ قراجہ حصار کا معرکہ پیش آیا۔ عثمان نے اس قلعہ کو بڑی بہادری سے فتح کر لیا اور اس کے ارد گرد کی اراضی قبضہ میں لے آیا۔ سلطان قونیہ علاء الدین نے عثمان کو ہی بطور جاگیر یہ علاقہ بخش دیا اور ”بک“ کے خطاب سے سرفراز کر کے اُس نے اپنے سگے جادی کرنے اور اپنا نام جمعہ کے خطبہ میں شامل کرنے کی اجازت بھی مرحمت کی۔ اس طرح ”بک“ لقب کے علاوہ امارت کے تمام امتیازات امیر عثمان خان کو حاصل ہو گئے۔ ”قراجہ حصار“ کا حکمران نکولس تھا۔ جو ۶۸۸ھ میں عثمان سے زیر ہوا۔ اس زمانے میں مال خاتون کے بطن سے اور خان پیدا ہوا۔

تکفور | تکفور بیلہ بک کا حکمران تھا۔ عثمان سے گہری دوستی تھی اس نے ۹۶۸ھ میں اپنی بیٹی کی شادی کی تقریب میں عثمان کو دعوت دی۔ اس کا دوست یونانی رئیس کوسہ مینخائل تھا۔ اس نے تکفور کے ارادے سے مطلع کر دیا کہ اس بہانہ سے وہ تمہارے خاتمہ کے ذریعے ہے۔ چنانچہ امیر عثمان خان چالیس ترکوں کو جن کی قباؤں کے نیچے اسلحہ تھا ساتھ لے کر محفل شادی میں شریک ہوا۔ تکفور نے گرفتار کرنے کی تدبیر کی تھی کہ تلوار سونت کر سب ترک کھڑے ہو گئے اور اہل قلعہ کو تہ تیغ کر کے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور عروس نیلوفر کو قبضہ میں لائے۔ آگے جا کر نوابزادی نیلوفر اور خاں کی ملکہ بنی۔

بادشاہی | ۶۸۸ھ میں جو جی بن چنگیز کے لڑکے باتو خان نے یورپ کا رخ کیا۔ ماسکو، نووگورود اور ہنگری تک پہنچ کر لوٹا۔ اس میں آخری سلجوقی تاجدار علاء الدین ثانی پائمال ہو کے رہ گیا اور قونیہ کی سلطنت ختم ہو گئی۔

باتو خان کے واپس جانے کے بعد طوائف الملوکی پھیل گئی اور ہر حقہ کا امیر خود مختار بن کے بیٹھ گیا۔ چنانچہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر عثمان نے

بھی اپنی حکمرانی کا اعلان کر دیا اور پایہ تخت ”اسکی شہر“ کو بنایا اور اردگرد کی مستقل عمارتیں صا دو خاں، قرالی وغیرہ بن گئی تھیں ان سے دو دو ہاتھ کٹے اور اکثر کو زیر کر لیا۔

آزاد حکمرانی | عثمان خاں دولت سلجوقیہ کے خاتمہ کے بعد آزاد حکمران تھا۔ سلجوقی امراء میں عثمان کا سب سے بڑا حریف امیر کہ مانہ قطب الدین شاہ جہاں تھا۔

بادشاہی | عثمان نے جس حکومت کی تشکیل کی اس کے انتظام و استحکام میں ۶۹۰ھ سے ۶۹۶ھ تک لگا رہا۔ اس کے سامنے علاء الدین کی حکومت کا نظام تھا۔ اس طرح اس نے محکمے قائم کئے اور اس کے افسر ترک مقرر کئے۔ اس کے بعد اپنے قلمرو کی رعایا کی فلاح و بہبود کے انتظام میں مصروف ہو گیا۔ تھوڑے عرصہ میں اپنی ریاست اعلیٰ درجہ پر پہنچادی جو دولت عثمانیہ کی اولین شکل تھی۔

فتوحات | عثمان انتظام سلطنت میں لگا ہوا تھا۔ دوسرے ترک سرداروں نے بازنطینی قلعہ داروں سے ساز باز کر کے اس پر حملہ کر دیا اور

۱۔ تاریخ الدولۃ العلیٰ العثمانیہ از محمد فرید بک مصری۔

۲۔ امراء کرمانیہ براق حاجب قلعہ خاں کی اولاد سے تھے۔ براق قرکنتے کا باشندہ تھا، جو علاء الدین خوارزم شاہ کا فوجی افسر ایک زمانہ تک رہا۔ جب چنگیز نے سلطنت خوارزم شاہ کا شیرازہ پرانندہ کر دیا تو ۱۱۹۱ھ میں براق نے کرمان میں طرح حکومت ڈالی۔

۳۔ اہلئے کہماں

براق ۶۸۹ھ	رکن الدین ۶۳۲ھ	قطب الدین ۶۵۰ھ
قلعہ خاتون ۶۹۵ھ	جلال الدین سیو غرش ۶۸۱ھ	جلال الدین محمد شاہ ۶۹۴ھ
صفوة الدین بادشاہ خاتون ۶۹۳ھ	قطب الدین شاہ جہاں ۶۰۰ھ	-

شکست کھا گئے اور اطاعت پر مجبور ہوئے۔ پھر تو باز نبطینی قلعوں کے فتح کرنے کی طرف عثمان متوجہ ہوا۔ اور یکے بعد دیگرے فتح کر لئے۔ آخر شش مہینہ قیصرہ جھایا، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

۱۱۷ھ میں امیر عثمان خان نے ناکومیدیا سے متصل فیون حصہ کے مقام پر پہلی بادشاہ قسطنطنیہ کی باقاعدہ فوج سے مقابلہ کیا۔ جس میں اُسے شاندار فتح حاصل ہوئی۔ بغرضیکہ چھ سال کے اندر عثمان کی فتوحات کا دائرہ بحر اسود کے ساحل تک پہنچ گیا۔ باز نبطینی قلعے پے در پے مسخر ہوتے گئے اور بروصہ، نائسیا، اور ناکومیدیا کے گرد فوجی چوکیوں کا ایک مضبوط حصہ قائم ہو گیا۔ باز نبطینیوں نے تاتاریوں سے مل کر عثمان سے مقابلہ کیا مگر شکست کھا گئے۔ پھر ان کو پیش قدمی کی ہمت نہ رہی۔

فتح بروصہ | سلطنت باز نبطینی کا اہم شہر بروصہ تھا۔ امیر عثمان نے ۱۱۷ھ میں اس کا محاصرہ کر لیا۔ دس سال تک اہل بروصہ محصور رہے۔ آخر ۱۲۶ھ میں محصورین نے اورخان بن عثمان کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور شہر کو خالی کر دیا اور ترکی فوج اور خاں کی سرکردگی میں فاسخانہ طور سے بروصہ میں داخل ہوئی۔ امیر عثمان خاں سفوت (سرگرت) میں بستر مرگ پر تھا۔ اس کو بروصہ کی فتح کی خبر اور خاں نے پہنچائی۔ عثمان نے بیٹے کو گلے سے لگایا اور ہمت و شجاعت کی داد دی اور اپنا جانشین مقرر کیا۔

وصیت | اورخان کو اپنے پاس بٹھا کر یہ وصیت کی کہ :-
”بیٹا اب میں موت کی آغوش میں جا رہا ہوں مجھ کو اب کسی بات کا غم نہیں ہے کیونکہ تم سالائق بیٹا اپنی جگہ چھوڑ رہا ہوں جو میری قائم مقامی اس دولت کی مجھ سے بہتر کر سکے گا۔“
بیٹا یہ وصیت یاد رہے کہ :-

”ظاہر اور باطن میں اللہ کا خوف رکھنا اور عدل گستری کو اپنا شیوہ

بنانا کہ اسی سے سلطنت کی بنیاد مضبوط رہتی ہے، رعایا پر رحم کرنا کیونکہ ہمارے رب کی صفت رحم ہے حقوق کے معاملے میں قوی اور منہیت کو یکساں سمجھنا۔ شریعت حقہ کو رائج کرنا اور کتاب و سنت کے مطابق عمل رکھنا۔ اگر میری اس وصیت پر عمل کرو گے تو تم ان اولیاد میں سے ہو جاؤ گے جو رہناٹے الہی سے کامیاب ہوئے ہیں اور بیٹا آخری کہنا یہ ہے کہ بروہہ کو پانیہ تخت بنانا اور وہیں مجھ کو دفن کرنا۔“ لے

وفات امیر عثمان خاں نے ۱۱۲۷ھ میں وفات پائی اور حسب وصیت بروہہ میں دفن کیا گیا۔

اوصاف عثمان میں وہ تمام اعلیٰ صفات تھے جو بانیانِ حکومت میں ہونا کرتے ہیں۔ شجاع تھا، عاقل، نرم خو۔ یہ ضرور ہے کہ دشمن کے لئے سخت تھا۔ رعایا کے لئے بہت مہربان و رحم دل اور اس میں قیادت کا ملکہ خاص تھا۔ طغرل کے ساتھ چار سو ترک جانا نہ تھے مگر اس کے برتاؤ اور رطعت و کرم سے چار ہزار ترک اس کے جاں نثار تھے جس میں بہت کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔ امیر عثمان خاں میں ہمت و شجاعت غیر معمولی تھی۔ میدانِ جنگ میں دشمن کے مقابل خود آتا جس سے ہر ساتھی میں دلیری کی روح پیدا ہو جاتی۔

ادہ بائی کے فیضِ صحبت سے عثمان میں صوفیانہ رنگ تھا۔ اس کے ساتھ مجاہدانہ سرگرمی، عثمان کا طریقہ جنگ وہی تھا جو قرونِ اولیٰ کے مجاہدین کا تھا۔ پہلے امرائے روم کے پاس اعلانِ بھیج دیا کہ تاکہ اسلام قبول کرو یا جزیہ دو یا جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔

مدا فغانہ جنگیں زیادہ لڑیں۔ مجبوری درجہ ان ظالم حکمرانوں سے دود دہاتھ

لے تاریخ الاتراک العثمانیہ از علامہ حسین لبیب معری۔

کئے جو اپنی رعایا پر جور و ظلم روا رکھتے یا مسلمانوں کو آٹے دن ستاتے رہتے اور پریشان کرتے تھے۔

سادہ زندگی | امیر عثمان خاں کو فتوحات میں بہت کچھ مال و زر ہاتھ لگا۔ اس نے غریبوں اور یتیموں کا حقہ نکال کر ترک سپاہیوں میں تقسیم کر دیا۔ اپنے پاس اس میں سے ایک جہہ نہ رکھا۔

یہی شہر میں اس کے رہنے کا ایک مکان معمولی درجہ کا تھا جس میں سونے چاندی و جواہرات کچھ نہ تھے۔ ایک کفّان، ایک سُوقی عمامہ، لکڑی کا ایک چمچہ، ایک نمکدان، چند عربی گھوڑے، زراعت کے لئے چند جوڑے ہل اور بھڑوں کے کچھ گٹلے، علم اور اسلحہ، مرنے کے بعد عثمان نے یہ اثاثہ چھوڑا تھا۔ یہ دولت عثمانیہ کا بانی مبنی تھا۔ فیاض اور مہمان نواز تھا۔ اس کی رحم دلی کی ترکوں میں بہت سی حکایتیں مشہور ہیں۔

آثارِ خیر | اس کے آثارِ خیر سے ”اسکی شہر“ میں ایک مسجد تعمیر ہے جس کو عثمان نے اپنے ابتدائی عہد میں بنوایا تھا۔

وسعتِ سلطنت | الہ تبارک نے مقبوضات میں سے سیفوت، اسکی خمر اور چند مواضعات چھوڑے تھے جو اوسط درجے کے امیر ہونے چاہئیں۔ مگر عثمان نے اڑتالیس سال میں ایک بڑے علاقہ کی حکمرانی قائم کی۔ اس سلطنت کا دائرہ جنوب میں کوتاہیہ اور شمال میں بحیرہ مارمورا اور بحر اسود کے ساحلوں تک وسیع کر دیا۔ اس کے قلمرو کا طول ۲۰ میل اور عرض ۲۰ میل تھا جس میں ترک یونانی سلاوی باشندے آباد تھے۔

اشاعتِ اسلام | عثمان کے مبادک عہد میں سب سے بڑا کارنامہ اسلام کی اشاعت کا ہے۔ عثمان نے بازنطینی ایشیائی

لے ناموس الاسلام (دربان ترکی)۔

مقبوضات پر قبضہ کر کے وہاں کے نصرانی باشندوں کو اپنے اخلاق سے ایسا گرویدہ کر لیا کہ وہ بطیب خاطر اسلام میں داخل ہو گئے اور ترکوں سے قرابتیں قائم کر کے ترک نہیں بلکہ عثمانی کمانے لگے۔ یہ

سلطان اور خان

نام و نسب | اور خان بن امیر عثمان خاں بن ارطغرل ۶۸۴ھ میں پیدا ہوا۔ اس کا بھائی علاء الدین چند سال پہلے پیدا ہوا تھا۔

تعلیم و تربیت | اور خاں اور علاء الدین کو علوم دینی کی تعلیم دلائی۔ مگر اور خاں کی طبیعت کا دھجماں سپہ گری اور اسپ سواری کی طرف زیادہ تھا اور علاء الدین کی طبیعت علوم دینی کی تحصیل پر مائل تھی اور اس میں ہی اُس نے معقول استعداد ہم پہنچائی اور خان کم عمری میں فنون حرب سے واقف ہو گیا تھا۔ امیر عثمان کے ساتھ اکثر معرکوں میں شریک رہا اور تینتیس برس کی عمر میں بروصہ فتح کیا۔ عثمان، اور خان کی بہادری اور تہجد سے بے حد خوش ہوا۔

تخت عثمانیہ | عثمان مرتے وقت اور خان کے لئے وصیت کر گیا تھا کہ اس کے بعد تخت نشین ہی کیا جائے۔ چنانچہ عثمان کی وفات پر اور خاں نے سلطنت کو باہم تقسیم کر لینے پر آمادگی ظاہر کی۔ مگر علاء الدین نے باپ کی وصیت اور اپنے علمی ذوق کی بنا پر اس کو منظور نہیں کیا اور بھائی کے حق میں دستبردار ہو گیا۔ اور خاں تخت نشین ہوا۔ عثمان کی تلوار اس کی کمربند

۱۔ دعوت اسلام از مسٹر آدناؤ۔

باندھی گئی۔ سلطان کے نام سے مخاطب کیا جانے لگا۔
صدارت عظمیٰ اور خان نے صدارت عظمیٰ پر اپنے بھائی کو ممتا کیا۔ اہل
 علاء الدین عربی علوم کا ماہر تھا۔ اس نے دولت عثمانیہ کے پہلے وزیر کی حیثیت سے
 آئین ملک کی ترتیب و تنظیم شروع کر دی۔

مملکت کا نظام صدر اعظم نے سب سے پہلے سکہ، لباس اور فوج کی
 طرف توجہ مبذول کی۔ باوجودیکہ سلطان علاء الدین
 سلجوقی نے عثمان کو خطبہ کے علاوہ اپنے نام کا سکہ جاری کرنے کی بھی اجازت
 دے دی تھی۔ مگر ٹکسال کا انتظام نہ ہو سکا تھا۔ صدر اعظم نے اور خان کے نام
 کا طلائی و نقرئی سکہ جاری کیا اور سلجوقی سکہ قلمرو عثمانیہ میں رائج تھے وہ
 بند کئے گئے۔

لباس اب تک لباس میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ ہر ایک ایک سا لباس
 پہنتا تھا۔ علاء الدین نے رعایا کے مختلف طبقوں کے مختلف
 قسم کے لباس تجویز کر کے ان کے متعلق قوانین نافذ کئے۔ شہر اور دیہاتی مسلم
 اور غیر مسلم ہر طبقہ کا لباس الگ الگ مقرر کیا۔

انتظام سلطنت وہی قائم رکھا جو سلاطین سلاجقہ کا تھا۔ ویسے ہی دفاتر تھے
 اسی طرح کی عدالت عظمیٰ تھی۔ البتہ فوجی تنظیم کی طرف علاء الدین نے خاص توجہ کی۔
فوجی تنظیم علاء الدین کا عظیم الشان کارنامہ فوجی اصلاحات کا ہے۔
 ارطغرل اور عثمان کے زمانہ میں باقاعدہ فوج نہ تھی، رعنا کار

تھے جو ضرورت کے وقت پیادہ و سوار جنگ میں شریک ہوتے۔ مال غنیمت
 لے کر اپنے اپنے ٹھکانوں پر چلے جاتے۔ علاء الدین نے نحوہ دار فوج پیادہ اور سوار

دونوں قسم کے ملازم رکھے تاکہ بوقت جنگ تیار رہیں۔ دس دس، سو سو، ہزار ہزار سپاہیوں پر چھوٹے بڑے امراء مقرر کئے جو ان کو باقاعدہ فن سپہ گری اور اصول جنگ کی مشق کرایا کرتے۔ یہ منظم فوج کچھ عرصہ بعد خود سری دکھلانے لگی۔ یہ ضرور ہے کہ سلطنت کی صحیح معنی میں یہی اصلی طاقت تھی۔ اور خان کو اس فوج سے خطرہ محسوس ہوا کہ اگر کسی جماعت کی معاونت کے لئے یہ فوج اٹھ کھڑی ہوئی تو کوئی طاقت ایسی نہ تھی جس سے ان کا مقابلہ کیا جاسکے۔

انکشاریہ | انکشاریہ (یعنی چری) فوج کے قیام کے پیش آنے کی ضرورت یہ ہوئی کہ اورخان نے علاء الدین اور شاہی خاندان کے رکن قراخلیل (خیر الدین پاشا) سے منظم فوج کی خود سری کے متعلق مشورہ کیا۔ قراخلیل نے یہ تجویز پیش کی کہ عیسائی اسیران جنگ میں سے جو نوجوان مسلمان ہو جائیں ان کا لشکر ترتیب دیا جائے۔ چونکہ سلطان کے سوا ان کا کوئی مربی نہ ہوگا اور نہ ان میں خاندانی عضدیت ہوگی۔ اورخان کو یہ تجویز پسند خاطر ہوئی اور اس نے انکشاری کے نفاذ کا حکم دیا۔ جب یہ فوج مرتب ہو گئی تو شیخ المشائخ حاجی بکطاش جو اپنے عہد کے ولی کامل تھے، ان کی خدمت میں یہ پیش کی گئی۔ انہوں نے اس کے لئے دعا کی اور اس کا نام یعنی شادی رکھا جو طرب میں انکشاری ہے۔ شیخ الشیوخ کی تقلید میں ہی انکشاریہ نے اپنی ٹوپی اونچی اور سفید رکھی۔ اس فوج کی تربیت اور ترقی کا لحاظ سلطان کو بہت تھا۔ ان کو جاگیریں دیں اور خطابات و القاب عطا کئے۔ ایک زمانہ میں پانچ لاکھ کی تعداد ان انکشاریہ کی تھی۔

علاء الدین نے اس فوج کے علاوہ دوسری فوجوں کی نئے طور سے تنظیم شروع کی۔ تنخواہ کے بجائے پیادوں کو جاگیریں عطا کیں اور فوجی خدمت کے علاوہ جاگیروں سے متصل مٹروں کی مرمت بھی ان کے فرائض میں داخل کر دی۔ اس فوج کے علاوہ ایک اور فوج بھی مرتب کی جس کا کام صرف یہ تھا کہ منظم فوج کے آگے

دے اور دشمن سے آگے بڑھ کر مقابلہ کرے۔ چنانچہ جب غنیم اُن سے مقابلہ کرنا اور بے ضابطہ فوج اُن کے مقابلہ میں گھونگٹ کھا جاتی۔ غنیم نے عم باطل میں کامرانی سے آگے بڑھتا تو عثمانی انکشاری فوج ان کو گھیر کر نرغہ میں لے لیتی اور تیغ و سنان سے ان کے کشتوں کے پشتے لگا دیتیں۔ یہی فتح و کامرانی کا نقشہ تھا۔ علاء الدین کی فوجی اصلاحات سے ترکوں کی باضابطہ فوج تیار ہو گئی جس کی نظیر ایک صدی تک یورپ میں پیدا نہ ہو سکی۔

فرنگ جنگ | میں کم ملتی ہے۔ ترک ہمیشہ جنگ کے لئے تیار رہتا۔ ترک چاؤں اور جاسوس صحیح رہنمائی کرتے۔ فوج تیز قدمی میں اپنا پانی نہ رکھتے تھے۔ حریف جو راستہ تین یوم میں طے کرتا عثمانی فوج ایک دن میں طے کر تی۔

ترک فوج رحم دل ہوتی ہے۔ بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو ان سے گزند نہ پہنچتا۔ البتہ دشمن کے نوجواں اور تیز و توش والے کو کسی حالت میں ترک نہ بخشا۔ یہی وجہ تھی کہ نمرانی ترکوں کے نام سے گھبرا جاتے اور مقابل آتے ہوئے خوف زدہ ہوتے۔

پاشا | علاء الدین کی کاگراری سے خوش ہو کر اور خاں نے پاشا کا لقب عطا کیا۔ یہ پہلا عثمانی ترک تھا جسے پاشا کا خطاب ملا۔ اس کے بعد اور خاں کے بڑے لڑکے سلیمان کو پاشا کا خطاب دیا گیا۔

فتوحات | اور خاں نے امیر عثمان خان کی وصیت کے مطابق بروصہ کو ادا الخلافہ بنایا اور اپنی حکومت کے پہلے سال ۷۲۶ھ میں ناگومیا فتح کر لیا۔ اب صرف سلطنت بازنطینی کے ایشیائی مقبوضات میں بڑا شہر نائیساً رہ گیا تھا جو اپنی اہمیت کے اعتبار سے قسطنطنیہ سے دوسرے درجہ پر تھا۔ ۷۳۵ھ میں اور خاں نے بزور شمشیر نصرانیوں سے نائیساً کو بھی لے لیا۔ یہاں کے باشندوں کو اجازت تھی کہ وہ اپنا مال و اسباب لے کر کسی دوسری جگہ

چلے جائیں۔ مگر ساکنین نائیساً ترکوں کے اخلاق اور اسلامیت کے گرویدہ ہو کر نائیساً سے جانے کو تیار نہ تھے بلکہ وہ بازنطینیوں کے مظالم اور بربریت سے اس قدر بیزار ہو چکے تھے کہ انہوں نے آبائی مذہب ترک کیا اور خوش دلی سے آغوشِ اسلام میں آ گئے۔

مسجد و مدرسہ | اور خان نے نائیساً میں ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کرائی اس کے متصل ایک مدرسہ قائم کیا جو دولت عثمانیہ کا پہلا مدرسہ تھا۔

لنگر خانہ | غرباء کے لئے لنگر خانہ جاری کیا۔ خود اور خان لنگر خانہ میں بیٹھ کر غرباء کو کھانا کھلایا کرتا تھا۔

قراسی | نائیساً کے فتح کرنے کے بعد قراسی کے ترکی امیر نے ۱۳۳۰ء میں انتقال کیا۔ اس کا بیٹا لڑکا تخت نشین ہوا مگر عنانِ حکمرانی ہاتھ میں لینے ہی اپنے چھوٹے بھائی کو قتل کر دیا۔ اور خان چھوٹے لڑکے کا طرفدار تھا اس کے خون کا بدلہ لینے کے لئے اور خان قراسی پر حملہ آور ہوا۔ بڑا لڑکا تابِ مقابلہ نہ لاسکا اور فرادی پر مجبور ہوا۔ چنانچہ ۱۳۳۰ء میں قراسی پر اور خان نے قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد اناطولیہ کے شمال و مغربی گوشہ کی چند ترکی ریاستیں باقی رہ گئی تھیں جہاں کی آبادی ترکوں پر مشتمل تھی، ان کو بھی عثمانی مقبوضات میں شامل کر لیا گیا۔

نظمِ مملکت | اور خان ان مہمات سے فارغ ہو کر مملکت عثمانیہ کے انتظام میں لگ گیا۔ کیونکہ بیس سال میں حسن اتفاق سے کوئی جنگ پیش نہ آئی جس کی وجہ سے اندرون ملک کا انتظام بخوبی کیا جاسکا۔ دفا تر کا انتظام وہی تھا جو سلاطین سلاجقہ کے زمانہ کا تھا۔ البتہ فوج کی تنظیم میں جدت سے کام لیا گیا۔

رفاہ عام | اور خان میں قدرتی اوصاف بادشاہی تھے۔ اُس نے اپنے

قلمرو میں جگہ جگہ مساجد و مراۓ بنوائیں۔ حمام تعمیر کرائے جن کی تعداد چار ہزار سے زیادہ تھی۔

علمی ترقی | مدرسے قائم کئے جہاں شاندار عمارتیں بنوائیں۔ دارالحکومت بڑا مدرسہ اور شاہی ہسپتال تعمیر کرایا۔ بڑے بڑے فضلاء و اہل کمال اکٹھے جمع ہوئے۔ یہاں کی علمی شہرت سے ایرانی اور عربی طلباء علوم مشرقیہ تحصیل کرنے کے لئے آنے لگے۔

ملا داد قیصری اور علامہ تاج الدین کرد جو یکے بعد دیگرے نائیبیا کے صدر مدرس رہے۔ اور خان ان کی بڑی قدر و منزلت کیا کرتا تھا۔ ان دونوں بزرگوں نے تھوڑے عرصہ میں علمی چہل پہل پیدا کر دی۔ صداہا طلباء ان کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔

زبان ترکی | اور خان کے زمانہ میں ترکوں کی بول چال ترکی ہی تھی کیونکہ ترکی زبان اپنے وطن ترکستان میں سرسبز نہیں ہوئی۔ جب ترکوں کا تسلط ایشیائے کوچک میں ہوا تو وہاں کے ایک حاکم امیر قرمان نے جو قونیہ کا حاکم تھا، اس کا باپ شیخ نور الدین صوفی تھا۔ اس نے اپنی زبان کی طرف توجہ کی۔ اس وقت سرکاری زبان فارسی تھی اور علمی و دینی زبان عربی تھی اور خان کے زمانے میں بھی ترکی زبان صرف بول چال تک محدود تھی۔ البتہ مدارس میں عربی اور فارسی پڑھائی جاتی تھی اور دفاتر میں فارسی کا ہی چلن تھا۔

یورپ کا داخلہ | اندرونی انتظامات سے فائدہ ہو کر اور خان کی توجہ یورپ کی طرف مبذول ہوئی۔ بازنطینی سلطنت کے ایشیائی

۱۰ گین جلد ۴ صفحہ ۳۱۰ ۱۱ قاموس الاعلام جلد اول

علاقے عثمانیوں کے قبضہ میں آچکے تھے۔ یورپ کے علاقہ میں صرف تھریس، مقدونیہ کے ایک جز جس میں سالونیکا شامل تھا اور یونان میں موریا کے ایک بڑے حصہ تک محدود تھا۔ یہ کل کاٹناٹ سلطنت بازنطینی کی تھی۔ اس پر حکومت سرویا کی نگاہ تھی۔ اس کا بااقتدار فرماں روا اسٹیفن ڈوشن جزیرہ نمائے بلقان کے نصف سے زیادہ علاقوں پر تسلط قائم کر کے سالونیکا اور قسطنطنیہ پر متصرف ہونا چاہتا تھا۔

۱۳۹۷ء میں شہنشاہ اینڈرونیکیس سوم کا انتقال ہوا۔ اس کا نابالغ لڑکا جان بلیولوگس تھا اور شہنشاہ کی ملکہ اینا نامی تھی۔ کنٹا کوزین والی بنا۔ مگر کچھ عرصہ بعد کنٹا کوزین نے (۱۳۹۷ء) نیکوٹیکا میں اپنے شہنشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ ملکہ اینا کو کنٹا کوزین کی یہ حرکت ناگوار گزری۔ آخرش ہردو میں جنگ چھڑ گئی۔ ان کے قریب میں طاقت ور سلطان اورخاں تھا۔ اس سے بھی ہردو نے مدد مانگی۔ مگر کنٹا کوزین نے یہ کہلا بھیجا کہ میں اپنی دختر تھیوڈور کو کنیزی میں پیش کرتا ہوں۔

چنانچہ اورخاں نے چھ ہزار ترک مدد کے لئے روانہ کر دیئے۔ کنٹا کوزین نے ترکوں کی مدد سے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا۔ ایک سال بعد قسطنطنیہ میں فاتحانہ کنٹا کوزین داخل ہو گیا۔ ملکہ نے مجبوراً صلح کر لی اور صلح اس طرح طے پائی کہ کنٹا کوزین اور اس کی ملکہ اور ملکہ اینا اور شہزادہ جان پلیوگس چاروں مشترک تخت نشین قرار پائیں۔ غرضیکہ اس طرح چاروں کی تاج پوشی ادا کی گئی۔

کنٹا کوزین نے اپنی ایک دختر اورخان کے حوالہ عقد میں دی۔ دوسری کی شادی جان پلیوگس سے کر دی۔

چند سال ہی گزرے تھے کہ ۱۴۰۲ء میں اسٹیفن ڈوشن شاہ سرویا نے سالونیکا پر حملہ کر دیا اور اس کو گمان تھا کہ یہ فتح کرنے کے بعد قسطنطنیہ کو لے لیگا۔ کنٹا کوزین نے اپنے داماد اورخان سے امداد کی درخواست کی اور

جان نے بھی اس نازک موقع پر معاونت کی خواہش کی۔ چنانچہ آدرخان نے تیس ہزار ترک سپاہی روانہ کئے ان کی مدد سے سالونیکا پراشیفن کو شکست فاش ہوئی اور اس کی فتح قسطنطنیہ کی متنازعہ خاک میں مل گئی۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد عثمانی سپاہی واپس بلا لئے گئے۔

کنٹاکوزین کو مشترکہ حکومت بارہ خاطر مہفی۔ آخر کش باہمی خانہ جنگی شروع ہو گئی جس سے کچھ عرصہ میں کنٹاکوزین نے آدرخان سے پھر مدد کی درخواست کی اور اس کے معاوضہ میں یورپین ساحل کا ایک قلعہ ”زنپ“ پیش کیا۔ آدرخان نے اپنے بڑے لڑکے شہزادہ عثمان پاشا کی سرکردگی میں بیس ہزار ترک سپاہی روانہ کئے۔ جان پیلو لوگس اور ملکہ اینا کو مقابلہ پر شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ کنٹاکوزین ترکوں کی بدولت قسطنطنیہ کا تہا فرما نوا ہو گیا۔

سیلمان پاشا نے حسب معاہدہ قلعہ زنپ پر قبضہ کر کے عثمانی فوج متعین کر دی۔ چند ہی دنوں بعد تقریباً ۱۵ لاکھ آریا۔ بھتیرے شہروں کی فصیلیں منہدم ہو گئیں تو سیلمان کی نگاہ گیلی پولی پر پڑی جو قلعہ زنپ سے قریب تھا۔ جنرل عشی بابا اور غازی فاضل بابا کی معاونت سے اس پر قبضہ جمایا اور فوج متعین کر دی۔ کنٹاکوزین نے دس ہزار دوکات کے عوض میں زنپ واپس لینا چاہا سیلمان نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد تقریباً ۱۵ لاکھ آریا۔ بھتیرے شہروں کی فصیلیں منہدم کر دی۔

یورپ میں پہلا قدم | ان ہر دو قلعوں کے قبضہ میں آ جانے سے یورپ کی سرحدی حدود میں ترکوں کا قدم جم گیا گیلی پولی

در دانیال کے مغربی ساحل پر سب سے اہم قلعہ تھا اور یہیں سے ترکوں کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ اس کا اثر اہل قسطنطنیہ نے بھی لیا اور کنٹاکوزین کے خلاف ہو گئے اور ترکوں کو یورپ میں لانے کا ذمہ دار قرار دیا اور ہر شخص کنٹاکوزین کو غدار و وطن کھتا تھا۔ آخر شہزادہ عامر کے مقابلہ میں اس کو تخت و تاج چھوڑنا پڑا اور معہ اپنی ملکہ کے لایہانہ زندگی اختیار کر لی۔

تخت سے دستبرداری کے بعد قسطنطنیہ کا حکمران جان پلیو لوگس بنایا گیا جس نے پچاس برس حکومت کی۔ مگر سلطنت باز نطینی کی حالت کو نہ سنبھال سکا۔ اور غل نے اس حکومت کے انحلال سے فائدہ اٹھا کر قلعہ شور لو اور ڈمیوٹیکا فتح کر لئے۔ جان نے صلح کر کے ڈمیوٹیکا چھڑا لیا مگر جنوبی تھریس پر اور خاں کا قبضہ قائم رہا۔ اس کے بعد سلطنت باز نطینی اور خاں کے رحم و کرم پر ہو کے رہ گئی۔

سلیمان پاشا | سلیمان پاشا جس نے کیلی پولی پر قبضہ کیا تھا علاء الدین کے بعد صدر اعظم کے عہدہ پر مقرر کیا گیا اور اپنے چچا کے قدم پر قدم لکھ کر ملک کی خدمت انجام دی۔ یہ شہزادہ فن سپاہ گری و سپاہ سالاری میں ممتاز تھا۔ علمی استعداد بھی معقول تھی۔ رعایا میں اپنی کارگزاری سے تھوڑے عرصہ میں قبولیت حاصل کی تھی۔ اور خاں کا صحیح بائیں ہونے کو تھا کہ قضا و قدر کے ہاتھوں ۱۵۹۰ء میں شکلا کھیلے ہوئے گھوڑے سے گر کر جان بحق تسلیم ہوا۔ یہ اور خاں کے لئے یہ اندوہناک واقعہ بے حد سخت تھا۔

وفات | اور خاں نے سلیمان پاشا کی جدائی کا اثر بہت لیا اور اس صدمہ میں دوسرے ہی سال بھر بیاسی سال ۱۵۹۱ء میں انتقال کر گیا۔ بروصہ میں دفن کیا گیا۔

اوصاف | اور خاں میں فاسقانہ اوصاف بیش از بیش تھے۔ مجاہدانہ سرگرمی کا حامل تھا۔ تینتیس سال کے دور حکومت میں عثمانی مقبوضات کے دائرہ کو وسیع کر لیا تھا۔ عثمان نے جس حکومت کی بنیاد قائم کی تھی اس کو بے حد مضبوط کر دیا اور سلطان کے جانے کا مستحق ہو گیا۔ اور خاں میں کشور کشائی اور جہان بانی کے جملہ اوصاف تھے۔ اس کے ساتھ شریعت

لہ تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیہ

اسلامیہ کا بڑا پابند اور گرویدہ تھا۔ شجاعت اور تہور کے ساتھ سخت گیر نہ تھا۔
 حلیم اور بڑا سخی تھا۔ علماء کی قدر دانی کرتا اور اپنی صحبت میں ان کو رکھتا اور
 اعزاز و اکرام ان کا بہت کرتا۔ اس بادشاہ میں درویشی کی بھی شان تھی مشہور
 مشائخ سے عقیدت رکھتا تھا۔

وسعت سلطنت | اور خاں کے عہد میں سلطنت عثمانیہ ایشیائے کوچک
 کے شمال مغربی حصہ اور یورپ میں لہ پگلی پول
 اور تقریب کے بعض دیگر مقبوضات پر مشتمل تھی۔ اس کا مجموعی رقبہ بیس ہزار مربع
 میل سے زیادہ نہ تھا اور آبادی ۱۰ لاکھ نفوس کی تھی یہ

علمائے عصر | ابن بطوطہ دنیا کا مشہور سیاح شہر طنجہ سے ۳۳۵ھ میں
 شمالی افریقہ سے ہوتا ہوا استنبول، خراسان، بخارا،

قندھار، ہندوستان گیا۔ دہلی میں سلطان تغلق کے دربار میں قاضی القضاۃ
 کے منصب پر رہا۔ تغلق نے سفیر بنا کر اس کو چین بھیجا۔ غرضیکہ چوبیس سال
 تک سیاحت کی۔ پھر فاس واپس آیا یہیں اس کا انتقال ۷۷۱ھ میں ہوا۔
 تحفۃ النظاری غرائب الامصار سیاحت نامہ یادگار ہے۔

علامہ زین الدین ابو جعفر عمر ابن الوردی جو معرۃ النعمان شام میں ہوا حاکم
 میں علم فقہ کی تعلیم پائی۔ بعد میں حلب کے قاضی ابن نقیب کا منشی رہا۔ اس کی
 کتاب فریۃ المعائب و فرید الغرائب مشہور ہے ۷۳۲ھ تک بقید حیات تھا۔
 اسکامعاصر مشہور مؤرخ ابو الفدا تھا۔ قاضی عضد الدین ایچی معقول و منقول اور اصول و
 فروع میں یکتا نئے روزگار تھا۔ اس کا اور علامہ ابہری کے عالمانہ مناظرے یہ ہے۔
 سعد الدین تفتازانی اس کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ والی کرمان نے اس کو قلعہ
 میں قید کر دیا وہیں ۷۵۶ھ میں فوت ہوا۔

۱۰ تاریخ ترکیہ

سُلطان مُراد اول

نام و نسب پیدائش مراد اول بن امیر آدرخان بن امیر عثمان خان غازی۔
شمارہ ۲۷ میں پیدا ہوا۔

تعلیم و تربیت آدرخان نے معاصب علماء کے سامنے ذانورث شاگردی
لے لیا۔ مگر جہان طبیعت کا فنون حرب کی طرف تھا۔
اس کا بھائی سلیمان پاشا قرن سپہ گری میں طاق تھا اس پر بھی اثر پڑے بغیر نہ
رہا۔ کم عمری سے اس میں ملک گیری اور حکمرانی کے جوہر نظر آ رہے تھے۔ قدرت
نے اس کا ساتھ دیا کہ آدرخان کا سچا جانشین بنا۔

وزارت عظمیٰ مراد کے عہد میں صدر اعظم کی جگہ پر قرہ خیل الملقب بہ
خیر الدین پاشا ممتاز ہوا۔ خیر الدین میں وہ جملہ اوصاف
جو ایک لائق وزیر میں ہونے چاہئیں موجود تھے۔ ایک عرصہ تک فوج عثمانی میں
قامی کے عہدہ پر ممتاز رہ چکا تھا۔ علم و فضل کے ساتھ فنون حرب کا بڑا ماہر تھا۔
عادل اور نصف مزاج واقع ہوا تھا۔ شمارہ ۳۸ میں فوت ہوا۔

امیر العسکر مشہور سپہ سالار افواج عثمانیہ ”لالہ شاہین“ تھا۔ اس کے بعد
تیمور پاشا امیر العسکر بنایا گیا۔ ان ہر دو نے فوج میں حسب ضرورت
اصلاحات کیں۔

جدید نظام کے ساتھ ان کے مراتب میں اضافہ کیا اور پرچم عثمانی سرخ رنگ
کا مقرر کیا اور اس میں ہلال اور تارہ کا نشان رکھا۔

لے انسائیکلو پیڈیا جلد ۴ صفحہ ۴۴۳۔

امیر کرمانیہ کی بغاوت | مراد نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لی تھی کہ امیر کرمانیہ نے مراد کے خلاف ایشیائے کوچک میں شورش کردی۔ مگر مراد نے موقع پر پہنچ کر بغاوت کا بہ قوت استیصال کر دیا۔ اس کے بعد با اطمینان خاطر یورپ کی طرف متوجہ ہوا۔

فتوحات تھریس | مراد سریرِ سلطنت پر آتے ہی یورپ کو اپنی فتوحات کی جولانگاہ بنانا چاہتا تھا مگر امیر کرمانیہ کی بغاوت سے کچھ عرصہ کے لئے اس ارادے کو ملتوی کرنا پڑا۔ جب یہ فتنہ فرو ہوا تو مراد ایک زبردست تہ کی فوج لے کر دردانیاں کو عبور کر کے تھریس میں قدم نہج ہوا۔ قلعہ شورلوف فتح کر لیا۔ یہاں سے قسطنطنیہ صرف پانچ میل کے فاصلہ پر تھا۔ اس کے بعد دوسرا قلعہ ”کرک کلیسے“ کو قبضہ میں لایا۔ ۱۶۷۴ء میں اُسکی بابا پر باندھنے والوں سے سخت معرکہ ہوا اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے غرضیکہ تھوڑے عرصہ میں تمام تھریس پر مراد کا قبضہ ہو گیا۔

جنرل لالہ شاہین کے کاہ نامے | مراد تھریس کے علاقہ کی تسخیر میں لگا ہوا تھا۔ فوج عثمانیہ کے سپہ سالار لالہ شاہین نے بلغاریہ میں داخل ہو کر فلیپوپولس مقام فتح کر لیا۔ شہنشاہ قسطنطنیہ نے یہ لنگ دیکھ کر مراد سے صلح کر لی کہ مراد کی ہر موقع پر فوجی معاونت کرتا رہے گا۔ اس کا مرانی کے بعد مراد بروصہ واپس آ گیا۔

جنگ مارٹینا | مراد کی فاتحانہ سرگرمی سے دوسری مسیحی حکومتوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ کلیسائے روم کے زیر سایہ حکمرانیاں اپنے لئے خطرہ محسوس کرنے لگیں۔ پوپ ایلین پنجم نے ہنگری، ہسپانیہ، روسیا، بوسنیا دلاچیا کے فرمانرواؤں کو حکم دیا کہ وہ مشترکہ طاقت سے ترکوں کو یورپ سے نکال دیں۔ چنانچہ ۱۶۷۶ء میں اتحادیوں کی بیس ہزار فوج تھریس روانہ ہوئی۔ مراد اناطولیہ میں تھا وہ یورپ روانہ ہوا۔ مگر یہاں جنرل لالہ

شاہین نے مختصر فوج سے اتحادی افواج کو جو ادرنہ کے قریب دریائے مارٹیرا پر غمہ زن تھی آلیا اور دفعۃً حملہ آور ہو کر تقریباً تمام فوج کو تہ تیغ کر دیا۔ شاہ ہنگری بمشکل جان بچا کر بھاگا۔ اس جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوہ بلقان کے جنوب کا سارا علاقہ سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لیا گیا۔ مراد نے ڈمیٹریکا کو جو تھریس میں واقع ہے پائیہ تخت بنایا۔

دارالحکومت | پھر تین سال بعد ادرنہ دارالسلطنت قرار دیا اور یہاں سے مراد نے دیگر بلقانی ریاستوں پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں۔

شہنشاہ قسطنطنیہ کا باجگزار ہونا | جنگ مارٹیرا کے بعد سلطان مراد معاہدہ ہوا جس کی رو سے شہنشاہ نے سلطان مراد کا باجگزار ہونا منظور کیا۔ اور آئندہ جنگوں میں عثمانی فوج کی حمایت میں اپنی فوج کا ایک دستہ بھیجنے کا وعدہ کیا۔

شاہزادہ بایزید کی شادی | امیر کرمیان اناطولیہ میں سربر آوردہ امیر تھا اور وہ دولت عثمانیہ سے آئے دن دو دو ہاتھ کرتا ہی رہتا تھا۔ مراد نے اس کے دام کرنے کے لئے امیر کرمیان کی لڑکی کی بایزید سے نسبت منظور کر لی۔ چنانچہ امیر نے عروس کو ریاست کرمیان کا بڑا حصہ اور قلعہ کوہاتیہ جہیز میں دیا۔ شادی کی تقریب بروصہ میں دھوم دھام سے منائی گئی۔ اناطولیہ کے تمام امرا نئے ترک سلطان مصر کا سفیر اس تقریب میں شریک ہوئے۔

یہ لوگ اپنے ساتھ عرب کے صیاد فیثاء گھوڑے، حسین یونانی کنیزیں، اسکندریہ کے لہیشتی پارچات، سونے چاندی کے ظروف، طشت جو جواہرات سے مزین تھے سلطان کے سامنے بطور تحفہ پیش کئے۔ اس نے یہ تمام اشیاء

اپنے مہمانوں میں تقسیم کر دیں۔ عروس نے کرمیان کے قلعوں کی گنجیاں نذر کیں تو مراد نے انہیں اپنے ہی پاس رکھ لیا۔

شہر آق کی خرید | ریاست حمید کے امیر سے ۹۷۷ھ میں بقیہ شہر آق خرید لیا جس کی وجہ سے سلطنت عثمانیہ کی سرحد ریاست

کرمانیہ سے ملحق ہو گئی۔ مراد نے اپنی دختر نفیسہ کا عقد علاء الدین امیر کرمانیہ سے کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ عرصہ باہم کوئی جنگ نہ ہوئی مگر امیر کرمانیہ کو اناطولیہ کے ترکوں کی سرداری کا دعویٰ تھا۔ وہ پھر مراد سے قونیر کے قریب آمادہ پیکار ہو گیا مگر شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور گرفتار ہو گیا۔ مراد اگرچہ چاہتا تو امیر کرمانیہ کو قتل کر کے ریاست پر قبضہ کر لیتا۔ مگر نفیسہ خاتون کی خاطر اس کے شوہر کا قصور عاف کیا اور ریاست بخش دی۔ اس پر علاء الدین نے مراد کی اطاعت قبول کر لی۔ لطف یہ ہے کہ علاء الدین مراد کا داماد تھا اور بایزید علاء الدین کا داماد بایزید نے ہی اپنے خسر کو زیر کیا اور یلدرم کا لقب پایا۔

فتوحات | ۸۲۷ھ میں شاہ سریلاندا اور بلغاریا نے پھر سر اٹھایا بخراج دینا بند کر دیا۔ تیمور طاش نے ان پر لشکر کشی کر کے ماستر اور استب لے کر صوفیہ کا محاصرہ کیا اور تین سال بعد اس کو تسخیر کر لیا تیمور طاش ادھر مجاہدانہ سرگرمی دکھا رہا تھا۔ صدر اعظم خیر الدین پاشا نے دوسری طرف سلاویک فتح کیا۔

اس زمانہ میں شہنشاہ قسطنطنیہ یوحنا بالیولاج باوجودیکہ اس کی متعدد لڑکیاں شاہی حرم میں تھیں۔ مگر اس نے اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو بحال کرنے کے لئے پاپائے روم کی دہلیز پر جہیں ساٹی کی مگر اس نے اس کو ٹھکرادیا۔ مراد کو اس کی منافقت کی خبر لگی سخت ناراض ہوا۔ شہنشاہ نے اپنے لڑکے تھیوڈر کو خدمت میں بھیج کر سلطان کو رام کیا۔ مراد ایشیا نے کو مچ گیا۔ اپنے بیٹے صاروجی کو قائم مقام بنا گیا۔ تھیوڈر نے صاروجی کی ترغیب دلائی کہ اپنے

استقلال کا اعلان کر دے۔

صادق جہان سے میں آ گیا۔ سلطان مراد کو خبر لگی۔ پلٹا اور دردانیال کو عبور کر کے شہنشاہ کو ساتھ لیا، اور نہ پہنچا کہ فوجیں شاہزادہ صادق کو چھوڑ کر سلطان کی خدمت میں حاضر ہو گئیں۔ ہر دو نافرمان بیٹے گرفتار کر لئے گئے۔ نیل کی سلاخی آنکھوں میں پھیر دی گئیں۔

۱۷۷۷ء میں شاہ سربیا اور سیمین والی بلغاریہ

شاہ سربیا کی خود سری نے مل کر حملہ کیا۔ جنرل علی پاشا نے بیس ہزار فوج سے مقابلہ کیا۔ ان کو پسپا کرتا ہوا قرطوبہ اور شوطہ تک لے گیا اور یہاں سے بھی ان کو مارا بھگا یا اور ہر دو قلعوں پر قبضہ جمایا۔ سیمین نے بھاگ کر نیکوپلی میں پناہ لی۔ وہاں سے پھر لشکر جمع کر کے ترکوں کے مقابل ہوا مگر گرفتار ہو گیا۔ سلطان نے اس کی لجاجت سے متاثر ہو کر قصور معاف کیا اور اس کی نصف سلطنت بھی ازراہ خسروانہ چھوڑ دی۔ سلسطربہ کا علاقہ سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لیا گیا۔ لازار نے پھر ہاتھ پیرنکا لے۔ فیصلہ کن معرکہ کا نتیجہ کر کے ۱۵ جون ۱۷۹۱ء، ۱۳۸۹ء کے میدان میں آ جمع ہوا۔ مراد نے اُن کی سرکوبی کر دی۔ اتحادیوں کا شیرازہ بکھر گیا۔ یکا یک مروی میلوش کو بیلوویچ نامی نے دھوکے سے مراد کو خنجر سے زخمی کر دیا۔ مراد نے ترکوں کو سخت حملے کا حکم دیا۔ لازار شاہ گرفتار گرفتار کر لیا گیا۔ مراد کے سامنے لایا گیا اس نے اسے قتل کرادیا۔

وفات | مراد کے زخم کا دی لگا تھا جس سے جانبر ہوتا محال تھا۔ چنانچہ پینسٹھ سال کی عمر میں ۱۷۹۱ء میں وفات پائی۔ نعش بروصہ لاکر آبائی مقبرہ میں دفن کی گئی۔

وسعت سلطنت | مراد نے جو علاقہ یورپ کا فتح کیا تھا وہ اپنے والد کے مقابلہ میں پانچ گنا زیادہ تھا۔ بلغاریہ، مروی، بوسنیا پر دولت عثمانیہ کا تسلط تھا۔ ان سے خراج لیا جاتا تھا۔ شاہ ہنگری

مقابل آیا تو شکست کھا گیا۔ غرضیکہ سلطنت عثمانیہ کا دائرہ حکومت دریائے ڈنیو تک پہنچ گیا تھا۔ تھریس، مقدونیر، جنوبی بلغاریہ کی ریاستیں مکمل طور پر سلطنت عثمانیہ میں شامل ہو چکی تھیں۔

کارنامے | مراد جلیل القدر سلاطین عثمانی سے تھاتیس سال حکمرانی کی جس میں سے چوبیس سال میدان جنگ میں صرف کئے اور ہر جنگ میں فاتح رہا۔ کہیں اس کو ناکامی دشمن کے مقابلہ میں نہ ہوئی۔ گبنس نے لکھا ہے :-

”مراد خاندان عثمانی کا سب سے زیادہ ممتاز و کامیاب ماہر سیاست اور محارب تھا“

تیس سال تک مراد نے عثمانیوں کی سیادت ایسی سیاسی تدبیر کے ساتھ کی کہ اس عہد کا کوئی مدبّر اس پر فوقیت نہ حاصل کر سکا۔ لہٰذا مراد نے حکومت میں وہ اصلاحیں کیں جس سے اس کا دور حکومت **اصلاحات** امن و امان کا تھا۔ ۱۷۷۴ء سے ۱۷۸۳ء تک وہ سلطنت کے

انتظام و استحکام میں لگا رہا۔ فوجی نظام میں بھی اپنے پیش رو سلاطین سے زیادہ اصلاحیں کیں۔ جاگیر دار ہی نظام کو مکمل کیا۔ جو علاقے فتح کئے گئے ان میں جاگیریں قائم کر کے سپاہیوں کو عطا کیں اور ان جاگیر داروں کو جنگ کے مواقع پر ایک بار یا ایک سے زیادہ مسلح سوار فراہم کرنے کا ذمہ دار بنایا۔ یہ فوجی جاگیریں، تہار اور زعامت چھوٹی اور بڑی دو قسموں کی تھیں۔

مراد نے شاہی اخراجات کے لئے زمینیں الگ قائم کیں۔ مساجد اور دوسرے مذہبی اداروں کے لئے علیحدہ زمینیں وقف کر دیں۔ ان کے انتظام کے لئے ایک محکمہ قائم کیا۔

لے بہرہ برٹ گبنس صفحہ ۱۷۸

نصرانی غدار | عثمانی قلمرو میں جس قدر نصرانی آباد تھے ان کے ساتھ اودادی کا برتاؤ آل عثمان نے ہر موقع پر ملحوظ رکھا۔ ان کو مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔ ان کے کلیسے محفوظ تھے۔ مگر یہ لوگ مغربی امراء سے ساز باز کرتے رہتے۔ مراد نے ان کی درستی مزاج کے لئے ان کے لئے بعض خصوصیات مخصوص کر دی تھیں۔ اہل تپیل وغیرہ کی صفائی، خیموں کا نصب کرنا اور اکھاڑنا، مسلمان کی گاڑیوں کی دیکھ بھال اور اسی قسم کے دوسرے فوجی کام نصرانیوں کے سپرد کئے گئے۔

رایت احمر | مراد نے علم عثمانی کے لئے سرخ رنگ تجویز کیا۔

اوصاف | مراد تہور و شجاعت کا مجسم پیکر تھا۔ بہادری کے جس قدر اوصاف ہونے چاہئیں وہ سب قدرت نے مراد میں لکھے تھے۔ خلیق اور متواضع بڑا تھا۔ رحم دل بھی تھا۔ دشمن نہ یہ ہو جاتا تو اُس کا قصور معاف کر دیتا۔ سخی بھی بڑا تھا۔ بانیہ کی شادی میں جس قدر تحفہ سناٹف آئے وہ تقسیم کر دیئے اپنے لئے نہیں لکھے۔ غرباء کی بڑی خبر گیری رکھتا تھا۔ مذہب کا پابند تھا۔ جہاد سے اس کو دلی رغبت تھی۔

علمائے عصر | علامہ ابن خلدون ۷۴۳ھ میں پیدا ہوا۔ ٹیونس وطن تھا۔ فلسفہ تالیف کا موجد روشن خیال، متبحر عالم صاحب الرائے۔ علم الکلام اور فلسفہ پر پوری نظر تھی۔

وفات | ۷۸۸ھ میں فوت ہوا۔

سلطان بازید اول یدرم

نام و نسب | بازید بن مراد بن اورخاں عثمانی -

ولادت | بازید ۶۶۱ھ میں پیدا ہوا۔

تعلیم و تربیت | شاہانہ طور طریق سے بازید کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ فطری رجحان فنون حرب کی طرف تھا۔ کم عمری میں وہ جنگی کارنامے انجام دیئے کہ یدرم (صاعقہ) کے لقب سے ملقب تھا۔

تخت نشینی | مراد کی شہادت کے بعد شہزادہ بازید جنگ کسودا کی کامیابی اور کامرانی سے اپنے لشکر میں واپس آیا۔ فوج کے تمام

سرداروں نے اس کا غیر مقدم خوش دلی سے کیا اور تاج و تخت سپرد کیا۔ عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اپنے چھوٹے بھائی یعقوب چلی کو قتل کرادیا۔ یہ بڑا شجاع اور ماہر جنگ تھا۔

امیر العسکر | تیمور طاش سالار عسکر اور ایشیائے کوچک میں بازید کا نائب سلطنت بھی تھا۔ مراد کے زمانے میں تیمور نے بڑے کارہائے نمایاں کئے شجاعت اور تہور میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔

وقائع | جنگ کسودا میں سردیا کو بھی ہزیمت اٹھانا پڑی تھی۔ مگر اس پر بھی وہ برسر پیکار تھا۔ آخرش اس نے بازید سے ایسی صلح کی کہ اس

۱۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا صفحہ ۴۲۴ جلد ۲۔

کی خود مختاری قائم رہی مگر باجگزار رہا۔ شاہ مرو یا لاندہ کا جانشین اسٹیفن ہوا۔ اس نے سالانہ خراج کے علاوہ پانچ ہزار سپاہیوں کا ایک دستہ سلطان بایزید کی خدمت کے لئے ہر وقت تیار رکھنے کا معاہدہ کیا۔ اپنی بہن شہزادی دسپنیا کو بایزید کے نکاح میں پیش کیا اور اس نے یہ وعدہ کیا کہ سلطان جب کبھی کسی دول مغرب سے ہریر جنگ ہوگا تو وہ خود بنفس نفیس مع فوج کے شریک ہوا کریگا۔

شہنشاہ قسطنطنیہ سے جدید صلح نامہ | بایزید نے شہنشاہ قسطنطنیہ جان پلیولوگس کو ایک جدید صلح نامہ کے لئے کہا۔ اگر وہ تیار نہیں ہے تو اینڈرونیکس کو تخت قسطنطنیہ پر بٹھا گا اور صلح نامہ اس سے کر لے گا۔ جان پلیولوگس اور اس کا لڑکا مینوئل جو تخت سلطنت میں اپنے باپ کا شریک تھا گھبرا کر معاہدہ کے لئے تیار ہو گئے اور تیس ہزار طلائی سکے بطور خراج ہر سال دینے کا وعدہ کیا اور بارہ ہزار کا ایک فوجی دستہ بایزید کی خدمت میں ہمیشہ حاضر رہا کرے گا کٹے کیا اور ایشیائے کوچک میں قلعہ فلاڈلفیا جو بازنطینی سلطنت کا باقی رہ گیا تھا وہ بایزید کو تندر کیا۔

ایشیائے کوچک میں چند ترک ریاستیں باقی | اناطولیہ کی بقیہ ریاستیں | رہ گئی تھیں جو سلطنت عثمانیہ کے لئے ہر آن خطرہ کھڑا کر دیتی تھیں اور یورپ کی فتوحات میں بغاوت کر کے اکثر روڑے اٹکا دیا جاتا۔ بایزید نے پہلے ان کی طرف توجہ کی۔ پہلے اس نے ترکی ریاست ایدین کو فتح کیا۔ پھر منتشار اور صاوخان پر حملہ کر دیا۔ یہاں کے ترک امراء امیر قسطنونی کے پاس پناہ گزین ہوئے۔

غرضیکہ ہر دو مذکور الذکر ریاستیں سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لی گئیں جس سے اس کے حدود بحر اربعین کے ساحل تک پہنچ گئے۔ پھر ریاست تک کے بقیہ حصہ پر بھی قبضہ کیا اور آگے بڑھ کر قسطنونی کے امیر سے پھر پڑا اور اسے

شکست دیکر اس کی حکمرانی کا خاتمہ کر دیا۔ آخر میں کرمانیہ کا رخ کیا۔ اس کے امیر علاء الدین نے مقابلہ پر شکست کھائی اور خود بھی مع اپنے دو بیٹوں محمد و علی کے گرفتار کر لیا گیا۔ آخر کار اُس نے شہر آق نذر کر کے صلح کر لی۔

محاصرہ قسطنطنیہ | اناطولیہ کی فتوحات کے بعد بائزید دردنیاں کو عبور کر کے ادرنہ آیا۔ یہاں سے مینوئیل جان پلیو لوگس کے مرنے پر قسطنطنیہ پہنچا اور تخت نشین ہو گیا۔ یہ فعل بائزید کو ناگوار ہوا تو فوجیں بیکر قسطنطنیہ گیا اور محاصرہ کر لیا۔ سات ماہ تک محاصرہ جاری رہا۔ پھر چونکہ بائزید کو بلغاریہ میں سمجھنڈ شاہ ہنگری کے جاہ حاکم اقدام کو روکنے کے لئے فوجیں درکار تھیں۔ اس لئے مینوئیل سے دس سال کے لئے صلح کر کے محاصرہ اٹھالیا۔ سالانہ خراج کی رقم تیس ہزار طلائی کراون مقرر ہوئی۔ مسلمانوں کے لئے قسطنطنیہ میں ایک شرعی عدالت قائم کی گئی جہاں کا قاضی ترکی عالم مقرر ہوا اور ایک عالی شان مسجد بھی تعمیر ہوئی اور غلہ کا نصف حصہ سلطان کے قبضہ میں آیا یہاں چھ ہزار عثمانی فوج مقیم کی گئی۔

ولاجیا | بائزید نے ولاجیا پر حملہ بول دیا۔ آخر شش وہ باجلزار بن گیا۔ پھر بوسینا اور ہنگری کی طرف رخ کیا مگر حملہ میں ناکامی ہوئی۔ بائزید بہت نہ ہار دوباہہ حملہ کر کے گیا ہوا قلعہ نامکوپولس لے لیا سمجھنڈ کو بھاگنا پڑا۔

فتح بلغاریہ | ۱۰۹۵ء میں بائزید نے اپنے لڑکے سلیمان پاشا کو بلغاریہ کے فتح کے لئے بھیجا۔ جنوبی حصہ اس کا مراد کے عہد میں فتح ہو چکا تھا جو باقی تھا شہزادہ سلیمان نے اس پر حملہ کر دیا۔ شاہ سلیمان نے جم کر مقابلہ کیا۔ مگر سلیمان نے پائے تخت ترنوا کو ایک ہفتہ محاصرہ کر کے فتح کر لیا۔ اب شمالی بلغاریہ بھی عثمانی سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔ یہاں کی بادشاہت ختم ہو گئی۔ ”اسقف اعظم“ جو بڑا فتنہ گرد تھا وہ جلاوطن کر دیا گیا۔ بلغاریہ کے بہت سے نصرانی بہ طیب خاطر داخل اسلام ہو گئے۔ ان کی زمینیں بحال رہیں باقی سارے علاقہ فوجی جاگیروں کی شکل میں ترکوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

صلیبی جنگ

بلغاریہ کے سلطنت عثمانیہ میں شمولیت سے شاہ ہنگری سمجس موند کو اپنے ملک کے لئے خطرہ نظر آنے لگا۔ کیونکہ اس کی سرحد ترک کی علاقہ سے ملی ہوئی تھی اس نے نامردو پیام سے یورپ کے بادشاہوں کو ہموا بنایا اور پوپ نے بھی اس کی درخواست پر صلیبی جنگ کا اعلان کر دیا۔

سب سے پہلے کلیسا کی آواز پر ڈیوک بر گنڈیا نے بتیک کہی اور اپنے بیٹے کاؤنٹ ڈی نیفر کو چھ ہزار منتخب بہادروں کے ساتھ جن میں امرائے فرانس اور شاہی خاندان کے اراکین شامل تھے، روانہ کیا۔ راہ بویریا اور آسٹریا کے امراء اپنی اپنی فوجیں لے کر اس جماعت میں شامل ہوتے گئے۔

جرمنی سے فریڈرک کاؤنٹ ہمو ہنز لون اور اس کا لشکر، قدس یوحنا اور جماعت صلیبی بھی ساتھ ہو گئی۔ ان صلیبی مجاہدوں کو گمان تھا کہ ترکوں کو شکست دے کر ارض مقدس پر قبضہ جمائیں گے۔ لطف یہ تھا کہ صلیبیوں کے ساتھ شراب کے قرا بے اور نصرانی دوشیزائیں بھی تھیں جو شب کی رنگین صحبتوں کے کام میں لائی جاتیں۔ یہ گروہ بہ کروفر ہنگری پہنچا۔ شاہ ہنگری معہ اپنی سپاہ کے تیار بیٹھا تھا۔ وہ اس صلیبی جماعت میں شامل ہو کر دبیائے ڈنیوب کو عبور کر کے نیکو پلی پہنچا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ شاہ ہنگری کے ساتھ شاہ ولاچیا بھی شریک ہو گیا۔ نیکو پلی کے امیر اوغلان بک نے بڑی پامردی سے اس جم غفیر کا مقابلہ کیا۔ بائزید اس حملہ کی خبر پا کر دو لاکھ سپاہ کے ساتھ صلیبیوں پر مثل صاعقہ کے آگرا۔ والی سربیا اسٹیفن اپنے عہد پر قائم رہ کر معہ ہزار لشکر کے ترکوں کے ساتھ آ ملا۔

۲۳ مئی ۱۲۹۱ء کو صلیبی فوجیں اسلامی فوج پر حملہ آور ہوئیں۔ ان کی کمان کاؤنٹ ڈی نیفر کے ہاتھ میں تھی۔ باوجودیکہ شاہ ہنگری سمجھنے نہ

ان کو اس حملہ سے منع کیا تھا کہ جو فوج مقابل ہے وہ غیر مرتب ترکی دستہ ہے۔ اس کے عقب میں جو فوج ہے اس سے نبٹنے کی ضرورت ہے۔ مگر سمجھڑ کی رائے کے خلاف، کاؤنٹ اپنی بہادری کے لہجہ میں نئی چری سے ہی دو دو ہاتھ کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔

ترکوں کا مقدمہ الجیش شکست کھا گیا۔ کاؤنٹ کو اپنی فتح نظر آنے لگی اور اس قدر میدان جنگ میں آگے بڑھ گیا کہ نئی چری فوج اس کے پیچھے رہ گئی اور اس نے ترکوں کا منظم لشکر عظیم نظر آنے لگا تو اس کے چھلکے چھوٹ گئے۔ واپس ہونا چاہا مگر راہ نئی چری فوج نے روک دی۔ آخر کار نہایت بے جگری سے ترکوں کے ساتھ لڑا۔ اس کے چھ ہزار ساتھی مارے گئے اور بہت سے گرفتار ہوئے۔ بائزید نے یہ رنگ دیکھ کر سمجھڑ کی طرف توجہ مبذول کی۔ صلیبیوں کے دونوں بازوؤں کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ قلب لشکر جو ہنگری، بوسیریا اور آسٹریا کے دستوں پر مشتمل تھا جس کی کمان خود سمجھڑ کے ہاتھ میں تھی جم کر مقابلہ پیر ہا مگر چند گھنٹے سے زیادہ تاب مقابلہ نہ لاسکا۔ آخر کار یہ صلیبی مجاہد بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہزار ہا قتل ہوئے۔ ترکوں نے بھگوڑوں کو گھیر کر گرفتار کر لیا جن کی تعداد دس ہزار کے قریب تھی۔

کاؤنٹ نے مسلمان قیدی جو اس کے قبضہ میں آئے تھے قتل کر دیئے۔ بائزید نے ان کے انتقام میں ان قیدیوں کو بھی نہ تیغ کرنا شروع کیا، قیدیوں میں کونٹ ڈی نیورس بھی تھا۔ شاہ ہنگری سمجھڑ سر پر پیر لکھ کر ایسا بھاگا کہ جو اس کی امداد کے لئے صلیبی بہادر آئے تھے ان کی خبر بھی نہ لی مگر کونٹ ڈی نیورس جب قتل کرنے کے لئے لایا گیا بائزید نے اس کو دیکھ کر اس کی جوانی پر ترس کھایا اور اس کی جان بخشی کی اور اس کی سفارش سے چوبیس ساتھی بھی بچا لئے گئے۔

ان سب کو سلطان بائزید نے نہایت احترام و عزت سے ایک سال

تنگ زیرِ جِراست رکھا۔ فرانس سے ذریعہ آگیا تو ان کو وطن جانے کی اجازت عطا کی اور چلتے وقت کوئٹہ ڈی نیورس سے کہا :-

»جان مجھ کو علم ہے کہ تو اپنے ملک کا سردار ہے۔ ممکن ہے تیرے ہم عصر تیری اس ناکامی پر تجھے قابل الزام سمجھیں مگر میں تجھ کو آزاد کرتا ہوں اور اجازت ہے کہ پھر میدانِ جنگ میں آکر مجھ سے دو دو ہاتھ کر لے۔ میں ہمیشہ تیار ملوں گا۔«

جان، بادشاہ سے رخصت ہو کر اپنے ملک میں آیا مگر تمام عمر پھر کبھی سر نہ اٹھایا۔

اس عظیم الشان فتح کی بشارت تمام عالمِ اسلامی میں بھیجی گئی۔ اس پر ہر جگہ بڑی خوشی منائی گئی۔

فرمانِ خلیفہ عباسی | متوکل علی اللہ اول عباسی خلیفہ قاہرہ نے بھی بایزید کے اس کارنامے سے محظوظ ہو کر حملہ علاقہ جات مفتوحہ کا فرمان لانے والوں کو انعام و اکرام سے نوازا اور بہت سے تحفے سخاوت خلیفہ کے حضور میں ارسال کئے۔

جنگ نائکولوپولس کے بعد بایزید نے دلاچیا، آسٹریا اور ہنگری پر فوجیں بھیج دیں جنہوں نے پیٹروارڈین کے شہر پر قبضہ کیا۔ ایک ترکی دستہ نے سربیا پر یورش کی اور ساحلِ ڈینیوب کے جو قلعے نصرا نیوں نے لے لئے تھے وہ ان سے بزورِ حاصل کر لئے اور خود بایزید بنفس نفیس بوڈا پر چڑھائی کرنا چاہتا تھا لیکن دفعۃً بیمار ہو گیا جس سے ہنگری کی یہ مہم معرِ التوائیں رہی۔

فتحِ یونان | پہنچ کر مینوئل شاہِ قسطنطنیہ کو مجبور کیا کہ جان کے حق میں تخت سے دست بردار ہو جائے۔ مگر مینوئل نے بایزید کو نالائک جواب دیا۔ جس کی بنا پر سترہ برس میں بایزید یونان پر حملہ آور ہوا اور بلازحمت اٹھائے تھسلی

فونیس، ڈورس اور لوکرپس پر قابض و متصرف ہو گیا۔

ادھر بائزید برسرِ پیکار تھا۔ دوسری طرف اس کے جنرل یعقوب اور افریقیوں نے خاکنائے کوزتھ کو ملے کر کے جنوب کا رخ کیا اور تمام موریا کو فتح کر لیا۔ بائزید نے اپنے جنرلوں کو حکم دیا کہ موریا کے تیس ہزار یونانی باشندے ایشیائے کوچک میں منتقل کر دیئے جائیں اور ان کی جگہ پر ترکوں کو آباد کیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

موریا کا حکمران پھر تھیوڈور بلیوگس شاہِ قسطنطنیہ کے نائب کی حیثیت سے تھا اس نے شکست کھا کر بائزید کی سیادت کو قبول کیا اور دولتِ عثمانیہ کا باجگزار بن گیا۔

یونان کی فتح کے بعد بائزید اور نہ لوٹ آیا۔ یہاں معلوم ہوا شہنشاہِ قسطنطنیہ مسلمانوں کے مذہبی امور میں دستِ اندازی کرتا ہے اور معاہدہ کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ اس نے قسطنطنیہ کے فتح کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اور شہنشاہ کو کہلا بھیجا قسطنطنیہ کے معاوضہ میں دوسری حکومت پسند کر لے تاکہ وہ اس کو عطا کر دی جائے مگر شہنشاہ نے جواب دیا :-

”ہم ضعیف و ناتواں ہیں ہم خدا کے سوا کسی دوسری طاقت سے نہیں ڈرتے وہی کمزور کی حفاظت کرتا ہے اور طاقت ور کا غرور توڑتا ہے سلطان کو اختیار ہے جو چاہے وہ کرے“

اس جواب پر بائزید نے اور نہ سے آگے بڑھ کر قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا۔ قریب تھا کہ فتح کر لے۔

مغلوں کی بلغار سلطان کو اطلاع ملی کہ اس کے ایشیائی مقبوضات پر مغلوں کا قبضہ ہوتا جا رہا ہے۔ چنگیز کا پوتا تیمور لنگ مثل چنگیز کے کشور کشائی کرتا ہوا بڑھ رہا ہے۔ بائزید نے قسطنطنیہ کا محاصرہ اٹھایا اور شہنشاہ سے عہد نامہ لکھوا لیا کہ وہ دس ہزار سکہ طلائی سالانہ جزیہ

میں دیا کرے گا اور جو مسلمان اس کے علاقہ میں رہتے ہیں اُن کے لئے ایک جداگانہ محکمہ شرعیہ قائم کرے گا اور نیز اُن کو ایک جامع مسجد بنانے کے لئے بھی حق دے گا۔

صاحب قرآن امیر تیمور

تیمور کا مورث اعلیٰ قراچار نویان اور چنگیز ایک دادا کی اولاد سے تھے۔

قراچار و چنگیز ابن عم اند بکشور کشانی قریں ہم اند
قراچار کا خلف الدشداہیل خاں دانش و خدا شناسی کے ساتھ مخصوص تھا۔
ہلاکو خان نے انجیل کو تبریز کا حاکم کیا۔ اس کا بیٹا الینگر خان تھا جو اسلام سے
مشرقت ہوا اور امیر الامراء کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔ اس کا صاحب زادہ
امیر برکل تھا جس کے لڑکے امیر طراغائی تھے۔ جو شیخ شمس الدین کلال کے
مریدوں میں سے تھے۔ یہاں ۲۵ شعبان ۷۳۶ھ کو نگینہ خاتون کے بطن سے
شہر سبز (مادر النہر) میں تیمور پیدا ہوا۔ امیر طراغائی نے تعلیم و تربیت کا
معقول انتظام کیا۔ کم عمری میں اس کی بیباقت اور تہور و شجاعت کے گھر گھر چرچے
ہونے لگے۔ تغا تیمور نے کش کی گورنری پر تیمور کو مامور کر دیا۔ بعدہ چغتایہ خاں
سیور غامش کا وزیر ہو گیا جس کی حکومت اُس نے ۷۴۱ھ میں غصب کر لی۔
گو تیمور نے اسے اور اس کے لڑکے محمود کو سزا دے کر ۷۴۹ھ تک برائے نام
بادشاہ رہنے دیا۔

۷۸۲ھ میں تیمور نے ایران پر چڑھائی کر دی۔ سات برس کے اندر خراسان،
ہرجان، مازندران، سجستان، آذربائیجان، کردستان فتح کر لئے تیمور نے

۱۔ خلف نامہ مؤلف شرف الدین طبری قلمی ص ۹۶ و انساب التوکل ابو الغازی خاں۔

۲۔ شجرات فرماں روا بیان اسلام از مسٹر اسٹینلی لین پول صفحہ ۱۹۲۔

جس ملک کا ارادہ کیا فتح کر کے چھوڑا۔

۸۹ھ میں اصفہان کے آدمیوں نے فتنہ و فساد برپا کیا تو تیمور نے سب کو تہ تیغ کر دیا۔ پھر دارالملک فارس میں آیا۔ آل مظفر اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دشت قبیحاق کا فرمانروا اس کا تہمیت یافتہ تو قیمیش خاں تھا۔ اس نے مخالفت کی اس کا سر کیل دیا۔ ۹۰ھ میں ایران میں دوبارہ جا کر شاہ منصور کو جو بکشر ہو گیا تھا۔ شیراز میں قتل کیا۔ آل مظفر کو پامال کیا۔ پھر جلائر سے بغداد بہ جبر لے لیا۔ کئی مرتبہ گرجستان میں آیا۔ ۹۱ھ میں دریائے سندھ میں پل بنا کر عبور کیا اور ہندوستان کو فتح کیا۔ پھر یہاں سے دمشق پر فوج کشی کی اور امرائے شام جو قید میں تھے ان کو قتل کیا۔

تیمور کی فتوحات کا دائرہ تھوڑے عرصہ میں حدود دولت عثمانیہ سے مل گیا تو بایزید نے جن علاقوں پر قبضہ کیا وہاں کے امراء بھاگ کر تیمور کے پاس پہنچے اور جن مقامات پر تیمور نے چڑھائی کی وہاں کے حکمران بایزید کے دامن میں پناہ گزین ہوئے۔ ہر دور یا ستوں کے فرمانروا تیمور اور بایزید کو ایک دوسرے کے خلاف ابھارتے اور بھڑکاتے۔ ان ریاستوں کے سلسلہ میں ہر دشاہوں کے درمیان نہایت تلخ نامہ و پیام ہوئے۔ آخر شہ نوبت جنگ کی آگئی اور دو عظیم الشان طاقتیں آپس میں ٹکرائیں۔ فتوحات اسلامیہ کا بڑھتا ہوا سیلاب رک گیا۔

معمر کہ تیمور و بایزید

۹۳ھ میں دمشق کی فتح کے بعد تیمور نے ارمینیا کی طرف سے عثمانی سرحد میں داخل ہو کر سیواس جو عثمانی مقبوضہ تھا اس کا محاصرہ کر لیا۔ اس شہر

لے روضۃ الصفاء -

کی دیواریں مضبوط تھیں اور ترکی دستہ نے سلطان بایزید کے سب سے بڑے لڑکے شہزادہ ادرغرل کی سرکردگی میں اس کی محافظت بھی بڑی جان بازی کے ساتھ کی تیمور کی سات آٹھ لاکھ تاتاری فوج شروع میں کامیاب نہ ہو سکی۔ مگر تیمور نے آخر میں سرنگیں لگا کر شہر کی فصیل کو گرا دیا جس سے شہر پر تیموری فوج کا قبضہ ہو گیا۔ تیمور نے سیواس کے محافظ دستہ کو تہ تیغ کیا۔ ان میں چار ہزار آدمی بھی تھے جن کو زندہ دفن کر دیا گیا اور شہزادہ ادرغرل اس معرکہ میں کام آیا۔

بایزید اس وقت قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا اس کو سیواس کے فتح ہونے کی خبر لگی اور اپنے تخت جگہ کے کام آنے کا علم ہوا اس کی کمر ٹوٹ گئی اور وہ تیمور کے مقابلہ کے لئے ایشیائے کوچک پہنچا۔ لیکن تیمور اس درمیان میں شام اور مصر کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ دو سال بعد پھر وہ لوٹا اور سیواس پہنچنے کے بعد بایزید اور اس کے درمیان خط و کتابت دوبارہ ہوئی۔ بایزید کو اپنی فتوحات کا ذمہ تھا اور تیمور کی طاقت کا اندازہ وہ نہ دیکھتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے ہر دو مسلم شہنشاہ تیار ہو گئے۔

معرکہ انگورہ | بایزید ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ساتھ تیمور صاحبقران کے مقابلہ کے لئے سیواس کی طرف بڑھا۔ لیکن تیمور کی کثیر فوج (سات لاکھ کے لئے یہ میدان تنگ تھا اس لئے وہ بایزید کے پہنچنے سے پیشتر انگورہ کی طرف روانہ ہو گیا اور وہاں پہنچ کر فوراً انگورہ کا محاصرہ کر لیا۔ اسے یقین کامل تھا کہ بایزید انگورہ کو بچانے آئے گا۔ چنانچہ بایزید اطلاع پا کر سیواس کے بجائے انگورہ پہنچا۔ اُس نے دیکھا تیمور شہر کے شمال مغرب کی جانب جو فوجی نکتہ نظر سے میدان کا بہترین حصہ ہے قبضہ کئے ہوئے ہے۔ مگر بایزید اپنی قوت کے گھڑی میں تیمور کی فوجی طاقت کا اندازہ

نہ کر سکا۔ ادھر تیمور نے اپنے تاتاری ایجنٹ بائزید کی فوج میں بھیج دیئے جنہوں نے عثمانی فوج میں تاتاریوں میں بائزید کے خلاف بغاوت پیدا کر کے ان میں قومی عصبیت برانگیختہ کر دی۔ چنانچہ تاتاری عین جنگ کی حالت میں کٹ کر تیمور کی فوج میں شامل ہو گئے۔ اس سے بڑھ کر بائزید کی خست نے فوجیوں کو بد دل بنا دیا تھا۔

عثمانی افسروں نے یہ رنگ دیکھ کر بائزید کو مشورہ دیا کہ تیمور سے صلح کر لے مگر اپنی قوت کے زور میں اُس نے مطلق توجہ نہ کی بلکہ اپنی شان دکھانے کے لئے انگورہ کے بعد ایک روز پوری فوج کو ساتھ لے کر شکار کے لئے روانہ ہو گیا۔ راہ میں پانی کی کمی سے پانچ ہزار فوجی سپاہی پیاس کی شدت سے مر گئے۔ جو باقی رہے وہ بھی گرمی اور پیاس کی تکلیف سے محنت حال تھے۔ بائزید شکار سے لوٹا۔ دیکھا کہ اس کی لشکر گاہ پر تیمور کا قبضہ ہے اور جس چشمہ سے فوج پانی لے سکتی تھی اس کا رخ بھی تیموری فوج نے پھیر دیا ہے۔ بائزید نے ان حالات کی نامساعدت سے گھبرا کر ارزی الحجہ ۲۰۰۰ کو فیصلہ کن معرکہ کا آغاز کر دیا۔ لڑائی طلوع فجر سے قبل شروع ہو گئی اور غروب آفتاب کے بعد تک جاری رہی۔ بائزید نے اپنی سپہ گری اور سپہ سالاری کے خوب خوب جوہر دکھائے مگر تیمور کی فوجی قابلیت اور اس پر طرہ یہ تھا کہ دعا اور مناجات میں مشغولی اور سجدے میں سر لہ کر رہا، اور گڑ گڑانا۔ جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ بائزید کو ناکامی نظر آنے لگی۔

ادھر اناطولیہ کی ترکی ریاستوں کے رئیس تیمور کے ساتھ تھے اور فوجیں بائزید کے ہمراہ۔ وہ اپنے آقاؤں کے جھنڈے کے نیچے پہنچ گئیں۔ تاتاری علیحدہ پہنچ گئے۔ پھر افسروں نے بائزید کو میدان چھوڑنے کی رائے دی مگر اپنی شجاعت اور کشوری کے زعم میں اس نے مشورہ کو حقارت سے ٹھکرا دیا۔ بائزید کے ساتھ اب صرف دس ہزار بیہ چری رہ گئے تھے وہ سات آٹھ لاکھ

تا آدیوں کا کب تک مقابلہ کر سکتے تھے۔ یہ رنگ بایزید نے جو دیکھا تو بھاگنا چاہا۔ وقت گزر چکا تھا سردار محمود خاں چغتائی نے بایزید کو میدان سے ہٹتے ہوئے دیکھا اُس نے آگے بڑھ کر گرفتار کر لیا۔ بایزید کے پانچ لڑکوں میں سے جو شریک جنگ تھے اُن میں سے تین دشمن کی زد میں سے بچ کر نکل گئے۔ شہزادہ سلیمان نے یورپ کی راہ اختیار کی۔ شہزادہ محمد نے اماسیا پہنچ کر دم لیا اور شہزادہ عیسیٰ نے کرمانیہ کا رخ کیا۔ شہزادہ موسیٰ گرفتار ہوا۔ شہزادہ مصطفیٰ اس وقت لاپتہ ہو گیا۔

بایزید کا انجام | بایزید قیدی کی حیثیت سے دست بستہ تیمور کے سامنے لایا گیا۔ تیمور نے تخت سے اتر کر بایزید کا استقبال کیا اور ہتھکڑی کھلوا کر عزت و احترام کے ساتھ اپنے پہلو میں تخت پر بٹھایا اور سلطان بایزید کے اس حالی کو دیکھ کر آبدیدہ ہوا اور کہنے لگا :-

”اگرچہ احوال عالم تمام تر خداوند تعالیٰ عز اسمہ کے ارادہ و قدرت کے مطابق پیش آتے ہیں اور کسی دوسرے کو حقیقتہ الامر یہ ہے کوئی اختیار و اقتدار نہیں تاہم ظاہر سبب یہ ہے کہ تم پر جو مصیبت آئی ہے وہ انصاف و حق یہ ہے کہ خود تمہاری لائی ہوئی ہے۔“

تم نے بارہا اپنی حد سے باہر قدم رکھا اور بالآخر مجھے انتقام پر مجبور کر دیا۔ پھر بھی تم اس مغربی دیار میں نصرانی کفار سے جہاد کر رہے تھے۔ میں نے بہت کچھ تحمل سے کام لیا اور ان حالات میں جو فرض ایک خیر اندیش مسلمان کا تھا اُسے بجا لایا۔ میری خواہش تھی کہ اگر تم فرماں برداری کی راہ اختیار کرو تو مال و لشکر کی جس

لہ ظفر نامہ

قدر ضرورت نہیں ہو اس سے تمہاری مدد کروں تاکہ تم اطمینان و قوت کے ساتھ جہاد میں مشغول رہ سکو اور دیا را اسلام کے اطراف و اکناف سے بیدنیوں کے شرک کی شوکت کو فنا کر دو۔ مگر تم نے نکرشی اور عناد اختیار کیا حتیٰ کہ معاملہ یہاں تک رو نما ہوا۔ سب جانتے ہیں کہ اگر صورت حال اس کے برعکس ہوتی اور یہ قوت و غلبہ جو خداوند تعالیٰ نے مجھ کو بخشا تم کو حاصل ہوتا تو اس وقت مجھ پر اور میرے لشکر پر کیا گزرتی۔ لیکن اس فتح کے شکر انے میں جو خدا کے فضل و عنایت سے مجھے حاصل ہوئی ہے میں تمہارے اور تمہارے آدمیوں کے ساتھ بھلائی کے سوا کچھ نہ کروں گا۔ اپنے دل کو مطمئن رکھو۔

بایزید نے منفعل ہو کر اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور آئندہ کے لئے اس اطاعت کا وعدہ کیا۔ تیمور نے خلعت شاہانہ پہنا کر مزید لطفت و عنایت کی توقع دلائی اور اس کی خواہش پر شہزادہ موسیٰ بھی آزاد کیا گیا اور بایزید کے پاس پہنچا دیا گیا۔

تیمور صاحبقران نے اپنے شاہی خیمہ کے قریب ایک عالی شان خیمہ نصب کرایا اور بعض عالی مرتب امراء کو سلطان کی خدمت میں مامور کیا۔ بروصہ سے جب حرم سلطانی لائی گئیں تو تیمور نے شہزادی ڈیسپنیا اور اس کی لڑکی کو بھی بایزید کے پاس بھیجا دیا۔

بایزید کی موت تیمور کے مراحم خسروانہ بایزید کے زخم دل کے لئے نمک پاشی کا کام دے رہے تھے اور اپنی سابق عظمت و سطوت کی یاد ایک لمحہ چین نہ لینے دیتی تھی۔ آخر شہزادہ فراغتیار کہنا چاہی۔ تیمور کو اطلاع ہو گئی نگرانی سختی سے کی جانے لگی اور

لے ظفر نامہ جلد دوم صفحہ ۴۸ ۵ حبیب المیر

پالکی میں جس میں جالی لٹھ کے تھی اس میں بایزید سفر کیا کرتا تھا اور تیمور کی فوج کے ساتھ یہ پالکی لڑھکتی۔ بہر حال بایزید کے قلب و دماغ پر اپنی قید و سلاطی کا اس قدر جائزہ اثر پڑا کہ صرف آٹھ مہینے بعد اس کا طائر روح قفسِ عنقریب اور قفسِ فولادی دونوں سے بیک وقت پرواز کر گیا۔

یہ واقعہ تاہم میں ششم میں ہوا۔

تیمور کو بایزید کے مرنے کی خبر لگی تو اُس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور شہزادہ موسیٰ کے ہمراہ بایزید کی نعش شاہانہ احترام کے ساتھ بروصہ روانہ کی۔ جہاں وہ دوسرے تاجدارانِ عثمانی کے پہلو میں سپرد خاک کی گئی۔

ایشیائے کوچک کی تمام ریاستیں آزاد ہو گئیں اور سلطنت عثمانیہ محدود ہو کر رہ گئی۔ کیونکہ ایشیائے کوچک کا کوئی علاقہ دولتِ عثمانیہ کے ہاتھ میں باقی نہ رہا۔ ایدین، منتشا، صاردوخان، گرمیان اپنی ریاستوں پر فرمانروائی کرنے لگے۔

اوصاف بایزید سلطان بایزید شجاع تھا۔ ایک بہادر میں جو اوصاف ہونے چاہئیں وہ سب اس میں قدرت کی طرف سے ودیعت تھے۔ البتہ جو ہر سخاوت سے معری تھا۔ ہر سپاہی اُس کے ہیبت و جلال سے مرعوب لڑھکتا تھا۔ مگر دلوں میں اس سے انس و محبت نہ تھی۔

عیش و عشرت سلطان کے حرم میں جیسے شہزادی ڈیپنیا داخل ہوتی۔ ہمہ تن محلِ سرا عیش و نشاط کی محفل بن گیا۔ شہزادی کے ماں باپ نصرانی، شہزادی کبابی اور لہو لہب میں زندگی گزارنے والے تھے۔ اس نے شوہر کو بھی شراب کے چسکے پر لگا لیا۔ عثمانی سلاطین میں یہ پہلا سلطان تھا جو جام و سبو کا متوال بن گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جملہ لوازمِ عیش اس کے ارد گرد تھے۔ مگر اس ترک میں یہ خوبی تھی جب اُس نے سنا کہ مالک

اسلامیہ پر صلیبیوں کا جم غفیر تسلط کرنے آ رہا ہے تمام عیش و عشرت کے سامان کو ٹھکرا کر مثل ایک مجاہد کے سر بکف میدان میں نکل کھڑا ہوا۔

سلطنت عثمانیہ | بائزید اور تیمور کی باہمی آویزش سے سلطنت عثمانیہ کو بہت بڑا نقصان پہنچا۔ ترکی امراء جن کو زیر کرنے میں آل عثمان نے بڑی قربانی دی تھی وہ آزاد ہو گئے۔ غرضیکہ ایشیائے کوچک کا علاقہ سلطنت عثمانیہ سے کٹ گیا اور محدود ہو کر رہ گئی۔ اس کے علاوہ بائزید ممالک یورپ پر چھانا جا رہا تھا۔ اس وقفہ سے وہ سیلاب فتوحات رک کے رہ گیا۔

گیتی ستاں | امیر تیمور دنیا کے ان چند اولوالعزم شہنشاہوں میں سے ہے جنہوں نے ساری دنیا کی فتح کا ارادہ کیا تھا اور فقط

ارادہ ہی نہیں کیا بلکہ ایک حد تک اس کو کر کے دکھایا۔ اس کی سلطنت دیوار چین سے لے کر ایشیائے کوچک کی سرحد تک اور بحیرہ اہل سے دریائے گنگ اور خلیج فارس تک پھیلی ہوئی تھی۔ پینتیس سال کی عمر میں اس نے تاتاری امراء کو زیر کر کے سمرقند کو اپنا پایہ تخت بنایا اور فتوحات کا وہ سلسلہ شروع کیا جس کی وسعت کے سامنے سکندر اعظم، سینر، چنگیز خاں، شارلمین اور نپولین کی سلطنتیں حقیر معلوم ہوتی تھیں۔ چھتیس سال حکمرانی کی۔ ستائیس مملکتیں فتح کر لی تھیں۔ نو شاہی خاندان اس کے ہاتھ سے تباہ ہوئے۔

اس کی یہ حیرت انگیز جہانگیری صرف ذاتی شجاعت اور اعلیٰ فوجی قابلیت کا نتیجہ نہ تھی بلکہ اس کے تدبیر اور ملکہ حکمرانی کو بھی اس میں بہت کچھ دخل تھا۔ شجاعت دلاوری اس درجہ کمال پر کہ ابتدائے عمر سے آخر عمر تک کسی ورطہ و مہلکہ میں دہشت و خوف اس کی خاطر میں نہیں آئے۔ احباب دلائے اس مرتبہ پر کہ مدت العمر میں جو تدبیر اس کے فکر و اندیشہ میں آئی وہ تقدیر کے موافق تھی۔ رقت قلب وہ کہ جس وقت پروردگار کا سپاس گزار ہو تو آنکھوں

سے آنسوؤں کا پانی رواں ہو۔ قہر و سیاست وہ کہ خدائے تعالیٰ کے اوصافِ جلالی کا آئینہ۔

غرضیکہ امیر تیمور ایک عجیب و غریب بشر مظہر قدرت آفرید گاہ و مصدر غرائب آثار و بدیع اطوار تھا۔ بعد فتح انگورہ آذربائیجان آیا۔ ڈیڑھ سال رہ کر یہاں کا انتظام کیا۔ سلطان مہر نے روپے اشرافیوں پر امیر تیمور کے نام کا سکہ لگا کر اس کے پاس بھیجا اور حرمین شریفین اور امان مقدسہ کے منابر پر اس کی فرماں روائی کا خطبہ پڑھا گیا۔ ۸۰۶ھ میں فیروزہ کوہ میں تیمور آیا۔ یہاں کے فتح حاصل کر کے خراسان گیا۔ ۸۰۷ھ میں نیشاپور کی ماہ سے ماوراء النہر پہنچا اور وطن مالوت میں امیر زادہ الخ بیگ، امیر زادہ ابراہیم سلطان، امیر زادہ انجل، عمر شیخ، امیر زادہ احمد، بانقرا کی شادیوں کا جشن عظیم کیا۔ اس سے فراغت پا کر چین اور خطا کی تسخیر کے لئے لواء عزم بلند کیا۔ دولاکھ فوج لے کر پندرہ سال تین سو میل تک سفر کر کے انوار مقام پر قیام کیا۔ یہیں مرض الموت میں گرفتار ہوا اور ۸۰۷ھ شعبان ۱۰ھ میں انتقال کیا۔ پیر محمد جہانگیر کو ولی عہد مقرر کیا۔

تاریخ وفات

سلطان تیمور انکہ چرخ را دل خون کرد و ز خون عدو روئے زمین گلگون کرد
در ہفتہ شعبان سوئے علیین تاخت فی الحال ز رضواں مرو پا بروں کرد

علمائے عصر | علامہ محمود بن محمد چغینی خوارزمی علوم فلسفہ کا ماہر تھا۔ علماء سے ایک متن لکھا جس میں اجسام کے اقسام اجرام علویہ اور سائنس سفلیہ پر بحث کی۔ قاضی زادہ او فی نے ۸۱۳ھ میں اس کی شرح کی۔ جو شرح چغینی کے نام سے مشہور ہے۔

علامہ علی بن محمد المعروف بالسید الشریف جرجانی علوم عربیہ اور معقولات

کا کامل تھا۔ تحریر اس کی نہایت شستہ اور محققانہ ہے۔ مناظرات میں یدِ جینا لکھتا تھا۔ علامہ تفتازانی جیسے تبحر سے بازی لے جاتا تھا۔ تیمور صاحبقران کے عہدِ یگانہ پر ماوراء النہر چلا گیا۔ ایک عرصہ تک وہاں رہا۔ پھر سمرقند آ گیا۔ کشفِ مطول، شرحِ مطالع، شرحِ طوابع، شرحِ حکمت العین، شرحِ شمس، فرائض، سراجی وغیرہ پر مدقق حاشیہ لکھا۔

۱۷۱۱ھ میں انتقال کیا۔ ۱۷

مولانا شرف الدین علی یزدی مؤرخین ہم عصر میں امتیازی درجہ لکھتا تھا۔ تارخِ تیمور صاحبقران میں ظفر نامہ مشہور ہے۔ ۱۷۱۱ھ میں انتقال کیا۔

سُلطان محمد اول چلی

نام و نسب و حالات | محمد بن بایزید ۸۲۳ھ میں پیدا ہوا۔ اپنے چچہ بھائیوں میں شجاعت و تہور اور علمی لیاقت میں فائق تھا۔ تعلیم و تربیت ترکہ سلاطین کی طرح اس کی بھی ہوئی۔ بایزید تیمور کے مقابل آیا تو چلی پہلو بہ پہلو جنگ میں شریک رہا۔

نزاع تخت | جنگ انگورہ میں بایزید کے چھیوں لڑکے شریک تھے۔ مصطفیٰ لاپتہ ہو گیا۔ موسیٰ بایزید کے ساتھ گرفتار ہوا۔ باقی تینوں شہزادے جان بچا کر راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔ ان میں سب

۱۷ اخبارِ دہلی میں از مولوی اکرام اللہ گوپاموی صاحب تصویر الشعراء

۱۷ انسائیکلو پیڈیا جلد ۲۰ صفحہ ۶۷۵

سے بڑا سلیمان تھا جو وزیر اعظم علی پاشا کو ساتھ لے کر ادرنہ پہنچا اور بائزید کی وفات کی خبر پا کر سلطنت عثمانیہ کے یورپی حصہ کا حکمران بن گیا اور اپنے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا۔ شہزادے عیسیٰ بن بائزید نے بروصہ پر قبضہ جمایا اور بائزید کی ہانشینی کا مدعی ہوا۔ محمد اول چلی نے یہ رنگ دیکھ کر ایشیائے کوچک کے شمال مشرق میں اماسیہ کے چھوٹے سے علاقے پر قابض ہو کر حکمرانی کرنے لگا۔

بھائیوں کی باہمی آونیش | بادی النظر میں حکومت عثمانیہ کے اولاد کی دلی امنگ یہ تھی کہ کل قلمرو عثمانیہ کا سلطان بنے۔ چنانچہ پہلے محمد چلی اور عیسیٰ سے ہوئی۔ محمد چلی ایشیائی مقبوضات کو برابر تقسیم کرنا چاہتا تھا۔ لیکن عیسیٰ پوری سلطنت کا دعوے دار تھا۔

غرضیکہ ہر دو بھائیوں میں معرکہ کا زار گرم ہوا۔ فوج عیسیٰ گھونگھٹ کھا گئی۔ عیسیٰ بھاگ کر سلیمان کے پاس مدد کے لئے پہنچا۔ سلیمان عیسیٰ کی حمایت میں فوج لے کر ایشیائے کوچک میں داخل ہوا۔ محمد چلی کو مقابلہ میں سخت دشواری پیش آئی مگر اس نے موسیٰ کو آمادہ کر لیا کہ سلیمان کے مقبوضات یورپ پر اس موقع پر قبضہ کر لے۔ چنانچہ موسیٰ نے حملہ کر دیا۔ سلیمان کو خبر لگی وہ اُلٹے قدم اپنے مقبوضات کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں محمد چلی نے اپنے بھائی عیسیٰ کو گھیر لیا۔ اس کی فوج میدان جنگ میں کام آئی اور عیسیٰ لاپتہ ہو گیا۔ شہزادہ سلیمان اور شہزادہ موسیٰ میں دودو ہاتھ ہوئے۔ سلیمان سے اس کی سخت گیری اور تااہلیت کے سبب سے اس کے ساتھی بیزارتھے۔ چنانچہ ایک فوجی نے سلیمان کو قتل کر دیا اور اس کی تمام فوج موسیٰ کے پرچم کے نیچے آجمع ہوئی۔ اب ادرنہ کے تخت کو موسیٰ نے سنبھالا اور اپنے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا۔

موسىٰ نے یہ ارادہ کیا کہ باپ نے قسطنطنیہ کے فتح کرنے کا آغاز کیا تھا مگر تیمور کے حملہ سے بائزید نے ارادہ ملغوی کر دیا۔ اس کی تکمیل اب مجھے کرنا چاہیئے۔ چنانچہ فوج شاہی کی قیادت میں قسطنطنیہ پر موسیٰ حملہ آور ہوا۔ شاہنشاہ قسطنطنیہ نے بھائیوں کی ناچاقی سے فائدہ اٹھا کر محمد چلی سے میل کر لیا اور اس کی امداد چاہی۔ محمد چلی اپنی ترکی فوج اور سرویا کے دستہ کی خود کمان ہاتھ میں لے کر شاہنشاہ کی مدد کے لئے قسطنطنیہ پہنچا۔ شہزادہ موسیٰ محاصرہ کئے ہوئے تھا اس کو عقب سے جا کر گھیر لیا۔ آخر کار موسیٰ تاب مقابلہ کی نہ لاسکا اور پسپا ہوا۔ محمد نے اس کا بیچھا سرویا کی حد تک کیا۔ ہر دو میں جنگ ہونے کو تھی۔ امرائے فوج موسیٰ سے خوش نہ تھے وہ وقت پر علیحدہ ہو کر اور پرچم محمد چلی کے سایہ میں آ گئے۔ موسیٰ نے یہ رنگ دیکھ کر راہ فرار اختیار کی۔ موسیٰ زخمی ہو چکا تھا۔ کچھ دن بعد اس کی نعش دلدل سے ملی۔

تخت نشینی | سلطان ہونے کا اعلان کیا اور تخت سلطنت پر رونق افروز ہوا۔ ایشیا اور یورپ کی تمام رعایا میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے سلطان محمد کا غاشیہ اطاعت قبول کیا۔

امرائے اناطولیہ سے آویرش | ایشیائے کوچک کی وہ ترکی ریاستیں جو تیمور کی وجہ سے آزاد ہو گئی تھیں ان کی تسخیر کے لئے آمادہ پیکار ہوا۔ محمد چلی میں شجاعت کے ساتھ علم بھی تھا۔ تھوڑے عرصہ میں تمام ریاستوں کو زیر نگین کر لیا۔

قرہ مان (کرمان) جب فتح کیا تو اس کے امیر سے قرآن پڑھا تو لکھا کہ اطاعت کا حلف لینے کے بعد اس کو وہاں کا والی رہنے دیا۔ اس نے کچھ دن بعد عہد شکنی کی مگر اس کی خطا معاف کر دی۔ اسی طرح قرہ جنید جو بائزید کی طرف

سے ازمیر کا والی تھا لیکن استقلال کا دعوے دار ہو گیا تھا۔ جب گرفتار ہوا تو اس کی خطا سے بھی درگزر اور اس کو نیکو پٹی کا امیر مقرر کیا۔ اس کے اس بڑاؤ سے شورش پسند امراء بھی اس کے سامنے سرنگوں ہو گئے۔

غرضیکہ کمرانیہ اور دوسری ترکی ریاستیں تاتاریوں کی حمایت سے الگ کمر کے دولت عثمانیہ کی فرماں روائی قبول کرنے اور خراج ادا کرنے کے لئے مجبور کر لی گئیں۔

فتنہ پیر قلیچہ | قاضی بدرالدین جو شہزادہ موسیٰ کے لشکر میں قاضی رہ چکا تھا اس نے ازنیک میں رہ کر ایک جدید مذہب نکالا۔ جس میں کل انسان خواہ وہ کسی مذہب و قوم سے ہوں بھائی بھائی تسلیم کئے گئے اور جملہ مال و متاع میں سب کا حصہ برابر رکھا گیا۔ بیشتر اصول اس مذہب کے حرد کی مذہب سے ماخوذ تھے۔

پیر قلیچہ مصطفیٰ اور ایک یہودی طور لاق کمال بدرالدین کے مہنوا ہو کر اس مذہب کی اشاعت کرنے لگا۔ تھوڑے عرصہ میں کثیر التعداد جہال ان کے دام ترویج میں پھنس گئے۔ غرض اس کے پیروؤں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ سلطنت عثمانیہ کے لئے خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس کے مرید پیر قلیچہ کو دادا سلطان کہتے تھے۔ سلطان محمد کو اس فتنہ کا علم ہوا تو اس نے سیسین والی بلغاریہ جو بطیب خاطر مسلمان ہو چکا تھا اس کو پیر قلیچہ کی سرکوبی کو بھیجا۔ مگر وہ مقابلہ پر شکست یاب ہوا۔ اور اس معرکہ میں کام آیا۔ صدر اعظم بایزید پاشا کو مجبوری درجہ ترک فوج لے کر جانا پڑا۔ پیر قلیچہ تاب مقابلہ نہ لاسکا اور گرفتار ہوا اس کے ہزار ہا متبعین تلوار کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔

بدرالدین نے بھی مقدونیہ میں ترک فوج سے دوڑو ہاتھ کئے مگر گرفتار کر لیا گیا۔ مولانا سعید کے فتویٰ کے مطابق جو علامہ تقی زانی کے شاگرد تھے مشہور میں دار پر چڑھا دیا گیا جس سے یہ فتنہ بالکلیہ ختم ہو گیا۔

دعویٰ دارِ سلطنت | اور محمد چلیپی سے بڑا المذاخت عثمانیہ کا صحیح حقدار
میں ہوں۔ قرہ جنید والی نیکو پللی اور والی فلاخ ہر دو نے اس کی فوج سے
مدد کی۔ سلطانی فوج نے گھیر لیا۔ تاپ مقاومت نہ لاکر سلا نیک چلا گیا۔ یہاں
رومیوں کا قبضہ ہو گیا تھا شہنشاہ نے مصطفیٰ کی حمایت کی اور سلطان کو لکھا
کہ میں ضامن ہوں اس کی جانب سے آئندہ کوئی فتنہ نہ اٹھے گا سلطان نے
اس کے گزارے کے لئے ایک لاکھ دوک سالانہ مقرر کئے اور قرہ جنید کی
بھی خطا معاف کر دی۔

دورِ سلطنت | سلطان محمد چلیپی نے صرف اٹھ سال حکومت کی لیکن اس
مختصر مدت میں غیر معمولی اہلیت کا ثبوت دیا۔ اس نے
نہ صرف اپنی سلطنت کے انتشار کا خاتمہ کیا بلکہ اپنی خداداد فوجی اور آئینی
قابلیت سے دولت عثمانیہ کو ویسا ہی طاقت ور اور مستحکم بنا دیا جیسا کہ میرٹو
کے حملے سے قبل وہ تھی۔

سلطنت عثمانیہ کے استحکام کے لئے محمد چلیپی نے امن و صلح کو ضروری سمجھا
اور اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر گرد و پیش کی تمام مملکتوں سے صلح کے معاہدے
کئے۔ سلطان نے بازنطینی سلطنت کے چند مقبوضات شہنشاہ کو واپس کر دیئے
اور اس سے آخر وقت تک تعلقات دوستانہ قائم رکھے۔

سلطان مدبر تھا نظم و نسق کی اہلیت اس میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ اس
کے ساتھ اعلیٰ فوجی قابلیت رکھتا تھا۔ بایزید کی صحبت نے اس کو فنونِ حرب
میں یگانہ بنا دیا تھا۔ اکثر معرکوں میں باپ کے پہلو بہ پہلو دایہ شجاعت دی۔
دشمن کو بھی جس کا اعتراف تھا۔

اوصاف | سلطان محمد چلیپی بلند ذی اخلاق میں اپنے معاصر سلاطین میں
امتیازِ درجہ رکھتا تھا۔ وہ بے حد کساد دل اور منصف مزاج

اور جو وعدہ کرتا اس کو پورا کرتا۔ جہاں سختی کی ضرورت ہوتی وہاں بھی حلم سے کام لیتا۔ اس کی عدالت میں ہر ملت و مذہب اور ہر فرقے کے لوگ برابر تھے۔ اس کی رعایا خوشحال تھی۔ عیسائی جو اپنی کینہ وری اور بد اخلاقی میں فائق تھے ان کے ساتھ بھی اس کا بہتر برتاؤ تھا اور ان پر مراحم خسروانہ کیا کرتا۔ مذہب کا بڑا پابند تھا۔ حرمین شریفین کے خدام کے لئے اس نے پہلے پہل سالانہ ایک کثیر رقم بھیجنے کا دستور مقرر کیا۔ یہ صرۃ ہمایونی کہلاتا تھا۔

علمی ترقی | سلطان محمد چلی میں جہاں حکمرانی کے اعلیٰ اوصاف تھے وہاں علم سے بھی اُس کو دلی لگاؤ تھا۔ مسجد جامع بروصہ کے متصل ایک عظیم الشان درس گاہ تعمیر کرائی۔ اس سے متصل غرباء کے لئے طعام خانہ بنوایا۔ اس نے ادب کی سرپرستی بڑی فیاضی سے کی جس سے ترک زبان میں شعر و شاعری کے چرچے ہونے لگے۔

وفات | سلطان چلی نے بھراکتالیس سال ۸۲۳ھ، ۱۴۲۱ء میں وفات پائی یہ اور بروصہ میں مسجد خضریٰ سے متصل جسے اُس نے خود تعمیر کرایا تھا، دفن ہوا۔

آثارِ خیر

بروصہ میں ایک عظیم الشان مسجد مراد اول نے بنوانا شروع کی تھی۔ جس کی تکمیل سلطان محمد نے کی۔ یہ مسجد اسلامی طرز تعمیر اور سنگ تراشی کا بہترین نمونہ خیال کی جاتی ہے۔

علمائے عصر

مولانا سعید اکابر علماء سے تھے۔ علوم عقلیات و نقلیات کی

۱۔ انسائیکلو پیڈیا جلد ۲۷ صفحہ ۴۲۵۔

تحصیل علامہ تفتازانی سے کی۔ بعد فراغت علمی دربار سلطان محمد چلی سے متعلق ہو گئے اور عہدہ افتاء پر فائز ہوئے۔ مولانا حق گو علماء سے تھے علماء معاصرین امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ سلطان مراد ثانی کے زمانے میں انتقال کیا۔

سُلطان مُرادِ ثانی

نام و نسب | مراد ثانی ابن سلطان محمد چلی بن سلطان بایزید بیلدرم
۸۸۶ھ میں پیدا ہوا۔

تعلیم و تربیت | عثمانی شہزادوں کی طرح تعلیم و تربیت ہوئی مگر فنونِ حرب سے دلی تعلق تھا۔ کم عمری میں شجاعت و شہامت کے جوہر اکثر موقعوں پر دکھائے۔ چنانچہ سلطان محمد نے ایشیائے کوچک میں اپنا قائم مقام اس کو کر رکھا تھا جس نے اس علاقے میں حکمرانی بڑی لیاقت اور حسن انتظام سے کی۔ سب اولاد میں یہ بڑا تھا اس لئے

۱۔ علامہ سعد الدین تفتازانی علمائے زمانہ سے آپ کی مطول و مختصر متداول کتب علمیہ ہیں۔ مخبر الواصلین میں یہ قطعہ تاریخ ہے ۵

فاضل بے نظیر سعد الدین	قلزم علم و جود ی تمکین
نور شمع و چراغ تفتازان	گلشن چار باغ تفتازان
ہم مطول خطی ز تالیفش	مختصر نکتہ ز تصنیفش
بے گماں از کمال صدق و یقین	سال ترجیل نقل سعد الدین
باتو نور بہشت والاداں	منظر اصحاب بہشت بخواں

۸۸۸ھ

یہی ولی عہد قرار پایا۔

تخت نشینی | سلطان محمد کے انتقال کے بعد صدر اعظم نے اس کی موت کو مخفی رکھا۔ اکتالیس روز بعد جب ایشیائے کوچک سے آگیا تو محمد چلیپی کی وفات کا اعلان کیا گیا۔ مراد سریر آدائے تخت عثمانیہ ہوا مراکم مدین محمد چلیپی کے ادا کئے گئے۔ اس وقت مراد کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔

مراد اور مصطفیٰ | تمام اثرات ایک حد تک نشا دہی تھے اور سلطنت عثمانیہ کو گویا از سر نو قائم کر کے مستحکم کیا تھا۔ مراد کی نوعمری سے امرائے ناطولیہ اور شہنشاہ قسطنطنیہ نے فائدہ اٹھانا چاہا۔ شہنشاہ مذکور نے محمد چلیپی کے احسانات کو بالائے طاق رکھ کر محسن کشی اور غدری کا مظاہرہ دکھانے کو تیار ہو کر مصطفیٰ کی سرکردگی میں فوج گراں مراد پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کی۔ مراد ان دنوں ایشیائے کوچک میں تھا اُس نے صدر اعظم بایزید پاشا کی سرکردگی میں ترکی فوج مصطفیٰ کے مقابلہ کے لئے بھیجی مگر ترکی فوج مصطفیٰ سے عین میدان جنگ میں میل کر گئی جس سے صدر اعظم کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا بلکہ اس معرکہ میں اپنی جان کو حکومت پر قربان کر دیا۔

مصطفیٰ کی ہمت بڑھ گئی اس نے شہنشاہ قسطنطنیہ کے بحری بیڑے کو لے کر ایشیائے کوچک در دانیال کو عبور کر کے پہنچا۔ مراد نے خود ترکی فوج کی کمان ہاتھ میں لے اور مراد سے دو دو ہاتھ کئے۔ نصرانی فوج کہاں ٹپک سکتی تھی شکست کھا گئی۔ مصطفیٰ بھاگ کر گیلی پولی میں محصور ہو گیا۔ مراد نے گیلی پولی کو فتح کر کے مصطفیٰ کو گرفتار کر لیا اور اس کو سولی پر لٹکا دیا۔ یہ غدار وطن کا انجام تھا۔

قسطنطنیہ کا محاصرہ | سلطان مراد نے شہنشاہ قسطنطنیہ کی غدری کا انتقام لینے کی ٹھانی۔ بیس ہزار ترکی فوج لے کر

۱۲۵ھ میں قسطنطنیہ کو آگھیرا۔ شہنشاہ نے پوری قوت سے مقابلہ کیا۔ مگر مراد نے اپنی فوجی لیاقت کا ایسا ثبوت دیا کہ قسطنطنیہ فتح ہونے کے لئے قریب تھا کہ ایشیائے کوچک میں مراد کے بھائی مصطفیٰ نے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ اس کے ورغلانے والوں میں شہنشاہ کے کاہندے اور امرائے ترک ایشیائے کوچک میں تھے۔ سب میں پیش محمد بک امیر قرہ مان (کرمانیہ) تھا۔ سلطان نے قسطنطنیہ کا محاصرہ اٹھا لیا اور غصہ کی حالت میں بھائی کی گوشمالی کے لئے روانہ ہو گیا۔ مصطفیٰ کو اس وقت خبر ہوئی جب وہ گھر چکا تھا۔ آخر کار مصطفیٰ اگر فتار ہوا۔ فوجی افسروں نے بلا اجازت مراد کے اس کو سولی پر چڑھا دیا۔ مراد نے اس خانگی فتنہ کو ختم کرنے کے بعد امرائے اناطولیہ کی مزاج پسندی - پہلے معرکہ میں امیر کرمانیہ قتل ہوا۔ مراد نے بجائے کرمانیہ پر قبضہ کرنے کے اپنی فراخ دلی سے اس کے بیٹے ابراہیم کو حکومت عطا کی اور اس کو باجلدار بنایا۔ اس کے بعد کرمان قسطنطونی، منتشا، صاردوقاں اور حمید کے امراء کی خبر لی۔ وہ تاب مقابلہ نہ لاکر اس کے مطیع بن گئے اور سلطنت عثمانیہ کے باجلدار ہو گئے۔

اس واقعہ سے امرائے اناطولیہ جو تیمور کی وجہ سے آزاد ہو گئے تھے وہ سب زیر نگین سلطنت عثمانیہ آ گئے۔ آل عثمان کا وہی اقتدار پھر بحال ہو گیا جو جنگ انگورہ سے پہلے تھا۔ امیر قسطنطونی نے نصف ریاست بھی بطیب خاطر سلطان کے نذر کی اور اپنی دختر نیک اختر جالہ عقد میں پیش کی۔ امیر کرمان ۱۲۳ھ میں فوت ہو گیا تو اس کی ریاست کا کوئی حقدار نہ تھا۔ اس بنا پر سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لی گئی۔

شہنشاہ قسطنطنیہ | شہنشاہ قسطنطنیہ مینوئیل کا انتقال ہوا تو اس کی جگہ اس کا لڑکا جاں پلیو لوگس تخت نشین ہوا۔ مراد ایشیائے کوچک کے فتنے ختم کر چکا تھا۔ جان کے لئے یہ اندیشہ لاحق تھا

کہ مراد اب قسطنطنیہ کی طرف توجہ کرے گا۔ چنانچہ اس نے صلح کی استدعا کی۔ تیس ہزار دو کات سالانہ خراج دینے کا معاہدہ لکھا اور سیلمبریا اور درکوس کے سوازیوں اور دوسرے یونانی شہر جو دریائے اسٹرائیا اور بحر احمر کے ساحلی علاقے تھے وہ سب سلطان کی نذر رکھے۔

سالونیکا اور سرویہ | اینڈرونکس تھا وہ ۱۳۳۳ء میں فتح کر کے سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد سرویا کی طرف توجہ منعطف کی۔ اسٹیفن لازاریو بیچ شاہ سرویا ۱۳۳۳ء میں مرجچا تھا۔ اس کی جگہ جارج برنیکو بیچ تخت نشین ہوا۔ اس نے اسٹیفن کے طریقہ و عمل کے خلاف ترکوں کے اقتدار کی مخالفت شروع کر دی اور ہنگری سے معاہدہ کر لیا اور دریائے ڈینیوب کے ساحل پر سمندریا میں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کر لیا۔ جارج کے معاندانہ اداؤں سے واقف ہو کر مراد نے اس قلعہ کا مطالبہ کیا۔ اس نے ہنگری کی معاونت کے زعم میں قلعہ دینے سے انکار کر دیا۔ مراد نے حملہ کیا اور سرویا کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ غرضیکہ پورے ملک پر ترکی فوج قابض ہو گئی اور سرویا کے علاقے پر مراد کا تسلط ہو گیا۔

واقعات ہونیاد سفاک | جنگ انگورہ سے ہنگری کو بھی فائدہ پہنچا تھا اس نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنی قوت بڑھالی مگر سرویا کی تسخیر کے بعد اس کا علاقہ خطرہ میں پڑ گیا۔ اہل بوسنیا، البانیہ، دلاچیا، مراد سے اُلجھے مگر جلد ہی صلح کر کے جان بچا گئے۔ ۱۳۴۷ء میں لازسلاو شاہ پولینڈ ہنگری کے تخت پر بیٹھا تو مذکور الذکر ریاستوں کے امراء متحد ہو کر مراد سے دُود دوا ہمتہ کرنے کو تیار ہو گئے۔

اس اثنا میں یورپ سے مراد ہونیاد ہنگری آیا۔ یہ اپنی بہادری کا یورپ میں ڈنکا بجا چکا تھا۔ شاہ ہنگری نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس نے

ترکوں کے مقابلہ کے لئے بیڑہ اٹھایا۔ چنانچہ ۸۴۶ھ میں بلغراد پر مراد نے حملہ کیا۔ ہونیاد سینہ سپر ہوا۔ آخر شمراد ناکام لوٹا۔

جنرل فرید پاشا اور ہونیاد | فرید پاشا نے ٹرانسلوینیا میں نہرمان اسٹاٹ پر حملہ کیا اور اس کا محاصرہ

کمر لیا۔ ہونیاد مراد سے نبٹ کر نہرمان اسٹاٹ پہنچا اور ترکوں کو شکست دی جس میں بیس ہزار ترک شہید ہوئے۔ ہونیاد نے فرید پاشا اور اس کے لڑکے کو جو گرفتار ہو گئے تھے اپنے سامنے تہ تیغ کرا دیا۔ اس فتح کے بعد ہونیاد نے جشن منایا اور ساتھیوں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھا تو اسی وقت ترک قیدیوں کو نہایت بے دردی سے اپنے سامنے قتل کرایا۔ کھانا کھاتا جاتا تھا اور ترکوں کو ذبح کراتا جاتا تھا۔ سلطان مراد کو فرید پاشا کی شکست کی خبر پہنچی تو اس نے اسی ہزار ایک دوسری ترک فوج شہاب الدین پاشا کی سرکردگی میں روانہ کی مگر واراگ پر ہونیاد کے مقابلہ میں شکست کھا گئی اور شہاب الدین گرفتار ہوا۔

ہونیاد کی شاندار کامیابی اور ترکوں کی پسپائی اور ناکامی سے یورپ کی تمام حکومتوں میں ایک امید کی لہر دوڑ گئی۔ یوپ نے یہ رنگ دیکھ کر جنگ صلیبی کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان عام سے ہنگری، پروشیا، پولینڈ اور سربیا کے جنگ مجبور لوگ جوق در جوق ہونیاد کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ اس نے نیش پہنچ کر فوج سلطانی کو شکست فاش دی۔

ایشیائے کوچک میں امیر قرہ مان نے موقع سے فائدہ اٹھا کر بغاوت کر دی اور بروسہ کا محاصرہ کر لیا۔ مراد نے خانہ جنگی ختم کرنے کے لئے ہونیاد سے صلح کر لی جس میں فلاخ کی آزادی کو بحال کیا اور ترکوں نے اس پر سے اپنی سیادت اٹھالی۔ سربیا کے مفتوح مقامات واپس کئے اور ہنگری سے دس سال تک جنگ نہ کرنے کا عہد نامہ لکھا۔

شہزادہ علاء الدین کا انتقال | مراد کا بڑا بیٹا علاء الدین تھا۔ یہ بڑا ہونہار تھا۔ سلطان بننے کے جملہ اوصاف سے متصف تھا۔ یکایک اس کا انتقال ہو گیا۔ مراد کو ولی عہد کے مرنے کا بھید صدمہ ہوا۔

خلوت نشینی | مراد نے اس واقعہ کا اس قدر اثر لیا کہ اُس نے اپنے چھوٹے بیٹے محمد کو جس کی عمر چودہ سال کی تھی خود اپنے سامنے تخت نشین کیا اور ولایت آیدین جا کر گوشہ نشین ہو گیا۔

شاہ ہنگری | شاہ ہنگری نے مراد کے تخت سے ہٹ جانے سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ پوپ کا فرستادہ کاہن ڈینال اس کے پاس آیا۔ اس نے اس سے کہا اگر مسلمانوں سے بد عہدی کر لو تو کوئی گناہ نہیں " اور شاہ ہنگری کے ایما پر فوج گراں لے کر بلا لحاظ پیمان کے بلغاریہ پر جو عثمانی سلطنت کے قبضہ میں تھا اس پر حملہ کر دیا۔ مراد کو خبر لگی۔ ادھر وزیرائے عظام نے اصرار کیا ناچار مراد خلوت سے باہر آیا اور مثل شیر کے فوج عثمانی کی کمان لے کر بد عہدوں پر مقام دار نہ (بحر اسود کے کنارے) پر حملہ آور ہوا۔

صلیبی فوج تاب مقابلہ نہ لاکر راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوئے شاہ ہنگری ایک ترک کی تلوار کے گھاٹ اُترا۔ ادھر دوسرے ترکوں نے اس فتنہ کی بڑ کاہن ڈینال کو بھی تہ تیغ کیا۔ ہونیٹاڈ جو یورپ کا بڑا شجاع و بہادر تھا اپنی جان بچا کر ایسا بھاگا کہ میدان جنگ کی طرف پھر کر بھی نہ دیکھا۔ صلیبی فوج و شاہ ہنگری نے اپنے بھگوڑے جنرل کا ساتھ دیا۔ ترکوں نے نصرانیوں سے پورا انتقام لے لیا۔

اس فتح کے بعد مراد نے سلطان محمد کو پھر تخت پر بٹھایا اور خود گوشہ نشین ہو گیا۔

بغاوت انگشاریہ | چند ماہ سلطان محمد کو عنان حکومت ہاتھ میں لے نہ گزرے تھے کہ فوج انگشاریہ نے بغاوت کر دی۔ مراد پھر خلوت سے باہر آیا اور اس فتنہ کو دبا کر یونان میں مورہ کی طرف رخ کیا۔ قلعہ کورنتھ کو محاصرہ میں لے لیا اور توپ سے گولہباری کی اور قبضہ کر لیا۔

البانیہ میں اسکندر باب نے سرکشی کر رکھی تھی اس کی گوشمالی کر دی اور اس کے دو شہر فتح کر لئے۔ ہونیاد ایک عظیم الشان صلیبیوں کا لشکر یورپ کے مختلف ملکوں سے لے کر ۱۵۰۰ میں قوصوہ کی طرف آیا۔ مراد نے پلٹ کر صلیبیوں پر بہت زبردست حملہ کیا۔ ہونیاد نے شکست کھائی اور ایسا زخمی ہوا کہ جانبر نہ ہو سکا۔ اس کامیابی کے بعد سلطان مراد نے البانیہ پر فوج کشی کی اور اسکندر باب کو محصور کر لیا۔ اس نے مجبور ہو کر سالانہ خراج دینا منظور کیا اور عہد نامہ اطاعت گزاردی کا لکھ دیا۔ یہاں سے کامرانی کے بعد مراد اور نہ کوٹوٹا۔

وفات مراد | ۵ محرم ۸۵۵ھ مطابق ۱۴۵۱ء کو مراد نے اور نہ میں وفات پائی۔ بچہزیر و تکفین قدیم پائے تخت بروصہ میں ہوئی۔

اوصاف | مراد کے عدل و انصاف کا اعتراف دشمن بھی کرتے ہیں۔ سلطان مراد نے اچناس سال کی عمر پائی اور تیس سال چھ مہینے آٹھ روز حکومت کی۔ وہ ایک عادل اور شجاع فرماں روا تھا۔ نہایت کشادہ دل، مستقل مزاج، عالم، رحم دل، پابند مذہب اور فیاض۔ وہ اہل علم اور ان تمام لوگوں سے جو کسی علم یا فن میں کمال رکھتے محبت کرتا

اور اُن کی حوصلہ افزائی کرتا۔ وہ ایک نیک شہنشاہ اور ایک جلیل القدر سپہ سالار تھا۔

مراد کے عہد حکومت میں سپاہی ہمیشہ فتح یاب تھا اور شہری خوش حال تھے جب وہ کسی ملک کو تسخیر کرتا تو سب سے پہلے وہاں مساجد، کلاواں، ہسپتال اور مدرسہ تعمیر کراتا۔ ہر سال ایک ہزار طلائی سکے سادات کرام کی نذر کرتا اور اٹھائی ہزار مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور بیت المقدس کے عباد و زہاد کو بھیجتا تھا۔

معاصر علماء | باکوی عبدالرشید بن صالح بن نوری۔ یہ شہر باکو سے جو ساحل بحر خزر پر واقع ہے منسوب ہے۔ یہ علمائے عصر میں ممتاز تھا۔ تلخیص الانار و عجائب الملک التہار اس کی یادگار ہے۔ ۱۰۶۲ھ، ۸۲۲ھ تک بقید حیات تھا۔

علامہ تفتازانی ملا سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی مشاہیر علماء تھے منطق میں تہذیب المنطق اس کی کتاب مشہور ہے۔ ۸۵۸ھ میں وفات پائی۔ (ان کا ذکر گذشتہ نوٹ میں بھی آچکا ہے)۔

علامہ صدر الدین شیرازی قوت ذکا اور تجربہ علوم عقلیہ میں مشہور ہے۔ علمائے اعلام سے تھا اس نے شیراز میں اپنا مدرسہ قائم کیا جس میں خود ہی درس دیتا تھا۔ نامہ اوقات میں تصنیف و تالیف میں معروف رہتا۔

شرح تجرید، شرح مطالع، شرح شمسہ پر حاشیہ لکھا۔ الحکمۃ المتعالیہ اس کی تصنیف معرکہ کی ہے۔ کتاب الاسفار الاربعہ فلسفہ کے دقیق مسائل پر مشتمل ہے۔ ۸۴۱ھ میں انتقال ہوا۔



سُلطان محمد ثانی

(فاتح قسطنطنیہ)

نام و نسب | محمد ثانی ابن سلطان مراد ثانی

ولادت | ۲۶ رجب ۹۳۱ھ میں اس کی ولادت ہوئی۔

تعلیم و تربیت | شاہانہ طور طریق سے محمد ثانی کی تعلیم و تربیت ہوئی۔
 باپ نے اپنی زندگی میں دو مرتبہ تخت نشین کیا۔ آداب
 حکمرانی باپ کے زیر سایہ سیکھے۔

تخت نشینی | شہزادہ محمد ثانی ایدین میں مقیم تھا وہیں مراد کے انتقال
 کی خبر لگی۔ چنانچہ وہ دادا الخلافہ آیا اور ۱۵۵۰ھ میں تیسری بار
 تخت عثمانیہ پر بیٹھا۔ ہمسایہ سلطنتوں نے اپنے اپنے سفراء کے ذریعے
 مبارک باد کے پیغام بھیجے۔

معصوم بھائی کا قتل | زمام حکومت ہاتھ میں لے کر اپنے شیر خواہ
 بھائی کو جو سرویا کی شہزادی کے بطن سے
 تھا حوض میں غرق کر دیا۔

ایشیائے کوچک میں طرابزون اور قرہ مان کی ریاست دونوں خلیفہ
 کے موجب تھے۔ اس وجہ سے کرمانیہ (کرہ مان) کو سلطنت عثمانیہ

لہ انسائیکلو پیڈیا جلد ۲ صفحہ ۲۴۶۔

میں داخل کر لیا اور رئیس کی لڑکی کو حوالہ عقد میں لے آیا اور طرہ بڑوں پر سالانہ خراج لگایا گیا۔ ہونیاد سے تین سال کے لئے صلح کر لی اور ایک فوج موریا میں بھیج دی کہ قیصر کے بھائی کو گھیرے رکھے۔

قلعہ کی تعمیر | آبنائے باسفورس کے ایشیائی ساحل پر بائیزیدیلیرم نے قلعہ تعمیر کیا تھا۔ اس کے مقابل قسطنطنیہ سے تقریباً پانچ میل کے فاصلہ پر ایک زبردست قلعہ تعمیر کرایا۔

قسطنطنیہ پر حملہ | شہنشاہ قسطنطنیہ ان دنوں قسطنطنین یا ندیم تھا۔ یہ سلطنت بازنطینی کا آخری فرمان روا تھا۔ اس کا پیش رو مینٹول تھا جس نے مراد سے جھگڑا کیا تھا قسطنطنین محمد ثانی سے بیٹھے بٹھائے خود چھڑکی۔ سلطان سے کہلا بھیجا کہ تمہارے خاندان کا شہزادہ اور خاں نبیرہ سلیمان اعظم جو قسطنطنیہ میں نظر بند تھا اور اس کے مصارف سلطان کی طرف سے ادا ہوتے تھے قسطنطنین نے اس رقم کا معہ اضافہ کے مطالبہ کیا اور عدم منظوری کی صورت میں آورخان کو مقابل کھڑا کر دینے کی دہمکی دی۔

محمد ثانی شورشلوں کے فرو کرنے میں مصروف تھا۔ سفیر کو نری کے ساتھ جواب دے کر طال دیا۔ لیکن وزیر اعظم خلیل پاشا نے کہلا بھیجا کہ قسطنطنیہ سے نکلنے کی تمنا ہے گھبراؤ نہیں اور جلد حکومت سے سبکدوش کئے دیتے ہیں۔

فتح قسطنطنیہ | سلطان محمد ثانی نے باپ کی وصیت کے مطابق فتح قسطنطنیہ کے لئے تیاری کرنا شروع کر دی۔ اس نے حصار کی تعمیر کے بعد ہنگری کے صنایع اور بان سے بڑی توپیں ڈھلواؤں میں جن کے کینچنے کے لئے ساٹھ ساٹھ جوڑیل لگتے تھے جب انتظام مکمل کر لیا خود سلطان بنفس نفیس نوے ہزار فوج اور رز سے لے کر چلا اور امیر باطواغلی

کی قیادت میں جنگی کشتیاں روانہ کیں کہ سمندر کی طرف سے محاصرہ رکھے۔
 اُدھر حملہ کی تیاری تھی اُدھر قسطنطین نے مغربی یورپ کے فرمانرواؤں
 سے مدد کی درخواست کی اور یورپ کی ہمدردی کے لئے کلیسا نے دوما کے
 مطالبات منظور کر لئے۔ اس فیصلہ نے یونانی پادریوں کو برا فروختہ کر دیا۔
 گرمانڈ لوک نوٹا دس جو تمام افواج قسطنطنیہ کا سپہ سالار تھا وہ بھی قسطنطین
 سے کبیدہ خاطر ہو گیا۔

مغربی یورپ نے قسطنطین کی فریاد کو قابلِ سماعت نہ سمجھا۔ البتہ یورپ
 نے اُردمودہ کار سپاہیوں کو معہ رقوم کثیر کے کارڈنیل اسیڈور کے ساتھ
 روانہ کیا۔ اٹلی اور اسپین کے بعض شہروں سے فوجی دستے آئے۔ وینس نے
 بھی کچھ مدد کی۔ اہل جنیوا کی طرف سے مشہور جینیوی کمانڈر جان جٹینانی دو
 جنگی جہازوں اور سات سو منتخب بہادروں کے ساتھ قسطنطنیہ آ گیا۔
 غرضیکہ اپنی اور دوسروں کی فوج ملا کر قسطنطین کے پاس توڑے ہزار
 تھی۔ فرانس، جرمنی، ہنگری اور پولینڈ ترکوں سے پٹ چکے تھے، ہمت نہ
 تھی کہ اس آگ میں کودتے۔

محاصرہ ۲۶ ربیع الاول ۸۵۷ھ کو سلطان نے قسطنطنیہ کا توڑے ہزار
 فوج سے محاصرہ شروع کیا۔ اس کے ساتھ ہی بحری جنگ آبنائے
 باسفورس میں پیش آئی۔ ۱۴۰ عثمانی جہاز تھے۔ قیصر کی امداد کے لئے جنیوا کے
 جنگی جہاز آگئے اور دشمن کے لہر کے جہاز قسطنطنیہ پہنچ گئے۔ غرضیکہ
 ترک کی بیڑہ نقصان اٹھا گیا۔ سلطان محمد نے یہ رنگ دیکھ کر خشکی میں باسفورس
 اور بندر گاہ قسطنطنیہ کے درمیان پانچ میل میں پہاڑی زمین پر لکڑی کے
 تختوں کی بڑک بنوائی اور ان تختوں کو چربی سے خوب چکنا کر ادا اور ایک
 لات کے اندر راستی کشتیاں بیلوں سے کھچوا کر بندر گاہ کے اس حصہ میں پہنچا
 دیں۔ قسطنطنیہ کا یہ حصہ بھی حملہ کی زد میں آ گیا۔ بری فوج نے مناسب

فاصلہ پر توپیں نصب کیں۔ سلطان بھروہ نے ۲۹ مئی ۱۴۱۳ء کی صبح کو عام حملہ کا وقت مقرر کیا تھا۔ اس رات تمام معسکر میں چراغاں لہا اور ساری فوج دعا اور عبادت میں مصروف رہی۔ صبح ہوتے ہی فحیل کی طرف بڑھی۔ رومیوں نے نہایت ہمت اور پامردی سے مدافعت کی۔ یہاں تک کہ قیصر قسطنطین اس جنگ میں مارا گیا۔ آغا حسن جو پہلے فحیل پر چڑھا تھا وہ شہید ہوا اور سلطان محمد کے ہاتھوں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔

غرضیکہ ناقابل تسخیر شہر کے فتح ہونے کا وقت آچکا تھا۔ فحیل توپ کے گولوں سے ٹوٹی اور کشتیوں سے ترک نکل کر شہر کے اندر داخل ہو گئے۔ سلطان انکشاری فوج کے ساتھ تھا۔ جس وقت مشہور کنیسہ ایا صوفیہ کے دروازے پر پہنچا اس میں اذان دلوائی اور ظہر کی نماز پڑھی۔ اس وجہ سے یہ کنیسہ جامع مسجد بنا دیا گیا۔

سلطان معظم نے رومیوں، یونانیوں کے ساتھ نہایت نرم برتاؤ کیا۔ ان کے دینی معاملات میں مداخلت نہیں کی بلکہ ان کو پوری مذہبی آزادی بخشی۔ ایک بطریق مقرر کیا جو ان کے معاملات دینی طے کیا کرتا۔ ہجرت کنیسوں کے جو مسجد بنائے گئے تھے باقی تمام کنیسے ان کو دیدیئے گئے۔ لہا ہبوں اور بلیشپوں کو ہر قسم کی خدمات اور محصولات سے مستثنیٰ کر دیا۔ اس مرحام کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو نصرانی قسطنطنیہ سے چلے گئے تھے وہ پھر لوٹ آئے اور اپنے مکانون میں آباد ہو گئے۔ جن میں سے اکثر ترکوں کے اخلاق سے متاثر ہو کر آغوش اسلام میں آ گئے۔

قسطنطنیہ کی فتح کی خبر تمام عالم اسلامی میں مشہور ہوئی جشن منائے گئے اور ہر طرف سے ملوک و سلاطین و علماء و شعراء نے سلطان کو مبارکباد بھیجی۔

سلطان نے فتح کے بعد سب سے پہلے قسطنطنیہ میں حضرت ایوب انصاری کے مزار پر ایک جامع مسجد تعمیر کرائی اور قسطنطنیہ کو دار الخلافہ قرار دیا۔ جامع

مسجد میں سلاطین عثمانیہ کی تاج پوشی کی رسم ادا کی جانے لگی یہ
فتوحات | نگرانی میں لے لیا۔ پھر بلخراہ کی طرف متوجہ ہوا۔

جنرل ہونیڈ سے سخت مقابلہ پیش آیا۔ اس معرکہ میں چوبیس ہزار ترک شہید
 ہوئے اور سلطان بھی مجروح ہوا۔ آخر سلطان بے نیل و مرام واپس آیا۔
 ہونیڈ بھی اس قدر زخمی ہوا کہ جانبر نہ ہو سکا اور بیس روز بعد کفر کردار
 کو پہنچا۔

مگر سلطان نے اس ناکامی کی پرواہ نہ کی اور ۸۶۳ھ میں مورہ پر چڑھائی
 کر دی۔ بعد کامیابی بوسینیا پر یلغار کی اور فتح کر لیا۔ ایشیا میں طرابزون اور
 اسفندیارہ دونوں ریاستیں سلطنت میں ملا لیں۔

بحری بیڑہ | سلطان نے فتوحات سے فادغ ہو کر بیڑہ بحری کے تیار کرنے کی
 طرف توجہ کی اور اس قدر قوی بیڑہ بنایا کہ اس زمانے کے تمام بیڑوں
 جنیوا اور دینس سے یہ فائق تر تھا۔

فتنہ حسن اوزون | ۸۸۱ھ میں فرات سے اموداہ
 تک قابض ہو کر فتنہ بغاوت اٹھا لکھا تھا۔ عثمانی
 سرحد خطرہ میں پڑ گئی تھی۔ سلطان بہ نفس نفیس اس کی سرکوبی کے لئے آذربایجان
 کی طرف گیا۔ حسن اوزون مقابل آیا مگر شکست کھا گیا۔ اس طرح فتنہ ختم ہوا۔

واقع | ۸۸۳ھ میں البانیہ کے قلعہ جات کر ویا اور اشقودرہ کو سلطان
 نے لے لیا۔ پھر ہنگری کی طرف فوج بھیجی جس نے ٹرانسلوانیا کو
 فتح کر لیا۔ وہاں کاؤنٹ کمیٹس نے پہنچ کر ترکوں کو شکست دی۔ ترک
 کثیر التعداد شہید ہوئے اور صدمہ ہاگہ فساد ہو گئے۔ خون خواہ ہنگریوں نے میروں

۱۔ تاریخ الاتراک العثمانین صفحہ ۱۷۵۔

کو قتل کیا اور اُن کی نعشوں پر فرش بچھا کر کھانے کھائے۔ پوپ نے کاؤنٹ کیٹس کو ہونیا ڈکی جگہ پر حامی دین کا خطاب عطا کیا۔ یہ تھی نصرانیوں کی بربریت پھر بھی وہ مہذب اور شائستہ کہلائے جاتے تھے۔

جزائر بحر روم | ۱۲۸۸ء میں صدر اعظم کدک احمد پاشا کو سلطان نے جزائر بحر روم کے فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ صدر اعظم روم پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ مگر صرف اوترانت کو فتح کر کے آگے مصلحت سے نہ بڑھا۔

روڈس | جزیرہ روڈس میں جماعت قدس یوحنا اور شمس کے رہبان جو اپنی بدکاری اور فتنہ گری کی بدولت ارض مقدس سے نکالے گئے تھے جمع ہو گئی تھی۔ یہ رہبان عیاش اور مہذب ڈاکو تھے۔ ہمیشہ اہل یورپ کو صلیبی جنگ کے لئے بھڑکاتے رہتے تھے۔ سلطان نے ان کی فتنہ پردازی کو ختم کرنے کے لئے ترکی بیڑے کو روڈس بھیجا جہاں تین مہینے تک اس نے محاصرہ کیا مگر ناکامی سے اس کو لوٹنا پڑا۔

وفات | سلطان یکایک بیمار ہوا۔ دن بدن حالت بگڑتی گئی۔ آخر ۴۴ ربيع الاول ۸۸۶ھ کو فوت ہوا۔ قسطنطنیہ میں شاہی مقبرہ کے لئے جو زمین اس نے متعین کی تھی وہیں دفن کیا گیا۔

اوصاف | سلطان محمد کے مکالم اخلاق اور شریفانہ اوصاف وہ تھے جو ایک مسلمان بادشاہ میں ہونے چاہئیں۔ رحم دل تھا جس کا مظاہرہ قسطنطنیہ کی فتح میں نظر آتا ہے۔ ڈیوک نوٹا اس افواج قسطنطنیہ کا سپہ سالار عظیم گرفتار ہوا تو اس کی خطا بخشی کے ساتھ اس کے اہل خاندان کی مدد کی۔ نوٹا اس کی بیوی علیل تھی تو اس کو عیادت کو سلطان خود گیا۔ یہ

یہ نوٹا اس نے سلطان کو اسکا بدلہ دیا کہ اٹلی سے غنیہ خط و کتابت کی کہ موقع ہے سلطان پر یلغار کر دے سلطان کو اسکا علم ہو گیا تو اس نے نوٹا اس کو مدد اسکے لڑکوں کے قتل کرا دیا۔

یہ ضرور ہے کہ سلطان کی طبیعت میں سختی و درشتی تھی مگر معاصر عیسائی حکمرانوں سے اگر مقابلہ کیا جائے تو اس کی سختی و سخت گیری بہت کم نظر آتی ہے۔ چنانچہ ولاچیا کا حکمران ولاد جو سلطان کا ہم عصر تھا وہ اپنے دشمن کے جسم میں میخیں ٹھونک کر ہلاک کیا کرتا تھا۔ قیدیوں اور دوسرے مظلوموں کو قتل کرتا تو مرتے وقت کی اذیت اور تڑپ کو خوشدلی و دل چسپی سے دیکھتا اور لطف اندوز ہوتا۔ مگر سلطان حسین کو مغربی مورخین ظالم قرار دیتے ہیں وہ بھی کوئی ایسا واقعہ سلطان کی زندگی میں پیش نہ کر سکے۔ یہ ضرور ہے کہ سلطان نے اپنے بھائی کو قتل کرایا یا جو ایک سلطنت باغیانہ سرگرمی میں دیکھے گئے ان کو سزا موت دی لیے سلطان کو اوائل عمری سے جنگی فنون سے دلی لگاؤ تھا۔

فنون جنگ

خداداد شجاعت اور مردانگی کے ساتھ اس میں فوجی قابلیت بدرجہ اتم تھی۔ اس کا عہد حکومت جنگوں میں گزرا۔ خود فوج کی کمان ہاتھ میں لے کر ملکوں کو فتح کرنے نکلتا۔ سوائے معرکہ بلغار میں ناکامی کا منہ اس کو دیکھنا پڑا اور نہ ہر جنگ میں کامیاب رہا۔ قسطنطنیہ کی فتح کے بعد سے فاتح کے خطاب سے مشہور ہوا۔

اس کی فوجی لیاقت نے احمد کدک پاشا اور محمود پاشا سے مشہور جنرلوں کو اس کا گرویدہ کر رکھا تھا اور وہ اس کی جنگی قابلیت کا لوہا مانتے تھے۔

سلطان محمد اپنے ارادوں کو بالکل راز میں رکھتا حتیٰ کہ اس کے امیر العسکر کو بھی پہلے سے معلوم نہ ہوتا کہ سلطان کس سمت

حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ایک مرتبہ کسی مہم کے لئے فوجیں جمع ہونے لگیں۔ ایک سہ سالہ راز نے سلطان سے عرض کیا حضور کون سا ملک پیش نظر ہے؟ تو اس نے سختی سے جواب دیا :-

”اگر میری دائرہی کے ایک بال کو بھی اس کی اطلاع ہو جائے تو میں اُسے توڑ کر آگ میں ڈال دوں“

علمی ترقی | سلطان محمد کی عظمت فتوحاتِ ملکی کے وسیع دائرہ تک محدود نہ تھی۔ سلطان جنگ جو طبیعت ہی نہیں رکھتا تھا بلکہ وہ علمی ذوق کا حامل تھا۔

”اس کی خداداد قابلیت کے جوہر رزم و بزم دونوں جگہ یکساں طور پر نمایاں تھے“

خود سلطان جلدِ علوم و فنون کا ماہر تھا اپنے معاصر علماء سے علم کی تحصیل کی تھی۔ اپنی مادری زبان کے علاوہ عربی، فارسی، عبرانی، لاطینی اور یونانی زبانوں پر بھی قدرت رکھتا تھا۔ تاریخ اور جغرافیہ سے اس کو دلی لگاؤ تھا۔ یونانی سوانح نگار پلوٹارک کی تالیف تذکرہ مشاہیر یونان و روما اس کے لئے ترکی میں ترجمہ کی گئی۔

سلطان بلند پایہ شاعر اور شعر و سخن کا دلدادہ تھا۔ اُس کے علمی دربار سے تیس عثمانی شعراء و قلیفہ پاتے تھے۔ ہر سال گراں قدر تحائف خواجہ جہاں اور مولانا جامی کی خدمت میں بھیجا کرتا تھا۔ اس کا علمی دربار لگتا جس میں ملک کے مشاہیر علماء و شعراء شریک ہوا کرتے۔

مدارس | سلطان نے قسطنطنیہ اور اپنے قلمرو کے مرکزی شہروں میں کثرت سے مکاتب اور مدارس جاری کئے۔ اس کے شغف علمی کا ہی اثر تھا کہ محمود پاشا نے کئی مدرسے قائم کئے اور اس کے اخراجات کا خود کفیل تھا۔

سلطان نے ایک کالج مفتیوں اور قاضیوں کی منتہی تعلیم کے لئے قائم کیا اور اس کا ضابطہ خود تیار کیا۔

اس کے عہد کے قاضی و مفتی علم و فضل میں یکتا تھے روزگار ہوتے تھے

ان کے احترام کا خاص لحاظ رہتا۔ قاضی یا مفتی صرف عہدوں کے پُر کرنے کے لئے تیار نہیں کئے جاتے تھے بلکہ یہ حضرات میدان جنگ میں ایک سپہ سالار کی طرح فوج کی کمان ہاتھ میں لے کر سلطان کے دوش بدوش جہاد میں شریک ہوتے تھے۔

نظم مملکت جو نظام حکومت سلاطین سلاجقہ کا تھا وہی نظام آدرخان سلطان نے وقت کے تقاضے سے اس کی اصلاح کی اور خود آئین سلطنت مرتب کیا۔ اس آئین کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان ایک واضح قانون کی حیثیت سے اپنے پیشروؤں سلاطین عثمانیہ سے ممتاز نظر آتا ہے۔

آئین سلطنت | سلطان نے قانون نامہ جو سلطنت عثمانیہ کا بنیادی دستور ہے خود مرتب کیا۔

قانون نامہ میں سلطنت کو ایک خیمہ سے تشبیہ دی گئی ہے جو چار ستونوں پر قائم ہے :-

(۱) وزیر اعلیٰ سلطنت

(۲) قضاۃ عسکر

(۳) دفتر دارالخازن

(۴) نشا سنجی (معتد سلطنت)

اس شاہی خیمہ کا بلند دروازہ باب عالی کے نام سے موسوم کیا گیا جس سے مراد حکومت عثمانیہ تھی۔

صدر اعظم | حکومت عثمانیہ کے سب سے بڑے عہدے دار چار وزیر ہوتے تھے۔ اس جماعت وزراء کا صدر وزیر اعظم سلطنت تھا جو تمام عہدے داروں کا افسر اعلیٰ تھا۔ اس کے پاس حکومت کی مہر ہا کرتی تھی جو بلند ترین منصب کا نشان تھا۔ یہ بھی صدر اعظم کے لئے رعایت تھی

کہ حسب ضرورت مجلس وزراء کا اجلاس اپنے دولت کدہ پر منعقد کرے۔

قاضی عسکر | اعلیٰ فضیلت دینی کے علماء اس عہدہ پر سرفراز کئے جاتے۔ ایک "قاضی عسکر" ترکی علاقہ یورپ کی عدالتوں کا صدر ہوتا۔ تین بڑے عہدیدار جماعت علماء سے منتخب کئے جاتے۔

خواجہ | ترکی سلطنت میں سلطان اور شہزادہ کے اتالیق کو خواجہ کہتے تھے۔ یہ بھی ایک عہدہ تھا۔

بمفتی | ایک عہدہ مفتی کا تھا۔

نشاخی | نشاخی (قاضی قسطنطنیہ) کے سپرد سرکاری دستاویزوں کے تیار کرنے اور ان پر سلطان کا طغرائیت کرنے کی خدمت سپرد تھی۔

رئیس آفندی | چیف سیکرٹری کے جملہ فرائض رئیس آفندی کو ادا کرنے پڑتے تھے۔

دیوان | حکومت کی مجلس حل و عقد کا نام دیوان تھا۔ دیوان کا صدر سلطان معظم ہوتا۔ اگر سلطان رونق افروز نہ ہوتا تو وزیر اعظم صدارت دیوان کی انجام دیتا۔ دیوان کے انعقاد کے وقت دوسرے وزراء اور قضاۃ عسکر صدر کے داہنے بازو کی طرف بیٹھتے تھے۔ دفتر دار اور نشاخی کی جگہیں صدر کے بائیں جانب تھیں۔

آغا | خارجی آغا، داخلی آغا یہ عہدہ دار سلطنت عثمانیہ کے دست و بازو سمجھے جاتے تھے۔

داخلی آغا | داخلی آغا درباری عہدوں پر مامور ہوتے۔

خارجی آغا | خارجی آغا کی جماعت سے وہ فوجی حکام منتخب ہوتے تھے جن کے سپرد صوبوں کی حکومت ہوتی تھی۔ فوجی آغاؤں میں انگشادی (سینی چری) کے آغا اور سپاہی دوسرے سواد دستوں کے آغا

خاص طور پر ممتاز تھے۔

ینی چری کا آغا قسطنطنیہ کی پولیس کا افسر اعلیٰ ہوتا تھا۔

قاپو آغا :- گویے خواجہ سراؤں کا افسر

قیو لرو آغا :- حبشی خواجہ سراؤں کا افسر

بوستانچی باشی :- باغبانوں کا افسر

چاؤش باشی :- حکومت کے قاصدوں کا افسر

محکمہ دیوانی کے بہت سے عہدوں پر عموماً داخلی آغا مقرر کئے جاتے تھے۔

اور بھی عہدے تھے جن کا ذکر لاحق ہے۔

ہم عصر علماء | سلطان الوغ بیگ مرزا، تیموری خاندان کا ایک مشہور عالم و فاضل بادشاہ تھا۔

بقول مؤلف کشف الظنون ۸۲۳ھ میں اُس نے اپنے دارالسلطنت سمرقند میں ایک مرصد کی تعمیر کی۔ غیاث الدین جمشید کے اہتمام سے تعمیر ہوئی۔ ٹریک کا علامہ قوشچی تھے۔

الوغ بیگ کی زینچ مشہور و معروف ہے۔ ۸۵۳ھ میں اس نے انتقال کیا۔

مولانا نور الدین عبدالرحمان بن احمد الجامی ۸۱۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۸۹۸ھ میں فوت ہوئے یہ

سُلطان بائزید ثانی

نام و نسب | بائزید ثانی بن سلطان محمد ثانی بن مراد ثانی -
۸۶۶ھ میں بائزید پیدا ہوا۔

تخت سلطنت | سلطان محمد کے انتقال کے بعد امراء نے سلطنت سے
بائزید کو ۸۸۶ھ میں تخت سلطنت پر بٹھایا اور
یہی ولی عہد تھا۔

امیر چچم کی بغاوت | مگر اس کے بھائی امیر چچم کو یہ تخت نشینی ناگوار گزری
اُس نے بروصہ پر قبضہ کر کے اپنی سلطنت کا
اعلان کر دیا۔ بائزید نے انکشاری فوج امیر چچم کے مقابلہ پر بھیجی مگر کارزار
گرم ہوا۔ امیر چچم میدان چھوڑ گیا اور مصر پہنچا۔ پھر وڈس صلیبی جماعت کے
پاس چلا گیا۔ ان لوگوں نے سلطان کو لکھا کہ امیر چچم کے اخراجات کے لئے ہمارے
دوک سالانہ مقررہ کر دیئے جائیں ہم اس کو اپنی حفاظت میں رکھ لیں گے (سلطان
نے ان کی استدعا کو منظور کیا۔

کچھ عرصہ بعد پوپ نوسان ہشتم نے امیر چچم کو اپنے پاس بلالیا اور سلطان
کو لکھا کہ تین لاکھ دوک میری نذر کرو تو امیر چچم کو ٹھکانے لگا دوں۔ یہ تھا
پوپ اعظم کا کیر کٹر۔

اس دوران میں شارل ہشتم شاہِ فرانس قسطنطنیہ کے لینے کے ارادے
سے اٹھا۔ پہلے اُس نے روم کا محاصرہ کیا اور امیر چچم کو لینا چاہا مگر پوپ نے
اس کو نہ ہر دے دیا اور اس کی لاش استانبول روانہ کر دی جو بروصہ
میں دفن کی گئی۔

فتوحات | سلطان محمد کے عہد میں ترکوں کا قبضہ پورے بلقان پر ہو چکا تھا۔ صرف بلغراد رہ گیا تھا جو ہنگری کے قبضہ میں تھا۔ بائزید نے بلغار لینا چاہا مگر ناکام رہا۔

مصر | ۸۹۳ھ میں فوجیں جمع کر کے شاہ مصر سے دو، دو ہاتھ کرنا چاہے مگر باٹے تولش نے باہمی صلح کرادی۔

ایران | حسن اوزون کے انتقال کے بعد شاہ اسماعیل صفوی نے ایران میں شیعہ حکومت قائم کر لی۔ شاہ صفوی غالی شیعہ تھا اور جبرہ سنویوں کو اپنے مسلک پر لا رہا تھا۔ اس کے اعوان میں سے شاہ قول نامی نے اناطولیہ میں قتلہ رفس پھیلا نا شروع کر دیا اور عوام کو بغاوت کے لئے بھڑکانے لگا۔ امیر اناطولیہ نے سرکوبی کر کے علاقہ سے نکلوا دیا۔ شاہ قول کوتاہیہ پہنچا۔ وہاں بھی شیعیت کا قتلہ کھڑا کیا۔ صدر اعظم علی پاشا مع فوج کے اس کی سرکوبی کو گیا۔ سخت مقابلہ ہوا جس میں صدر اعظم اور شاہ قول ہر دو کام آئے۔

ممالک یورپ سے تعلقات | دِولِ یورپ پر دولتِ عثمانیہ کی دھاک بیٹھ چکی تھی۔ وہ سلطان سے تعلقات

قائم کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ۸۹۴ھ میں پہلا روسی سفیر واسکو سے تحفے اور ہدیہ لے کر آیا اور مملکت عثمانیہ میں تجارتی امتیازات حاصل کئے۔ سلطنتِ بولونیا سے بھی اس سال بغداد (رومانیہ کا حصہ) کے متعلق عہد نامہ ہوا۔ اہل بغداد نے دولت عثمانیہ کی بخوش دلی سیادت قبول کی، ہنگری کا قبضہ اُس پر سے جاتا رہا۔ ڈیوک میلانو، جمہوریہ فلارنس، نیرپوپ اسکندر سادس نے بھی دولت عثمانیہ سے تعلقات قائم کئے تاکہ سلطان کی بری و بحری قوتوں سے اپنے مخالفین کے لئے امداد حاصل کر سکے۔

یورپ میں فتوحات | جمہوریہ وینس ترکوں کی مخالفت تھی۔ اس وجہ سے بائزید نے اس پر فوج کشی کی۔ ترکی بیڑے کی

مدد سے بعض یونانی جزائر جو وینس کے قبضہ و تصرف میں تھے سلطان نے فتح کر لئے اور اس فتح کے بعد تبری افواج ترکیہ بوسنہ میں کامرانی کے ساتھ داخل ہو گئیں۔ اہل وینس نے شاہانِ یورپ کی اور پوپ اعظم کی معاونت سے جزیرہ مدلی کا محاصرہ کیا۔ لیکن ترکوں نے بہادری کا جوہر ایسا دکھایا کہ دشمن کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ ادھر وینس کی فوج نے منہ موڑا، ترکوں نے آگے بڑھ کر روڈٹو کو فتح کر لیا۔ آخرش وینس نے صلح کی استدعا کی اور باب عالی نے منظور کر لی۔

سلطان فتوحات میں منہمک تھا کہ سلطان کے بیٹوں نے بغاوت کر دی جس کی وجہ سے اندرونی اضطراب پیدا ہو گیا۔ یہ بڑا سبب تھا کہ وینس کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا گیا۔

وقائع | ترک مغرب میں فاسخانہ سرگرمی دکھا رہے تھے۔ اندلس کے مسلمان باہم دست بگرے یہاں ہو کر علیائیوں کے ہاتھوں پرٹ رہے تھے۔ آخری دولتِ غرناطہ شاہ عبداللہ دشمنوں کے نرغہ میں تھا اس نے بائزید سے مدد مانگی مگر سلطان نے زیادہ توجہ نہ دی۔ صرف ایک معمولی بیڑہ کمال امیر البحر کی قیادت میں بھیج دیا۔ مگر یہ بے سود ثابت ہوا۔ مفصل حالات ہم خلافت ہسپانیہ میں لکھ چکے ہیں۔

گوشہ نشینی | سلطان کا ارادہ گوشہ نشینی کا تھا اور اپنے بیٹے شہزادہ احمد کو تخت نشین کرنا چاہتا تھا۔ لیکن انکشاریہ راضی نہ تھے۔ انہوں نے شہزادہ سلیم کو جو جنگجو، بہادر اور ہر دل عزیز تھا ۹۱۸ھ میں سلطان بنا دیا۔

بائزید نے مجبور ہو کر اپنے بیٹے سلیم کے حق میں تخت سے دست برداری کر لی اور گوشہ نشینی کے ارادہ سے روانہ ہوا۔

وفات راستہ میں سلطان یکایک مرگ ناگہانی میں ۱۱۸ھ میں انتقال کر گیا۔ بعض کا خیال ہے کہ اس کو نہ ہر دیا گیا۔

اوصاف سلطان نیک مزاج، بہادر، علم دوست اور صوفی منش تھا عوام اس کو ولی سمجھتے تھے۔ اس کا وزیر داؤد پاشا تھا۔ وہ بھی نیک دل اور علم سے ذوق رکھنے والا تھا۔

علمائے عصر قاضی میر حسین بن معین الدین المیبدی الحسنى کمال الدین لقب تھا۔ نویں صدی کا قبحہ عالم تھا۔ معقولات میں کامل دستگاہ رکھتا تھا۔ طوابع شمسہ اور دوسری کتب درسیہ پر حاشیہ لکھے۔ شاہ اسماعیل صفوی اس سے خفا ہو گیا اور اس کو ۹۷۱ھ میں قتل کرادیا۔

علامہ محمد بن اسعد دوانی (نزد قصبہ گاڈراں) شافعی المذہب تھے۔ حدیث، محدث شرف الدین عبد الحلیم بحرینی سے پڑھی اور شمس الدین محمد الجزری مصنف حصن حصین سے بھی تلمذ تھا۔ نغمہ جمال الدین محمود بن ابی الفتح سے حاصل کی۔

عقليات میں مفتی سید شریف جرجانی سے تلمذ تھا۔ شیخ آدم شہابی محدث گوپاموی کے معاصر تھے۔ شرح التجرید للقبوشچی اور شرح مطلع کے حاشیے لکھے۔

صدر الدین شیرازی کی تحقیق پر تنقید کی۔ اور ۹۰۸ھ میں بعمر اسی سال انتقال کیا۔ شرح عقائد عضدیہ، شرح ہیا کل النور، شرح تہذیب فی المنطق یادگار ہیں۔



سُلطان سلیم اول

نام و نسب | سلطان سلیم ابن سلطان بایزید ثانی -

تخت نشینی | سلطان سلیم بایزید کے انتقال کے بعد ادرنہ پہنچ کر تخت نشین ہوا۔
 | دول یورپ کے سفراء نے سلطنت کی مباد کباد دی -

بھائیوں کی نزاع | سلیم کے بھائی احمد اور کرکود ہمنوا جمیعتوں کو لے کر تخت
 عثمانیہ سلیم سے چھیننے چلے۔ مگر سلیم نے ہر دو کو بری طرح
 شکست دی اور گرفتار کر کر تہ تیغ کر دیا۔ اس طرح بھائیوں کا خرشہ ختم ہوا۔

وقائع شاہ اسماعیل صفوی | ایران کے حکمران خاندان کو تباہ کر کے اسماعیل
 نے اپنے لئے جنگ کی تھی۔ شروان فتح کر کے

تبریز لیا اور اس کو اپنا مرکز بنایا۔ خراسان، دیار بکر، عراق عرب پر بھی بقوت
 قابض ہو گیا۔ اس کے ادراسے یہ تھے کہ عثمانیوں کی طاقت توڑ کر اپنے حدود
 مملکت کو وسیع کر لے۔ پہلے شہزادہ تہ کی احمد کی فوجی مدد سلطان کے مقابلہ
 میں دی۔ پھر مصریوں کے ساتھ ترکوں سے لڑنے کے لئے معاہدہ کیا اور خود
 نے اناطولیہ میں شیعیت کی ترویج کے لئے اپنے گماشتے بھیجے۔ چنانچہ اس
 کا نفوذ و اثر اپنی کاہ فرمائی کر رہا تھا۔ اس نے اپنے علاقے میں منعم اور
 تبر بازی عام کر رکھی تھی -

سلطان سلیم کو اسماعیل کی حرکات کا علم ہوا اور اس کو یہ خبر لگی کہ
 اناطولیہ میں جبر یہ شیعہ بنائے گئے اور ان سے سربراہ تہرا کر لیا جاتا ہے تو وہ

آگ بگولہ ہو گیا اور اس نے ترکی فوج بھیج کر چالیس ہزار کوٹھکانے لگوا دیا اور اسماعیل صفوی کی گوثالی کے لئے ایران پر لشکر کشی کر دی۔ شاہ ایران نے مقابلہ کیا مگر مقام چالدران میں گھونگٹ کھا گیا۔ سن ۹۲ھ میں ترک تبریز میں داخل ہو گئے۔

سلطان سلیم نے تین ماہ تبریز میں قیام کیا اور اپنے دربار کے رکن اعظم مشہور عالم ملا ادریس کو دیا۔ بکر کی تسخیر کے لئے بھیجا۔ ادریس نے وہاں کے قبائل کو رام کر لیا اور وہ سلطان کے اطاعت گزار بن گئے۔

امیر یاسست ذوالقدریہ نے افواج ترکیہ کو پریشان کیا تھا اس کو مقابلہ پر شکست دی۔ امیر گرفتار ہوا۔ اس کا سر کاٹ کر اس کے آقا سلطان مصر قانصوہ غوری کے پاس بھیج دیا اور پھر سلطان سلیم کے نام کا خطبہ ذوالقدریہ میں پڑھوایا۔

فتح مصر سلطان نے پوری قوت سے مصر پر چڑھائی کر دی۔ مرج والیق پر مصری مقابلہ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ سلطان غوری گھوڑے سے گر کر ہلاک ہوا۔ سلطان سلیم شام اور فلسطین کو فتح کرتا ہوا صحرا کی راہ سے مصر پہنچا۔ سلطان طومان بائے نے جو غوری کے بعد مصر کا فرماں روا بنا تھا مدافعت کے لئے آمادہ ہوا مگر ناکام رہا۔ سلیم قاہرہ میں داخل ہوا۔ سلطان طومان بائے گرفتار ہوا اس کو دار پر چڑھا دیا۔

مملکت مصر عثمانی قلمرو میں شامل کر لی گئی۔ سلطان ایک ماہ قاہرہ میں رہا علماء امراد واعیان حکومت کو انعام و اکرام سے نوازا۔ غلاف خانہ کعبہ کے محل شریف کے جلوس میں پایادہ شریک ہوا۔ اور خدام حرم کے لئے عرق ہمایونی بھیجا۔ شریف مکہ ابوالبرکات نے فتح مصر کی تہنیت اور کلید خانہ کعبہ بھیجی۔ اس

وقت سے سلیم نے خادم الحرمین الشریفین کا لقب اختیار کیا۔ ملک مصر کا انتظام کر کے خیر بک کو جو غوری کے اعزاء سے تھا وہاں کا والی بنایا اور، رجب ۹۲۳ھ کو مراجعت کی۔

یونس پاشا کا حشر | صحرائے عریش میں سلیم پہنچا۔ صدر اعظم یونس پاشا جو احمد مصر کا مخالف تھا اسے طلب کیا اور کہا۔ دیکھا اللہ تعالیٰ نے کیسی کامیابی عطا کی۔ اس نے پھر ایسی بات کہی جس پر سلیم ناخوش ہوا اور اس نے یونس پاشا کو قتل کرا دیا اور پیر محمد پاشا کو جس نے مصر کی فتح کے لئے سلطان کو آمادہ کیا تھا صدر اعظم مقرر کیا۔ سلطان ایک ماہ تک دمشق میں رونق افروز رہا۔ شیخ ابن عربی کے مقبرے پر جامع مسجد تعمیر کرائی اور پہلی نماز جمعہ وہاں ادا کی۔

خلافت برقرار ہونا | ۲۴ رجب ۹۲۴ھ کو آستانہ پہنچا۔ متوکل علی اللہ ثالث آخری خلیفہ بنی عباس مصر کو سلطان قاہرہ سے ساتھ لیتا گیا تھا۔ خلیفہ نے جامع ایا صوفیہ میں علماء و امراء و عمائد ملک کے سامنے سیف، عثمانی علم اور ردائے نبوی سلطان سلیم کے سپرد کی اور منصب خلافت پر سلطان سلیم کو سرفراز کیا۔ یہ اس طرح خلافت اسلامی آل عثمان کے ہاتھوں میں آگئی۔

نصرانیوں کو مراعات | قدس شریف میں اسپین کے عیسائیوں کو حسب استدعا شاہ اسپین زیارت کی اجازت دی گئی۔ جمہوریہ وینس سے جزیرہ قبرص کا جو دو سال کا خراج باقی تھا موصول ہوا۔ سلیم کا ارادہ روڈس کے اور ایران کے فتح کرنے کا تھا۔ بحری فوج کی تنظیم کر رہا تھا مگر زندگی نے وفانہ کی۔

۱۔ تاریخ الدولۃ العلییۃ العثمانیہ صفحہ ۱۷۱۔

وفات ۸ شوال ۹۳۶ھ، ۵۱۲ء کو سلطان سلیم نے بعمر چوٹ سال انتقال کیا۔

اوصاف سلطان سلیم بڑا مدبر اور شجاع و بہادر تھا۔ اس کی دلاوری ضرب المثل تھی۔ انصرام مہمات ملکی میں سلطان سلیم اپنی نظیر نہ رکھتا تھا۔

اس کے انتظام ملک اور رعب کی وجہ سے کوئی بغاوت اس کے قلمرو میں رونما نہ ہوئی۔ سلطان سلیم کو ایرانی موثر خین نے خون ریز و سفاک لکھا ہے مگر درست نہیں۔

علمی ترقی سلطان سلیم جہاں بہادری کی صفت رکھتا تھا وہاں وہ علمی ذوق کا حامل تھا۔ اس کے زمانے میں علمی درسگاہیں بہت کافی تھیں جس سے اس کا دور ادبی و علمی حیثیت سے بھی نہایت ہی کامیاب تھا۔

سلطان سلیم کے عہد میں ترکی شاعری کو بڑی ترقی ہوئی۔ اس کے زمانے میں کمال پاشا زادہ نے ترکی میں یوسف زلیخا تحریر کی اور گلستاں کے جواب میں نگارستان لکھی۔

اس کمال پاشا کا ہم عصر ایک شاعر تھا جس نے ترکی میں بہار یہ نظمیں لکھ کر ایرانی شاعری کا رنگ اور اس کا رنگین ماحول پیدا کیا۔ خود سلطان سلیم تمام ترکی سلاطین پر شعر و سخن میں گوئے سبقت لے گیا تھا۔ اس کے اشعار بلند ترین درجے پر پہنچے ہوئے تھے۔

۶

۱۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۲، صفحہ ۲۳۴۔

سُلطان سلیمان اعظم قانونی

نام و نسب | سلیمان ابن سلطان سلیم عثمانی -

ولادت | ولادت سلیمان کی سنہ میں ہوئی -

تنت نشینی | سلیم کی وفات کے وقت سلیمان صاردغان میں مقیم تھا - ۱۷ شوال ۹۲۶ھ کو قسطنطنیہ پہنچا اور اپنے عمائدین سلطنت کی موجودگی میں تخت خلافت پر متمکن ہوا -

شام میں بغاوت | امیر غزالی جو قانصوہ غوری کے امراء میں سے تھا جس کو سلطان سلیم نے شام کا والی مقرر کیا تھا اُس نے خود مختاری کا اعلان کر دیا اور خیر بک والی مصر کو لکھا کہ قسطنطنیہ دور ہے تم بھی میرے شریک اور ہم خیال بن جاؤ - اس نے کہا حلب پر قبضہ کر لو تو تمہارے ساتھ ہوں - غزالی نے حلب کا محاصرہ کر لیا - سلیمان کو خبر پہنچی اُس نے یکم صفر ۹۲۷ھ میں فرہاد پاشا کو نظامی فوج کے ساتھ غزالی کی سرکوبی کو بھیجا - اس نے جاتے ہی اس سے دو دو ہاتھ کئے - غزالی گرفتار ہو کر آیا اور اس کا سر کاٹ کر صفر ۹۲۷ھ کو قسطنطنیہ بھیج دیا گیا -

فتوحات | سلطان سلیمان نے شاہ ہنگری کے پاس جزیرہ کے مطالبہ کے لئے اپنا سفیر بھیجا - اُس نے عثمانی سفیر کو قتل کر ڈالا - اس لئے

۱۷ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۲۷ ص ۲۳۴ -

سلطان نے اس پر چڑھائی کر دی۔ ۲۵ رمضان ۹۲۷ھ میں بلغراد پر قبضہ کر لیا۔ چونکہ سارے بلقان میں یہی ایک ایسا قطعہ رہ گیا تھا جو عثمانیوں کے قبضہ و تصرف سے باہر تھا اور جنگی اہمیت کے لحاظ سے نہایت وقیع۔ اس لئے اس کی فتح کی خوشخبری ملکوں ملکوں بھیجی گئی۔ شہنشاہ روس اور رئیس جمہوریہ وینس نے سلطان کی کامیابی پر تہنیت کے پیام بھیجے۔

جزیرہ روڈس | یوننا اور شلبی کی فتنہ پرور جماعت جو ارض مقدس سے بزدل نکالی گئی تھی۔ وہ روڈس میں آکر مقیم ہوئی اور ہمسایہ مسلمانوں کے خلاف آئے دن جنگ و غارت گری کرتی رہتی تھی۔ سلاطین عثمانیہ عرصہ سے خواہش رکھتے تھے کہ اس جزیرہ پر قبضہ کیا جائے تاکہ آئے دن کا ان کا خطرہ جاتا رہے اور غنیم کے جہازوں کو وہاں پناہ نہ مل سکے۔ فتح مصر کے بعد سے اس کی ضرورت مصر کے ساتھ بحری معاملات کی غرض سے اور بڑھ گئی تھی۔ سلیمان نے وہاں کے امراء کو لکھا کہ جزیرہ خالی کر کے چلے جاؤ۔ تمہارے جان و مال سے کچھ تعرض نہیں کیا جائے گا۔ لیکن وہ لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس لئے سلیمان خود عثمانی بیڑہ لے کر گیا۔ محاصرہ سے مجبور ہو کر انہوں نے نکلنا منظور کیا۔ سلیمان نے اپنی قوج وہاں سے ایک میل دور ہٹالی اور بارہ دن کی مہلت دے دی جس میں وہ اپنا مال و اسباب لئے ہوئے جزیرہ ماطہ چلے گئے۔

کریمیا کا الحاق | ۹۲۹ھ میں محمد کرائی خاں والی کریمیا اپنے بیٹوں کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ جس سے وہاں فتنہ اٹھ کھڑا ہوا۔ سلطان نے کریمیا کو اپنی دولت میں شامل کر لیا جس سے تمام غرض ختم ہو گئے۔ شاہ شادکان دول یورپ میں سب سے بڑا تھا۔ **ہنگری کے وقائع** | اسپین، جرمنی، ہالینڈ اور جنوبی اطالیہ بھی زیر نگین تھا۔ جمہوریہ فلانس اور جینیوا اور جزائر منارہ کا اور سسلی بھی اس کے تابع تھے۔ فرانس

کا بادشاہ فرانسس اول نے اطالیہ کے صوبہ میلان کے لئے شہر لکان سے جنگ کی جس میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ مگر پوپ کی نگاہوں میں فرانسس کی قدر زیادہ تھی۔ شہر لکان سے اور بادشاہ فرانسس سے چل گئی تو اس نے ترکوں نے امداد چاہی۔ سلطان تیار ہو گیا۔ ایک لاکھ فوج اور تین سو توپیں لے کر سرکوبی کو چڑھ دوڑا اور شہر لکان کو سخت شکست دے کر ہنگری پر قبضہ کر لیا اور سلطنت عثمانیہ میں یہ علاقہ شامل کر لیا گیا۔

ویانا پر حملہ | شہر لکان نے اپنے بھائی فرڈیننڈ کو آسٹریا کا بادشاہ بنا دیا تھا۔ اس نے ہنگری پر فوج کشی کر کے جا بولائے کو جو سلطان کی طرف سے وہاں کا والی تھا شکست دیدی اور وہاں کے پائے تخت بودین (بوڈاپسٹ) پر قبضہ کر لیا۔ سلیمان نے ڈیڑھ لاکھ فوج لے کر چڑھائی کی۔ بودین کو واپس لے کر پھر جا بولائے کو وہاں کا والی بنا دیا اور آسٹریا میں بڑھ کر ویانا کا محاصرہ کیا۔ لیکن شدتِ سرا کی وجہ سے سلطان فتح نہ کر سکا اور اپنے دار الخلافہ واپس چلا آیا۔ یہی یورپ میں آخری نقطہ تھا جس پر ترک پہنچے۔ پھر رخ نہ کر سکے۔

بغداد | شاہ طہماسپ پسر اسمعیل صفوی نے سلیمان کو یورپ کی جنگ میں مشغول پا کر عثمانی حدود میں دست درازی شروع کر دی اور تبریز پر بہ قوت قبضہ کر لیا۔ سلیمان نے ۹۴۰ھ میں لشکر کشی کی۔ وان اور ادریش کے قلعے لیتا ہوا تبریز میں سلطان بکروفر آیا۔ پھر وہاں سے عراق عرب میں پہنچ کر بغداد کو فتح کیا اور شاہ طہماسپ کو سخت شکست دی۔ چند روز مقیم رہ کر سلطان کو بلا گیا۔ پھر کوٹ کر مزارات ابوحنیفہؒ اور سید عبدالقادر گیلانیؒ رحمۃ اللہ علیہ کی مرمت کرائی۔

الجزائر | کامرانی کے بعد سلطان آستانہ آیا۔ بارہ برس خیر الدین پاشا جو جزائر کے ایک حصہ پر متصرف تھا، آستانہ حاضر ہوا اور اپنے

مقبوضات کو سلطنت عثمانی میں شامل کر لینے کی درخواست کی سلیمان نے منظور کر لیا اور باربروسہ کو قپودان دریا کے نام سے عثمانی بیڑہ کا امیر بنا دیا۔ اس اثناء میں شاہ لکان مشہور امیر البحر آندره دوریا نے اپنے بیڑے کو لے کر تونس کو گھیر لیا اور تاخت تاراج کرنے لگا۔ مساجد و معابد بھی اس لپیٹ میں آ گئے۔ سلطان نے مطلع ہو کر باربروسہ کی قیادت میں عثمانی اسطول روانہ کیا جس نے سواحل اطالیہ پر پہنچ کر آندره دوریا کے بیڑہ کو شکست دی اور اترانت اور اس کے حوالی سے بے شمار مال غنیمت لے کر واپس آیا۔ باربروسہ کی سلطان کی نگاہوں میں قدر و منزلت اور بڑھ گئی۔

دولت الموحدين کی طرف سے الجیریا میں خاندان زینانیہ کا جو نائب رہتا تھا اُس نے بھی اپنے ہمسایہ حفصہ کا طریقہ اختیار کیا کہ آقاؤں کو ضعیف دیکھ کر خود کو خود مختار اور ذی اقتدار سمجھ لیا۔ ان کا دار السلطنت تلمسان تھا۔ ۶۹۶ھ ۱۳۹۳ء میں مراکش کا مرینہ نے زینانیہ حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

۱۵۱۹ء میں الجیریا اور طرابلس سلطنت عثمانیہ میں شامل ہوئے اور پھر ۱۶۱۷ء میں الجزائر کے خود پرانے پیادہ سپاہی اپنے میں سے حاکم مقرر کرنے لگے جن کا لقب ”دا“ انہوں نے رکھا تھا جس سے پاشاؤں کی حکومت کو زوال آ گیا۔ پھر ۱۷۱۰ء میں ”دا“ دو عہدوں کا کام دینے لگا۔ ۱۸۳۰ء میں فرانسیسیوں نے الجیریا پر قبضہ کر لیا۔

۱۶۵۲ء میں دہلی کے بادشاہ نے مغلوں کے مقابلہ کے **ہندوستان** | لئے سلطان سے اعانت چاہی۔ نیز بہادر شاہ گجراتی کی طرف سے سفیر بھیجے اور پرتگالیوں کے مقابلے میں جن کی غارتگری

سے سوا محل ہند کے اسلامی علاقے ویران و تباہ ہو رہے تھے، فوجی امداد کے طالب ہوئے۔ سلطان کے حکم سے سلیمان پاشا والی مصر، جنگی کشتیاں جن میں بیس ہزار سپاہی اور بڑی بڑی توپیں تھیں لے کر روانہ ہوا۔ بحرا حمر سے نکل کر پہلے اُس نے عدن پر قبضہ جمایا۔ پھر سواحلِ گجرات پر آکر پرتگالیوں کے قلعے منہدم کئے۔ آخر میں ان کے سب سے بڑے مرکز دیول کا پاشا نے محاصرہ کیا۔ لیکن اس کو فتح کئے بغیر اموالِ غنیمت لے کر عدن واپس چلا گیا اور عدن سے آگے بڑھ کر مملکتِ یمن کو فتح کر کے عثمانی ولایت بنا لیا۔

جزائرِ بحرِ روم | فرانس اور دولتِ عثمانیہ میں فتحِ اطالیہ کے لئے باہم یہ معاہدہ ہوا کہ عثمانی بیڑہ نیپل، سسلی اور اسپین کی طرف سے حملہ آور ہوا اور فرانس شمالی سمت سے۔ اس کے مطابق سلطان سلیمان نے اپنے بیڑے کو روانہ کیا اور خود ایک لاکھ فوج لے کر البانیہ کی طرف بڑھا۔ لیکن چونکہ عام مسیحی رائے فرانسس اول کے خلاف ہو گئی کہ اُس نے اپنے ہم مذہبوں سے لڑنے کے لئے مسلمانوں کو حلیف بنایا۔ اس وجہ سے وہ میلان جنگ میں نہیں آیا اور جو منصوبہ تھا وہ پورا نہ ہو سکا۔ دوسری طرف امیر البحر بروسہ نے جزیرہ کارفو کا محاصرہ کیا۔ مگر سفیر فرانس نے جس کو سلطانی دربار میں بہت درخواست حاصل تھی، میں پڑ کر اُن کی طرف سے فحاشی دلا دی اس لئے محاصرہ اُٹھایا گیا۔ واپسی میں بار بروسہ نے کمریٹ وغیرہ اکثر جزائر فتح کر لئے۔ آئندہ دور یا۔ ۱۶۷۰ جہاز لے کر بار بروسہ کے مقابلے میں آیا۔ مگر شکست کھا کر واپس گیا۔

سلطانی بیڑا | ان پے درپے فتوحات سے اسپینی بیڑے کا بالکل اقتدار جاتا رہا اور بحری سیادتِ یورپ میں ترک کی بیڑے نے لے لی جس کی شہرت اقطارِ عالم میں پھیل گئی۔ اس وقت اس بیڑے کا مدِ مقابل کوئی دوسرا بیڑہ نہ تھا۔

۹۴۲ء میں فرانس کے ساتھ ایک تجارتی معاہدہ ہوا جس
تحتاتی عہد نامہ میں بوجہ حلیف ہونے کے فریخ تجارت کے لئے قلم عثمانیہ
میں خاص مراعات منظور کی گئیں۔

اسی زمانہ میں شاہ ایران شاد لکان کے ساتھ معاہدے کی کوششیں کر
رہا تھا جو پائے تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

۹۵۲ء میں فرانسس اول اور شاد لکان میں پھر
فرانس اور شاد لکان جنگ شروع ہوئی۔ اس وقت فرانس کی طرف سے
موسیو بولان نامی سفیر آستانہ میں آکر سلطان سے امداد کا طالب ہوا۔ سلیمان
نے امیر البحر باربروسہ کو ایک بیڑے کے ساتھ بھیج دیا جس نے پہنچ کر نیس کا
محاصرہ کیا اور اس کو فتح کر لیا۔ لیکن ترکی اور فریخ افواج میں کچھ اختلاف
ہو جانے کے باعث فتح کی تکمیل نہ ہو سکی۔ باربروسہ نے فرانس کی بندرگاہ
طولون میں موسم سرما بسر کیا جس کا صرفہ آٹھ لاکھ ریال فرانسیسی حکومت نے
ادا کیا۔ اس کے بعد قسطنطنیہ واپس چلا آیا۔ یہاں پہنچ کر ۹۵۳ء میں باربروسہ نے
انتقال کیا۔ اس کی جگہ پر طور خود پاشا امیر البحر مقرر ہوا۔

اسی سال شاد لکان نے بھی تحفے اور ہدیے بھیج کر دولت عثمانیہ
شاد لکان سے مصالحت کی درخواست کی۔ سلطان نے منظور کر لی۔ پانچ
سال تک جنگ نہ کرنے کا فریقین میں معاہدہ ہوا۔ بشرطیکہ تیس ہزار اثرفی
خراج آسٹریا کی طرف سے سالانہ ادا ہوتا رہے۔

شاہ ایران نے ۹۶۵ء میں حدود عثمانی میں پیش قدمی
شاہ طہماسپ شروع کی۔ سلیمان نے فوج لے جا کر قرہ باغ کے متصل

۱۰ امیر البحر باربروسہ جزیرہ مدلی کا رہنے والا تھا، پیشہ بحری قزاقی تھا۔ اسپین کے مصیبت زدہ
مسلمانوں کو الجزائر میں لاکر آباد کیا۔

طہماسپ کو شکست دی۔ آخر میں شاہ مذکور نے قلعہ قرص دوت غنہ کے حوالے کر کے صلح کر لی۔

اس زمانے میں طور غود پاشا نے اسی اثناء میں جزیرہ مالطہ کا محاصرہ کیا اسی میں اُس نے شہادت پائی۔ اس واقعہ کے بعد عثمانی بیڑہ بے نیل و مرام مالطہ سے واپس آ گیا۔

وفات ۹۷۳ھ میں میکسیمین سپر فرڈیننڈ شاہ آسٹریا نے ہنگری کے مقام توکائے پر قبضہ کر لیا۔ سلیمان نے باوجود دردِ نقرس کے فوج کشی کی اور آسٹریا کے قلعے سکوار کا محاصرہ کیا۔ فتح سے چند روز پیشتر اس کا مرض بڑھ گیا اور ۲ صفر ۹۷۳ھ میں اُس نے وفات پائی۔ عمر ۶۴ سال تھی۔

اوصاف سلیمان میں جہاں شجاعت و مردانگی کے جوہر تھے وہاں وہ خلیق اور متواضع، علم و ہنر کا قدردان تھا۔ اپنے معاشرہ نشا ہوں میں بعض خصوصیات کے لحاظ سے امتیازی درجہ رکھتا تھا۔

شعراء و علمائے عصر ۱۰۵۳ھ میں ایک جہاز پر تگال بھیجا تھا اس کا یہ کیتان تھا۔ ترکی زبان کا عالم تھا۔ اس نے مرآت الممالک اپنے سفر کے حالات میں لکھی۔ ایک کتاب اس کی المحیط کے نام سے ہے جو مشرقی سمندروں کی جہاز رانی کے موضوع پر ہے۔

محمد بن سلیمان فضولی، بغداد میں ہی نشو و نما پائی۔ وہیں علوم عربیہ کی تحصیل کی۔ عربی، فارسی کا متبحر عالم تھا اس نے ترکی زبان میں شعر کہنا شروع کیا اور وہ کمال حاصل کیا کہ اس کا شمار ترکی شعراء کے طبقہ اول میں ہے۔ سلطان سلیمان کا ہم عصر تھا۔ اس کے متعلق ترکوں کے مائے ناز ادیب اسمعیل حصیب نے اپنی کتاب ترک ادبیات کی جدید تاریخ میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ”وہ جذبات رنج و غم کا بہترین مصور ہے“ محمد بن سلیمان کا انتقال ۹۳۶ھ میں ہوا۔

سُلطان سلیم ثانی

نام و نسب | سلیم ثانی ابن سلیمان بن سلطان سلیم اول -

ولادت | سلیم ثانی ۲۴ رجب ۹۲۳ھ میں پیدا ہوا۔

تعلیم و تربیت | سلیم کو بھی سلیمان نے مثل سلاطین زادوں کے تعلیم دلائی اور حکمرانی کے آداب سکھانے کے لئے کوتاہیہ کی ولایت پر مامور کیا۔

خلافت | سلیمان کی وفات کے پچاس روز کے بعد قسطنطنیہ میں سلیم آیا اور سریرِ آرائے خلافت ہوا۔ اس وقت تک امرائے سلطنت نے سلیمان کے مرنے کو چھپائے رکھا۔

صدر اعظم | صدر اعظم کے عہدہ پر محمد پاشا عاقل سرفراز تھا۔ یہ لائق وزراء میں شمار کیا جاتا ہے۔

سلیم حکمرانی کا اہل نہ تھا اس کے تمام بھائی باپ کی مرضی سے قتل کئے جا چکے تھے۔ سلیمان کے کوئی اور اولاد اس کے سوا نہ تھی اس لئے ہی تخت نشین کیا گیا۔ مگر مزید فتوحات تو کیا خود مفتوحہ علاقوں کی حفاظت بھی نہ کر سکا۔ صدر اعظم کی لیاقت اور تجربہ نے سلطنت کی عظمت قائم و برقرار رکھی۔

معاهدات | سب سے پہلے آسٹریا کے ساتھ معاہدہ ہوا جس میں اس نے ٹرانسلوانیا اور رومانیہ پر باب عالی کی میادیت تسلیم کی۔ آسٹریا کو اس بات کا حق دیا گیا کہ وہ منگری میں اپنی املاک پر قابض رہے اور دولتِ علیہ کو حسبِ سابق سالانہ جزیہ دیا کرے۔

فرانس کے ساتھ عہدِ سابق کی تجدید کی گئی اور اس کے مفیر کو حق دیا گیا کہ فرانسیسی قیدیوں کو جو ترکی کی غلامی میں ہو آزاد کر اسکتا ہے۔ نیز جملہ فرانسیسیوں سے جو عثمانی قلمرو میں تھے شخصی خراج اٹھایا گیا اور فریج کشتیاں محفوظ قرار دی گئیں جن کے نقصان کی تلافی دولتِ علیہ نے اپنے ذمہ لی۔

ان مراعات سے سوا حلِ بحرِ روم پر فرانسیسی تجارت کو آزادی مل گئی جس کی وجہ سے ترکی مسیحی رعایا پر فرانسیسی سفیر نے اپنا اثر بڑھالیا جو آگے چل کر دولتِ علیہ کے لئے مصائب کا ذریعہ بن گیا۔

امام زید یہ مطہر بن شرف الدین یحییٰ نے ۹۷۲ھ میں بغاوت کر دی۔ صدرِ یمن اعظم نے عثمان پاشا کو یمن کی ولایت کا فرمان دے کر ایک فوج گراں کے ساتھ روانہ کیا۔ سنان پاشا والی مصر نے بھی بحکمِ بابِ عالی عثمان پاشا کی مساعدت کی جس کے اثر سے امراءِ یمن نے امام کا ساتھ چھوڑ دیا اور ترکی فوجیں قلعوں کو فتح کرتی ہوئی صنعاء تک پہنچ گئیں۔ امام یمن نے مجبور ہو کر دولتِ عثمانیہ کی سیادت تسلیم کی اور معاہدہ لکھ دیا۔

جزیرہٴ قبرص جو جمہوریہ وینس کے ماتحت تھا اس کی فتح کے لئے لالہ مصطفیٰ کی ماتحتی میں جس نے سلطان کے بھائی بازید کو قتل کر لیا تھا ایک لاکھ بحری فوج ۹۷۸ھ میں بھیجی گئی جس نے اس کو فتح کر لیا۔ اس وقت سے برابر دولتِ عثمانیہ کے قبضہ و تصرف میں رہا۔ یہاں تک کہ ۱۸۸۷ھ میں اس کو انگریزوں نے بطلانِ الحیل لے لیا۔

لالہ مصطفیٰ نے کریٹ اور سواحلِ بحرِ اڈریاٹک پر حملے شروع کئے۔ ترک کی بیڑہ جمہوریہ وینس نے اسپین اور پاپائے روم کے ساتھ مدافعت کے لئے معاہدہ کیا۔ ان سب کا بیڑا ایک ساتھ امیر دون جون کی قیادت میں جس نے اندلس کے علاقے سے مسلمانوں کو طرح طرح کی سختیوں اور ظلم و جور سے نکالا تھا، مقابلے کے لئے آیا۔ ۵۰ کشتیاں اسپین کی تھیں، ۱۴۵ وینس کی ۲۰ پورٹ

کی اور ۹ ماہ کے راہبوں کی۔ تین گھنٹے کی لڑائی میں ۲۵۵۔ ترکی کشتیوں میں سے ۱۳۵ غرق ہو گئیں بقیہ گرفتار ہوئیں۔ اس معرکہ میں بیس ہزار ترک شہید ہو گئے۔ اور تیس ہزار گرفتار ہوئے۔

ترکوں کی اس شکست پر تمام یورپ میں خوشی منائی گئی لیکن محمد پاشا صدر اعظم نے چھ مہینے کے اندر جس میں اہل یورپ اس کامیابی کے جشن میں مصروف تھے، نہایت کوشش اور ہمت کے ساتھ اڑھائی سو جدید جہاز تعمیر کرائے۔ چنانچہ جاڑا گزرنے کے بعد نو بہار کے موسم میں یورپ نے دیکھا کہ بحیرہ روم میں ترکوں کا وہی اقتدار پھر قائم ہے جو فتح سے پہلے تھا۔ اس لئے جمہوریہ ونیس کو مجبوراً ترکوں کے ہاتھ میں چھوڑنا پڑا۔ مزید براں اُس نے تاوان بھی ادا کیا۔

ڈون جان نے اسپینی بیڑے سے جا کر تونس پر قبضہ کر لیا۔ مگر ترکی بیڑے نے قلیع علی پاشا کی قیادت میں پہنچ کر اُس کو وہاں سے نکال دیا اور اُس کے ساتھیوں کی خوب پٹائی کی۔

انتقال | آٹھ سال سلطنت کرنے کے بعد ۲۷ رمضان المبارک ۹۸۲ھ میں
اسلم نے انتقال کیا۔

سلطان مراد خان ثالث

نام و نسب | مراد خان ثالث بن سلطان سلیم ثانی

ولادت | ۹۵۳ھ میں مراد خاں کی ولادت ہوئی۔

تعلیم و تربیت | سلیم نے اپنے چھ شہزادوں مراد، محمد، سلیمان، مصطفیٰ، جہانگیر اور عبداللہ کو رسمی طور پر تعلیم دلوائی۔ مراد سب سے بڑا تھا اور اس نے اپنے دلی شوق سے ترکی، فارسی، اور عربی میں اعلیٰ استعداد پیدا کی۔

تخت نشینی | سلیم کے مرنے کے بعد ۹۸۲ھ میں مراد سربراہانے خلافت سنبھالی۔ اس نے اولاً اپنے پانچوں بھائیوں کو تہ تیغ کیا۔

صدر اعظم | صدارتِ عظمیٰ پر محمد پاشا ممتاز تھا۔

وقائع | سلیم کے زمانے میں نصرانیوں کے تعلقات سے ترکوں میں شراب کثرت سے پھیل گئی تھی خاص کر انگلشیہ میں۔ مراد نے اس کی بابت امتناعی احکام جاری کئے۔ انگلشیہ نے شورش کی اور اس کو مجبور کر دیا کہ ان کے لئے اس مقدار میں جس سے نشہ نہ پیدا کر دے مباح کر دے۔

۹۸۳ھ میں شاہ بولونیا کے فرانس چلے جانے پر وہاں کے باشندوں نے فرانسیسی سفیر متعینہ باب عالی کے مشورہ سے ٹرانسلوانیا کے فرماں روا کو جو دولت علیہ کا تابع تھا اپنا حکمران تسلیم کر لیا۔ اس طرح پر بولونیا خود بخود ترکی حمایت میں آ گیا۔

معاهدات | محمد پاشا صدر اعظم نے جملہ معاہدات کی جو سلطنتوں کے ساتھ
 تھے تجدید کی۔ فرانس کے ساتھ تعلقات اچھے تھے اس کے
 سفیر کو دول یورپ کے جملہ سفراء پر باب عالی میں تفوق حاصل تھا اور بحجز جہویہ
 ونیس کے دیگر یورپین سلطنتوں کے تمام تجارتی جہاز ترقی سمندروں میں صرف
 فرانسیسی جھنڈا لگا کر داخل ہو سکتے تھے۔ انگلینڈ کی ملکہ ایلزبتھ نے اپنے تجارتی
 معاہدہ میں یہ حق خاص طور پر حاصل کیا کہ اس کے جہاز انگریزی علم کے ساتھ
 آسکیں گے۔

مراقش | ۹۸۶ھ میں مراقش کا سلطان شریف عبداللہ فوت ہو گیا اس
 کی جگہ اس کا بیٹا محمد مستنصر تخت پر بیٹھا۔ اس کی بدلیاقتی کو دیکھ
 کر اس کا چچا شریف عبدالملک سلطنت کا دعویٰ لے کر اٹھا اور حکومت عثمانیہ
 سے امداد طلب کی۔ مستنصر نے پرتگالیوں سے اعانت چاہی۔ چنانچہ وہ ایک
 ابرہہ دست بیڑہ تین سو توپوں کے ساتھ لے کر آ گئے۔ باب عالی نے رمضان پاشا
 والی الجزائر کو مقابلہ کا حکم دیا۔ اس نے وادی سبیل میں پرتگالیوں کو شکست
 دی۔ جس میں شاہ پرتگال اور مستنصر معہ بیس ہزار فوج کے مارے گئے۔ عبدالملک
 ثانی سیادت عثمانی میں تخت سلطنت پر آ گیا۔

دیگر فتوحات | ایرانیوں کی دراز دستی کی وجہ سے پھر ان کے ساتھ جنگ
 شروع ہوئی اور ترقی فوجوں نے تفلس اور شمانی فتح
 کرتے ہوئے قفقاز تک قبضہ کر لیا۔ اس اثناء میں ایران میں اضطراب
 پیدا ہو گیا۔ شاہ طہماسپ کو نہ ہر دیا گیا اور اس کی جگہ اسماعیل مرزا تخت
 پر آیا جس نے اپنے آٹھوں بھائیوں کو قتل کر دیا۔ ڈیڑھ سال کے بعد
 وہ بھی مر گیا۔

اس فرصت میں لالہ مصطفیٰ کی تحریک سے عثمان پاشا نے جا کر گرجستان کو
 فتح کر لیا اور فرہاد پاشا نے ایرانی فوجوں سے تبریز اور شروان خالی کر لیا۔

یورپ سے جنگ انگلشاریہ کا نظام اس قدر ہو گیا کہ انہوں نے قمر اور
 سرکشی انتیادہ سرلی اور جا بجا قتل و غارت کرنے لگے۔
 بعض بعض حکام اور عمال کو بھی مار ڈالا۔ صدر اعظم نے ہنگری کے ساتھ اعلان
 جنگ کر کے ان کو اس لڑائی میں لگا دیا۔ لیکن وہاں وہ کوئی نمایاں کامیابی حاصل
 نہ کر سکے۔ اسی اثناء میں رومانیہ اور ٹرانسلوانیہ نے روڈولف شاہ اسٹریا اور
 قیصر برتن کی مدد سے اپنے استقلال کا دعویٰ کر دیا۔ صدر اعظم سنان پاشا خود
 مقابلیہ کے لئے گیا اور ان کو شکست دے کر بخارست پر قبضہ کر لیا۔ لیکن انہوں
 نے پھر جمع ہو کر اس کو وہاں سے نکل دیا اور دریائے ڈینیوب سے
 دھکیلتے ہوئے نیکومیہ تک آ گئے۔

وفات ۱۸۵۷ء میں مراد نے وفات پائی۔

اوصاف سلطان شاعری میں مشہور تھا۔ ترکی، فارسی اور عربی تینوں
 زبانوں میں شعر کہتا تھا۔ مگر نہایت عیاش جس کی وجہ سے
 اس کے عہد میں حرم ہمارا کی بیگمات امور حکومت میں دخل دینے لگی تھیں۔
اولاد ۱۵۳ - اولاد میں سے مرتے وقت سائیس بیٹیاں اور ۲۵
 بیٹے چھوڑے۔

سُلطان محمد ثالث

نام و نسب | محمد ثالث ابن سلطان مراد ابن سلطان سلیم -

تعلیم و تربیت | محمد ثالث کی تعلیم بھی رسمی ہوئی مگر طبیعت میں اُس کے شجاعت تھی اور حکمرانی کے اوصاف بھی تھے -

تخت نشینی | ستارہ میں باپ کے مرنے کے بعد تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔ حکومت کی باگ بستہ تین نے کہ پہلا کام یہ کیا کہ اپنے ۱۹ بھائیوں کو قتل کر دیا اور ان سب کو باپ کے ساتھ ہی دفن کیا - مراد کی فضول خرچیوں سے سلطنت پر قرضے کا بار بہت بڑ گیا تھا - محمد نے وہ سب قرضے ادا کئے -

مراد کے اطراف بے جا کاریہ ادنیٰ نمونہ ہے کہ سلطانی مطبخ کے لئے جو سبزی آتی تھی اس کی قیمت میں سے اسی ہزار اشرفیاں باقی تھیں - اس پر دوسرے اخراجات کا اندازہ کیا جائے -

انتظامِ مملکت | محمد ثالث نے دیہات و زراعت عوامیہ طور سے مناصب اور منت لڑتے ہیں اور جا بجا بد انتظامی کی وجہ سے

فتنہ و فساد برپا ہو رہے ہیں - اس پر مزید یہ کہ ترک فوج آزمودہ کارہ امراء کے نہ ہونے سے مسلسل شکستیں کھا رہی تھی اس لئے خود مہمات سلطنت کی طرف توجہ کی - سب سے پہلے میدانِ جنگ میں پہنچا جس سے فوج میں حمیت اور جرات پیدا ہو گئی اور اس نے غلیم کا تختہ الٹ دیا - یہاں تک کہ قلعہ ارلو بھی فتح کر لیا جس کے لینے سے سلطان سلیمان بھی عاجز رہا تھا - دشمنوں کو مغلوب کرنے کے بعد ظفر مندی کے ساتھ آستانہ واپس آیا - پھر اناطولیہ میں

جو بغاوت پھیلی ہوئی تھی ایک عرصے کی جنگ و جدل کے بعد اس کو فرو کیا۔ اس داخلی شورش میں شاہ عباس نے مفتح پاکر تبریز پر قبضہ کر لیا اور ان کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔ اس کے مقابلہ کے لئے امیر طرازون حسن پاشا متعین ہوئے۔

اسی حالت میں ۱۰۱۲ھ میں سلطان محمد اٹتیش ۳۲ سال کی عمر میں وفات انتقال کر گیا۔

سُلطان احمد اول

نام و نسب | احمد اول ابن محمد ثالث ابن سلطان مراد خاں ثالث -

ولادت | ۹۹۸ھ میں سلطان احمد پیدا ہوا۔

تخت نشینی | سلطان احمد کی استعداد علمی رسمی تھی۔ چودہ سال کی عمر میں ۱۰۱۲ھ میں سریرِ آراءے سلطنت ہوا۔

وقائع | جب سلطان تخت نشین ہوا اس وقت ملک کی حالت بیحد سقیم تھی۔ کیونکہ حدودِ عجم پر شاہ عباس صفوی اپنی پوری قوت کے ساتھ بڑھتا چلا آ رہا تھا اور تبریز کے بعد شامی، ثروان، آقچہ قلعه اور قازان لے چکا تھا اور مغربی سرحد پر آسٹریا کی فوجیں مصروفِ پیکار تھیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ولایاتِ شرقی میں جا بجا بغاوتیں پھیلی ہوئی تھیں جن کے سرغنہ جان پولاد اور فخر الدین دروزی وغیرہ تھے۔

صدر اعظم | خوش قسمت سے اس وقت دولتِ علیہ کی صدارت پر

مراد شاہ آگیا تھا جو نہایت تجربہ کار امیر تھا جس کی عمر پچاسی سال سے متجاوز ہو چکی تھی۔ سب سے پہلے اُس نے اندرونی بغاوت کی طرف توجہ کی اور اس کے ایک بڑے سرگرم قلمندار غلی کو اپنے ساتھ ملا کر انگورہ کا والی مقرر کر دیا۔ جس کی وجہ سے باغیوں کا جتھا ٹوٹ گیا۔ فخر الدین بھاگ کر بادیہ شام میں پھنس ہو گیا اور جان پولاد نے آستانہ میں داخل ہو کر معافی مانگ لی سلطان نے اس کی جان بخشی اور تمسوار کی ولایت عطا فرمائی۔

آخر میں یوسف پاشا نے جو اقلیم صادر و خاں، منتشا اور آیدین میں علم بغاوت بلند کئے ہوئے تھا شکست کھائی اور مارا گیا جس سے امن و امان قائم ہو گیا۔

شاہ عباس صفوی | سنان پاشا حدودِ عجم کی طرف بھیجا گیا۔ شاہ عباس نے مقابلے کی تاب نہ لا کر صلح کا پیغام بھیجا بشرطیکہ حدود وہی رکھے جائیں جو سلیمان اعظم کے زمانہ میں تھے۔ مراد پاشا نے منظور کیا۔ لیکن اسی درمیان میں وہاں انتقال کر گیا اور نصوص پاشا صدارت پر آیا جس نے شاہ عباس کی شرطوں پر سنان پاشا کو مصالحت کی ہدایت کی اور یہ اضافہ کیا کہ دو صد خر وارہ حریر ایران سالانہ بھیجا کرے۔ یہ پہلا معاہدہ تھا جس میں دولت علیہ نے خسارہ اٹھایا اور اُس کو اپنے بعض مفتوحہ قلعے اور علاقے چھوڑ دینے پڑے۔

مالکِ مغرب | آسٹریا کے مقابلے کے لئے یاور علی پاشا متعین ہوا تھا، وہ بلغراد پہنچ کر انتقال کر گیا۔ اس کی جگہ لالہ محمد پاشا بھیجا گیا۔ متعدد معرکوں کے بعد آخر میں حکومت آسٹریا نے ہنگری سے سلطنتی لکھی اور کانیتا پر عثمانی قبضہ تسلیم کیا اور دولت علیہ نے تیس ہزار دوک سالانہ جزیے کی رقم جو آسٹریا سے اس کو وصول ہوتی تھی چھوڑ دی۔ ۱۵۸۱ء میں ویانا میں اس عہد نامہ کی تکمیل ہوئی۔ تاریخ میں یہ معاہدہ ”ستوا توروک“ کے

نام سے مشہور ہے ۔

اب اگرچہ ہر طرف سے امن ہو گیا تھا لیکن مالطہ، اسپین اور اطالیہ کی جنگی کشتیاں بحیرہ روم میں دولت علیہ کی کشتیوں پر حملے کرتی رہتی تھیں۔ صدر اعظم نے جملہ ترک کشتیوں کو بحیرہ روم میں لاکر جمع کر دیا جس کی وجہ سے بحیرہ روم میں روسیوں نے غارت گری شروع کر دی۔ اس جرم پر سلطان نے صدر اعظم کو ۱۰۲۱ھ میں قتل کر دیا۔

۱۰۱۶ھ میں بالینڈ کے ساتھ تجارتی معاہدہ ہوا اور جو مراعات فرنگی اور انگلش تجارت کو دی گئی تھیں اس کے تاجروں کو بھی دی گئیں۔ نیز دیگر مغربی سلطنتوں کے ساتھ جو عہد نامے تھے ان کی تجدید ہوئی۔ فرانس کے حقوق میں کچھ اور بھی اضافہ کیا گیا۔

وینیزیائی تاجروں کے ذریعے سے اسی زمانے میں ترکی میں تباہی مچا دی اور اس کو لوگ استعمال کرنے لگے۔

مفتی اعظم نے اس کی حرمت کا فتویٰ متائع کیا لیکن موت اور خود سلطانی کو برائے کے خدام کی مخالفت کی وجہ سے مباح کرنا پڑا۔

۲۳ رزی قعد ۱۰۲۶ھ مطابق ۲۲ نومبر ۱۶۱۷ء کو سلطان احمد وقات نے وفات پائی۔

اس کا بیٹا عثمان اس وقت تیرہ سال کا تھا اس لئے وہ اپنے بھائی مصطفیٰ کے لئے سلطنت کی وصیت کر گیا۔

سُلطانِ مصطفیٰ اوّل

نام و نسب | مصطفیٰ اوّل ابن محمد ثالث ابن مراد خاں ثالث -

تخت نشینی | مصطفیٰ کو سلطان احمد اپنا جانشین کر گیا تھا۔ کیونکہ اس کا بیٹا عثمان کم عمر تھا۔ مصطفیٰ کی عمر زیادہ تر حرم میں گزری تھی اس وجہ سے ضعیف العقل اور امورِ سلطنت سے بے خبر تھا۔ امراء نے یہ حال دیکھ کر تین ماہ بعد تخت سے اتار کر عثمان خاں کو بٹھا دیا۔ انکشاریہ کی سعی کو اس واقعہ میں زیادہ دخل تھا۔

سُلطانِ عثمان خاں ثانی

نام و نسب | عثمان خاں بن احمد اول ابن سلطان محمد ثالث -

ولادت | عثمان خاں ۱۰۱۳ھ میں پیدا ہوا۔

تخت نشینی | سلطان عثمان خاں صفر ۱۰۲۴ھ میں انکشاریہ اور امراء کے مشورہ سے تختِ سلطنت پر متمکن ہوا۔

وفات | عثمان نے عمانِ حکومت کے ہاتھ میں لیتے ہی بولونیا (لستان) کے

امیر نے بغداد کے معاملہ میں دست اندازی شروع کی۔ عثمان نے لشکر کشی کی لیکن اس سے پہلے اپنے بھائی محمد کو قتل کر دیا تاکہ تخت کی طرف سے اطمینان رہے۔ نیز مفتی کے بھی اختیارات محدود کر دیئے تاکہ وہ اس کی معزولی کا فتوے نہ دے سکے۔

بولونیا کی فوج سے پہلا مقابلہ شوک دم میں ہوا۔ عثمانیوں نے شکست کھائی اور تیس ہزار ترک شہید ہوئے۔ انکشاریہ نے لڑنے سے انکار کر دیا۔ اسی وجہ سے عثمان مجبوراً صلح کر کے چلا آیا اور دل میں یہ ٹھان لیا کہ انکشاریہ فوج کو توڑ کر رہے گا۔ چنانچہ ایشیائی ولایت میں جدید فوجیں بھرتی کرائیں اور جب وہ منظم ہو گئیں تو انکشاریہ کو ناکالنا شروع کیا۔ انہوں نے بغاوت کر دی اور ۹ رجب ۱۰۳۱ھ میں سلطان مصطفیٰ کو دوبارہ تخت پر بٹھا دیا۔ اور عثمان کو پکڑ کر گھسیٹتے، گالیاں دیتے ہوئے یدی قلعے کے سامنے جا کر قتل کر ڈال۔ اب انکشاریہ کی قوت اتنی بڑھ گئی کہ جس کو چاہتے معزول کر دیتے اور جس کو چاہتے منصب دیتے۔

داؤد پاشا صدر اعظم کو بھی جس نے بغاوت میں اُن کا ساتھ دیا تھا خفیہ سی مخالفت پر قتل کر دیا۔ امراء ولایت نے یہ دیکھ کر جا بجا اپنے استقلال کے اعلان کر دیئے۔ یوسف پاشا والی طرابلس شام خود مختار ہو گیا اور اباطاشا والی ارمن روم بھی، بلکہ اس نے بڑھ کر سیواس اور انگورہ پر بھی قبضہ کر لیا۔

فتنہ و فساد خود دار الخلافہ میں اٹھارہ مہینے تک فتنہ اور فساد کا بازار گرم رہا اور لوٹ مار اور غارت گری جاری رہی۔ آخر میں کمانکش پاشا صدر اعظم ہوا جس نے امن و امان قائم کیا اور مصطفیٰ کو تخت سے اتار کر سلطان احمد کے تلیس رے بیٹے مراد کو بٹھایا۔



سُلطان مُراد رابع

نام و نسب | مراد رابع ابن سلطان احمد

ولادت | مراد ۲۲ جمادی الاول ۱۰۱۸ھ کو پیدا ہوا۔

تخت نشینی | ۱۲ ذی قعدہ ۱۰۳۲ھ کو بعمر چودہ سال سریرِ آرائے خلافت ہوا۔

وقائع بغداد | بکیر آغا شحنہ بغداد نے ازراہ ترمذ وہاں کے والی کو قتل کر کے اپنی حکومت قائم کر لی۔ حافظ پاشا اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا۔ بکیر آغا نے شاہ عباس کو مدد کے لئے بلایا اور وعدہ کیا کہ میں شہر کو آپ کے حوالے کر دوں گا بشرطیکہ یہاں کا والی مجھ کو بنادیں۔

شاہ موصوف فوج لے کر ایران سے روانہ ہوا۔ ادھر حافظ پاشا کے پہنچنے پر اس کو بھی لکھا کہ اگر تم مجھ کو یہاں کا والی تسلیم کرو تو میں دروازہ کھول دوں۔ اس نے منظور کر لیا اور ترکی لشکر شہر میں داخل ہو گیا۔ اس کے بعد شاہ عباس نے پہنچ کر محاصرہ کیا۔ بکیر آغا نے ترکوں سے بے وفائی کر کے ایرانی لشکر کو اندر بلایا۔ جس کی وجہ سے عثمانی فوج شہر چھوڑنے پر مجبور ہو گئی لیکن شاہ موصوف نے اس جاہل غدار کو اس کی خیانت کی وجہ سے مجمع عام میں قتل کر دیا۔

۱۰۳۸ھ میں جب عباس نے وفات پائی اور اس کا نو عمر بیٹا شاہ مرزا تخت نشین ہوا۔ خسرو پاشا ترمک سپاہ دار نے فوج کشی کی اور ہمدان میں داخل ہو گیا۔ جاہجا ایرانی مقابلہ کے لئے آئے مگر ہزیمت اٹھا کر بھاگے۔ خسرو پاشا نے موسمِ زمستان حلب میں گزار کر اوائل بہار میں بغداد کا محاصرہ کیا۔ لیکن چھوڑے

ہی دنوں کے بعد انکشاریہ نے جنگ سے انکار کر دیا۔ اس لئے بلا فتح کئے
واپس چلا گیا۔

انکشاریہ کا ترمذیہاں تک بڑھ گیا کہ اُنہوں نے سلطان کے سامنے صدر اعظم
کو قتل کر ڈالا۔ اس پر مراد کے دل میں ان کی طرف سے غیظ و غضب پیدا ہو گیا۔
اس نے مہمات سلطنت اپنے ہاتھ میں لئے اور رفتہ رفتہ اُن کا زور توڑ کر اُن
کو قابو میں لایا۔ ۵۳۸ھ میں ان کو خود لے جا کر اریوان اور تبریز کو فتح کیا اور
دوسرے سال بغداد واپس لیا۔ ایرانیوں نے درخواست کی کہ اریوان ہم کو واپس
دیدیا جائے۔ بغداد ہم دولت علیہ کے قبضہ میں چھوڑتے ہیں۔ سفراء کی آمد و رفت
کے بعد اسی پر باہم مصالحت ہو گئی اور مدت ہائے دراز سے جو عداوت فریقین
میں چلی آتی تھی اس کا خاتمہ ہو گیا۔

بولونیا میں بھی بغاوت رونما ہوئی اس لئے اس طرف فوجیں لے کر گیا اور
اس کو فرو کیا۔

۵۳۹ھ میں مراد نے وفات پائی۔ اگر زندگی نے وفا کی ہو تو تدبیر اور
فتوحات میں یہ دوسرا سلیمان قانونی ہوتا۔ مگر صرف تیس سال کی عمر میں ہی
انتقال کر گیا۔

علمائے عصر | سید محمد باقر بن شمس الدین محمد الحسینی الملقب بداماد شاہ عباس
اول کا منظور نظر تھا۔ وطن استرآباد کچھ عرصہ اصفہان رہا۔
علوم حکمت کا بڑا ماہر اس کے ساتھ بے بدل ادیب، طبعیات اور الہیات
میں الافق المبین، الایماضات والتشریفات، الصراط المستقیم، قلبیات
تصانیف سے ہیں۔ ۵۴۰ھ میں فوت ہوا۔

سلطان ابراہیم خان

نام و نسب | ابراہیم ابن سلطان احمد اول ابن سلطان محمد ثالث -

تخت نشینی | اپنے بھائی مراد خاں کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوا۔ چونکہ کبھی گھوڑے پر سوار نہ ہوا تھا اس لئے رسم شمشیر بندی کی غرض سے ہوادادہ پر سوار ہو کر جامع ایوب کو گیا اور آیا۔

صدر اعظم | آقہ مصطفیٰ جو ایک نامی مدبر تھا، صدر اعظم مقرر ہوا۔ لیکن جنگی خوجہ کی دراندازیوں سے کچھ عرصہ بعد قتل کر دیا گیا۔

فتح کرہیٹ | اٹھارہویں یوسف پاشا نے جزیرہ کرہیٹ کو فتح کیا۔ اسی زمانے میں بوسینیا میں سخت بغاوت ہوئی اور جمہوریہ وین نے

جزیرہ مدلی پر حملہ کیا۔ ابراہیم ایسا برہم ہوا کہ اُس نے سفراءِ دول کو قید کر دیا اور حکم دیا کہ ممالکِ محروسہ میں جس قدر سفراءِ وہیں قتل کر دیئے جائیں مگر مفتی اسعدزادہ نے روکا اور کہا کہ یہ امر شرعِ مبین کے بالکل خلاف ہے۔

ابراہیم دن رات بھیمی شہوات اور لہو و لعب میں مشغول رہتا تھا۔ کبھی قسم قسم کے لباس تیار کرتا، کبھی عنبر جمع کرتا اور کبھی مشعل لے کر بڑوں پر غلاموں کے ساتھ دوڑتا۔ انکشاریہ نے اس کے عہد میں پھر قوت پیدا کر لی تھی۔ اس نے چاہا کہ ان کے رؤسا کو قتل کر دے مگر انہوں نے علماء کو اپنے ساتھ ملا کر اس کی معزولی کا فتویٰ لکھا لیا اور ۱۸ رجب ۱۰۵۲ھ میں اس کے بیٹے محمد کو جس کی عمر سات سال تھی تخت پر بٹھا دیا۔

لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ یہ بچہ حکومت کے قابل نہیں ہے ابراہیم کو

واپس لانا چاہا۔ انگلشیہ نے اس خوف سے کہ وہ تخت پر آجائے گا تو ہم سے انتقام لے گا۔ کوشک میں جا کر اس کو قتل کر دیا۔

سُلطان محمد رابع

نام و نسب | محمد رابع ابن سلطان ابراہیم خاں ابن سلطان احمد اول۔

تعلیم و تربیت | محمد رابع کی تعلیم و تربیت سلاطین زادوں کی طرح کی جانے لگی تھی کہ اس کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔

وقائع | محمد کی تخت نشینی کے بعد چچی خواجہ کے اموال ضبط کر لئے گئے اور وہ قتل کر دیا گیا۔ سلطان کی کم سنی کی وجہ سے انگلشیہ کا تہرہ بڑھ گیا۔ انہوں نے رعایا کو ٹونا شروع کر دیا۔ ملک کی ابتری کی وجہ سے بری اور بحری فوجوں میں بد نظمی پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے عثمانی بیڑے نے دشمنوں سے شکست کھائی۔ ادھر ایشیائے کوچک میں ایک رئیس قاطرچی اوغلی نے کرسی اختیار کی اور وہاں کے ایک نامی سردار گورجی بی کو اپنے ساتھ ملا کر احمد پاشا وائی اناطولیہ کو شکست دیدی۔

پھر قسطنطنیہ کی طرف بڑھے۔ ان کی جمعیت اس قدر تھی کہ آستانہ پر ان کا قبضہ ہو جانا کچھ مشکل نہ تھا مگر ان دونوں میں آپس میں ناچاقی ہو گئی جس کی وجہ سے قاطرچی اوغلی نے کورجی بی کا سر کاٹ کر سلطان کی خدمت میں بھیج دیا اور اپنے قصور کی معافی چاہی۔ سلطان نے اس کو قرہ مان کا والی مقرر کر دیا جس سے اس بغاوت کا خاتمہ ہو گیا۔

کو پریلی | جمہوریہ ونس کے جنگی جہاز در دانیال کے دہانہ پر آگئے۔ انہوں نے حملہ تجارتی جہازوں کو اندر جانے سے روک دیا جس کی وجہ سے آستانہ میں ہر چیز گراں ہو گئی اور لوٹ مار ہونے لگی۔ اس وقت محمد پاشا جو ترکی تاریخ میں کو پریلی کے لقب سے مشہور ہے صدارت پر بلایا گیا۔ ہر چند کہ اس کی عمر پچانوے سال کی ہو چکی تھی لیکن اُس نے اس ذمہ داری کو قبول کر لیا۔ سب سے پہلے انکشاریہ کو جو نساد کا سرچشمہ تھے بہت سے سرغفوں کو قتل کر کے قابو میں کیا۔ پھر رومی بطریک کو جس کے اغواء سے ونس کا بیڑہ حملہ آور ہوا تھا مچانسی دی۔ اس کے بعد جنگی اشتیاں ساز و سامان سے درست کر کے مقابلہ کے لئے بھیجیں جنہوں نے ایک سال کی کوشش کے بعد ونس کے جہازوں کو شکست دے کر بھاگ دیا اور وہ جزائر اور مقامات واپس لے لئے جن پر انہوں نے قبضہ کر لیا تھا۔

ٹرانس لووانیا اور رومانیہ میں بھی اضطرابات تھے۔ ان کو اطاعت کرنے پر مجبور کر کے عہد نامے لکھوائے اور اندرون ملک میں جو جو فتنے تھے سب فرو کئے۔ کو پریلی ۱۷۹۲ء میں انتقال کر گیا۔ سلطان محمد نے اس کی جگہ اس کے بیٹے احمد پاشا کو پریلی کو صدارت کا منصب عطا کیا۔ یہ بھی اپنے باپ کی طرح شجاع، صاحب الرائے اور عالی ہمت تھا۔ اسی کے زمانے میں جنوبی روس کے باشندے قوازق دولت علیہ کی حمایت میں آئے۔ نیز بولونیا نے یوکرین پر حملہ کر دیا تھا وہاں کے والی نے سلطان سے مدد طلب کی۔ ۱۷۹۳ء میں احمد پاشا فوج لے کر گیا۔ سلطان بھی ساتھ تھا۔ بولونیا نے شکست کھائی اور یوکرین نے دولت علیہ کی سیادت قبول کی۔

یہ ہوشمند وزیر پندرہ سال دیانت کے ساتھ سلطنت کی خدمت کرنے کے بعد ۱۷۹۸ء میں انتقال کر گیا۔ اس کے بعد کو پریلی کا داماد قرہ مصطفیٰ پاشا صدارت پر آیا۔ اُس نے آسٹریا میں جا کر ویانا کا محاصرہ

کیا۔ قریب تھا کہ اس کو فتح کر لے کہ اہل بولونیا نے اچانک حملہ کر دیا جس کی وجہ سے شکست کھا گیا۔

مقدس عہد | ویانا پر ترکوں کی شکست سے یورپ بھر میں خوشی منائی گئی اور آسٹریا، بولونیا، جمہوریہ وینس، دہبان مانطہ پاپائے روم اور سلطنت روس سب نے مل کر باہم ”مقدس عہد“ باندھا کہ عثمانیوں کو یورپ سے نکال دیں۔ متعدد مقامات پر انہوں نے فتوحات بھی حاصل کیں۔ آسٹریا نے ہنگری واپس لے لیا اور وینس نے جزیرہ نمائے مورہ پر قبضہ کر لیا۔ سلطان نے ابراہیم پاشا کو برطرف کر دیا۔ سلیمان پاشا کو صدارت پر بلا دیا۔ اس نے بوداپست پر لشکر کشی کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ اس لئے اس کی جگہ سیاوش پاشا مقرر ہوا مگر فوج اس سے خوش نہ تھی۔ چنانچہ مخالفت کا جھنڈا کھڑا کر کے آستانہ کی طرف آئی۔

انکشاریہ نے اپنی دیگیں میدان میں لا کر ڈال دیں جو ان کی بغاوت کی علامت تھی۔ محمد اپنے تفریحی مشاغل اور شکار میں مصروف تھا۔ سلطنت کے معاملات سے کچھ سروکار نہ تھا اس وجہ سے ارکان دولت نے مفتی سے اس کی معزولی کا فتویٰ لے کر تخت سے اتار دیا اور اس کے بجائی سلیمان کو سلطان بنا دیا۔

سلطان سلیمان ثانی

نام و نسب | سلیمان ثانی ابن سلطان ابراہیم خاں۔

ولادت | سلیمان کی ولادت ۵۲ھ میں ہوئی۔

تخت نشینی | اپنے بھائی محمد باج کی معزولی کے بعد ۹۹ھ میں تخت نشین ہوا۔

وقائع | انکشاریہ نے سیاوش پاشا کو قتل کر کے اس کا گھروٹ لیا اور بہت سے امیروں اور وزیروں کو مارا اور نکال دیا۔ نیرشہر کے تاجروں اور دولت مندوں کو لوٹنے لگے۔ ایک دوکاندار نے جھنڈا کھڑا کیا جس کے نیچے ہزاروں آدمی اکڑ جمع ہو گئے۔ ان سب لوگوں نے جاکر سلطان سے فوج کے مظالم پر فریاد کی۔ اس نے بڑی مشکلوں سے ان کی دست درازی کو روکا۔

آسٹریا | دار الخلافہ کے اس خلفشار کی وجہ سے مخالفین کو موقع مل گیا چنانچہ آسٹریا کی فوجوں نے بلغراد فتح کر لیا اور پیش تک آگئیں سلطان نے مشہور وزیر کو پرہیز کے پوتے مصطفیٰ کو صدارت پر طلب کیا۔ اُس نے سب سے پہلے فوج کو ہاتھ میں لیا اور اُس کو لے کر دشمنوں کے مقابلے کے لئے بڑھا۔ جا بجا دشمن کو شکست دی۔ روم ایللی کے جو مقامات نکل گئے تھے واپس لے لئے اور مصطفیٰ کے ہاتھوں دولت عثمانیہ کا گیا ہوا وقار لوٹ آیا اور مملکت پر دعب و داب پھر قائم ہو گیا۔

وفات | سلطان سلیمان ثانی نے ۱۰۲ھ میں مرین استقام میں وفات پائی۔

اوصاف | سلیمان عابد و زاہد اور علم دوست تھا۔



سُلطان احمد ثانی

نام و نسب | احمد ثانی ابن سلطان ابراہیم خاں ابن سلطان احمد -

ولادت | احمد کی ولادت ۱۰۵۳ھ میں ہوئی -

تخت نشینی | سلیمان کے مرنے پر ۱۰۵۲ھ میں سریرِ آدئے خلافت ہوا۔ اس نے تمام مہارتِ ملکی کو وزیر کو پر ملی کی رائے پر چھوڑ دیا مگر اس کی عمر نے دفانہ کی۔ وہ ۱۰۵۵ھ میں فوت ہو گیا۔ اس کے بعد عربی پاشا اس کی جگہ صدارتِ عظمیٰ پر فائز ہوا۔

وقائع | جمہوریہ وینس نے بجزیرہ ساقر پر قبضہ کر لیا تھا اور روس بھی برسرِ پیکار تھا۔

وفات | ۲۱ رزی قعدہ ۱۰۵۶ھ میں احمد کا بھی انتقال ہو گیا۔

سُلطان مصطفیٰ ثانی

نام و نسب | مصطفیٰ ثانی ابن سلطان محمد رابع

ولادت | ۸ رزی قعدہ ۱۰۴۴ھ میں مصطفیٰ پیدا ہوا۔

محاربات | بٹیر اعظم زار روس نے ازاں کا محاصرہ کر رکھا تھا اور چاہتا تھا کہ اس کو فتح کر کے بحیرہ اسود میں روسی بندر گاہ بنالے۔

سلطان مصطفیٰ نے پہنچ کر اس کو وہاں سے ہٹا دیا۔ پھر ہنگری پر حملہ کیا اور قلعہ لپانچ کھتے ہوئے مقام لوگوس میں جنرل فترانی ہنگری کے سپہ سالار کو سخت شکست دے کر معہ چھ ہزار سپاہیوں کے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

سلسلہ میں اولاشس میں آسٹریا پر فتح حاصل کی جس کے بعد وہاں کا مشہور سپہ سالار اوچین دی سافوا مقابلہ کے لئے آیا۔ اُس نے ترکوں پر اس وقت اچانک حملہ کر دیا جبکہ وہ دریائے وینس کو عبور کر رہے تھے۔ نہایت اتبری پھیلی۔ بہت سے ترک مقتول اور بہت سے غرق ہو گئے۔ صدر اعظم الماس پاشا بھی مارا گیا اور اگر سلطان دریا کے اس پار نہ ہوتا تو وہ بھی نہ بچتا۔ اس کے بعد اوچین نے بوسینیا پر قبضہ کر لیا۔

سلطان کو اس طرف مشغول دیکھ کر پیٹر اعظم نے اِزاق پر قبضہ کر لیا جس کی وجہ سے سلطنت عثمانی دو طرف سے خطرہ میں پڑ گئی۔ ادھر آسٹریا، ادھر روس، لیکن حسین پاشا کو پر ملی صدر اعظم نے آسٹریا کی پیش قدمی کو بقوت روک دیا۔ یہاں تک کہ بوسینیا بھی خالی کر لیا۔ نیز امیر البحر ترکی نے جزیرہ رودس، جمہوریہ وینس سے واپس لیا۔ آخر سلسلہ میں دولت علیہ کا روس، آسٹریا، وینس اور بولونیا کے ساتھ معاہدہ ہوا جو عہد نامہ روفتش کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں ترکوں، ہنگری اور ٹرانسلوانیا آسٹریا کے لئے، یوکرین بولونیا کے لئے، اِزاق روس کے لئے اور جزیرہ نمائے مورہ اور اقلیم ڈلماسیا وینس کے لئے چھوڑنا پڑا۔ نیز یہ کہ آسٹریا آئندہ ترکی کو کوئی رقم بطور جزیرہ کے نہیں دے گا۔

اس مسئلہ کا آغاز اگرچہ پہلے سے ہو چکا تھا لیکن اس معاہدے سے مسئلہ شمرقیہ کے بعد دول یورپ کے مطامع ترکی اہلاک کی طرف بڑھ گئے اور دریائے وینس کی شکست کے بعد ترکی فوجوں کا اہل مغرب پر جو غلبہ تھا وہ جاتا رہا۔ اس لئے کہ ان دولتوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ نہ صرف یہ ترکوں کو آگے بڑھنے سے روکیں بلکہ رفتہ رفتہ یورپ سے خارج کر دیں تاکہ اسلام

مسیحیت کا حریت نہ ہو سکے۔

یہی وہ مسئلہ ہے جو مسئلہ شرقیہ کے نام سے موسوم ہے اور جو حقیقتاً بالکل مذہبی ہے۔ مگر کمزور مسیحی اقوام کی حمایت کے نام سے اس پر سیاسی پردہ ڈالا گیا۔ صدر اعظم حسین پاشا نے ملک کو خطرات سے گھرا ہوا دیکھ کر نہایت ہمت اور فرزانگی سے داخلی اصلاح کی طرف توجہ دی تاکہ اقتصادی حالت کی درستی سے فوجی قوت میں اضافہ ہو۔ اس نے خصوصیت کے ساتھ مسیحی رعایا کو راضی رکھنے کی کوشش کی اور ان کے ساتھ مراعات برتیں تاکہ دشمنانِ دولت کو اپنے وسائل سے اُن میں بغاوت پھیلانے کا موقع نہ مل سکے۔

حسین پاشا حسین پاشا نے ملک کی انتظامی حالت بہت کچھ ٹھیک کر لی تھی اور سب کو اُمیدیں ہو گئی تھیں کہ وہ دولتِ علیہ کی قوت اور شوکت کو پھر تازہ کر دے گا۔ لیکن شیخ الاسلام فیض اللہ آفندی کی دراندازیوں سے جو سلطان کا استاد تھا، حسین پاشا کو صدارت چھوڑنا پڑی۔ اس کی جگہ مصطفیٰ پاشا آیا جو چاہتا تھا کہ معاہدہ کاروفتش کو توڑ کر آسٹریا پر فوج کشی کرے۔

شیخ الاسلام نے اس کو بھی برطرف کر دیا اور اپنے ایک خاص دوست ہامی پاشا کو صدارت دلوائی جس نے شیخ الاسلام کے چاروں بیٹوں کو بڑے بڑے مناصب پر مقرر کر دیا۔ انکشاریہ اور دیگر امراء نے ہامی پاشا کی مخالفت کی اور سلطان سے اس کی معزولی کے خواہاں ہوئے۔ اس نے شیخ الاسلام کے دباؤ سے انکار کر دیا جس پر انہوں نے ۱۵۱۱ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں سلطان کو معزولی کر کے اس کے بھائی احمد کو تخت پر بٹھا دیا۔



سُلطان احمد ثالث

نام و نسب | احمد ثالث بن سلطان رابع ثانی -

ولادت | ۳ رمضان ۱۰۸۳ھ میں احمد پیدا ہوا -

تعلیم و تربیت | احمد ثالث کا طبعی رجحان عیش و عشرت کی طرف بچپن سے تھا۔ تحصیل علم میں کم توجہ رہی -

اس کے تخت پر بیٹھتے ہی انکشاریہ نے شیخ فیض اللہ کو قتل کر ڈالا سلطان اپنے داماد حسن پاشا کو صدر اعظم مقرر کیا۔ اُس نے امن و امان قائم کیا -

علمی ترقی | یعنی کارخانہ جہاز سازی کو ترقی دی -

پیٹر اعظم | ازار روس پیٹر اعظم نے اپنے ملک کے سامنے لاشعہ عمل رکھا تھا -

اس میں یہ بھی تھا کہ جس قدر ممکن ہو ہم ایک طرف ہندوستان اور دوسری طرف قسطنطنیہ کے قریب تر ہوتے بجائیں - کیونکہ ہندوستان کی

دولت جس کے پاس ہو وہ تمام دنیا سے بے نیاز ہے اور قسطنطنیہ پر جس کا

قبضہ ہو وہ تمام عالم پر حکومت کر سکتا ہے - چنانچہ اُس نے اس مقصد کی

تکمیل کے لئے سویڈن کے بادشاہ شارل دوازدہم کے ساتھ جنگ شروع کی

تاکہ درمیانی سلطنتوں کو کمزور کر کے قسطنطنیہ کے لئے اپنا راستہ صاف

کرے - شارل نے ترکوں سے ہر چند اعانت طلب کی لیکن باب عالی نے

کوئی توجہ نہیں کی حالانکہ وہ اس قدر بہادر تھا کہ روسیوں نے متعدد شکستیں دی

تھیں اور دولتِ علیہ نے اس کی مدد کی ہوتی تو غالباً ماسکو پر قابض ہو جاتا

آخر میں بولتا واپس شکست کھا جانے کے بعد بائیدامداد وہ عرصہ تک ترک کی علاقہ میں پڑا ہا مگر جب کوئی صورت نہ دیکھی تو چلا گیا۔

اس کے تھوڑے عرصہ بعد جب بلطجی محمد پاشا صدارت پر آیا تو روس کے ساتھ جنگ چھڑ گئی۔ محمد پاشا نے دو لاکھ فوج کے ساتھ پیٹر اعظم اور اس کی ملکہ کیسٹر ائن کو دریائے پروت کے متصل ایک قلعہ میں محصور کر گیا۔ لیکن ملکہ مذکور نے اپنے زیورات اور جواہر اس کی خدمت میں بھیج دیئے۔ جس کی وجہ سے اس نے ۹ جمادی الثانی ۱۲۳۳ھ کو پیٹر سے صرف یہ معاہدہ لکھوا کر کہ وہ قوزاق کے معاملات میں دخل نہ دے گا محاصرہ اٹھا لیا۔

سلطان نے اس خیانت پر اُسے معزول کر دیا اور یوسف پاشا کو صدر بنایا جو صلح پسند تھا اُس نے روس کے ساتھ معاہدہ کیا کہ فریقین میں ۲۵ سال تک جنگ نہ ہوگی۔ مگر چند ہی مہینوں کے اندر بلجہ اس کے کہ پیٹر نے معاہدہ مذکور کی بعض شرطوں کو پورا نہ کیا جنگ چھڑ گئی۔ ہالینڈ اور انگلینڈ نے اپنے تجارتی خطرے کی وجہ سے بیچ میں پڑ کر صلح کرادی اور معاہدہ ہوا جس میں روس کو بحیرہ اسود پر کوئی بندر گاہ نہ دی گئی۔

بغاوت | ۱۲۳۴ھ میں جمہوریہ وینس کی حمایت سے مانتی نیگرو نے بغاوت کی۔ صدر اعظم علی پاشا نے فوجیں لے کر حیرہ مورہ اور اس کے سارے عثمانی علاقے پر قبضہ کر لیا جو اُس نے دبا دیا کھا تھا۔ وینس فرانس اور آسٹریا سے امداد چاہی، پرنس اوچین فوج لے کر آیا۔ علی پاشا مقابلہ میں مارا گیا اور ترک شکست کھا گئے۔

پرنس مذکور تمسوار اور بلغراد لیتا ہوا نیش تک آ گیا۔ اُس وقت انگلینڈ اور فلنگ نے مصالحت کرادی جس میں بلغراد اور سربیا کے ایک بڑے حصے سے دولت علیہ کو دستبردار ہونا پڑا۔

علی پاشا کی جگہ ابراہیم پاشا صدر اعظم ہوا جو سلطان کا رشتہ دار تھا۔

اُس نے باسفورس کے ساحل پر عالی شان محلات تعمیر کرائے اور ان میں باغات لگائے۔ روزانہ طرب و نشاط کی محفلیں کرتا تھا جس میں خود سلطان بھی شریک ہوتا تھا۔ اس وجہ سے اکثر اراکان سلطنت میں عیش پرستی کا مرض پھیل گیا تھا۔

وقائع ایران | اس زمانے میں میراثرف کے تغلب سے شاہ ایران طہاسپ خراسان کی طرف بھاگ گیا تھا۔ ترک فوجوں نے یورپ کے نقصان کی تلافی کے لئے آرمینیا اور گرجستان پر قبضہ کر لیا۔

شاہ طہاسپ نادریاں کو ساتھ لے کر اصفہان کی طرف آیا اور میراثرف کو شکست دے کر اپنے آبائی تخت پر قابض ہو گیا۔ پھر باب عالی میں سفیر بھیجا کہ جو حقے ایران کے لئے گئے ہیں چھوڑ دیئے جائیں۔

صدر اعظم اور سلطان دونوں اپنے عیش میں مصروف تھے کسی نے کوئی توجہ نہ کی، طہاسپ نے بڑھ کر تبریز پر قبضہ کر لیا اور ترک فوجوں کو مار کر نکال دیا۔ اس وجہ سے امراء انگلستان نے صدر اعظم کو قتل کر کے اُس کے اموال لوٹ لئے اور سلطان کو مخلوع کر کے اس کے بھتیجے محمود کو تخت نشین کر دیا۔

پہلا مطبع | سلطان احمد کے زمانے میں ترک سلطنت میں پہلا مطبع قائم کیا گیا۔ اس کے کھولنے کی اجازت مفتی اعظم نے اُس وقت دی جب یہ شرط کر لی کہ اس میں قرآن شریف نہ چھپے کیونکہ موصوف کو تحریف کا خطرہ تھا۔

سُلطان محمود اول

نام و نسب | محمود اول ابن سلطان مصطفیٰ ثانی -

ولادت | محمود کی ولادت ۳ محرم ۱۰۱۸ء میں ہوئی -

تعلیم و تربیت | محمود اول نے شاہانہ طور و طریق سے تعلیم و تربیت پائی۔ علیٰ استعداد معقول تھی۔ فنون حرب سے دلی لگاؤ تھا -

تخت سلطنت | سلطان احمد کے مخلوع ہونے کے بعد محمود اول جو سلطان کا برادر زادہ تھا ۴۳ھ میں سریرِ آلاء سلطنت ہوا -

سلطان احمد کو بطرونہ خلیل حجام نے مخلوع کرایا تھا وہی مہمات سلطنت پر قابض ہو گیا۔ محمود نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی پہلے بطرونہ خلیل کو قتل کرادیا -

صدر اعظم | سلطان محمود اول نے طوبال عثمان پاشا کو صدرِ اعظم کے عہدہ پر سرفراز کیا -

فتنہ نادر شاہ | ایران میں نادر شاہ افشار حکمران تھا۔ اس نے ملک گیری کی ہوس میں بغداد پر چڑھائی کر دی۔ سلطان نے طوبال پاشا کو مقابلے پر بھیجا۔ مگر طوبال اس معرکہ میں کام آیا۔ نادر نے آگے بڑھ کر موصل پر ترکوں سے دودو ہاتھ کئے۔ ترک گھونگھٹ کھا گئے۔ آخر ۱۸ جمادی الاول ۱۰۲۹ھ میں تفلس کے مقام پر باہمی عہدِ مصالحت ہو گیا جس میں دو سلطنتوں کے حدود وہ کھے گئے تھے جو مراد رابع کے زمانے میں ۱۰۲۹ھ کے معاہدے میں طے ہوئے تھے -

روس و آسٹریا | نادر شاہ اور محمود کی معرکہ آرائی سے فائدہ اٹھا کر روس نے حدودِ عثمانیہ میں فوج کشی کی۔ سلطان نے مقابلہ کے لئے فوجیں بھیج دیں۔ روس نے آسٹریا کو بھی شریک کر لیا تھا۔ لیکن علی پاشا والی بوسنیا اور کمر پریلی پاشا نے نیش میں روسیوں کی ایسی پٹائی کی کہ میدان چھوڑ گئے۔ علی پاشا نے آگے بڑھ کر بلغراد پر قبضہ کیا۔ صدر اعظم مکن پاشا نے دوسری طرف سے روسیوں کو اگھیرا۔ سمندہ مقام پر ان کی تیغ و تفنگ سے خوب طرح مداخلت کر دی۔ خان کریمیا اور سر عسکر عثمان پاشا نے بھی روسیوں کو قتل کرنے میں کوئی کسر اٹھانہ لکھی۔

غرضیکہ روسی اور آسٹریا والے پٹ چلے تو فرانسیسی سفیر کے توسط سے سلطان سے صلح کی۔ ۱۴ جمادی الثانی ۱۱۵۳ھ کو عہدِ مصالحت لکھا گیا جس میں آسٹریا نے بلغراد اور روس نے اذاق سے دست برداری لکھی۔ نیز یہ کہ روس کو بحیرہ اسود میں کسی جنگی کشتی رکھنے کا حق نہ ہوگا۔

محارباتِ عجم | نادر شاہ نے پھر دوبارہ ۱۱۵۶ھ میں بغداد پر حملہ کر دیا۔ قریب تھا کہ مکن پاشا اس کو شکست دے دیتا لیکن وہ یکایک تپ محرقہ میں مبتلا ہوا اور فوت ہو گیا جس کی وجہ سے نادر شاہ کے مقابلہ میں ترکی فوج نے ہزیمت اٹھائی اور دولتِ علیہ نے مصالحت کر کے نادر کی یلغار سے ترکہ کی علاقہ کو بچایا۔ نادر شاہ نے سلطان محمود کے پاس بوجہ خلیفۃ المسلمین ہونے کے بار بار درخواست کی کہ مذہبِ جعفری پانچواں مذہب تسلیم کیا جائے اور خانہ کعبہ میں چار مصلوٰں کے علاوہ پانچواں مصلیٰ جعفری بھی بڑھایا جائے۔ سلطان نے شیخ الاسلام سے مشورہ کیا۔ انہوں نے انکار کر دیا کہ یہ نادر نیا فتنہ خانہ کعبہ میں اٹھانا چاہتا ہے۔

انتظامِ سلطنت | سلطان محمود نے ان محاربات سے فراغت حاصل کر کے اپنی تمام توجہ ملک کے اندرونی انتظامات کی طرف

مبذول کی اور نو سال تک لگاتار علمی اور اقتصادی ترقی دینے میں مشغول رہا۔
قیام کتب خانہ | سلطان علمی ذوق رکھتا تھا اس نے ایسا صوفیہ اور جامع محمد
 فاتح میں عظیم الشان کتب خانے قائم کئے اور دور دور سے
 کتابیں منگوائیں کتب خانہ کی طرف سلطان نے خاص توجہ کی تھی۔

جامع نور عثمانیہ | مدارس و مکاتب سلطان نے اپنے قلمرو میں کثرت سے
 جاری کئے اور نور عثمانیہ نامی ایک جامع بھی تعمیر کرائی۔

وقائع فرانس | ۱۵۵۹ء میں اسٹریا کے بادشاہ کی وفات پر اس کی بیٹی
 تخت پر بیٹھی۔ شاہ فرانس نے اپنی پرانی عداوت کی
 بنا پر بعض دول مغرب کو ملا کر اسٹریا کے تقسیم کے ارادے سے اسٹریا پر
 فوج کشی کر دی اور سلطان محمود سے بھی استدعا کی کہ اس موقع پر اگر دولت
 علیہ بھی حملہ کر دے تو ہنگری اس کو مل جائے گا جس سے روسی پیش قدمی
 کا خرخشہ جاتا رہے گا۔ ورنہ روس سلطنت عثمانیہ کے لئے آگے چل کر
 خطرناک دشمن ثابت ہو گا۔ مگر سلطان نے کوئی توجہ نہ دی اور وہی ہوا
 جو شاہ فرانس نے کہا تھا۔

وفات | سلطان ۱۶۲۸ء میں جمعہ کی نماز سے واپس آتے ہوئے راہ
 میں مرگ ناگہانی کا شکار ہوا۔

اوصاف | سلطان شجاع اور بہادر ہوتے ہوئے رحم دل بہت تھا۔ خلق
 اور سخاوت کی شہرت تھی۔

سُلطان عثمان ثالث

نام و نسب | عثمان پسر سلطان مصطفیٰ ثانی

ولادت | عثمان کی ولادت ۱۱۱۱ھ میں ہوئی ۔

تعلیم و تربیت | معمولی درجہ تعلیم پائی اور اوائل عمر سے لہو و لعب میں مبتلا تھا۔ شطرنج سے دلی رغبت تھی ۔

تحت سلطنت | ۱۱۶۸ھ میں سریرِ آراء نے سلطنت ہو اور عنانِ حکومت ہاتھ میں لے کر رعایا کی فلاح کی طرف متوجہ ہوا۔ اکثر لاتوں کو بھیس بدل کر دریافتِ حالات کے لئے نکلتا تھا۔ طبیعت میں تلون تھا۔ خضیف باتوں پر امراء سے بدگمان ہو جاتا تھا۔ اس کے عہد میں کوئی اہم بیرونی واقعہ پیش نہیں آیا۔ البتہ آستانہ میں آتشزدگی کے واقعات کثرت سے رونما ہوئے جس سے سخت نقصان ہوا۔

سلطان کو گھوڑوں سے زیادہ دلچسپی تھی اس کا ایک گھوڑا امر گیا تو اُس نے اسکار میں نہایت مکلف اس کی قبر بنوائی۔ جانوروں سے اُس کو بے حد دلچسپی تھی حتیٰ کہ اُن کا عاشق بنا رہا تھا۔

صدرِ اعظم | اس عہد سہ سالہ میں سات وزیر لائے گئے۔ آخری محمدِ رغب پاشا تھا جو علم دوست اور مدبر تھا۔ اُس نے اپنے زمانہ میں سلطنت کے انتظام کو سنبھال لے رکھا۔

وفات | سلطان عثمان ثالث نے ۱۶ صفر ۱۱۷۴ھ کو وفات پائی ۔

اوصاف | عثمان دنی الطبع ، بدخلق اور وہمی تھا۔

سُلطانِ مُصطفیٰ ثالث

نام و نسب | مصطفیٰ ثالث ابن سلطان احمد ثالث ۔

ولادت | مصطفیٰ کی ولادت ۱۱۲۸ھ میں ہوئی ۔

تختِ سلطنت | صدرِ اعظمِ راغب پاشا نے مصطفیٰ کو ۱۱۴۱ھ میں عثمان ثالث کے مرنے کے بعد تخت نشین کیا ۔

وقائعِ راغب پاشا | راغب پاشا نے عثمان کے زمانے سے انتظامِ سلطنت ہاتھ میں لے لیا تھا ۔ ملک کے اندرونی انتظامات بہت کچھ درست کئے تھے ۔ مدرسے اور کتب خانے جگہ جگہ قائم کئے مگر اس کی عمر نے وفات کی ۔ ۱۱۶۲ھ میں انتقال کر گیا ۔

وقائعِ روس | روس نے اس زمانے میں اپنے ملک میں بڑی اصلاحات کیں ۔ ہر شعبہ میں ترکی کی فوج کو جدید آلاتِ حرب سے آراستہ کیا جس سے اس کی قوت دوگنی ہو گئی ۔ اُس نے ۱۱۸۳ھ میں آسٹریا اور یروشیا کو متحد کر کے دولتِ عثمانیہ کے قلمرو پر دھاوا بول دیا اور فتوحات حاصل کرتا ہوا رومانیہ تک آگیا ۔ دوسری طرف اس کے فرستادوں نے جزیرہ مورہ میں پہنچ کر وہاں کے باشندوں کو بغاوت پر آمادہ کیا ۔ روسی بیڑے نے بحیرہ بالٹک سے مغربی سواحل کو قطع کرتے ہوئے یونان کی بندرگاہ کراون پر پہنچ کر لنگر ڈالا ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مورہ کے لوگ باغی ہو گئے مگر عثمانی فوج نے بقوتِ بناوت کو فرو کیا ۔

ترکی بیڑے کی تباہی | روسی بیڑے نے ترکی بیڑے کو آلیا مگر شکست کھا

گیا۔ مگر اس کی دو تار پیڑ و کشتیاں غلیج چشمہ میں پہنچ گئیں جنہوں نے از میر کے متصل عثمانی بیڑے کو ایک طرف سے غرق کر دیا۔

روسی امیر البحر الفنسٹن نے ارادہ کیا کہ قسطنطنیہ پر حملہ کرے۔ اس سے پہلے اس نے جزیرہ منوس پر قبضہ کیا اور اسے بحری مرکز بنایا۔

اس فرصت میں ہنگری کے ایک سپہ سالار بیرن دی توت نے جو دولت علیہ کی ملازمت میں تھا۔ در دانیال کے قلعوں کو مستحکم کر کے بھاری توپوں سے قلعوں کو آلاستہ کر دیا اور متعدد تجارتی جہازوں کو توپوں سے مسلح کر کے جنگی بنالیا۔ اس کے علاوہ اس نے فوراً ایک کارخانہ توپ سازی قائم کیا جہاں توپیں ڈھلنے لگیں اور جہاز سازی کا کارخانہ بھی قائم کر دیا۔ اس کے ساتھ توپ کے استعمال اور جدید بحری فنون حرب کے لئے ایک مدرسہ کھول دیا جس میں ترک جوق در جوق داخل ہونے لگے۔

اس مدرسہ سے تھوڑے عرصہ میں امرائے ترک کثیر التعداد بحری جنگ کے واقف کار ہو کر نکلے۔ انہی میں سے قبودان حسن بک تھا جس نے دوسرے سال روسیوں کے امیر البحر کو جزیرہ منوس سے نکال باہر کیا اور اس کو ایشیہ کست دی کہ وہ اپنی امیر البحری بھول گیا۔

امیر سلیم کرانی خاں کی غداری | روسیوں نے دیکھا کہ ترک پورے مقابلے کے لئے تیار ہو گئے ہیں تو امیر سلیم جو دولت علیہ کا ماتحت تھا اُس کو گانٹھا اور وعدہ کیا کہ ہم تم کو مستقل امیر تسلیم کر لیں گے۔ چنانچہ وہ فریب میں آگیا اور اس نے اپنے دونوں لڑکوں کو سینٹ پیٹرسبرگ میں ملکہ کیتھرائن کے پاس بھیج کر اطاعت کا اظہار کیا۔ مگر روسیوں نے کہہ دیا میں داخل ہو کر قبضہ کر لیا اور وعدہ پورا نہیں کیا۔ اب سلیم کرانی کی آنکھ کھلی اور اپنی غلطی پر نادام ہو کر دولت علیہ کے پاس پناہ گیر ہوا۔ یہ تھا نصرانیوں کا کیریگٹر۔

غرضیکہ دوسری فوجیں بڑھتی ہوئی بلقان تک آگئیں۔ اُس وقت انہوں نے شرائطِ صلح پیش کیں۔ لیکن وہ نہایت سخت تھیں اس لئے قبول نہیں کی گئیں۔ آخر ش ترکِ جم کردوس کے مقابل آئے۔

مصر میں بغاوت | روسیوں نے علی بک والی مصر کو درغلایا اور اس کو بھی آزادی کا سبز باغ دکھا کر دولتِ علیہ کے

خلاف بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ اس نے شام کے شہر غزہ، نابلس، بیت المقدس یا فا اور دمشق وغیرہ فتح کر لئے۔ چاہتا تھا کہ اناطولیہ پر حملہ آور ہو لیکن خود مصر میں مالیک میں سے ایک امیر محمد بیک ابو ذہب نے مقابلہ کیا۔ دوسری علی بک کے ساتھ تھے۔ ابو ذہب نے شکست دی اور غدار علی بک کا سر اُتار اور دوسری افسروں کو گھیر کر گرفتار کیا اور اُن کے سر کاٹ کر علی بک کے سر کے ساتھ سلطان کی خدمت میں قسطنطنیہ بھیج دیئے۔

وفات | سلطان پر پھیم شکستوں اور بغاوتوں کے ترددات کا بڑا اثر تھا ان ہی واقعات سے متاثر ہو کر ۹ ر شوال ۱۲۸۷ھ میں

انتقال کر گیا۔

اوصاف | سلطان سخت حریم اور خسیں تھا۔ لیکن جنگِ روس میں اپنا سارا جمع کردہ سرمایہ صرف کر دیا۔

یادگار | ایک جامع اس کی یادگار سے ہے جو سلطانِ مصطفیٰ نے اپنی والدہ کی قبر پر بنوائی تھی اور جامع محمد فاتح کی مرمت کرائی۔

سُلطان عبد الحمید اول

نام و نسب | عبد الحمید اول سپہ سلطان احمد ثالث -

ولادت | عبد الحمید کی ولادت ۱۲۳۷ھ میں ہوئی -

تخت سلطنت | ۱۲۷۸ھ میں سلطان مصطفیٰ کے انتقال کے بعد جہان پر عبد الحمید سریرہ آرائے سلطنت عثمانیہ ہوا -

سلطنت کی زبوں حالی | عبد الحمید جب تخت نشین ہوا تو ملک زوال کی طرف جا رہا تھا۔ اندرونی بغاوتیں رونما ہو رہی تھیں بیرونی جنگوں نے سلطنت کی حالت نہایت سقیم کر رکھی تھی۔ خزانہ خالی تھا۔ چنانچہ سلطان نے اپنے جلوس کے وقت فوج کو حسب دستور کوئی انعام نہیں دیا۔ یوں پوری قوت سے جنگ میں مشغول تھا -

صلح | صدر اعظم نے روسی فیلڈ مارشل رومانوف سے مجبوراً بجا راست کی شرائط پر جن کو مصطفیٰ ثالث نے نامنظور کر دیا تھا صلح کر لی -

۱۴ جولائی ۱۲۷۸ء میں اس عہد نامہ کی تکمیل ہوئی - اس کی دوسے گرجستان و چرکس سمیت قلعہ اراق کے روس کو دیدیئے گئے اور کرمیہا دولت عثمانیہ کی سیادت سے نکال کر ایک مستقل سلطنت بنا دیا گیا -

وقائع | ملک کی ابتری دیکھ کر صدر اعظم نے اس کے انتظام میں خاص توجہ کی - اس اثنا میں کرمیہا خاں زند نے جو تخت ایران پر غاصبانہ قابض ہو گیا تھا ترکوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر عراق پر حملہ کر بیٹھا اور بصرہ پر قبضہ کر لیا - سلیمان پاشا والی بغداد نے ہمت مردانہ سے کام لے کر کرمیہا خاں سے

دو دو ہاتھ کئے۔ چند معرکوں کے بعد بھرہ سے اُس کو مار بھگایا۔

فدائے روس | اُس نے محاربہ عجم و ترکی سے فائدہ اٹھا کر ۱۱۹۸ھ میں کریمیا میں کمر دوں سے بغاوت کر کے اپنی فوج بھیج دی اور کریمیا کو قبضہ میں لے آیا۔ اس کے بعد روس اور آسٹریا نے ترکی مملکت کو آپس میں تقسیم کر لینے کا منصوبہ باندھا تو انگلستان کے منہ میں پانی بھر آیا اور وہ بھی تقسیم میں حصہ دار بن گیا۔

صدر اعظم خلیل پاشا نے روس اور آسٹریا کی سازش سے مطلع ہو کر فرح علی پاشا کو قفقاز بھیجا۔ انہوں نے دانش مندی سے وہاں کے مسلمانوں کی تنظیم کر کے ایک عظیم الشان جمعیت تیار کر لی اور کریمیا کو فتح کرنا چاہا مگر خود غرض امراء نے حسد سے اُس کے خلاف سلطان کو بھڑکا دیا۔ چنانچہ سلطان نے منصب سے اس کو معزول کر دیا جس کی وجہ سے یہ مقصد پورا نہ ہو سکا۔

روس اور آسٹریا | ۱۲۰۱ھ میں روس نے پھر ترکوں سے جنگ شروع کر دی اس کی ہمنوائی میں آسٹریا بھی حملہ آور ہوا۔ ترکوں کو دونوں سے ایک ساتھ مقابلہ کرنا پڑا۔ آسٹریا کے محاذ پر صدر اعظم خواجہ یوسف پاشا خود فوج گراں کے ساتھ گیا اور شکست پر شکست دے کر پچاس ہزار آسٹریوں کو گرفتار کر لیا اور مقتولوں کے ڈھیر میدان جنگ میں لگا دیئے۔

اس معرکہ میں ترکوں نے بڑی داؤد شجاعت دی مگر روس کے مقابل جو ترکی فوج تھی وہ ہزیمت اٹھا گئی۔ اس درمیان میں سویڈ کے ساتھ روسیوں کی جنگ چھڑ گئی۔

وفات | جنگ کا فیصلہ ابھی نہ ہونے پایا تھا کہ ۱۲۰۳ھ میں عبدالحمید اول کا انتقال ہو گیا۔

اوصاف | یہ سلطان نیک دل تھا اور خوش عقیدہ تھا مگر سیاست اور اصول حکومت سے بے خبر تھا۔

سیاسی حالت | ترکوں کی سیاسی حالت بہت کمزور ہو چکی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ لقمہ ترک سمجھ کر روس اور آسٹریا ترک کی حکومت کے حقے بھجے کرنا چاہتے تھے۔ ادھر ترکوں میں پہلا سا بجا ہدائے جوش و خروش نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نصرانیوں سے ترکوں کے تعلقات بہت بڑھ گئے تھے۔ نصرانی لڑکیاں ترکوں کے جالہ عقد میں کثرت سے آگئی تھیں جن سے ترکوں کی اخلاقی حالت پر بُرا اثر پڑا۔ اس سے بڑھ کر عیش و عشرت کے لئے رشوت ستانی کا بازار گرم تھا۔ غرضیکہ ترک اپنے بلند درجہ سے گر گئے تھے۔

سُلطان سلیم ثالث

نام و نسب | سلیم ثالث ابن مصطفی ثالث۔

ولادت | سلیم کی ولادت ۱۱۴۵ھ میں ہوئی۔

تختِ سلطنت | سلطان سلیم ثالث اٹھائیس برس کی عمر میں ۱۲۰۳ھ میں سلیم تخت نشین ہوا۔

دولتِ عثمانیہ | دولتِ عثمانیہ پر دولِ یورپ ہر طرف سے جنگ کی شورشِ پیا کٹے ہوئے تھیں۔ ترک کی لشکر مسلسل لڑائیوں

سے تباہ حال اور خزانہ خالی تھا۔ لہ

روس اور آسٹریا | افواجِ روس، فلاخ، بغداد کو فتح کرتی ہوئی بسرِ بیدیا

لہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۲، صفحہ ۲۵۳۔

تک پہنچ گئیں۔ دوسری جانب سے آسٹریا فوجی یلغار کرتا ہوا بڑھ رہا تھا۔ صدر اعظم شریف حسین پاشا عقیل و دانا اور سیاست عالم سے باخبر تھا۔ وہ اپنے پیچھے آسٹریا کی فوج کو برکوٹی تک لگایا اور گھیر کر بُری طرح پٹیٹا۔ حسن اتفاق سے آسٹریا کا بادشاہ یوسف ثانی مر گیا اور اُس کی جگہ لیوپولڈ دوم تخت نشین ہوا۔ چونکہ اس وقت لوئس شانزدہم شاہِ فرانس کے خلاف اُس کے ملک میں سخت بغاوت تھی اس وجہ سے لیوپولڈ نے کہیں فرانس سے بغاوت کے شعلے آسٹریا کے علاقے کو بھی تباہ نہ کر دیں اس لئے دولتِ علیہ سے صلح کرنا چاہی۔ مقامِ رستو میں ۲۲ ذوالحجہ ۱۲۰۵ھ کو عہد نامہ مصالحت لکھا گیا جس میں آسٹریا نے وہ سارا حقہ جو فتح کر لیا تھا معہ بلغراد اور سرہیا کے ترکوں کو واپس کر دیا۔ اور سالہ حدود برقرار رہے۔ اس کے بعد انگلستان اور پروشیا کے توسط سے روس کے ساتھ بھی صلح ہو گئی اور ۱۵ جمادی الاول ۱۲۰۶ھ کو معاہدہ لکھا گیا جس میں ترکی سلطنت نے کرمیا، بسربیا، اور وہ سارا علاقہ جو دریائے بوج اور وینسٹر کے درمیان ہے روس کے لئے چھوڑ دیا۔

اصلاحات سلطان کو کچھ دن ہر دو دول سے مہلت کے مل گئے تو اُس نے فوج کی اصلاح کے طرف توجہ کی اور کوچک حسین کو ناظمِ افواج مقرر کیا۔ اسی نے جدید اصول پر بارہ ہزار فوج تیار کر لی۔ توپ سازی اور جہاز سازی کے کارخانے بڑے پیمانے پر قائم کئے۔ فنِ حرب اور استحکاماتِ جنگی پر جو کتابیں فرینچ زبان میں ہیں ان کا ترجمہ کرایا اور عربیہ کالج کے نصاب میں ان کو داخل کیا۔

فوجی تنظیم بارہ ہزار ترکی فوج کی قیادت ایک نو مسلم انگریز انکلینر مصطفیٰ نامی کے سپرد کی گئی۔

نیپولین سے دو دو ہاتھ مصر پر ابراہیم بک اور مراد بک امرائے ممالیک دولتِ علیہ سے باغی ہو کر بالائستقلال

قابض ہو گئے تھے۔ نپولین بونا پارٹ کو جمہوریہ فرانس نے ۱۲۱۳ھ میں چھتیس ہزار بحری فوج کے ساتھ مصر فتح کرنے بھیجا تا کہ ہندوستان کے ساتھ انگریزی تجارت کا سلسلہ روک دیا جائے۔ نپولین نے بلا اعلان جنگ پہلے مقام مالطہ پر قبضہ کیا، پھر سکندریہ میں لاکر فوجیں اتار دیں۔ یہاں ابراہیم بک اور مراد بک نے مقابلہ کیا مگر شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

آخر شش نپولین قاہرہ پر قابض ہو گیا اور شہرت یہ دی کہ دولتِ علیہ کی معاونت کی غرض سے مصر پر قبضہ کیا ہے تاکہ باغیوں کی سرکوبی کر دوں سلطان کو اطلاع ملی اس نے فوج نپولین سے لڑنے کے لئے تیار کرنا شروع کی۔ انگریز ترکوں کے ساتھ ہو گئے۔ روس نے بحر اسود کے جنگی جہازوں سے ترکوں کے دوش بدوش لڑنے کی درخواست کی۔

باب عالی نے ۲۱ ربیع الاول ۱۲۱۳ھ میں فرانس کے ساتھ جنگ کا اعلان کیا اور دمشق میں افواج ترک لاڈالیں۔ بحری حملے کے لئے ترکی جہازوں کے ساتھ روسی اور انگریزی آہن پوش بحیرہ روم میں آ جمع ہوئے۔

نپولین ترکوں کے مقابلہ کے لئے تیرہ ہزار فوج فرانسیسی لے کر العریش سے شام کی طرف روانہ ہوا۔ غزہ، رامہ اور یافہ کو تسخیر کرتا ہوا عکا کا محاصرہ کر لیا مگر والی عطا احمد پاشا جزائر نے نپولین کے چھٹے چھڑا دیئے۔ ترکوں کی بہادری کا لوہا مان گیا اور محاصرہ اٹھا کر قاہرہ کی راہ لی۔ ترک کی افواج جو دمشق میں مجتمع ہوئی تھیں وہ آگے بڑھیں اور ترکی جہازوں نے روس سے اٹھارہ ہزار فوجیں لاکر ابوقیر میں اتار دیں۔

نپولین نے ترکوں کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر ان کو شکست دے دی۔ اور دھوکہ سے سپہ سالار مصطفیٰ پاشا مع فوج گراں کے گرفتار ہو گیا۔ ترک مقابلہ کی تیاری کر رہے تھے کہ فرانس میں آسٹریا سے پے درپے شکست کھانے کے بعد طوائف الملوکی پھیل گئی۔ نپولین رات کو مخفیہ اسکندریہ

سے نکل بھاگا۔ اس کی فوج سے ترکوں نے دو دو ہاتھ کئے۔ آخرش ۲۸ صفر ۱۲۱۹ء کو فرانس نے مجبور ہو کر صلح کی اور ساز و سامان مصر میں چھوڑتے ہوئے فوج چلتی بنی۔

نیپولین فرانس پہنچا اور رئیس جمہوریہ منتخب ہو گیا۔ اس نے دولت عثمانیہ کے سفیر اسعد آفندی کے توسط سے باب عالی کو لکھا کہ روس جزائر یونان پر قابض ہو چکا اور انگریز مصر میں قدم جما چکے۔ اگر فرانس سے پھر دوستانہ تعلقات استوار کر لئے جائیں تو ترکی سلطنت ان دونوں کے بڑھتے ہوئے خطرات سے بچ جائے گی۔ چنانچہ باب عالی اور فرانس میں جمادی الثانی ۱۲۱۷ھ میں جدید عہد نامہ لکھا گیا جس میں فرانس نے مصر سے جزائر یونان پر دولت عثمانیہ کے مکمل حقوق تسلیم کئے۔ اس پر باب عالی نے فرانس کے سابقہ امتیازات عطا کئے۔ چنانچہ انگریز مصر کو خالی کر گئے اور جزائر یونان کی ایک مستقل جمہوریت اس کے مشورہ سے دولت عثمانیہ کے تابع قائم ہوئی۔

نیپولین سے اور سلطان سے تعلقات بہت بڑھ گئے۔ سفیر فرانس کے کہنے پر فلاخ اور بغداد کے امراء جو روس کے ہمنوا تھے وہ موقوف کئے گئے اس پر روس چراغ پا ہو گیا اور اس نے بلا اعلان جنگ ترکی علاقہ میں فوجیں بھیج دیں۔ انگریز بھی روس کے ساتھ مل گئے اور بیڑہ در دانیال کے سامنے لاکر کھڑا کیا گیا۔ انگریزی سفیر ادتھناٹ نے باب عالی میں یہ مطالبات پیش کئے کہ انگلستان کے ساتھ حلیف ہونے کا عہد کیا جائے اور ترکی بیڑہ اور در دانیال کے قلعے اس کے حوالے کر دیئے جائیں اور فلاخ و بغداد روس کو دیا جائے ورنہ انگریزی بیڑہ آبنائے سے گزر کر آستانہ پر گولہ باری کرے گا۔ مگر فرانسسی سفیر نے یہ مطالبات ترکوں سے نامنظور کرادیئے۔ جس پر انگریزی بیڑے نے گیلی پولی تک بڑھ کر عثمانی جہازوں پر گولہ باری کی لیکن آگے قدم نہ بڑھے۔ ترکوں نے پوری سرکوبی کا انتظام کر لیا تھا جس

بنابر انگریزی بیڑے نے گیلی پولی تک بڑھ کر اسکندریہ کو محصور کیا۔ لیکن مصر کے والی محمد علی پاشا کی بیدار مغزی سے کچھ نہ کر سکا اور فزالت اٹھا کر بیڑہ واپس ہوا۔

سُلطان کی معزولی | سلطان سلیم نے جو جدید فوج تیار کی تھی اس کی وجہ سے انکشاری اور غیر منتظم فوج کی وقعت گھٹ گئی اس لئے ان فوجیوں نے اصلاح کی مخالفت کی۔ علماء اور امراء کو فوجیوں نے ہموا بنا کر قبا قچی مصطفیٰ کی سرکردگی میں سلطان کے خلاف فتنہ کھڑا کر دیا۔ اور پہلا مطالبہ وزراء کے قتل کا تھا۔ سلطان نے تسکین فتنہ کی خاطر مطالبہ منظور کیا لیکن قبا قچی نے اس پر اکتفا نہ کیا بلکہ شیخ الاسلام عطاء اللہ آفندی سے سلطان کے غلع کا فتویٰ لے کر اُس کو تخت سے اتار دیا اور اس کے بجائے مصطفیٰ رابع کو سلطان بنایا۔

اوصاف | سلطان نیک دل اور بہادر اور علم دوست تھا مگر طبیعت کمزور پائی تھی۔

سُلطان مصطفیٰ رابع

نام و نسب | مصطفیٰ رابع ابن سلطان عبدالحمید اول۔

ولادت | ولادت مصطفیٰ کی ۱۱۹۳ھ میں ہوئی۔

۱۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۲ ص ۵۵۵۔

تخت نشینی | مصطفیٰ اُمّتیس سال کی عمر میں ۱۲۲۲ھ میں تخت نشین ہوا۔
 عہدِ حکومت ہاتھ میں لے کر وہ تمام اصلاحات جو سلطان
 سلیم کے وقت میں نافذ کی گئی تھیں ایک قلم منسوخ کر دی گئیں۔ یہ وہ وقت تھا
 کہ ترکوں اور روسیوں میں دریا نے طونہ کے کنارے جنگ چھڑی ہوئی تھی،
 وہاں جب خبر پہنچی انکشاریہ بہت خوش ہوئے مگر صدر اعظم علمی ابراہیم پاشا
 کو رنج ہوا اور اس نے اس کا اظہار امرائے فوج کے سامنے کیا۔ انکشاریہ
 صدر اعظم سے بگڑ بیٹھے اور ان کو قتل کر ڈالا جس کی وجہ سے فوج میں ابتری
 پھیل گئی۔ حسن اتفاق کہ اس وقت نیپولین روس پر آپڑا اور ہر دو جنگ
 میں مشغول ہو گئے جس سے فوجیں روس لوٹ گئیں اور ترکوں کی جان بچ گئی۔
 ادھر روس نے نیپولین سے شکست کھائی تو اس نے ترکوں سے صلح کر لی۔

زار اور نیپولین کا معاہدہ | ۱۸۰۷ء جون ۱۸ء میں ایک غفیہ معاہدہ زار روس
 اسکندر اول اور دولت عثمانیہ کے خیر خواہ
 نیپولین بونا پارٹ کے درمیان ہوا جس کی ایک دفعہ کی رو سے فرانس
 کے توسط سے اگر روس کے مطالبات باب عالی نے منظور نہ کئے تو دونوں
 متحد ہو کر بحرِ اُستمانہ کے اور اس کے حوالی کے حملہ عثمانی مغربی مقبوضات
 آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ بوسینیا، البانیا، یونان اور مقدونیا فرانس لے گا

۱۔ نیپولین بونا پارٹ :- فرانس کے نزدیک ایک جزیرہ کادیسکا ہے جو اٹلی اور فرانس کی
 سیاسی رقابت کا جولاں گاہ بنا رہا۔ یہاں چارلس بونا پارٹ اپنی ملٹناری اور فراخ دلی و پیشہ
 وکالت کے ذریعے ہر دلعزیز تھے۔ ۱۷۹۹ء میں فرانس نے اس جزیرہ پر قبضہ کرنا چاہا۔
 یہ عوام کو ساتھ لے کر اپنے وطن کے بچانے کے لئے مثل ایک بہادر سپاہی کے میدان جنگ میں
 تر آئے۔ مگر فرانس کی فوجی طاقت سے یہ ٹھٹی بھرا ہل کادیسکا کیا بازی لے جاتے۔ آخر کار ناکامی
 کا منہ دیکھنا پڑا۔ چارلس بونا پارٹ اور اس کی بیوی لٹشیا روپوش ہو گئے۔ ایک دن
 (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ ۱۴۹ پر)

اور رومانیہ اور بلغاریہ روس، سربیا آسٹریا کے ساتھ ملا لیا جائے گا۔
ان حالات کے ترکوں میں ایک اضطراب کی لہر پیدا کر دی تھیں آفندی
یہیچ آفندی، رامز آفندی، رفیق آفندی اور غالب آفندی نے یہ طے کیا کہ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۸ سے آگے) لٹشیا گراگھر میں عبادت کر رہی تھی، طبیعت بے چین ہو گئی
گھر کر لیٹ گئی کہ اس کے بطن سے نپولین ۱۵ اگست ۱۸۶۹ء کو پیدا ہوا۔ اس کے اور بھی بھائی
تھے مگر نپولین کی نگہداشت لیٹشیا نے کی۔ کیونکہ شوہر تکلیف اٹھا کر دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔
لیٹشیا شہر کی سکونت ترک کر کے گاؤں میں آٹھری۔ ان دنوں کاریکا پر جو گورنر ہو کر آیا اس سے
لیٹشیا ملی اور نپولین ساتھ تھا۔ وہ بچے اور اس کے خاندان سے واقف ہو کر سہراں ہو گیا اور
گاہ بگاہ ان کی امداد کرتا۔

جب نپولین چھ برس کا ہوا تو مکتب میں بٹھا دیا گیا۔ چار سال وہاں تعلیم پائی، دس سال کا
ہوا، گورنر اس کے بشرے سے سمجھتا تھا کہ یہ ہونہار ہے۔ اس نے اپنے خرچ سے ۱۸۶۹ء کو براش کے
ایک سکول میں داخل کر دیا۔ یہ بڑا اثر میلا اور خلوت پسند تھا۔ پانچ سال یہاں تعلیم پائی۔ جب اس کی عمر
پندرہ سال کی ہوئی تو فوجی مدرسہ میں داخل کیا گیا، وہاں ایک سال بعد امتحان ہوا، یہ پاس ہو
گیا۔ بمقام نے اس کے لئے لکھا :-

”یہ نوجوان اپنے اعلیٰ اور بلند اخلاق کی اور عمدہ اوصاف کی بدولت کاریکا کا

باشندہ ہونے کے باوجود بھی دنیا میں شہرت حاصل کرے گا۔“

۱۸۷۰ء میں گولانداز فوج کا سیکنڈ لیفٹیننٹ مقرر کر دیا گیا۔ اس کے کچھ دن بعد نپولین کو
میلٹری میں بد امنی روکنے حکومت نے بھیجا۔ اس نے اپنی حین تدبیر سے بلاخون خرابہ کے امن قائم
کر دیا۔ یہیں اس کا ایک عورت سے تعلق ہو گیا۔ مگر کچھ عرصہ بعد دوسری جگہ امن کے لئے جانا پڑا۔
یہ عورت اس سے چھٹ گئی۔ اس کی تنخواہ کم تھی اپنی ماں کی خدمت نہ کر سکا اور اس کا خود حال
خستہ تھا۔ جینیوا کی ایک امیر زادی نے اس کی مالی مدد کی۔ اس زمانہ میں شاہ پارٹی سے انقلابی
پارٹی ری پبلکن پارٹی کا مقابلہ ہوا۔ نپولین انقلابی جماعت میں شریک ہو گیا۔ ۱۸۹۱ء میں ٹیچیک
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ ۱۵۰ پر)

سلیم کو دو بارہ تخت پر لایا جائے اور پھر اصلاحات جاہلی کی جائیں۔ چنانچہ
عہدار مصطفیٰ اعظمی باحمیت امیر تھا۔ اس نے مقام روسیت سے امراء کے نام آستانہ
خط بھیج کر متحد کر لیا اور اپنی فوج کو لے کر آستانہ پر حملہ کر دیا۔ سلطانی کو شک کا

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۹ سے آگے) اپنے گاؤں چلا گیا۔ یہاں کھنے پڑھنے میں مشغول رہا اور اس کو بڑا بننے کا
خیال پیدا ہوا۔ اس نے کارسیکا کے بہادر اور نامور لوگوں کے حلات میں ایک کتاب لکھی اور اپنے
اہل وطن کو بتایا کہ ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔

نپولین نے اپنی قوت تقریر کو بڑھانے کے لئے ایک انجمن بنائی۔ اس کے ممبر تقریریں کیا کرتے
تھوئے عرصہ میں اس کی تقریر دلولہ انگیز اور جھٹیلے الفاظ پر مشتمل ہونے لگی۔ ایک دن فرانس کے
خلاف اس نے تقریر کی اور اہل کارسیکا پر ظلم کرنے کا الزام لگایا۔ ایک شخص نے جو اس سے
حد کرتا تھا معجزی کر دی، نپولین پکڑا گیا۔ مقدمہ چلا مگر پورا ثبوت نہ مل سکا با عزت بری کر دیا گیا۔
رہا ہونے کے دو تین ہفتہ بعد نپولین پیرس میں رہا۔ اس جگہ فرانس کے بڑے لوگوں سے ملا اور
اہل علم کی صحبت اٹھائی اور لائبریریوں میں وقت گزارا جس سے اس کی علمیت اور قابلیت میں اضافہ
ہی ہوا۔ اس زمانہ ۲۰ جون ۱۷۹۳ء میں فرانس میں گڑبڑ مچ گئی۔ عوام نے شاہی محل پر ہتھ بول
دیا اور شاہی خاندان کے لوگوں کو بری طرح بے عزت کر کے نکال دیا اور ان کے حمایتیوں کو قتل
کر دیا۔ نپولین کو یہ طریقہ پسند نہ ہوا اس نے مخالفت کی مگر اس کا کوئی ہمنوا نہ ہوا۔ ۱۷۹۳ء
میں نپولین کارسیکا چلا آیا۔ کچھ عرصہ بعد سارڈینیا جانا پڑا۔ اس وقت فرانس میں حکومت کے خلاف
اگلے ذروں پر تھی۔ بادشاہ اور ملکہ قتل کر دیئے گئے تھے۔ پاؤنی جو کہ گورنر سارنیکا کا تھا اس نے نپولین
کو بلایا اور کہا اس موقع پر سارنیکا انگریزوں کے حوالہ کر دیا جائے تم میری مدد کرو۔ نپولین نے
صاف انکار کر دیا مگر گورنر کامیاب ہوا۔ انگریز قابض ہو گئے۔ مگر قبضہ زیادہ دن نہ رہ سکا۔
فرانسیسیوں نے مار بھگایا ابھی اس واقعہ کو کچھ دن گزرے تھے کہ پھر فرانس میں بغاوت ہو
گئی۔ برطانیہ اور اسپین نے مل کر فرانس کے مقبوضات پر قبضہ کرنا چاہا، بندرگاہ ٹوان لے لی۔
حکومت فرانس نے جنرل کاڈو کو بھیجا وہ نااہل نکلا۔ پھر ڈگامیر گیا۔ اُس نے بھی مٹہ کی کھائی۔
(بقیہ حاشیہ اگلے ص ۱۵۱ پر)

محاصرہ کر کے جب اندر داخل ہوئے، اہل قصر نے سلیم کو قتل کر ڈالا۔ اس وجہ سے مجبوری درجہ مصطفیٰ کو معزول کر کے اس کے بھائی محمود کو تخت پر بٹھایا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۰ سے آگے) نپولین ٹوان کو فتح کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ ۱۵ دسمبر ۱۷۹۳ء کو اس نے ہلہ بول دیا۔ مقابلہ زبردست ہوا۔ دشمنوں کے جہاز فرانسیسیوں نے ڈبو دیئے۔ انگریز بھاگ نکلے۔ نپولین کامیاب رہا۔

۱۷۹۳ء میں نپولین بریگیڈیئر جنرل بنا دیا گیا۔ اس نے اٹلی آسٹریا اور ساردینیا کی متفقہ فوج سے مقابلہ کیا اس میں بھی جیت اس کی رہی مگر حکومت نے انعام دینے کے بجائے جھوٹی شکایتوں پر اس کو جیل بھیج دیا۔

آخر کار وہ اپنے ایک دوست جیونی کی مدد سے رہا ہوا۔ اس نے یہ لڑائی دیکھ کر حکومت سے قطع تعلق رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ماں بیٹے بھوکے مرنے لگے۔ حکومت میں پھر گڑبڑ مچی۔ پھر نپولین بلائے گئے اور اعزاز بڑھا۔ پھر آسٹریا پر حملہ کرنے کے لئے اس کو کمانڈر مقرر کیا گیا۔ پھر حالت درست ہو گئے زندگی آرام سے گزرنے لگی۔ اس زمانے میں فرانس میں قحط پڑا، اس نے گھر گھر پھر کر چندہ کیا اور لاکھوں انسانوں کو موت کے منہ سے بچایا۔

۱۷۹۶ء میں جوزیفائن سے نپولین کے تعلقات ہو گئے اور اس سے شادی کر لی۔ غرضیکہ اس نے اٹلی، آسٹریا، ساردینیا پر دھاک بٹھادی۔ انگریز بھی اس سے خوف کھانے لگے۔ نپولین کی مسلسل کامیابیوں اور فتوحات سے متاثر ہو کر عوام کی خواہش ہوئی کہ نپولین کو شاہنشاہ فرانس بنایا جائے مگر ارباب حکومت اس سے جلنے لگے اور اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے اس کو مہر فتح کرنے بھیج دیا۔

۹ مئی ۱۷۹۸ء کو مصر پر اپنا بحری بیڑہ لے کر پہنچا۔ ۱۷۹۸ء میں مالٹا پر بھی قبضہ کیا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ ۱۵۲ پر)

قبائلی اور اُس کے ساتھیوں کو جنہوں نے بغاوت کی تھی، تہ تیغ کر دیا گیا۔ سلطان مصطفیٰ کا قتل اُس کے جا کر ہوا، جس کی تفصیلات

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۱ سے آگے) اس کے بعد اسکندریہ فتح کر لیا۔ پھر قاہرہ گیا۔ وہاں کی فوج تابِ مقابلہ نہ لاسکی، شہر فتح ہو گیا۔ مگر انگریز بیڑہ بھی وہاں پہنچا۔ امیر البحرینس سے اور جنرل یرنیو سے دو دو ہاتھ ہوئے جس میں فرانس کو شکست ہوئی۔ میدانِ نرس کے ہاتھ رہا۔ نپولین کو اس واقعہ سے بہت افسوس ہوا۔

۱۸۰۵ء میں سیریا کی فوجوں نے مصر کے علاقے پر حملہ کر دیا۔ ان سے جا کر مقابلہ کیا وہ شکست کھا گئے۔ پھر قاہرہ لوٹ کر ۲۲ اگست ۱۸۰۵ء کو فرانس روانہ ہو گیا اور ۱۸ اکتوبر ۱۸۰۵ء کو پیرس پہنچ گیا۔ اہل فرانس نے بڑا شاہانہ استقبال کیا۔ فرانس میں کچھ دن آرام کرنے کے بعد نپولین نے حکومت کے منتشر شیرازہ کو یک جا کیا اور انتظامات درست کرنے لگا۔ پھر یورپ کی دوسری سلطنتیں اس کے مقابلہ کے لئے آئیں مگر شکست کھا گئیں۔

آخرش حکومت فرانس نے ۱۸ مئی ۱۸۰۲ء کو نپولین کو شہنشاہ بنانے کا فیصلہ کیا اور ۲ دسمبر ۱۸۰۲ء کو پوپ نے اٹلی سے آکر نپولین کے سر پر شاہی تاج پہنایا۔ نپولین کی انتہائی کوشش یہی کہ یورپ میں جنگ نہ ہو صلح و امن رہے مگر مغربی دول باہم ٹکراتی رہیں۔

نپولین کو پنے در پنے فتوحات سے یہ گمان ہو گیا تھا کہ وہ ہر ملک پر چڑھائی کر سکتا ہے۔ وہ ترکوں کے مقابلے میں روس سے ساز باز کر رہا تھا کہ باہم ترک کی علاقہ تقسیم کر لیں مگر یہ نوبت نہ آئی اور روس سے عودِ بھڑ بیٹھا۔ روسی فوجیں اس کے آگے آگے بھاگتی چلی گئیں اور یہ اُن کے پیچھے فاسخانہ انداز میں بڑھ رہا تھا۔ روسی جس شہر کو چھوڑتے آگ لگا دیتے، آخرش وہ اپنے خوب صورت شہر ماسکو کو بھی نذرِ آتش (بقیہ حاشیہ اگلے ص ۱۵۳ پر)

محمود کے حال میں آتی ہے ۔

(بقیہ حاشیہ ۱۵۲ سے آگے) کر چکے ۔ نپولین کی فوجیں بہت دور نکل آئی تھیں ۔ ان کے پاس سامانِ رسد کی کمی ہونے لگی ۔ منزلوں کے طے کرنے سے تھکاوٹ اور خوراک کی کمی کی وجہ سے جی چھوٹ بیٹھی ۔ سردی کا موسم سر پر آ گیا تو ان کے حوصلے ٹوٹ گئے ۔ اکتوبر آیا تو نپولین نے فوجوں کو واپسی کا حکم دے دیا ۔

یہاں کے حالات سے فرانس میں اس کے خلاف آوازیں اٹھ رہی تھیں ۔ یہ رنگ دیکھ کر یورپ کے بادشاہوں اور بڑے بڑے لوگوں نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ نپولین کو تخت سے اتار کر جزیرہ ایلبا میں نظر بند کر دیا جائے ۔ اور فرانس کے تخت پر ایک اور بادشاہ بٹھا دیا جائے ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ۔ مگر دس مہینے نہیں گزرے تھے کہ نپولین تھوڑی سی فوج لے کر چپکے سے پھر فرانس آ گیا ۔ پھر اہل فرانس نے اس کو بادشاہ بنالیا ۔ مگر انگریز اور جرمن نے اور بلجیم کی فوجوں نے مل کر وائرلو کے میدان پر ۱۸۱۵ء میں نپولین کو شکست دی ۔ یہ ٹوٹا تو اسے جلا وطن کر کے سینٹ ہلینا کے جزیرے میں بھیج دیا گیا جہاں وہ بیمار ہو گیا اور آخر ۱۸۲۱ء میں انتقال کر گیا ۔ نعش فرانس میں لا کر دفن کی گئی ۔

نپولین عزم و ارادے کا پکا اور بلند ہمت فاتح تھا ۔ وہ کہا کرتا تھا کہ انسان ہمت کرے تو دنیا میں کوئی کام مشکل نہیں ، ناممکن کا لفظ احمقوں کی لغت میں پایا جاتا ہے ۔ بہادر مصیبتوں سے نہیں گھبراتے ۔“



سُلطان محمود ثانی

نام و نسب | محمود ثانی ابن سلطان عبدالحمید اول۔

ولادت | محمود ثانی کی ولادت ۱۲۰۰ھ میں ہوئی۔

تخت نشینی | سلطان محمود ثانی ۱۲۲۳ھ میں سریر آراءے سلطنت عثمانیہ ہوا۔

صدر اعظم | علہ دار مصطفیٰ کو، سلطان محمود ثانی نے صدر اعظم کے عہدہ پر سرفراز کیا۔

وقائع | سلطان نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی پہلا کام یہ کرنا چاہا کہ سلطان سلیم کی فوجی اصلاحات کو دوبارہ جاری کرے۔ انکشاریہ نے بغاوت کر کے صدر اعظم کو قتل کر دیا اور چاہا کہ محمود کو معزول کر کے مصطفیٰ کو تخت پر لایا جائے لیکن سلطان محمود نے مصطفیٰ کو قتل کر دیا۔ جب انکشاریہ کو علم ہوا تو اس شرط پر محمود کو باقی رکھا کہ اصلاحات نافذ نہ کرے۔ ان واقعات سے فائدہ اٹھا کر خرس روس نے عہد نامہ کی تجدید کرنی چاہی لیکن شرائط وہ تھیں جن کو باب عالی نے منظور نہیں کیا۔ اس بناء پر روس نے لشکر کشی کی اور اس کی فوجیں حدودِ عثمانیہ میں بلغاریہ تک آگئیں۔ ترکوں نے وقت کی نزاکت کا لحاظ کر کے قلعہ ہائے بندر، کیلی، خونین اور آق کرمان وغیرہ روس کو دے کر صلح کر لی اور دریائے پروت دونوں سلطنتوں کے درمیان حدِ فاضل قرار پائی۔

خانہ جنگی | ترکوں سے نصرانی حکومتیں برسرِ پیکار تھیں کہ نجد سے ایک قضیہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ترکوں نے عرب میں کوئی اصلاح کا کام نہیں کیا۔

نہ اُن کی تعلیم کا انتظام تھا اور نہ ان کی اقتصادی حالت درست کی۔ البتہ مکہ معظمہ و مدینہ منورہ ایک معقول رقم بھیج دیا کرتے جو قبائل میں تقسیم ہو جایا کرتی عرب میں صوبہ سے بدتر حالت نجد کی تھی۔ یہاں تو دورِ جاہلیت پھر تازہ ہو گیا تھا اور وہاں کے رہنے والے بالعموم شرک و بدعت اور دین کے نام سے خرافات میں مبتلا تھے۔ بارہویں صدی میں شیخ محمد بن عبد الوہاب نے نجد میں دینی اصلاح کی کوشش کی اور باشندوں کو قرآن و سنت کا تابع اور سلف صالح کا پیرو بنانا چاہا اور اُن میں علوم دینیہ کی اشاعت کی جس کی وجہ سے اہل نجد نے اپنی حالت درست کر کے ترقی شروع کی۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی ۱۶۹۱ء میں مقامِ آیہ قریب نجد ایک شخص محمد بن عبد الوہاب نامی پیدا ہوا۔ جس نے اول اپنے باپ سے علوم عربیہ کی تحصیل کی۔ پھر مدینہ جا کر تحصیل علوم منقولات شیخ عبد اللہ بن ابراہیم مدنی سے کی۔ دینی فضیلت حاصل کر کے مراجعت وطن کی اور عینہ میں پہنچ کر سلسلہ درس و تدریس اور تبلیغ کا شروع کر دیا۔ گرد و نواح کے لوگ عقیدت مند ہو گئے۔ کچھ عرصہ میں ایک وسیع حلقہ قائم ہو گیا۔ اس شخص کی تعلیم توحیدِ باری کی تھی۔ رفتہ رفتہ امیر محمد بن سعود دس درجہ جو عرب قبائل کے سب سے بڑے امیر بھی تھے اس کے حلقہ اثر میں آ گئے اور اس کے اس راسخ العقیدہ مرید نے شاہ تک علاقہ دیاض کے گرد و نواح میں تمام عرب قبائل کو اپنا اور اپنے شیخ محمد بن عبد الوہاب کا مطیع و منقاد بنا لیا۔ تمام بادیہ نشینانِ نجد اس کی قوت و شوکت، اوصافِ حمیدہ اور حمیتِ اسلامی کا دم بھرنے لگے۔ چنانچہ شیخ کا اور سعود کا ۱۷۶۵ء میں انتقال ہوا تو اس کا لڑکا عبد العزیز جانشین ہوا۔ وہ بہادر تھا، اُس نے جب کثرت

سے عرب اُس کے ساتھ ہو گئے تو بلادِ عراق پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ اس کا ولی عہد امیر مسعود تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ ترکی حکومت کو فتح کر لے۔ چنانچہ امیر مسعود ایک زبردست لشکر تیس ہزار کالے کریمت اشرف اور کربلائے معلیٰ کی طرف ۱۲۱۶ھ میں بڑھا اور مقامی حکومت کی خفیف مزاحمت کو شکست دے کر عقیباتِ عالیات کے خزانہ کو لوٹ لیا۔ ۱۸۰۳ھ میں غازی عبدالعزیز کو ایک ایرانی نے قتل کر دیا۔

۱۸۰۴ھ میں امیر مسعود نے مکہ معظمہ کی طرف پیش قدمی کی **حملہ مکہ معظمہ** اور مٹھی بھر ترک فوج کو خطرے میں نہ لاکر مکہ معظمہ پر حملہ کر دیا اور بزورِ شمشیر مکہ میں داخل ہو گیا۔

اس وقت شریف یہاں کا غالب پاشا تھا اُس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ پھر یہ نجدی لشکر مدینہ پہنچا اور اس کو بھی فتح کر لیا اور تمام خزانہ لوٹا اور روضہ مبارک پر جو طلانی پتھر چڑھا تھا وہ بھی اُتر والیا۔ یہ سب کام کتاب و سنت کے نام سے انجام دیئے گئے۔

غرضیکہ یہ امرائے نجد بجز حضرت موت اور یمن کے ایک قلیل عرصہ میں سارے عرب پر قابض ہو گئے۔ ان کی اس بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر بابِ عالی کے حکم سے سلیمان پاشا والی عراق نے ۱۲۱۳ھ میں لشکر کشی کی لیکن احصاء سے پہلے ہی معرکہ میں اس کو واپس آنا پڑا۔ اس کے بعد مسعود بن عبدالعزیز نے کربلا سے لے کر حلب تک زبیرین کر لیا۔ پھر ۱۲۲۲ھ میں چھ ہزار فوج لے کر شام پر حملہ آور ہوا اور حوران وغیرہ پر قبضہ کرتا ہوا دمشق پہنچ گیا۔ وہاں والی یوسف پاشا گنج نے وعدہ کیا کہ اس کی خاندان کی عورت سے شادی کر لوں گا۔ اس لئے مسعود اس کو چھوڑ کر واپس ہو گیا۔

۱۲۶۰ھ حاصر العالم الاسلامی و دُکُشْری آف اسلام ص ۶۶۰

سلطان محمود نے نجدیوں کے بڑھتے ہوئے سیداب کو روکنے کے لئے علی پاشا والی عراق، عبداللہ پاشا والی شام اور شریف پاشا سپاہ دارحجہ تینوں کو حکم دیا کہ عربوں اور کردوں کا لشکر ہمراہ لے کر نجد پر حملہ کر دیں۔ لیکن اس درمیان میں کردستان میں بغاوت ہو گئی جس کی وجہ سے یہ منصوبہ پورا نہ ہو سکا۔ ادھر سے ناکامیابی دیکھ کر باب عالی نے محمد علی پاشا والی مصر کو حرمین شریفین کی ولایت کا فرمان دے کر نجدیوں کے استیصال کے لئے مامور کیا۔

مصری و نجدی آویزش ۱۲۲۶ھ میں محمد علی پاشا نے پہلے اپنے بیٹے طوسون پاشا کو نجد کی مہم پر بھیجا۔ پھر خود بھی فوجیں لے کر آیا مگر جب تک امیر سعود بن عبدالعزیز زندہ رہا اس وقت تک کوئی کامیابی نہ ہو سکی۔ ۱۲۲۹ھ میں جب سعود مر گیا اور اس کا بیٹا عبداللہ اس کی جگہ امیر نجد ہوا اس وقت بعض امراء قبائل محمد علی پاشا کی ذرپاشی سے امیر نجد سے کٹ گئے اور مصریوں سے میل کر لیا۔ محمد علی پاشا نے اپنے بیٹے ابراہیم پاشا کو پوری قوت کے ساتھ نجد کی طرف بھیجا۔

مقام مادیہ میں نجدیوں نے مصری توپوں کے مقابلہ میں شکست کھائی اور عبداللہ بن سعود اپنے مرکز درعیہ میں آ کر قلعہ گیر ہو گیا۔ ابراہیم پاشا نے محاصرہ کیا۔ سخت مقابلوں کے بعد آخر کار نجدیوں کو شہر کا دروازہ کھولنا پڑا۔ ابراہیم پاشا نے عبداللہ اور اس کے کاتب و خزینہ دار کو مصر بھیج دیا جہاں سے وہ قسطنطنیہ بھیج دیئے گئے۔ سلطان محمود نے ان کو ایاصوفیہ کے میدان میں ۱۲۳۴ھ میں قتل کرا دیا۔ اس سال ابراہیم پاشا نے محمد علی پاشا کے حکم سے شہر درعیہ کو ۱۲۳۳ھ میں تباہ و برباد کر دیا۔ ہزار ہا مسلمان وہاں

کے خانہ ویران ہو گئے یہ

یونان یونان کا والی علی پاشا پُرسطوت اور بااثر حاکم تھا جس سے سارا یونان لرزتا تھا۔ یونانی استقلال کے متمنی تھے۔ مگر اس کے جبروت سے آواز بلند نہ کر سکتے تھے۔ روس جو یونان کا پشت پناہ تھا، وہ علی پاشا کا مخالف تھا اس نے بہکا کر سلطان کو اس سے بدظن کر دیا۔ اس نے اس کو معزول کرنا چاہا، علی پاشا نے بغاوت کر دی۔ سلطان نے خورشید پاشا کو مع فوج کسے بھیجا۔ دو سال مقابلہ رہا جس میں علی پاشا کام آیا۔ یونانی اپنے استقلال کا دعوئے لے کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور چند قلعوں پر قبضہ بھی کر لیا۔ باب عالی نے ابراہیم پاشا مصری کو فوج دے کر بھیجا اُس نے جا کر یونانیوں کی اچھی طرح گوشمالی کر دی۔

انکشاریہ کا خاتمہ اسجد و یونان کی مہمات سے فارغ ہو کر سلطان محمود انکشاریہ کا خاتمہ نے جدید اصلاحات کرنا چاہیں۔ انکشاریہ خود مر تھے۔ انہوں نے بغاوت کر دی۔ باب عالی اور وزرا کے دولت کدوں کو گھیر لیا۔ محمود نے مجبور ہو کر لوٹے نبوی خزانہ شاہی سے نکالا۔ مسلمان جوق در جوق اس کے سایہ میں اکٹھے ہوئے اور انکشاریوں پر ٹوٹ پڑے۔ محمد پاشا اور آغا حسین انکشاریہ کی قیادت کر رہے تھے اور جوانی کے میدان میں انکشاریہ کو جمع کئے ہوئے تھے۔ سب گھیر کر مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ اس کے بعد حملہ صوبہ جات عثمانی میں ان کے الغاء کے احکام بھیج دیئے گئے۔ تین سو برس بعد انکشاریہ اپنے کرتوتوں سے تباہی کی راہ لگے۔

یونان کی آزادی فرانس کے انقلاب کے اثر سے یورپ کے ہر حصہ میں آزادی کے خیالات پیدا ہوئے۔ یونانیوں نے

بھی جو دولت عثمانیہ کے تابع تھے، اپنی آزادی کے لئے انجمنیں قائم کیں۔ ترکی حکام کے دسے روس اور آسٹریا میں اس کے مرکز قائم کئے گئے اور وہاں سے یونان میں آزادی کا پروپیگنڈہ کرتے رہتے۔ ہر یونانی آزادی کے لئے بے تاب ہو گیا۔ سلطان محمود نے ملک میں اصلاحات شروع کیں۔ اس وقت یونانیوں نے انگلستان، فرانس اور روس کی امداد سے اپنی آزادی کا مطالبہ کیا۔ باب عالی نے منظومہ کیا جس پر یونانی سرکفٹ میدانِ عمل میں آگئے اور انہوں نے جزیرہ ”سافر“ کے متصل سارے ترکی جہاز جو لنگر انداز تھے غرق کر دیئے جن میں تین ہزار ترک تھے وہ سب شہید ہوئے۔ پھر روس نے یونان کے استقلال کی معاونت کے لئے حدودِ عثمانی میں لشکر کشی کر دی۔ دوسری طرف سے فرانس کی فوجیں مورہ میں آکر قلعوں میں داخل ہو گئیں۔ اب ترکی حکومت کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ یونان کے استقلال کو قبول کرے۔ مگر شرط یہ تھی کہ یونان پانچ لاکھ قرش سالانہ خراج دولت عثمانیہ کو ادا کرتا رہے گا۔ یونانیوں نے اسے منظور کر لیا۔ اس طرح روس کی دست اندازی سے ترکوں نے مجبوری درجہ یونان کو آزاد کیا۔

الجزائر پر فرانس کا قبضہ | فرانس کی نگاہ عرصہ سے ترکی مقبوضہ الجزائر پر تھی۔ اس وقت ترک بہت کمزور ہو چکے تھے۔ دولِ یورپ سے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ ۱۸۳۰ء میں الجزائر پر فرانس نے قبضہ کر لیا۔ دولت عثمانیہ کچھ نہ کر سکی۔ البتہ حزبِ وطنی کے قائد سید عبدالقادر کی قیادت میں جزائری سترہ سال تک فرانس سے مقابلہ کرتے رہے۔ آخر مجبور ہو گئے اور غلامی کا حلقہ آویزہ گوش لیا۔

سربیا | ۱۸۲۸ء میں روس نے سربیا کی حمایت میں ترکوں سے پھر جنگ چھیڑ دی اور اس کی افواج بخارست سے گزرتی ہوئی ادرہ تک پہنچ گئیں۔ جس کے بعد قسطنطنیہ خطرہ میں تھا۔ روس کے بڑھتے ہوئے

اقتدار کو دیکھ کر دوں پورپ نے ہردو میں صلح کرادی۔ سریبا کی حکومت کے لئے بادہ مندوین کی ایک جماعت منتخب کر دی گئی اور بلا دچوکس معہ اس پاز کے قلعوں کے روس کو مل گئے۔

مصر کی آزادی | محمد علی پاشا مصر کا مستقل حکمران بننا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے جدید طریقہ سے نظامی افواج مرتب کیں اور بحری قوت بھی بڑھالی۔ اس کے بعد اپنے بیٹے ابراہیم پاشا کو فتح شام کے لئے روانہ کیا۔ اس نے ہر جگہ ترک افواج کو شکست دی اور عکا تک پہنچ گیا۔ اس کو بھی فتح کر لیا۔ سلطان محمود نے آغا حسین کی قیادت میں تیس ہزار فوج بھیجی۔ ابراہیم پاشا نے آغا کو مقابلہ پر شکست فاش دی اور ابراہیم بڑھتا ہوا کوتاہیہ تک پہنچ گیا وہاں رشید پاشا نے آگے بڑھ کر کوتاہیہ پر قبضہ جمایا۔ دولت علیہ نے اپنے دشمن روس سے امداد طلب کی اور اس کے عوض میں بروقت ضرورت اس کے جہازوں کو دریا نیال سے گزرنے کا حق دیا۔ چنانچہ روسی افواج ترکوں کے دوش بدوش ابراہیم پاشا سے معرکہ آدا ہوئیں جس میں ابراہیم کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ آخر میں اس بات پر صلح ہوئی کہ مصر، صیدا، شام اور حلب پر محمد علی پاشا والی رہے اور جزیرہ کریم کی ولایت ابراہیم پاشا کو عطا کی گئی۔

وفات | ۱۲۵۵ھ میں سلطان محمود نے آستانہ میں وفات پائی۔

کارگزاری | سلطان محمود اپنے پیش روؤں سے زیادہ ترقی کا دلدادہ تھا۔ نیک کردار اور ہمدردی طبیعت میں بہت تھی اور اس میں بڑی مردانگی تھی مگر وزراء اس کی مرضی کے موافق نہ تھے مگر حتی الوسع اس نے سلطنت کو بچانے کی ان تھک سعی کی۔

عدل و انصاف کی وجہ سے اس کا لقب عدلی تھا۔ مغربی لباس اور طربوش کا رواج بھی سلطان نے جاری کیا۔ ہر قوم و ملت کے لوگ ایک سا

لباس پہننے لگے۔ کوئی امتیاز نہ تھا، مسجد اور گرجے میں داخلہ کے وقت پتہ چلتا تھا۔ اور بڑا فتنہ انگشا دیہ کا تھا، ان کا خاتمہ کر کے سلاطین کے وقار کو بچا لیا۔ سلاطین عثمانیہ میں وقت کے تقاضے سے اُس نے یورپین لباس جاری کیا اور ترکوں کے اخلاق معاشرت میں تہذیب شروع کی۔ تعصبات مذہبی کو اس نے ختم کیا۔ مختلف مذاہب کی رعایا کو اجازت دی کہ مطابق اپنے مذہب کے، اپنی اپنی رسومات مذہبی ادا کریں۔ خود عیسائی گرجاؤں کی جو اس کے ملک میں تھے مرمت کرا دی۔

رفاہ عام | سلطان نے رفاہ عام کے کاموں میں ایک لاکھ پیا سڑ بانٹے۔ تو یونان اور ارمینی چرچوں کو بھی برابر کا حصہ دیا۔

تعلیم کی ترقی | قلمرو عثمانیہ میں مدارس کھولے اور کل مذہب کے لوگوں، یہودی، عیسائی، مسلمان سب کو برابر بلا تعصب تعلیم دینی شروع کی۔ اس شہنشاہ کے عہد میں ترکی زبان میں اخبار شروع ہوا جو ۵ نومبر ۱۸۳۹ء کو پہلا اخبار چھپا جس کا نام ”تقویم وقائع“ رکھا گیا۔ شفا خانہ قائم کیا جہاں ٹیکے کا رواج جاری کیا۔ میڈیکل کالج قائم کیا جہاں سرجری کی تعلیم پر زیادہ توجہ تھی۔

غلامی کے رواج کا انسداد | ۱۸۳۱ء میں سلطان نے غلامی کے رواج کو جو محض خلاف شرع جاری تھا موقوف کیا اور حکماً بردہ فروشی ممنوع قرار دی۔

سُلطان عبدالمجید اول

نام و نسب | عبدالمجید ابن سلطان محمود ثانی -

تخت سلطنت | سلطان کے انتقال کے بعد عبدالمجید ۱۲۵۵ھ میں تخت نشین ہوئے۔

وقائع | سلطان نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لے کر مصر کے معاملات کی طرف توجہ کی۔ کیونکہ محمد علی پاشا مستقل مصر کا حکمران ہونے کے بعد بھی برابر اپنی فوجی قوت بڑھا رہا تھا۔ سلطان نے حافظ پاشا کی قیادت میں ایک فوج بھیجی تھی کہ اس کی جنگی تیاریوں کو روکے۔ مگر ابراہیم پاشا نے مقابلہ پر آکر اس کو شکست دے دی۔

سُلطان نے یہ رنگ دیکھ کر اپنے سفیر رشید پاشا کے ذریعے انگلستان، پروشیا اور روس کو ملا لیا جس سے ترکی قوت بڑھ گئی اور محمد علی پاشا کی ولایت مصر پر محدود کر دی گئی۔ مگر یہ فرمان جلدی کیا کہ محمد علی پاشا خدیو کے لقب سے ملقب کئے جائیں اور یہ خطاب نسلاً بعد نسل رہے گا۔

اصلاحات | سلطان نے قلمرو عثمانی میں اعلان کیا کہ جملہ رعایا خواہ وہ کسی بھی مذہب و ملت اور کسی قوم کی ہو، ہر قسم کے قانونی حقوق اس کے محفوظ ہیں اور پوری قوت کے ساتھ اس کی تنفیذ کی اور زبردستوں اور جاہلوں کے ظلم و تعدی کو کمزوروں پر روک دیا۔ اس کے ساتھ تہری اور بحری فوجوں کی تنظیم شروع کی۔ سلطان نے عدالتوں کے لئے قوانین بنائے اور فرانس کے طریقہ پر تمام انتظامِ سلطنت قائم کیا۔

فرس روس جس کا وطیرہ ہمیشہ یہ رہا ہے کہ دولت علیہ کو اصلاح کی سہولت نہ لینے دے۔ چنانچہ اس دشمن اسلام نے بلا اعلان جنگ اپنی فوجیں رومانیہ بھیج دیں اور سینوپ میں عثمانی جہازوں کو غرق کر دیا۔ دولت علیہ نے فرانس اور اطالیہ کو شریک کر کے روس سے دو دو ہاتھ کئے اور روس کے جنگی جہازوں کو جلا دیا اور پھر بسا سٹوپول میں روس کو شکست فاش دی جس کے بعد پیرس میں مجلس معاہدہ منعقد ہوئی اور دول یورپ نے بسا سٹوپول روس کو اور اناطولیہ میں قلعہ قرص روس سے لے کر دولت عثمانیہ کو دیا گیا اور باتفاق دول اربعہ در وانیال جملہ اقوام کے جنگی جہازوں کے لئے بند کر دیا گیا۔ حسن اتفاق سے اس معاہدہ میں دولت عثمانیہ ایک متمدن مغربی سلطنت تسلیم کی گئی۔

درواز جبل لبنان میں دروزیوں اور عیسائیوں میں جھگڑا ہو گیا۔ یورپ حمایت نصاریٰ میں آگودے۔ فرانس کی فوجیں حدود عثمانیہ میں آئیں۔ مگر نواد پاشا کو بھیج کر اس فتنہ کو فرو کیا۔ آخر میں یہ طے ہوا کہ ایک دروزی اور ایک مارونی اپنی اپنی جماعتوں کی نمائندگی کے لئے نامزد کئے جائیں۔

وفات سلطان عبد المجید نے بعمر چالیس سال ۱۸۷۷ء میں قضا کی۔

دین دار اور باحمیت سلطان تھا۔

آثار مدینہ منورہ میں سلطان کی اکثر یادگاریں ہیں۔

صدر اعظم سلطان عبد المجید کو خوش قسمتی سے رشید پاشا نہایت لائق اور جامع جمیع صفات وزیر ہاتھ آیا تھا۔ اس نے سلطان کے حسب منشاء ترکوں کے تمام لغو اور بیودہ تعصبات کو جن کو انہوں نے غلط دینداری کے رنگ میں رنگا تھا ان کی تردید کی اور اہل یورپ سے جو اچھی باتیں تھیں وہ اخذ کیں اور ان کو مروج کیا۔ اس نے ”ہدیت شریف“ کے نام سے قوم کے لئے دستور العمل بنایا اور اس کو تمام قلمرو عثمانیہ میں شائع کیا۔ ۳۰ نومبر ۱۸۷۱ء کو سلطان کے دربار میں جس میں علماء و عمائد ملک شریک تھے ہدیت شریف پڑھا گیا اور اہل دربار نے منظور کر لیا۔

سُلطان عبدالعزیز

نام و نسب | عبدالعزیز ابن سلطان محمود ثانی -

ولادت | سلطان کی ولادت ۱۲۴۵ھ میں ہوئی -

تخت نشینی | سلطان عبدالحمید کے انتقال پر عبدالعزیز جس کی عمر تیس سال کی تھی تخت نشین ہوا -

نظم مملکت | سلطان نے عنان حکمرانی ہاتھ میں لے کر سب سے پہلے داخلی اصلاحات کی طرف توجہ کی۔ ملک کو جدید صوبوں میں تقسیم کیا۔ ایک مجلس شوریٰ قائم کی۔ فوج کی تنظیم کی اور اس کو باقاعدہ بنایا اور بحری بیڑہ کو اس قدر ترقی دی کہ وہ دنیا میں دوسرے درجہ کی بحری طاقت سمجھا جانے لگا۔ دول یورپ کی نگاہیں بھی اس کی طرف اٹھنے لگیں۔

صدر اعظم | عالی پاشا عالی دماغ اور بڑا سیاست دان تھا۔ کمرٹ اور قرع طاغ میں اجانب کی بغاوتیں رونما ہوئیں مگر صدر اعظم کی حسن تدبیر سے آگے نہ بڑھیں بہت دباؤ لگایا۔ صدر اعظم نے انگریزی تعلیم انگلستان میں پائی تھی۔ دول یورپ سے سلطان کے تعلقات اس نے قائم کرائے۔

سفر یورپ | سلطان روشن خیال تھا۔ اپنے ملک کو یورپین ممالک کی مانند بنانا چاہتا تھا۔ اس نے خود یورپ کی سیر کا ارادہ کیا۔

پہلے مصر تشریف لے گیا وہاں خدیو نے سلطان کے شایان شان استقبال کیا۔ پھر فرانس ۱۸۶۷ء میں سلطان تشریف لے گئے۔ پیرس میں امپرنیو ملین کے ساتھ کھانے اور تمام جلسوں میں شریک رہے وہاں سے لندن گئے مملکت

و کٹوریہ سے ملاقات ہوئی۔ ملکہ نے سلطان کی بے حد مدارات کی۔ دورانِ قیام لندن میں سلطان بیوہ لارڈ پالمرسٹن کے گھر تشریف لے گئے۔ لارڈ موصوف نے کریمیا کی لڑائی میں ترکوں کی حمایت کی تھی اور انگلستان سے فوجی امداد پہنچائی تھی۔ چنانچہ لارڈ مرچلے تھے اس لئے سلطان اس کے شوہر کا شکریہ ادا کرنے اس سے گئے تھے یہ تھا سلطان کا اخلاق۔

وزیر ہندوستان سر اسٹافورڈ نورڈ ہاؤس نے انڈیا آفس میں سلطان کی دعوت کی۔ وہاں بھی تشریف لے گئے اور انڈیا آفس کو عزت بخشی۔ یہاں سے رخصت ہو کر ویا نا گئے۔ پھر آستانہ کوٹ آئے۔ امرائے سلطنت اور شہزادے بھی ہم سفر تھے۔

۱۸۷۸ء میں پرنس آف ویلز ولی عہد ملکہ و کٹوریہ معہ اپنی بیگم کے قسطنطنیہ آئے سلطان کے مہمان ہوئے۔ اس کے بعد امپریس آف فرانس سلطان کے یہاں آئیں۔ پھر امپریز جوزف شہنشاہ آسٹریا سلطان کے مہمان ہوئے۔ سلطان نے اپنے خاص محل میں شہنشاہ کو ٹھہرایا۔ دن رات باہم صحبت رہی۔ سلطان کا نماز پڑھنا اور شہنشاہ آسٹریا کا چرچ میں جانا، مسلمان اور عیسائی ہونا بتاتا تھا۔ اس کے سوا کچھ فرق نہ تھا۔

دولِ یورپ کے تعلقات کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان زیادہ اسراف بے جا کرنے لگا۔ اس کی اس فضول خرچی کا اثر ملک کے خزانے پر پڑا۔ ادھر سلطان نے دول سے قرضہ لے لیا۔ یہ حکومت پر بڑا بار تھا۔ اس کے سوا مغربی تمدن کی ہوا لگی تو بجائے ملک کی طرف توجہ کرنے کے عیش و عشرت کی طرف ماعجب ہو گئے۔ صدر اعظم کی یکایک وفات نے اور محمود ندیم پاشا کے صدر اعظم ہونے سے بدظمی ممالک میں دو بالا ہو گئی۔

پھر کیا تھی رشوت اور غبن کی گرم بازاری شروع ہو گئی عہدے اور مناصب قیمتا فروخت ہونے لگے۔ اس سے بڑھ کر جا بجا فتنے اور ہنگامے برپا ہو گئے۔

چنانچہ بوسینیا اور ہرنزی گونینا میں نصرانیوں نے ہزار ہا مسلمان شہید کر دیئے مگر سلطان سے کچھ بنائے نہیں بنتی تھی۔

سلطان اس درمیان میں روسی سفیر اگنا تیف کے ساتھ ایک معاہدہ کی فکر میں تھا۔ کیونکہ اس کا خیال تھا کہ روس کا اتحاد بہ نسبت دیگر دول یورپ کے دولت علیہ کے لئے زیادہ مفید ہے۔ اس لئے سفیر مذکور کی باتوں میں آکر سلطان نے بغاوت کی طرف زیادہ توجہ نہ کی۔ یہاں تک کہ وہ جبل استود مرہیا اور بلغاریہ تک بغاوت کی آگ پھیل گئی اور لاکھوں مسلمان سلطان کی غفلت سے شہید کر دیئے گئے۔ سلاویک میں ایک بلغاری لڑکی مسلمان ہو گئی جس کو جرمن سفیر نے بہکا دیا تھا۔ وہاں کے مسلمانوں نے سفیر مذکور کو قتل کر ڈالا۔

اس واقعہ پر جرمنی اور اس کے حمایتی فرانس نے اپنے جنگی جہاز حدود سلطنت عثمانیہ میں بھیج دیئے اور سلطان سے قاتلوں اور ذمہ دار حکام کی معزولی کے طالب ہوئے۔ سلطان نے یہ رنگ دیکھ کر ان کے مطالبات پورے کر دیئے۔

معزولی سلطان آستانہ میں اس خبر سے ہیجان پیدا ہو گیا اور علماء و طلباء نے میدان فاتح میں مجتمع ہو کر اجنبی حکومتوں کی مداخلت کے خلاف آواز بلند کی اور محمود ندیم پاشا کی برطرفی کے طالب ہوئے۔ سلطان نے منظور کر لیا۔ مگر اس سے بھی عوام کے جوش ٹھنڈے نہ ہوئے تو صدر اعظم رشیدی پاشا، سر عسکر حسین عوفی پاشا اور شیخ الاسلام حسن خیر اللہ آفندی نے باہمی مشورے سے یہ طے کیا کہ اب ملک میں امن جب ہی ہو سکتا ہے کہ سلطان عبدالعزیز کو معزول کیا جائے اور مراد خامس کو سلطان بنایا جائے۔ چنانچہ سلیمان پاشا ناظر مکتب حربی نے اپنے طلباء کو لے جا کر قصر کا احاطہ کر لیا اسکے بعد جلوس کی توپیں سر کرنی شروع کیں سلطان متفکر ہوا اور اس نے تخت سلطنت علیحدگی منظور کی اور قصر چراغاں چلے گئے۔

وفات سلطان کو اس واقعہ کا صدمہ بہت ہوا۔ اس نے محل کی لونڈی سے چینی منگوا کر اپنی رگ اکھ کاٹ لی۔ خون اس قدر بہا کہ مر گیا۔

سُلطان مُراد خامس

نام و نسب | مراد پسر سلطان عبدالمجید ابن سلطان محمود عثمانی -

ولادت | ۲۵ رجب ۱۲۵۶ھ میں پیدا ہوا۔

تختِ خلافت | ۷ جمادی الاول ۱۲۹۳ھ کو مراد سلطان عبدالعزیز کی معزولی کے بعد سربراہ آراء تختِ خلافت ہوا۔

وقائع | سلطان نے عمان حکومت ہاتھ میں لے کر بلقان میں نہرانیوں نے جو فتنے برپا کر رکھے تھے اُن کے استیصال کے لئے ایک فوج بھر کر لگی امیر العسکر بھیجی جس نے پہنچ کر کمرشوں کی گوشمالی کی اور سرہیا کے حکمران پرنس میلان کو میدانِ جنگ میں شکست دے کر اس کے سب سے محفوظ مقام کسانخ کو لے لیا۔ جب ترکوں کی فاسخانہ دوش کو پرنس میلان نے دیکھا اس کو اپنی موت دکھائی دینے لگی تو اس نے دولِ یورپ کو بیچ میں ڈال کر مصالحت کی کوشش کی۔ مراد جس روز تخت نشین ہوا، اس کے دوسرے دن سلطان عبدالعزیز کے حاجب حسن بک چرکس نے اپنے آقا کے انتقام کے لئے مجلسِ وکلاء میں آکر تینچہ سے سرِ عسکر حسین پاشا اور صدر اعظم رشیدی پاشا کو گولی کا نشانہ بنایا۔ احمد پاشا وزیر بھی لپیٹ میں تھا مگر اس کی جان تو بچ گئی لیکن زخمی ہو گیا۔

سلطان مراد کو مالیخولیا کا عارضہ تھا، وزراء نے تین ماہ تک علاج کرایا مگر حالت نہ سدھری، شیخ الاسلام کی منظوری سے اس کو تخت سے اتار کر عبدالحمید کو بٹھایا۔

وفات | معزولی کے بعد مراد قصر چراغاں میں مقیم رہا۔ وہیں ۱۳۳۲ھ میں وفات پائی۔

سُلطان عبد الحمید ثانی

نام و نسب | عبد الحمید ابن سلطان عبد المجید۔

تخت سلطنت | عبد الحمید اپنے بھائی سلطان مراد کے خلع کے بعد ۱۲۹۳ھ میں سریرِ آدائے سلطنت ہوا۔

ملک کی حالت | قمر و نئے عثمانیہ، دولِ یورپ کی دسیسہ کاریوں کا آماجگاہ بنا ہوا تھا جس سے ملک کی حالت نہایت مضطرب تھی۔ کیونکہ دولِ یورپ نصاریٰ کی حمایت کے بہانے سے مداخلت کر رہی تھیں۔ انگلستان اور روس بلقان کی ریاستوں کے بعض معاملات کو سلجھانے کے لئے اپنے سفراء کے ذریعے آستانہ میں مؤتمر منعقد کئے ہوئے تھے۔

دستور کا اعلان | مدحت پاشا اپنے زمانہ میں اعلیٰ سیاسی دماغ رکھتا تھا۔ اس نے وقت کے تقاضے سے حکومت کے لئے دستور بنایا اور سلطان عبد الحمید کو اس کے اعلان کے لئے رضامند کر لیا۔ چنانچہ سلطان نے دوبار عام کر کے دستوری حکومت کا اعلان کیا تاکہ مساوات اور حریت عام عطا کرنے سے اجنبی مداخلتوں سے نجات مل سکے۔ اس اعلان سے سلطنتِ ترکیہ

۱۵ تاریخ الاتراک العثمانین از حسین بعیب ممری ص ۱۵۰

میں جوش و مسرت کی لہر دوڑ گئی مگر اس کا اثر مؤثر نہ ہو کر پُر پڑا۔

جنگِ پلوونا | اُس نے اپنے اغراض پورے کرنا چاہے۔ چنانچہ مؤثر منعقدہ

آستانہ نے ایسی سخت شرطیں پیش کیں جن کا قبول کرنا دولتِ علیہ کے لئے ممکن نہ تھا۔ اگر منظور کرتے ہیں تیار ہو جاتے ہیں اس لئے بابِ عالی نے انکار کر دیا۔ روس نے جل کر لشکر کشی کی اور فوجیں اس کی دریائے طونہ سے گزر کر پلوونا تک آگئیں اور غازی عثمان پاشا کو چاروں طرف سے محصور کر لیا۔ جب سامانِ رسد نہ پہنچ سکا اس وقت بجائے ہتھیار ڈال دینے کے غازی موصوف اپنی ترکِ فوج لے کر مقابلہ کے لئے نکلے اور اس بے جگری کے ساتھ لڑتے ہوئے چلے کہ قریب تھا کہ روسی فوجوں کو چیرتے ہوئے باہر آجائیں۔ لیکن اسی حالت میں بولونیا کی ایک لاکھ تازہ دم فوجیں آگئیں اور غازی موصوف کے پاؤں میں گولی لگی۔ گھوڑا بھی زخمی ہو کر گر گیا جس کی وجہ سے غازی موصوف گرفتار ہو گئے۔

غرضیکہ روسی فوجیں سین اسٹی قانونیک جو آستانہ کے متصل ایک مقام ہے، آگئیں۔ اس وقت دولِ یورپ کو خطرہ لاحق ہوا اُس نے روس کو آگے بڑھنے سے روک دیا اور وہاں ایک معاہدہ فریقین میں لکھوا دیا جو معاہدہ سینٹ اسٹیفانو کے نام سے مشہور ہے۔

اس عہد نامہ میں دریائے طونہ سے لے کر بحیرہ مرمرہ تک کا علاقہ بلغاریہ کو دیا گیا تھا جس پر انگلستان اور آسٹریا بگڑ بیٹھے۔ اس وجہ سے برلن میں پرنس بسمارک کی صدارت میں پھر سفراءِ دول کی ایک مؤثر منعقد ہوئی جس میں یہ طے پایا۔ اردہان باطوم اور قلعہ قازس روس کے حوالے کئے گئے۔ بلغاریہ ایک جدا گانہ ریاست بنا کر بابِ عالی کے تابع کر دی گئی۔ رومانیہ، سربیا اور قرقاطاغ مستقل ریاستیں قرار دی گئیں اور تسالیا یونان کو دیا گیا۔

یہ بھی معاہدہ برلن کی حقیقت، سلطان عبدالحمید نے اس معاہدہ کے بعد

دستوری حکومت توڑ دی اور اصلاح پسندوں کو جو دستوری حکومت کے حامی تھے، ملک بدر ہونے کا حکم دے دیا۔

انگلستان کے مدبرین نے دیکھا کہ ترکی کے علاقہ سے کچھ اپنے لئے بھی تو ہونا چاہیئے۔ چنانچہ اس نے ترکوں کو روس کا ہوا دکھا کر کہ وہ روز بروز ایک طرف آستانہ سے، دوسری طرف دریائے دجلہ و فرات کے منبعوں پر قبضہ کر کے بغداد اور بصرہ سے قریب ہوتا جاتا ہے جس سے ہندوستان کے لئے خطرہ عظیم ہے۔ چنانچہ باب عالی میں انگلستان نے اپنے سفیر مٹر لیڈ کے توسط سے ایک دفاعی معاہدہ کی خواہش ظاہر کی تاکہ روس کے مشرقی مطامع کو کسی عنوان روک دیا جائے۔ اور اس کے عوض میں جزیرہ قبرص کی درخواست کی تاکہ وہاں انگریزی فوجیں رہیں جو بوقت ضرورت روس کی پیش قدمی روکنے کے لئے محاذ پر پہنچ سکیں۔

یہ سلسلہ گفتگو جاری تھا کہ اس درمیان میں صفوت پاشا صدارت عظمیٰ کے منصب پر فائز ہوا۔ وہ انگلستان سے میل کر گیا اور اس نے ۴ جون ۱۸۷۸ء میں اس معاہدہ کی سلطان سے تکمیل کرا دی۔ انگریز نے اس چال سے بلا لٹے پھڑے قبرص ہتھ لیا۔

انگلستان کے اس کا دنا مہ سے آگے رہنے کے لئے فرانس نے ٹونس پر قبضہ کرنا چاہا اور بھانہ یہ کیا کہ الجزائر کے قریب کے کسی قبیلے نے حدود فرانس میں دست درازی کی۔ لہذا یہ بڑا جرم تھا اس لئے ضروری ہوا کہ ٹونس پر الجزائر کے بعد قبضہ کر کے ہر دو خطہ شامل کر لئے جائیں۔ چنانچہ ٹونس اس طرح ترکوں کے قبضہ سے نکال لیا گیا اور اہل ٹونس فرانس کے غلامی میں آ گئے۔

کوالٹ مصر | انگریز کی نگاہیں مصر پر عرصہ دراز سے لگی ہوئی تھیں صرف موقع کی تلاش تھی۔ محمد علی پاشا خدیو مصر کے جانشینوں نے مصر میں دول اجتبیہ سے قرض لے کر نہر سوئز کھدوائی اور اپنے ملک میں بہت سی اصلاحات بھی کیں جس کی وجہ سے ملک ایک اہم تجارتی مرکز بن گیا۔ مگر

قرضہ ادا نہ ہو سکا اور نہ اس کی ادائیگی کی سبیل کی گئی۔ آخر شش مغربی دول نے صیغہ مال پر اپنی نگرانی جبریہ شروع کر دی۔ اس واقعہ سے نوجوانانِ مصر میں بیداری کے لہر پیدا ہو گئی اور انہوں نے ایک وطنی جماعت کی تشکیل کر لی۔ جس کی قیادت زعیم ملت اعرابی پاشا نے کی۔ اس جماعت نے دولِ یورپ کے خلاف مظاہرے شروع کر دیئے۔ فرانس اور انگلستان نے اس وطنی تحریک کو کچلنے اور دبانے کے لئے اپنے اپنے جنگی بیڑے مصر بھیج دیئے۔ اس سے وطنی جماعت میں شورش اور بڑھ گئی۔ انہوں نے مصر میں جو مغربی اقوام لہتی تھیں ان کو تہ تیغ کرنا شروع کیا۔ کیونکہ انہی لوگوں نے ان ہر دو دول سے سازش کر رکھی تھی۔

غرضیکہ انگریز نے اسکندریہ پر جہاز کی توپوں کے سایہ میں قبضہ کر لیا اور ایک فوج گراں نہر سوز کے متصل اتادی جوتل کبیر کے نیچے اعرابی پاشا کی جماعت سے دو دو ہاتھ کرتی ہوئی قاہرہ میں کامرانی سے داخل ہوئی۔ غرضیکہ مصر انگریزوں کے قبضہ و تصرف میں ہو گیا اور بُری طرح انتقاماً مصریوں کو ذبح کیا گیا۔ بچے بوڑھے، عورت، مرد سب تہ تیغ کئے گئے۔

اس واقعہ نے سوڈانیوں میں اضطراب کی لہر پیدا کر دی۔ وہ بھی انگریزوں کے ظلم و ستم سے واقف ہو کر اُن کے خون کے پیاسے ہو گئے اور سوڈانیوں میں بھی ایک مجاہدانہ وطن کی جماعت تیار ہو گئی اور اس کی قیادت ایک عظیم المرتبت شخصیت احمد نامی نے کی۔ عبادت گزادی سے وہ مہدی سوڈانی مشہور تھا۔ جوق در جوق انگریز سے جہاد کے لئے اس کے جھنڈے تلے آجے ہوئے۔ انگریز نے مصر پر اکتفا نہ کیا بلکہ سوڈان پر بھی قبضہ کرنا چاہا اور آگے بڑھے۔ مہدی کی جماعت نے بُری طرح انگریزی فوج کی پٹائی کی اور خرطوم میں پہنچ کر گاڈن پاشا اور اُس کے سارے لشکر کو قتل کر ڈالا۔

انگریزوں نے دوسری فوج لاڈ کچز کی سرکردگی میں بھیجی اُس نے سوڈانیوں میں دو پہیہ پیسہ کی بادش کر کے بہت سے اُمراء سوڈان کو جہان سے میں لایا۔ تین

سال تک وطنی جماعت نے جنگ کی، مگر غداروں کی بدولت مہدی سوڈانی کی جماعت کو شکست ہوئی اور کچرنے فرطوم پر قبضہ کیا۔ مہدی کا وصال ہو چکا تھا۔ اس کی لاش قبر سے نکال کر پائمال کی گئی اور اس کی ہڈی بطور نشانی لارڈ نے اپنی گھڑی میں آویزاں کی۔ یہ ایک مہذب ملک کے لارڈ کا کارنامہ ہے۔ سوڈان کے بعد فٹوہ انگریزوں کے قبضہ میں آ گیا۔

شرقی روم اہلی کی بغاوت | برلن کانفرنس میں دول مغرب نے یہ طے کیا تھا کہ شرقی روم اہلی کا والی عیسائی ہوا کرے۔ ۱۸۸۵ء میں اہل شرقی روم اہلی نے دول یورپ کے بھڑکانے سے یہ آواز اٹھائی کہ ہمارا علاقہ بلغاریہ سے ملحق کر دیا جائے اور بغاوت کر دی۔ غازیل پاشا والی کو گرفتار کر لیا اور آستانہ بھیج دیا اور پرنس بائمبرگ کو اپنا حکمران بنا کر بلغاریہ سے الحاق کا اعلان کر دیا۔ ترکوں میں کچھ جان نہ تھی تو دیکھتے دیکھتے رہ گئے۔

اب اہل مغرب کی نگاہ آرمینیہ پر اٹھی۔ کیونکہ نام نہاد برلن کانفرنس میں ایک شرط آرمینیہ کی اصلاحات کے متعلق بھی تھی۔ مگر سلطان عبدالحمید نے وعدہ ایقانہ کیا۔ آرمینیوں نے ظلم و ستم کی داستانیں گڑھ کر دول یورپ کو بھیجیں اور پھر ملک میں بغاوت کر دی۔ اس میں سخت خونریزی ہوئی اور ۱۸۹۵ء میں خود آستانہ میں ان آرمینیوں نے شورش گھڑی کر دی جس میں صد ہا قتل ہوئے۔ اہل یورپ کو موقع ہاتھ لگا۔ ان کی حمایت کے لئے آواز اٹھائی لیکن سلطان نے کوئی توجہ نہ کی۔ صبر کر کے رہ گئے اور موقع کے منتظر رہے۔

کریٹ | ۱۳۱۳ء میں کریٹ والوں کی طلب پر دول یورپ نے اپنے جنگی جہاز اس جزیرہ پر بھیج دیئے اور باب عالی سے مطالبہ کیا کہ اس کا والی مقرر کیا جائے۔ اس زمانے میں یانیہ پر یونان کے ولی عہد قسطنطین نے لشکر کشی کی۔ ادھم پاشا نے اس پر نمایاں فتح حاصل کی۔ مگر دول یورپ نے ترکوں کو اس کے ثمرہ سے متمتع نہ ہونے دیا۔ بلکہ کریٹ

سے بھی عثمانی فوجوں کو نکال دیا اور روس اور انگلستان، فرانس اور اطالیہ نے اپنی حمایت میں لے لیا۔

ترکوں میں سیاسی بیداری | سلطان سیاست میں کامل تھا مگر اس میں استبداد بہت تھا اور وہ بعض اوقات دول یورپ کے دباؤ میں آجاتا تھا۔ اس سے بڑھ کر اس کے عہد میں حکومت کی بہادی قوت خود اس کی ذات میں جذب ہو کر رہ گئی تھی۔ باب عالی بے دست و پا ہو گیا تھا اس وجہ سے ملک میں سخت ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ رشوت کا بازار گرم تھا۔ سلطان نے جاسوسی کا نظام پھیلا رکھا تھا۔ ان کی جھوٹی سیٹی رپورٹوں نے سلطنت کا سارا نظام مختل کر دیا تھا۔

دول یورپ جن کی طاقتیں عظیم الشان تھیں وہ سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کرنے میں دن رات لگی ہوئی تھیں اور وزیرِ سلطنت عثمانیہ کو انہوں نے دولت کی چاٹ لگا کر گانٹھ رکھا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر حامیانِ اصلاح اور بھی خواہانِ ملک نے ایک مخفی انجمن ”جوانِ ترک“ کے نام سے قائم کی۔ مخفی اس لئے اس کو رکھا کہ مدحت پاشا کے ساتھیوں کو سلطان نے ملک بدر کر دیا تھا۔ نوجوان ترکوں میں نیازی بیک اور انور بیک اور کمال پاشا پیش پیش تھے۔ شاہِ انگلستان ایڈورڈ ہفتم اور زارِ روس نے مل کر دولتِ عثمانیہ کی تقسیم کی تجویز پختہ کر لی۔ اس وقت نیازی بیک اور انور بیک نے جوڑنا تو ترکی افواج کو ملا کر دستور کے مطالبہ کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

سلطان عبدالحمید نے اس بغاوت کے انجام کے خطرے سے جو اس کی ذات کے خلاف تھی۔ ۱۳۲۴ھ میں پھر دستور کا اعلان کر دیا۔ آگے اس کی تفصیل کمال پاشا کے بیان میں آتی ہے۔

سلطان کی مساعی یہ رہیں کہ اپنے اقتدار کی خاطر عالمِ اسلامی سے تعلق قائم کیا اور خلافت کی اُٹے کر مسلمانانِ عالم کو اپنا ہوا خواہ بنا لیا۔ علامہ سید جمال الدین افغانی

کی خدمات حاصل کیں۔ انہوں نے عبدالحمید کے اقتدار کے لئے پان اسلام ازم کا مسئلہ چھوڑا۔ علامہ نیک نیت لکھتا تھا۔ وہ خلافت مآب کے پردہ میں عالم اسلامی کو ایک مرکز سے منسلک کرنا چاہتا تھا۔ مگر سلطان نے دیکھا کہ علامہ اس کے لئے زیادہ مفید ثابت نہ ہوئے تو ان کو نظر انداز کر دیا۔

سلطان کا کارنامہ حجاز دہیلوے اور علمی ترقی ہے۔ اس نے مغربی علوم و فنون سے بڑی دلچسپی لی۔ اس کے عہد میں صد ہا کتابیں ترکی زبان میں منتقل ہوئیں۔

بطلِ حریتِ مدحت پاشا

مدحت پاشا ابن حاجی علی آفندی ۱۸۲۲ء میں پیدا ہوئے۔ دسی تعلیم پائی۔ کچھ عرصہ صدارتِ عظمیٰ کے محکمہ کے سیکرٹری رہے۔ پھر سامی بکر پاشا نے اپنے پاس بلا لیا۔ یہاں سے وزیرِ اعظم رشید پاشا کی طلبی پر گئے۔ اس نے مجلسِ عالی کے سیکرٹری کے عہدہ پر مرفراز کیا۔ عالی پاشا جب صدرِ اعظم ہوئے، مدحت پاشا کو یورپ بھیجا اور جب مسئلہ بلقان چھیڑا تو ان سے مشورہ لیا گیا۔ بغداد میں اصلاحات کیں۔ بغداد و کاظمیہ کے درمیان ٹرمیوے جاری کرائی۔

کپڑا بننے کے کارخانے کھولے، قصبات میں مدارس، شفاخانے اور بنک کھولے۔ ایک مطبع کھولا جس میں اخبار الزوراء چھپتا تھا۔ اس زمانے میں پٹرول کی کانیں دریافت ہوئیں۔ سلطان عبدالعزیز کے عہد میں وزارت کے عہدے پر مرفراز ہوئے۔ عبدالحمید خاں کے زمانے میں بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ شمرہ یہ دیا گیا کہ مئی ۱۸۸۳ء کو گلا گھونٹ دیا گیا۔ مدحت پاشا کے فرزند رشید علی حیدر نے سواختمری لکھی ہے۔

علامہ جمال الدین افغانی

علامہ سید جمال الدین افغانی اسعد آباد میں ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوئے۔ آپ

کے والد سید صفدر نبیرہ سید علی ترمذی محدث متوفی ۱۳۷۹ھ تھے۔

اٹھارہ برس کی عمر میں علوم عربیہ کی تحصیل سے فراغت پائی۔ اس کے بعد ہندوستان آئے۔ ڈیڑھ سال یہاں رہے ۱۳۵۵ھ میں مکہ معظمہ جا چکے تھے۔ اس کے بعد افغانستان گئے امیر دوست محمد خاں کے مصاحب ہو گئے ۱۸۶۲ء میں دوست محمد کا انتقال ہوا تو اس کے لڑکوں محمد اعظم اور شیر علی میں جنگ چھڑ گئی۔ محمد اعظم کے ساتھ آپ ہو گئے۔ کامیابی پر اس نے ان کو معتمد علیہ وزیر بنادیا۔ انگریزوں نے شیر علی کی مدد کی، محمد اعظم مقابلہ پر شکست کھا گیا۔

علامہ نے یہ رنگ دیکھ کر حج کا ارادہ کیا۔ ۱۸۶۹ء میں ہندوستان آئے۔ یہاں سے مصر گئے۔ قاہرہ میں قیام کیا، پھر آستانہ روانہ ہو گئے۔ سلطان عبدالحمید نے آپ کا شاندار خیر مقدم کیا۔ شیخ الاسلام آپ کا مخالف ہو گیا۔ ۱۳۸۵ھ کے آخر میں مدیر جامعہ ترکیہ نے آپ کو دعوت دی کہ طلباء کو ترغیب دینے کے لئے صناعات پر تقریر کریں۔ علامہ نے نہایت احتیاط سے تقریر کی۔ مگر شیخ الاسلام نے تقریر کے بعض جملوں کو گرفت کر لیا۔ الزام دھرنا شروع کیا۔ ملک میں اس سے اضطراب پیدا ہو گیا۔ حکومت نے ملک چھوڑ دینے کا مطالبہ کیا تو ۲۲ مارچ ۱۸۷۱ء کو قاہرہ آ گئے۔ یہاں وزیر اعظم ریاض پاشا نے ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا۔ آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ مگر طلباء میں علمی لیاقت کے ساتھ سیاسی بیداری کی روح پیدا ہونے لگی۔ انگریز کھٹک گیا۔ ادھر اہل ملک نے خدیو اسماعیل کو معزول کرنے پر مجبور کیا یہ اس کے بعد توفیق پاشا ۲۵ جون ۱۸۷۹ء کو تخت مصر پر رونق افروز ہوا۔ پہلے وہ علامہ کا معتقد تھا پھر وہ آپ سے برگشتہ ہو گیا۔ اس نے ستمبر ۱۸۷۹ء کو حکم صادر کیا کہ علامہ

۱۔ انقلاب ایران صفحہ ۸ از براؤں -

۲۔ مصر کی پراسرار تاریخ - از مسٹر بلنٹ صفحہ ۱۰۱ -

مصر سے نکل جائیں یہ

اس کے بعد پھر ہندوستان آئے، حیدر آباد مقیم ہوئے۔ مگر مصری نوجوانوں میں انقلابی تحریک پیدا ہو چکی تھی۔ ادھر مصر پر انگریز کا قبضہ ہو چکا تھا اس نے حیدر آباد سے علامہ کو بلا کر حکومت میں نظر بند کر دیا۔ آپ نے اجازت لے کر لندن کا سفر اختیار کیا۔ چند دن رہ کر پیرس گئے۔ یہاں تین سال رہے۔ ان کے شاگرد محمد عبیدہ مصری بھی پہنچ گئے۔ العروة الوثقیٰ رسالہ یہاں سے جاری کیا جس میں انگریزوں کے استبداد پر مہفون ہوتے تھے۔ پہلا نمبر ہرجادی الاولیٰ ۱۳۱۳ھ میں شائع ہوا۔ اٹھارہ نمبر نکلے۔ ۱۶ اکتوبر ۱۸۸۳ء میں آخری پرچہ نکلا۔ برطانیہ نے ہندوستان اور مصر میں ممنوع قرار دیدیا۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام عالم اسلامی میں وطنیت اور اتحاد کی روح اس رسالہ سے بیدار ہو گئی یہ

یہاں سے روس گئے چار سال رہے۔ پھر ایران گئے۔ شاہ نصیر الدین نے۔ یورپ میں دوران سیاحت میں دعوت دی تھی۔ جب ایران پہنچے، شاہ نے درجنگ مقرر کر دیا۔ مگر عوام کی رجوعات سے گھبرا کر شاہ نے نظریں پھیر لیں تو اس سے اجازت لے کر روس چلے گئے۔ پھر ۱۸۹۰ء میں ایران آئے اور شاہ عبدالعظیم میں مقیم ہوئے۔ بادشاہ سے اور آپ سے تعلقات بہت بگڑ چکے تھے۔ آپ نے مجتہدین ایران کو نامہ و پیام سے اپنا لیا اور علانیہ بادشاہ کو معزول کرنے کی دعوت دینی شروع کر دی۔ آپ کا نفوذ و اثر تمام جماعتوں میں ترقی پا گیا۔ اندرونی انقلاب میں جو بعد میں ایران میں برپا ہوا، علامہ کے بارہ شاگردوں کا کافی حصہ تھا۔ ایک شخص مرزا رفعا کرمانی نے آپ کے مخالف بادشاہ کا ۱۸۹۶ء میں کام تمام کر دیا۔ یہ حکومت نے آپ کو سلطنت عثمانیہ کے حدود سے نکال دیا۔ اب بھر

۱۔ المنار جلد ۸ ص ۵۰ ۲۔ ایضاً ص ۵۴ ۳۔ انقلاب ایران ص ۶۷ -

میں رہے، پھر لندن گئے۔ وہاں سے ۱۸۹۳ء میں آستانہ پہنچ گئے۔ یہاں سلطان عبدالحمید کی زیر حمایت تکریم و تعظیم کے ساتھ خوشگوار زندگی بسر کرتے رہے۔ مگر سلطان بھی ان سے کھٹکتا ہی رہا۔ وہیں سلطنتِ مصر میں مبتلا ہوئے اور ۱۹ مارچ ۱۸۹۷ء میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

عبدالقادر الجزائر

بحیرہ روم کے جنوبی ساحل ممالک البحر میں شہر معسکرہ میں ۱۸۰۷ء میں عبدالقادر پیدا ہوا جو مرابطین کی نسل سے تھا۔ جید عالم تھا۔ فرانس نے الجزائر پر قبضہ کر کے ظلم توڑنے شروع کر دیئے۔ عبدالقادر نے ۱۸۳۲ء میں آوازِ مخالفت اٹھائی۔ دس ہزار مجاہد جمع ہوئے۔ آخر ۱۸۳۴ء میں معاہدہ ہو گیا۔ پہلے مفتی تھا پھر حکمران بن گیا، معسکرہ اور ان کا۔ پھر ۱۸۴۷ء میں فرانس نے حملہ کر دیا۔ جس میں گرفتار ہو گیا اور جلا وطن کر کے طولون کے قلعہ میں قید کر دیا۔ چار سال قید رہا۔ پھر شاہِ فرانس لوئی نپولین نے آزاد کر دیا اور وہاں سے بروسہ، پھر قسطنطنیہ چلا گیا۔ ۱۸۶۳ء میں حج کیا۔ ۱۸۶۷ء میں فرانس گیا۔ پھر آخر عمر میں مکہ جا کر ۱۸۷۳ء میں فوت ہو گیا۔

بطلِ حریتِ مصطفیٰ کمال پاشا

مصطفیٰ کمال کے والد کا نام علی رضا تھا جو ایک عرصہ تک سالونیکا میں جنگی کے محرم رہے۔ پھر لکڑی کی تجارت کرنے لگے۔ اس کی بیوی زبیدہ ترک خاتون تھی جس کے لطن سے ۱۵ مارچ ۱۸۸۱ء میں مصطفیٰ کمال پیدا ہوا۔

تعلیم و تربیت | مصطفیٰ کو تعلیم دینی حاصل کرنے کے لئے مسجد کے مکتب میں بٹھایا۔ ایک سال میں مصطفیٰ سے ہونہار بچے نے اچھی خاصی دینی تعلیم پائی۔ پھر مدرسہ شمس آفندی میں داخل کر دیا۔ اسی زمانے

میں علی رضا کا انتقال ہو گیا تو زبیدہ کے بھائی نے اپنی بہن اور مصطفیٰ کی کفالت کا ذمہ لے لیا اور سالونیکا کے بڑے مدرسہ میں بٹھا دیا۔ مگر مصطفیٰ کا جی نہ لگا۔ طبیعت میں سپاہی بننے کا ولولہ تھا۔ اپنے والد کے ملنے والے کے ذریعہ فوجی مدرسہ کا امتحان پاس کر کے وہاں داخل ہو گیا۔ یہاں مصطفیٰ کی توجہ کا خاص مرکز علم حساب تھا۔ حساب میں وہ اتنا طاق ہو گیا کہ اُستاد کی عدم موجودگی میں اپنی جماعت کے طلباء کو حساب سکھایا کرتا۔ ایک دن مصطفیٰ نے ایک ادق سوال حل کیا۔ اُستاد اس کی ذہانت پر بے حد خوش ہوا اور کمال محبت سے کہا کہ مصطفیٰ اس علم میں کمال حاصل کر لے گا۔ اس دن سے وہ مصطفیٰ کمال کے نام سے مشہور ہو گیا۔ یہاں سے حربی کالج میں داخل ہو کر مصطفیٰ مناسٹر چل گیا۔

سالونیکا کے قیام میں ترک نوجوان فتحی بے سے تعلقات ہو گئے وہ وطن پرست تھا جس کی محبت سے مصطفیٰ پر بھی وطنیت کا رنگ چڑھنے لگا۔ مناسٹر میں ریاضی اور فرانسیسی زبان پر خاص زور دیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس کی حساب دانی یہاں بہت کام آئی، وہ طلباء پر فائق رہا۔ فرانسیسی زبان پر بھی اچھا عبور حاصل کر لیا۔ جب چھٹیوں میں وطن سالونیکا آیا تو اس نے فرانسیسی ادب کے مطالعہ کے خیال سے مشہور انقلابی والٹیر، روسو، جان جیک اور ڈکٹر ہیگو کی جذبات انگیز کتابیں منتخب کیں اور ایام رخصت میں دیکھ ڈالیں جس کا اثر یہ ہوا کہ وہ خود انقلابی مصنف بننے کا ارادہ کرنے لگا۔

تعطیلات گزرنے کے بعد جب وہ مناسٹر واپس آیا تو اس کی ملاقات ترکی کے ایک مشہور شاعر عمر آفندی ناجی سے ہوئی جس کی وجہ سے وہ ترکی ادبیات کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ترکی کے شاعر انقلاب نامق کمال کی نظموں کا مطالعہ کیا جس نے اتاترک میں انقلابی رنگ بہت زیادہ پیدا کر دیا اور وہ خود انقلابی شعر گو ہو گیا۔ اس نے سلطان عبدالحمید کے استبداد اور مظالم کے خلاف ایک نظم لکھی جس نے

بڑی قبولیت حاصل کی۔

شعر گوئی کی وجہ سے اس کو جلسوں میں بلایا جانے لگا جہاں وہ نظمیں پڑھتا اور تقریریں کرتا جس سے حضار مجلس اس سے مانوس ہونے لگے اور اس کے جذبہ حریت کی قدر کرنے لگے۔ پھر تو ہر بڑے اجتماع میں اس کی پرسش ہونے لگی۔

اتاترک مغربی دسیسہ کاریوں سے آگاہ ہو چکا تھا اور وہ دیکھ رہا تھا کہ غیر ملکی طاقتیں کس طرح ترکی کی اندرونی سیاست پر حاوی ہو کر اُسے کچل دینا چاہتی ہیں۔ چنانچہ ایک اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے کھلے الفاظ میں خارجی طاقتوں کے خلاف زبردست نعرہ لگایا کہ :-
”ترکی ترکوں کے لئے ہے“

عامۃ الناس نے اس جوان العمر طالب علم کی اس جذبہ حریت خود اعتقاری کو سراہا اور اس کو اپنانا چاہا۔ یہی وہ وقت تھا کہ سلطان عبدالحمید کی خود سرانہ پالیسی کی وجہ سے دول یورپ فائدہ اٹھا رہی تھیں۔ اُن کی شر پر یونانی ترکوں کو کمزور و نحیف سمجھ کر جزیرہ کریٹ کے الحاق کا مطالبہ کر بیٹھے اور اس پر غاصبانہ قبضہ جمانے کے لئے اپنی عسکری قوت کو کریٹ کی طرف دھکیل دیا۔ کمال پاشا ان دنوں مناستر کے فوجی کالج میں زیر تعلیم تھا۔ نام نہاد ترکی حکومت دول یورپ کے متعلق اس خوش فہمی میں مبتلا تھی کہ یہ متمدن ممالک یونان کے اس وحشیانہ اقدام کی مذمت کریں گے۔ مگر اہل یورپ کے ضمیر میں رواداری کا عنصر یکسر مفقود ہے۔ یہ شریف صورت حکمران قطاع الطريق سے بھی بڑھ کر تھے۔ چنانچہ اس حکمران جبرگہ (دول یورپ) نے یونان کے اس انسانیت سوز فعل کی مذمت کرنے کی بجائے اس کی تائید و حمایت کی۔ دول مغرب خود اس بہانہ سے ترکی کے حصے بخرے کرنے پر تیار تھے اور ترکی کے فرمن نظم کو تباہ کرنے کے لئے انہیں ایک چنگاری اس موقع پر ہاتھ لگی تھی۔

یونان اپنی پوری قوت سے ترکی علاقہ میں آکودا اور کشت و خون کے دریا بہانے لگا۔ بوڑھے، بچے عورتیں تہ تیغ کرتے ہوئے قلمرو عثمانیہ میں یونان بڑھ رہا تھا۔ سلطان عبدالحمید بھی خواب غفلت سے بیدار ہوئے اور اس نے ایک مسلح فوج یونانی سپاہ کے مقابلہ پر روانہ کی۔ مناسٹر کے فوجی کالج کے طلباء محاذ جنگ پر خود جانے کو آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ یہ طلباء بھی بھیج دیئے گئے۔ ان میں سب کا سرگروہ مصطفیٰ کمال تھا۔ یہ جماعت کیریٹ سہنجی۔ کمال نے میدانِ حرب کا نقشہ دیکھا اور یونانی سپاہ پر ترکی فوج کو لے کر آپڑا۔ وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگے کمال مناسٹر لوٹ آیا۔ حربی کالج کے ذمہ دار ارکان نے مصطفیٰ کی سفارش کی اور اس کو قسطنطنیہ کے جامعہ حریمیہ میں داخل کر دیا گیا۔

کمال کی شہرت دن بدن بڑھ رہی تھی۔ سلطان نے بھی اپنے حضور میں طلب فرمایا۔ مگر کمال اپنے انقلابی خیال میں محو تھا۔ اتفاق یہ اس زمانہ میں ترکی کے آتش قلم مصنف نامق کمال کی کتاب ”وطن“ مصطفیٰ کمال کو مل گئی۔ یہ کتاب حریت و آزادی کے موضوع پر دل نوز ڈرامہ تھا۔ نامق ”وطن“ کی وجہ سے موردِ فخرِ سلطانی ہوا اور جان بچا کر لندن چلتا ہوا۔ ”وطن“ ضبط کر لی گئی اور جس شخص پر اس کے مطالعہ کا شبہ ہوتا وہ قتل کیا جاتا یا غرق بحرِ اسفوس کر دیا جاتا۔

کمال نے ”وطن“ کا غائر مطالعہ کیا جس سے سلطانی حکومت کے خلاف شدید جذباتِ تنفر پیدا ہو گیا۔ ۱۹۰۵ء میں اس نے جامعہ حریمیہ کو خیر باد کہا اور فوجی افسروں کے کالج میں داخل ہو گیا۔ یہاں کمال لفٹننٹ کے عہدہ پر فائز ہوا۔ مگر جہاں فنونِ حرب سے واقف ہو رہا تھا اپنے ساتھیوں کو اپنا ہمنوا بنا رہا تھا۔ زیادہ سے زیادہ طلباء خلیفہ کی مطلق العنانی اور شاہانہ اختیارات پر باہمی کڑی نکتہ چینی کیا کرتے۔ باب عالی کو خبر لگی جس پر کمال اور ان کے ساتھی سیاسی شکنجہ میں کس دیئے گئے۔ جج کے سامنے مقدمہ پیش ہوا

کمال نے اپنا مقدمہ خود لٹرا اور جو بحث کی اور دورانِ تقریر میں جن خیالات کا اظہار کیا، حج اور جیوری نے بے حد اثر لیا اور اُن کو چھوڑنا پڑا۔

مصطفیٰ نے انقلابی تقریروں کا سلسلہ شروع کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے ہم خیال صد ہا بن گئے۔

انجمن وطن | مصطفیٰ کے ہم جماعت فوجی افسر تھے اور ان پر انقلابی رنگ چڑھ چکا تھا۔ باہمی مشورہ سے انجمن وطن کی تشکیل بروئے عمل آئی۔ اس انجمن کا قائد خود مصطفیٰ کمال تھا۔

انجمن وطن کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ سلطان عبدالحمید کے وسیع اختیارات محدود کر کے پارلیمنٹ قائم کی جائے جو ملک کا نظم و نسق چلائے۔

انجمن کے زیرِ اہتمام جلسے کئے جانے لگے اور انجمن کی کارگزاری کی اشاعت کے لئے ”حریت“ نامی اخبار نکالا گیا، جس کا چیف ایڈیٹر کمال پاشا تھا۔ یہ اخبار ہفتہ سے لکھا جاتا اور بارہ سو حضرات کے پاس پہنچا دیا جاتا تھا۔

حریت کے مقالات نے ایک زبردست تحریک انقلابِ ترکی میں پیدا کر دی۔ اور بے شمار ترک خفیہ خفیہ ہی انجمن وطن کے ممبر بن گئے۔

سلطان کے جاسوسوں نے خلیفہ عبدالحمید کے پاس حریت کی کارگزاری مفصل رپورٹ کی صورت سے پیش کی۔ سلطان گھبرا گئے۔ فوجی کالج کے افسر علی پرنسپل رضا پاشا تھے اور ڈاکٹر کسٹرمیل حقی پاشا ان کو باغیانہ خیالات کا پتہ لگ چکا تھا۔ سلطان کی طلبی پر ہردو حاضر ہوئے۔ اسماعیل پاشا نے رضا پاشا سے کہا کہ سلطان معظم نے پرنسپلِ حریت کالج کو اس لئے طلب کیا ہے کہ افسرانِ فوج میں سلطان کے خلاف بغاوت پھیلانی جا رہی ہے۔

رضا پاشا نے اسماعیل حقی کو مرنے توڑ جواب دیا کہ وہ خاموش ہو گیا۔ سلطان بھی مطمئن ہو گیا مگر حقی پاشا خود کالج میں گیا اور حریت کے ایڈیٹر کی تلاش میں لگا۔ ہاں مگر پتہ نہ لگ سکا۔ کچھ عرصہ بعد رضا پاشا ایسے وقت پہنچا کہ کمال اور

اس کے ساتھی حریت کے لکھنے میں مشغول تھے مگر رمضان کے کچھ نکلا۔ البتہ کمال اور اس کے ساتھیوں پر یہ پابندی عائد کر دی کہ وہ فوجی سرحد سے باہر نہ جائیں۔ مگر کچھ دن بعد یہ پابندی ان سے اٹھالی گئی۔

مصطفیٰ کمال کی فوجی کالج کی تعلیم ختم ہوئی اور ان کو ”یوزباشی“ کے عہدے پر فائز کر دیا گیا۔ اب اس کی رہائش قسطنطنیہ کے ایک محلہ اسلام بول میں تھی۔

جمعیت حریت | انجمن وطن کا نام جمعیت حریت رکھ دیا گیا۔ اس زمانے میں کمال کی فتحی بے سے ملاقات ہوئی جو پرانا رفیق تھا۔

انور بے اور روسی سفیر کو وجاہت کی لڑکی سے ملنا ہوا۔ تبادلہ خیال ہوا۔ باب عالی نے مصطفیٰ کمال کی گرفتاری کا حکم نافذ کر دیا۔ جمعیت وطن کے دیگر ارکان بھی مع کمال کے گرفتار کر لئے گئے۔

انجمن وطن ایک طرف سیاسی سرگرمی کا مرکز بنی ہوئی تھی، دوسری طرف نوجوان ترک نے ایک انجمن کی تشکیل کی جس کا نام انجمن اتحاد و ترقی تھا۔ اس کے رکن انور بے جمال پاشا، طلعت بے نیازی بے تھا، اس کا مرکز سالونیکا تھا۔ انور بے اس جماعت کا قائد تھا۔ کمال نے بھی اس سے تعلق پیدا کر لیا۔ کیونکہ یہ جماعت بھی وہی کام انجام دینا چاہتی تھی جس میں کمال سرگرم سعی تھا۔ مگر کمال نے جو اپنی ہمنوا جماعت میں انقلابی روح پھونک دی تھی کمال کی گرفتاری سے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا بلکہ اُس کی شاخیں تمام مملکت میں قائم ہو گئیں۔ انجمن اتحاد و ترقی کے لوگ اب تک گرفتاری سے بچے ہوئے تھے انہوں نے اپنے دائرے کو بھی وسیع کرنا شروع کر دیا۔

سلطان نے انجمن وطن کو خلافت قانون قرار دے کر بے شمار فوجی افسروں کو بلا مقدمہ چلائے جیلوں میں قید کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عام طور سے سلطان

کے خلاف منچلے نوجوان میدان سیاست میں نکل کھڑے ہوئے۔

سلطان عبدالحمید باجبروت بادشاہ تھا۔ رجعت پسندوں کی قوت کے زور پر عوام کے جذبات کو ٹھکرا دیتا تھا۔ باوجودیکہ حکومت کے شیرازہ نظم و نسق میں پرگندگی بڑھ رہی تھی اور عمالی حکومت ظلم و جور عوام پر کر رہے تھے۔ مگر باب عالی کو اس طرف توجہ نہ تھی۔ وہ اپنی استبدادی طاقت سے انقلابیوں کے کچلنے میں منہمک تھا۔ ان واقعات نے انجمن اتحاد و ترقی کی سرگرمی کو دوبالا کر دیا۔ اس جگہ ہم مختصر تاریخ انجمن کی بیان کئے دیتے ہیں۔

عثمانیہ انجمن اتحاد و ترقی | زعم باطل میں دستوری حکومت کا بالکلیہ خاتمہ کر

دیا تھا۔ ادھر محب وطن ترک مدحت پاشا کے ہمنوا یورپین ممالک میں جلاوطن کر دیئے گئے تھے۔ ۱۸۷۶ء میں سلطان نے دستور اساسی کو معطل کیا۔ ۱۸۷۸ء برس بعد ۱۸۹۱ء میں جینوا میں نوجوان ترک جو یہاں جلاوطن ہوئے پڑے تھے حکومت ترکیہ کے استبداد سے آزادی حاصل کرنے کے لئے ایک انجمن کی بنیاد رکھی جو آگے چل کر عثمانی انجمن اتحاد و ترقی کے نام سے شہرت پذیر ہوئی۔

اس انجمن کا اس وقت یہ مقصد تھا کہ ترکی حکومت اور سلطان پر دباؤ ڈال کر ملک میں اصلاحات جاری کرنے کی سعی کی جائے۔ چنانچہ جب اس انجمن کے ممبران کی تعداد بڑھ گئی اور جلاوطن ترک دور دراز سے آکر شامل ہونے لگے تو اس کا دفتر پیرس منتقل کر دیا گیا اور اس کی شاخیں لندن اور دوسرے یورپین دارالحکومتوں میں قائم کر دی گئیں۔

سلطان نے نوجوان ترکوں کی سیاسی سرگرمی سے مطلع ہو کر عثمانی سفیر مقیم پیرس کو ہدایت کی کہ وہ انجمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھے۔ اس کے علاوہ قسطنطنیہ سے جاسوس روانہ کئے گئے اور مقامی نوجوانوں پر کڑی نگرانی جو ہوئی تو وہ ترک وطن کر کے پیرس پہنچ گئے۔

انجمن نے اخبار ”مشورت“ جاری کیا اور متعدد رسائل پیرس سے شائع کئے۔ ان میں دو رحمدی کے مظالم بڑی آب و تاب سے دکھائے گئے اور سلطان کے معزول کرنے کی تجویز پیش کی گئی۔ یہ اخبار و رسائل خفیہ طور سے دارالخلافہ پہنچتے اور تقسیم ہوتے۔ باغیانہ پوسٹر قصر یلدرم پر لگائے جاتے۔

غیر اسلامی انجمنوں سے تعاون | نوجوان ترکوں نے ارمینی، بلغاری اور

جو پیرس میں تھیں اتحاد عمل کیا۔ حتیٰ کہ یہودیوں کو بھی ہمنوا بنایا۔ دسمبر ۱۹۰۶ء میں سلطنت عثمانیہ کے انقلابیوں کی ایک کانگریس احمد رضا بے کی زیر صدارت پیرس میں منعقد ہوئی جس میں عثمانی انجمن اتحاد و ترقی ارمینی، بلغاری، یہودی عرب، البانی اور دوسری کمیٹیاں شریک ہوئیں۔ تمام مندوبین نے ذیل کے امور کو باتفاق رائے قبول کیا۔

۱۔ سلطان کو معزول کیا جائے۔

۲۔ سلطنت عثمانیہ کی سالمیت کا تحفظ کیا جائے۔

۳۔ قانون کی نگاہ میں تمام نسلوں اور مذاہبوں کو کامل مساوات حاصل ہو۔

۴۔ مدحت پاشا مرحوم کے دستور اساسی کی بنیاد پر دستوری حکومت قائم کی جائے۔

یہ شخصیں حکومت کے خلاف انقلابی تحریک تھی۔ حقیقتاً نوجوان ترکوں کا یہ بڑا کارنامہ تھا جسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ غرضیکہ اس تحریک میں بڑے بڑے فوجی افسر شریک ہو گئے۔ یہ انجمن کچھ عرصہ تک مصر میں بھی رہی تھی۔ پھر ۱۹۰۴ء میں مقدونیہ کے مرکزی مقام سالونیکا میں اس کا دفتر منتقل کر دیا گیا تھا۔ ابتدائی دور میں اس کے ممبر ہوٹلوں، قہوہ خانوں میں بیٹھ کر اپنے خیالات کی اشاعت کیا کرتے۔ جو شخص شریک ہوتا اس کو آنکھوں پر پٹی باندھ کر رات کی تاریکی میں ایسی جگہ لے جاتے جہاں چند نقاب پوش تلوار اور سپتول سے مسلح ہوتے۔

وہاں پر اس ممبر سے قرآن مجید ہاتھ میں دے کر مندرجہ ذیل حلفت لیا جاتا :-
 ”میں آج سے خداوند کریم کی عبودیت، اس کے عدل، رحم اور قوانین
 اخوت و مساوات کے احترام و تقلید میں بنی نوع انسان کے حقوق
 آزادی کی تصدیق کرتا ہوں۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ آج سے میری جان،
 مال اور زندگی کی مختار انجمن اتحاد و ترقی ہے۔ انجمن مذکور ملک کو
 ظلم و استبداد سے بجات دلائے کے لئے جو تحریک چلائے گی میں اس
 میں بصدق دل شریک ہوں گا اور ہر قسم کی قربانی کروں گا۔
 اگر میں اس جماعت کے پروگرام سے انحراف کروں تو مجھ پر
 قدرت کی بھیانک لعنتیں وارد ہوں۔ نیز اس صورت میں انجمن کو میرے
 قتل کا اختیار ہوگا“ لے

نئے ممبر سے کہہ دیا جاتا کہ انکشافِ راز پر اس کی جان خطرہ میں ہے اور اگر
 وہ سلطان کے پہلو میں بھی ہوگا قتل کر دیا جائے گا۔ اگر کوئی ممبر عہد کے خلاف کرتا
 تو اس کو ممبر کرنے والا گولی سے ہلاک کر دیتا۔

انجمن وطن کے ارکان نے اس انجمن کے کاموں کو بھی سراہا اور ہر قسم کی
 امداد دینی شروع کر دی۔

انجمن کے ارکان میں حسب ذیل حضرات نمایاں نظر آتے ہیں :-

نیازی بے - نور الدین پاشا - غازی محمود شوکت پاشا - انور بے -
 طلعت بے - حقی بے - دید بے - عزیز بے - فتحی بے - حاجی عادل
 جمال - سعید بک - رؤف بے -

ان حریت نوازوں نے مدحت پاشا کے دستور کو پھر سلطان سے
 دستور منوانا چاہا۔ مگر سلطان اپنے جبروت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ مدحت پاشا

لے تاریخ انقلاب ترکی ص ۱۷۱ -

نے جیل میں ایک وصیت نامہ قوم کے نام لکھا تھا وہ سعید بک اڈالایا اور انجمن کے جلسہ میں وہ پڑھا گیا جس نے نوجوان ترکوں میں خوشنوازی پیدا کر دی۔ سلطان کی مخالفت ہر ایک کے دل میں جذبات موجزن ہونے لگے۔

صدر مجلس چاہتا تھا کہ بغیر خون خرابے کے دستوری حکومت قائم ہو اور خلیفہ کو مجبور کر دیا جائے کہ وہ جدید اصلاحات نافذ کرے مگر انور بے نے مجلس کو مخاطب کر کے کہا :-

”دستور صلح صفائی سے کبھی نہیں مل سکتا اور نہ ہم کو سلطان عبدالحمید پر اعتبار ہے۔ ہمارا مطالبہ اب تلوار کی طاقت کا کھیل دیکھ کر ہے گا۔ کیونکہ زمانہ کی تاریخ بتاتی ہے کہ بغیر قتل و خون کے آج تک کسی حکومت میں بھی انقلاب رونما نہیں ہو سکا۔ اس لئے ہمیں سلطانی ظالمانہ حکومت کے خلاف اپنی ہر طاقت کو میدان جنگ میں دھکیل دینا چاہیئے اور آج سے انجمن کے قوانین میں اس قانون کا اضافہ کیا جاتا ہے کہ جو شخص خواہ کتنا ہی بڑا سرکاری افسر ہو کر چمن کے خلاف اظہار رائے کرے اس کو فوراً تہ تیغ کر دیا جائے“

دستور کی طلبی | آخر کار بحث و مباحثہ کے بعد یہ طے کیا گیا کہ تین سال بعد موسم بہار میں دستور طلب کیا جائے اور اگر سلطان بخوشی رضامند نہ ہو تو طاقت کے زور سے سلطان کو معزول کر دیا جائے۔ اس جلسہ کے بعد سے اس کی ممبران سرگرمی سے دستور جاری کرانے کے لئے اشتہارات اور تقریروں کے ذریعے فکر جمہور کو بیدار کرنے لگے۔ خلیفہ کو جاسوسوں کے ذریعے انجمن کی سرگرمی کا علم ہوا اس نے ناظم پاشا سپہ سالار ساونیکا کو حکم بھیجا کہ ممبران انجمن کو گرفتار کر کے سخت سزا دو۔ یہ خبر انجمن کے ارکان کو ملی۔ انور بے کے ایماء پر ایک شخص ناظم پاشا کے قتل پر قرار کر دیا گیا مصطفیٰ کمال بھی گرفتاری سے آزاد ہو کر انجمن کے کاموں میں عملی حصہ لینے لگا مگر خفیہ طور سے، کیونکہ وہ پھر حکومت کا فوجی عہدیدار بنا دیا گیا تھا

۱۹۰۷ء کے اخیر میں مرکزی حکومت کے انتشار
 قیام حکومت دستور یہ اور ملک کی باغیانہ سرگرمیوں کو دیکھ کر سرحد کے
 بلغاری اور البانی قبائل نے بغاوت کر دی۔ سلطان نے ان کی سرکوبی کے لئے میجر
 نیازی بے کو مقرر کیا۔ نیازی بے نے اپنی حکمت عملی سے شورش کو دبا دیا۔ اس
 دوران میں دول یورپ نے مقدونیہ کو حکومت ترکی سے علیحدہ کرنے کی سازش کی تو
 نیازی بے نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا اور مصطفیٰ کمال اور انور بے کو
 کھلا بھیجا کہ اس وقت انجمن دستور کا مطالبہ فوراً کرایا جائے۔ کامیابی یقینی ہے
 اگر سلطان نے قیام دستور میں حیل حجت کی تو سرحدی قبائل کو دوبارہ بغاوت
 پر آمادہ کیا جاسکتا ہے۔

یہی رائے مناسٹر کی مرکزی کمیٹی کو بھیج دی گئی۔ ۲۸ جون ۱۹۰۸ء کو جمال پاشا
 کے ایماء پر انجمن کا خفیہ جلسہ منعقد ہوا جس میں نیازی بے کے مشورہ کے
 مطابق انجمن نے فیصلہ کیا کہ ۱۹۱۰ء کے بجائے ابھی حصول دستور کے لئے اعلان
 بغاوت کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ فیصلہ سالونیکا کے صدر دفتر بھیج دیا گیا۔
 انور بے اور سالونیکا کی مرکزی انجمن نے عام بغاوت کا فیصلہ کر دیا۔
 نیازی بے اور مصطفیٰ کمال کو مطلع کر دیا گیا۔ آخرش نیازی بے نے علم بغاوت
 بلند کر دیا اور مختلف زبانوں میں یہ اشتہار شائع کیا اور سلطان اور کمانڈر
 انچیف، جنرل انسپکٹر اور میجر فوج کو بھی باضابطہ اطلاع بھیج دی گئی۔

اشتہار

”انجمن اتحاد و ترقی کے فیصلہ کے مطابق ہم خلیفہ المسلمین سے دستوری نظام
 حکومت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اگر آئینی حکومت قائم ہوگئی تو ہمیشہ شکایات
 کے باوجود سلطان المعظم کی ذات کو کوئی صدمہ نہیں پہنچایا جائے گا ورنہ
 قوم اپنے حقوق کی خاطر اپنی ہر قوت سے کام لے گی۔“

ادھر نیازی بے نے قبائل کو اپنے ساتھ متفق کر لیا اور جب بے شمار لوگ اس باغیانہ جھنڈے تلے جمع ہو گئے تو حکومت کو خبر لگی۔ اُس نے اُن کے مقابلہ پر فوج ترکی روانہ کی۔ خلیفہ کی فوج جب نیازی بے سے معرکہ آرا ہوئی تو بے شمار ہسائی ہلاک ہوئے اور سلطانی عسکر کے بے شمار فوجی نیازی بے کے ساتھ شامل ہو گئے جو بھاگے انہوں نے سلطان عبدالحمید کو بتایا کہ باغی کسی معمولی طاقت سے مغلوب نہیں ہو سکتے وہ بے حد طاقتور ہیں۔

ادھر کامرانی کے بعد نیازی بے نے سرحدی قبائل میں دورہ کیا۔ راستہ کے تمام علاقہ کو ہمنوا بنالیا اور اپنا سلسلہ خبر رسانی قائم کر لیا۔

انور بے نے اپنے حلقہ اثر میں سلطانی حکومت کے خلاف اعلان بغاوت کر دیا۔ مصطفیٰ کمال گو سرکاری آدمی اس وقت تھا مگر وہ ایک طرف سلطان کو سمجھاتا کہ دستوری حکومت کے مطالبہ کو مان لے۔ دوسری طرف انجن کو مشورہ دیتا رہتا کہ اب سلطان کمزور پڑتا جا رہا ہے، مگر گری کو اور تیز کر دیا جائے۔ اس کے علاوہ روپیہ، سامان حرب، رضا کار خفیہ انجن کو بھیج رہا تھا۔

سلطان نے سپہ سالار شمس پاشا کو مناستر بھیجا کہ وہ حکومت کے باغیوں کو ٹھکانے لگا دے۔ شمس پاشا نے مناستر میں آکر، جولائی ۱۹۰۹ء کو انور بے کو بلا کر مشورہ کیا۔ انہوں نے بتا دیا کہ تم کیونکر حکومت کی پشت گیری کر رہے ہو اس لئے اپنی زندگی سے ہاتھ دھولو۔ اور انور بے یہ کہہ کر چلا آیا اور ایک شخص شمس پاشا کے قتل پر مقرر کر دیا گیا۔

چنانچہ شمس پاشا مناستر کے تارگھر سے لوٹ رہا تھا کہ ایک گولی کے نشانہ سے ختم ہو گیا۔ خلیفہ کو خبر ہو گئی وفادار حکومت ٹھکانے لگا دیا گیا۔ اس نے عثمان پاشا کو مناستر بھیجا۔ نیازی بے کو انجن کا حکم پہنچا کہ اس کو قید کر لیا جائے۔ چنانچہ عثمان پاشا خیمہ میں پڑے سو رہے تھے، نیازی بے نے خیمہ میں آکر تلوار کی نوک سے اسے جگایا اور مناستر کیٹی کا خط اس کے ہاتھ میں دے دیا

جس میں درج تھا :-

”آپ کا کام آپ کے پاکیزہ خیالات کے برعکس ہے۔ اگر آپ اس کو پائے تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہو جائیں تو ملک کے مفاد کو عظیم نقصان ہوگا۔ عنقریب ملک میں جمہوری حکومت قائم ہونے والی ہے جس کے نظم و نسق کے لئے آپ کے مفید مشوروں کی ضرورت ہے۔ اس لئے انجمن آپ کو حکومت سے علیحدہ کر کے چند روز کے لئے بطور مہمان اپنے پاس رکھے گی۔“

سلطان کو ان دو حادثوں نے بوکھلادیا تو انور بے کو مشورہ کے لئے بلوایا مگر وہ اس چال کو سمجھ گیا اور مناسٹر کے پہاڑی علاقے میں جا کر تحریک بغاوت میں لگ گیا۔

غرضیکہ سالونیکا، ایڈریا نوبل، تھرس، مناسٹر، اسنے، سرحدی مقامات بغاوت کی لپیٹ میں تھے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ سکند آدمی کو ر اور سمرنا کی افواج نے انور بے اور دیگر ارکان انجمن کے خلاف لڑنے سے انکار کر دیا۔ سلطان نے یہ رنگ دیکھ کر قصر بلیڈیز میں وزراء اور اعیان سلطنت کی مجلس مشاورت منعقد کی۔ مصطفیٰ کمال بھی فوجی عہدیدار کی حیثیت سے شامل مجلس تھے۔

مصطفیٰ نے علانیہ مجلس میں کہا کہ موجودہ بغاوت فرو کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ صرف ”اعلان جمہوریت“ کر دیا جائے۔ لیکن وزراء اور اعیان سلطنت اعلان دستور سے ہچکچا رہے تھے۔

مصطفیٰ کمال نے یہاں کا رنگ دیکھ کر انجمن کو اطلاع کر دی کہ ”تم فوراً جمہوریت کا اعلان کر دو۔“

قیام جمہوریت | انجمن کے تمام سرکردہ افراد سالونیکا میں جمع ہوئے اور پارلیمان کے قیام کے لئے سلطان کو مراسلہ روانہ کیا۔

اس کے بعد مصطفیٰ کمال کے ایماء پر مناسٹر کی انجمن نے نیازی بے کی قیادت

میں اعلانِ جمہوریت کر دیا۔ ۲۳ جولائی ۱۹۰۸ء کو جدید نظامِ حکومت پر عمل شروع ہو گیا۔ علمی پاشا کو جو حکومت کی طرف سے مناسٹر کا حاکم تھا، مناسٹر کا گورنر مقرر کیا گیا مگر وہ تیار نہ ہوا تو اس کو موت کا پیغام دیا گیا کہ گورنر بنے یا موت قبول کرے۔ علمی پاشا نے قسطنطنیہ تار بھیجا۔ چنانچہ سلطان نے ۲۴ جولائی کو بعدِ مجبوری جمہوریت کے نفاذ کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن ابھی نئے نظام کی رسمِ حلف باقی تھی۔

سالونیکا جمہوریت کا صدر مقام تھا۔ تمام انقلابی ملک کے گوشہ گوشہ سے نکل کر مقدونیہ میں جمع ہو گئے اور سلطان کے ہمنوا گولی کا نشانہ بنا دیئے گئے سلطان اس پر بھی وقت گزاری کر رہا تھا۔ باغیوں کی سپاہ نے قصرِ یلدیز کا محاصرہ کر لیا اور اراکینِ انجمن نے شیخ الاسلام کے ہمراہ فرمانِ شاہی پر سلطان کے دستخط کرائے اور ملک میں جمہوری نظامِ حکومت قائم ہو گئی۔ سعد پاشا نے جدید وزارت مرتب کی۔

اس انقلابِ حکومت کے ساتھ انجمن کا شیرازہ بکھر گیا۔ نیازی بے مستغنی ہو گیا۔ انور بے فوجی سفیر کی حیثیت سے برلن چلا گیا۔ حق بے وائس میں اقامت پذیر ہوا۔ اب صرف کمال رہ گیا تھا۔

دولِ مغرب کو اس موقع سے فائدہ اٹھانا منظور تھا۔ چنانچہ آسٹریا اور ہنگری نے بوسینا اور ہرزیگوینیا اور مانٹی نیگرو نے سربیا کے الحاق کا مطالبہ کر دیا۔ یونان جزیرہ کرپٹ پر ظلم و جور کے ساتھ قبضہ کر بیٹھا۔ شہزادہ فرڈی نینڈ نے بلغاریہ میں بغاوت کر دی۔ مرویہ خود مختاری کا دعویٰ کرنے لگا۔ غرضیکہ ترک کی حکومت کے خلاف ایک طوفان اُمنڈ آیا۔ ادھر اب جمہوریت اور سلطان ایک دوسرے کو زیر کرنے کے درپے تھے۔

آخرش سلطان نے رجعت پسند عنصر سے ساز باز کر کے پارلیمنٹ کو اپنا بج کر دیا اور تمام شورشوں کا ذمہ دار انجمنِ اتحاد و ترقی کو ٹھہرایا۔ پھر تو شاہ پسند جمہوریت کو کچل دینے پر پوری طرح تیار ہو گئے اور مذہب کی آڑ لے کر نوجوان

ترکوں کے خلاف ہنگامہ کھڑا کر دیا گیا۔

ابھی بلقانی جھگڑا طے نہ ہوا تھا مغربی شاطر نے اٹلی کا سیاسی مہر آگے بڑھا دیا۔ اُس نے طرابلس پر قبضہ کرنے کی دھمکی دی۔ دولت عثمانیہ نے بلقانی ریاستوں سے ذرہ نقد لے کر ان کے دعوے تسلیم کر لئے۔

معزولی سلطان | سلطان مجلس معجوثان قائم کرنے کے بعد پھر ملک میں آشور شسپا کر اگر اس کو توڑنے کی مخفی تدبیریں کرنے لگا۔ چنانچہ اس کے اشارے سے فوج کے معنی جتنے ۱۳۳۸ھ میں شریعت کے نام سے دستور کی مخالفت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور آستانہ میں انجمن اتحاد و ترقی کے چند ارکان کو قتل کر ڈالا۔

مصطفیٰ اکمال نے طرابلس کا رخ کیا۔ کیونکہ یہ حکومت ترکیہ کے زیر فرمان تھا۔ اطالوی سیاست داں نے عربوں اور ترکوں کے درمیان منافرت پھیلانے کے لئے روپیہ اور پروپیگنڈہ سے کام لیا۔ مصطفیٰ نے طرابلس میں پہنچ کر عربوں کے رہنما شیخ احمد بن سید محمد شریف منوطی الخطابی سے ملاقات کی۔ بدوی عربوں کی فوجی تنظیم کے لئے کالج کھولنے اور اطالوی پرائیگنڈے کو ہوا میں اڑا دیا۔ ادھر سلطان اوتچے ہتھیار سے کام لینے لگا۔ انجمن کے ارکان میدان سے ہٹ گئے تھے۔

شخصیت و جمہوریت کی کشمکش | لیبر یونین اور جمعیت محمدیہ کے نام بدل کر ایک دوسرے کے مقابل صف آراء ہوئے۔ جمعیت محمدیہ نے مذہب کی آڑ میں انجمن اتحاد و ترقی کے افراد پر منافرت کا فتویٰ صادر کر دیا۔

۱۳ اپریل ۱۹۰۹ء کو بیس ہزار شاہ پسندوں نے انجمن کے خلاف مظاہرہ کیا کہ دستور کی حکومت توڑ دی جائے۔ مختار پاشا نے اس بغاوت کو دبانے کی کوشش کی۔ مگر وہ سلطانی سازش کا مقابلہ نہ کر سکا۔ آخرش جمہوریت کے بھلے

پھر شخصی حکومت قائم ہو گئی۔ ناظم پاشا وزیر حرب نے قسطنطنیہ میں کرفیو آرڈر جاری کر دیا۔ انجمن کے اندکان اس واقعہ سے چلتے بنے۔

سعد پاشا کی جگہ بیودی النسل کامل پاشا وزارتِ عظمیٰ پر سرفراز کیا گیا۔ مصطفیٰ کمال کو طرابلس میں جمہوریت کے خاتمہ کی خبر لگی۔ وہ قسطنطنیہ خفیہ طور سے آیا۔ یہاں نظام بگڑا ہوا تھا۔ انجمن کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ مگر مصطفیٰ کمال ہاری ہوئی بادی کو پھر جیتنا چاہتا تھا۔ چنانچہ تقریروں سے نوجوانوں میں انقلابی امنگ پھر پیدا کر دی۔ چھوڑے عرصہ میں یہ جماعت عوام کے توجہات کا مرکز بن گئی۔ یہ نیگ ٹرکس پارٹی کے نام سے پکاری جانے لگی۔ اس کا قائد خود مصطفیٰ کمال تھا۔

اس پارٹی نے ناظم پاشا وزیر جنگ کی برطرفی کا مطالبہ کیا لیکن وزارتِ عظمیٰ خاموش رہی۔ اس رنگ کو دیکھ کر ایک فوجی دستہ ایوانِ وزارت کے سامنے نمودار ہوا۔ ”کامل پاشا مردہ باد“ اور ”وزیر اعظم کو برطرف کرو“ کے نعرے لگنے لگا۔ یہ کامل پاشا برطانیہ کا ہوا خواہ تھا۔ آخرش اس کو وزارت سے ہٹنا پڑا۔ اس کی جگہ مصطفیٰ کمال کا دوست حسین حلمی پاشا وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔

سلطان کو خیال گزرا شہزادہ یوسف عبداللہ کو انقلابی جماعت سلطان بنانا چاہتی ہے۔ اس کو محل میں مروا ڈالا اور فوج کو بلا کر اس کا جلوس نکلوایا جس نے حلمی پاشا کے خلاف نفرت انگیز نعرے لگادئیے۔ آخرش حلمی پاشا نے وزارت چھوڑ دی۔ مشہور شاہ پرست ادہم پاشا وزیر مقرر ہوا۔ نیگ ٹرکس پارٹی کو شکست ہوئی۔ بے شمار ترک گرفتار ہوئے۔ حکومت پر تنقید کرنا ایک سیاسی جرم قرار پایا۔ اور مشہور انقلابی ایڈیٹر ”طلین“ کو برسرِ عام تختہ دار پر لٹکا دیا۔ کیونکہ اس نے دستور کی حمایت میں مضامین لکھے تھے۔

ان واقعات سے مصطفیٰ کمال نے قسطنطنیہ چھوڑ دیا اور سالونیکا پہنچا۔

وہاں نیازی بے بھی آگئے اور منتشر افراد انجمن یہاں مجتمع ہوئے اور قسطنطنیہ کے حملہ کی تیاری کرنے لگے۔ سلطان کو یہاں کے حالات کا علم ہوا تو خوف زدہ ہو گیا اور سالونیکا برقیہ بھیجا کہ حکومت دستوری نظام پسند کرتی ہے اور اس کے قوانین کی پابندی کی جائے گی مگر ارکان انجمن نے فیصلہ کر لیا تھا کہ :-

”شاہ پرستوں کو پہلے ختم کیا جائے گا پھر سلطان سے دُود و ہاتھ ہونگے۔“
غرضیکہ سلطان پر حملہ کا پروگرام مرتب کیا گیا تھا۔ تھرڈ آرمی کو محمود شوکت پاشا کے زیرِ کمان دی گئی جس کا قائد عسکر خود مصطفیٰ کمال تھا۔ غازی طلعت پاشا اور عزیز بے محمود شوکت کے ماتحت تھے۔ نیازی بے مناسٹر کی افواج کا سپہ سالار بنایا گیا۔ انور بے نیازی کے ہمدوش تھے۔

۱۲ اپریل ۱۹۰۹ء کو سامان حرب ورسد کے ساتھ مصطفیٰ کمال سالونیکا کی فوج کو لے کر دار الخلافہ کی طرف روانہ ہوا۔ نیازی بے بھی مناسٹر سے روانہ ہو گئے۔

مصطفیٰ کمال اور محمود شوکت نے ایک دن میں اسی میل مسافت طے کی۔ مشتبہ کے مقام پر سلطانی سپاہ مقابلہ کے لئے آمادہ ہوئی۔ مگر گھونگھٹ کھا گئی۔ مصطفیٰ شتبکہ پر متصرف ہو گیا۔ غرضیکہ اب قسطنطنیہ چادوں طرف سے گھیر لیا گیا تھا۔ ۲۴ اپریل ۱۹۰۹ء کو مقدونیہ کی فوج شہر میں داخل ہوئی۔ شاخِ ندریں کے قریب سلطانی فوج سے جھڑپ ہو گئی۔

آخرش لماش، قشلا بت تک پہنچ گئے تو بقیہ سلطانی فوج نے گولے برسانے شروع کئے۔ انور بے نے بھی حکم دے دیا کہ انقلابی فوج گولے کا جواب گولے سے دے۔ چنانچہ سلطانی فوج نے نقصان اٹھا کر صلح کا جھنڈا اٹھادیا۔ پھر باب عالی تک پہنچ کر قصرِ بلیڈیز کا محاصرہ کر لیا۔

مصطفیٰ کمال نے شیخ الاسلام سے فتویٰ حاصل کیا کہ
”ظالم سلطان جو بے گناہ رعایا کا قاتل ہو اور انہیں جلاوطنی، غرقابی،

اور قید کی سخت سزائیں دے۔ ملک کو تباہی کے غار کی طرف دھکیلے
شریعت کی دُوسے اس کے لئے کیا حکم ہے؟
شیخ الاسلام نے حکم دیا کہ :-

”شریعت کی دُوسے ایسے سلطان کو معزول کر دینا چاہیئے“

۲۷ اپریل کو سعید حلیم پاشا کی صدارت میں تمام انقلابی جمیع ہوئے اور
۲۸ اپریل کو نصف شب کے قریب اسد پاشا، عارف پاشا، اہرن آفندی،
کراسوا آفندی اور چند خواجہ سراؤں اور فوجی افسروں کی معیت میں انقلابی محل
میں گئے۔ سلطان کے فرزند عبدالرحیم نے آنے والوں کا خیر مقدم کیا۔ سلطان
شب خوابی کے لباس میں ظاہر ہوا۔ دبے لہجہ میں بولا ”امید ہے آپ سب
بخیریت ہوں گے“

اسد پاشا نے کہا۔ خدا کا فضل شامل حال ہے۔ سلطان بولا۔ قوم نے
کیا فیصلہ کیا ہے؟ میں نے تو جمہوریت کی پابندی کے لئے یقین دلایا تھا۔
اُسے کیوں منظور نہیں کیا گیا۔ کیا اب کوئی اور نظام پسند آگیا ہے۔ بہر حال میں
اس کے لئے بھی تیار ہوں“

قائد حریت بولا۔ ہم قوم کا فیصلہ اور شیخ الاسلام کا فتویٰ لے کر آئے ہیں۔
سلطان نے کہا کیا فیصلہ ہے؟ اسد پاشا نے کاغذ سلطان کے ہاتھ میں دیدیا۔
سلطان نے اس کو پڑھا، متحیر رہ گیا۔ بولا۔ میری زندگی۔ جواب ملا محفوظ ہے۔
سلطان نے کہا میری خواہش ہے کہ مع ملکہ کے قصر چراغاں میں مقیم رہوں۔ مگر
ممبران انجمن نے حکم نافذ کر دیا کہ عبدالحمید سالونیکا میں جلاوطن کر دیا جائے چنانچہ
وہیں قصر الجیش میں نو بیس تک زندہ رہ کر ۱۹۱۸ء میں فوت ہوا۔

سُلطان محمد خاس

نام و نسب | محمد رشاد بن عبد الحمید -

سُلطان عبد الحمید کے معزول کئے جانے کے بعد اُن کے بھائی محمد رشاد کو سُلطان محمد خاس کے لقب سے ۳۰ اپریل ۱۹۰۹ء، مطابق ۱۳۲۸ھ میں تخت پر بٹھلایا۔

خزانہ خالی، ملکی نظام ابتر، فوج بے سروسامان، گویا پارہ ایمان قائم ہو گئی۔ اور دستور کا اعلان کر دیا گیا۔ انجمن اتحاد و ترقی برسرِ اقتدار آگئی۔ مگر اس میں ہونہ اتنی قوت نہ تھی کہ خارجی طاقتوں کا مقابلہ کر سکتی۔ صوبائی نظام پر لگندہ تھا اور اس پر دولِ یورپ کی ناپاک سازشیں جو ترکی کی طاقت کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دینے کے خواب دیکھ رہی تھی۔

کوائف طرابلس | ترکوں کی زبوں حالی دیکھ کر دولِ یورپ کی شہ پر اطالیہ نے ۱۹۱۱ء میں بلا کسی وجہ کے طرابلسِ غرب پر حملہ کر دیا۔ ۲۳ ہزار اطالوی فوج بحیرہ روم کے جنوبی ساحل پر لنگر انداز ہوئی۔ اس وقت طرابلس میں نشاطِ بک ترکی گود نہ تھا اور اس کے پاس صرف دس ہزار ترک تھے۔ رادھر برطانیہ اور فرانس نے غیر جانبداری کا اعلان کر کے مہر اور افریقہ کے راستے ترکی امداد کے لئے مسدود کر دیئے۔

انور بے نے انجمن کے تمام ارکان کو جمع کیا اور یہ طے پایا کہ کسی نہ کسی صورت سے سپہ سالار اور ماہرِ حرب طرابلس پہنچ جائیں۔ چنانچہ انور بے وغیرہ پہنچ گئے۔ اس کے بعد مصطفیٰ کمال بھی طرابلس آ گئے۔ عربوں کو ساتھ

لے کر اطالیہ کی اچھی طرح مرمت کر دی۔ مصطفیٰ اکمال چاہتا تھا کہ جنگ کو طول دے کر اطالیہ کو مزہ چکھایا جائے۔

آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ بلقان میں، اکتوبر ۱۹۱۲ء میں جنگ شروع ہو گئی۔ انور بے وغیرہ کو طرابلس چھوڑ کر قسطنطنیہ جانا پڑا۔ عرب بے یاد و مددگار رہ گئے اپنی بساط بھرا اطالیوں سے لڑتے رہے اور آخر میں طرابلس اطالیہ کے قبضہ میں آ گیا۔

مجاہد طرابلس امیر علی پاشا

امیر عبدالقادر الجزائر کے خلف امیر علی پاشا تھے۔ اٹلی کے اعلان جنگ پر امیر موصوف شام میں مقیم تھے۔ انہوں نے سلطان المعظم سے طرابلس جانے کی اجازت چاہی اور درخواست میں لکھا :-

”میرے والد مرحوم امیر عبدالقادر نے فرانس کا تیس سال تک مقابلہ کیا تھا۔ یقین فرمائیے کہ کم از کم پندرہ سال تک تو میں طرابلس کی خاک کو ہاتھ سے نہ جانے دوں گا۔“

غرضیکہ سلطان نے استدعا قبول کی۔ یہ طرابلس پہنچے، مجاہدین میں ہمت و شجاعت کی حیات تازہ ہو گئی اور مجاہدین کے ساتھ معرکہ بن غازی میں شجاعت

لے تفصیل یہ ہے کہ مصطفیٰ اکمال نے ۳۰ اپریل ۱۹۱۲ء کو بنغازی جہاں اطالوی قابض تھے حملہ کر دیا۔ شیخ نسوسی کا فرزند اپنی عربی فوج لے کر ہونے کمال کے ساتھ تھا۔ سب سے قبل قلعہ لٹا، پھر آتشباری کی اور جواب میں اطالیہ نے کوہ پیکر جہازوں سے گولہ باری کی۔ آخرش دشمن کو شکست ہوئی۔ پھر طبرق کو واپس لیا۔ واسطہ کفرہ، بیومار، قادر، واسطہ، طرابلس ہر جگہ اطالیوں سے مدھیٹر ہوئی۔ آخری جگہ کمال کرنا چاہتا تھا کہ انور بے نے روک دیا۔ در نہ مراطالہ، کاماب، رے۔ (انقلاب ترکی ص ۱۳)

وتہور کا ثبوت پیش کیا، اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں ناپید ہے۔ امیر علی کے ساتھ اس معرکہ میں صرف تین سو مجاہدین تھے اور اٹلی کے سپاہی تین ہزار، جو تمام جدید آلات حرب سے مسلح تھے۔

امیر علی اپنی مختصر سی طرابلسی جماعت سے دشمن کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا۔ اس نے اس کے تین حصے کر دیئے اور ان کو موقعہ پر لگا دیا۔ ابھی دشمن دور تھا اور اڑھاتھا کہ یکایک نماز کا وقت آگیا تو پچاس مجاہدین کے ساتھ نماز پڑھنے لگے، پچاس نگران رہے۔ اٹلیں سپاہ آگئی اُس نے جو دیکھا کہ پچاس نہتے نماز میں مشغول ہیں، وہ خوش ہو کر آگے بڑھے۔ فوراً پچاس مسلح مجاہد پہلے ان پر ٹوٹ پڑے۔ یہاں خشوع و خضوع سے نماز پڑھی گئی۔ بعد کو یہ بھی جا بیٹے ان کی آوازوں سے دوسو کمین گاہوں سے نکل کر دشمنوں پر آپڑے۔ پھر اور بھی مجاہد شامل ہو گئے۔ یہ بارہ سو تھے اور وہ تین ہزار، ان کے نصف سے زیادہ کاٹ دیئے۔ آخر شرمیلی شہادت اس معرکہ میں شہید ہو گیا۔

بندرہ سالہ محبت طرابلس

علی نظمی بے مکتب عربیہ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ یکایک حکومت اطالیہ نے ترکی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ عمر بندرہ سال کی تھی، اس خبر سے بے چین ہو گئے۔ انجمن ہلال احمر کے دفتر میں پہنچے اور کہا کہ مجھے میدان کارزار میں دادِ شجاعت دینے کا موقع دیا جائے۔ عثمانی کیمپ کے افسر نے پوچھا، تو بتایا کہ والدین فوت ہو چکے ہیں، صرف ایک چچا باقی ہے اور آٹھ پونڈ کی رقم دو جوڑے کپڑے مہیا کر لئے ہیں۔

جب طرابلس جانے کا مقصد پوچھا گیا تو آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا کہ دفاعِ وطن اور خدمتِ ملت پیشِ نظر ہے۔ ان کے چچا اور سب نے ان کی کم عمری کا خیال کر کے روکا۔ مگر یہ مکتبِ عربیہ سے پراسرار طریقہ پر غائب

ہو گئے اور کئی ماہ جہاد طرابلس میں شریک رہ کر شہید ہو گئے۔ عارف پاشا نے ان الفاظ کو نشر کیا :-

”د پندرہ برس کے نظمی کو اگر ہلالِ احمر کا دفتر کا بھولا ہو تو براہِ عنایت اس کے چچا کو یہ خبر دے دیجئے کہ وہ اپنے ماں باپ اور خدا کے پاس پہنچ گیا جن کے لئے وہ بہت بیقرار تھا۔“

فاطمہ زہرا بنت عبد اللہ طرابلسی

فاطمہ کا باپ شیخ عبد اللہ قبیلہ ابراہیمہ کا سردار تھا۔ اس نے غزوہ طرابلس میں بڑے کام کئے۔ کمال پاشا اور انور پاشا نے اہل طرابلس میں ظالم طاہیوں کے مقابلہ کے لئے مجاہدانہ روح عمل پیدا کی۔ شیخ عبد اللہ نے اپنے وطن کے بچاؤ کے لئے اپنے قبیلے اور تمام افرادِ خاندان کو اطالوی افواج کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا۔ اس فدا نے اسلام نے اپنے قبیلہ کو ابھارا اور اطراف و نواح کے دوسرے قبائل کو آمادہٴ جہاد کیا۔ اپنا تمام مال و متاع ترک افسر اسماعیل ثباتی بک کو دے دیا۔ حکومتِ ترکیہ کی طرف سے تمام عربوں کو بطورِ نفقہ جنگ کے روزیہ دیا جاتا تھا، اس کے لینے سے بھی اس نے انکار کر دیا۔ غرضیکہ میدانِ جنگ میں بڑی بہادری دکھائی اور ۱۹۱۲ء میں جامِ شہادت نوش کیا۔ اس کے تمام خاندان کے لوگ اٹلی کی فوج کے ہاتھوں کام آئے۔

ایک لڑکی فاطمہ نامی بچی تھی جس کی عمر گیارہ سال کی تھی مگر وہ مجاہدانہ سرگرمی میں باپ سے سبقت لے گئی۔ زواہرِ مقام پر مجاہدین کی جماعتِ اٹلی کی فوج سے مقابلہ کر رہی تھی، یہ بچی پیش پیش تھی، مشک کا ندھے پر رکھے میدانِ جنگ میں گولے برس رہے ہیں مگر وہ زخمیوں کو پانی پلا رہی ہے اور بندوق ہاتھ میں رہتی، موقع ملتا دشمن کو ٹھکانے لگا دیتی۔ تمام عربوں اور ترکوں میں نمایاں نظر آتی تھی۔ اسماعیل ثباتی بک نے ایک دن اس بچی کو گولوں کی بارش

میں جانے سے روکا۔ فاطمہ نے کہا۔
 ”جھوڑو کیا تم بھول گئے کہ اسلام اور وطن کے کتنے فرزند یہاں
 پیاسے دم توڑ رہے ہیں۔“
 یہ کہا اور نظروں سے غائب ہو گئی۔

۱۲ رجب ۱۳۳۱ھ کو زوالہ میں اطالیوں نے زبردست حملہ کیا۔ عربوں
 اور ترکوں کی متحدہ فوج کی تعداد زیادہ سے زیادہ تین ہزار تھی۔ مگر ان کو شکست
 ہوئی۔ بارہ سو لاشیں جھوڑو کے ساحل کی طرف پسپا ہو گئے مگر عرب اور ترک
 بڑھے اور ان کو جالیا اور مقابلہ میں اچھی طرح مزاج پُرسی کر دی۔ فاطمہ بھی
 ساتھ ساتھ تھی۔ ایک اطالوی نے زخمی ترک کو پانی پلاتے دیکھا اس کو پکڑ لیا
 اس نے ترک کی تلوار لے کر اس کا کام تمام کیا۔ چار اطالویوں نے گھیر لیا اور
 گولی کا نشانہ اس معصومہ کو بنالیا۔ احمد نوری بک نے اس کی لاش ڈھونڈی
 اور سپردِ خاک کی۔

بلقانی شورش | تمام بلقانی ریاستوں نے اعلانِ جنگ کر دیا۔ بلغاریہ نے
 ایڈریانوپل کو گھیرا۔ یونانی مقدونیہ کے بیشتر حصہ پر
 قابض ہو گئے۔ مروی البانیہ کو فتح کرتے ہوئے مناسٹر کے فوجی اڈے میں
 داخل ہو گئے۔ یونانی سالونیکا میں بڑھتے ہوئے درائے۔ غرضیکہ اس طرح مغربی
 دول نے ترکی مقبوضات پر بلقانی بھیڑیے جھوڑ دیئے کہ یہ اس کی تکا بوئی کر
 دیں تاکہ ترکی خرنخشہ یورپ سے جاتا رہے۔

طرابلس کے بارے میں غیر ملکی حکومتوں نے ترکوں پر یہ زور دینا شروع کیا
 کہ اطالیہ سے صلح کی جائے۔ ۱۸ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو ترکی اور اطالیہ کے مابین صلحنامہ
 تیار ہوا۔ جس میں ترکی نے طرابلس کی مکمل آزادی کا اعلان کر دیا تو اطالیہ اپنی
 فوج جزیرہ رودس سے واپس بلا لے گا۔ اس پر دستخط ہو گئے۔ ترک افسر
 واپس بلا لے گئے۔ مگر اطالوی فوجیں اہم مورچوں پر ڈٹی رہیں اور عربوں سے

برسر پر خاشاں رہیں۔

انور بے طرابلس کے محاذ سے واپس آئے۔ انجمن اتحاد و ترقی اور سلطانی حکومت نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ سلطان کی ہمتی ان سے منسوب ہوئی۔
انور بے نے دیکھا کہ شکری پاشا ایڈریا نوبل کے محاذ میں گھر گیا ہے اور یہ خطرہ سامنے ہے کہ دشمن دارالسلطنت پر ہر وقت حملہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ شتلیجہ میں فوجیں اور سامانِ حرب فراہم کیا جانے لگا۔

ہنگامی طور پر فوج کی قیادت محمود شوکت پاشا کے سپرد کی گئی۔ مصطفیٰ کمال اس کے ماتحت رکھے گئے۔ کمال نے یہ ننگ دیکھ کر محاذ جنگ اور فوج کو ہاتھ میں لیا اور ایڈریا نوبل کے قرب و جوار میں مصطفیٰ کمال نے اپنی فوج کو اس طرح سے پسپا کر دیا کہ دشمن نے اس کو شکست پر محمول کیا۔ آخر ایک مقام پر ترک ڈٹ گئے اور حریف کو منہ کی کھا کر پیچھے ہٹنا پڑا۔ گیلی پولی کے محاذ پر اناطولیہ سے ترکوں کو مزید مدد پہنچ گئی۔

بلقانی باہم لڑ پڑے | اس دوران میں سرویا، بلغاریہ، یونان اور مانیٹیکر و میں باہمی آدیزش شروع ہو گئی۔
اور نصرانی، نصرانی کا خون بہانے لگا۔ ادھر ترکوں نے ان کو شکست دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یونان اور سرویا کی فوجیں مال غنیمت کو سمیٹتی ہوئی آہستہ آہستہ اپنے مرکزی مورچوں کی طرف پسپا ہونے لگیں۔ صرف بلغاریہ میدان میں لڑتے رہے۔

کامل پاشا نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر انجمن کے ارکان پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا۔

یورپی ممالک جو دراصل بلقان میں شورش کا سبب تھے خیال یہ تھا کہ بلقانی ترکوں کے حصے بخرے کر لیں گے۔ مگر وہ خود آپس میں مثل کتوں کے لڑ بیٹھے۔ یہ پانسہ دزدان مغرب کا اُلٹ پڑا۔ چنانچہ ترکی کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھایا۔ برطانیہ

نے داماد فرید پاشا کے ذریعے ترکی حقوق کے تحفظ کا وعدہ کیا۔ کامل پاشا اور ناظم پاشا کو یہ غلط فہمی برطانیہ کی طرف سے تھی کہ یہ ہمارے زخموں پر مرہم رکھے گا۔ غرضیکہ لندن میں عہد نامہ مرتب ہوا جس کی رو سے ترکی کو یورپ کے سارے علاقے سے بے دخل قرار دیا گیا اور اس کے ساتھ ایک اہم فوجی اڈے ایڈریانوپل کا بھی مطالبہ کیا گیا۔ املاک بلقانیہ خود مختار تسلیم کی گئیں۔ لیکن ابھی اس صلح نامہ پر حکومت ترکیہ کے دستخط ہونا باقی تھے۔ صلح نامہ پر دستخط کرنے کے لئے ۲۳ جنوری ۱۹۱۳ء کی تاریخ مقرر تھی۔ کامل پاشا کی دلی خواہش تھی کہ صلح نامہ پر دستخط ہو جائیں۔

مصطفیٰ کمال کو یہ حال معلوم ہوا تو وہ قسطنطنیہ پہنچا اور کامل پاشا کو آگاہ کر دیا کہ صلح نامہ پر دستخط نہ کئے جائیں۔ مگر کامل پاشا نے ۲۲ جنوری کو قصر دولہ باغچہ میں وزراء کی مجلس منعقد کی جس میں دول یورپ کی قصیدہ خوانی کے ساتھ صلح نامہ پر دستخط کرنے کا فیصلہ دہرایا گیا۔

انور بے گیلی پولی سے انجمن اتحاد و ترقی کے تار پر ۲۳ جنوری کو صبح سا بجے قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ غازی محمود شوکت کو وزارت کے لئے آمادہ کر لیا۔ کامل پاشا کو بے دخل کرنے کے انتظامات مکمل کر لئے گئے۔ گیارہ بجے طلعت پاشا وزیر اعظم سے ملا اور اس سے کہا کہ وزارت اپنا فیصلہ بدل دے یا مستعفی ہو جائے۔ کامل پاشا نے انکار کر دیا۔ طلعت نے کہا تو پھر خون ریزی اور انقلاب کا تماشا دیکھنا۔ یہ کہہ کر طلعت واپس آ گیا۔

سہ پہر کے وقت اسی ارکان حکومت قصر وزارت میں صلح نامہ پر دستخط کرنے کے لئے اکٹھے ہوئے۔ انور بے اپنے انصار عمر فوزی، مصطفیٰ، بنجیب، خلیل بے جمال بے، طلعت بے، نیازی بے وغیرہ کے ہمراہ قصر وزارت میں داخل ہوا۔ لطیف بے نے انور بے کا راستہ دفتر وزارت کا روک لیا۔ لیکن ایک ہی گولی سے ٹھنڈا ہو گیا۔ توفیق بے آگے بڑھا مگر سپتولوں کی نالیوں کو دیکھ

کر پیچھے ہٹ گیا۔ ناظم پاشا چینایہ کیا گستاخی ہے؟ نکل جاؤ۔ مصطفیٰ انجیب نے یکے بعد دیگرے تین گولیاں چلائیں اور ناظم پاشا اوندھے منہ آ رہا۔ توفیق پھر انور پستول لے کر چھٹا کہ انجیب درمیان میں آ کر قربان ہو گیا اور اپنی گولی سے توفیق کا بھی کام تمام کر تا گیا۔

انور بے نے پستول تھام کر گرج کر مجلس کو مخاطب کیا۔ خبردار اب کوئی گولی چلانے کی ہمت نہ کرے اور میں قوم کا نمائندہ ہوں۔ میں حکم دیتا ہوں کہ تم لوگ جنگ جادی رکھنے کا حلف اٹھاؤ یا وزارت کی کرسی خالی کر دو۔ کامل نے فوراً استعفیٰ پیش کر دیا اور اس کے ساتھی بھی مستعفی ہو گئے۔ انور بے نے دوسرا حکم دیا، تم سب نظر بند ہو۔

پھر محمود پاشا کو وزارت سپرد کر کے انور سلطان محمد خاس کے پاس گیا اور نئی وزارت کی تشکیل کی :-

محمود شوکت پاشا وزیر اعظم، طلعت پاشا وزیر خارجہ، عزت پاشا وزیر جنگ، انور پاشا حاکم قسطنطنیہ۔

دول یورپ کے مسودہ صلح کو پُر زے پُر زے کر کے مدی کی ٹوکری میں پھینک دیا اور اعلان کر دیا کہ جنگ جادی رہے گی اور ایڈریانوپل بلقانیوں کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔

یہ رنگ دیکھ کر اتحادی خاموش ہو گئے۔

۱۹۱۴ء میں یورپ میں جنگ عظیم شروع ہوئی جس میں **جنگ عمومی** ایک طرف اتحادی انگلستان، فرانس اور اٹلی وغیرہ اور

دوسری طرف جرمنی اور آسٹریا تھا۔ انگلستان نے اپنی ہمنوا دول کو آمادہ کر لیا تھا کہ روس کو قسطنطنیہ اور دیر دانیال دیا جائے گا۔ اس بناء پر وہ اتحادیوں کا ہمنوا بن گیا۔

باوجودیکہ دولت عثمانیہ اتحادیوں سے تعلقات رکھنا چاہتی تھی مگر ترکوں

کی کمزوری اور بے سروسامانی کا حال دیکھ کر اس کے حصے کرنے کے دُرپے تھے۔ بلکہ انگلستان نے یہ بے ایمانی کی کہ اس کے یوں کے کارخانے میں دو جہاز بننے گئے تھے ان کو ضبط کر لیا اور ان کی قیمت کی واپسی کے بھی منکر ہو گئے۔ آخر شاپنرس سعید حلیم صدر اعظم نے اراستہ کشتہ کو تیرنی کے ساتھ ایک خفیہ جہازہ کر کے جنگ میں شرکت اختیار کر لی۔

انگریز اپنی طاقت کے بھروسہ پر جنگی جہاز لے کر دریا نیال پر حملہ آور ہوئے۔ مگر ترک بہادروں نے ساحلی قلعوں پر سے ایسی بے مثال گولہ باری کی کہ انگریز جہاز سخت نقصان اٹھا کر واپس چلے گئے۔ ادھر بصرہ میں انگریزوں نے فوجیں اتار کر عراق عرب میں پیش قدمی کی۔ ترکی فوج نے یہاں پر بھی خوب دل کھول کر پٹائی کی۔

آخر کار ذلت و خواری سے انگریزی سورما ہر میت اٹھا کر بھاگے اور جزیرہ طاؤنشینڈ اور بقیہ فوج قحط العمارہ میں گرفتار کر لئے گئے۔ ترکوں نے انگریزوں کے جو حمایتی غلام ہند کے کئے گئے تھے ان کی سرکوبی بھی ایسی کر دی کہ ٹکٹخاری ناک کے راستے سے نکل گئی۔

شریف مکہ کی بغاوت | عربوں میں کچھ عرصہ سے یہ احساس پیدا ہو گیا تھا کہ ہم کو ترکوں نے اپنا دست نگر بنا رکھا ہے۔

مگر کوئی موقع انہیں نہیں مل رہا تھا کہ وہ ہاتھ پیر نکالتے حسن اتفاق سے ۱۹۱۶ء میں انور پاشا کی رائے سے جو اس وقت وزیر جنگ تھے، جمال پاشا کی قیادت میں ترکی فوج نے ہر سوز پر حملے شروع کر دیئے۔ مکہ کے شریف حسین نے جمال پاشا سے لاکھوں روپیہ اور اسلحہ اس غرض سے منگوائے کہ پندرہ ہزار عربوں کا لشکر تیار کر کے مہر کی مہم کے لئے دے گا۔ مگر اس موقع سے فائدہ اٹھا کر درپردہ اس نے انگریزوں سے بھی ساز باز کیا، وہ اس امر کے منتظر تھے۔ چنانچہ انگریزوں نے پوری مدد دی۔ پھر تو شریف نے کھل کر

ترکوں کی مخالفت کی اور ترکی سپاہ کو جو حجاز میں تھی مقابلہ کر کے نکال دیا اور ۱۶ نومبر ۱۹۱۶ء کو اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

اس زمانے میں روسی محاذ پر ترکوں نے ہزیمت اٹھائی جس کے باعث عراق عرب سے فوجیں وہاں بھیجی پڑیں۔ انگریزوں نے شریف حسین کی کمزوری کو پیش نظر رکھ کر سیاسی دسیسہ کاری سے ایک طرف بغداد اور دوسری طرف شام و لبنان اور فلسطین سے موصل تک سارا علاقہ ترکوں سے چھین لیا جس کے بعد اگست ۱۹۱۶ء میں اتحادی نمائندوں نے پیرس میں باہم یہ سمجھوتہ کیا کہ آرمینیا، شرقی اناطولیہ، آستانہ اور دردانیاں روس کو دیا جائے۔ حیفہ اور بغداد انگلستان کو، اسکندرونہ اور موصل فرانس کو، مغربی اناطولیہ، اطالیہ کو اور فلسطین، حلیفوں کی مشترکہ حمایت میں رہے۔

شریف حسین تمام عرب کی حکمرانی کے خواب دیکھ رہا تھا۔ مگر پہلو میں اس کے اسلام دشمنی سے فرنگیوں کا اقتدار قائم ہو گیا تھا بلکہ اس کی حکمرانی انگلستان کے رحم و کرم پر باقی تھی۔

وفات

اسی زمانے میں یعنی ۱۳۳۶ھ میں سلطان محمد خامس نے وفات پائی۔

سُلطان عبدالوحید خاں

تخت نشینی | عمل میں آئی جبکہ اتحادی خبیث باطنی سے ترکی سلطنت کو نقشے میں باہم تقسیم کر چکے تھے لیکن اسی دوران میں روس، جس کو ترکی کا بڑا حصہ خاص کر اس کا مرکز قسطنطنیہ ملنے والا تھا اندرونی انقلابی بغاوت کی وجہ سے جنگ سے الگ اور اتحادیوں سے خارج ہو گیا۔ اتحادیوں نے کوشش کر کے ولسن صدر امریکہ کو اپنے ساتھ ملا لیا جس کی شرکت جنگ کی وجہ سے اتحادی فتحیاب ہو گئے اور ۱۵ اگست ۱۹۱۸ء کو لڑائی ختم ہو گئی۔

اس وقت زعماء جمعیت اتحاد و ترقی طلعت پاشا، انور پاشا اور جمال پاشا، جن کی متفقہ رائے سے دولت ترکیہ نے اس جنگ میں شرکت کی تھی روپوش ہو کر برلن چلے گئے۔ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو عزت پاشا صدر اعظم نے جدید وزارت مرتب کر کے اپنی افتتاحی تقریر میں سیاسی مجرموں کو معافی دی اور اس بات کا اظہار کیا کہ ہم امریکہ کے پریذیڈنٹ ولسن کی چودہ شرائط کے مطابق اتحادیوں کے ساتھ مصالحت کے لئے تیار ہیں۔ لیکن اتحادیوں نے معاہدہ سیورے میں جو اسی مہینے میں ہوا ترکی کی مجوزہ تقسیم ہی کو بحال رکھا۔

روس کے نکل جانے کے بعد قسطنطنیہ اور آبنائے کا مسئلہ حل طلب ہو گیا تھا جس کی نسبت غالب خیال یہ تھا کہ دول فاتح کی مشترکہ ملکیت قرار دیدیا جائے۔ چنانچہ نومبر ۱۹۱۸ء میں اتحادی فوجیں قسطنطنیہ میں آگئیں اور انہوں نے رفتہ رفتہ حکومت کے انتظامی صیغے اپنے ہاتھ میں لینے شروع کئے۔ ترکوں نے جنرل ٹاؤنشینڈ کے توسط سے جو ان کے یہاں گرفتار تھا، انگریزوں

کے ساتھ صلح کی سلسلہ جنیبانی کی اور پیرس کانفرنس جو جون ۱۹۱۹ء میں ہوئی، اپنا ایک وفد بھیجا مگر کوئی کامیابی نہیں ہوئی اور اس کانفرنس نے بھی جس میں دس سلطنتوں کے نمائندے شریک تھے ترک کی سلطنت کے لئے موت ہی کا فتویٰ صادر کر دیا۔

مارچ ۱۹۲۰ء میں قسطنطنیہ کے جملہ شعبہ ہائے حکومت اتحادیوں نے بظلم و تشدد اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ ترکی مجلس معوشین کا خاتمہ ہو گیا۔ انگریزوں نے چھبیسٹھ زعماء احرار کو مالدطہ میں لے جا کر نظر بند کیا اور اپنے آدرہ داماد فرید پاشا کی صدارت میں ایک نام نہاد تہذیب کی وزارت مرتب کر دی جو اتحادی نمائندوں کے ہاتھ میں مثل کٹھن پل کے تھی۔

یونانی یونانیوں سے انگریز نے ساز باز کیا اور وہاں کے وزیر مسٹر وینزیلوس کے دعویٰ کے مطابق جنوبی البانیا، تھریس، قسطنطنیہ اور مغربی اناطولیہ پر یونان کے حقوق ملکیت تسلیم کر لئے۔ ۱۵ جون ۱۹۱۸ء کو انگریزوں کی پوری معاونت (اسلحہ حتیٰ کہ فوج تک) سے یونانی فوجوں نے بندرگاہ سمرنا پہنچ کر قبضہ کر لیا اور اندرون ملک میں بڑھنا شروع کیا اور جس قدر بھی ظلم یونانی کر سکتے تھے انہوں نے ترکوں پر روا رکھے۔

ترکوں نے دیکھا کہ اتحادی اُن کو فنا کرنے پر تِلے ہوئے ہیں اور دول یورپ یونانی مظالم کو ٹھنڈے دل سے دیکھ رہے ہیں اور اتحادیوں کا منشاء ظاہر ہے کہ وہ ترکوں کو ان اقوام کا محکوم بنادیں جو صدیوں تک اُن کے زیر حکومت رہی ہیں۔

مصطفیٰ کمال کا کارنامہ مصطفیٰ کمال ساغور ترک اتحادیوں کا یرنگ قومی میت بیلار کر دی۔ قوم کے بھرے ہوئے شیرازے کو ایک نظام میں لا کر ملک کو دشمنوں سے بچانے کی سعی کی۔

حزب وطنی | مصطفیٰ کمال اپنے پرانے رفیقوں کو ساتھ لے کر اناطولیہ پہنچا اور جون ۱۹۱۹ء میں ایک مؤتمر ملی منعقد کی جس میں الدض روم اور اناطولیہ کے اسی نمائندے شریک ہوئے۔ اس کا نام حزب وطنی رکھا گیا اور تمام علاقہ میں کمال نے ہنگامی دورہ کیا اور ترکوں کی لگوں میں قومی حمیت کا جوش تازہ کر دیا۔

صدارت | ۲۹ اپریل ۱۹۲۰ء کو الدض روم اور سیواس میں جمعیتہ وطنی نے مصطفیٰ کمال کو اپنا صدر منتخب کیا۔ ادھر قسطنطنیہ میں جس قدر احسار گرد فدا ری سے اتحادیوں کے ہاتھوں بچے رہے تھے وہ بھاگ بھاگ کر اناطولیہ آ گئے اور جمعیتہ وطنی میں شامل ہو گئے۔

ترکوں کی زبوں حالی | ترک متواتر گیارہ سال سے جنگ میں الجھ کر خستہ حال ہو گئے تھے۔ ان کے پاس اسلحہ و ذخائر جنگی کی بہت کمی تھی جو باقی بچے تھے وہ ظالم اتحادیوں نے قسطنطنیہ کے قبضہ کے وقت ترکوں سے لے لئے تھے اور ان کو بے دست و پا بنا دیا تھا۔ مگر ترک دنیا کی وہ ممتاز قوم ہے جو کہ بغیر ہتھیار کے ہی اپنی شجاعت و بہادری کے بھر دہ پر ظالم یونانیوں سے دو، دو ہاتھ کرنے کے لئے آمادہ تھے۔ چنانچہ ترکوں نے ٹوٹے پھوٹے اسلحہ سنبھال لئے اور یونانیوں کا مقابلہ شروع کیا جو باشعوروں کو قتل کرتے، بچوں کو ذبح کرتے، عورتوں کی تذلیل کرتے ہوئے بڑھتے چلے آتے تھے۔

ادھر دوسری طرف فرانسیسیوں کو جو اناطولیہ کے جنوب مشرق اور شام کے شمال میں سلیشیا پر قابض ہو گئے تھے۔ ان ترکوں نے کمال کی امداد ملنے ہی فرانسیسیوں پر حملہ بول دیا اور ان کو شکست فاش دی جس سے اُس نے صلح کر کے سلیشیا خالی کر دیا اور جان بچالے گیا۔

خلافت مآب | خلیفہ عبدالوہید اور اس کا وزیر داماد فرید پاشا انگریزوں

کے دام میں پھنس چکا تھا اور اُس نے ترکی سلطنت پر انگریزوں کا انتداب قبول کر لینے کا وعدہ کر لیا تھا۔

انگریزوں نے حزب وطنی کی سرگرمیوں کو دیکھ کر صدر اعظم کو آمادہ کیا کہ وہ سرگرمیوں کے خلاف قدم اٹھائے۔ چنانچہ خلیفہ اور فرید پاشا نے ۱۱ جون ۱۹۱۱ء کو شیخ الاسلام درویش زاده آفندی سے فتویٰ لے کر حاسیان وطن و ملت کو باغی قرار دیا اور انگریزوں سے قرضہ لے کر مصطفیٰ پاشا کو دکی ماتحتی میں ان کے استیصال کے لئے ایک فرنچ بیجی۔ اس پر اس نے نہیں کیا بلکہ مصطفیٰ کمال پاشا، فواد پاشا، ڈاکٹر عدنان بک اور رؤف پاشا وغیرہ جو وطنی تحریک کے علمبردار تھے غائبانہ موت کا حکم صادر کیا اور ان کے اموال، ہر قسم کے فوجی امتیازات اور شہری حقوق ضبط کر لئے۔ اس مضحکہ خیز عمل سے ملک میں خلیفہ اور صدر اعظم کے خلاف ایک لہر دوڑ گئی۔

مصطفیٰ کمال کو جب اس کا عالم ہوا تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ :-
”وہیں آستانہ کی ترکی حکومت کو تسلیم نہیں کرتا کیونکہ وہ اجنبی دول کے زیر اثر ہے۔“

باشوکیوں سے معاہدہ | اروس میں انقلاب کے بعد باشوکی حکومت قائم ہو گئی تھی جو مشرق میں انگریزوں کے خلاف اپنا نفوذ بڑھانا اور انگریزوں کو نیچا دکھانا چاہتی تھی۔ چنانچہ ڈاکٹر بکراسی کو حزب وطنی نے ماسکو بھیجا۔ جمال پاشا بھی برلن سے وہاں آ گئے۔ ان ہردو نے ترکوں اور باشوکی حکومت میں ۲۱ مارچ ۱۹۲۱ء کا معاہدہ اتحاد لکھوایا۔

مصطفیٰ کمال کا بڑا کارنامہ | مصطفیٰ کمال نے دو لاکھ فوج مرتب کر کے انگریزوں کے پھرنیوٹانیوں پر جو ملک کے بڑے

لے تاریخ دولت العلیہ العثمانیہ علامہ محمد فرید بک مصری ۔

حق پر ظلم و جور کے ساتھ قبضہ کئے بیٹھے تھے۔ ۲۹ اگست ۱۹۲۱ء کو حملہ کر دیا۔ اس کی شہربردہ اور اندر سے ان کی پٹائی کر کے نکال باہر کرنا۔

پھر سر ناپریونانیوں کی ایسی سرکوبی کی کہ سر پر پیر نہ کر بھاگے۔ باوجودیکہ یونانی فوجیں تین لاکھ نفوس پر مشتمل تھیں۔ بیشتر حصہ فنا کے گھاٹ اترا۔ بہت سے گرفتار ہوئے بہت تھوڑے ترکوں کے ہاتھ سے بچ کر بھاگ سکے۔ اگلا پھلا انتقام بہادروں نے ظالم یونانیوں سے لے لیا۔ مال غنیمت ترکوں کے ہاتھ خوب لگا۔ انگریز اور ان کے ہمنوا دیکھتے رہ گئے۔ تمام یورپ ترکوں کی بہادری سے دنگ ہو کر رہ گیا۔ اور مجبوری درجہ اتحادیوں نے جو قسطنطنیہ پر قابض ہو گئے تھے۔ اس زبردست قوت کو دیکھ کر امرائے فوج کے ساتھ مدانیہ میں گفتگو کی اور قسطنطنیہ کو خالی کر دینے کا وعدہ کیا۔ سمجھتے تھے کہ اگر یہ ترک قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوئے تو اتحادی فوج جو وہاں مقیم ہے وہ بچ نہ سکے گی اور اگر ہم مقابل آئے تو روس ضرور ان کا معاون ہو گا۔

ترکوں کی شجاعانہ سرگرمی دیکھ کر اتحادی جھکے اور وطنی **لوزان کانفرنس** جماعت کے ساتھ مساویانہ مصالحت کے متعلق گفتگو

شروع کر دی۔ چنانچہ سوئٹزر لینڈ کے مقام لوزان میں ۲ نومبر ۱۹۲۲ء کو کانفرنس شروع ہوئی۔ ترک نمائندہ عصمت پاشا تھے عصمت نے اتحادی نمائندوں کی وہ خبر لی کہ لارڈ کرزن جو انگلستان کا نمائندہ تھا منہ کی کھاسک رہ گیا۔

آخرش اتحادی مجبور ہو گئے اور عصمت پاشا کے مطالبے منظور کئے اور ۴ جون ۱۹۲۳ء کو کانفرنس ختم ہوئی۔ قسطنطنیہ، مقریس، اناطولیہ اور ایشیائے کوچک کا کل علاقہ ترکوں کا تسلیم کر لیا گیا اور وہ جملہ مراعات جو دول یورپ کو ترکی میں حاصل تھیں وہ یک قلم منسوخ کی گئیں۔ یہ کارنامہ عصمت پاشا کے تدبیر کا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ترک ایسے آزاد ہو گئے جیسے اپنے عروج کے زمانہ میں تھے۔

انحلائے قسطنطنیہ | ۲۱ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو اتحادیوں نے قسطنطنیہ کو خالی کر دیا۔ سلطان عبدالوحید خاں بھی انگریزی جہاز پر سوار ہو کر ماسطہ چلتے ہوئے۔

قیام جمہوریت ترکیہ | مصطفیٰ کمال اس عظیم الشان کارنامہ کا ہیرو ہے۔ کیونکہ ترکوں کا گیارہواں ملک اور مٹا ہوا و قارہ پھر واپس مل گیا۔ چنانچہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو جمعیت وطنی نے ترکی سلطنت کو جو دستوری تھی، جمہوری کر کے مصطفیٰ کمال پاشا کو صدر منتخب کیا اور اتاترک کے خطاب سے نوازا۔

پایہ تخت | قسطنطنیہ سے دار السلطنت ہٹا کر انگورہ کو مستقر حکومت قرار دیا۔

سلطان عبدالمجید خان

آخری خلیفہ | سلطان عبدالمجید ثانی کو عبدالوحید کے فرار ہونے کے بعد جولائی عہد بھی تھا ترکوں نے خلیفہ بنالیا۔ مگر اصولاً دو متضاد اختیارات ایک ملک میں نہیں رہ سکتے تھے۔ دوسرے سال سلطان کو معزول کر دیا۔ یہ آخری خلیفہ بنی عثمان فرانس کے شہر سینس میں قیام پذیر ہوئے۔ نظام حیدر آباد میر عثمان علی خاں نے گراں قدر رقم سالانہ مقررہ کر دی اور مولانا شوکت علی مرحوم کے ذریعے سلطان کی دوشنہزادیاں نظام کے دو بیٹوں سے منسوب کرادیں۔

خاتم خلافت | ترکی جمہوریہ نے خلیفہ کے ساتھ خلافت کا منصب بھی ختم کر دیا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝

عہدِ انا ترک

کمالِ انا ترک ۱۹۲۳ء میں برسرِ اقتدار ہوئے تو اُن کی توجہ زیادہ تر مغربی معاشرت و تمدن کے اختیار کرنے اور پھیلانے کی طرف تھی۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو ٹھکانے لگا کر آمریت کی شان پیدا کر لی۔ جمہوریت برائے نام رہ گئی۔ مذہب پس پشت پڑ گیا۔ پندرہ برس تک صدر جمہوریہ ترکیہ رہے۔ یہ واقعہ ہے کہ انگورہ کو مغربی رنگ میں رنگ دیا۔ مگر شہروں سے متصل جو دیہات تھے اُن کی وہی پسماندہ حالت رہی اور وہ پرانی ڈگر سے نہیں ہٹے۔ یہ درست ہے کہ ترکیہ کا کسان مشرق کے دوسرے ممالک کے کسان کی طرح جاگیرداروں کا غلام نہیں۔ کیونکہ کمالِ انا ترک نے کسانوں کی دو تہائی آبادی کو زمین عطا کی مگر پھر بھی کمالی اصلاحات سے کسانوں کی زندگی میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

www.KitaboSunnat.com

صنعت و حرفت | انا ترک نے صنعتوں کے قیام کی اپنے عہد میں زبردست کوشش کی صنعتی ادارے قائم کئے مگر یہ

سعی سطحی ہے۔ مثل یورپی ممالک کے ترکی علاقہ نہ بن سکا۔

تعلیمی ترقی | کمالِ انا ترک نے ترکوں کو اردن حروف کو تہجی بنانے اور مغربی وضع قطع اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ اسکول کالج کثرت سے کھولے۔ اس لاطینی رسم خط میں کثرت سے کتابیں نقل کی گئیں۔ مگر ابھی ترکی زبان مغربی و مشرقی جملہ علوم و فنون سے مالا مال نہ ہو سکی مگر جو کچھ تعلیمی ترقی ہوئی وہ بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔

جمہوریہ ترکیہ پر نظر | انا ترک کے ساتھیوں کے ہاتھ میں سارا

نظم و نسق تھا۔ یہ پیپلز پارٹی کہلاتی تھی۔ شروع چند سال تک تو اس جماعت نے بہتر کام کیا۔ آخر میں اس پارٹی نے بہت سخت گیری اختیار کر لی۔ عوام میں اگلی سی محبت ان سے نہ رہی۔ چنانچہ عمال حکومت کے جبر و ظلم کا ایک واقعہ اخبار میں شائع ہوا تھا کہ ایک شخص کی لاش باس فورس سے نکالی گئی جسے بڑی تکلیف دے کر مارا گیا تھا تو استنبول کے ایک راہ گیر نے طنزاً لاش سے مخاطب ہو کر کہا :-

”بے چارہ شدید باز پرس کی بھیمنٹ چڑھ گیا۔“

مصطفیٰ کمال کا انتقال | ۱۹۸۸ء میں مصطفیٰ کمال کا انتقال ہو گیا۔

عصمت پاشا

اتاترک کے بعد پیپلز پارٹی نے عصمت پاشا کو صدر جمہوریہ ترکیہ منتخب کیا اور ان کو خطاب دیا۔ اولاً ان کا عہد اسی طرز پر تھا جیسا کہ کمال اتاترک کے زمانے میں تھا مگر ان کو قدرے مذہب سے لگاؤ ضرور تھا۔ سب سے بڑا کارنامہ اُن کا یہ ہے کہ دول مغرب کے بموقعہ جنگ عظیم جہان سے نہیں آئے۔ قوم کو اس جنگ سے الگ تھلگ رکھا۔

مگر ترکوں میں پھر ایک لہر اُٹھی۔ وہ مذہب کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں اور وہ موجودہ طرز زندگی سے گھبرا سکتے ہیں۔ گو عصمت انونو کے دور حکومت میں پرانی روایات کا چرچا ہونے لگا تھا، مساجد تعمیر ہوئیں، مذہبی لٹریچر پر سے پابندی اُٹھالی گئی مگر ملک کچھ اور بھی دیکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ جلال بائر جو ایک عرصہ تک وزیر رہ چکے تھے، انہوں نے ڈیموکریٹک پارٹی سے تعلق پیدا کر لیا۔ عوام اس جماعت کی طرف جھکنے لگے اور عصمت انونو کی جماعت سے منحرف ہو گئے۔ ۱۹۵۰ء میں انتخاب صدر

کے موقع پر پیپلز پارٹی کا ایک قافلہ ساحلی گاؤں ”تشو جو“ میں ڈکا۔ وہاں کے باشندوں سے پانی مانگا۔ لیکن انہوں نے بڑی بے رنجی سے جواب دیا جاؤ اور اپنے لئے سمندر سے پانی بھرو۔ عوام پیپلز پارٹی سے اس قدر بیزار ہو چکے تھے۔

جلال باٹر صدر جمہوریہ | وزیر اعظم بھی رہ چکے تھے اور یہ مارشل فوزی چترماق نیشن پارٹی (حزب مخالف) کے قائد بھی رہ چکے ہیں۔

۱۹۵۰ء کے انتخاب صدر جمہوریہ میں ڈیموکریٹک پارٹی نے عصمت انونو کو بالکل نظر انداز کر دیا اور جلال باٹر کو بہت زیادہ ووٹوں کی اکثریت سے کامیاب بنایا۔

اس پارٹی نے وعدہ کیا کہ حکومت ترکیہ کو اب سے بہت زیادہ ترقی کی راہ پر لگایا جائے گا۔ اس سے بڑھ کر اس جماعت کا یہ دعوے ہے کہ انفرادی سرمایہ اور قومی ملکیت کے بہتر عناصر کو یکجا کر دیا جائے گا۔ یہ ضرور ہے کہ اس جماعت کے بیشتر رہنما تاجر طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے وہ ضرور انفرادی سرمایہ اور انفرادی مساعی کو زیادہ اہمیت دیں گے۔

ادھر جلال باٹر نے عربی زبان میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دی اور مذہب سے دلی لگاؤ بھی ہے۔ امید ہے کہ پرانی خرابیوں کی اصلاح موجود صدر کے ہاتھوں ہو سکے گی۔ اس جگہ ہم دست بدعا ہیں کہ جمہوریہ ترکیہ کا مستقبل روشن و تابناک ہو اور ان میں اسلامی روح جاگزیں ہو۔

دولت عثمانیہ کا پس منظر

خلفائے عباسیہ کے شروع عہد سے ہی ترکوں کے اکثر قبائل دائرہ اسلام میں داخل ہو کر جوہر بہادری دکھاتے ہوئے ترقی کے میدان میں گامزن ہوئے۔ عثمانی ترکوں کا اقبال چمکا تو خلافت بنی عباس ارباب کی گھٹاؤں میں گھر چکی تھی۔ عظیم الشان سلطنت جو ایک خلیفہ کے تابع تھی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مختلف خاندانوں میں بٹی جو آپس میں برسرِ پیکار تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان ترکوں کے ہاتھوں سے شیرازہ سلطنت اسلامیہ کو بھر پور کیا اور اس میں نئے سرے سے ایسی جان پڑ گئی کہ روشن ماضی کی یاد تازہ ہو گئی۔

گویہ لوگ خانہ بدوش صحرا نورد تھے مگر بہادر اور مہذب تھے۔ اسلام نے ان میں مجاہدانہ سرگرمی پیدا کر دی جس نے اسلامی حکومت کو حیاتِ تازہ بخشی اور مسلمانوں کا عزم جو مردہ ہو چلا تھا اس کو ایسا زندہ کیا کہ ان کی فتوحات کا دائرہ ممالکِ ایشیا سے یورپ کے حدود کے اندر دُور تک وسیع ہو گیا تھا۔ غرضیکہ تاریخ سلطنتِ اسلامیہ کے تاج کا ایک گوہر ہے بہایہ عثمانی ترک کہے جاسکتے ہیں۔

ترکی قبائل میں سے اغریا و غور قبیلہ تھا جس کا چشم و چراغ امیر عثمان خان تھا جس نے دولتِ عثمانیہ کی تاسیس کی اور اس کی اولاد میں ۱۹۲۴ء تک سینتیس سلطان ہوئے اور اس کے اخلاف سے تین ترک جمہوریہ کے صدر ہوئے۔

امیر عثمان خان نے حکومت بازنطائن کے علاقے لے لئے۔ سلطان اور خاں نے بروصہ اور نکائیہ کا الحاق کیا۔ ہمسایہ ریاست قراسی بھی زیرِ نگین آ گئی۔ اور ینگ چری (انکشاریہ) فوج قائم کی جو صدیوں تک عثمانیہ فتوحات کے سر کا سہرا ثابت ہوئی۔ ۱۵۰۰ء میں ہسپانیہ عبور کر کے قلعہ گلی پولی کو مرکز بنا کر

سلطنت بازنطائن کے یورپین مقبوضات کو فتح کرنا شروع کر دیا۔ چند سال کے بعد ایڈریانوپل اور فلپوپولس مسخر ہوئے، مرٹزہ کسارہ بھی لے لئے۔ ان مہمات سے قسطنطنیہ کے نواحی ضلعے کے سوا تمام جزیرہ نمائے بلقان پر ترکوں کا قبضہ ہو گیا۔ مگر تیمور کی آویزش سے قسطنطنیہ ترکوں سے کچھ عرصہ کے لئے بچا رہا۔ بایزید اور تیمور باہم برسر پیکار ہوئے۔ بایزید ناکام رہ کر امیر ہو کر عدم کوروانہ ہوا مگر محمد اول کی بیدار مغزانیہ پالیسی سے اس سلطنت کا پھر اپنے سابقہ دم خم پر عود کرنا کچھ کم حیرت انگیز نہیں۔

مراد ثانی نے ہونی ایڈی (ولاجی کے سفید نائٹ) کے عملوں کو پامردی سے روکا اور صلیبی مجاہدوں کی گوشمالی کی، جس سے شمال سے پھر کسی دشمن کو مقبوضات ترک کی پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہ ہوئی اور آئندہ دو صدیوں کی تاریخ میں ترک کی فتوحات کی طول طویل فہرست کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ ۱۴۵۳ء، ۱۵۵۰ء میں سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ فتح کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی سلطنت بازنطائن کا چراغ گل ہو گیا۔

۱۴۵۳ء، ۱۴۵۴ء میں کریمیا کا الحاق ہوا۔ جزائر ایجین عثمانیہ قلمرو میں داخل ہوئے حتیٰ کہ اٹلی میں ترک کی جھنڈا قلعہ اٹرنٹو پر لہرانے لگا۔ سلطان سلیم اول نے اپنے آٹھ سالہ قلیل دور حکومت میں ایران کو شکست دے کر خراسان و دیار بکر کو ترک قلمرو میں ملا لیا۔ ۱۵۱۷ء میں شام، مصر اور عرب کے صوبجات مملوکوں سے چھینے گئے اور دائرہ حکومت قلمرو عثمانیہ کا بڑھ گیا۔ سلیمان اعظم نے اپنی مہتمم بالشان فتوحات سے سلیم کے کارناموں کو بھی دلوں سے بھلا دیا۔ ۱۵۲۲ء میں سلطان نے دہوڈس کے نائٹوں کو ان کے مضبوط مورچوں سے نکال دیا۔ شمال میں بلگراڈ (بلغرید) مسخر ہوا۔ ۱۵۲۶ء میں سلیمان اعظم نے میدان مہاکس میں فی الواقعہ ہنگرین سپاہ کو کچل ڈالا۔

اس جنگ میں بیس ہزار عیسائی تلوار کے گھاٹ اترے اور شاہ ہنگری

ٹوئیس ثانی بھی مقتول ہوا۔ ڈیڑھ صدی تک ہنگری ٹرکی کا ایک صوبہ رہا سلطان سلیمان نے ۱۵۲۹ء میں وائنا کا محاصرہ کر لیا۔ گو اسے فتح نہ کر سکا تاہم اُس نے ارج ڈیوک فرڈیننڈ کو خراج ادا کرنے پر مجبور کیا۔

مسٹر اسٹینلی لین پول اپنی تاریخ ”شجرات فرمانروایان اسلام“ میں لکھتا ہے :-
 ”سلیمان اعظم کہلانے کا دعویٰ صرف اسی بات پر مبنی نہیں کہ وہ بڑا لائق و قابل اور روشن خیال حکمران تھا یا اُسے عظیم الشان فتوحات حاصل ہوئیں بلکہ اُسے اس لحاظ سے اعظم کہنا بجا ہے کہ اُس نے چارلس اول، فرانسس اول، الزبتھ اول اور لیوڈیم جیسے جلیل القدر بادشاہوں اور کلیمس کورٹس اور ایلیمہ جیسے نامور مدبرین کے زمانہ میں اپنی بزرگی کو قائم و برقرار رکھا۔ چارلس اعظم کی آنکھوں کے سامنے اس نے ہنگری کا الحاق کر لیا اور وائنا کو جاگیر اور بحری طاقت کے عروج کے زمانہ میں جبکہ ڈوریا اور ڈریک جیسے یورپ کے امیر البحر موجود تھے۔ سلیمان کے جنگی جہازوں نے ہسپانیہ تک بحری راستہ کو فس و خاشاک سے پاک و صاف کر دیا اور سلطان کے امیر البحر بروس، پیال اور ڈوڈاگ کے نام سے بحروم کے کنارے کی سلطنتیں کا نپٹی تھیں انہوں نے اہل ہسپانیہ کو بربری ریاستوں سے نکال دیا تھا ۱۵۲۳ء میں بحری لڑائی میں پوپ روما اور شہنشاہ کو شکست فاش دی۔ سلیمان کی سلطنت بوڈاپسٹ (واقع ڈینیوب) سے اسوان (واقع آبشار نیل) اور فرات سے آبنائے جبرالٹر تک پھیل گئی تھی۔ ترکی کی تاریخ میں سلیمان اعظم کا عہد گویا اس کی منتہائے ترقی کا زمانہ تھا۔“

دورِ تنزل | سلطان سلیمان کے بعد سے گو کچھ فتوحات ہوئیں مگر اس کے ساتھ ناکامیاں زیادہ تھیں۔ ۱۵۷۱ء میں لیپانٹو میں منہزم ہوتے

ہی ٹرکی کے بحری عروج کا تنزل شروع ہو گیا۔ باوجودیکہ تری جنگوں میں ترکوں نے متعدد فتوحات حاصل کیں۔ ۱۵۱۷ء میں قبرص کا الحاق کر لیا۔ ۱۵۶۶ء میں افواج اسٹریا کو بمقام کمزٹر شکست دی مگر ترک بحری طاقت کے لحاظ سے یورپ کے خوف و خطر کا موجب نہ رہے اور ان کی عظمت و شوکت و سطوت اہل یورپ کے دلوں میں پہلے بیٹھی ہوئی تھی وہ باقی نہ رہی۔ سلطان مراد چہارم نے ۱۶۲۳ء میں بغداد لیا اور ۱۶۴۷ء میں اہل وی نیشیا سے کینڈیا اور جزیرے لے لئے۔ مگر یورپ میں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

۱۶۶۲ء میں سینٹ گوٹھرڈ میں ۱۶۷۳ء میں چوک زم میں ۱۶۷۵ء میں لیمبرگ میں جان سوپچی کے مقابلہ پر ترک گھونگھٹ کھا گئے اور تاپ مقابلہ نہ لاسکے۔ اور بوسنیا، یونان پر اہل اسٹریا اور اہل وی نیشا نے کئی حملے کئے۔ ۱۶۶۶ء میں زٹاکا کی لڑائی میں شہزادہ یوجین نے صدرۃ عظیم ترکوں کو پہنچایا اور ۱۶۹۹ء میں صلح نامہ کارلووئز اور ۱۷۱۸ء کے پاس سردوئز کے عہد نامہ نے ہنگری، پوڈولیا، ٹرنسوالینیا میں ترکوں کا تسلط کچھ باقی نہ رہا۔

۱۷۳۶ء میں روس نے اوک زے کوؤ اور اذدو کو ترکوں سے لے لیا۔ ۱۷۸۳ء میں کریمیا کو قبضہ میں لایا اور دریائے ڈنیوب کی ملکیتوں پر کئی حملے کئے افریقہ میں مصر کو محمد علی نے ترکی سلطنت سے عملاً آزاد کر لیا۔ الجیریا ۱۷۵۶ء ٹیونس ۱۷۵۸ء میں آزاد ہوئے تھے۔ ۱۸۳۰ء میں فرانس نے الجیریا پر قبضہ کیا اور ٹیونس پر ۱۸۸۱ء میں متصرف ہو گیا۔ سلطان مراد چہارم نے اپنے مقبوضہ بغداد کو ایران سے واپس لیا۔

۱۸۷۸ء میں برلن کے عہد نامہ کے موافق باطوم روس کے ہاتھ لگا اور برطانیہ نے جزیرہ قبرص ہتھ لیا۔ روس کے دباؤ سے رومینیا، سربیا، سلطنتیں قائم ہوئیں اور موٹی نیگرو آزاد ہوا۔ یونان کو تھسلی ملا۔ بوسنیا، ہرزی گونیا، آسٹریا کے سپرد ہوئے۔ ۱۸۷۵ء میں ایک نئی باجگذار ریاست مشرقی رومیلیا قائم

ہوئی۔ جس کے سبب سے کوہ بالکین کے شمال میں ترکی سلطنت باقی نہ رہی۔
عبدالحمید کے عہد میں ترکی کا رہا سہا بھرم جاتا رہا۔ طرابلس اٹلی نے لے لیا۔ تمام
بلقان میں آتش بغاوت روشن ہوئی۔ اتحادیوں کی ریشہ دوانیوں سے ترکی کے
حصے بخرے کر دیئے۔

محمد خامس کے زمانے میں عرب بھی نکل گیا۔ وہ وقت آگیا کہ یونانیوں نے
تھریس پر قبضہ جمایا۔ قسطنطنیہ پر اتحادی قابض ہوئے۔ مگر نوجوان ترکوں نے یونان
کو پٹیا۔ اتحادی بھاگ کھڑے ہوئے۔ سلطنت عثمانیہ کی کشتی ڈوبتے دیکھ کر کمال پاشا
نے انگورہ میں جمہوریہ ترکیہ کی تشکیل کی اور خلافت عثمانیہ کا خاتمہ کر دیا۔ ترکی جمہوریہ
تتزل کے بعد پہلا ذریعہ ترقی کا ہے تفصیلی حالات ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

سیاسی بیداری

ترکوں میں بحجز ذات شاہانی کے کوئی ادارہ سیاسی نہ تھا حتیٰ کہ انقلاب
فرانس سے عثمانی عیسائی رعایا اثر پذیر ہو کر آزادی کی جدوجہد میں لگ کر
کامیاب ہوئے۔ مگر ترکی طبائع پر اس انقلاب کا بہت کم اثر پڑا۔ سب سے پہلے
جس شخص نے ترکوں میں حریت کا احساس پیدا کیا وہ مدحت پاشا تھا جس نے
سلطان عبدالحمید کے شروع عہد میں دستوری حکومت کا اعلان کرایا۔ مگر سلطان
کے استبداد کی بدولت دستور نہ چلا اور مدحت پاشا طائف میں نظر بند ہوا۔
اور اُس کے ہمنوا شہر بدر کئے گئے۔ مگر اس واقعہ نے نوجوانوں میں حریت کا
جذبہ پیدا کر دیا۔

ادھر سید جمال الدین افغانی نے عبدالحمید کو اتحاد ملت کی طرف متوجہ کیا۔
اور حجازہ ریلوے کو اُمت کی مشترکہ ملکیت قرار دے کر عالم اسلامی میں ترکی
خلیفہ اور خلافت کا احساس پھیلایا۔ اس کے بعد ہی سلطان نے سید صاحب کو
ٹھکانے لگوا دیا۔ انہی دنوں شیخ عبدالرحمن الکوایبی نے ترکوں میں اصلاح دینی

کی تحریک پیش کی۔ دو کتبیں طبائع الاستبداد اور جمعیتہ ام القریٰ لکھ کر شائع کیں۔
 ترکوں میں ان کی مقبولیت بہت ہوئی۔ سلطان و اشترار ملیدز نے استبداد سیاسی
 سے انکو ابی کو دینی اصلاح سے روک دیا۔ بلکہ دونوں مذکورہ کتابوں کو مملکت
 عثمانیہ میں ممنوع الاشاعت قرار دے دیا۔

ملک میں اس کا اثر پڑا۔ کچھ دنوں کے بعد ہی وطنی تحریک اٹھ کھڑی ہوئی
 نیازلی بک انور بک، محمود شوکت پاشا وغیرہ نے انجمن اتحاد ترقی کی تشکیل
 کی اور کارہائے نمایاں کئے۔ سلطان کو معزول کر دیا۔ کمال پاشا نے آگے
 چل کر خلافت ہی کا الغاء کر دیا اور اس کے بجائے جمہوریہ ترکیہ قائم ہو گئی۔
 پہلے صدر جمہوریہ کمال پاشا رہے۔ پھر عصمت انونو اور ۱۹۵۰ء میں جلال بائر
 صدر جمہوریہ ترکیہ بنے۔

اس جمہوریہ کے تحت میں صرف ایشیائے کوچک اور یورپ میں تھوڑا
 سا علاقہ ہے۔ آبادی زیادہ تر مسلمان ہیں۔ پہلے سرکاری مذہب اسلام تھا۔ لیکن
 ۱۹۲۸ء میں سرکاری مذہب کی حیثیت اٹا دی گئی اور ترکی کو صحیح معنی میں
 ایک جمہوریہ قرار دیا گیا۔ ترکی کا رقبہ اب ۷۸۷۷۱۱ مربع کلومیٹر ہے جس میں
 زیادہ تر پہاڑی علاقہ ہے۔ دریاؤں کی وادیاں اور ساحلی علاقے زرخیز ہیں۔
 انقرہ، از میر، استنبول بڑے شہر ہیں۔

نظام مملکت

سلاطین عثمانیہ میں سے پہلے جو سلاطین تھے ان کے یہاں نظم مملکت
 سلجوقی فرماں رواؤں کے طرز پر تھا۔ آگے چل کر اضافہ کر لیا۔ سلجوقیوں کی
 طرح مہمات سلطنت میں سلطان فرمانروائے مطلق تھا جس کی اطاعت لازمی
 تھی اور بشرط رعایت نصوص قرآن مجید سلطان رءایا کے جان و مال اور
 ملک و فوج وغیرہ پر سیاہ و سفید کا کلی اختیار رکھتا تھا۔ دولت عثمانیہ کے

سب سے بڑے دو عمدہ دار تھے۔ ایک صدر اعظم جو امورِ ملکی و فوجی کا کفیل ہوتا تھا۔ دوسرا شیخ الاسلام جو شرع و شریعت کا حامل ہوتا تھا۔ صدر اعظم کے ماتحت جملہ وزراء اور ملکی دفاتر تھے اور شیخ الاسلام کی نگرانی میں محکمہ جات شرع و فقہانہ۔ شیخ الاسلام علاوہ مذہبی امور کے مہات سلطنت میں اعلانِ جنگ معاہدہ صلح عزل و نصب سلطان وغیرہ میں ذخیل تھا۔

شیخ الاسلام کے بعد قاضی عسکر روم ایللی اور قاضی عسکر اناطولیہ کا درجہ تھا ان میں سے ہی شیخ الاسلام بنایا جاتا۔ سلطان شیخ الاسلام کے علیحدہ کرنے کا اختیار رکھتا تھا۔ مگر حرمتِ شرع کی وجہ سے ایسا نہیں کرتا تھا اور نہ سلطان ان کے فتویٰ کی مخالفت کا اختیار رکھتا تھا بلکہ شیخ الاسلام کی عظمت اور بزرگی ملحوظ رکھتی پڑتی تھی۔ چنانچہ سلاطین عثمانیہ میں سلطان سلیم خاں بڑے جلال اور ہیبت کا بادشاہ ہوا ہے۔ ایک موقع پر اس کو ملازمینِ خزانہ پر غصہ آگیا اور ان میں سے ڈیڑھ سو آدمیوں کے قتل کا حکم دے دیا۔ مولانا علاء الدین جمالی ان دنوں قسطنطنیہ میں مقیم تھے، انہوں نے جو یہ سخت حکم سنا تو ان بیکس ملازموں پر رحم آیا اور سلطان کو سمجھانے کے لئے باب عالی کو تشریف لے گئے۔ قاعدہ یہ تھا کہ مفتی صدر بدو کسی حادثہ عظیم کے باب عالی کا قصد نہیں کرتا تھا۔ جب یہ ایوان وزراء میں داخل ہوئے تو سارے اہل دیوان حیران رہ گئے کہ خدا خیر کرے مفتی صاحب کیسے تشریف لائے۔ حضور سلطانی میں ان کی اطلاع ہوئی اور یہ اجازت ملی کہ تنہا آئیں۔ یہ وہاں پہنچے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ بیٹھنے کے بعد سلسلہ تقریر یوں شروع کیا :-

”جو علماء منصبِ فتویٰ رکھتے ہیں ان کا فرض ہے کہ سلطان وقت کی آخرت درست رکھنے کی فکر رکھیں۔ میں نے سنا ہے کہ سلطان نے ڈیڑھ سو آدمیوں کے قتل کا حکم دیا ہے حالانکہ شرعاً یہ تجویز ناجائز ہے۔ لہذا میں عفو سلطانی کی استدعا کرتا ہوں۔“

سلطان کو اپنے مفتی کی یہ مداخلت نہایت شاق اور ناگوار معلوم ہوئی اور قہراً لود ہو کر کہا کہ تم کو اپنے حد اختیار سے بڑھنا اور امورِ سلطنت میں دخل دینا نہیں چاہیئے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں معاملاتِ سلطنت میں دخل نہیں دیتا بلکہ عاقبتِ سلطانی کی عافیت چاہتا ہوں اور میرا فرض ہے۔

ان عفوت فلتك الذجاجة والوفلت عقامب عظیم۔

سلطان کے دل پر اس کلام کی جلالیت اثر کر گئی اور غصہ فرو ہو گیا اور ان تمام ملازموں کی خطائیں معاف کر دیں۔

جب مفتی ممدوح نے اٹھنے کا قصد کیا تو فرمایا کہ میں سلطان کی آخرت کے متعلق تو فرضِ منصبی ادا کر چکا، اب ایک بات شانِ سلطنت کی نسبت کہنا چاہتا ہوں۔ سلطان نے پوچھا وہ کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ سب بیچارے آپ کے غلام ہیں؟ کیا یہ مناسب ہو گا کہ غلام شاہی ہو کر در بدر مانگتے پھریں؟

سلطان نے فرمایا کہ نہیں۔ انہوں نے کہا، تو ان کی جگہ پھر انہی کو عطا فرمائی جائے۔ سلطان نے ازراہِ مرام خسروانہ اس کو بھی قبول کیا مگر یہ کہا کہ ان کو قصور کی سزا ضرور دی جائے گی۔ مولانا نے فرمایا کہ اس میں مجھ کو کچھ کلام نہیں ہے۔ کیونکہ تعزیری سزا اٹائے سلطانی پر منحصر ہے۔ اتنا کہہ کر سلام کیا اور گھر کو چلے آئے یہ

ایک دن سلیم نے اُن سے پوچھا کہ دُنیا کو فتح کرنا بہتر ہے یا قوموں کو مسلمان بنانا؟ شیخ جمالی نے جواب دیا کہ مسلمان بنانے میں زیادہ ثواب ہے۔ سلطان نے صدرِ اعظم کو حکم بھیجا کہ ہر گوشہ میں اعلان کر دیا جائے کہ جو اسلام نہ لائے گا قتل کر دیا جائے گا۔

لے علمائے سلف از لواب حبیب الرحمن خان شروانی صدر یار جنگ بہادر ص ۱۳۳۔

شیخ کو خبر لگی تو بطریق کو لے کر سلطان سلیم کے پاس پہنچے اور وہ عہد نامے دکھائے جو قسطنطنیہ کی فتح کے بعد سلطان محمد نے نصاریٰ کے ساتھ کئے تھے۔ پھر قرآن مجید کا حکم سنایا کہ اہل کتاب سے جزیہ لے کر مذہب میں آزاد چھوڑ دینا چاہیئے سلیم کو شیخ کے ارشاد پر پابند ہونا پڑا اور حکم واپس لے لیا۔
داخلی نظم و نسق کے دفتر کو دیوان دولت سے خطاب کرتے تھے۔

وزراء

تین وزراء مقرر کئے جاتے تھے۔ سلطان احمد ثالث نے آٹھ کی تعداد وزراء کی مقرر کی اور ان کا رئیس صدر اعظم کو بنایا۔ انہی کی مشاورت سے امور سلطنت طے پاتے اور ماتحت دفاتر نیز سلطنت کے صوبوں اور ریاستوں کے حکام و عمال کے بھی وزراء مقرر کئے جاتے۔

قیودان دریا کا وہ عہدہ تھا جس کے تحت میں بحری افواج تھیں اور بری فوج صدر اعظم کے تحت میں تھے۔

رعایا کے ساتھ سلوک

سلاطین عثمانیہ جہاں شجاعت میں سب سے نمایاں وصف رکھتے تھے اس کے ساتھ ہی رواداری میں بھی اقوام عالم میں بے نظیر تھے۔
ترکوں نے ہمیشہ رعایا کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کیا۔ عیسائی اور یہودی سب ہی خوش اور چین سے زندگی بسر کرتے تھے۔ یورپ میں یہودیوں پر بڑے ظلم روا رکھے جاتے مگر ترک اُن کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے مگر اس پر بھی وہ قہر اٹھاتے۔ نصرانیوں سے میل کر لیتے پھر بھی ان پر ظلم نہ کیا جاتا بلکہ تادیب ضرور کر دی جاتی۔ غیر مسلموں کو مذہبی آزادی تھی قسطنطنیہ میں بطریق کے عہدہ کو قائم رکھا اور اس کے حقوق محفوظ کر دیئے۔

مذہب

ترک اسلام میں داخل ہونے کے بعد سے اسلام کے سچے فدائی ہو گئے اور شعائر اسلام کا ہمیشہ احترام رکھا۔ یہ اُن کے بے دیا اور مخلصانہ اسلام کا ہی اثر تھا کہ ایک طرف اپنی آبائی شجاعت کے جوہر دکھاتے، دوسری طرف اپنے اخلاق اور بلند سیرت اور رواداری سے اپنی زیر اثر قوموں کو گمراہ کر دیتے۔ چنانچہ سرہیا، بلغاریہ، رومانیہ اور یونان، البانیہ کے بے شمار افراد بلا جبر و اکراہ عیسائیت کی غرافات سے بے زار ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

انکشاریہ فوج میں وہ نصرانی فوجوان لئے جاتے تھے جو مسلمان ہو جاتے تھے۔ ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی تھی۔ لطف یہ ہے کہ ان فوجوانوں کی اسلامی طور طریق سے تعلیم و تربیت کی جاتی کہ ان کے اخلاق اعلیٰ ہوتے اور ان میں مجاہدانہ سرگرمی پیدا ہو جاتی۔

نماز دوزے کے بڑے پابند اور زاد و وظائف کے عادی، قرآن مجید بڑے خوش الحانی سے پڑھتے۔ نیک چین ایسے ہو جاتے کہ پاکیزگی ان کے چہروں سے عیاں ہوتی۔ ان کی اعلیٰ سیرت کے چرچے دور دور تک تھے۔ بلقان کے عیسائی دوسرا اپنے بیٹوں کو خوشی سے لاکر خود انکشاریہ فوج میں بھرتی کراتے تھے۔

ترک بالعموم مجاہد اور سرفروش ہونے کے ساتھ دینی عقائد کے پکے، عبادت کے پابند اور خانگی زندگی، دوزمرہ کے معاملات اور اخلاق میں خالص مسلمان اور باہمی اخوت رکھنے والے غیر متعصب، نیک اوصاف سے متصف۔ ان خوبیوں کی وجہ سے ان کی سیرت بلند تھی۔ سلاطین عثمانیہ اور رعایا حنفی مذہب کے پابند اس وجہ سے اختلافی جھگڑے بہت کم پیدا ہوئے۔ شیخ الاسلام کی پوری اطاعت کرتے۔ جو وہ حکم دیتا اس کو دل سے مانتے۔

ترکوں کو تصوف سے بھی دلی لگاؤ تھا اور پیری مریدی کا سلسلہ بھی رائج تھا۔ خانقاہیں، تیکے اُن کے مرکز تھے۔ البتہ نام نہاد صوفیوں کی وجہ سے فتنوں کا ظہور ہوتا رہتا جس کا اثر ترکوں کی باہمی اخوت اور اُن کی سیاست ملکی پر پڑتا تھا۔ جمہوریہ ترکیہ نے تمام زدوایا اور تیکے بند کر دیئے۔ علماء سو بھی اپنے وقار کی خاطر بعض ایسی حرکتیں کرنے لگے تھے جس کا اثر نقصان رساں تھا۔ یہ حکومت کے آلہ کار بن کر حریت نواز قوم کو غلط راستہ پر لگانا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ ان علماء میں قدامت پسندی زیادہ تھی وسعتِ نظر کم۔ اس وجہ سے ہی مذہب کے نام سے مفید دنیاوی علوم و فنون کے پڑھنے سے روکتے۔ ملک کی فلاح کے لئے جدید اصلاحات پیش کی جاتیں تو اُن کی مخالفت کرتے۔

نوجوان ترکوں نے ان کے اقتدار پر ایسی سیاسی کامی ضرب لگائی کہ یہ حضرات لاچار ہو کر رہ گئے۔ پھر ان کا کوئی پرسانِ حال نہ رہا۔ البتہ علمائے حق کی ہر زمانہ میں توقیر و منزلت رہی۔ تمام سلاطین عثمانیہ ان کے سامنے جھکتے رہے اور ان کی قدر و منزلت شایانِ شان کرتے رہے۔ ان علماءِ احناف کا ہی اثر تھا کہ سلطان سلیم اول مذہبِ حنفی کا سب سے بڑا علمبردار تھا جس کی یہ خواہش تھی کہ اس کے قلمرو میں بجز حنفیت کے کوئی دوسرا مذہب نہ رہنے پائے اور اس کو اس سلسلہ میں بڑی کامیابی بھی ہوئی اور اس کے اخلاف بھی سرگرم سعی رہے۔ البتہ کمال پاشا کے عہد میں اسلام سے ہی اگلا سا شغف نہ رہا تو حنفیت کی پرورش کیا ہوتی۔ مگر ترک حنفی ہی کہلاتے ہیں۔

عثمانی ترکوں کا عہد

ترک ہمیشہ علم کے شیداں اور دوسرے علمی اقوام کے ہونہار شاگرد رہے ترکی علماء عجمی عربی تمدن پر نگری نظر رکھتے تھے اور چونکہ ازمہ وسطیٰ میں علم کا مطلب ہی علم دین تھا اس لئے اسلامی دینیات کے مطالعہ کا شوق بہت جلد ترکوں میں پیدا ہو گیا۔

شروع عہد میں ترکی علماء میں مشہور شخصیت شیخ اودے بی کی تھی جس کی دامادی کا فخر عثمان خاں کو تھا۔ ان کے ہم عصر علماء میں درسوں فاتی، چندرالی، قرغیلی یگانہ روزگار تھے۔

سلطان آدرخاں نے مدرسہ اندک قائم کیا جہاں سے علوم عربیہ کے بڑے بڑے صاحب فضل و کمال نکلے۔ سلطان سلیم نے ادرنہ میں عظیم الشان درسگاہ قائم کی اور قسطنطنیہ کا دارالعلوم سلیمانی خاص شہرت رکھتے ہیں، جہاں دور دور سے طلباء نے اکر علم کی تحصیل کی۔ یہاں کے اساتذہ میں عسکر بے لی جمال الدین اور علامہ سعد الدین تفتازانی کی خاص شہرت ہے۔

شیخ بدر الدین نے تصوف کے متعلق قابل قدر کتابیں لکھیں۔ سلطان محمد فاتح کے عہد میں ملا خسرو نے کتب فقہ کے مصنف کی حیثیت سے خاص نام پایا اور ان کی کتاب ”غرر“ اور اس کی شرح ”درر“ بہت شہرت پذیر ہیں۔ زمبلی، علی جمالی اور مفتی اعظم کمال پاشا زادہ نے سلطان سلیم اول کے عہد میں اپنے فضل و کمال کے ڈنکے بجواد دیئے۔ ان کے تبحر علمی کی تمام عالم اسلامی میں شہرت تھی۔

سلطان سلیمان کے زمانہ میں مفسر قرآن علامہ ابوسعود آفندی نامور تفسیر عالم تھے۔ ابن کمال نے تفسیر اور کمالات میں بڑی شہرت پائی۔ انہوں نے تاریخ پر بھی قلم اٹھایا۔ شاعر بھی تھے۔ غرضیکہ جامع العلوم اپنے زمانے کے تھے۔

ترکی علماء نے طب یونانی کو نوازا اور اپنی زبان میں اس کی کتب کو طب منتقل کر لیا۔ مشاہیر اطباء میں حکیم اسحاق اور حاجی پاشا تھے۔ یہ بایزید کے معاصر تھے۔ التجی زادہ، غاونچی زادہ محمد فاتح کے معاصر تھے۔ علی احمد چلبی و سیم عباس کی بھی بڑی شہرت ہے۔ فنِ جراہی میں خصوصاً کمال کی حیثیت سے ان کی شہرت وسطی یورپ تک پہنچی ہوئی تھی۔

شفا خانہ | سلطان بائزید نے ۱۴۰۱ء میں بروصہ میں شفا خانہ تعمیر کرایا تھا۔ اس کے ساتھ مطب بھی حاذق اطبلاء کا تھا۔ مدرسہ سلیمانی اور مدرسہ محمد فاتح میں درسیات کے ساتھ طب یونانی کا بھی درس لازمی تھا۔

تاریخ | عاشق پاشا زادہ سب سے پہلا ترک کی مؤرخ تھا۔ وہ بائزید ثانی کے عہد میں گنڈر رہے اور اپنے ہم عصر نشری کی جہاں نما کی طرح اس کی تصنیف میں ترکوں کی لڑائیوں کا حال نہایت سلیس اور صاف زبان میں ہے۔

سعد الدین مداد ثانی متوفی ۱۵۹۹ء نے عثمانی خاندان کی ایک مفصل تاریخ ترکی نشر میں تحریر کی جس میں ابتدا سے لے کر سلیم اول تک کے تاریخی حالات مندرج تھے۔ اس کا نام "تاج التواریخ" تھا۔ اس تاریخی تصنیف سے ترکی ادب میں عمدہ سوانح نگاری کا آغاز ہوا جس کی بڑی حد تک کمی تھی۔ نعمیات نے تاریخ عثمانی کے نام سے ایک تاریخی کتاب لکھی۔ اس کا زمانہ ۱۵۶۲ء تا ۱۷۵۹ء تھا۔ محمد رابع کے زمانے میں ایک مشہور ترکی سیاح اولیا نے اپنی سیر و سیاحت کا حال ایک سفر نامہ میں تحریر کیا ہے۔

طاش کبری زادہ بھی ترکی زبان کا مشہور عالم و فاضل تھا۔ اس نے فقہاء و مشائخ کی سوانح حیات تحریر کیں۔ ایک دوسرے عالم عطاء اللہ نے بھی اس قسم کی کتاب لکھی۔

ترکی قوم میں حاجی خلیفہ نامور شخصیت ہے جو عربی، فارسی، ترکی کا زبردست عالم تھا۔ اس نے کشف الظنون کے نام سے عربی، ترکی، فارسی کے مصنفین اور ان کی تصنیفات پر مبسوط کتاب لکھی جو محققین کے لئے شمع راہ ہے۔ یہ عربی زبان میں ہے۔ اس کا ۱۶۸۵ء میں انتقال ہوا۔

ترکی تاریخوں میں ناظم کی کتاب سب سے زیادہ مستند ہے۔ دوسرے مؤرخین رشید محمد، اسماعیل عامم، غری سلیمان، واصف احمد پچوی، سلائیکی، مصطفیٰ علی آفندی، ان سب نے تاریخ ترکی کے انقلاب آفریں واقعات پر نظر ڈالی

ہے مصطفیٰ پاشا کی نتائج الوقوعات اور عطا بی کی اندرونی تاریخ، علی آفندی کی مناقب ہنروراں، نتائج الوقوعات میں صرف واقعہ نگاری پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ سلطنت کے نظم و نسق کی تصویریں کھینچی گئی ہیں۔

جغرافیہ سپاہِ نادر محمد کا جغرافیہ مشہور ہے اور امیر محمد ابن حسن نے سو اسی صدی میں امریکہ کے حالات پہلی مرتبہ ترکی زبان میں لکھے۔ حاجی خلیفہ نے بھی جہاں نما تصنیف کی۔ اٹلاس خورد کا ترکی ترجمہ بھی اسی نے کیا۔ نیر بحری جنگ پر کئی تالیفوں کا سہرا بھی اس کے ہی سر ہے۔ رفیع احمد نے عہدِ سلیم میں جغرافیہ پر انگریزی میں مقالہ لکھا اور ایک اٹلس مرتب کی سلطان عبدالحمید کے زمانہ میں مغربی علوم کے تراجم کثرت سے ہوئے اور اس عہد میں ترقی کے بڑے بڑے مصنف و مؤلف تھے۔ بیشتر کے حالات ترکی زبان کی قاموس الماعلم میں تحریر ہیں۔

ترکی نظم و نثر

ترکی زبان اپنے وطن سے دور جا کر غیر ملکوں میں بار آور ہوئی۔ ترکوں نے ایشیائے کوچک میں اپنی حکومت قائم کی تو وہاں کے ایک حاکم امیر قراماں نے جو قونیا کا حاکم اور شیخ نور الدین صوفی کا خلف ارشد تھا۔ اس نے اپنے علاقہ میں ترکی زبان کو پہلی پہل سرکاری زبان بنایا اور عربی علمی و دینی زبان بنی۔ سرکاری زبان بننے ہی اس علاقہ میں جسے آج کل مملکت ترکیہ کے نام سے پکارا جاتا ہے ترکی زبان پھیلنے شروع ہوئی۔ اس کے بعد خاندان عثمانیہ کے زیر سایہ ترکی زبان نے علمی و ادبی زبان بننے کا اختیار کرنا شروع کیا۔ ورنہ اپنے وطن ترکستان میں بول چال سے زیادہ حیثیت اس کی نہ تھی۔

ادب قدیم قدیم ترکی ادب میں کچھ نظمیں ہیں جو چند بزرگوں نے تصوف اور اخلاق پر تحریر کی تھیں۔ یہ پہلے مجموعے ترکی زبان کے ہیں۔

احمد سیوٹی جو سیوٹی طریقے کے بانی تھے انہوں نے لہجہ خاقانیہ میں اپنی نظمیں ترکی زبان میں لکھی تھیں۔ ان کے بعد سلطان ولد، ہاؤ الدین کی نظمیں ہیں جو لہجہ غوزیہ میں ہیں۔ یہ بزرگ مولانا جلال الدین رومی کے صاحبزادے تھے۔

غرضیکہ ترکی شاعری کی بنیاد ایسے بزرگ ہاتھوں سے تصوف پر قائم ہوئی۔ اس کے بعد شعراء نے یہی رنگ اختیار کیا اور فارسی عربی کے وسیع سرمایہ سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے ترکی زبان میں سلاست و روانی، پاکیزگی اور بلند خیالی پیدا کی۔ قدیمی یونس شاعر نے عوام کی بول چال میں چند نظمیں اس ذہنیت کے مطابق لکھیں جو ترکی ادب کا قدیم ترین سرمایہ ہے۔

قدیم شعراء میں عاشق پاشا مشہور شاعر تھا۔ ایک اور شاعر خاندانی فاضل نے سلیمان بن اورخان کے معرکہ ٹیلی پولی اور دیگر کازاموں پر رزمیہ نظمیں لکھ کر ترکی زبان میں رزمیہ شاعری کی بنیاد ڈالی۔ شیخ کریمان نے فادسی کی عاشقانہ مثنویوں کی طرز پر محمد اقل اور مراد کے زمانے میں مثنوی شیریں خسرو لکھی۔

فتح قسطنطنیہ کے بعد یحییٰ اوغلو نے محمدیہ کے عنوان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک اور تاریخی حالات پر ایک تاریخی مثنوی لکھی۔ اس طرح مختلف مثنویوں کے ذریعے ترکی شاعری کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ لیکن غزل گوئی معراج کمال تک نہ پہنچی تھی۔ کچھ عرصہ بعد ایک تاتاری شیر نوائی شہزادہ علی نے بہت شہرت حاصل کی۔ وہ نہایت عمدہ غزل گو شاعر تھا مگر جس شخص نے ترکی غزل گوئی کا بہترین طریقہ نکالا وہ محمد ثانی کا وزیر احمد پاشا تھا۔ وزیر کی وجہ سے ترکی شاعری سلطانی دربار تک پہنچ گئی اور امراء و سلاطین کی تفریح طبع کا ذریعہ بن گئی۔ چنانچہ تمام خلفائے عثمانیہ شعر و ادب کا نہایت عمدہ مذاق رکھتے تھے اور عام طور پر سلاطین خود بھی شعر کہتے تھے اور شعراء کی قدر وانی کرتے تھے۔

سلیمان اعظم کے زمانہ میں محمد بن سلیمان فضولی مشہور شاعر تھا۔ اس کے بعد باقی کئی بانی، شیخ غالب مولوی، نیقی، ندیم، یہ سب قدیم دور کے شعراء تھے۔

کیفی ارضِ روم کا باشندہ تھا۔ قصیدہ گوئی میں اُس نے نمایاں شہرت حاصل کی۔ یہ سلطان احمد اول کے عہد میں تھا۔ اپنی قدرتِ زبان و بیان کا ثبوت اُس نے اپنے کلام میں دیا ہے۔ اہل ذوق شعرا نے کرام میں اُسے دوسرے درجے کا شاعر مانتے ہیں۔

نائبی ترکی زبان کا مشہور غزل گو شاعر تھا جس نے فارسی شاعر صائب کے تمثیلی رنگ میں غزل گوئی اختیار کی۔ اسی وجہ سے اُس کے کلام میں صائب کا رنگ صاف نمایاں ہے۔ اس نے سلطان ابراہیم اور سلطان محمد رابع دونوں کا زمانہ دیکھا تھا۔

ندیم احمد اول کے زمانہ سے احمد ثالث کے زمانہ تک تھا۔ مقبول عام شاعر تھا۔ ترکی شاعری میں اس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ اسماعیل حبیب اس کے متعلق لکھتا ہے: ”اس کی شاعری میں نشاط و طرب کی روح حالت و جذبہ کی پہنچ گئی تھی“

شیخ غالب مولوی سلطان سلیم ثالث کے عہد کا شاعر تھا۔ ۱۲۱۳ھ میں فوت ہوا۔ جو حسن و عشق اس کا پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ ترکی نقادوں نے اُسے قدیم شعراء میں چوتھے درجہ کا قرار دیا ہے۔ اس کے اشعار میں رنگارنگ خیالات و جذبات کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

قدیم شعراء میں ایک شاعرہ یعنی بھی بلند درجہ رکھتی تھی۔ سلطان مراد رابع کی مصاحبہ تھی اور قدیم شاعرات میں وہی ایسی خاتون ہے جس نے ترکی ادب میں لافانی شہرت حاصل کی۔ نقاد مذکور اس کے متعلق لکھتا ہے :- ”وہ ایسی آبشار تھی جس میں شان و شوکت اور عظمت کی لہریں

متلاطم رہتی تھیں“

مذکورہ بالا ممتاز شعراء میں دومی، لائی، سیحلی بیگ، توانی ہفتی، ابوسعود، ہاتغ نورس، حشمت، جنلی زادہ، و ہبی، پرتو اور نصیحت کے نام بھی قدیم شعراء میں نظر آتے ہیں لیکن ان کا ترکی ادبیات میں کوئی مستقل مقام نہیں ہے۔

ان ترکی شعراء کی یہ شاعری نہ صرف وزن و بحر بلکہ معنی و روح کے لحاظ سے بھی قدیم فارسی شاعری کے مشابہ تھی جس کے تمام رشتے حیات اور عمل سے منقطع ہو چکے تھے۔ ان دور میں جب مغربی خیالات کے اثر سے ترکی میں نئی ذہنیت پیدا ہوئی تو ان کی شاعری نے بھی نیا رنگ بدلنا جس کے علمبردار نامق، کمال، حامد، توفیق بک اور محمد عارف وغیرہ ہیں۔ ان شعراء نے حسن و عشق اور ہجر و وصل کے افسانے چھوڑ کر اثبات زندگی اور ذوقِ عمل کے نغمے گائے اور عقل و تدبیر کی تحقیر اور توکل و تقدیر کی غلط تعبیر جو گوشہ گیر اور ذراونیہ نشین متصوفین کے اثر سے دلوں میں جاگزیں ہو گئی تھی دور کر کے ارتقاءئے فکر اور سعی بہیم کے جذبات ابھارے۔ ترکی کے انقلاب میں بھی ان شعراء کی سعی مشکور ہے۔

ترکی نشر | ترکی نشر کا آغاز نظم کے عرصہ بعد ہوا۔ پہلے قصے کہانی لکھے گئے۔ شیخ زادہ اور سان پاشا کی تصانیف اسی پر مبنی ہیں۔ شیخ زادہ نے ترکی میں ”پالیس وزیروں کی کہانی“ تحریر کی اور اس کتاب کو مراد ثانی کی خدمت میں پیش کیا۔ سان پاشا جو محمد فاتح کا وزیر تھا، نشر میں ایک کتاب لکھی جو نشر کا عمدہ نمونہ ہے۔ اس کا انتقال ۱۲۳۱ھ میں ہوا۔

علی چلیپی نے انوار سبیلی کا ترجمہ کر کے ہمایوں کے نام سے سلیمان اول کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ ترکی ترجمہ بہت مقبول ہوا۔ اس کے بعد سے بہت سی کتابیں ترکی زبان میں لکھی گئیں اور بڑے بڑے مصنف پیدا ہوئے۔ دینیات، تاریخ اور ادب میں زیادہ کتابیں لکھی گئیں۔ البتہ دیگر علوم و فنون میں خلفائے عثمانیہ کے عہد میں کم لکھی گئیں۔ کمال پاشا کے عہد میں اس کی بڑی تلافی ہوئی مگر وہ سب ذخیرہ لاطینی رسم الخط میں ہے۔ کمال پاشا نے تعلیم عام کر دی ۱۹۳۱ھ میں یہ قانون منظور ہوا جو تعلیم یافتہ نہیں ہے وہ شہری حق نہیں رکھتا جس سے جہالت ختم ہو گئی۔

صنعت و حرفت | ترکوں نے اپنے عہد ترقی میں صنعت و حرفت کی طرف بھی توجہ کی۔ مگر یہ ضرور ہے کہ وہ یورپین ممالک کی مانند

نہ ترقی دے سکے۔ بعض صنعتوں کو ضرور فروغ دیا۔ البتہ کمال پاشا کے عہد میں کارخانے بڑے پیمانے پر قائم ہوئے جس سے اقتصادی حالت سدھر گئی اور زراعت کو بھی شہروں میں جدید طریقے پر ترقی دی۔ مگر زیادہ کامیابی دیہات میں ابھی نہیں ہوئی۔ مگر افلاس و غربت بے مشکل ہی کہیں نظر آتی ہے۔

تجارت | خاندان عثمانی کے زمانے میں ترکیہ کی تجارت زیادہ تریونانیوں اور دوسری اقلیتوں کے ہاتھ میں تھی۔ ترک تجارت کے لئے موزوں نہ تھے وہ تجارت کو اپنے لئے ناموزوں خیال کرتے تھے۔ وہ دشمن سے لڑنا اور حکومت کے امور میں شرکت اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ مگر جمہوریہ ترکیہ نے ان ترکوں میں بھی تجارت سے لگاؤ پیدا کر دیا۔ اور اب وہ تجارت پر متوجہ ہو گئے۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں کچھ سے کچھ ہو گئے۔ اب ترک تاجر کا دفتر نہایت قرینہ سے سجایا ہوا ملتا ہے۔

انقرہ اور استنبول میں ترکوں کی زندگی کے آئنا بچھرتے ہیں۔ ہزاروں مرد و عورت ٹراموں، بسوں، ریلوں میں علی الصبح کام کاج کو روانہ ہو جاتے ہیں۔ گاڑیاں ان سے کچھ کچھ بھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ لوگوں کے رنگ، لباس اور اداب سے یہ اندازہ لگانا محال ہے کہ وہ مغربی یورپ کے باشندوں سے مختلف ہیں۔

استنبول جہاں آٹھ لاکھ کی آبادی ہے۔ یہاں کثرت سے باغات ہیں۔ باغوں میں جو بچے کھیلنے نظر آتے ہیں۔ ان میں اور انگریز امریکن بچوں میں امتیاز کرنا مشکل ہے۔

ترک مغربی معاشرت اختیار کر چکے ہیں۔ مرد اور عورت لباس کے متعلق سخت محتاط ہیں۔ ان کی ہر بات سلیقہ اور قرینہ ہے۔ ترک خواتین فیشن میں اپنی فرانسیسی بہنوں کی تقلید کرتی ہیں۔ مگر چال چلن میں دور کا واسطہ نہیں رکھتیں نیکی اور پاکبازی ان کا قومی شعار ہے۔

ترکِ خواتین

ترکی خواتین کا ہر زمانہ میں یہ امتیاز رہا ہے کہ وہ عفت و عصمت مآب مثل عرب خواتین کے رہی ہیں۔ عام طلاق و خلع کے کسی غلط راستہ پر انہیں نہیں لگنے دیا۔ ان میں بھی اپنے مردوں کی طرح بہادری کے جذبات ہیں۔ انگورہ میں پہلی کانفرنس کمال پاشا نے منعقد کی تھی اس میں خواتین بھی شریک ہوئی تھیں۔ کمال پاشا نے ان کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ اب سوال گھر میں بیٹھنے کا نہیں ہے۔ مردوں کے پہلو پہلو غلطوئوں سے نکل کر دشمن سے ملک و وطن کو آزاد کرانا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد ہر جنگ میں ترک عورتوں نے بڑے بڑے کام ہائے نمایاں کئے۔ توپیں گھسیٹ کر لاتیں۔ دشمن پر مردوں کے ساتھ حملہ آور ہوئیں۔ نرسنگ کا کام انجام دیتیں۔ ترکوں کی کامیابی میں عورتوں کا بھی برابر کا ہاتھ ہے۔ خالدہ ادیب خانم کی زندگی شاہد ہے۔

قیامِ جمہوریت کے بعد بھی کمال پاشا کی توجہ عورتوں کی تعلیم و تربیت کی طرف بہت زیادہ رہی۔ چنانچہ مردوں کے پہلو پہلو ترک عورتیں ترقی کے میدان میں گلزن ہیں۔ ترکیہ وزارتِ تعلیم کی طرف سے ایک سالہ کادین دایو“ عورتیں اور خانہ داری کے نام سے نکلتی ہیں جس میں عورتوں کو لباس اور قوی شعاع اپنانے کی ترغیب دی جاتی ہے عصمت انونو نے صنعت کے ذرائع ادارے کثرت سے کھولے جہاں ہزاروں ترک لڑکیاں لباس بنانے، لباس مرمت کرنے، کپڑے دھونے اور نئے فیشن کے مطابق قطع و برید کی تربیت حاصل کرتی ہیں۔ کھانا پکانے کی تربیت دی جاتی ہے۔

ترکوں کا نظریہ خلافت

خلافتِ راشدہ کے عہد میں مذہب اور سیاست جدا جدا تھے خلیفہ مذہبی

اور سیاسی دونوں قسم کی فرمانروائی کا منظر ہوتا تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ خلفائے اربعہ نے حدودِ شرع میں رہ کر حکومت کے فرائض بھی بہترین طور سے انجام دیئے۔ ان کی فرمانروائی کی بنیاد شرعی دستورِ حکومت کے مطابق تھی اور وہ اس سے ہٹ کر غلطی نہیں کرتے تھے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ صحیح خلافت جو تمام شروط اور قدیم روایاتِ عرب کی حامل تھی وہ مجموعی حیثیت سے صرف خلفائے اربعہ کی خلافتِ حقہ تھی۔ امیر معاویہؓ نے خلافتِ راشدہ کا وہ نظام سیاسی ختم کر دیا تھا جس کی بنیاد شوریٰ اور مذہبی اصول پر قائم تھی۔ اس جگہ ان بزرگوار کے موردِ وئی نظام کی داغ بیل ڈالی جس میں سیاسی مصلحتوں کے سامنے مذہبی اصول ثانوی درجہ رکھتے تھے۔ ان کے جانشین عالمِ اسلامی پر اس حکمتِ علی کے زیرِ اثر حکومت کرتے رہے۔

امیر معاویہؓ کی وجہ سے خلافتِ موردِ وئی و خاندانی بن کے رہ گئی اور یہی طریقہ بنی عباس کے یہاں رہا۔ اہلِ بیتِ خلفائے راشدین کی طرح بیعت اور امامت کا سلسلہ ضرور قائم رکھا گیا۔ گو خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی تھی۔ مگر یہ سب بادشاہ یا شہنشاہ کے بجائے خلیفہ ہی کہلائے گئے۔ باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمائے تھے کہ خلافت میرے بعد تیس سال تک رہے گی پھر جبر و استبداد کی حکومت ہو جائے گی، حضرت ابو بکرؓ سے لے کر حضرت حسنؓ تک تیس سال پورے ہوتے ہیں، اس کے بعد جبر و استبداد کی ملوکیت کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ مگر مسلمانوں کے ذہنوں میں جاگزین تھا کہ خلافت ایک ایسا نظام ہے جو اصلاحِ عالم اور دنیا کے نظام کو صحیح حالت میں رکھنے کے لئے ناگزیر ہے اور خلیفہ اس نظامِ خلافت اور اس اقتدار کا مرکز اور سرچشمہ ہے۔

اسی بنا پر بنی امیہ اور بنی عباس کے خلفاء کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین بھی سمجھا جاتا تھا اور عوام تو عوام، بڑے سے بڑے بادشاہ سلطان محمود

جیسے اپنے معاصر خلیفہ مقتدی باللہ عباسی سے سند حکومت و خطاب حاصل کرتے اور اپنے خطاب کو طرہ امتیاز سمجھتے تھے۔ علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے :-
 دو یوسف بن تاشقین نے سبتہ و مراکش کے حاکم کو مقتدی کی خدمت میں بھیجا تاکہ جن مالک پر اس نے قبضہ کیا ہے ان پر حکومت کرنے کی اجازت اس کے لئے خلیفہ سے حاصل کرے اور اس کے سلطان ہونے کا اعلان کرانے۔ خلیفہ نے اس کی اس فرمائش پر شرف قبول بخشا اور اس کے پاس خلعت، نشان اور فرمان بھیجا اور اس کو امیر المسلمین کا لقب عطا فرمایا۔ اس سے انتہائی خوشی ہوئی اور فقہاء مغرب بھی بے حد مسرور ہوئے۔“

سلطان صلاح الدین ایوبی، شمس الدین التمش یہ سب خلفائے عباسیہ کی سند نیابت پائے ہوئے تھے۔ چوتھی صدی میں آخری خلفائے عباسیہ کا اقتدار بالکل کم ہو گیا اور مرکز خلافت میں ترک جنزلوں کا اثر و نفوذ بہت بڑھ گیا اور خود مختار مملکتیں بن گئیں۔ فارس میں علی بن بویہ، بنو حمدان موصل میں، مصر و شام میں محمد بن طغجہ اشید کی آزاد مملکت، خراسان میں نصر بن احمد سامانی کی خود مختار سلطنت قائم تھی۔ اس کے ساتھ ہی عالم اسلامی میں تین خلافتیں قائم ہو گئیں۔ اندلس میں اموی خلافت، بغداد میں خلافت عباسیہ، بلاد مغرب میں خلافت فاطمیہ، ۵۵۵ھ میں خلافت فاطمیہ ختم ہوئی اور ۶۵۶ھ میں خلافت عباسیہ کا لاشہ ترپ کر سرد ہو گیا اور اس کے ساتھ خلافت کے قدیم نظام کا خاتمہ ہو گیا۔ اب ہر طاقتور حاکم خود خلیفہ بن بیٹھتا تھا اور اپنی حکومت کے شرعی جواز کے لئے خلفاء سے فرمان یا سند حکومت حاصل کرنا ضروری نہ سمجھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مغلوں نے مسلمان ہونے کے بعد قاہرہ میں خلفائے عباسیہ کی کوئی پرواہ

نہ کی۔ فارس میں غازان مسلمان ہونے کے بعد سلطان اعظم، سلطان الاسلام والمسلمین بن گیا۔ شاہ رخ اور تونس کا حاکم ابو عبد اللہ محمد حفصی نے بھی خلیفہ کا لقب اختیار کیا۔ ابو عنان فارس مراکش کے خانوادہ مرینیہ کے ایک فرد اور سلطان علاؤ الدین خلجی اور اوزن حسن کرکمانی بھی خلافت کے مدعی تھے۔

بلاد ماوراء النہر میں محمد شیبانی اور مصر کے بعض مملوک سلاطین قاتیبائی اور قانصوہ غوری نے بھی اپنے لئے امامت کا دعویٰ کیا تھا۔

سقوط بغداد کے بعد خلیفہ کے مفہوم کا دائرہ عالم اسلامی کے روحانی اور مذہبی فرمانروائیک محدود نہ رہا تھا بلکہ اب اس کا اطلاق ہر طاقتور فرمانروا پر کیا جانے لگا تھا۔ مگر مملوک فرمانروا مصر برس نے اپنے اقتدار کے لئے پھر خلافت بنی عباس کے ڈھانچے میں زندگی پیدا کرنا چاہی۔ کیونکہ اہل مصر مملوکوں کے استحقاق حکومت کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اس نے استحکام حکومت کے لئے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ عباسیہ خاندان کے ایک رکن کو خلیفہ بنایا اور ان کا نام خطبہ میں اپنے نام سے پہلے پڑھوایا۔ اور دربار عام کر کے خلافت مآب سے شرعی نیابت کی سند لی اور وہ چاہتا تھا کہ بغداد میں پھر نئے سرے سے خلافت کی بنیاد کو مستحکم کرے۔

خلیفہ کو لے کر روانہ ہوا مگر یہ دمشق سے لوٹ آیا۔ خلیفہ پر تاناری ٹوٹ پڑے اور وہ شہید ہو گئے، تو عباسی خاندان کے دوسرے فرد ابو العباس احمد جو تاناریوں کے ہاتھ سے بچ رہا تھا اس کو خلیفہ بنایا اور بیعت معہ ارکان سلطنت کے کر لی۔ حاکم بامر اللہ لقب دیا گیا۔ مگر عباسی خلیفہ کا دائرہ عمل مذہبی اجارہ داری تک محدود رکھا گیا۔ حکومت کے نظم و نسق میں اس کا مطلق دخل نہ تھا۔ بقول مقریزی خلیفہ کی حیثیت صرف ایک نظر بند کی تھی جو عزت نشینی کی زندگی گزارے۔

۱۔ مسلمانوں کا نظم و ملکت ص ۱۱۱ ۲۔ النجوم الزہری جلد ۱ ص ۱۸

بیرس کو اپنی اس سیاسی چال سے بڑا فائدہ پہنچا۔ ملک کو وسعت ہوئی اور اس کا دائرہ اقتدار حامی دین کے پردے میں بہت وسیع ہو گیا۔ مصر میں خلافت کا یہ نظام سلطان سلیم اول کی تسخیر تک قائم رہا۔ سلطان سلیم مصر پر تسلط قائم کرنے کے بعد خلیفہ عباس کو اپنے ساتھ لے گیا۔ سلطان ملوکوں کے ملک پر جس میں حرین شریفین بھی داخل تھے اس کے قبضہ میں آئے اور خلیفہ نے تبرکات خلافت بھی سلطان کو تفویض کئے۔ مگر اس کی نگاہ میں خلیفہ کی کوئی قیمت نہ تھی کہ وہ اپنے نام کے ساتھ خلیفہ کا اضافہ کرتا بلکہ اس نے بہت فخر و انبساط کے ساتھ اپنے لئے خادم الحرمین کا لقب استعمال کیا اور ہمیشہ اپنے لئے باعث سعادت خیال کرتا رہا۔ مگر فتح مصر سے قبل وہ خود دوسرے سلاطین اسلام کی طرح خلیفہ کے لقب سے انتساب نہ لکھتا تھا اور اس کے آباؤ اجداد ڈیڑھ سو برس سے اس لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ مگر فتح مصر کے بعد یہ لقب اس کے نام کے ساتھ نظر نہیں آتا۔ البتہ الخاقان الاعظم، ملک ملوک العرب والعجم اس کے القاب تھے۔ ہاں وابستگان دولت عثمانیہ قصائد وغیرہ میں خلیفہ کے لقب سے سلطان کو یاد کرتے مگر سرکاری طور سے تاریخ خاموش ہے۔

سلطان سلیم کے جانشینوں میں بھی کسی سلطان نے خلیفہ، امام یا امیر المومنین کا لقب اختیار نہیں کیا۔

سلاطین عثمانیہ نے اٹھارہویں صدی میں سب سے پہلے خلیفہ کا لقب سیاسی اغراض کے لئے استعمال کیا اور تبرکات خلافت کے استعمال کا سلطان محمود کو ۱۲۵۱ھ میں انکشاریہ کی بغاوت پر موقع پیش آیا۔ سلطان نے علیم نبوی کو نکالا اور اس کی روحانی قوت سے انکشاریہ کے خاتمہ میں کام لیا۔ ۱۳۱۰ھ

۱ تاریخ مصر جلد ۳ صفحہ ۱۶۶ ۲ مسلمانوں کا نظم مملکت صفحہ ۱۴۲

۳ تاریخ الدولة العلیة العثمانیہ -

ورنہ سلیم اول کے بعد جملہ سلاطین عثمانیہ آخر تک بحرِ حرمین شریفین کے خادم اور جزیرہ عرب کے محافظ ہونے کے جو ان کی سلطنت کا ایک جزو تھا، فرائض خلافت کا خیال نہ رکھتے تھے اور نہ ان سلاطین نے عالمِ اسلامی کی کوئی دینی یا دماغی رہبری کی، نہ ان کی وحدت کا کوئی ذریعہ پیدا کیا۔ حتیٰ کہ خلفائے بنی عباس حج کو جاتے تھے مگر کوئی عثمانی سلطان حج سے شرف اندوز نہ ہوا۔ البتہ سید جمال الدین افغانی نے سلطان عبدالحمید کو اتحادِ ملت کے لئے آمادہ کیا اور حجاز ریلوے کی تعمیر سے عالمِ اسلامی میں ترکی خلیفہ اور خلافت کا احساس پھیلایا۔ ہندوستان کے علماء و سیاسی رہنماؤں نے ترکوں کی خلافت کی اہمیت ظاہر کی اور اس کے ذریعے دولِ یورپ کو مرعوب کرنا چاہا اور دولِ یورپ بھی ترکی خلافت کو خطرہ سمجھتے تھے اور اس کے خاتمہ کے درپے تھے۔ مگر کمال پاشا نے ۱۳۴۷ھ میں جمہوریہ ترکیہ قائم کر کے خلافت کا الفا کر دیا اور شخصی خلفاء کو الٹا کہ قوم کے ہر فرد کو انتخاب کے ذریعہ صدر جمہوریہ بننے کا موقع دیا۔

مگر یہ جمہوریہ دولِ مغرب کے طرز پر قائم کی گئی ہے۔ کمال پاشا کے بعد صدر عصمت انونو منتخب ہوئے۔ جدید انتخاب کے موقع پر جلال بائر کو صدارت کا عہدہ کثرتِ رائے سے انونو کے مقابلے پر ملا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ موجودہ صدر خلفائے راشدین کے طریقہ پر فرائضِ صدارت جمہوریہ ترکیہ انجام دیں۔ آمین

خدا یو

سلیمان سلیم اول کے فتحِ مصر ۱۸۸۲ء، ۱۵۱۷ء جس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے، تین صدیوں تک مصر ترکی سلطنت کا صوبہ رہا۔ یہاں گورنر مقرر ہوتے رہے مگر ملکوں کی کونسل کے سامنے جس میں بے شمار لوگ شامل تھے ان گورنروں کا اقتدار برائے نام تھا۔ ۱۸۹۸ء میں نپولین نے مصر میں وارد ہو کر اس

دو عملی کو موقوف کیا۔

نیپولین | جمہوریہ فرانس نے ۱۲۱۳ء میں نیپولین بونا پارٹ کو چھتیس ہزار بحری فوج کے ساتھ مصر کے فتح کے لئے بھیجا تاکہ انگریز جو تجارتی تعلقات ہندوستان سے رکھ رہے تھے وہ منقطع ہو جائے۔ نیپولین نے بلا اعلان جنگ کئے ہوئے پہلے مالطہ پر قبضہ کیا۔ پھر اسکندریہ میں فوجیں لاکر آمادہ دیں۔

ابراہیم باب اور مراد بک امراء مالیک جو دولت عثمانیہ سے باغی ہو کر مصر پر بالاستقلال قابض و متصرف ہو گئے تھے۔ نیپولین کے مقابلہ میں شکست کھا گئے۔ نیپولین فاسخانہ طور سے قاہرہ میں داخل ہوا اور مصر پر تسلط حاصل کر لیا۔ دولت عثمانیہ کو اطلاع پہنچی، اس نے نیپولین سے لڑنے کی تیاری کر دی۔ انگریز بھی مصر سے نیپولین کو نکلنے میں ترکوں کے معاون بننے کو تیار ہو گئے اور روس نے بھی بحیرہ اسود کے جنگی جہازوں سے ترکوں کے دوش بدوش لڑنے کے لئے درخواست کی۔

باب عالی نے ۲۱ ربیع الاول ۱۲۱۳ء میں فرانس کے ساتھ جنگ کا اعلان کیا اور دمشق میں فوجیں جمع کیں۔ بحری حملہ کے لئے ترکی جہازوں کے ساتھ روسی اور انگریزی آہن پوش بحیرہ روم میں آ جمع ہوئے۔

نیپولین ترکوں کے مقابلے کے لئے تیرہ ہزار فوج لے کر عیش سے شام کی طرف بڑھا۔ غزہ، رملہ، یا ففتح کرتا ہوا عکا کا محاصرہ کیا۔

والی عکا احمد پاشا جزائری نے مدافعت کا معقول انتظام کر رکھا تھا۔

نیپولین بحجوری محاصرہ اٹھا کر قاہرہ لوٹ آیا۔ ترکی فوجیں دمشق سے بڑھیں اور ادھر ترکی جہازوں سے روڈس سے اٹھا دہ ہزار فوجیں آئیں۔ نیپولین فوج لیکر مقابل ہوا۔ ترکی فوج گھونگٹ کھا گئی۔ سپہ سالار فوج مصطفیٰ پاشا معہ بہت سی فوج کے گرفتار ہو گئے مگر نیپولین کو خبر لگی کہ فرانس میں اسٹریاٹس شکستیں کھانے کے بعد طواف الملوکی پھیل گئی ہے، اس لئے انگریزی جہازوں کے خون

سے نیپولین نضیم طور سے اسکندریہ سے نکل بھاگا۔ اس کی فوج بھی چلتی بنی۔ اسکندریہ کا دالی ان دنوں محمد علی پاشا تھا۔ مگر انگریزی اقتدار مصر پر ہو گیا اور باب علی کے دباؤ سے دوسرے سال انگریز بھی مصر سے چلتے بنے۔ میدان خالی پا کر محمد علی پاشا نے سترہویں مصر پر اپنا اقتدار جمایا۔ اس نے مملوکی افسروں کو تہ تیغ کیا اور خود مصر کا حکمران بن گیا۔

محمد علی پاشا

محمد علی مقام قوالہ کا رہنے والا تھا ۱۷۸۲ء میں پیدا ہوا۔ نیپولین کے اختلال مصر پر جو فوج ترکی نیپولین کے مقابلہ کے لئے آئی تھی اس میں یہ بھی شریک تھا۔ خسرو پاشا نے جو مصر کا دالی مقرر ہوا تھا اس نے چار ہزار فوج کا امیر محمد علی کو کر دیا۔ رفتہ رفتہ مصر کی ولایت کو قبضہ میں لایا۔ ۱۸۱۱ء میں بقیہ مملوکی افسر بھی ختم کر دیئے گئے اور پورے طور سے مصر کا حکمران بن گیا اور برائے نام دولت عثمانیہ سے تعلق رکھا۔

محمد علی کے بعد عباس اول (۱۸۳۸ء) حکمران ہوا۔ اس کے بعد اسماعیل (۱۸۶۳ء) تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنا خطاب خدیو اختیار کیا۔ اس نے سوڈان کو مسخر کر لیا۔ مگر ۱۸۸۵ء میں جنرل گارڈن کے مارے جانے پر یہ ملک چھوڑ دیا گیا۔ لارڈ کچرنے دوبارہ سوڈان فتح کر کے جنرل گارڈن کا انتقام لے لیا۔

۱۸۸۳ء سے انگریزوں نے اعرابی پاشا کی فوجی بغاوت فرو کر کے مصر پر اپنا اقتدار جمایا جس کے کچھ اثرات تاحال موجود ہیں۔

اسماعیل کے بعد ابراہیم (۱۸۴۸ء) سعید (۱۸۵۴ء) توفیق (۱۸۶۲ء) عباس (۱۸۹۴ء) یکے بعد دیگرے مصر کے حکمران ہوئے۔ آج کل خدیو فاروق پاشا ہیں۔

شاہانِ ایران

۹۰۷ء، ۵۰۲ھ سے ۱۳۳۹ھ، ۹۲۱ء تک صفوی، افغان، افشار زند

قاچار مختلف خاندان حکمران رہے۔

سلطین صفویہ :- اسمعیل صفوی (۹۰۷ء) طہماسپ (۹۳۰ء) اسمعیل ثانی

(۹۸۴ء) محمد خدا بندہ (۹۸۵ء) عباس اول (۹۸۵ء) صفی اول (۱۰۳۸ء) عباس ثانی

(۱۰۵۰ء) سلمان اول (۱۰۷۷ء) حسین اول (۱۱۰۵ء) طہماسپ ثانی (۱۱۳۵ء)

عباس ثالث (۱۱۴۴ء - ۱۱۴۸ء)۔

افغان :- محمود (۱۱۳۵ء) اشرف (۱۱۳۷ء - ۱۱۴۲ء)

افشاریہ :- نادر (۱۱۴۸ء) عادل (۱۱۶۰ء) شاہ رخ (۱۱۶۱ء - ۱۲۱۰ء)

نرماندیہ :- کریم خاں (۱۱۶۳ء) ابوالفتح (۱۱۹۳ء) علی مراد (۱۱۹۲ء) محمد علی

(۱۱۹۳ء) صادق (۱۱۹۳ء) علی مراد مکرر (۱۱۹۶ء) جعفر (۱۱۹۹ء) لطف علی

(۱۲۰۳ء - ۱۲۰۹ء)۔

قاچار ساریہ :- آقا محمد خاں بن محمد حسین قاچار یہ (۱۱۹۳ء) فتح علی (۱۲۱۱ء)

محمد شاہ (۱۲۵۰ء) ناصر الدین (۱۲۶۴ء) مظفر الدین (۱۳۳۹ء، ۱۳۴۱ء)۔

مختصر تاریخ ایران کی جلد ششم "تاریخ ملت" میں لکھ آئے ہیں۔

اس جگہ دولت عثمانیہ کی معاصر ہونے کی وجہ سے قاچار یوں کے ضروری حالات اور لکھے دیتے ہیں۔

لطف علی زندیہ سے آقا محمد خاں قاچار نے حکومت ایران بقوت حاصل

کی۔ فتح علی اس کا برادر زادہ تھا اس کے پوتے ناصر الدین کے زمانے میں

حکومت ایران دورِ استبداد سے گزر رہی تھی۔ ناصر کو علم اور ترقی سے بہر

تھا۔ نااہل اس کے مشیر تھے۔ یورپ کی سیاحت سے شاہ سبق لیتا مگر غیر ملکوں

سے قرضہ لے کر حکومت پر اس کا بار ڈالا اور تجارتی مراعات سے اہل یورپ کے لئے ایران میں فتنہ و فساد کا دروازہ کھولا۔ ستارہ مغرب نے جاوید بجا طریقے لوٹ کھسوٹ کے ایران میں جاری کر دیئے جس سے عوام میں بے چینی رونمائی ہوئی۔ اسی زمانے میں علامہ سید جمال الدین افغانی ایران وارد ہوئے۔ ایرانیوں کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر بڑا اثر لیا۔ مجتہدین کرام سے مشورہ کئے۔ بادشاہ کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام ہوئے، دل برداشتہ ہو کر چلے گئے۔ اسی زمانہ میں بابیت اور بہائیت کا مذہبی فتنہ پھیل پھول رہا تھا۔ ۱۸۹۶ء میں تحریک مشروطہ کے رکن نے ناصر الدین کو قتل کر دیا۔

اس کے بعد مظفر الدین شاہ تخت نشین ہوا مگر جو خرابیاں ناصر کے عہد میں پیدا ہو چکی تھیں کمی ہونے کے بجائے ان میں اور اضافہ ہوا۔ آخر عوام میں صبر کا کوئی یا نہ رہا۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۰۵ء میں طهران میں طلبہ اور ستارہ نے مظاہرہ کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ شاہ کو عوام کے مطالبات ماننے پڑے۔ مگر شاہ نے بعد میں وعدہ خلافی کی جس پر ہنگامہ ہوا اور شاہ نے وطن پرستوں پر گولیاں چلوائیں مگر یہ وطنی سب مظالم بخندہ پیشانی جھیل گئے۔ آخر شاہ کو مجبور ہو کر جھکنا پڑا اور ایران میں دستور کا نفاذ کیا۔ مگر تھوڑے عرصہ بعد شاہ نے محب وطن لوگوں کو کچلنے کی کوشش کی اور ایران کے دشمن روس سے فوجی مدد لی۔ ۱۹۰۵ء میں طهران پر قبضہ کیا۔ ایرانی پارلیمنٹ پر گولے برسائے اور شاہسیر کو بچانسی دی مگر وطن پرست کل ایران پر چھائے ہوئے تھے۔ قوم ان کی ہمنوا تھی، شاہ کے خلاف جہاد بول رکھا تھا۔ آخر شاہ کو تخت چھوڑنا ہی پڑا۔ ۱۹۱۲ء میں عالمگیر جنگ کا آغاز ہوا۔ روس اور برطانیہ کے وطن پرستوں پر دباؤ ڈال کر بڑھتی ہوئی تحریک کو خاموش کر دیا۔ ۱۹۱۶ء میں روس میں اشتراکی انقلاب آیا جس سے روسی فوجیں ایران سے ہٹتی ہوئیں۔ انگریز اس موقع سے فائدہ اٹھا گیا۔ مگر ایرانیوں نے ہرجگہ ان کی مدارات اچھی طرح کی۔ اس وقت ایران کے نجات دہندہ رضا شاہ پہلوی کا

ظہور ہوا۔ شاہ نے فوج کی مدد سے طہران پر قبضہ کیا اور سید ضیاء الدین کو وزیر اعظم بنا کر خود وزیر جنگ بن کر نئی حکومت کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہ زمانہ ۱۹۲۱ء کا تھا۔ کچھ عرصہ بعد سید ضیاء الدین ایران سے بھاگ گیا تو رضا خاں نے وزارت کو سنبھالا۔ اہل ایران کے اصرار پر رضا شاہ لقب سے تخت و تاج منظور کیا۔

رضا شاہ پہلوی کا بڑا کاہ نامہ یہ ہے کہ ایران کو ظالم انگریز کی غلامی سے آزاد کرایا اور ایران کو ایک منظم حکومت آشنا کیا۔ طوائف الملوکی کو ختم کیا اور سب علاقوں کو مرکز کے ماتحت رکھا۔ رضا شاہ نے ایران کو سیاسی وحدت بخشی۔ جدید اصلاحات نافذ کر کے اسے متحد ملک بنانے کی سعی کی اور بہت کچھ کامیاب بھی ہوئے۔

تھوڑے عرصہ میں ایران کچھ سے کچھ ہو گیا کہ دوسری جنگ جرمنی و روس چھڑ گئی۔ کچھ واقعات ایسے پیش آئے جس کی وجہ سے رضا شاہ تخت ایران سے ۱۶ ستمبر ۱۹۴۱ء کو اپنے خلف ارشد اعلیٰ حضرت محمد رضا شاہ پہلوی کے حق میں دستبردار ہوئے۔ شہنشاہ ایران محمد رضا شاہ نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی ملک کی حالت کچھ سے کچھ کر دی۔ ایران ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور اپنے اسلاف کے وقار اور عظمت کو قائم کئے ہوئے ہے۔

ایران کا رقبہ چھ لاکھ اٹھائیس ہزار مربع میل ہے۔ آبادی ایک کروڑ ہے۔ مغربی تہذیب کا زیادہ چلن ہے۔ جاگیر داری نظام کے باعث عوام کا بڑا طبقہ محکوم ہے۔ تعلیم کم ہے اور شہنشاہ خاص طور پر اس طرف توجہ دے رہے ہیں۔



۲۴۳

(۹)

تاریخِ خِصْقِیہ

جغرافیہ صقلیہ

بحیرہ روم میں بہت سے جزائر واقع ہیں، جیسے کورسکا، سارڈینیا، سسلی، (صقلیہ) وغیرہ۔ جزیرہ صقلیہ ایک مثلث کی شکل میں اٹلی کے جنوب میں واقع ہے اور ان تمام جزیروں میں جو آج کل اٹلی کے ماتحت ہیں، سب سے بڑا اور بالکل اسی کے ساتھ لگا ہوا ہے۔

محققین علم الارض کا خیال ہے کہ کسی زمانے میں وہ خشکی کے ساتھ ہی لگا ہوا تھا۔ متواتر زلزلوں سے سسلی کی سرزمین تدریجاً پامال ہو گئی تھی جس کی وجہ سے اس کی سطح زمین سے جدا ہو گئی اور اس کی شکل جزیرہ کی بن گئی۔

تقسیم ملکی اور قبیہ سطح و طول و عرض

اس جزیرہ کی مساحت تقریباً دس ہزار میل مربع ہوگی۔ آج کل اس جزیرہ کی تقسیم اقصیہ و نواحی میں کی گئی ہے۔

صوبہ صقلیہ

اسماء قسمت	مساحت	اقصیہ (ضلع)	نواحی (تعلقہ)
کلٹانینا	۱۴۵۵	۳	۲۸
قطانیہ (کاتانیا)	۱۹۷۰	۴	۶۴
گرگرینی (گرگرینی)	۱۴۹۱	۳	۴۱
مستینا	۱۷۶۸	۴	۹۹

اسماء قسمت	مساحت	اقتصادی (ضلع)	نواحی (تعلقہ)
پلزمور (پلم)	۱۹۶۴	۴	۷۶
سرقوسا (سیرکیوسا)	۱۴۲۹	۳	۲۲
تربانی	۱۲۱۷	۳	۲۰

۱۱۲۹۱

صقلیہ کی آب و ہوا پاکیزہ ہے۔ زمین کی زرخیزی میں مثل اٹلی کے ہے متواتر زلزلوں سے کچھ حالت میں فرق آگیا ہے مگر بہت کچھ زرخیزی اب بھی پائی جاتی ہے۔

صقلیہ کی وجہ تسمیہ

سسی کے قدیم باشندے جنہوں نے اس کو آباد کیا وہ سیکان اور سیکل قومیں تھیں جو یونانی تلفظ میں سیکانی اور سیکل کی کہی جاتی تھیں۔ امتدادِ زمانہ سے زبان کے تغیر و تبدل کی وجہ سے ان کے رہنے کی جگہ کو سیکیلیہ پھر سیلا اور سسی کے نام سے پکارا جانے لگا۔ عربوں کے ذریعہ علم آکر سسی، صقلی کے نام سے شہرت پذیر ہوا۔ غرضیکہ سیکیلیہ کا معرب صقلیہ ہے مسلم جغرافیہ نویس اصطخری، بلاذری کی تصانیف میں اس کے بجائے اس سے صقلیہ مذکور ہے۔ مگر یا قوت حموی صقلیہ ہی لکھا ہے مگر اس کو کسر یعنی ذریعہ کے ساتھ تحریر کرتا ہے یعنی صقلیہ۔ ۳۵

صقلیہ کی قدیم تاریخ

صقلیہ کی قدیم تاریخ پر جو کچھ اب تک تحقیق ہوا ہے اس کا خلاصہ یہاں تحریر کیا جاتا ہے :-

۱۔ دائرۃ المعارف ص ۷۲ فتوح البلدان صفحہ ۲۳۵

۳۔ معجم البلدان۔ جلد ۳ صفحہ ۳۷۳۔

مسٹر بور نے جو زمانہ قریب کا ایک مشہور جرمن مؤرخ ہے اٹلی کی قدیم تاریخ کی نسبت بہت کچھ تحقیقات کی اور بڑی دقتوں کے بعد کچھ کچھ پتہ لگایا ہے۔ اس تمام تحقیق کا نتیجہ جو ہمارے سامنے ہے صرف اسی قدر ہے کہ دوسرے ممالک کی طرح سرزمین اٹلی میں بھی قدیم زمانے میں مختلف قومیں آباد تھیں جو ایک دوسرے سے مغائر تھیں اور ان کے باہم اغراض بھی اس قدر مختلف و متباہن تھیں کہ ان میں بہت کم صلح قائم رہ سکتی تھی۔

سیکل یعنی سیکائی قوم

سلسلہ (مقلیہ) میں سیکائی نام کی ایک قوم رہا کرتی تھی اور بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ اسپینی الاصل تھے۔ اس زمانے کے واقعات نامعلوم ہیں اور ہم کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ان کی حالت ویسی ہی تھی جیسی کہ اُس زمانے کے باشندگان ہند کی۔

محققین سرگزشت انسانی نے اس بات کو بڑے شد و مد کے ساتھ ثابت کر دیا ہے کہ وہ تمام قومی سے قومی تمدن جو اب تک دنیا میں پیدا ہوئے ہیں اور وہ عظیم الشان ترقی جو انسان نے زمانہ حجریہ سے لے کر حال کے زمانہ ایجاد و اختراع تک کی ہے۔ وہ سب ضرورت کی بناء پر مقرر ہے۔ تاریخ عالم کے مطالعہ کے وقت اس اصول کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے کہ ایک قوم میں سے چند روز کے بعد چند اشخاص کا ہجرت کر جانا اور اپنے لئے نئی جگہ بود و باش کی غرض سے تلاش کرنا اور ان موانع کو دور کرنا جو اس کے راستے میں حائل ہوں، پھر رفتہ رفتہ ایک تمدن قائم کرنا ان سب باتوں کی وجہ سے سمجھ میں آ جاتی ہے۔

اس مقام پر ہم کو اس اصول پر تفصیلی بحث کی ضرورت نہیں ہے اور ہماری غرض صرف اس قدر ہے کہ اس ضرورت کے قاعدہ نے ۱۳۹۳ قبل مسیح میں ایک قوم جو تاریخ میں ایتر و سکیون کے نام سے مشہور ہے سلسلہ میں آنے کے لئے مجبور کیا۔

اتیرو کی قوم

اس نئی قوم کے بارے میں بھی جواب سسلی میں آئی تھی بہت کچھ اختلاف کیا گیا ہے اور جس طرح موسیٰ لیبان نے قدیم زمانے کے عربوں کی نسبت یہ رائے دی ہے کہ مین میں اس قسم کے آباد و آلاستہ شہر موجود تھے جیسے مصر قدیم میں تھے اور ان کا تمدن اعلیٰ درجہ کا تھا۔ ان کی عمارات دیرینہ گزردوزگار کے نیچے دبی ہوئی پڑی ہیں اور جس طرح کہ بابل و نینوا کے ویرانوں نے برسوں انتظار کیا۔ یہ بھی آثار قدیمہ کے کسی محقق کا انتظار کر رہی ہیں۔“

اسی طرح سے تاریخ قدیم کا مصنف ان اتیرو سکویوں کے بارے میں یہ رائے دیتا ہے کہ وہ محققین جنہوں نے دنیا کے قدیم سے قدیم لغات کے بارے میں نقاب ہٹا دیا (چنانچہ مصری ہیر گرافی اور آشوریوں کا خط پیکانی جس کے جاننے والے بھی اسی طرح مٹی کا ڈھیر ہو چکے تھے جس طرح وہ اقوام۔ ان علماء کی کوششوں کی بدولت پڑھ لیا جانے لگا) ابھی تک ان بے شمار آثار قدیمہ سے جو اتیرو سکویوں نے چھوڑے ہیں اور ان کی زبان سے جو اٹلی کی کسی اور قوم کی زبان سے مطلق مشابہت نہیں رکھتی بالکل بے خبر ہیں۔“

غرض کہ کہا جاسکتا ہے کہ اتیرو سکویوں کی زبان میں ایک عظیم الشان بھید ہے جو اسی وقت ظاہر ہوگا جبکہ کوئی مبصر آثار قدیمہ ان کے اصلی گزرے ہوئے واقعات کو کھنڈروں کی زبان حال سے سن کر ہمارے سامنے پیش کرے گا۔ جو کچھ ہم کو اب تک صحیح طور پر معلوم ہوا ہے اور جو مؤرخین نے تسلیم کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس قوم کی اصل غالباً کوہ الپس میں دریائے راین کے منبع کے قریب شمالی جانب تھی اس کا پہلا نام راس یا راسینی قوم بھی تھا کسی ضرورت سے راسینی قوم اپنا اصلی وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئی اور اس نے الپس کے کنارے کنارے چلتے ہوئے نہر ”پو“ کی وادی کے قریب اپنے ڈیرے ڈالے اور ایک زمانہ تک یہیں مقیم رہی۔ چند روز

کے بعد ایک اور قوم یعنی گال والوں نے ان پر حملہ کیا۔ "داسینی" مجبور ہوئے کہ یہاں سے بھی اپنا ڈیرہ اٹھالیں۔ اب وہ جنوب کی طرف بڑھے اور چلتے چلتے اس مقام پر پہنچے جو انہی کی یادگارا میں آج تک جغرافیہ میں ایتیر دریا کے نام سے مشہور ہے۔ انہوں نے اس قوم کو جو پہلے یہاں بستی تھی اور ترینین کے نام سے مشہور ہے مغلوب کر کے دیا اور خود ان کی جگہ لی۔ سرزمین ایتیر دریا جو جزیرہ نمائے اٹلی کا شمال مغربی حصہ ہے اور کوہ اوپینین اور سمندر کے کنارے کنارے جنوب میں نہر ٹائبر تک بڑھتی چلی گئی ہے۔ اب اپنے نئے فاتحوں کے زیر قدم ان تمام بزرگیوں کا سرچشمہ بن گئی جن کی ایک ایسی نئی مہاجر قوم سے امید کی جاسکتی ہے جس نے ابھی ابھی فتح مندی حاصل کی ہو اور ان کا جوش ابھی سرد نہ ہوا ہو۔ چند ہی دنوں میں ایتیر دریا میں بجائے داسینی خانہ بدوش قوم کے ایک ایسی قوم نظر آنے لگی جس نے ایک حد تک تمدن کا بلند مرتبہ حاصل کر لیا تھا۔ اس قوم نے بہت سے شہر بسائے تھے جن میں سے ہادہ شہر بہت ہی مشہور تھے۔ ان کے مٹے مٹائے آثارِ قدیمہ اب تک دنیا کو اپنے بانیوں کی یاد دلارہے ہیں یہ

قدرت نے بہت جلد ایتروسیوں کو مجبور کر دیا کہ وہ اور آگے اپنا قدم بڑھائیں اور اپنی نئی نسل جس کے لئے ایتیر دریا کی سرزمین اب تنگ ہونے لگی تھی اور کوئی جگہ ڈھونڈ نکالیں۔ چنانچہ وہ سسلی میں جو ان کے ملک کے قریب تھا پہنچ گئے اور چونکہ سسلی کی وسیع زرخیز زمین میں ابھی تک انسان کا وہ خلفا پیدا نہ ہوا تھا جو جنگ و جدال کا باعث ہوا کرتا ہے۔ لہذا بہت جلد یہاں ان کے قدم جم گئے۔ اس زمانہ میں سسلی کی حالت وہی سادہ حالت تھی جو تمام گذشتہ قدیم فرقوں کی ہوا کی ہے اور جس کی وجہ سے انسان کی زندگی میں ان تکلفات کی ضرورت نہیں پڑتی جو تمدن کی بنیاد قائم کرتے ہیں۔

سسلی کے حالات معارف ۱۹۹ء ص ۲۵۲ -

فنیقین

چند روز کے بعد سسلی میں ایک نئی قوم آباد ہوئی جو ان قوموں سے جو اب تک سسلی میں تھیں بالکل جدا اور سسلی سے بہت دور ملک شام کے رہنے والی تھی۔ یہ قوم جس کو فنیقین کے نام سے پکارا جاتا ہے، ان مختلف قبائل میں سے جو ملک شام میں بستے تھے، کنعانیوں کی قوم اور سنی کوش میں سے تھی۔ اس قوم کا اصلی وطن خلیج عجم کے کناروں پر تھا جہاں پر سنی کوش نے سکونت اختیار کی تھی اور غالباً بحرین ان کا مستقر تھا۔ سمندر کے کنارے رہتے ہوئے جہاز رانی ان کی طبیعت کا جزو ہو کر رہ گئی تھی اور اسی سے آئندہ چل کر سارے عالم میں ان کی دھاک بندھ گئی تھی۔ غالباً ۲۲۰۰ قبل مسیح میں جبکہ ایک اور قبیلہ نے ان کو تنگ کرنا شروع کیا یہ لوگ اپنے اصلی وطن سے سوڈیہ میں آئے اور اس بحر پھندی کی وجہ سے جو ان کے سرشت میں داخل ہو گئی تھی۔ یہاں کے سواحل کی سکونت اختیار کی۔ وہ رقبہ جو ان کے قبضہ میں تھا اس کی مقدار بہت ہی کم تھی اور وہ صرف یافتہ سے لے ذقیہ تک ہی محدود تھا۔ بحیران سواحل کے جو پہاڑوں اور سمندر کے مابین واقع ہے اور کوئی سرزمین نہ تھی۔ اس رقبہ کے کم ہونے کی وجہ سے وہ انتظامی امور میں مشہور نہ ہوئے۔ ہر شہر کی حکومت جدا جدا تھی جن میں سے مشہور صور، صیدا، بیروت وغیرہ ہیں، ان کی جو کچھ شہرت ہے وہ ان کے بحری سفروں اور بحری تجارت کی وجہ سے ہے جس کے ذریعہ تمام دنیا میں ان کا ڈنکا بج گیا اور ساری دنیا کی تجارت ان کے ہاتھ میں آ گئی۔ گو وہ اب ان اقوام کے ذمہ میں شامل ہو گئے ہیں جن کو موت کے زبردست ہاتھ نے دنیا سے فنا کر دیا ہے مگر ان کی بحری طاقت، ان کی مشہور تجارت اور ان کی تمدن کی ترقی اب بھی تاریخ کے صفحات پر آب و تاب کے ساتھ چمک رہی ہے۔ چونکہ ان کی تجارت سارے عالم میں پھیلی ہوئی تھی لہذا ان کا اثر بھی بہت جلد دوسری اقوام میں پھیل

گیا اور بہت جلد ان کی نوآبادیاں بھی قائم ہو گئیں جس کی ضرورت کو ملک کے رقبہ کے کم ہونے نے اور زیادہ کر دیا تھا۔ ان نوآبادیوں میں سے قرطاج (کارتھج) کے سوا سب میں زیادہ مشہور ہے اور جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔ قرس فنیقیہ وغیرہ بھی مشہور ہیں۔

سسلی میں بھی انہوں نے چند شہر بسائے جیسا کہ ایترو سکیوں کو اس نے بہت خوشی سے اپنی سرزمین میں آنے کی اجازت دیدی تھی۔ اسی طرح فنیقیوں سے بھی اس نے کچھ مزاحمت نہ کی۔ اس متمدن قوم کے زیر سایہ سسلی نے بھی بہت جلد ترقی شروع کی۔ قدیم سادہ حالتیں ضرورتوں سے تبدیل ہو گئیں اور مختلف اقوام مل ملا کر ایک قوم بن گئیں اور یہ کہنا صحیح ہو گا کہ سسلی نے اب دوسرا جنم لیا اور وہ بھی اس رفتار ترقی میں شامل ہو گئی جس پر تمام دنیا کے اقوام و ممالک کا بند ہوتے چلے آئے ہیں۔

یونانی

قدرت کے مضبوط قاعدوں کے مطابق جب فنیقیہ کا زوال شروع ہو گیا تو اس کی جگہ دوسری اقوام نے لے لی جن میں سے یونانی زیادہ مشہور ہیں۔ انہوں نے بحری طاقت میں فنیقیں کا مقابلہ کرنا شروع کیا اور بہت جلد عظیم الشان ترقی کر لی۔ ایسی صورت میں ممکن نہ تھا کہ وہ تمام ضرورتیں جو اقوام دنیا کو پیش آتی رہتی ہیں یونانیوں کو پیش نہ آتیں۔ چنانچہ یونانی بھی مجبور ہو گئے کہ اپنی نوآبادیاں بسائیں۔ سسلی کی شہرت اس وقت میں اس قدر ہو چکی تھی کہ ممکن نہ تھا کہ یونانی مبصرین کی آنکھ اس پر نہ پڑے۔ چنانچہ ۳۶۰ قبل مسیح میں باشندگان نکسوس اور خلخس نے سسلی کے مشرقی کناروں اور کوہ اٹنا کے قریب جواب تک ہرنو وارد کا خوشی سے غیر مقدم کیا کرتے تھے اپنے جہاز اتارے اور اسی مقام پر ایک شہر بسایا جو یونانیوں کا سسلی میں سب سے پہلا شہر تھا۔ اس شہر کا

نام انہوں نے اپنے اصلی وطن کی یادگار میں نکوس رکھا۔ اب یونانیوں کا راستہ کھل گیا۔ دوسرے سال اور نئے لوگ آئے جنہوں نے ترقوسا (سرقوسہ) بسایا۔ اس شہر نے آئندہ چل کر سسلی کی تاریخ میں بہت شہرت حاصل کی۔

چالیس سال کے بعد ایک نئی یونانی قوم آئی جس نے جنوب مغربی حصے میں اپنے قدم جمائے اور شہر جیلا بسایا۔ غرضیکہ یونانی مہاجرین کی تعداد دن بدن بڑھتی گئی اور ان کے بسائے ہوئے شہر بھی سسلی میں بڑھنے لگے۔ ان سب شہروں میں سب سے بڑا شہر قوسا تھا۔ اس کو یونانیان سسلی کا صدر مقام کہنا بجا ہے۔

سرقوسا کی ریاست

سرقوسا والوں نے بہت کچھ ترقیاں کیں اور جیسا کہ قاعدہ ہے بہت جلد انہوں نے یونان کا جوا اپنے کاندھے پر سے اتار دیا۔ ۵۲۳ ق م قبل مسیح میں وہاں خود مختار حکومت بن گئی۔ سسلی کی سر زمین میں یہ خود مختار ریاست تھی جو قائم ہوئی۔ گویا تمدن کے پہلے زمین پر اس نے قدم رکھا۔ اس حکومت نے بہت جلد ان تمام یونانیوں کے شہروں پر جو سسلی میں بسائے گئے تھے، قبضہ کر لیا۔ چنانچہ ۴۹۶ ق م قبل مسیح تمام مخالف شہروں پر قبضہ کر لیا گیا۔ اگر کسی نے ذرا بھی مخالفت کی تو اس کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ یہ گویا سسلی کی پاک و صاف زمین میں پہلی خون ریزی تھی۔ انسانی ضرورتوں کی بدولت یہ ملک گیری کے خیال سے عمل میں آئی اور بت پرستوں کے خیال کے مطابق انسانوں کی بھینٹ دے کر سسلی کی زمین کو آئندہ کے قابل بنایا گیا۔ اس زمانے میں سسلی روز افزوں ترقی پر تھی۔ زمین کی زرخیزی کی انتہا نہ تھی۔ چونکہ اس زمانے میں ابھی زراعت شروع کی گئی تھی لہذا بغیر کسی سخت محنت کے بہت آسانی سے اس وقت زمین کی پیداوار ہو جایا کرتی تھی یہ

۱۔ تاریخ سسلی ص ۱۴ -

سرقوسہ کی بندرگاہ تجارت کے لحاظ سے یورپ کی منڈی تھی۔ ممالک مشرقیہ جو اس زمانے میں تمدن کے مرکز تھے، یہاں ہر قسم کا سامان آیا کرتا تھا اور یہیں سے بلاد مغرب میں اس کی فروخت ہوا کرتی تھی۔ ملک کا انتظام انہی جمہوری اصول پر تھا جن پر یونانی عمل کرتے تھے۔ ملک کے مختلف فرقے بنائے گئے تھے۔ ایک فرقہ خاص بھی تھا جو بہ منزلہ امراء کے تھا، ان کے علاوہ صنایع، تجارت اور مزارعین کے طبقے تھے۔ باعتبار آمدنی کے الگ طبقے تھے جن میں سے فوج کے لئے لوگ منتخب کئے جاتے تھے۔ مگر ملک کا انتظام درحقیقت خاص لوگوں کے ہاتھ میں رہا کرتا تھا اور بڑے بڑے عہدوں پر وہی مامور ہوتے تھے۔

جس وقت یونان میں امراء اور عوام کے درمیان فسادات ہوئے ہیں اس کے چند روز بعد ۱۹۵ ق م میں سسلی میں بھی یہی فسادات ان دونوں فرقوں میں رونما ہوئے۔ عوام نے ایکاکر کے امراء کو شکست دیدی اور ان لوگوں نے بھاگ کر جیلو کے پاس پناہ لی جو شہر جیلا کا حاکم تھا۔ جیلو جو ایسے موقعے کو تاک ہی رہا تھا بہت خوشی سے ان کی درخواست منظور کی۔ سرقوسہ پر حملہ کیا گیا اور امراء پھر ملک میں آگئے۔ مگر جیلو نے خود مختار ریاست قائم کی اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ ملک میں اس تغیر سے جواب ہوا تھا اور ترقی بڑھ گئی۔ سرقوسا تمام یونانی شہروں کا پھر صدر مقام بن گیا اور جن شہروں نے بغاوت کی تھی وہ انہیں نو مطیع کر لئے گئے اور سرقوسا کی عظمت و شوکت اور بھی زیادہ ہو گئی۔

جیلو جواب فرماں روا نے سرقوسا بن گیا تھا ایک اعلیٰ درجہ کا منتظم و مدبر شخص تھا اس کی بیدار مغزی کی شہرت اب یونان میں بھی پہنچنے لگی اور اس کی شہرت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ جس وقت ۱۹۵ ق م میں ایرانیوں نے یونان پر حملہ کرنا چاہا تو یونانیوں نے جیلو سے مدد مانگی۔ جیلو نے اس درخواست کے جواب میں یہ لکھا:

”اگر مجھے یونانی فوج یا یونانی بیڑہ جہازات پر کمانڈر بنایا جائے تو

میں تمہاری درخواست قبول کر سکتا ہوں۔“

چنانچہ یونانیوں نے اس کو کمانڈر بنانے سے انکار کیا۔ لہذا جیلو نے بھی یونانیوں کو کوئی مدد نہ دی۔ مگر چند روز کے بعد اس کو ایک اور زبردست غنیمت سے مقابلہ کرنا پڑا۔ یہ غنیمت قرطاجنی تھا۔

قرطاجنہ

کالسیج یا قرطاجنہ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے فنیقیں ہی کی نو آبادی تھی جس کو انہوں نے مشرق م میں موجودہ ٹیونس کے قرب و جوار میں بسایا تھا۔ قانون قدرت کے مطابق بہت جلد وہ فنیقیہ والوں سے جدا ہو گیا اور جداگانہ سلطنت کی بنیاد ڈالی جو تاریخ عالم میں ایک ممتاز تہذیب کہتی ہے۔ کالسیج والوں نے نہ صرف سواحل افریقہ پر قبضہ کر لیا بلکہ بحیرہ روم کے جزیروں پر بھی وہ اپنا ستِ طمع بڑھانے لگے۔ چنانچہ بہت سے مقامات اُن کے قبضہ میں آ گئے۔ اسپین اور کورڈیکا اُن کی تجارتی منڈیاں تھیں جن کے ذریعہ سے یورپ کی تجارت اُن کے قبضہ میں تھی۔

یونانیوں اور قرطاجنوں کے محاربات

چھٹی صدی قبل مسیح میں قرطاجنوں کی طاقت کمال کو پہنچ گئی تھی اور بحیرہ روم کے بہت سے جزیروں پر قبضہ کرتے ہوئے وہ اب سسلی کے قریب پہنچ گئے تھے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس وقت سسلی کی حالت کیسی عمدہ تھی، اس کا عمدہ موقع پر ہونا، اس کی نہ خیزی ایسی چیزیں تھیں جنہوں نے قرطاجنوں کو بھی اس میں اپنے قدم جما نے کے لئے آمادہ کیا۔ مگر اب وہ سسلی نہ رہی تھی جو ہر نووارد کو خوشی کے ساتھ اپنے آغوشِ عاطفت میں لے لیا کرتی تھی۔ اس میں تمدن قائم ہو گیا تھا اور ایک مستقل حکومت قائم تھی جس پر ایک زبردست شخص بیدار مغز حکمران تھا۔ اس لئے قرطاجنی آسانی سے اس میں قدم نہ جما سکے۔

بلکہ ان کو بزدل و شمشیر اس میں داخل ہونے کی ضرورت ہوئی۔ چنانچہ سترہ سو ق م قرطاجنی سپہ سالار ہملکار تین لاکھ فوج کے ساتھ نیورس میں آ پڑا جو جزیرہ کے شمالی جانب واقع تھا۔ نیورس میں اپنا قبضہ جمانے کے بعد وہ آگے بڑھا اور ہمارا کا محاصرہ کر لیا جو یونانیوں کے ماتحت تھا۔ فرمانروائے سرقوسا جیلو بھی ہمارا کو بچانے کے لئے اپنی بیچاس ہزار فوج لے کر قرطاجنوں کے سامنے آ پڑا۔ اس وقت کا نتیجہ والوں کی فوج شمار میں تین لاکھ تھی۔ جیلو کی شہرت میں یکایک عظیم الشان اضافہ ہو گیا۔ کیونکہ اس نے اس زبردست فوج کو شکست فاش دے دی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ کا نتیجہ والوں کو اپنے بے شمار مقتولین جن میں ان کا کمانڈر ہملکار بھی شامل تھا، ہمارا کے میدان میں چھوڑ کر سسلی خالی کر دینی پڑی۔ پھر ایک مدت تک اُن کا حوصلہ نہ ہوا کہ سسلی کا رخ کریں۔ بلکہ وہ اپنے افریقہ کے مہمات میں مصروف ہو گئے جہاں یونانیوں کے ساتھ ان کی مدد بھیڑ ہوتی رہی۔

اس عظیم الشان فتح کے بعد جیلو نے بہت بڑی قوت پیدا کر لی۔ اس کی ملک گیری کے ارادے جو اس زمانے میں انسان کی اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی کا بلند رتبہ خیال کئے جاتے تھے اب بہت کچھ بہاؤ دکھاتے اور وہ بھی ان مشہور فاتحوں میں سے ہو جاتا جن کی شہرت صفحات تاریخ پر آج تک نظر آ رہی ہے مگر افسوس ہے کہ موت نے اس کو مہلت نہ دی اور اس فتح کے تین سال بعد موت کے زبردست ہاتھوں نے اس پر اپنا قبضہ کر لیا جس کے پنجہ سے نہائی پانا بڑے سے بڑے بہادر کے لئے بھی محال و ناممکن ہے۔

جیلو کے جانشین

سترہ سو ق م میں جیلو کے مرنے کے بعد اس کا بھائی ہیرو اس کا جانشین ہوا۔ اور دس سال تک ریاست کی۔ جیلو کے بعد ایسے جانشین کی ضرورت تھی جو اس کی قائم کی ہوئی ریاست پر بزدل قبضہ نہ کر سکے اور ان مختلف اجزاء کو بکھرنے

نہ دے جنہیں جیلوں نے مدتوں کے بعد ایک شیرازہ میں جمع کر دیا تھا۔ ہیر و ایسا ہی شخص تھا اور اسی لئے اس کے مرتے دم تک کوئی فتنہ و فساد پیدا نہیں ہوا۔ ملک میں ترقی کی رفتار اسی طور سے جاری رہی جیسی کہ اس با اس زمانہ میں اُمید کی جاسکتی ہے۔ مگر ۳۶۲ ق م میں ہیر و کے مرجلنے پر ایک ایسا شخص جانشین ہوا جو مطلق صلاحیت نہیں رکھتا تھا اس لئے باہمی فتنہ و فساد کی بنیاد پڑ گئی اور چونکہ اس وقت تک سہلی تمدن کے ان مدارج تک نہ پہنچا تھا جن میں شاہی عظمت و شوکت مد سے بڑھ جاتی ہے اس لئے یہ ہیر و کا جانشین جو تراسیلوس نام سے مشہور ہے بہت جلد بغیر زیادہ وقت کے ملک سے خارج کر دیا گیا۔ وہ باہمی فتنہ و فساد جو پیدا ہو گیا تھا ۳۶۱ ق م میں مختلف شہروں کے نامور و سچے کا شخصوں نے ایک مجلس منعقد کی اور قوانین و نظام آئندہ کے لئے مرتب کیا۔ اس کے اجراء کا نتیجہ یہ ہوا کہ خانہ جنگی ختم ہو گئی اور ملک ترقی کی راہ پر لگ گیا اور مثل مرقوسہ کے جزیرہ کے جنوبی ساحل پر شہر مغر جنتم نے بڑی ترقی کی۔

اہل مرقوسہ کو اس کا عروج بُرا لگا اور ۳۶۲ ق م میں اغر جنتم، نکسوس کتنا، لیونیتی شہروں کو بزور اپنی نگرانی میں لے لیا۔ مگر یہاں کے باشندوں نے اہل یونان سے مدد چاہی۔ ایتھنس والوں نے ۳۶۰ ق م میں بقوت مرقوسا کو مغلوب کر لیا۔ اب بظاہر صقلیہ اہل ایتھنس کی حکومت میں داخل ہو گیا۔ مگر مرقوسہ والوں نے بغاوت کر دی۔ غرضیکہ ۳۵۳ ق م میں یونانیوں کی طاقت کمزور ہو گئی۔ اور اہل مرقوسہ سے مقابلہ نہ کر سکے اور اپنی فوجوں کو سہلی سے ہٹالے گئے۔

قرطاجہ موقعہ کے منظر تھے۔ ۳۵۹ ق م دوبارہ صقلیہ پر حملہ آور ہوئے اور اپنی پچھلی شکست کا ستر برس بعد بدلہ لے لیا اور کامیابی حاصل کی۔ بعض مقامات پر قابض و متصرف ہو گئے۔ اب گویا صقلیہ میں دو حکومتیں تھیں، ایک مرقوسہ کی ریاست، دوسری قرطاجہ کے زیر حکم علاقہ جاست۔ ان دونوں میں ہمیشہ خانہ جنگی برپا رہتی جو ۳۵۶ ق م تک قائم رہی۔

صقلیہ کی حالتِ دیہیوں کے زمانہ میں

جبکہ صقلیہ کی سرزمین ان دو مختلف قوموں (قرطاجنی، یونانی) میں منقسم تھی جو بادی بادی سے اپنا ڈنکا بجاتی رہتی تھیں تو اُس وقت تماشا گاہِ عالم کے پردوں کے اندر ہی اندر کچھ اور سامان ہو رہا تھا۔ ایک نئی زبردست طاقت جو اب تک بالکل ضعیف خیال کی جاتی تھی، دنیا کے ایسٹج پر نمودار ہوئی جس نے بہت جلد اُن تمام اقوام کو جو اس وقت دُنیا میں اپنا اپنا پارٹ ادا کر رہی تھیں، ایسٹج پر سے ہٹا دیا اور تاریخِ عالم میں ایک ایسی عظیم الشان یادگار قائم کی جس سے تاریخ نے ایک نیا جنم لیا اور اب بجائے قرونِ قدیمہ کے تاریخِ قرونِ متوسطہ میں آگئی۔

رومن قوم کی ابتدائی حالت

رومن قوم کے قدیم حالات کے بارے میں وہی بے ہودہ اور دوراز کاہ روایتیں بیان کی گئی ہیں جو قریب قریب ہر قوم کی ابتدائی حالت کی نسبت لکھی گئی ہیں اور جن کو زمانہ حال کی تحقیق نے بالکل لغو قرار دیدیا ہے۔

غرضیکہ جو کچھ اب تک ثابت ہوا ہے اس کے لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس موقع پر جہاں اب روما آباد ہے۔ پہلے مختلف قبائل بستے تھے جنہوں نے رفتہ رفتہ امتدادِ زمانہ کے باعث آخر ایک قوم کی صورت اختیار کر لی اور جیسا کہ قدیم اقوام میں دیکھا گیا ہے۔ اُن میں بھی چند ایسے عالی دماغ اور مدبر حاکم روما کے نام سے مشہور ہوئے۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد روما کی سلطنت نے ششہ قبل مسیح میں جمہوری صورت اختیار کر لی اور اس نے ان تمام مختلف قبائل

کو جو جزیرہ نمائے اٹلی میں بستے تھے، ایک ایک کمرہ کے ذریعہ کرنا شروع کر دیا اور آخر بہت نزاعوں اور خون ریزیوں کے ۲۶۵ء قبل مسیح میں سادے ملک اٹلی پر رومیوں کی جمہوری سلطنت کا پھر پراٹھنے لگا اور گمنامی کے پردہ سے نکل کر اس کا شمار بھی دنیا کی مشہور طاقتوں میں ہونے لگا جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بطلمیوس فلاولفیوس فرما کر اٹلی سے مرے جو اس وقت دنیا کے مشہور حکمرانوں میں سے تھا، اپنے سفیر رومن قوم کے پاس بھیجے اور خواہش ظاہر کی کہ رومن قوم اس سے دوستانہ تعلقات رکھے۔

جبکہ کل جزیرہ نمائے اٹلی پر رومن قوم کا قبضہ ہو گیا اور اب جزیرہ نما میں کوئی ایسی قوم باقی نہ رہی جس سے لڑ کر رومن فاتح قوم جس کے دل میں تخیلات و جذبات کا دریا پورے جوش کے ساتھ موجزن تھا۔ اپنے دل کے حوصلے پورے کرے تو زبردست قانون قدرت کے اصول کے بموجب بہت ہی ضروری ہو گیا کہ وہ اٹلی سے اپنا قدم باہر نکالے اور ان اقوام سے اس کی ٹھٹھ بھڑ ہو جو دنیا میں اپنا ڈنکا بجا رہی تھی۔ اور چونکہ سسلی بالکل اٹلی ہی کے قریب تھا اور اٹلی کی ملکی ضرورتوں کے لحاظ سے اب اس پر قبضہ کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ لہذا بہت جلد رومن قوم کی توجہ اس طرف مبذول ہو گئی اور اس نے سسلی کا رخ کر دیا۔

۲۶۵ء قبل مسیح میں یونانی اور قرطاجنی مختلف مقامات پر اپنی اپنی حکومت کر رہے تھے اور ان میں وہ باہمی نزاعات اور خانہ جنگیاں آئے دن برپا رہتی تھیں جو ہمیشہ غیر قوم کے ملک میں داخل ہونے کا بہت بڑا سبب ہوا کی ہیں۔ ان باہمی نزاعوں اور خانہ جنگیوں سے رومن قوم کو اس بات کا پورا موقع مل گیا کہ وہ اپنی خواہشوں کو ہمدردی کے پیرایہ میں ظاہر کرے۔ چنانچہ جس

۱۷ تاریخ مصر

وقت مسانہ والوں نے سر قوسا والوں اور قرطاجینیوں کے متواتر حملوں سے تنگ آکر جن میں سے ہر ایک اس پر اپنے دندان آذیت کر کے ہوئے تقارون قوم سے مدد کی درخواست کی تو اس نے فوراً ایک قوی اور مستعد فوج بظاہر (مسیحہ) مسانہ والوں کی تائید اور اصل میں سسلی پر قبضہ جمانے کے لئے بھیج دی۔ سر قوسا والے اور قرطاجینی دونوں اب خواب غفلت سے چونکے اور اپنے اس نئے زبردست دشمن کے دفعیہ کے لئے اپنی باہمی خانہ جنگیاں چند روز کے لئے ختم کر دیں۔

سر قوسا والوں نے قرطاجینیوں سے معاہدہ کیا کہ ہم تمہارے ممالک مقبوضہ پر حملہ نہ کریں گے اور قرطاجینیوں نے اس کے معاوضہ میں رومیوں سے مقابلہ کرنے کا وعدہ کیا۔ رومیوں نے قرطاجینیوں کو اطلاع آخر بھیجی کہ بہتر ہے تم مسانہ کو چھوڑ دو اور اس طرح ہم چلے جائیں گے۔ قرطاجینیوں نے انکار کیا اور اب ان دونوں دنیا کی مشہور طاقتوں میں مڈبھیڑ ہونی شروع ہو گئی۔

رومیوں اور قرطاجینیوں کے محارب

رومن قوم نے دشمن کی جمعیت توڑ دینے اور اس میں نفاق پھیلانے کے ضروری قاعدے پر عمل کیا جس سے عموماً فاتحین کی فتح ہوا کی ہے۔ چنانچہ اس نے حکمران سر قوسا ہیروثانی سے جو ایک دوراندیش اور بیدار مغز حاکم تھا، معاہدہ کر لیا جس کے عمدہ نتائج اُٹھ چل کر ظاہر ہوئے اور یہ بات چاہی کہ وہ قرطاجینیوں اور رومیوں کے باہمی مقابلہ میں بالکل الگ تھلگ رہے اور اس کے معاوضہ میں رومن قوم اس کے حقوق کو برقرار رکھے گی مگر اس سے قرطاجینیوں پر جو اس وقت میں دنیا کی سب سے بڑی طاقت شمار کی جاتی تھی اور اس لحاظ سے سمندر کی مالک تھی کوئی اثر نہ ہوا۔

رومن قوم کو قرطاجینیوں پر فتح پانے کے لئے پہلے بحری طاقت پیدا کرنے کی ضروری تھی اور جس کے بغیر ان کا مقابلہ ہو ہی نہیں

سکتا تھا۔

امیر البحر دویس کی عجیب اور ان تھک کوششوں کی بدولت یہ مشکل بھی رفع ہو گئی اور ۲۶۲ قبل مسیح میں رومیوں نے قرطاجینیوں کو اس بحری طاقت میں جس پر انہیں ناز تھا فاش شکست دی۔ اب قرطاجینیوں کی بھی آنکھیں کھلیں اور وہ بھی تیزی اور مستعدی کے ساتھ رومیوں کا حملہ روکنے کے لئے مستعد ہو گئے۔ یہ زمانہ جبکہ یہ دونوں دنیا کی مشہور قوتیں بڑے زور شور سے ٹکرا رہی تھیں ایک مدت تک پہلے اور اس مدت میں بڑے بڑے معرکے اور جاننا زیاں جنہیں انسانی شجاعت اور بہادری کا اعلیٰ نمونہ کہا جاسکتا ہے، واقع ہوئیں۔ قرطاجینیوں کے اقبال کا دور ختم ہو چکا تھا اور ان میں وہ برائیاں جو ایک زبردست طاقت کی جڑ کو کھوکھلی کر دیا کرتی ہیں پیدا ہو چکی تھیں۔ چنانچہ خود ان کی فوج میں جو اجرت پر نوکر رکھی جاتی تھی سخت جھگڑا برپا ہو گیا۔

ان سب باتوں نے رومن قوم کے لئے راستہ صاف کر دیا اور اس نے جزیرہ سارڈینیا پر جو صقلیہ سے قریب ہی واقع ہے فتح حاصل کر لی۔ یہ پہلا جزیرہ تھا جس پر رومن قوم نے فتح پائی۔ قرطاجینی رومیوں کی اس فتح پر بہت ہی بگڑے مگر مجبور تھے اور دانت پیس کر رہ گئے۔ رومیوں نے بڑھ کر جزیرہ کورسیکا پر بھی قبضہ کر لیا اور اب صقلیہ کی باری آئی۔

قرطاجینیوں نے یقین کر لیا کہ اب رومیوں سے مقابلہ بے سود ہے اور موجودہ حالت میں مقابلہ سے بجز نقصان کے اور کوئی فائدہ مترتب نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ انہوں نے صلح کے لئے درخواست کی اور شرائط ذیل پر ۲۶۳ قبل مسیح میں صلح منعقد ہو گئی۔

www.KitaboSunnat.com

۱۔ رومن قوم کے بیان میں ان کتابوں کے علاوہ جن کے نام پہلے بیان کر دیئے ہیں نبدۃ الصحائف فی ساجیۃ المعارف (مولف نوفل آفندی طرابلسی) سے بھی مدد لی گئی ہے۔

- ۱۔ قرطاجینی صقلیہ اور ان تمام چھوٹے چھوٹے جزیروں کو جو صقلیہ سے قریب واقع ہیں اور جن پر اب تک انہی کا قبضہ تھا خالی کر دیں گے۔
- ۲۔ قرطاجینی رومن قوم کو ایک بیش قرارہ تاج جنگ دیں گے۔
- ۳۔ قرطاجینی اعتراض کرتے ہیں کہ ہیر و حاکم سرقوسا ہے اور اس سے اور اس کے جانشینوں سے آئندہ قرطاجینیوں کو لڑائی کرنے کا کوئی حق نہ ہوگا۔
- ۴۔ اس کے معاوضہ میں رومن قوم قرطاجینیوں پر حملہ نہ کرے گی اور اس کو قرطاجینیوں کے دوسرے مقبوضات سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔

صقلیہ پر رومن قوم کا قبضہ

اس صلح سے چند روز کے لئے رومیوں اور قرطاجینیوں کے محاربات ختم کئے اور صقلیہ باستثنائے ریاست سرقوسا، سارڈینیا اور کارسیکا رومن قوم کے قبضہ میں آئے جس کا انتظام کرنا اب ان کو ضروری تھا۔ رومیوں نے سارڈینیا اور کارسیکا کو ایک صوبہ اور صقلیہ کو ایک صوبہ قرار دیا۔ (یہ رومیوں کے سب سے پہلے صوبے تھے) ہر ایک صوبے کا ایک والی ہوا کرتا تھا جس کو ریمپوریا پر و قنصل کا لقب دیا جاتا تھا۔ ریمپوریا پر و قنصل کو باستثنائے ان رومن نژادوں کے جو ان صوبوں میں مقیم ہو جائیں، باقی تمام باتوں میں پورا اختیار حاصل تھا اور اس کو اپنے احکام کے نافذ کرنے میں کوئی روک ٹوک نہ تھی۔

سرقوسا کا خاتمہ اور کل صقلیہ پر رومیوں کا تصرف

۲۱۵ قبل مسیح میں ہیر و ثانی حاکم سرقوسا مر گیا جس نے آخری وقت میں اپنی بیدار مغزی اور دور اندیشی سے سرقوسا کی حفاظت کی تھی جیسا کہ چراغ گل ہونے کے وقت ایک غیر معمولی روشنی میں پیدا ہو جاتی ہے اور یہی غیر معمولی روشنی اس بات کی خبر دیتی ہے کہ اب اس کا خاتمہ کا وقت قریب ہے۔ اسی طرح ہیر و ثانی

کا زمانہ بھی اس بات کی خبر دے رہا تھا کہ اب اس کے نزع کا وقت قریب آپہنچا۔ چنانچہ اس کے مرجانے کے بعد کوئی ایسا شخص باقی نہ رہا جو اس کی جانشینی کے لئے صلاحیت رکھتا ہو اور ملک کی روز افزوں بد نظمی اور تباہی کا انسداد کر سکے۔ بد نظمی بڑھتی گئی اور قرطاجینیوں نے بھی خلاف معاہدہ مرقوسا کے معاملات میں دست اندازی شروع کی۔

اب کوئی وجہ نہ تھی کہ رومی سلطنت بھی اس میں مداخلت نہ کرے۔ چنانچہ اس نے قنصل مرسوس کو بھیجا تا کہ وہ مرقوسا کی ریاست پر رومی سلطنت کی طرف سے قبضہ کرے۔ اب مرقوسا کے خاتمہ کا وقت آپہنچا اور باشندگان مرقوسا نے بھی جب تک دم میں دم رہا اپنی آزادی قائم رکھنے کی کوشش کی۔ مگر یہ تمام کوشش بے کار گئیں اور آخر کار انہیں اپنی آزادی جس کے بچانے کے لئے انہوں نے یونان اور قرطاجنہ سے مقابلہ کیا تھا اور انہیں سخت شکستیں دی تھیں، رومن قوم کے سپرد کر دینی پڑی اور اس طرح پرسیلی کی خود مختاری کا زمانہ ختم ہو گیا اور سارے جزیرہ پر ۲۱۲ قبل مسیح میں بلا شرکت غیرے رومی سلطنت جمہوری ہی کا قبضہ نظر آنے لگا۔

رومیوں کا اقوام مفتوحہ سے سلوک

وہ عظیم الشان ترقی جس کی بدولت رومیوں نے اپنے سے پہلے گزری ہوئی قوموں کو پس پشت ڈال دیا۔ ان کا ارتحج (قرطاجنہ) مقدونیہ، یونان، فرانس و نیز دیگر اس زمانہ کی قوی سے قوی طاقتوں کو مغلوب کرنا اپنی خاص نوابادوں بسانا اور وہاں جا کر بسنے والوں کو خاص خاص حقوق کا عطا کرنا جس کے مفید نتائج کو یورپ آج تک تسلیم کرتا بلکہ اس پر مضبوطی سے عمل کرتا رہا ہے۔ اُن بے نظیر قوانین اور نظامات کا مرتب کہنا جو اپنے بنانے والوں کی عالی دماغی کے شاہد ہیں اور جن پر آج سارے یورپ کے انتظامات و قوانین کی بنیاد رکھی گئی

ہے۔“ یہ سب باتیں گوفی الواقع نہایت ہی دلکش ہیں مگر رومیوں میں بھی غریبی اور امیری کا مسئلہ تھا، مساوات نہ تھی۔ غلامی کا رواج عام تھا۔ ان کے ساتھ بے انصافی کی جاتی اور ان پر ظلم توڑے جاتے۔ رومن قوم کا سلوک اپنی مفتوحہ اقوام کے ساتھ مختلف قسم کا رہا ہے اور جو سلوک ایک قوم کے ساتھ کیا گیا ہے اس کو دوسری قوم کے سلوک کے ساتھ ذرا بھی مناسبت نہیں کہیں اس نے مفتوح قوم کا بالکل قلع و قمع اور دنیا سے نابود کر دیا۔ جیسے کالہ تھج والوں کے ساتھ کیا گیا اور کہیں انہیں غلام بنا لیا گیا۔ بعض کو ایک حد تک آزادی دی گئی اور شاذ و نادر کسی قوم کو خود رومن قوم کے حقوق دے دیئے گئے۔

غرضیکہ اس نے بالکل مختلف طریقے برتے جس کی نسبت ایک مؤرخ مصنف تاریخ قدیم یہ لکھتا ہے :-

”مفتوحہ قوموں کے ساتھ رومیوں کے اس مختلف طور کے طرزِ عمل کی نسبت پورے پورے وجوہات اب تک درست طور پر معلوم نہیں ہوئے ہیں۔
 ظنی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جن قوموں نے اُس سے سخت مقابلہ کیا تھا اور اطاعت قبول کر لینے کے بعد پھر بغاوت کی تھی اور اس کے مخالفین سے ساز باز نہ کر لی تھی، اُن سے اُس نے سخت برتاؤ کیا اور اُن کے لئے سخت قوانین مقرر کئے۔“

گو یہ رائے ایک حد تک بہت ہی درست ہے مگر اصل یہ ہے کہ رومن قوم کے مدبر اس امر کو اچھی طرح سے جانتے تھے کہ رومن سلطنت کا قیام اُسی وقت تک رہ سکتا ہے جب تک کہ اقوامِ مفتوحہ اُبھرنے نہ پائیں۔ مگر ساتھ ہی رومن قوم سے راضی بھی رہیں۔ اس اصول کو مدنظر رکھ کر اس نے مقتضائے وقت اور قومِ مفتوح کے مناسب عمل کیا۔ قرطاجینی چونکہ روم کے سخت دشمن تھے اور اس کے زندہ باقی رہنے سے ہر وقت کا خطرہ لگا رہتا تھا اس لئے وہ بالکل تباہ و برباد کر دیئے گئے۔ یونانیوں سے چونکہ اس بات کی تسلی تھی کہ اُن کی باہمی رقابتیں

انہیں اس قدر ابھرنے ہی نہیں دیں گی کہ وہ رومن قوم کے سامنے آئیں۔ لہذا انہیں آزاد دی دے دی گئی جس سے خود رومیوں کا ذاتی نفع تھا۔ فرانس کی قومیں چونکہ بالکل وحشیانہ حالت میں تھیں، لہذا وہ غلام بنائی گئیں۔ یغضیکہ اُس نے انہی اصولوں کو مد نظر رکھ کر چین پر ان کی سلطنت کی زندگی منحصر تھی قوم مفتوح کے ساتھ سلوک کیا اور یہی وجہ رومیوں کی دیرینہ کامیابی کی بھی ہوئی۔

صقلیہ کی حالت رومن قوم کے زمانے میں

اب ہم کو صقلیہ کی حالت پر غور کرنا ہے۔ جب معاہدہ کے مطابق قرطاجینیوں نے صقلیہ کو خالی کر دیا اور اس کا انتظام اس طرح پر کر دیا گیا جو پہلے بیان ہو چکا ہے تو اس میں بہت سے رومن نژاد باشندے آکر مقیم ہو گئے جنہیں اپنے پہلے حقوق و امتیازات حاصل رہتے تھے۔ اُن لوگوں کی یہاں زمینداریاں قائم ہو گئیں اور اس طرح پر بہت جلد صقلیہ میں ہر طرف رومی ہی رومی نظر آنے لگے۔

رومن قوم کے غلام اور ان کی حالت

ان رومیوں نے اپنی ماتحت زراعت وغیرہ کے کام ان قابلِ رحم اور مظلوم انسانوں سے لئے جو رومن قوم کے طفیل سے ذلیل طور پر غلام بنائے گئے تھے۔ رومن قوم نے اس نفرت انگیز غلامی کے اصول کو پہلی پہل دنیا میں رائج کیا۔ یہی غلامی کا مسئلہ ہے جس پر مسلمانوں کی نسبت یورپ نے بہت کچھ واویلا مچایا ہے اور بڑے بڑے الزام لگائے ہیں۔ مسلمانوں کی غلامی جس پر غلامی کا اطلاق کیا جاتا ہے ایسی نہیں تھی۔ کیونکہ جس عمدہ حالت میں مسلمانوں کے غلام رہتے تھے اور جس طرح پر وہ بہت جلد غلامی کی قید سے آزاد ہو جاتے اور ان کا وہی رتبہ ہو جاتا تھا جو اُن کے مالکوں کا تھا اس کا اعتراف خود یورپ کے محققین بھی کرتے لگے ہیں اور اس کا ثبوت اس سے بہتر ادر کیا ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ

میں غلامی کی وجہ سے کوئی بغاوت نہیں ہوئی۔ غلامی کی جو خراب تصویر یورپ نے اپنے ذہن میں کھینچ لی ہے (کہ غلام وہ ہیں جو زنجیروں میں جکڑے ہوں۔ غذا کی جگہ چلبک کھا رہے ہوں۔ مکان کے عوض تہہ خانوں میں محبوس ہوں۔ اتنی بھی ان کی وقعت نہ کی جاتی ہو جو ایک بلی اور کتے کی، کی جاتی ہے اور اسی طرح کے وہ سارے تصورات جو نہایت ہی رنگ آمیزیوں، حد درجہ کے مشرقی مبالغوں کے ساتھ یورپ کے خیال میں ممکن ہیں۔ یہ تصویر مسلمانوں کی غلامی کی نہیں بلکہ وہ بغیر کسی مبالغہ کے رومن قوم کی غلامی پر صادق آتی ہے جو خود یورپ کے رہنے والے ہیں اور جن کے قوانین کا ہر وقت لاگ لگایا جاتا ہے اور ان کے بعد ہر ترقی کرنے والی قوم کو خواہ مخواہ کھینچ تان کر اُنہی کا مقلد اور ان ہی کے خیالات سے مستفید بتایا جاتا ہے۔ بیشک وہ سارے الزامات جو غلامی کی نسبت ہو سکتے ہیں رومن قوم کی غلامی پر کئے جاسکتے ہیں۔ یہ غریب بالکل حیوانات کی طرح دکھے جاتے تھے اور ان کو کسی قسم کا حق حاصل نہ تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نفرت انگیز و ذلت بار غلامی سے نکلنے کے لئے کوئی ذریعہ دکھانیں گیا تھا۔

ساد ڈینیا اور کورسید کا کی بغاوت فرو کرنے کے بعد وہاں کے باشندوں سے جس قسم کا برتاؤ کیا گیا ایک وحشی سے وحشی قوم بھی اس سے زیادہ نہیں کر سکتی۔ تاریخ کا عیسائی مصنف اس کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے :-

”جزیرے لوٹ لئے گئے، جس قدر مال تھا وہ سب چھین لیا گیا، تمام باشندے غلام بنا کر بیچ دیئے گئے، جس کی وجہ سے روم میں غلاموں کی اس قدر کثرت ہو گئی تھی کہ وہ ساری چیزوں سے حقیر ترین چیز خیال کئے جاتے تھے۔“

چنانچہ یہ قول ضرب المثل ہو گیا تھا۔ ”ساد ڈینی سے زیادہ حقیر“ یہی غلامی کا طریقہ تھا جس کی بدولت رومی سلطنت کو آئندہ چل کر بڑی بڑی مشکلات پیش آئیں۔ مسلمانوں کی تاریخ کے برخلاف رومیوں کی تاریخ میں جو ہر وقت اور

ہر مقام پر غلاموں کی شورش و بغاوت کی بیسیوں نظیریں ملتی ہیں۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ رومیوں کا طرزِ عمل غلاموں کے ساتھ نہایت بُرا اور نفرت انگیز تھا۔ چنانچہ صقلیہ میں بھی یہی حالت نظر آئے گی۔

غلاموں کی صقلیہ میں پہلی بغاوت

جب رومی صقلیہ میں غلاموں سے نفرت انگیز کام نفرت انگیز طریقہ سے لینے لگے اور وہ ہولناک مظالم اُن پر توڑے گئے جن سے تہذیب ٹسراتی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ وہ ایک آتش فشاں مادہ کی صورت میں نمودار ہو۔ چنانچہ ۱۳۴ء قبل مسیح میں جبکہ جزیرہ میں غلاموں کی تعداد حد سے بڑھ گئی تو اب اس مادہ کے مشتعل ہونے کا وقت آگیا اور یونیس نامی ایک غلام نے جو سوریا (شام) سے گرفتار ہو کر آیا تھا، اس آتش فشاں مادہ کو چھیڑ دیا اور رومی سلطنت کے برخلاف بغاوت شروع ہو گئی۔

یونیس کے اٹھ کھڑے ہونے کی دیر تھی کہ ہزاروں غلام جو مرنے پر مستعد تھے اور صرف سہارا ڈھونڈ رہے تھے، یونیس کے جھنڈے کے نیچے فوراً جمع ہو گئے۔ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ ان غلاموں کی تعداد تقریباً دو لاکھ تھی جو بلاشبہ درست ہو گی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یونیس نے اپنی کامیابی کی غرض سے نبوت کا بھی دعویٰ کیا تھا۔ جو کچھ ہو یہ خوفناک بغاوت کچھ اس زور سے مشتعل ہوئی کہ رومی سلطنت کو بھی بہت کچھ اپنی طاقت اس کے فرو کرنے میں صرف کرنا پڑی۔ سب سے پہلے ایک رومی قواعد دان فوج بھیجی گئی۔ مگر ان غلاموں نے جو زندگی سے بیزار تھے کچھ ایسی بہادری دکھائی کہ رومیوں کے چھکے چھوٹ گئے اور رومن سلطنت کو اور بہت سی فوج بھیجنی پڑی۔ جب غلاموں نے اس نئی مدد کو آئی ہوئی فوج کو بھی مشکل میں ڈال دیا تو پھر تیسری دفعہ بہت ہی جڑا فوج روم سے روانہ ہوئی۔ اس دفعہ کسی قدر رومیوں نے کامیابی حاصل کی اور دس ہزار کے قریب غلام

رومیوں کی تہذیب و تمدن پر قربان ہو گئے۔ مگر غلاموں کی پرجوش طاقتیں ابھی سرد نہیں ہوئی تھیں۔ اب چوتھی دفعہ رومی سلطنت کا مشہور جنرل رولپلیوس بھیجا گیا جس نے حد درجہ کی خونریزی کے بعد فتح حاصل کی۔ غلاموں کی ثابت قدمی کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ جب تک دو لاکھ غلاموں کی جماعت میں سے پورے ایک لاکھ نوے ہزار کی قربانی نہ ہو چکی۔ اس وقت تک مقابلہ سے منہ نہ موڑا اور آخر کار جب رومیوں کی جابر فوج کے سامنے ان کے قدم نہ جم سکے تو مجبور ہو کر پہاڑوں میں بھاگ گئے۔ یہ بچے ہوئے ایک ہزار غلام بھی آخر اس دنیا سے جس میں اب اُن کے لئے کوئی آسائش باقی نہ رہی تھی رخصت کر دیئے گئے اور اس طرح سخت سے سخت خونریزیوں کے بعد جس میں دو لاکھ غلام رومیوں کی تیغِ ستم سے موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے۔ غلاموں کی طرف سے یہ جان بگاہت فرو ہو سکی اور اس طرح سے رومی سلطنت کو پہلی پہلی مضبوط اور سچے قانونِ قدرت کے توڑنے کا ثمرہ دیکھنا پڑا۔ مگر کیا اسی قدر سزا اس کو بھگتنی پڑی؟ نہیں بلکہ بہت ہی جلد اس کو اس سے بھی زیادہ سخت آفت میں مبتلا ہونا تھا۔

غلاموں کی دوسری بغاوت صقلیہ میں

گذشتہ بغاوت فرو کرنے کے وقت ان چند رومیوں کو بھی جنہوں نے غلاموں کی تائید کی تھی تعزیراً غلام بنایا گیا تھا اور جب سنٹ (رومیوں کی پارلیمنٹ) نے ان کا مرافعہ نامنظور کر دیا تو اس کا نتیجہ یہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا کہ انہوں نے بغاوت کر دی اور اس طرح اٹلی سے بہت جلد صقلیہ میں یہ بغاوت پھیل گئی۔ اس دفعہ ان کے سپہ سالار دو شخص تھے۔ ایک تو ایشیوں تھا جس نے یونیس کی طرح عام لوگوں پر لوگوں کو اپنا معتقد بنانے اور کامیابی حاصل کرنے کے لئے وحشیانہ کا دعویٰ کیا اور یہ ظاہر کیا تھا کہ مجھے الہام ہو چکا ہے جس سے ضرور مجھے سلطنت مل کر ہے گی۔ دوسرا سپہ سالار ترفیون تھا جو شام کا رہنے والا تھا۔

اب کی دفعہ ان کی بغاوت پہلی بغاوت سے زیادہ سخت تھی اور جزیرہ کے ایک بڑے حصہ پر ان کا قبضہ بھی ہو گیا اور انہوں نے غلہ اور میوہ جات کو جس کی پیداوار کے لئے صقلیہ اُس زمانے میں بہت ہی مشہور تھا باہر لیجانا موقوف کر دیا۔ رومی سلطنت کے لئے یہ بہت ہی نازک وقت تھا خود رومیوں میں خاصہ اور عامہ کے دو فرقے ہو گئے تھے۔ اس سے پہلے روم میں فقیروں کی بغاوت ہو چکی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وحشی قوموں سے سخت مقابلہ اس کو درپیش تھا۔ با این ہمہ اُس نے بغاوت فرو کرنے کے لئے ۱۲۰ قبل مسیح میں چودہ ہزار فوج بھیجی۔ اس فوج کو بھی وہی پہلی بغاوت کی سی حالت پیش آئی اور بالآخر ۹۹ قبل مسیح میں متعدد فوجوں کے ناکام رہنے اور پانچ سال کی متواتر خونریزیوں سے بعد جب ماریوس رومیوں کا مشہور جنرل جس نے وحشی اقوام کو شکست دی تھی اور رومیوں کی حالت کو سنبھال لیا تھا اس بغاوت کے فرو کرنے کے لئے بھیجی گیا تھا تو اس بغاوت کا خاتمہ ہوا۔

اس بغاوت کے بعد پھر کوئی بغاوت صقلیہ میں نہیں ہوئی اور اس طرح صقلیہ اب بغیر کسی خرنخشہ کے ایک رومن کالونی (نوابادی) تھی جس کو زراعت کے لحاظ سے ایک عمدہ درجہ حاصل تھا اور یہی حالت اس وقت تک قائم رہی جب تک کہ رومن قوم کا ستارہ غروب نہ ہو گیا۔ وہ تمام واقعات جو رومن سلطنت پر گزرے یعنی جمہوری سلطنت کا شہنشاہی ہو جانا، اس کا دارالسلطنت روم سے قسطنطنیہ کو بدل جانا، عیسوی مذہب قبول کرنا۔ یہ سب تفصیلات ہمارے معنوں سے خارج ہیں مگر سلسلہ بیان کے لحاظ سے ایک اجمالی خاکہ کچھ دینا ضروری ہے۔

رومن سلطنت کی بربادی

سنہ قبل مسیح میں وہ مشہور شخص سیرز پیدا ہوا جس نے آخر کار رومن جمہوری

سلطنت کے عوض رومن شہنشاہی کی بنیاد ڈالی اور اس کے مار ڈالے جانے کے بعد جو کچھ کسراس میں باقی رہ گئی تھی اس کو أغسطس نے پورا کر دیا اور اس طرح رومن شہنشاہی قائم ہو گئی۔ مگر بہت جلد اس میں زوال آنا شروع ہو گیا تھا جس کی اصلاح قسطنطین نے ۳۲۳ء میں کی۔ اس شہنشاہ نے عیسوی مذہب قبول کیا اور اس طرح ایک عظیم الشان تغیر رومیوں کی حالت میں پیدا ہو گیا۔ اسی نے روم کے عوض قسطنطنیہ کو جو اسی کا بسایا ہوا تھا بلحاظ موقع کے عمدہ ہونے کے دار السلطنت بنایا۔

قاعدے کے مطابق اب پھر زوال آنا شروع ہو گیا تھا مگر تھیوڈوشیس کی سرگرمی و مستعدی سے جو ۳۷۹ء میں تخت نشین ہوا، چند روز کے لئے پھر حالت سنبھل گئی تھیوڈوشیس کے اس خیال سے کہ ایسی عظیم الشان سلطنت کے لئے ایک شہنشاہ کافی نہیں ہو سکتا اور ایک شخص واحد سے پوری نگرانی نہیں ہو سکتی۔ رومن سلطنت کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ ایک مملکت شرقیہ جس کا مستقر قسطنطنیہ تھا اس پر اس نے اپنے لڑکے اداکادیس کو والی بنایا اور دوسری مملکت غربیہ جس کا دار السلطنت روم قرار دیا گیا اور اس کی عتائ حکومت اپنے دوسرے لڑکے ہنورس کو دی۔ مگر اس تقسیم سے اس عظیم الشان انحطاط کا جواب دن بدن ہو رہا تھا کچھ بھی السداد نہ ہوا بلکہ اس سے اور بھی جلد جلد تنزل ہونے لگا۔ اقوام وحشیہ کو جو اپنے متواتر حملوں سے رومن سلطنت کی ہڈی پسلی توڑ رہے تھے اپنے مقاصد میں اور زیادہ کامیابی ہو گئی۔

شرقی مملکت تو خیر جوں توں سنبھلی رہی مگر غربی سلطنت کا بہت ہی جلد یعنی تھیوڈوشیس کے مرنے کے ایک اسی سال بعد اس سبب سے کہ وحشی اقوام کے پے در پے حملوں کے باعث سلطنت دن بدن ضعیف ہو رہی تھی خاتمہ ہو گیا اور وحشی اقوام نے (ٹھیک اسی طرح جیسا کہ تاتاری سیلاب نے بغداد کی اسلامی خلافت کو دنیا سے ناپید کر دیا، ۱۰۶۵ء میں اس رومن سلطنت کو بھی جس نے

نہایت حیرت انگیز اور عظیم الشان ترقی کی تھی۔ اُسی فناء کے نادر یک غامض و حکیل دیا جس میں اس نے اپنے عروج اور اقبال کے دور میں بیسیوں بڑی بڑی سلطنتیں غارت کی تھیں۔

اہلِ صقلیہ پر رومیوں کے زوال کا یہ اثر پڑا کہ وہ بھی مضمحل ہو گئے اور اُن پر گاتھک قوم نے حملہ کیا مگر حملہ آور مغربی گال کا فرمانروا ایلیدک سلسلہ میں مر گیا تو ٹیوٹانکس کے قبضہ میں آ گیا۔ غرضیکہ صقلیہ کا گاتھک حکومت کا ایک جز بن گیا۔ پھر رومیوں نے ۳۵۰ء میں صقلیہ پر حملہ کیا اور ۵۵۰ء میں گاتھک اقتدار صقلیہ سے اٹھ گیا اور اُن کے زمانے میں عرب و روم کی معرکہ آرائی شروع ہو گئی۔ اسی سلسلہ میں ۶۶۵ء میں شہنشاہ قسطنطین دوم صقلیہ آیا اور ۷۶۶ء میں غسل خانہ میں قتل کر دیا گیا۔

اس کی وفات پر اس کا بیٹا مرٹیس صقلیہ کا بادشاہ بنا۔ مگر اس کے بھائی قسطنطین چہارم نے حکومت چھین لی اور صقلیہ کا بادشاہ بن گیا۔ اسی زمانہ میں عرب حملہ آور ہوئے جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔



عربوں کی یلغار صقلیہ پر

افریقہ کے بڑے حصہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تو افریقہ کے بقیہ حصہ اور ارد گرد کے جزائر پر مسلمانوں نے توجہ کی۔ جزیرہ صقلیہ کی ان دنوں بڑی اہمیت تھی۔ یہاں کے لوگوں نے عموماً افریقہ کے مقبوضات پر حملہ کر کے مسلمانوں کو پریشان کرنے کے لئے اس جزیرے کو اپنی جنگی چھاؤنی بنالیا تھا۔ حکومت بنی زینبیہ صقلیہ پر کامل اقتدار تھا۔ شام اور مصر نہریں گین اسلام ہوئے تو مفرور عیسائی صقلیہ میں جا کر پناہ گزین ہوئے۔ ۱۹ء میں قیساریہ کو مسلمانوں نے فتح کر لیا تو یہاں کا رومی گورنر بھاگ کر صقلیہ میں پناہ گیر ہوا۔

۵۳۱ء میں مسلمانوں کی پیش قدمی کے جواب میں قیصر روم قسطنطین دوم (۵۲۸-۵۴۲ء) عظیم الشان بیڑا لے کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوا۔ مگر مسلمانوں کے مقابلہ سے ہزیمت کھا کر قسطنطنیہ واپس جاتے ہوئے صقلیہ پہنچا اور یہاں قیام کر کے شام، مصر اور افریقہ کے اسلامی مقبوضات میں بغاوت کرانے اور ان علاقوں پر حملہ کرنے کے لئے اہل صقلیہ پر آمادہ کرنے میں مصروف ہو گیا۔ کیونکہ یہی بنی زینبیہ مقبوضہ اسلامی ملکوں سے بہت نزدیک تھا یہیں سے خفیہ ریشہ دوانیوں کی جایا کرتی تھیں۔

امیر معاویہؓ شام کے گورنر تھے۔ ان کو پہلے پہل یہ خیال آیا کہ اس جزیرہ کو زیرِ اسلام لانے کے بعد سے رومیوں کی آئے دن کی یلغار اور ظالمانہ ڈاکہ زنی سے مقبوضات اسلامی کو نجات حاصل ہو جائے گی۔ چنانچہ خلیفہ وقت حضرت عثمان غنیؓ رضی اللہ عنہ سے اجازت حاصل کر کے امیر معاویہؓ نے ۳۳ء میں ایک جنگی بیڑا جس میں تین سو

جہاز تھے، صقلیہ بھیجا۔ گورنر صقلیہ نے والی قیساریہ سے مشورہ طلب کیا۔ اس نے عربوں کی شجاعت اور مردانگی سے اس کو آگاہ کیا اور کہا کہ ان عربوں کو کچھ دے دلا کر رخصت کر دو تو جان بچ جائے گی۔ مگر گورنر کو اپنی طاقت پر گھمنڈ تھا وہ مسلمانوں سے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔ اتمامِ حجت کے لئے اسلامی نمائندہ اولاً گورنر نے جو سفیر اسلامی امیر البحر کے پاس بھیجا تھا، اس کے ساتھ روانہ کیا اس نے اپنے عمومی مطالبہ کو پیش کیا :

”تم لوگ دین اسلام قبول کرو اور ہماری ذمہ داری میں آ جاؤ اور اس کے معاوضہ میں جزیہ دیا کرو جیسا کہ ذمی ممالک میں لیا جاتا ہے“ ورنہ پھر آخری فیصلہ تلوار سے ہو گا۔“

گورنر صقلیہ نے جواباً کہا کہ صقلیہ روم کے شہر نہیں جو آسانی سے تمہارے قبضہ میں آ گئے۔ صقلیہ ایک محفوظ اور مامون قلعہ ہے اور ہمارے پاس بڑی تربیت یافتہ فوج ہے، اس کو اگر دیکھو گے تو پیشیمان ہو کر چلے جاؤ گے اور بحیرہ روم کے عبور کی زحمت کا افسوس کرو گے اور تبدیل مذہب کے متعلق کیا خام خیالی ہے اور جزیہ تم کو خود ادا کرنا ہے کہ ہم تم پر حملہ نہ کریں۔

اتنے میں ایک بطریق تنگی تلوار لے کر اسلامی فوج کے سامنے نکلا اور دعوتِ مبارزت دی۔ ایک نو مسلم مقابلہ کے لئے نکلا اور چشمِ زدن میں بطریق کے سر کو لے کر اپنی جگہ چلا گیا۔ گورنر نے یہ رنگ دیکھا تو پوچھا کیا یہ جوان عرب ہے؟ جواب ملا نہیں یہ افریقہ کا ایک معمولی باشندہ ہے جو دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکا ہے اور اس کی مردانگی قبولِ اسلام کا ایک معمولی کرشمہ ہے۔ گورنر ہیبت زدہ ہو گیا اور محل کو لوٹ گیا۔

مگر مسلمانوں نے عام حملہ کا انتظام کیا۔ مقابل رومی فوج صفت آراء ہو گئی۔ قبل جنگ بجتے ہی جنگی مقابلہ شروع ہو گیا۔ ہر دو طرف سے دادِ شجاعت کے جوہر دکھائے گئے۔ ایک عرصہ تک معرکہ آرائی رہی۔ گورنر نے قسطنطنیہ سے امداد طلب

کی۔ وہاں سے چھ سو جنگی جہازوں کا بیڑا اہل صقلیہ کی حفاظت کے لئے روانہ ہوا۔ اسلامی فوج نے مالِ غنیمت کافی جمع کر لیا تھا۔ ادھر افریقیہ، مصر و شام سے کسی امداد کی فوری توقع نہ تھی، انہوں نے راتوں رات ساحل صقلیہ کو خیر باد کہا۔ امیر لشکر معاویہ قیدلوں اور مالِ غنیمت کے غیریت سے دُشمن پہنچ گیا اور امیر معاویہ سے مفصل حالات بیان کئے۔ انہوں نے تمام تفصیلی حالات حضرت عثمانؓ کی خدمت میں تحریر کر دیئے۔ حضرت عثمانؓ نے امیر لشکر کے اس طرزِ عمل کو پسند فرمایا۔

اس واقعہ کے بعد مدینہ میں فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا اور خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اشام خلیفہ وقت حضرت علیؓ کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور رومیوں سے صلح کر لی۔ مگر رومیوں نے اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر صقلیہ کو مضبوط کر لیا اور اس کو مستقل فوجی چھاؤنی بنالیا۔

حضرت علیؓ ایک خارجی کے ہاتھوں زخمی ہو کر واصلِ بحق ہوئے اور حضرت حسنؓ خلیفہ منتخب ہوئے۔ مگر انہوں نے امیر معاویہ کے حق میں خلعِ خلافت فرمایا اور امیر امیر معاویہؓ کل ممالک اسلامی کے بادشاہ بن گئے تو ان کے والی افریقہ نے پھر صقلیہ کی تسخیر کی طرف توجہ کی۔ والی افریقہ امیر معاویہؓ کی طرف سے معاویہ بن خدیج الکندی تھے۔ انہوں نے ۶۳۷ء میں عبداللہ بن قیس کی سرکردگی میں دو سو جنگی جہاز کا بیڑا صقلیہ روانہ کیا۔

عبداللہ مذکور کو بحیرہ روم کی جنگوں کا کافی تجربہ تھا۔ چنانچہ صقلیہ پر حملہ کیا اور باوجودیکہ قسطنطین بذاتِ خود صقلیہ میں تھا۔ مگر ابن قیس نے نمایاں کامیابی حاصل کی اور کثیر مالِ غنیمت کے ساتھ افریقہ لوٹ آئے اور غنیمت کا پانچواں حصہ حکومت کے بیت المال کے لئے امیر معاویہؓ کے پاس بھیج دیا۔ زردجواہر کافی تھے، مرصع سونے چاندی کے مجسمے بھی تھے۔ امیر نے ان کو فروخت کرنے کے لئے

لے فتوح الشام و مصر از واقعی۔

ہندوستان بھیج دیا۔ باوجودیکہ مسلمانوں نے اختلاف کیا۔ مگر انہوں نے کوئی شہنوائی نہیں کی یہ

امیر معاویہ کے بعد یزید ان کا جانشین ہوا جس کے ظلم و ستم کی تصویر کربلا کے واقعات میں پوری طرح نظر آتی ہے۔ اس کے بعد واقعہ حرہ میں کئی سو صحابہ کا قتل آخرش موت کے شکنجہ نے اس کے ظلم و عدوان کا خاتمہ کیا۔ اس کا بیٹا جانشین ہوا۔ وہ چالیس یوم بادشاہ رہ کر اصل بھتی ہوا تو مروان بن حکم جو حضرت عثمانؓ کا چچا زاد بھائی اور ان کا امیر منشی تھا جس کی بدولت حضرت عثمانؓ کو باغیوں نے شہید کیا۔ اس نے شام پہنچ کر اپنی بیعت لی اور سریر آراء نے حکومت اسلامیہ ہو گیا۔ اس کے مرنے کے بعد عبدالملک تخت نشین ہوا۔ اس کے زمانہ میں افریقہ میں باغیوں کے ہاتھ سے عقبہ بن نافع شہید ہوئے تو ان کی سرکوبی کے لئے زہیر بن قیس بلوی کو ۶۲ھ میں افریقہ کی ولایت پر بھیجا۔ برقعہ میں قیام کیا، پھر قیروان مع لشکر روانہ ہوا اور کامیابی حاصل کی۔ ۶۶ھ میں مصر لوٹے۔ شاہ قسطنطنیہ کا رومی لشکر صقلیہ سے برقعہ آیا اور اس کو تاراج کر ڈالا۔ زہیر بھی رومیوں میں گھر گئے اور مصر ساتھیوں کے شہید ہوئے۔ عبدالملک کو معلوم ہوا تو اس نے حسان بن نعمان کو وائی مقرر کیا اور چالیس ہزار سپاہی اور مصر کی کنجی اس کے ہاتھ میں دے دی اور جہاز سازی کے کارخانے قائم کرنے کا حکم دیا۔

حسان نے افریقہ آکر یہاں کے حالات کا جائزہ لیا۔ حکومت قرطاجنہ کا وجود اسلامی مملکت کے لئے سخت خطرہ تھا۔ اس وقت شمالی افریقہ میں سب سے بڑی طاقت سی قتی۔ حکومت بیزنطینی، قسطنطنیہ کی طرف سے قرطاجنہ پر گورنر رہا کرتا تھا۔ چنانچہ حسان نے اس حکومت کا ایک معرکہ میں غائمہ کر دیا۔ یہاں کے لوگ حسان سے اجازت لے کر صقلیہ اور اندلس چلے گئے۔ اس فتح کا نتیجہ یہ ہوا کہ بربری نیر علم اسلامی

اُگئے اور ان کو عربوں کے مساوی حقوق عطا ہوئے۔ قرطاجہ کی جنگ میں صقلیہ نے نمایاں حصہ لیا تھا۔ اب ضرورت اشد تھی کہ ان کی معقول گوشمالی کی جائے۔ چنانچہ یونیس میں دارالصناعہ قائم کیا گیا جہاں جہاز تیار ہونے اور آلات حرب بننے لگے۔ قرطاجہ کے زوال کے بعد افریقہ کی اسلامی حکومت مضبوط ہو گئی۔ اب حسان کا دور ولایت ختم ہو گیا اور وہ دمشق چلا گیا۔

فاتح یورپ موسیٰ بن نصیر لختی والی افریقہ مقرر ہوا۔ موسیٰ نے عنان حکومت نبھاتے ہی کارخانہ جہاز سازی کی طرف زیادہ توجہ کی۔ ۳۳۳ھ میں کثیر التعداد جنگی جہاز تیار ہو گئے تو موسیٰ نے ۳۳۵ھ میں ایک اسلامی بیڑہ اپنے لڑکے عبداللہ کی سرکردگی میں صقلیہ روانہ کیا جو ساحلی شہر کوتاہ راج کر کے واپس آ گیا۔ چند ماہ بعد ۳۳۶ھ میں عیاش بن انیل نے صقلیہ پر حملہ کیا۔ مرقوسہ پر معرکہ آرائی ہوئی۔ بعد کامیابی مال غنیمت لے کر ابن انیل واپس چلا آیا۔ موسیٰ معزول کئے گئے۔

یزید بن ابی مسلم کاتب حجاج ثقفی والی مقرر ہوا۔ اس نے ۳۳۸ھ میں محمد بن اوس انصاری کی قیادت میں جنگی بیڑہ روانہ کیا۔ اہل صقلیہ سے معمولی جھڑپیں ہوئیں۔ یہاں والی قتل کر دیا گیا اس لئے محمد بن اوس واپس آ گیا اور زمام حکومت کو نبھالا۔ کچھ عرصہ میں بشیر بن صفوان کلبی والی ہو کر آیا۔ اُس نے ۳۴۰ھ میں صقلیہ کی مہم خود ہاتھ میں لی۔ ۳۴۱ھ میں بذات خود صقلیہ پر حملہ آور ہوا اور کثیر مال غنیمت لے کر قیروان واپس آ گیا۔

غرضیکہ جو والی افریقہ کا مقرر ہوتا تھا اس کی طرف سے حملہ ہوتا۔ آخر شہنشاہ ہشام بن عبدالملک کا زمانہ آیا۔ اُس نے بحر روم کی طرف توجہ کی اور یہاں کے جزائر پر حملہ آوری کے لئے ایک تجربہ کار قائد عبدالملک بن قطن کو مامور کیا وہ افریقہ آیا اور ۳۴۳ھ میں صقلیہ روانہ ہوا مگر ساحلی مقامات کو تاراج کر کے

لوٹ آیا۔ ۱۱۵ھ میں کبیر بن سوید بیڑے کے صقلیہ گیا اور ناکام واپس لوٹا۔ ۱۱۶ھ میں عبیدہ بن عبد الرحمن کے بھائے عبید اللہ بن الحجاب عمدہ ولایت پر مقرر ہوئے۔ اس نے دارالصناعہ ٹیونس پر توجہ کی۔ کثیر التعداد جنگی جہازوں کا بیڑہ تیار کر کے اسی سنہ میں صقلیہ روانہ کیا۔ یہ لشکر راہ میں تھا کہ رومی بیڑے سے مقابلہ پڑ گیا۔ رومیوں کو منہ کی کھانی پڑی۔

عبید اللہ نے مشہور قائد حبیب بن ابی عبیدہ جو عقبہ بن نافع فہری کے خاندان کا تھا، اس کی سرکردگی میں لشکر جبار صقلیہ روانہ کیا۔ حبیب کا لڑکا عبد الرحمن بحری فوج کے ساتھ ۱۱۷ھ میں صقلیہ کے دارالحکومت سر قوسہ پر حملہ آور ہوا۔ اور اس کو فتح کر لیا۔ اہل صقلیہ نے صلح کر لی اور جزیرہ دینے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ حبیب نے آگے بڑھنا چاہا۔ مگر افریقہ میں بغاوت رونما ہوئی تو ابن الحجاب نے حبیب کو بلا لیا۔ پھر بھی بغاوت فرو نہ ہوئی تو ۱۱۸ھ میں حنظلہ بن صفوان الکلبی ولایت افریقہ پر مامور ہوا۔ ادھر اموی حکمرانی آخری دور سے گزر رہی تھی۔ ابومسلم خراسانی نے بنی عباس کی حکومت کے لئے راستہ صاف کر دیا تھا۔ اس زمانہ میں فاتح سر قوسہ عبد الرحمن بن حبیب بن ابی عبیدہ نے افریقہ پر چڑھائی کر دی۔ اور ابن صفوان کو معزول کر کے خود مختار حکمران بن گیا۔

سفاح نے کوفہ میں اپنی خلافت کا اعلان کیا تو اُس نے بھی اطاعت قبول کر لی اور سفاح کا نام خطبہ میں پڑھا جانے لگا۔ اس کے ساتھ ہی تمام افریقہ پر غلبہ حاصل کر کے توجہ صقلیہ کی طرف منوط کی۔ جزیرہ ایک عرصہ سے وصول نہیں ہوا تھا اس لئے اُس نے حملہ کر دیا۔ اور مال غنیمت وافر لے کر واپس آیا اور اڑائے جزیرہ کے لئے نیا معاہدہ کر آیا۔ پھر ۱۱۹ھ میں عبد الرحمن نے مروانیہ پر حملہ کیا اور جزیرہ کی ادائیگی پر مصالحت ہو گئی۔ ۱۲۰ھ

منصور عباسی سفاح کے بعد سربر آرائے خلافت ہوا۔ اس نے عبدالرحمن کو بدستور ولایتِ افریقہ پر قائم رکھا۔ مگر کچھ شکم رکھی ہو گئی۔ عبدالرحمن نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ مسئلہ تک اس کے خاندان میں حکمرانی نہ ہی۔ ۸۴۳ھ میں محمد بن اشعث غزاعی افریقہ آیا۔ اس نے افریقہ کی ولایت اپنے قبضہ میں کی۔ مگر ۸۴۷ھ میں دمشق واپس ہونا پڑا۔ عیسیٰ بن دوسیٰ الحراسانی نے ولایت اپنے ہاتھ میں لی۔ اس کے بعد ربیع الاول ۸۴۸ھ میں اغلب التیمی ولایتِ افریقہ پر منجانبِ خلیفہ والی مقرر ہوا۔ مگر بغاوت کو فرو کرتے ہوئے میدانِ جنگ میں کام آیا۔ اغلب کے خاندان نے یہیں اقامت اختیار کی۔ شاہِ دمشق اموی کی طرف سے آلِ مہلب کو یہاں کی حکومت سپرد ہوئی۔

۸۵۳ھ سے ۸۵۳ھ تک اس خاندان سے سات دُلاۃ مقرر ہوئے۔ آخر والی محمد بن مقاتل المکی تھا۔ اس کے ایک باغی سردار تمام بن تمیم التیمی نے قیروان پر قبضہ کر لیا۔ ابن مقاتل نے اس کی امارت قبول کر لی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پورے افریقہ میں ابتری پھیل گئی۔ اس زمانہ میں اغلب کا بیٹا ابراہیم جو ناب کا حاکم تھا وہ فوج لے کر قیروان پر حملہ آور ہوا اور قبضہ کر لیا اور پھر پورے صوبہ کو زیرِ نگین کیا اور محمد بن مقاتل کو زمامِ حکومت سپرد کی۔ اس کی دانائی اور فرزانگی سے تمام افریقہ میں امن و امان قائم ہو گیا۔ مگر کچھ عرصہ بعد ولایتِ ابن مقاتل سے سنبھل نہ سکی تو بادشاہِ گاہِ خلافت نے اس کو طلب کر لیا۔ اس وقت سربر آرائے خلافت خلیفہ ہارون الرشید عباسی نے ۸۵۷ھ میں ابراہیم بن اغلب کے حسنِ خدمات کے صلہ میں افریقہ کی زمامِ حکومت اس کو عطا کی۔ ابراہیم نے ملکی نظم و نسق سنبھالا اور کچھ عرصہ میں افریقہ کے کل اسلامی علاقہ کی حالت بہترین ہو گئی اور اس نے سالانہ چالیس ہزار دینار خلیفہ کی خدمت میں بھیجنے شروع کر دیئے۔

ابراہیم کی دانائی اور خوش تدبیری نے مستقل اور خود مختار حکمران کی صورت

اختیار کی۔ ۱۹۶ء میں اس نے وفات پائی اور اس کا جانشین ابوالعباس عبداللہ بن ابراہیم ہوا۔ خلافت عباسیہ نے ابراہیم کی خدماتِ جلیلہ کے صلہ میں افریقہ کی حکمرانی اس کے خاندان میں موروثی قرار دے دی۔

عبداللہ عنانِ حکومت ہاتھ میں لے کر حکومت کے نظم و نسق میں لگ گیا۔ اہلِ صقلیہ نے دس برس کے لئے صلح کا معاہدہ اس سے کیا۔ مگر ابوالعباس کی زندگی نے وفات کی۔ ۲۰۰ء میں دہائی ملک بچا ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی زیادۃ اللہ بن ابراہیم سربراہ آئے حکومتِ افریقہ ہوا۔ یہ نہایت بیدار مغز فرمانروا تھا۔ اس نے تمام اندرونی بغاوتوں کا استیصال کر کے بحری طاقت بڑھانے کی طرف توجہ کی۔ کچھ عرصہ میں عظیم الشان بیڑا تیار ہو گیا۔

صقلیہ کے عیسائیوں نے معاہدہ شکنی پر کمر باندھی اور ۲۱۱ء میں میکائیل دوم شہنشاہِ قسطنطنیہ نے ان کی معاونت کے لئے ایک ثمریہ النفس بطریق کو گورنر بنا کر صقلیہ بھیجا۔ اس نے آتے ہی جنگی بیڑا مرتب کیا اور صقلیہ کے ایک تجربہ کار فیسبی نامی کی سرکردگی میں افریقہ کے ساحلی مقامات کو غارت کرنے کے لئے بھیجا۔ اس نے ایک مدت تک ڈاکہ زنی اختیار کی اور اسلامی جہازوں پر چھاپے مارنے لگا۔ مسافروں کو قتل کر دیتا یا ان کو صقلیہ لے کر فروخت کر دیتا۔ اس زمانے میں یزید بن محمد الجحی جو افریقہ کے جید عالم اور محدث تھے۔ ۲۱۲ء میں افریقہ سے شرمیصہ کی طرف ایک لشکر کے ساتھ جا رہے تھے۔ صقلیہ کے رومی بیڑے نکل پڑے اور ان جہازوں پر حملہ آور ہوئے۔ مسافر فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے ان میں یزید بن محمد بھی تھے۔ ان کا خون ناحق رنگ لائے بغیر نہ رہا۔

امیر البحر فہمی جو سواحل پر تاخت تاراج کر رہا تھا وہ ایک نوجوان نن کو اڑالایا تھا۔ میکائیل نے حکم دیدیا کہ اس کو قتل کر دیا جائے فہمی کو خبر لگی وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر صقلیہ پر حملہ آور ہو کر اس پر متصرف ہو گیا اور شاہِ صقلیہ لقب

اختیار کیا میکائل کے اشارہ سے گورنر بلاط نامی نے عظیم الشان لشکر کے ساتھ فیمی پر حملہ کر دیا۔ دوسری طرف سے اس کے چچا زاد بھائی نے جو بلیم گورنر تینا آ گھیرا، سر قوسہ پر خونریز جنگ ہوئی۔ فیمی شکست کھا گیا اور راہ فرار اختیار کی اور افریقہ چلا آیا اور قیروان پہنچ کر زیادہ لشکر کی خدمت میں حاضر ہوا اور پھل پیش قدمی کی معافی چاہی اور پھر صقلیہ کے تمام حالات گوش گزار کئے اور اسلامی فوج کشی کی خواہش ظاہر کی۔

زیادہ اللہ نے فرمایا اکابر و اعیان سلطنت کے مشورہ کے بعد جواب دیا جائے گا۔ چنانچہ اُس نے اپنے ارباب حل و عقد سے گفتگو کی اور خود اس کے سامنے اہل صقلیہ کی خود سری کے واقعات تھے اور معاہدہ کے خلاف عمل تھا۔ آخرش یہ طے ہوا کہ قاضی القضاۃ اسد بن فرات کی جو رائے ہو وہ فائق ہے۔ ایک گروہ فقہاء معاہدہ کا موافق تھا۔ اسد بن فرات کی دلیل یہ تھی کہ معاہدہ ختم ہو گئی ہے اور اہل صقلیہ نے تمام شرائط صلح کو نظر انداز کیا لہذا ان پر حملہ کرنا چاہیئے۔ قیروان کے اعیان و امراء اور اکثر فقہاء نے قاضی اسد کی تائید کی۔ اس کے بعد سے زیادہ اللہ نے جنگ کی تیاری شروع کر دی اور فیمی کو کھلا بھیجا کہ سوسہ میں اسلامی بیڑے کا انتظار کرے۔

صقلیہ سے جو سفیر آئے تھے ان کو صاف جواب دے دیا گیا۔ جب بحری لشکر کا انتظام ہو چکا اور مجاہدین سرفروشی کے لئے جوق در جوق فوج میں شریک ہونے لگے تو سپہ سالاری کے انتخاب کا مسئلہ سامنے آیا۔ زیادہ اللہ کی نظر انتخاب قاضی القضاۃ ابو عبد اللہ اسد بن فرات بن سنان پر پڑی۔ عمائدین سلطنت نے بھی زیادہ اللہ کی رائے کی تائید کی۔ جب قاضی اسد کو اپنے عہدہ امارت (امیر البحر) کی خبر لگی تو انہوں نے یہ عہدہ ناپسند کیا اور منصب قضاء کو چھوڑنا نہیں چاہا اور زیادہ اللہ سے مل کر فرمایا کہ دینی منصب سے مجھ کو جدا کر کے فوج کی قیادت دی جاتی ہے۔ اس پر زیادہ اللہ نے کہا، قاضی صاحب آپ کو

قاضی کے عہدہ پر قائم و برقرار رکھ کر لشکر کی امارت سپرد کرتا ہوں جو قضاء سے زیادہ اُونچا ہے۔ آئندہ سے آپ قاضی امیر کے نام سے مخاطب کئے جائیں گے۔

اس کے بعد زیادة اللہ نے عہدۂ امارت فوج و منصب قضاء کی سند لکھ کر قاضی اسد کے حوالہ کی۔ قاضی صاحب سند لے کر مکان واپس آئے اور صقلیہ کی روانگی کا انتظام کرنے لگے۔ علمائے قیروان بھی قاضی صاحب کی ہمراہی کا شرف حاصل کرنے کے لئے فوج میں شریک ہو گئے۔

زیادة اللہ نے افریقہ کے ساحلی شہر سوسہ کی طرف لشکر کشی کی۔ روانگی کا حکم دیا اور اعلان کر دیا گیا کہ تمام ارکان سلطنت اور عمائد شہر اور ارباب علم و فضل بلکہ قیروان کا ہر شخص امیر فوج قاضی اسد کی مشایعت کے لئے لشکرِ اسلامی کے ہمراہ سوسہ تک پہنچے۔ غرضیکہ یہ عظیم الشان لشکر بڑے سادہ و سامان سے قیروان سے سوسہ روانہ ہوا۔ اہل علم کی ایک بڑی جماعت فوج کے ساتھ تھی۔ اہل قیروان بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ اس موقع پر کر رہے تھے۔

غرضیکہ یہ لشکر جولوس سوسہ پہنچا۔ جہاں تیاریاں تھیں۔ مجاہدین اس میں سوار ہوئے اور پھر برسے کھول دیئے گئے۔ دس ہزار سربکفت جہانناز مجاہدین عرشۂ جہان پر کھڑے اپنی آبدان تلواروں کو جوشِ شجاعت میں بار بار جنبش دیتے تھے۔

قاضی اسد بن فرات، فاتح صقلیہ

قاضی صاحب نے عرشۂ جہان پر رونق افروز ہو کر الوداعی تقریر کی جو ایسی پُر اثر تھی کہ ہر شخص ابدیدہ ہو گیا اور فتح صقلیہ کی دعائیں مانگنے لگا۔ اس عالم میں جہازوں نے ننگر اٹھا دیئے، زیادة اللہ اس کا مرانی پر سرور تھا۔ یہ بیڑہ سو جنگی جہازوں کا تھا، اس میں سات سو سوار اور دس ہزار پیادہ فوج تھی۔ اس بیڑے کے پیچھے فنی اپنے جہاز لئے ہوئے صقلیہ روانہ ہوا۔

۱۵ ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۲۳۶، ۲۳۷ (مخلاصہ)

چنانچہ یہ بیڑا تین دن سفر طے کرنے کے بعد یوم سہ شنبہ ۱۸ ربیع الاول ۱۱۲ھ کو صقلیہ کے شہر مازر میں لنگر انداز ہو گیا۔ لشکر اسلام جہازوں سے اُترا اور بغیر کسی سعی کے شہر پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد قاضی اسد نے مازر میں اپنی مورچہ بندی کی۔ تین یوم رومیوں کی فوج کا انتظار مجاہدین جوش و خروش سے کرتے رہے۔ آخر قاضی اسد نے شہر کے قلعہ پر اسلامی پرچم بلند کر دیا اور ابوذر کنانی کو مازر کا حاکم مقرر کیا۔ پہلی اسلامی حکومت صقلیہ کی داغ بیل تھی۔ اسلامی لشکر کو لے کر قاضی اسد مقام مرج پہنچے۔ یہاں پہلے سے رومی فوج مقابلہ کے لئے تیار تھی۔ مجاہدین کرام نے بھی وہیں خیمے نصب کرادیئے۔ بلاط گورنر صقلیہ نے قاضی اسد کے حالات حملہ کے حکومت بنی زطینی کو مطلع کیا۔

شہنشاہ مائیکل نے صقلیہ کی طرف فوری توجہ کی اور ایک رومی بیڑا قسطنطنیہ سے صقلیہ روانہ کیا اور حکومت ونبیس سے بھی امداد چاہی۔ اس نے بھی جہاز معہ لشکر کے بھیج دیئے۔ چنانچہ یہ مشترک بیڑا ۲۱۳ھ میں صقلیہ پہنچا۔ غرضیکہ تین طاقتیں اسلامی لشکر سے مقابلہ کے لئے مرج پر آجمع ہوئیں۔ ان کی مجموعی تعداد ایک لاکھ پچاس ہزار ڈیر کمان بلاط تھی۔ قاضی اسد کے پاس صرف دس ہزار نفوس تھے۔ البتہ کچھ فوج فینی کی اسلامی لشکر کے ہمراہ تھی۔ مگر قاضی اسد نے اس سے کہہ دیا کہ میں تمہاری معاونت کی ضرورت نہیں، تم ہم سے جدا رہ سکتے ہو۔

میدان جنگ

قاضی اسد رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی لشکر کا جائزہ لے کر صفت بندی کی۔ ایک جماعت علماء کی ساتھ تھی وہ بھی سپاہیوں کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہوئے تھے۔ قاضی اسد نے لوائے جنگ خود اپنے دستِ مبارک میں لیا اور آگے بڑھے اور مجاہدانہ جوش و خروش کے ساتھ بلند آواز سے سورۃ یسین کی تلاوت فرمائی۔ پھر سپاہیوں کو مخاطب کیا اور ایسی پُرزور تقریر کی کہ ہر مجاہد سر فروشی کے لئے تیار ہو گیا اور

خود اسد رجز خوانی کرتے ہوئے رومی فوج پر تیغ بکفت ٹوٹ پڑے۔ پرے کے پرے کاٹ کر رکھ دیئے۔ فوج قاضی اسد پر زیادہ متوجہ تھی۔ مگر اس مجاہد اعظم اور آیات اللہ کے مقابلہ سے عاجز تھی۔ مجاہدین نے اپنے امیر اور امام کا یہ رنگ شجاعت اور بہادری کا دیکھا تو انہوں نے بھی بہادری کے جوہر دکھائے اور داؤ شجاعت دی۔ آخر بزدل نصرانیوں کے پائے ثبات میں لغزش آئی اور ڈیڑھ لاکھ فوج دس ہزار کے مقابلے پر درہم برہم ہونے لگی اور فوجیوں نے راہ فرار اختیار کی۔ ہزار ہادی قتل ہوئے مال غنیمت بہت سا قاضی اسد کے ہاتھ لگا۔

اس پہلی معرکہ آرائی کی اطلاع زیادۃ اللہ کو روانہ کی گئی۔ اس نے قاضی اسد کی کارگزاری کا مرثدہ خلیفہ مامون الرشید کو بھیجا۔ اس جنگ میں بلوط گورنر صقلیہ نے شکست کھائی اور سرزمین صقلیہ چھوڑ کر قلوریہ جا کر پناہ گزین ہو گیا۔ سر قوسہ کی زمام حکمرانی یہاں کے پیشوا بطارقہ کے ہاتھ میں آ گئی اور اہل صقلیہ بے یار و مددگار رہ گئے۔ قاضی اسد مرج کا انتظام کر کے لیکہ فیسی پہنچے۔ مگر کوئی جماعت مقابلہ کے لئے نہیں نکلی تو آگے بڑھ کر کنیسہ مسلقین میں آ کر لشکر اسلامیہ خیمہ زن ہوا۔ قاضی اسد کے فاسخانہ اقدام کا قرب و جوار پر بڑا اثر پڑا۔ قلعہ کراٹ کے لوگ اپنے بطارقہ کو لے کر قاضی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امان طلب کی اور برضاء و رغبت جزیہ دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ قاضی صاحب نے ان کو مطمئن کر دیا جس کے بعد وہ رخصت ہو گئے۔

فیسی نے قاضی اسد کی کامرانی دیکھی تو خفیہ طور سے اہل صقلیہ کو ورغلا یا اور قلعہ کراٹ کے لوگ بھی اس کے دام تروی میں آ گئے، قلعہ کو مستحکم کیا اور قرب و جوار کے گرجوں کا زور و جواہر سمیٹ کر اس قلعہ میں جمع کر کے قلعہ بندی کر لی۔

قاضی اسد اہل جزیرہ کی عمدہ شہنشاہی اور جنگی تیاریوں سے باخبر تھے۔ فیسی کو نظر انداز کر کے فوج کو اطراف و جوانب میں پھیلا دیا اور سر قوسہ کو گھیر لیا۔ اہل جزیرہ قلعہ بند ہو چکے تھے۔ شہر پناہ کے نیچے لشکر نے پڑاؤ کیا۔ سر قوسہ کے تین طرف سمندر

تھا، ایک طرف غشکی، اسد نے جہاز متعین کمرہ دیئے۔ اتنے میں افریقہ سے اسلامی فوج آگئی۔ ادھر بلرم سے رومی لشکر آگیا جس نے اسد کی فوج کو گھیر لیا۔ اسد نے اپنے ارد گرد خندق کھدوادی اور رومیوں کے حملہ کو ناکام بنا دیا۔ محاصرہ کی سختی سے آب و دانہ محصورین کا بند ہو گیا تو گھبرا کر طالب امان ہوئے۔ مگر قاضی صاحب کو ان کی پہلی غدار کی کا تجربہ ہو چکا تھا آخر کار زیادہ عرصہ گزرنے سے دونوں طرف مصیبت کا سامنا تھا۔ محصورین فاتوں مرنے لگے۔

ادھر اسلامی لشکر کو بھی رومی لشکر کی وجہ سے رسد پہنچنے میں دقت ہونے لگی۔ کچھ لوگ اس قدر گھبرا گئے کہ افریقہ جانا چاہتے تھے۔ ابن قادم اس جماعت کا سرگرم رہا۔ قاضی صاحب نے ہمت مردانہ سے کام لیا۔ ابن قادم جو بہت بڑھ گیا تھا اس کے دڑے لگوادیئے۔ اس طرح تمام فوج پر قاضی کی ہیبت چھا گئی۔ مگر معمولی جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں، اس میں امیر لشکر بھی زخمی ہو گئے تھے۔ چنانچہ زخم آگے چل کر مرض الموت میں تبدیل ہو گئے۔

ربیع الآخر ۲۱۳ھ میں فاتح مقلیہ واصل بحق ہو گیا اور اسی سرزمین میں سپرد خاک ہوا۔ جس پر ایک مسجد تعمیر کی گئی۔ قاضی اسد افریقہ میں ہر دلعزیز تھے۔ گھر گھر صف ماتم بچھ گئی خود زیادة اللہ کو بے حد مدد ہوا اور قیروان میں بھی ان کے نام کی مسجد تعمیر کی گئی جو آج تک موجود ہے۔

قاضی اسد کے انتقال کے بعد لشکریوں نے امیر محمد بن ابی الجواری کو جو اسلامی لشکر کا امیر تھا اپنا امیر منتخب کر لیا جس نے حکومت مفضومہ علاقہ کی اور اسلامی فوج کی کمان سنبھال لی۔

محمد بن ابی الجواری

قاضی اسد کے بعد امیر منتخب ہوا۔ اس نے بھی سر قوسہ کا محاصرہ قائم رکھا۔ مگر بنی نضہ نے اس کا ایک آواز سے ہمت ہار آگیا۔ ادھر اسلامی لشکر میں وبا

پہل گئی تھی۔ آخر کار سرقوسہ کا محاصرہ اٹھایا گیا اور جہازوں پر بیٹھ کر معہ بقیہ لشکر کے افریقہ روانہ ہوئے۔ مگر بنی نطین جہاز یکا یک نمودار ہو گئے اور انہوں نے راستہ روک لیا۔ مسلمانوں میں ایک دم شجاعت عود کر آئی اور وہ ساحل کی طرف لوٹے اور جہازوں سے اتر کر اپنے تمام جہاز جلا دیئے اور دشمن سے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ اس واقعہ کے اثر رومیوں پر زبردست پڑا۔ مجاہدین نے جوش و خروش سے شرمیناؤ پر حملہ کر دیا۔ تین دن بعد قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ پھر جرحنت فتح کر لیا۔ ان دونوں کو مسلمانوں سے آباد کیا۔

اب تین شہر صقلیہ کے مسلمانوں کے قبضہ میں تھے۔ اس کے بعد قسریانہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس زمانہ میں فہمی کو اس کی قوم نے قتل کر دیا۔ قسطنطنیہ سے میکائل ثانی نے بطریق تھیوڈوٹس کی سرکردگی میں ایک فوج قسریانہ بھیجی۔ مجاہدوں نے اس کو شکست دیدی۔ بقیہ لشکر قسریانہ میں قلعہ بند ہو گیا۔ مجاہدین نے قسریانہ کی پہاڑی کے دامن میں پختہ مکان بنائے اور ارد گرد کے علاقہ پر فوج کے دستے بھیج دیئے۔ اس دوران میں ۳۲۴ھ کو ابی الجواری نے وفات پائی۔ ان کا جانشین مجاہدین کا ایک رکن زہیر بن غوث منتخب کیا گیا۔ یہ آزمودہ افسر تھا اور عنانِ امارت سنبھال کر قسریانہ کی فتح کی تدبیر میں لگ گیا۔ مگر رومیوں نے پوری طاقت کے ساتھ مسلمانوں کو گھیر لیا۔ انہوں نے مقابلہ کیا مگر شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور کوئی تدبیر کا درگرنہ ہوئی۔ آخر قسریانہ سے ہٹ کر میناؤ پہنچے۔ رومی یہاں بھی پہنچ گئے۔ اس کا سلسلہ بند ہو گیا مگر مسلمانوں نے ہمت نہ ہاری اور خدا سے لو لگائے بیٹھے رہے۔ یکا یک اندلس سے ۳۲۸ھ میں اسلامی بیڑا بحرہ روم کا چکر لگاتا ہوا صقلیہ کے ساحل پر ٹھہرا۔ ابن عذاری کہتا ہے کہ تین سو جہاز تھے اور یہ بیڑا عبدالرحمن ثانی اموی کا تھا۔

امیر زیادۃ اللہ اندرونی بغاوتوں میں ایسا الجھا تھا کہ وہ مجاہدین صقلیہ کو اس زمانے میں کوئی مدد نہ دے سکا۔ جب افریقہ کے علاقہ میں امن و امان قائم کر

چکا تو اس نے ایک ملک سلیمان بن طرطوسی کی سرکردگی میں صقلیہ بھیجی۔ یہ تین سو ہزار تھے جس میں بیس ہزار سپاہی تھے۔ یہ بیڑا صقلیہ پہنچا۔ اندلس کا بیڑا موجود تھا۔ سپہ سالار اندلس نے اس بیڑے کی فوج کی کمان ہاتھ میں لی اور میناؤ کے مجاہدین کی معاونت کے لئے روانہ ہو گئے۔

رومیوں نے مقابلہ کیا مگر ان کو سخت شکست ہوئی۔ رومی بہت کام آئے اس کے بعد بلرم پر حملہ کر دیا۔ یہ صقلیہ کا مشرقی دارالحکومت تھا۔ گورنر بلرم نے مقابلہ کیا مگر اس کو محصور ہونا پڑا۔ فرغوش سپہ سالار اندلس نے ایسا گھیرا کہ سد اہل قلعہ کی بند ہو گئی۔ صد ہا آدمی یومیہ بھوکے مرنے لگے۔ مجبور ہو کر گورنر نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور فرغوش سے آکر ملا اور امان کا طالب ہوا۔ فرغوش نے اس کو امان دی اور شہر پر قبضہ کر لیا۔ آبادی کا بیڑا حصہ بھوکوں مر چکا تھا۔ ستر ہزار میں سے صرف تین ہزار باقی رہ گئے تھے۔ گورنر بلرم قسطنطنیہ چلتا بنا۔ مسلمانوں نے بلرم پر قبضہ کر کے پہلے شہر کا انتظام کیا۔ کالہ و بار تجارت نئے سرے سے شروع ہوا۔ غرضیکہ مسلمانوں کی روز افزوں ترقی ہونے لگی۔ اندلسی اور افریقی مجاہدین میں مسلمان گورنر کے انتخاب میں جھگڑا شروع کیا۔ اسی اثنا میں زیادۃ اللہ نے شاہی خاندان کے ایک رکن محمد بن عبداللہ بن الاغلب کو صقلیہ کے لئے نائب السلطان مقرر کیا جس نے صقلیہ جا کر زمام ولایت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ جس سے اندلسی اور افریقی مجاہدین کی باہمی بد مزگی رفع ہو گئی۔

محمد بن عبداللہ بن الاغلب

محمد بن عبداللہ، ابراہیم بانی دولتِ اعلیٰہ کا پوتا تھا اور زیادۃ اللہ کا بھتیجا تھا۔ اُس نے صحیح معنی میں حکمرانی کرنا شروع کی۔ اسلامی حکومت کا نظم و نسق

لے ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۲۳، ابن خلدون جلد ۴ صفحہ ۱۹۹۔

جادی کیا۔ سول اور فوجی نظام کے دو صیغے قائم کئے۔ سول کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا اور فوج کا ایک امیر مقرر کیا جس کو اپنے تخت میں رکھا۔ بلرم کو پائے تخت قرار دیا۔ مصافحات کو قائدین فوج کو عطا کیا جو نہ میندار اس علاقہ کے بن گئے۔ اس کے علاوہ اس پہلے والی نے تمدنی ترقی کی طرف توجہ کی۔

رومی معاشرت بے ڈھنگی تھی، ان کے اخلاق خراب تھے۔ عیسویت نے اپنے طریقہ عمل سے بہت پرستی کو مات کر دیا تھا۔ مسلمانوں کی سادہ زندگی اور ان کی عبادت گزاری و پاک بازی کا اہل بلرم پر بڑا اثر پڑا اور وہ بھی مسلمانوں کو عزت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ والی کو تعلیم سے دلچسپی تھی۔ اس کے سوا جو علماء قاضی اس کے ساتھ آئے تھے ان کی خبر گیری کرنے لگا۔

جب حکومت کا معقول انتظام کر چکا تو ۲۱۹ھ میں لشکر تیار کر کے قصر یانہ روانہ کیا۔ مگر رومی مقابلہ کر کے قلعہ بند ہو گئے۔ فوج بلرم لوٹ آئی اور دوسرے سال عظیم الشان لشکر قصر یانہ روانہ ہوا۔ یہاں خود والی محمد بن عبداللہ نے اپنے ہاتھ میں لی۔ اہل قصر یانہ نے زبردست مقابلہ کیا اور شکست کھا کر قلعہ بند ہو گئے۔ والی مال غنیمت لے کر بلرام لوٹ آیا اور اس نے فوجی دستے قصر یانہ کے ارد گرد علاقوں پر روانہ کئے جنہوں نے جزیرہ پر فیصلہ کیا اور باشندوں کو امان دی۔ محمد بن عبداللہ اغلبی نے ۲۲۰ھ میں شہر طبریہ پر حملہ کے لئے محمد بن سالم کو بھیجا۔ اس نے بلرم سے لے کر طبرہ صقلیہ کے مشرقی ساحل پر تھا، تک کے نزدیک علاقہ کی نخت کی اور کامیابی حاصل کر کے مال غنیمت کا وافر حصہ لشکر میں جمع کر لیا۔ ایک جماعت محمد بن سالم سے بگڑ گئی اور اس کو قتل کر دیا۔

زیادۃ اللہ کو خبر ہوئی۔ اس نے فضل بن یعقوب کو اس عہدہ پر سرفراز کر کے ایک لشکر کے ساتھ صقلیہ روانہ کیا۔ اس کے بلرم آتے ہی والی نے فوجی سر قوسہ کی مہم سپرد کر دی۔ اس نے تمام علاقہ کو تاراج کر ڈالا اور کثیر مال غنیمت لے کر بلرم لوٹا۔ کچھ عرصہ بعد خود والی لشکر کو لے کر گیا اور کامیابی تو ہوئی لیکن رومیوں

کا مال غنیمت بہت ہاتھ لگا۔ جن لوگوں نے سپہ سالار کو قتل کیا تھا وہ والی سے بھی بگڑ گئے تھے۔ زیادۃ اللہ نے محمد کو معزول کر کے اس کے بڑے بھائی ابوالا غلب جو کہ تجربہ کار شہزادہ تھا اس کو بلرم کے انتظام حکومت کے لئے بھیج دیا۔

ابوالا غلب ابراہیم بن عبداللہ

رمضان ۳۲۲ھ کو افریقہ سے ابوالا غلب روانہ ہوا اور صقلیہ پہنچا۔ زمام حکومت ہاتھ میں لی۔ یہ نہایت ہوشمند تھا۔ اس کو خود مختار بنا کر زیادۃ اللہ نے یہاں بھیجا تھا۔ راستہ میں رومی فزاقوں نے اس کو پریشان کیا تھا۔ اس نے پہلے ان کی بحری طاقت کو ختم کرنا چاہا۔ چنانچہ اُس نے عظیم الشان بیڑہ تیار کیا اور ڈاکوؤں کے بیڑے کو جالیا اور ایسی آتش باری کی کہ رومی بیڑہ تاب مقاومت نہ لاسکا اور ڈاکو مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ اسلامی بیڑہ مظفر و فتحیاب بلرم لوٹا۔ ابوالا غلب نے اسیر فزاقوں کو قتل کر دیا۔

افریقہ اور صقلیہ کے درمیان میں جو جزائر تھے ابوالا غلب نے ان کی تسخیر کی طرف توجہ کی اور خود جنگی بیڑے جاکر قرب و جوار صقلیہ کے جزائر پر قبضہ کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی کوہ آتش فشاں اٹنا کے نواح میں ایک فوج بھیجی جس نے متعدد قلعے فتح کئے اور علاقہ کوتباہ و برباد کر دیا اور ایک لشکر قسطنطنیہ زیر سرکردگی عبداللہ بن عبدالوہاب روانہ کیا جہاں ان کو کامیابی ہوئی۔ رومی بہت سے کام آئے۔ مگر دھوکہ سے یہ امیر لشکر گرفتار ہو گئے تھے، قیدی بن کر رہا ہوئے۔

۳۲۲ھ میں اسلامی لشکر بلرم سے قعریانہ گیا۔ رومیوں سے مقابلہ ہوا مگر رومی قلعہ بند ہو گئے۔ رات میں بعض شہر پر مسلمان قابض ہو گئے۔ رومی فوج شہر میں محصور تھی۔ آخر شہر اہل شہر نے امان طلب کی۔ امیر لشکر نے امان دی اور معاوضہ

لے کر اسلامی لشکر بزم چلا آیا۔ مہم قمریانہ کے بعد ساحلی شہر جفلوڈی پر مسلمانوں نے حملہ بول دیا۔ مگر کشت و خون سے نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ اسی زمانہ میں ۱۲ رجب ۲۲۳ھ کو افریقہ اور صقلیہ کا بیدار مغز فرمانروا زیادۃ اللہ قیروان میں فوت ہو گیا اور اس کا جانشین ابو عقال اغلب بن ابراہیم بن اغلب ہوا۔ جو کچھ عرصہ افریقہ کے انتظام میں لگا رہا۔ پھر اس نے صقلیہ کی طرف توجہ کی اور کک صقلیہ روانہ کی۔

ابوالا اغلب نے جنوبی اٹلی کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں سے تعلقات قائم کرنا چاہے۔ نیپلس نے صلح کر لی اور ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی امداد و اعانت کا معاہدہ طے پا گیا۔ جس کے بعد ہی مسلمانوں نے اٹلی کے مشرقی ساحل کے مشہور شہر برینڈزی پر بحری حملہ کر کے قبضہ کر لیا اور پھر بندرگاہ باری پر متصرف ہو گئے۔ اب مسلمان اٹلی کے علاقہ میں فاسخانہ داخل ہو گئے اور اٹلی کی ریاستوں پر اسلامی طاقت کا سکہ جم گیا۔ ابوالا اغلب کے عہد میں جزیرہ کے تہائی حصہ پر عرب قابض ہو گئے۔ ۱۷

ابو عقال اغلب ۲۳ ربيع الآخر ۲۲۶ھ کو فوت ہو گیا تو ابوالا اغلب کا چچا زاد بھائی ابوالعباس محمد بن اغلب جانشین ہوا۔ زمانہ حکومت ہاتھ میں لیکر اُس نے ایک لشکر فضل بن جعفر ہمدانی کی سرکردگی میں مسینا فتح کرنے کے لئے بھیجا جس نے مقابلہ کی فوج کو قلعہ بندی پر مجبور کر دیا۔ یہ بھی محاصرہ کر بیٹھے۔ کبھی کبھی ہر دو میں جنگی مقابلہ ہو جایا کرتا۔ فضل نے آخرش مسینا کو فتح کر لیا۔ اب صقلیہ میں دو حکومتیں بن گئیں۔ مسینا کا وانی فضل بنادیا گیا۔ ابوالا اغلب اور فضل نے جو قلعے فتح کرنے ضروری تھے وہ تسخیر کر لئے۔ غرضیکہ فتح مسینا کے بعد اٹلی کے مقبوضات کی طرف توجہ کی۔

غرضیکہ فضل نے مسینا کے نظم و نسق کے بعد اٹلی کے مقبوضات کی طرف

۱۷ ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۴۰۴ تا تاریخ عرب موسیو سید یو اردو ص ۲۴۵

توجہ کی۔ ۲۳۰ھ میں ایک اسلامی بیڑہ اٹلی روانہ ہوا اور طرانت پر حملہ آور ہو کر اس کو فتح کر لیا اور اسلامی آبادی قائم کر دی گئی۔

اٹلی میں خلفون اور مفرج کی سرگرمیاں

ایک جنگجو بہادر خلفون بربرہ بن جو قبیلہ ربیعہ کے موالی میں سے تھا، ملک گیری کے خیال سے افریقہ سے ایک جماعت کو لے کر نکلا اور شہر بادی پر حملہ آور ہو کر قابض ہو گیا۔ اس کی دیکھا دیکھی مفرج بن سالم اپنے ساتھیوں کو لے کر اٹلی پہنچا اور جو بیس قلعے فتح کر لئے۔ ہر دو جماعتیں مل گئیں اور مفرج مردار مان لیا گیا جس نے بادی کو صدر مقام بنا کر ایک مختصر سی اسلامی اسٹیٹ قائم کر لی اور والی مصر کے ذریعہ بالہ کاہ خلافت سے سند حکومت حاصل کر لی اور سب سے پہلے اٹلی میں جامع مسجد اسی نے تعمیر کرائی۔

اٹلی کی اس اسلامی حکومت نے اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کرنا شروع کیا۔ اٹلی کے شہروں، قصبوں پر تاختیں شروع کر دیں۔ ان کی فاتحانہ سرگرمی نے صقلیہ اور افریقہ کے لوگوں کو معاونت پر آمادہ کر دیا۔ اسلامی بیڑا مدیترانہ غلط، ملفی بھی اس حکومت کے قبضہ میں آئے اور دریائے جالونیوں پر ایک قلعہ تعمیر کیا۔

اس کے بعد اسلامی لشکر نے دریائے ٹیبر کے ذریعہ اندرون ملک میں داخل ہونا چاہا لیکن اہل اٹلی کی طرف سے سخت مزاحمت ہوئی۔ پوپ کے حکم سے شہر استیہ کے حصار زیادہ اونچے کر دیئے گئے مگر مجاہدین اسلام شہر دومرہ حملہ آور ہوئے، سینٹ پیٹر اور سینٹ پال کے مشہور گرجوں کو لوٹ لیا اور اسی طرح چند اور بھی شہر برباد کر دیئے گئے۔ فاتح اٹلی فضل بن جعفر نے ۲۳۲ھ میں مینا کے

مضافات میں پیش قدمی کی۔ لنتینی شہر پر حملہ کیا، یہ سر قوسہ سے پچیس میل تھا۔ بالآخر
فضل نے بڑوش شیر لنتینی کو فتح کر لیا۔

بلم سے ایک اسلامی لشکر لغوس (سمندر سے سات میل پہنچا) ۲۳۲ھ میں
اس کا محاصرہ کیا۔ اہل لغوس تاب مقاومت نہ لاسکے اور شہر کو خود تباہ کر دیا اور
خالی کر گئے۔ غرضیکہ ۲۳۲ھ تک صقلیہ کے مرکزی شہر مسلمانوں کے اقتدار میں آ گئے۔
جس سے ایک طرف پورا جنوبی علاقہ اب اسلام کے زیر نگین تھا۔

گودہ صقلیہ جو بنی زینبی حکومت کی طرف سے تھا اس نے سر قوسہ سے قصر یانہ
دارالحکومت منتقل کر دیا جس سے بلم اور قصر یانہ قریب قریب ہو گئے۔ ابوالاغلِب
نے ۲۳۵ھ میں قصر یانہ کو لینا چاہا مگر ناکام لڑا۔ اس واقعہ کے ایک سال بعد رجب
کو مجاہد اعظم ابوالاغلِب ابراہیم عبداللہ نے وفات پائی۔ سولہ سال حکمرانی کی۔ اس
کا عہد بہترین تھا کیونکہ اقتصادی حیثیت سے نمایاں ترقیاں ہوئیں۔ اس نے
خود مختارانہ حکمرانی کی۔ اس کے عہد کی خصوصیت اسلامی علوم کی ترقی تھی۔ قاضی امجد
کے عہد سے یہاں علمی مشاغل شروع ہو گئے تھے۔ مسجدیں دینی علوم کی
درس گاہیں تھیں۔

عباس بن فضل

ابوالاغلِب کی وفات کے بعد مسلمانان صقلیہ نے امیر لشکر عباس بن فضل کو
اپنا والی منتخب کر لیا اور ابوالعباس اعلیٰ سے سند ولایت کی خواہش کی۔ ادھر
عباس نے زمام حکومت سنبھالی۔ ۲۳۲ھ میں ابوالعباس نے سند ولایت لکھ کر
بھیج دی۔ اس فرمان کے بعد عباس نے فوج کی تنظیم کی طرف توجہ مبذول کی۔ بری
و بحری قوتوں میں تقسیم کیا۔ بری فوج اپنے چچا ابراہیم بن یعقوب کی سپہ سالاری میں
دی اور بحری فوج کا افسر اعلیٰ اپنے بھائی علی بن فضل کو مقرر کیا جنہوں نے رومی
علاقہ کو اپنے حملوں سے پائمال کر دیا۔ قلعہ ابی ثور قبضہ میں آ گیا۔ والی افریقہ

ابوالعباس محمد بن اغلب نے ۲۲۲ھ کو وفات پائی اور ابوالبرہم احمد بن محمد والی مقرر ہوا۔ جس نے عباس کو ولایت صقلیہ پر برقرار رکھا۔ عباس نے بقیہ صقلیہ پر متواتر حملے کئے۔ آخر کار ۲۴۳ھ میں قصر یانہ کو اپنے حسن تدبیر سے فتح کر لیا۔ امرائے بزنطینی اس معرکہ میں کام آئے۔ مسلمانوں کو بڑی دولت ہاتھ لگی۔ فتح قصر یانہ کے بعد عباس نے یہاں جامع مسجد تعمیر کرائی۔ عیسائی مورخ کہتے ہیں گرجے کو مسجد بنایا۔ مگر ان کی یہ روایت کذب پر مبنی ہے۔ یہاں جس قدر مال غنیمت ملا پانچواں حصہ حکومتِ اعلیٰ کے نذر کیا اور تحائف بطور نذرِ عقیدت خلیفہ عباسی المتوکل باللہ کے حضور میں بغداد ارسال کئے گئے۔ ان تحائف میں نوجوان شہزادیاں بھی تھیں۔

قسطنطنیہ سے بحری بیڑا انتقام میں آیا شکست کھا کر لوٹ گیا۔ عباس نے قصر یانہ کو مستحکم کر کے رومیوں کے مقابلہ کے لئے تیاری شروع کر دی۔ جب لشکرِ اسلامی منظم ہو گیا تو ۲۴۶ھ میں رومی قلعوں پر حملہ کر دیا۔ شطرابلا، ابلاطون، بلوط قلعہ عبدالمومن فتح ہو گئے۔ اس کے بعد رومی بیڑا پھر مقابلہ کے لئے آیا اور وہ بھی جفلوزی میں شکست کھا گیا اور سرقوسہ میں رومی پناہ گزین ہو گئے۔

عباس بعد کامرانی قصر یانہ واپس آ گیا اور قصر یانہ کی از سر نو تعمیر کی۔ خاص خاص مقامات کی قلعہ بندی کی۔ ۲۴۷ھ میں عباس نے پھر سرقوسہ پر حملے کا ارادہ کیا۔ مگر ابھی لوایح سرقوسہ غیر ان قرقنہ کو تاخت و تاراج کیا ہی تھا کہ مرض الموت میں مبتلا ہو گیا۔ تین یوم بیمار رہ کر ۲۴۷ھ جمادی الآخر ۲۴۷ھ میں یوم جمعہ کو جنت الفردوس سدھارا مسلمانوں نے نمازِ جنازہ پڑھ کر وہیں سپردِ خاک کیا اور اسلامی لشکرِ بصرہ واپس لوٹ آیا۔ رومی عباس کے نام سے تھراتے تھے، زندگی میں کچھ نہ بگاڑ سکے، بعد کو قبر سے لاش نکال کر آگ میں جلا ڈالی۔

۱ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۴۲ ۲ ایضاً

احمد بن یعقوب والی صقلیہ

عباس کے بعد ابوالبرہیم احمد بن محمد بن اغلب نے مسلمانوں کی منشاء پر احمد بن یعقوب کو والی مقرر کر دیا۔ یہ عباس کا چچا تھا اور عباس کا لڑکا عبداللہ، وہ متمنی ولایت کا تھا۔ اس سے اور ان سے باہمی رنجش ہو گئی۔ آخر شہنشاہ یعقوب نے ابن عباس کو ولایت صقلیہ سپرد کر دی اور واقعہ کی اطلاع ابوالبرہیم غلبی کو افریقہ بھیج دی۔ عبداللہ بن عباس پانچ ماہ والی رہا۔ قلعہ منین اور قلعہ مشارعہ اس نے فتح کئے کہ اغلبیہ خاندان کا ممتاز رکن خفاجہ بن سفیان کو والی افریقہ نے عبداللہ بن عباس کے بجائے والی صقلیہ کر دیا۔

خفاجہ بن سفیان

خفاجہ ابن سفیان بن سوادہ بن سفیان برادر اغلب بن سالم نے جہادی الادوی ۲۴۸ھ میں افریقہ سے صقلیہ آکر عنان حکومت سنبھال لی۔ اپنے بیٹے محمود کو سپہ سالار کیا اور اس کی کمان میں لشکر دے کر سرقوسہ بھیجا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ مال غنیمت لے کر محمود بلرم چلا آیا۔ ابھی ایک سال خفاجہ کو حکمرانی کرتے گزر چکا تھا کہ والی افریقہ ابوالبرہیم احمد بن محمد بن اغلب اٹھائیس سال کی عمر میں بماء ذیقعدہ ۲۴۹ھ میں فوت ہو گیا۔ اس کا جانشین ابو محمد زیادہ اشدر ثانی بن محمد بن اغلب ہوا۔ اس کی طرف سے بھی خفاجہ ہی والی رہا۔

خفاجہ نے محرم ۲۵۰ھ میں شہر نطس کو جو سرقوسہ سے ایک مرحلہ پر واقع تھا بلاتلون بہائے فتح کر لیا۔ شہر پر اسلامی پرچم لہرا دیا گیا۔ مال غنیمت بہت ہاتھ آیا۔ پھر خفاجہ نے لشکر شکلہ کی طرف روانہ کیا۔ اس نے اس پر بھی قبضہ کیا۔ ادھر یہ واقعات گزر

۱۔ البیان المغرب ترجمہ اردو ص ۵۵ ۲۔ ابن اثیر جلد ۶ ص ۶۹۔

رہے تھے کہ ابو محمد زیادۃ اللہ نے ایک سال چھ دن حکمرانی کر کے ۹ ذیقعدہ ۲۵۰ھ کو انتقال کیا۔ اس کا جانشین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن محمد بن اغلب ہوا۔ اس والی نے بھی خفاجہ کو صقلیہ کی ولایت پر برقرار رکھا۔ خفاجہ نے مرقوسہ کی طرف اپنے لڑکے محمود کو معہ لشکر اسلام کے بھیجا، رومی مقابل آئے۔ ایک ہزار لشکری ان کے کام آئے۔ یہ واقعہ ۲۵۲ھ کا ہے۔

اس کے دوسرے سال طبرین کی طرف اسلامی لشکر روانہ ہوا۔ مگر اہل شہر نے خفاجہ سے امان طلب کی اور خود شہر سپرد کر دیا۔ یہاں کے انتظام کے بعد خفاجہ دوسری طرف متوجہ ہوا۔ بیزنطینی حکومت کا چراغ ہمیشہ کس لئے گل ہونے کے اسباب پیدا ہو چکے تھے۔ قیصر روم باسل کو اس خطرے نے چونکا دیا اور اس نے خفاجہ بلیشہ دوانیوں اور سازشوں کا جال مقبوضات اسلامی میں پھیلا دیا۔ یہاں کے عیسائی باشندے بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ شہر طبرین میں بغاوت رونما ہوئی۔ خفاجہ نے محمود کو بھیج کر غزالی اور بدرعمدی کا مزہ عمدہ شہر کو چکھا دیا۔ ۲۵۳ھ میں بغاوت کا استیصال ہو گیا۔ اسی طرح لغوس نے بھی سر اٹھایا۔ خفاجہ نے اس کی بھی گوشمالی کر دی۔ اس شخص کو جلاوطن کر دیا اور تمام شہر پر کامل تصرف ہو گیا۔

دوسرے مقامات پر بھی باسل کے اٹھائے ہوئے فتنے تھے وہ سب بلیامیٹ کر دیئے گئے۔ مگر باسل مقدونی نے ایک جنگی بیڑا صقلیہ بھیجا، خفاجہ کو اطلاع ملی تو اس نے بھی ایک بیڑے کا محمد کو امیر البحر مقرر کر کے دشمن کے بیڑے کی ٹکرانی سپرد کی اور خود خفاجہ بلرم سے ۲۵۴ھ میں روانہ ہو کر ایک جگہ مقیم ہوا اور ایک دستہ فوج مرقوسہ روانہ کی۔ بیزنطینی بیڑہ بطریق کی سرکردگی میں صقلیہ پہنچا۔ جہاز سے فوج ساحل پر اتری۔ خفاجہ موقعہ پر معہ لشکر کے پہنچا۔ رومیوں سے سخت مقابلہ ہوا۔ مجاہدین نے ہزار ہا عیسائیوں کو تہ تیغ کر دیا۔ رومی شکست کھا گئے۔ مسلمانوں کو مال غنیمت ہاتھ آیا۔ فتحیابی کے بعد خفاجہ مرقوسہ گیا مگر ناکام بلرم لوٹ آیا اور ماہ رجب ۲۵۵ھ میں ایک عظیم الشان بیڑا محمد کی سرکردگی میں اٹلی روانہ کیا

جو شر غیظ پہنچا اور محاصرہ کر لیا مگر ناکام رہا۔ مصافات سے مالِ غنیمت بہت ہاتھ لگا۔ جہاز بھر کے محمدؐ بلرم واپس آگیا۔

اٹلی میں اسلامی مقبوضات مفرج بن سالم کی نگرانی میں تھے۔ مگر مسلمانوں کی باہمی مخالفت میں کشت و خون کی نوبت پہنچی۔ مفرج اس کی نذر ہو گیا تو یہ تمام مقبوضات صقلیہ کی اسلامی حکومت کی نگرانی میں آ گئے۔

خفاجہ نے مرقسہ پر ربیع الاول ۲۵۵ھ میں چڑھائی کی۔ رومی مقابلہ پر آئے ہمت و مردانگی کے وہ جو ہر دکھائے کہ اسلامی لشکر کو بلرم واپس آنا پڑا۔ خفاجہ کا یہ سفر آخرت تھا۔ چنانچہ خفاجہ کو مکیم رحیب ۲۵۵ھ کو وادی بطن میں غلفون بن ابن زیاد نے قتل کر دیا، لاش بلرم لائی گئی اور دفن کی گئی۔ اس کا جانشین مسلمانان صقلیہ نے اس کے لڑکے محمد کو کر دیا۔

محمد بن خفاجہ والی صقلیہ

والی افریقہ نے اس انتخاب کو بہ نظر استحسان دیکھا اور فرمانِ ولایت اور خلعت محمد کے نام بھیجا۔ محمد نے اپنے چچا عبداللہ بن سفیان کو امیر لشکر کیا جس نے نواح مرقسہ پر فوج کشی کی مگر ناکام لوٹا۔

حکومت بیزنطینی نے مالٹا جس پر مسلمانوں کا قبضہ تھا حملہ کر دیا۔ محمد بن خفاجہ نے یہ خبر سننے ہی اسلامی لشکر بھیج دیا جس نے رومیوں کو مار بھگایا اور مالٹا میں اسلامی حکومت برقرار رہی۔

محمد بن خفاجہ کو انتظامِ حکومت سنبھالے دو برس ہوئے تھے کہ اس کے خواجہ برا نے ۲۵۷ھ کو اس کا کام تمام کر دیا۔ مسلمانان صقلیہ نے محمد بن ابی الحسین کو عارضی اپنا ولی مقرر کر لیا۔ مگر والی افریقہ نے ابن ابی الحسین کے بجائے رباح بن

۱۔ ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۳۷۰ ۲۔ ایضاً جلد ۱ صفحہ ۱ ۳۔ ایضاً -

یعقوب کو ولایتِ مقلیہ پر مقرر کیا۔

رباح بن یعقوب

رباح کے بھائی عبداللہ بن یعقوب کو مقبوضاتِ ایطالیہ کا دالی بنا کر اٹلی روانہ کیا تاکہ اسلامی مقبوضاتِ حکومتِ مقلیہ سے الگ ایک جدید حکومت کے ماتحت رہے۔ مگر ہر دو بھائی کچھ روز بھی حکمرانی نہ کر سکے۔ محرم ۳۵۷ھ کو رباح فوت ہوا اور صغریٰ میں عبداللہ نے سفرِ آخرت اختیار کیا۔ رباح کا جانشین حسین بن رباح ہوا اور ابوالعباس بن یعقوب بن عبداللہ نے جنوبی اٹلی کی حکومت ہاتھ میں لی مگر اس کی عمر نے بھی وفات کی۔ ربیع الاول ۳۵۷ھ میں وہ بھی فوت ہو گیا۔ اس کا بھائی تخت نشین ہوا مگر حکومت سنبھال نہ سکا۔

لیونٹانی شاہ اٹلی کی فوج تین سال سے مسلمانوں کا مقابلہ کر رہی تھی۔ آخر شہر بادی مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا۔ اس کے بعد شہر سلرنو بھی ہاتھ سے جاتا رہا مگر کڑی شہر مسلمانوں کے لئے شہر طارنت قرار پایا۔ ۱۷

حسین بن رباح

حسین کی ولایت کی تصدیق والی افریقہ نے بھیج دی۔ اس نے بھی سر قوسہ پر حملہ کیا۔ رومیوں نے صلح کر کے مسلمان قیدی رہا کر دیئے۔ یہ ایک والی افریقہ نے حسین کو معزول کر کے عبداللہ بن محمد کو والی مقلیہ مقرر کر دیا۔

عبداللہ بن محمد

عبداللہ سابق والی مقلیہ محمد بن عبداللہ بن ابراہیم بن اغلب کا فرزند تھا۔ کچھ

۱۷ تاریخ عرب موسیٰ سیدیو۔

عمرہ صقلیہ میں رہا۔ پھر والی افریقہ نے طرابلس الغرب کا والی کر دیا اور اس کے بجائے ابو ملک احمد بن عمر بن عبداللہ بن ابراہیم المعروف بہ حبشی والی صقلیہ مقرر ہوا۔ اس نے زمام حکمرانی ہاتھ میں لی۔ اس اثناء میں ابو عبداللہ محمد بن احمد والی افریقہ نے دس سال پانچ ماہ ولایت افریقہ پر سرفراز رہ کر ۶۶۱ ھ جمادی الاولیٰ ۲۶۱ ھ کو وفات پائی۔ وفات سے چند دن پیشتر اپنے نابالغ لڑکے ابو عقال کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا مگر اس کے بھائی نے اس کی زندگی میں ابو عقال کی تصدیق کر دی تھی۔ بعد کو ابو عقال کو رد کر کے خود تخت حکومت پر بیٹھ گیا۔ یہ بیدار مغز فرمانروا ثابت ہوا۔ خود صاحب علم و فضل تھا۔ نظام حکومت کو قابلیت سے چلایا۔ اس نے صقلیہ پر ابو ملک احمد حبشی مذکور والی صقلیہ کو برقرار رکھا۔ مگر حبشی کی فوج کشیاں ناکام رہیں۔ ابراہیم نے اس کو معزول کیا اور امیر جعفر بن محمد کو والی صقلیہ کر دیا۔ ۱۵

جعفر بن محمد والی صقلیہ

جعفر ابراہیم والی افریقہ کا صاحب تھا۔ ایک لشکر کے ساتھ ۲۶۲ ھ میں صقلیہ پہنچا۔ لشکر میں زیادہ تر موالی اغالبہ تھے۔ یہ موالی بڑے شورہ پست اور حکومت کے سیاسی مجرم بھی رہ چکے تھے۔

ابراہیم نے ہم خاندان افراد کو جو مخالف تھے ان کو بھی صقلیہ بھیج دیا۔ جس میں اغلب بن محمد، اغلب بن احمد، ابو عقال بن احمد، یہ شہزادے محل میں نظر بند رکھے گئے۔ زمام حکمرانی ہاتھ میں لے کر جعفر نے سر قوسہ کی فتح کی طرف توجہ کی۔ عظیم الشان لشکر مرتب کیا جو ہر قسم کے آلات جنگ متخفیع وغیرہ سے مسلح تھا۔ یہ لشکر بلرم روانہ ہوا۔ رومی مقبوضات کے اہم شہروں قطانیہ، طبرین اور رملہ کے گرد گشت لگایا۔ ہر جگہ سے سامانِ لُصوص فراہم کیا اور سر قوسہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس کے علاوہ بحری لشکر بھی بلرم

سے پہنچ گیا۔ اہل سرقوسہ نے بھی مقابلہ کی تیاری کر لی تھی۔ پہلے بعض ہرقوسہ پر اسلامی لشکر نے قبضہ کیا۔ سر بفلک محل، خوشنما مکانات، مقدس عبادت گاہیں مل گئیں۔ یہیں مقیم ہو کر محاصرہ کی باطمینان کارروائیاں کی جانے لگیں۔

قسطنطنیہ سے سرقوسہ کی مدد کے لئے بحری بیڑا آیا مگر جعفر کے بیڑے نے مقابلہ کر کے درمیوں کو تہ تیغ کیا اور کل جہازوں پر قبضہ کر لیا۔

جعفر سرقوسہ کے محاصرہ کا مکمل انتظام کر کے بلرم آیا۔ اعلیٰ شہزادوں نے اس کے غلاموں کو مال و زر کی طمع دے کر تیار کر رکھا تھا۔ چنانچہ جعفر زمانہ کے لئے محل سے نکلا ہی تھا کہ غلام ٹوٹ پڑے اور ایک ہی حملہ میں قتل کر ڈالا اور ابراہیم کا چچا اغلب بن محمد جو نظر بند تھا اُس نے حکومت پر قبضہ کر لیا۔

اغلب بن محمد مغلب صقلیہ

اغلب نے اپنے ہوا خواہوں کو جمع کیا اور ایک لشکر مرتب کر کے اپنے لٹکے احمد کی مرکردگی میں سرقوسہ روانہ کیا۔ احمد نے پہنچ کر محاصرہ کی نگرانی اپنے ہاتھ میں لے لی۔

محاصرہ نو ماہ تک جاری رہا۔ ۱۲۰ رمضان ۳۶۵ھ کو سرقوسہ فتح ہو گیا۔ درمیوں نے بھی داد شجاعت دی مگر مجاہدین کی جانبازی کے سامنے انہیں اسلحہ ڈالنے پڑے۔ دولت مند شہر تھا، مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ کہا جاتا ہے کہ دس لاکھ بیزنطینی سکے کی مالیت تھی۔

فتح کے بعد لشکر دو میلے مقیم رہا۔ شہر کے قدیم باشندے جنگ سے پہلے بہت کچھ ترک وطن کر گئے تھے، جو جنگ میں شریک تھے وہ تیغ اجل کا شکار ہوئے۔ یہاں ہجر مسلمان فاتحوں کے شہر میں کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ اغلب نے بلرم سے احمد فاتح سرقوسہ کو لکھ بھیجا کہ سرقوسہ کو منہدم کر دیا جائے۔ چنانچہ اس

پر عظمت تادمی شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔

حکومت بیزنطینی قسطنطنیہ کا بحری بیڑہ مرقوسہ کی بازیافت کے لئے آیا۔ اسلامی بیڑا تیار کھڑا تھا اس نے مقابلہ کیا۔ رومی ہزارہا کھیت رہے۔ چار جہاز مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ عیسائی جھگوڑے راہ فرار اختیار کر گئے۔ سلسلہ محاربات کی یہ آخری کڑی تھی۔

اسلامی لشکر بعد کامرانی ذیقعدہ ۲۶۲ھ میں بصرہ واپس آیا۔ کچھ زمانہ بعد مرقوسہ پھر مسلمانوں نے آباد کرنا شروع کیا۔ دیگر اقوام کے لوگ بھی آباد ہو گئے۔ رفتہ رفتہ اچھے خاصے شہر کی حیثیت اختیار کر لی۔

فتح مرقوسہ کو دو ماہ بھی نہیں گزرے تھے کہ باشندگانِ صقلیہ نے ماہ محرم ۲۶۵ھ میں غالب بن محمد، ابو عقال کے تمام ساتھیوں کو گرفتار کر کے افریقہ بھیج دیا جہاں جعفر کے قتل کے سلسلہ میں ان کو منراٹے موت دیدی گئی۔

ابراہیم اعلیٰ نے اپنے بیٹے ابوالاغلِب کو ۲۶۵ھ میں صقلیہ کا والی بنا کر بھیجا۔ مگر اہل صقلیہ نے اس کے خلاف شورش پھیلادی۔ مجبوراً ابوالاغلِب افریقہ واپس گیا اور حسین بن رباع صقلیہ کا والی مقرر ہوا۔ اس کے زمانہ میں رومیوں کا بیڑا ایک سو چالیس جہازوں کا حملہ آور ہوا۔ خوزیر جنگ کے بعد مسلمانوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور اسلامی بیڑے کے جہاز بھی گرفتار کر کے قسطنطنیہ لے جائے گئے۔

والی افریقہ نے اس کو ولایت سے معزول کر کے حسن بن عباس کو والی مقرر کیا مگر اس کے عہد میں بھی مسلمان رومیوں کے مقابلہ میں ناکام رہے۔ آخرش ابوالحسین محمد بن فضل کو صقلیہ کا والی مقرر کیا اور حسن کو معزول کر دیا۔ ابوالحسین ۲۶۸ھ میں صقلیہ پہنچا۔ اس نے طبرین پر حملہ کیا اور قطنیہ کو تاخت و

لے ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۲۲۲ لے البیان المغرب ترجمہ اردو صفحہ ۱۵۹۔

تاج کر ڈالا۔ اس اثناء میں قسطنطنیہ سے بیڑا آیا اس سے معرکہ ہوا۔ رومی شکست
یاب ہوئے۔ بیزنطینی ایک نیا دارالحکومت صقلیہ میں بنادے تھے اس کو بھی محمد بن
فضل نے فتح کر لیا۔ مال و اسباب مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ محمد بن فضل دوسری مہم کا
آغاز نہ کرتے پایا تھا کہ بیع الاول ۲۷۱ھ میں محمد بن فضل معزول کر دیا گیا اور قیروان
سے علی بن محمد بن ابی الفوارس صقلیہ کا والی مقرر ہو کر آیا۔ مگر چند روزہ اس کی حکومت
کا دور رہا۔ یہ بھی دربار قیروان سے معزول کر دیا گیا۔ اس کی بجائے حسین بن
احمد مقرر ہوا جس نے رملہ پر فوج کشی کی۔ لیکن یکا یک بیمار ہو گیا اور ماہ شعبان
۲۷۱ھ میں اس کی وفات ہوئی۔

اس کے بعد ہوادہ بن محمد ولایت صقلیہ پر بھیجا گیا۔ اس نے عنان حکومت ہاتھ
میں لے کر طبرین پر حملہ کیا۔ حاکم طبرین نے صلح چند ماہ کے لئے کر لی۔ میعاد گزرنے پر
فوج کشی کی۔ مال اور قیدی لے کر بلرم لوٹ آیا۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ جنوبی اٹلی کے
دو اسلامی شہر بیزنطینی حکومت کے قبضہ میں چلے گئے۔ یہ امیر البحر بن خفصہ کی کاہنہ گیری
تھی۔ شہر سیرینہ اور شہر منیتہ پر بیزنطینی علم لہرانے لگے۔ مسلمان شہروں سے نکل کر
صقلیہ آ گئے۔ یہاں شورش پسندوں نے والی کے خلاف بغاوت کر دی۔ امرائے
صقلیہ میں سے یعقوب بن بکر اور والی کو گرفتار کر کے افریقہ روانہ کر دیا۔

ابوالعباس بن علی نے نظم و نسق عامہ صلی طور سے سنبھالا۔ ابوماک احمد بن عمر
المعروف بہ حبشی ۲۷۲ھ میں والی مقرر ہوا جس نے طبرین، قطانیہ اور رملہ پر
فوج کشی کی مگر ناکامیاب رہا۔ جنوبی اٹلی پر توجہ کی یہاں بھی کوئی فائدہ حاصل نہ
ہوا۔ اس اثناء میں ابراہیم فرمانروائے افریقہ نے نصر بن مہصامہ حاجب کو
معہ اہل خاندان کے قتل کر دیا اور اس کے بجائے حسن بن نافذ حاجب مقرر ہوا۔
اس نے ابوبلک کو معزول کر کے ابوالحسن احمد بن فضل کو دوبارہ والی صقلیہ مقرر
کیا۔ اس نے بھی رومی علاقہ کو تاج کر لیا۔

۲۷۹ھ سے ۲۸۴ھ تک یہ والی رہا۔ احمد بن نافذ نے اس کو معزول کر کے

اپنے لڑکے حسن کو مقلیہ کا والی مقرر کر دیا۔ ایک سال بعد ابراہیم نے اس کو معزول کر کے ابو ملک کو مقرر کر دیا۔ مگر مقلیہ میں باغی زور پکڑ چکے تھے۔ انہوں نے بلرم پر قبضہ کیا۔ ابو ملک فرار ہونے پر مجبور ہوا۔ آخر شش ابراہیم نے اپنے شہزادہ ابو العباس کو افریقہ سے مقلیہ بھیجا۔

ابو العباس بن ابراہیم اعلیٰ

ابو العباس ۲۲۷ھ میں مقلیہ آیا اور آتے ہی ولایت کو سنبھالا۔ اپنے ساتھ کافی لشکر بری و بحری افریقہ سے لایا تھا۔ پہلے طرابلس پر قبضہ کیا۔ بلرم کے عمائد و اکابر قاضی مقلیہ کی سرکردگی میں ابو العباس کی خدمت میں حاضر ہو کر کامل اطاعت و انقیاد اور وفاداری کا یقین دلایا مگر ابو العباس نے وفد سے کہا: ”چند روز بعد جواب دوں گا۔“

بحر جنبت کا وفد آیا جو حکومت کا موافق تھا اور باغیوں سے مقابلہ کر رہا تھا۔ اس نے ساکنان بلرم کے مکرو کید سے آگاہ کر دیا۔ ابو العباس نے جو سرغنہ تھا ان کو گرفتار کر لیا اور قاضی کو بھیجا کہ دوسرے لوگوں کو اطاعت پر آمادہ کرے۔ مگر شورشل پسند بناوت پر آمادہ ہو گئے۔ ابو العباس نے افریقی لشکر سے باغیوں کی سرکوبی کرا دی۔ ممتاز افراد مع اہل و عیال کے بلرم چھوڑ گئے۔ مکونیہ جو سرگرم تھا وہ بھی اسی جماعت کے ساتھ قسطنطنیہ چلا گیا۔ شہر بلرم میں امن و امان ہو گیا تو ابو العباس رمضان ۲۲۸ھ کو بلرم میں داخل ہوا۔ غرضیکہ ابو العباس نے فتنہ و فساد کو ختم کرنے کے بعد ملک کا نظم و نسق سنبھالا۔

اس کے بعد جنوبی اٹلی کے وہ مقبوضات جو زیر نگین اسلام تھے وہ رومیوں کے قبضہ میں آ گئے تھے۔ ان کے واپس لینے کی طرف متوجہ ہوا۔ مدیج الاخر ۲۲۸ھ میں

ایک عظیم الشان بیڑا بندرگاہ بلرم سے روانہ کیا۔ صقلیہ کے ایک رومی شہر دیونی پہنچا۔ کہ ابوالعباس خود آ موجود ہوا۔ وہ بیڑے کو لے کر مسینا آیا اور یہاں سے دیو جا کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ خونریز جنگ کے بعد فاستانہ مسلمان شہر میں داخل ہو گئے۔ یہاں مال غنیمت بہت ہاتھ آیا۔ پھر نیپلس، املقی، سالرنو کی طرف توجہ کی۔ رومیوں نے صلح کر لی۔ غرضیکہ پاپائے روم کے حدود حکومت میں مسلمان پہنچ گئے۔ ابوالعباس نے اسلامی لشکر کو آگے بڑھایا۔ شہر روم کی شہر پناہ کا دروازہ سامنے تھا کہ پوپ کی استدعا کو قبول کیا۔ پوپ یوحنا نے جزیرہ دینے کی شرط کو خوشی سے منظور کیا کہ پچیس ہزار رطل چاندی سالانہ والی صقلیہ کی خدمت میں بھیجا کہے گا۔ اس طرح ابوالعباس فاتح سلطنت کلیسا یورپ کو باج گزار بنا کر مسینا لوٹ گیا۔ یہاں رومی بیڑا منڈلا رہا تھا اس سے بھی مقابلہ کیا اور شکست دے کر بلرم پہنچا کہ ۲۸۹ھ میں ابراہیم کا فرمان پہنچا کہ افریقہ واپس چلا آئے۔

چنانچہ شہزادہ ابوالعباس صقلیہ کی حکومت اپنے دونوں بڑوں ابو مضر اور ابو معد کے سپرد کر کے افریقہ روانہ ہو گیا۔ ماہ ربیع الاول ۲۸۹ھ میں ٹیونس پہنچا اور ابراہیم اعلیٰ اس کے حق میں حکومت سے دستبردار ہو گیا۔

ابراہیم نے اپنے ابتدائی عہد میں اپنی مملکت کا بہترین انتظام کیا تھا مگر پھر اس میں مراثی حالت پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے ذرا سے قصور پر ذمہ دار ارکان حکومت کا قتل کرنا شروع کر دیا۔ تمام ملک میں اس کے ظلم سے بد امنی شروع ہو گئی۔ صوبہ دار اس سے برگشتہ ہو گئے اور اس کے طریق کار سے تعلقات منقطع کرنے شروع کر دیئے۔ اس زمانہ میں بربروں میں تحریک اسمعیلی شروع ہو گئی۔ ابو عبد اللہ یحییٰ نے شیعیت کی اشاعت کی اور عوام کو دولتِ غالبہ سے جھڑکا دیا۔

المعتضد باللہ عباسی خلیفہ کو اس تحریک کا علم ہوا تو اس نے ابراہیم کو حکومت سے دستبردار ہونے کا حکم بھیجا۔ یہ علیحدہ ہو کر حج کے ارادہ سے قیروان

سے رخصت ہوا اور سوسہ میں صوفیہ لباس میں آیا وہاں سے صقلیہ چلا آیا۔ ابراہیم نے اپنے ذاتی خزانہ کو ساتھ لے لیا تھا۔ پہلے طرابلس میں قیام کیا۔ یہاں مختصر سی فوج تیار کی جو آلات حرب سے آراستہ تھی۔ ۲۸ رجب ۲۸۹ھ کو بلرم میں شان و شوکت سے داخل ہوا۔ شاہی انعام و اکرام سے عمال حکومت کو مالا مال کر دیا۔ تمام باشندگان صقلیہ کے قلوب تھوڑے ہی دنوں میں مسخر کر لئے۔ داد و دہش سے ہر کس و ناکس ابراہیم کے اشاروں پر چلنے لگا۔

صقلیہ کی اسلامی فوج ابو مضر کی قیادت میں پہلے سے تیار تھی۔ چنانچہ صقلیہ کے رومی مقبوضات کے چپے چپے کو زیر نگین کرنے کے لئے اسلامی لشکر کو اپنی سرکردگی میں لیا اور ۲۸ رجب ۲۸۹ھ میں بلرم سے روانہ ہو گیا۔ شہر برطریق کا محاصرہ کر لیا اور بزور شمشیر شہر میں داخل ہوا۔ اور اہل شہر کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا۔ یہاں کا انتظام کر کے طبرین کی سمت بڑھا۔ اس کو سر قوسہ کے جھگڑے رومیوں نے جمع ہو کر اپنا مرکز بنا لیا تھا۔ لشکر صفت در صف مورچہ جمائے مسلمانوں سے مقابلہ کے لئے تیار ملا۔ ابراہیم نے فوج اسلامی لشکر کو حملہ کا حکم دیا۔ مجاہدین نے اپنی سرفروشی کا وہ مظاہرہ کیا کہ رومی کھیرے کٹڑی کی طرح کٹنے لگے۔

آخر شش رومی شہر کی طرف پسا ہو کر بھاگے۔ ابراہیم بھی تعاقب کرتا ہوا پھاٹک تک پہنچ گیا اور پھر تمام مجاہدین طبرین میں داخل ہو گئے۔ باشندوں نے پہلے سے راہ فرار اختیار کر لی تھی۔ ساحل پر کشتیاں کھڑی تھیں، موقع پاتے ہی اس میں سوار ہو کر جزیرہ کو خیر باد کہہ گئے۔ جو باقی رہ گئے تھے وہ قلعہ بند ہو کر مقابلہ پر آمادہ ہوئے۔ معمولی مقابلہ کے بعد قلعہ فتح ہو گیا۔ ان میں سے بہت سے تہ تیغ کر دیئے گئے اور جو بچ رہے ان کی بار بار کی شورا پستی پر طوق غلامی ان کی گردنوں میں ڈال دیا۔ شہر اور قلعہ کی دولت و ثروت مسلمانوں کے قبضہ میں آئی۔ طبرین سرزمین صقلیہ میں حکومت بنی زطینی قسطنطنیہ کا سب سے آخری باجگزار شہر تھا۔ اسکے سقوط کے ساتھ ہی صقلیہ سے حکومت بنی زطینی کا جنازہ نکل گیا۔

قسطنطنیہ میں سقوطِ طبرین کی خبر سے صوفِ ماتم بچھ گئی۔ قیصر سوم نے سر سے تاج اتار کر پھینک دیا اور مسلمانانِ صقلیہ سے انتقام لینے کے لئے فوج کی تیاری شروع کر دی۔ ابراہیم کو خبر لگی اُس نے خبر اڑادی کہ اسلامی لشکرِ قسطنطنیہ پر حملہ کرنے آ رہا ہے۔ قیصر نے اپنے مورچوں کی حفاظت پر فوج کو مامور کر دیا اور شب و روز عربوں کے بیڑے کا انتظار کرنے لگا۔

ابراہیم نے چھوٹے چھوٹے قلعوں کی تسخیر کے لئے اپنے پوتے ابو مضر زیادۃ اللہ کو بھیجا شہرِ میقش پر بلا مزاحمت کے ابو مضر نے قبضہ کیا اور اپنے دوسرے لڑکے ابوالاغلِب کو ونیش بھیجا۔ اُس نے بھی بلا دقت کے شہر پر قبضہ جایا۔ اسی طرح درمط، لیاج، پراہو، حجر سعدون، الجلوی کو بھیجا۔ اہل شہر نے جزیرہ کی شرط پر صلح کرنا چاہی مگر ابراہیم نے قبول نہ کی اور ان کو قلعوں سے باہر نکال دیا اور قلعے سہار کر دیئے گئے۔ لیاج دو میوں کا آخری مامن تھا۔ اب حکومت بنی نطین کا نام و نشان نہ رہا۔ صقلیہ کے چپہ چپہ پر اسلامی رانت لہرانے لگا۔ قاضی اسد بن فرات کے ہاتھوں سے فتحِ صقلیہ کی اصل مہم شروع ہوئی اور ابراہیم بن احمد غلبی والی افریقہ کے ہاتھوں پورے اٹھتر برس میں اتمام کو پہنچی۔

اب ابراہیم نے جنوبی اٹلی کے مقبوضات کی طرف توجہ منعطف کی۔ طبرین سے مسینا پہنچا اور صوبہ قلوریہ (کلیریہ) روانہ ہوا۔ یہاں پہنچ کر اسلامی لشکر کے دستے جا بجا پھیلادیئے۔ جہاں جہاں نصرانی فوجیں مقابلہ میں آئیں پسپا ہوئیں۔ کسنٹہ پر معرکہ کا نڈار گرم ہوا کہ ابراہیم مرضِ اسہال میں مبتلا ہو گیا۔ جب حالتِ دگرگوں ہونے لگی اور زندگی سے مایوس ہو گیا تو ابو مضر زیادۃ اللہ کو فوج کی قیادت سپرد کی اور والی صقلیہ مقرر کیا۔ شبِ شنبہ ۱۹ رزی قعدہ ۲۸۹ھ کو ابراہیم کی روحِ نفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ ابو مضر نے کسنٹہ کے محاصرہ کو یکسو کرنا چاہا۔ محصورین نے دوبارہ صلح کا پیغام دیا۔ جزیرہ کی شرط پر درخواست منظور کر لی گئی اور محاصرہ اٹھالیا گیا اور اسلامی لشکر کو اطراف و جوانب سے جمع کر کے جدا بجا لاش کو لے کر ابو مضر بلرم چلا آیا اور ابراہیم کی

تجزیہ و تکفین کے مراسم ادا کئے اور عالی شان مقبرہ اس کی قبر پر تعمیر کر دیا۔
 ابو مضر نے قصر حکومت میں رنگ ریلیاں منانا شروع کر دیں۔ شب و روز شراب
 میں دُعبت رہتا۔ اس کے عیش و عشرت کی خبر ابو العباس فرمانروائے افریقہ کو پہنچی۔
 اس نے ابو مضر کو افریقہ بلا کر قید خانہ میں ڈال دیا اور اس کے بجائے محمد بن سرقوسی کو
 صقلیہ کی ولایت سپرد کی۔

محمد بن سرقوسی

محمد بن سرقوسی نے ۲۹۰ھ میں صقلیہ کی حکومت سنبھالی۔ چند ماہ بھی نہ گزرنے پائے
 تھے کہ ابو مضر نے قید خانہ میں اپنے باپ ابو العباس کے خلاف سازش کر کے تین صقلی غلاموں
 کے ذریعے شب چار شنبہ شعبان ۲۹۰ھ میں قتل کرا ڈالا اور خود تخت حکومت پر قابض ہو
 گیا اور سب سے پہلے ابن سرقوسی کو معزول کیا اور اس کے بجائے علی بن محمد بن ابی
 الفوارس کو صقلیہ کا والی مقرر کر دیا۔ چند روزیہ والی رہا۔ ابو مضر نے احمد بن ابی الحسین
 بن رباح کو ولایت صقلیہ سپرد کی۔ لیکن احمد آخری اعلیٰ والی ثابت ہوا۔

احمد بن ابی الحسین بن رباح

ابو مضر نے برسر حکومت آتے ہی افریقہ میں کشت و خون کا بازار گرم کر دیا۔
 ملک اس کے خلاف ہو گیا۔ اس نے اپنے خیر خواہ اقارب تک کو قتل کر دیا۔ نظم
 فسق بگڑنے لگا۔ یہ لہو و لعب میں مبتلا تھا۔ اہل ان حکومت اس سے بیزار تھے۔
 ادھر دعوتِ اسماعیلی شباب پر پہنچ چکی تھی۔ اغالہ کا دستِ راست احوں جو اس
 تحریک کو دہائے ہوئے تھا، اس کو بھی مروا چکا تھا۔ اب اس سیلاب کو روکنے
 والا کوئی نہ تھا۔ اس زمانہ میں داعیِ دعا ابو عبد اللہ مہدی نے فرقہ اسماعیلی شیعہ کے

امام ابو عبید اللہ مہدی کو افریقہ بلایا اور اس کو بادشاہ بنا کر بربروں کا لشکر لے کر دولتِ اعلیٰ کے ملک فتح کر لئے۔ ابو مضر میں مقابلہ کی طاقت ہوتے ہوئے وہ بزدلی دکھایا اور تاج و تخت چھوڑ کر ۲۶ جمادی الآخر ۲۹۶ھ کو اغالہ کا یہ آخری تاجدار قہر شاہی سے جس قدر دولت و ثروت کا انبار سمٹھ لے جاسکتا تھا اونٹوں پر لاد کر اہل و عیال کو چھوڑ کر رقادہ سے فرار ہوا۔

ابو مضر کے جانے کے بعد ابراہیم بن ابی اعلب نے باشندگانِ قیروان سے حلفِ اطاعت لیا اور اسمعیلی فوج کے مقابلہ کے لئے آمادہ کیا۔ مگر وہ لوگ جلد منحرف ہو گئے۔ ابراہیم نے بھی قیروان سے ترکِ وطن کیا اور ابو مضر سے جا ملا۔

آخری اعلیٰ تاجدار کا انجام

ابو مضر طرابلس ہوتا ہوا مصر پہنچا۔ یہاں بھی چین نہ ملا، مدہ گیا۔ یہاں ۲۹۷ھ میں آغوشِ حمیم جاکر سو رہا۔ دولتِ اغالہ کا آفتابِ کامل جو ایک سو گیارہ سال اور چند مہینے تک سرزمینِ افریقہ کو اپنی تابانی و درخشانی سے منور کرتا رہا۔ جمادی الآخری ۲۹۷ھ کو ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

صقلیہ پر بھی ان حادثات اور انقلاب کا اثر پڑے بغیر نہ رہا۔ والی صقلیہ احمد بن ابی الحسین بن رباع نے بہت کچھ حالتِ صقلیہ کی سنبھالنا چاہی مگر ابی الفوارس جو اس سے پہلے والی تھا اس نے عبید اللہ مہدی سے ساز باز نہ کر لیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر والی کے گھر کو گھیر لیا اور دھوکے سے گرفتار کر لیا اور اس کا مال و متاع سب لوٹ لیا۔

یہ واقعہ ۱۱ رجب ۲۹۷ھ کا ہے۔ احمد بن ابی الحسین کو پایہِ زنجیر افریقہ بھیج دیا۔

علی بن محمد بن ابی الفوارس

علی بن محمد نے اہل صقلیہ سے اپنی ولایت کے لئے محضر تیار کر کے عبد اللہ مہدی کے پاس بھجوادیا۔ عبد اللہ نے درخواست منظور کر لی اور دولتِ فاطمی افریقہ کا صقلیہ میں سب سے پہلا والی علی بن محمد مقرر ہوا اور سندِ ولایت کے ساتھ بری و بحری حملہ جاری کرنے کا حکم دے دیا۔ مگر کچھ عرصہ بعد ہی علی اپنی استدعا پر افریقہ پہنچا تو قید کر لیا گیا اور عبد اللہ مہدی نے اپنے خاص معتمد حسن بن احمد بن ابی المختار کو صقلیہ کی ولایت پر روانہ کیا۔

دولتِ اغالبہ

خلفائے بنو عباس نے اپنی سیاسی توجہ صرف مشرق ہی کی طرف رکھی جہاں ان کی فتوحات کافی ہوئیں اور مغرب، اندلس، صقلیہ وغیرہ کی طرف زیادہ توجہ نہ کی۔ بلکہ شمالی افریقہ کی حد تک سیادت پر اکتفا کیا جس کا سبب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا تھا کہ اندلس میں ہشام بن عبد الملک اموی دسویں خلیفہ دمشق کے پوتے عبد الرحمن الداخل نے اپنی عظیم حکومت قائم کر کے دمشق بنی ہاشم کی تلافی ہی نہیں بلکہ وقار اور عظمت میں اضافہ کیا اور ان کی یاد تازہ کرادی۔ اس لئے بنو عباس نے معمولی ناکام کوشش کے بعد ہسپانیہ کی سیادت سے ہاتھ اٹھالیا اور افریقہ کو حسب حال اپنے ماتحت صوبہ رکھا لیکن فی الحقیقت بنی عباس کی حکومت کا دائرہ شرقاً غرباً اتنا وسیع ہو گیا تھا کہ اس کی سنبھال بہت دشوار تھی۔ پھر بھی جتنے عرصہ تک اس وسیع حکومت کو ایک نظام کے تحت نہر امن لکھا گیا وہ کچھ کم تعجب خیز نہیں ہے۔ درحالیہ کہ آمدورفت اور معلوماتِ اطلاعات کے ذرائع میں جو دشواریاں تھیں وہ محتاج

بیان نہیں ہیں۔

چونکہ بنو عباس نے مشرق میں مزید فتوحات کی تھیں اس لئے وسیع حکومت وسیع تر ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ذلتہ ذلتہ صوبوں کے حکمرانوں نے خود مختاری کا طریقہ اختیار کرنا شروع کیا۔ البتہ سکھ و خطبہ خلیفہ کے نام کا ہوتا تھا۔ یعنی سیادت تسلیم کرتے ہوئے اندرونی طور پر سیاہ و سفید کے مالک تھے۔

یہی صورت افریقہ کے صوبہ کی خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں تھی اس لئے خلیفہ ہارون الرشید نے بہترین سیاست سے کام لے کر افریقہ کے صوبہ کو ۸۰۳ء مطابق ۲۸۳ھ میں حکومت خود اختیاری دے کر ابراہیم بن اغلب کو اس کی مارت سپرد کر دی جس کی تفصیل خلافت بنی عباس اور تاریخ مصر میں بھی جا چکی ہے۔

چنانچہ اغلبی گھرانے کے کل گیاہ امیر اس پر حکمران ہوئے جنہوں نے پورے ایک سو بارہ سال حکمرانی کی۔ یہی وہ حکومت تھی جس نے اسلامی بحری سیادت کو غاص طو پر بحیرہ روم میں عروج پر پہنچایا اور جس نے جزائر سرڈانیہ، صقلیہ (سسیلی) اور مالٹا پر قبضہ کر لیا تھا۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ مسلمانوں نے بحری قوت کے اعتبار سے کسی زمانے میں وہ شہرت نہیں حاصل کی جو ان کو اغلبیوں کے زمانے میں ہوئی۔ اس عہد میں غلام ذرافہ نے جس کو مغربی مؤرخین لیون طرابلسی لکھتے ہیں مشرقی بحیرہ روم اور بحر الجزائر میں شجاعانہ اور مدبرانہ حملہ کر کے حقیقی امیر البحر کا لقب حاصل کیا۔ اسی عہد میں ابو حفص عمر اندلسی بلوطی نے مغربی بحیرہ روم کو اپنے قبضہ میں کر کے بحری جنگ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔

افریقہ میں بنو اغلب کی خود مختاری آٹھ سو بارہ سال سے زائد نہ رہی۔ اس کے بعد ۲۹۶ھ مطابق ۹۰۸ء میں بنو اغلب کے آخری حکمران ابو النصر زیادۃ اللہ کی شراب خواری اور زیادتیوں نے اغلبیوں کے عہد کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دید ابو الفداء نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں جبکہ ابو النصر عیاشی کے

ساتھ ظلم و زیادتیاں بھی کر رہا تھا۔

ابو عبد اللہ یعنی مغرب میں بنو فاطمہ کی طرف سے نہ صرف لوگوں کو دعوتِ شیعیت دے رہا تھا بلکہ ان کو حکومت کے مقابلہ کے لئے تیار بھی کر رہا تھا۔ ابوالنصر کی مخمور آنکھیں اس وقت کھلیں جب ابو عبد اللہ داعی کی تیاری مکمل ہو چکی تھی۔ تبرکمان سے نکل چکا تھا۔ کیونکہ ایک طرف تمام ملک اس کے لہو و لہب اور زیادتیوں سے عاجز، دوسری طرف بنو فاطمہ کا داعی مقابلہ کے لئے تیار۔ ابوالنصر کی فوجی کارروائی مضر ثابت ہوئی اور اس کو ملک چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ دہ بدر مارا مارا پھرا مقتدر عباسی سے مدد مانگی جو ملی، لیکن وائے بر شراب و عیاشی جس نے غربت میں بھی ساتھ نہ چھوڑا۔ لہذا وہ مدد بھی مفید نہ ہوئی اور اس کو مجبوراً، ہمیشہ کے لئے نہ صرف اپنے ملک کو خیر باد کہنا پڑا بلکہ فلسطین کے قصبہ رملہ میں پہنچ کر دنیا بھی چھوڑنی پڑی۔ اس وقت سے افریقہ یا ٹیونس کی حکومت بنو فاطمہ کی طرف منتقل ہوئی۔

اغلی خاندان جب تک صقلیہ پر صاحبِ اقتدار رہا مسلمانوں میں جہاد کا شوق رہا اور جو شہزادے جہاں والی ہو کر آتے اُن میں ہر ایک فتوحات کا شائق ہوتا اور اسلام پھیلانے کی کوشش کرتا۔ صقلیہ میں حنفیت اور مالکی مذہب کو فروغ تھا، جس کی ترویج فاتح صقلیہ قاضی اسد بن فرات کے ذریعے زیادہ ہوئی۔ قاضی اور اُن کے متبعین کلام و عقائد میں سلف صالحین کے پیرو تھے۔

دولتِ اغالبہ افریقہ

۱۸۴ تا ۲۹۶ھ

۱۔ ابراہیم بن اغلب

۲۔ عبد اللہ بن ابراہیم

۱۲ معالم الایمان جلد ۲ ص ۱۲

- ۳۔ زیادۃ اللہ بن ابراہیم ۲۰۱ تا ۲۲۳
 ۴۔ ابو عقال اغلب بن ابراہیم بن اغلب ۲۲۳ تا ۲۲۶
 ۵۔ ابو العباس محمد بن اغلب ۲۲۶ تا ۲۴۲
 ۶۔ ابو ابراہیم احمد بن محمد ۲۴۲ تا ۲۴۹
 ۷۔ ابو محمد زیادۃ اللہ ثانی بن محمد بن اغلب ۲۴۹ تا ۲۵۰
 ۸۔ ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن محمد بن اغلب ۲۵۰ تا ۲۶۱
 ۹۔ ابراہیم ثانی بن احمد بن محمد بن اغلب ۲۶۱ تا ۲۸۹
 ۱۰۔ ابو العباس عبد اللہ بن ابراہیم بن احمد ثانی ۲۸۹
 ۱۱۔ ابو نصر زیادۃ اللہ بن ابی العباس ۲۹۰ تا ۲۹۶

ولاءہ صقلیہ

قاسم اسد بن فرات	۲۱۲ تا ۲۱۳	بانی حکومت صقلیہ
محمد بن ابی الجواری	۲۱۳ تا ۲۱۷	جانشین
نہیم بن غوث	۲۱۷ تا ۲۱۸	"
محمد بن عبد اللہ بن اغلب	۲۱۸ تا ۲۲۱	والی اول
ابو الاغلب ابراہیم بن عبد اللہ بن الاغلب	۲۲۱ تا ۲۳۶	والی
عباس بن فضل	۲۳۶ تا ۲۴۷	"
احمد بن یعقوب	۲۴۷	"
خفاجہ بن سفیان	۲۴۸ تا ۲۵۵	"
محمد بن خفاجہ	۲۵۵ تا ۲۵۷	"
رباح بن یعقوب	"	"
حسین بن رباح	"	"

۱۲۔ عبداللہ بن محمد

۱۳۔ جعفر بن محمد

۱۴۔ اغلب بن محمد

۱۵۔ ابوالعباس بن ابراہیم

۱۶۔ محمد بن سرقوسی

۱۷۔ احمد بن ابی الحسین بن رباح

حسن بن احمد بن ابی الخنزیر

حسن بن احمد بنو فاطمہ کے محسن قبیلہ کتاہ کا رکن رکن تھا، افریقہ سے روانہ ہو کر ارڈی الحجہ ۲۹۷ھ کو مازر پہنچا، پھر بلم آیا۔ یہ پہلا شیعہ والی تھا۔ اس نے حکومت مقلیہ کو مختلف صوبوں میں تقسیم کیا۔ بلم، جرجنت، قصریانہ اور مسینا وغیرہ صوبے قرار پائے۔ جس سے وحدت قومی وملکی کا خاتمہ ہو گیا۔ جرجنت کا عامل ابی الخنزیر کا بھائی تھا۔ ہر صوبہ کا جدا جدا والی مقرر کیا اور سرکاری مذہب شیعہ قرار دیا۔ سابق قاضی مقلیہ کو معزول کر کے ایک شخص اسحق بن منہال کے محکمہ قضاۃ سپرد کیا۔ ابی الخنزیر کے اس انداز کی حکمرانی سے عوام میں اس والی سے نفرت کی لہر دوڑ گئی بلکہ ۳۹۸ھ میں مشرقی مقلیہ میں اہل و نش نے بغاوت کر دی۔

ابن ابی الخنزیر نے فوجی طاقت سے بغاوت فرو کی اور بہت سے حق پرست باشندوں کو قید کر لیا جس سے نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانان مقلیہ اس کو بُری نگاہ سے دیکھنے لگے بلکہ ایک مرتبہ عوام غلط فہمی سے اس پر حملہ آور ہوئے۔ یہ محل سے گودا جس سے پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی اور گرفتار ہو گیا۔ یہ تمام حالات ہمدی کو بھیج دیئے گئے۔ اس نے اس کو معزول کر دیا۔ علی بن عمر بن الیلوی کو والی مقرر کیا۔ یہ

۱۔ ابن اثیر جلد ۳

۲۷ رذی الحجہ ۲۹۹ھ کو صقلیہ پہنچا۔ مگر سنی شیعہ کا جھگڑا ابن ابی الخنزیر یہاں اٹھا چکا تھا جو اس حد تک بڑھ گیا کہ دولتِ فاطمی کے خلاف علانیہ علم بغاوت بلند ہو گیا اور ابن عمر البلوی روپوش ہو کر جان بچالے گیا۔ مسلمانانِ صقلیہ نے فاطمی علم کو سرنگوں کر کے صقلیہ سے اپنے زعم میں دولتِ فاطمی کا خاتمہ کر دیا اور اپنا والی صقلیہ کے ایک رئیس احمد بن زیادۃ اللہ بن قرہب کو مقرر کر لیا۔ یہ خاندانِ اغالبہ سے تھا۔

احمد بن زیادۃ اللہ بن قرہب

احمد نے ایک آزاد و خود مختار فرمانروا کی حیثیت سے حکومت ہاتھ میں لی۔ صقلیہ کا چپہ چپہ اس کا مطیع و منقاد ہو گیا۔ پہلا کام یہ کیا کہ خلیفہ وقت المقتدر باللہ عباسی سے ولایتِ صقلیہ کی اجازت منگالی اور مساجد میں خلیفہ کا خطبہ میں نام لیا جانے لگا۔ ابن قرہب نے اپنے بیٹے محمد کو بحری بیڑا دے کر افریقہ روانہ کیا۔ محمد ابن قرہب نے صقلیہ کے بیڑے سے ساحلِ لمطہ پر پہلے سے عبید اللہ مہدی کا بیڑا موجود تھا اس پر حملہ کیا اور اس کو شکست دی۔ فاطمی بیڑا تباہ ہو گیا۔ ابن ابی الخنزیر قتل ہوا۔ پھر طرابلس الغرب کی جانب امیر البحر محمد بن احمد زیادۃ اللہ گیا۔ وہاں القائم مورجہ جمائے موجود تھا۔ اس لئے محمد جہاز لے کر صقلیہ واپس چلا آیا۔ ابن قرہب نے جنوبی اٹلی پر تاخت کی۔ فلوریہ پر کامیابی ہوئی اور مال غنیمت لے کر لوٹا۔

ان فتوحات سے ابن قرہب کی ہمت بڑھ گئی اور وہ افریقہ کی فتح کے خواب دیکھنے لگا۔ ایک عظیم الشان بیڑا تیار کر کے افریقہ روانہ ہوا۔ افریقہ میں اغالبہ کا بیڑا جو دنیا میں عظیم الشان تھا مہدی کے قبضہ میں تھا۔ اس سے صقلیہ کا بیڑا کیا مقابلہ کرتا، گرفتار ہو گیا۔

ادھر صقلیہ میں ابن قرہب سے عوام باغی ہو گئے۔ ابو الغفادہ کو امیر بنا لیا۔ پھر ہردو میں جنگ ہوئی۔ آخرش ابن قرہب کو گرفتار کر کے مہدی کے پاس

بیچ دیا۔ قاضی ابن حامی ساتھ تھا۔ عبید اللہ مہدی نے ابن ابی الخزیر کی قرباب
سلم پر لے جا کر ہاتھ پیر کاٹ کر مصلوب کر دیا۔ ابن قرہبب صقلیہ پر تین برس
گیارہ ماہ حکمران رہا۔

مسلمانانِ صقلیہ نے ابن قرہبب کے استیصال کے بعد ابوالغفار کی اطاعت
قبول کی اور اس کے تقرر کی درخواست افریقہ بھیجی۔ عبید اللہ مہدی نے درخواست
مسترد کر دی اور ابوسعید موسیٰ بن احمد کو مع زبردست لشکر کے ولایتِ صقلیہ
پر مامور کیا۔

ابوسعید موسیٰ بن احمد

ابوسعید قبیلہ کتامہ کے جبار سپاہیوں کا لشکر لے کر طرابلس پہنچا۔ مگر باشندگانِ
صقلیہ نے خیر مقدم نہیں کیا۔ البتہ جبرجنت سے ایک وفد آیا اس کو خلعت و
انعام و اکرام سے نوازا۔ اہل صقلیہ اپنی حرکت پر نادم ہوئے۔ ایک دن ابوالغفار
گرفتار کر لیا گیا۔ اس واقعہ سے سارے جزیرہ میں آگ سی لگ گئی۔ اس کا بھائی
احمد جبرجنت پہنچا اور فوج کی کمان لے کر والی صقلیہ سے معرکہ آرا ہوا جو وزیر
لڑائیاں ہوئیں۔ اہل بلرم نے بھی بغاوت کر دی۔

جنگ کا سلسلہ طویل پکڑنا گیا۔ ابوسعید نے قبیلہ کتامہ کے وحشی جاہل درندوں
کو طرابلس کے مضافات میں بھیج دیا اور صقلیہ کی ثمریف آبادیوں میں سے عورتوں
اور بچوں کو پکڑ بلوایا۔ عورتوں کی عصمت دی کرائی۔ یہ اس سے اور منافرت
بڑھ گئی۔ مگر باغیوں کی قوت کمزور ہوتی گئی، مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیئے۔
احمد اور ابن علی داد السقاریہ جو سرغنہ تھے گرفتار کر دیئے گئے۔ جنگ کا
خاتمہ ہو گیا۔ طرابلس کی آبادی کو تہ تیغ کر کے گرفتار باغیوں کو جہاز میں سوار

۱۔ تاریخ صقلیہ جلد ۱ صفحہ ۳۱۶۔
www.KitaboSunnat.com

کہ اگر افریقہ روانہ کیا جو راہ میں ڈبو دیا گیا۔

قیام امن وامان کے بعد ابو سعید قیروان چلا گیا اور اپنی جگہ سالم بن ابی لاشد کو والی مقرر کر دیا۔ اس نے کامل آٹھ سال امن وامان کے ساتھ حکمرانی کی۔ پھر جنوبی اٹلی کی طرف متوجہ ہوا۔ کیونکہ افریقہ سے ایک بیڑا قائد قوارب کی سرکردگی میں آیا اور اس نے ریو میں اسلامی اقتدار قائم کیا۔ اس کے بعد ۳۱۰ھ میں فوجی بیڑا امیر العسکر مسعود کی سرکردگی میں آیا اس میں بیس جہاز تھے۔ اٹلی کے شہر آغانی پر حملہ آور ہوا اور کامیاب ہوا۔ فتح مندی کے بعد مہدیہ چلا گیا۔ عبید اللہ مہدی نے اپنے حاجب ابو احمد جعفر بن عبید کی سرکردگی میں زبردست بیڑا روانہ کیا۔ سالم والی صقلیہ بھی اس کا شریک ہو گیا۔

ہر دو نے بریصانہ اور شہر واری فتح کر لئے۔ دس ہزار عیسائی گرفتار ہوئے۔ بے حد حساب دولت جعفر کے ہاتھ آئی جو عبید اللہ کی خدمت میں پیش کی گئی۔ ۳۱۵ھ میں نوجوان صقلی صارب چوالیس جہازوں کا بیڑا لے کر صقلیہ پہنچا۔ یہاں سے اٹلی گیا۔ صوبہ انکبر دو کے ایک شہر ترنٹیو پر لشکر اندازہ ہوا۔ متعدد معرکہ آلائیاں ہوئیں، مالی غنیمت اور قیدیوں کو لے کر مہدیہ چلا گیا۔ دوبارہ صارب ۳۱۶ھ میں طارنت کا محاصرہ کیا اور دوبارہ فتح کر لیا۔ قلعہ غیران اور حسب مفتوح کر لئے۔ قلعہ کی املاک پر قبضہ کیا۔ پھر اورنت کا محاصرہ کیا، ناکام لوٹنا پڑا۔ پھر حکومت فلوریہ سے ایک سال کے لئے معاہدہ کر لیا۔

تیسری مرتبہ رومی افسر غوس سے مقابلہ ہوا اور اس پر فتح پائی۔ اس کے بعد ترمولہ کو تسخیر کیا۔ غرضیکہ ۳۱۸ھ سے ۳۱۹ھ کی ان مسلسل پیش قدمیوں سے اٹلی میں تہلکہ مچ گیا۔ بالآخر حکومت فلوریہ نے سپر ڈال دی اور جزیہ کی ادائیگی پر صلح ہو گئی۔ ۱۵ ربیع الاول ۳۲۲ھ کو عبید اللہ مہدی انتقال کر گیا۔ ابوالقاسم

لہ ابن اثیر جلد ۵ ص ۵۵۔

القائم بامر اللہ اس کا جانشین ہوا۔ اس کے عہد میں یعقوب بن اسحاق کی سرکردگی میں بحری مہم جنووا کے قصد سے روانہ ہوئی۔ سردانیہ کو فتح کیا اور پھر کورسیکا پہنچے یہاں رومی جہازہ لنگر انداز تھے ان کو نذر آتش کیا اور جنووا پہنچ کر محاصرہ کر لیا۔ آخر شہر یہ بھی اسلامی اقتدار میں آگیا۔ ایک ہزار حسین لوٹدیاں اور دولت کا انبار جہازوں میں بار کر کے یعقوب مہدیہ چلا آیا۔ صقلیہ میں سالم نے جبر و تشدد کا باز نہ کر رکھا تھا۔ اس کے خلاف ملک میں عام بغاوت پھیل گئی۔ جرجنت کے گورنر ابی احمد کو باغیوں نے نکال دیا۔ قلعہ بلوط کا حاکم ابن عمران بھی بے دخل کر دیا گیا۔

سالم فوج لے کر گیا مگر باغیوں سے شکست کھائی۔ پھر خود فوج مرتب کر کے پہنچا۔ اہل جرجنت جنگ میں پسپا ہو گئے یہاں کا انتظام مکمل ہونے بھی نہ پایا تھا کہ بلرم میں اسحاق بستانی اور محمد بن حمود نے سالم کے خلاف بغاوت پھیلادی۔ سالم کو خبر لگی وہ اس طرف آیا مگر سخت مقابلہ کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے تمام حالات کی اطلاع افریقہ روانہ کی

قائم نے خلیل بن اسحاق کی سرکردگی میں اہل صقلیہ کی گوشمالی کے لئے لشکر روانہ ہونے کا حکم دیا۔ ادھر اسحاق بستانی نے ایک وفد مع عرضداشت کے قائم کے پاس بھیجا جس میں سالم کی شکایات اور قائم کی اطاعت کا ذکر تھا۔ چنانچہ قائم نے خلیل کو سالم کی معزولی کا پروانہ دیا اور خلیل ہی کو ولایت صقلیہ سپرد کی۔

ابوالعباس خلیل بن اسحاق طرابلسی

ابوالعباس افریقہ کے ذی اثر ممتاز علماء میں تھا۔ علم ادب اور تصوف کا بڑا ماہر تھا۔ القائم کے ساتھ مصر کے حملہ میں شریک رہا۔ حکمہ خراج کا افسر ہو گیا۔ پھر افریقہ اور مصر کی بحری فوج کا افسر اعلیٰ ہو گیا۔ عبید اللہ مہدی کا مقرب بن گیا۔ اس کی شان میں قصائد بھی لکھے۔ پھر مہدی اُس کا دشمن ہو گیا۔ قائم کی وجہ سے جان بچی کہ خود قائم حکمراں ہو گیا تو اس نے صقلیہ کا اس کو والی مقرر کر دیا۔ یہ افریقہ سے

۳۲۵ء میں روانہ ہوا اور ایک ماہ بعد ساحل بلرم پر جہاز سے اُترا۔ اہل بلرم نے غیر مقدم کیا اور اطاعت و فرمانبرداری کا مظاہرہ دکھایا۔ پھر جرجنت سے بھی وفد آیا اور خلیل کے مطیع و منقاد رہنے کے حلف اٹھائے یہ

خلیل نے تمام عمال سالم کو معزول کیا اور نئے عامل مشورہ سے مقرر کئے۔ سالم نے یہ رنگ دیکھ کر خلیل کے خلاف افواہیں پھیلانی شروع کیں۔ لوگ خلیل کے مخالف ہو گئے۔ خلیل نے بجائے باغیوں کو سرزنش کرنے کے بلرم کے قریب ایک نیا شہر تعمیر کرانے لگا۔ اپنا محل اور امراء کے مکانات، ایوان حکومت، قید خانہ اور سرکاری دفاتر، دارالصناعہ یہاں تعمیر کئے اور فصل بلرم کو منہدم کر کے اس کے ملہ سے اس شہر کے ارد گرد مضبوط دیوار بنوادی۔ داخلہ کے چار بچا ملک چاروں طرف لگائے گئے۔ چند ماہ میں یہ سلسلہ تعمیر اہتمام کو پہنچ گیا۔ یہ جدید شہر ساحل سمندر پر واقع تھا۔ یہ خالصہ کہلاتا تھا۔ اہل جرجنت نے بغاوت کر دی۔ ہر غنہ سالم تھا۔ خلیل فوج لے کر گیا مگر ناکام لوٹا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صقلیہ کے اکثر ممتاز شہر اور قلعے ماند، ابلاطنو، بلوط اور قلعہ ابی ثورہ وغیرہ باغی ہو گئے۔ ان مقامات سے حکومت کے تمام عمال اور فوج باہر نکال دی گئی۔ خلیل نے ہر ایک مقام پر فوج روانہ کی مگر ہر جگہ ناکام رہی۔ دھر ملک میں قحط پڑ گیا۔ صقلیہ کے مسلمانوں نے اسلامی حکومت کے خلاف حکومت بیزنطینی قسطنطنیہ سے امداد طلب کی۔ باوجودیکہ اب کلی بیزنطینی حکومت کا تعلق صقلیہ سے باقی نہ تھا۔ یہ جو کچھ ہوا وہ سالم شیعہ کی قوم و ملک فروشی تھی۔ غرضیکہ قسطنطنیہ سے رومی بیڑا کثیر فوج اور غلہ کے ساتھ آیا۔

خلیل نے قائم کو یہاں کی تفصیل سے آگاہ کیا۔ اس نے عظیم الشان لشکر صقلیہ بھیجا۔ یہاں سالم لقمہ اجل ہوا۔ خلیل کو اپنے ہم مسلک کے مرنے سے ہمت

ہوئی۔ ادھر افریقہ سے لشکر آگیا تو خلیل نے منظم طریقے سے باغی شہروں اور معوں پر تاخت شروع کی۔ یہ فوج کشی کامیاب رہی۔ ہیزنطینی لشکر بھی پٹ پٹا کر چلتا بنا۔ یکے بعد دیگرے تمام باغی شہر اور قلعے خلیل نے سر کر لئے۔

آخر میں جر جنت کی طرف توجہ کی، سخت محاصرہ کیا اور کمان فوج کی ابوخلیف بن ہارون کو دے کر خود بزم چلا آیا۔ جب جر جنت کے لوگ محاصرہ سے تنگ آ گئے تو امراء و معززین نے خفیہ راستوں سے نکل کر عیسائی ملکوں کی راہ لی اور وہاں جا کر عیسائیت قبول کر لی۔ یہ لوگ پہلے شیعہ ہوئے پھر عیسائی ہوئے۔ جو غرباء بچہ ہے انہوں نے فوج کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ ابوخلیف نے جنگجو عنصر کو گرفتار کر کے خالصہ روانہ کر دیا۔ جر جنت کی اطاعت کے بعد پھر صقلیہ کے دوسرے شہروں میں حکومت کا اقتدار خود بخود قائم ہو گیا۔ یہ بغاوت چار برس رہی، ہزاروں آدمی طریقین سے کام آئے۔

افریقہ میں بھی قبیلہ زناتہ نے بغاوت کر دی۔ ابو یزید خالد بنی سرگرم وہ تھا قائم نے خلیل کو افریقہ طلب کر لیا۔ تمام حکومت ابو عطاء محمد بن اشعث کے سپرد کر دی۔ خلیل کا عہد کا بھی ظالمانہ رہا۔ جب افریقہ جانے لگا مسلمان قیدیوں کو ساتھ لیتا گیا۔ جس جہاز میں وہ سوار تھے راہ میں ان کو تراب کر دیا۔

ابو عطاء محمد بن اشعث الازدی

ابو عطاء نے عمان حکومت ۳۲۹ھ میں سنبھالی۔ القائم بامر اللہ نے خلیل کی نازدگی کو برقرار رکھا۔ گو پیشرو والی نے یہاں کا سیاسی مطلع ظلم وعدوان سے صاف کر دیا تھا۔ مگر چوری، ڈاکہ، دہزنی کا بازار گرم ہو گیا جس سے ملک میں ہر طرف ہراس طاری ہو گیا۔ ابو عطاء نے حسن تدبیر سے ان حالات پر قابو

حاصل کر لیا۔ جب اس طرف سے سکون ملا ملک کا نظم و نسق درست کیا جس سے ملک میں امن و امان قائم ہو گیا۔

اس اثناء میں ۱۳ شوال ۳۳۴ھ کو قائم دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس کا جانشین اسماعیل ہوا جو المنصور بن اللہ کے نام سے مشہور ہوا۔ مگر صقلیہ میں عیسائی رعایا نے سالانہ خراج دینا بند کر دیا جس کا اثر خزانہ پر پڑا۔ ابو عطا سے اور قبیلہ طبری کے چند معز زین سے اُن بن ہو گئی تو تمام قبیلہ نے عید الفطر کے دن ابو عطا پر حملہ کر دیا۔ اس کے ارد گرد جو محافظ دستہ تھا اس کو تہ تیغ کر ڈالا۔ یہ جان بچا کر قلعہ بند ہو گیا اہل بلرم بھی باغیوں کے ہمنوا ہو گئے۔ ابو عطا نے المنصور کو تمام حالات کی اطلاع دی۔ اس نے ایک آزمودہ کار قائد حسن بن علی طبری کو صقلیہ لکھوالی مقرر کر کے روانہ کیا۔

ابوالغنائم حسن بن علی بن ابی الحسن طبری

حسن بن علی افریقہ کے معز ز قبیلہ بنو کلب کا ممتاز رکن تھا اور نہایت شجاع اور ذی فہم، اس نے ابو یزید خادجی کے قصہ کو ختم کیا تھا۔ المنصور اس کی بڑی قدر کرنے لگا تھا۔ حسن افریقہ سے روانہ ہو کر ۳۳۶ھ میں صقلیہ پہنچا۔ پہلا قیام بندر گاہ ماندہ پر تھا۔ کوئی شخص پیشوائی کو نہ آیا۔ شب میں حکومت کے چند وفادار پوشیدہ حسن کے پاس آئے اور قبیلہ طبری کے فتنہ سے آگاہ کیا اور مقامی سیاست کے دانہ ہائے مرہبہ اس کے سامنے کھولے۔ ان کے جانے کے بعد سرکش قبیلہ کے چند لوگ مع سرخیل جماعت اسماعیل بن طبری حسن سے آکر ملے۔ یہ اُن سے بڑی خرد پیشانی سے ملا۔ اسماعیل نے علی بن طبری اور محمد بن عبدون کو افریقہ بھیجا تھا کہ منصور حسن کو واپس بلا لے۔ چنانچہ یہ خبر بھی حسن کو مل چکی تھی۔ پھر بھی وہ ملاقات سے پیش

لے ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۳۳۱۔

آیا اور ان کو رخصت کر کے بلرم پہنچا۔ ان سب نے خیر مقدم کیا۔ اسمٰعیل نے یہ حالت دیکھی تو پیش پیش ہو گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد اسمٰعیل نے ایک فتنہ اور کھڑا کیا۔ حسن کے غلام کو متہم کر کے شہرت دی۔ فریادی حسن کے پاس پہنچے۔ حسن کو غلام کی نیک چلنی کا علم تھا پر اس کو قتل کر دیا۔ اس کے عدل و انصاف کی شہرت تمام مقلیہ میں پھیل گئی۔ ادھر منصور نے حسن کو اطلاع دی کہ مقلیہ سے جو وفد آیا ہے اس کو قید میں ڈال دیا گیا وہاں ان کے ساتھیوں کا جلد خاتمہ کر دو۔ چنانچہ فتنہ پردازوں نے روابط بڑھا کر ایک دن سب کو بلا کر جیل میں ٹھونس دیا اور ان کا مال و اسباب بحق حکومت ضبط کر لیا گیا۔ تمام اہل مقلیہ ان کے استیصال پر اطاعت گزار ہو گئے۔

بیزنطینی بحری بیڑہ حملہ آور ہوا حسن نے اپنے بحری بیڑے سے مقابلہ کر کے اس کو شکست دی اور بعض مقامات اٹلی کے اپنے قبضہ میں کر لئے۔ ان میں ریو کے علاقہ کے خوب صورت شہر جراجہ بھی تھا۔ اہل جراجہ نے جزیہ پر اطاعت قبول کر لی۔ دوبارہ قلوریہ پر ۳۴۲ھ میں منصور کے حکم سے حملہ کیا۔ شہنشاہ قسطنطین ہفتم پادقیزو جنش نے منصور سے عہد امنی صلح کر لی جس کی وجہ سے حسن رک گیا۔ البتہ ریو میں مسجد تعمیر کی گئی جو مسلمانان مقلیہ کی فتوحات کی ایک شان دار یادگار اٹلی میں قائم ہو گئی۔

۳۴۱ھ میں المنصور بھی انتقال کر گیا۔ اس کا لڑکا معد المعز لدین اللہ کے لقب سے تخت حکومت پر بیٹھا۔ حسن اپنے لڑکے ابو الحسن احمد کو اپنا قائم مقام والی مقلیہ کر کے اٹلی کی فتوحات کا مال غنیمت اور امدادی فوج کے سپہ سالار فرج مقلبی کو سہ ۳۴۲ھ میں افریقہ پہنچا۔ المعز نے حسن کی بڑی قدر دانی کی اور ابو الحسن احمد کو والی مقلیہ مقرر کر کے فرمان و ولایت لکھ کر بھیج دیا۔ حسن کو افریقہ میں حکومت

کی خدمات سپرد کر دی گئیں۔ اسی زمانے میں خلافت ہسپانیہ سے اور المعز سے چھڑ گئی، ہسپانیہ کا بیڑا آیا۔ حسن کی سرکردگی میں المعز کا بیڑا برسرِ پکا ہوا۔ ہردو میں خونریز جنگ ہوئی۔ اس کی تفصیل تاریخ مفر میں بیان ہو چکی ہے۔
حسن نے افریقہ سے اٹلی پر پھر تاخت کی۔ دوسرا بیڑا افریقہ سے گیا۔ حسن کا بھائی عمار امیر البحر تھا۔ راہ میں طوفان آیا، بیڑہ تباہ ہو گیا۔

حسن کا ارادہ یہ تھا کہ صقلیہ کی حکومت موروثی ہو جائے۔ چنانچہ اس نے احمد کو بلایا۔ صقلیہ کے تیس عمائد بھی اس کے ساتھ تھے۔ احمد مع جماعت کے حسن کے توسل سے المعز کی خدمت میں بادیاب ہوا اور خلافت فاطمی کی بیعت کی۔ اس کے بعد احمد لوٹ آیا۔ حالات امن و سکون سے گزر رہے تھے۔ اوتھو اعظم نے صقلیہ کے بعض قلعوں کو لینا چاہا مگر مقابلہ میں اس کو ناکامی ہوئی۔ طبرین میں سے عیسائی خارج کر دیئے گئے اور وہاں اسلامی آبادی قائم کر دی گئی۔ حکومت بنی زطینی نے عظیم الشان بیڑا بھیجا۔ حسن اور ابن عمار اپنے بیڑے کو لے کر مقابل ہوئے۔ دومیوں کی پوری قوت اس معرکہ میں ٹوٹ گئی اور اس طرح صقلیہ کا کل علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ اس کے بعد حسن کلبی کا انتقال ہو گیا۔

ایک سو اڑتیس سال کی مسلسل تگ و دو کے بعد جو ۱۲۱۱ھ سے شروع ہو کر ۱۲۵۹ھ پر ختم ہوئی اور صقلیہ کی تسخیر پائیہ تکمیل کو پہنچ گئی۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے :-

”اب پورا جزیرہ ایک عربی جزیرہ تھا جس نے ایک خالص اسلامی حیثیت اختیار کر لی“ ۱۷

حکومت بنی زطینی میں مقابلہ کی طاقت باقی نہ رہی تو قیصر روم نقفور (فوکس) نے المعز سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی استدعا کی۔ المعز نے فراخ دلی سے

۱۷ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۲۵ صفحہ ۳۷۰۔

پائیدار صلح نامہ کر لیا۔ باہم تحائف کے تبادلے ہوتے تھے۔ طبرستان اور رطہ جہاں سے عیسائی نکال دیئے گئے تھے۔ المعز نے ان شہروں کو عیسائیوں کے سپرد کرنا چاہا اور احمد کو حکم دیا۔ اس نے دونوں شہروں کو بزور شمشیر فتح کیا تھا، ناگوار گزرا اور اُس نے اپنے بھائی ابوالقاسم کو بھیج کر شہر مسلمانوں سے خالی کرائے اور سہارا کر آگ لگوا دی۔ المعز نے احمد کو معزول کر کے افریقہ بلا کر دوسرے اعلیٰ عہدے پر مقرر کیا اور کلبی خاندان کے مولیٰ العیش کو مقلیہ کا والی مقرر کر دیا۔ یعیش حسن کا غلام تھا مگر صاحب اقتدار۔ لیکن اہل مقلیہ نے اس کی مخالفت کرنی شروع کر دی۔ امن و امان خطرہ میں پڑ گیا۔ المعز کو خبر ہوئی، یعیش کو معزول کر کے احمد کو اس کی جگہ پر فائز کیا مگر احمد مصر کی فتح پر لگا ہوا تھا۔ اس کے بجائے اس کے بھائی ابوالقاسم کو مقلیہ بھیج دینا چاہا۔ احمد مصر سے لوٹا، طرابلس الشام کے ساحل پر ۳۵۹ھ میں وفات پائی۔ المعز نے ابوالقاسم کو فرمان تقرر بھیج دیا اور وہ ۳۶۰ھ میں مقلیہ پہنچا۔

المعز کے قائد جو ہر مقلی نے مصر کو فتح کرنے کے بعد قاہرہ کو تعمیر کیا اور المعز کو وہیں بلا لیا تو المعز نے افریقہ کی ولایت سے مقلیہ اور طرابلس الغرب وغیرہ کو الگ کر دیا اور ایک مساوی درجہ حکومت تسلیم کر کے اس کو مستقل طور پر آل حسن یعنی کلبن کے سپرد کر دیا اور اپنی نگرانی میں مقلیہ کا ایک خود مختار فرمانروا تسلیم کیا۔ المعز نے ۳۶۵ھ میں انتقال کیا۔

ابوالقاسم بن حسن کلبی فرمانروائے مقلیہ

ابوالقاسم نے مستقل فرمانروائی کا آغاز کیا۔ خلافت مصر سے صرف اس قدر تعلق تھا جیسا اغالہ کا خلفائے بنو عباس سے۔ ابوالقاسم کا عہد المعز کے زمانے میں سکون و اطمینان سے گزرا۔ معز کا جانشین نزار العزیز بالکثر ہوا۔ اوہود دوم

یہ پھر حقائق کہنا شروع کر دیں اور لشکرِ مقلیہ بھیجا۔ اہلِ مسینا کے عیسائی اس کے دام میں پھنسے اور لشکر کو اپنے پاس ٹھہرایا۔ مگر ابوالقاسم نے یہ رنگ دیکھ کر جہاد کا اعلان کیا۔ مسلمان جوق در جوق جہاد کی شرکت کے لئے فوج میں داخل ہو گئے۔ جب یہ مجاہدین کا مقدس لشکر رمضان میں مسینا پہنچا، سورما رومی اور فتنہ جو عیسائی مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر آبنائے مسینا عبور کر کے اٹلی چلتے ہوئے۔ مگر ابوالقاسم نے مسینا پہنچ کر عنانِ توجہ اٹلی کی طرف کی اور کسنتہ پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ اہلِ کسنتہ نے ذریعہ نقد ادا کر کے صلح کر لی۔ ابوالقاسم نے دوسرے قلعہ جلو اکو بھی اسی طرح زیرِ نگین کیا۔ برلولہ اور قلور یہ میں دستے بھیجے جنہوں نے کافی مالِ غنیمت حاصل کیا اور عیساٹیوں کو پکڑ لائے۔

غرضیکہ کامیابی کے بعد ابوالقاسم بلرم واپس آ گیا اور رملہ کو ۳۱۶ھ میں نئے سرے سے تعمیر کیا اور ایک فوج یہاں متعین کی۔ پھر ابوالقاسم جہاد کے لئے روانہ ہوا۔ شدتِ اغاثہ کا قلعہ ہاتھ لگا۔ اس کے بعد ٹانٹو کو قبضہ میں لایا اور شہر کو برباد کر کے عیساٹیوں کے فوجی گڑھ کا خاتمہ کر دیا۔ پھر شہر اور نت اور شہر غرنیلہ کو تاراج کر ڈالا اور باشندے اطاعت گزار بن گئے۔ پھر بلرم لوٹ آیا۔

اتھو دوم نے عظیم الشان لشکر لے کر ملیطو پر حملہ کر کے قبضہ کیا۔ مسلمان مقابلہ نہ کر سکے۔ ادھر ابوالقاسم کے سر پر قضا منڈلا رہی تھی، وہ ایک موقع پر رومی فوج کے ہاتھوں گھر کر شہید ہو گیا مگر اس کے ساتھی مسلمانوں نے رومیوں سے انتقام لے لیا۔ اور اس قدر عیسائی تہ تیغ کئے کہ یہ رنگ دیکھ کر اتھو دوم نے راہِ فرار اختیار کی اور اس صدمہ میں ۹۸۳ھ میں مر گیا۔

ابوالقاسم نے بارہ سال پانچ ماہ شاندار حکمرانی کی۔ وہ نیک سیرت، حلیم و بردبار، عادل، منصف مزاج، امن پسند فرمانروا تھا۔ ذاتی فضائل میں یگانہ تھا۔ علماء اور اہلِ علم کا قدر دان۔ وفات کے بعد درہم و دینار پساندوں کے لئے کچھ نہ چھوڑا اور نہ کوئی ذاتی ملکیت تھی، جو تھی وہ زندگی میں غرباء و

مساکین کے لئے وقف کر دی۔ اس کے انتقال کا اہل صقلیہ کو بڑا صدمہ پہنچا۔

جابر بن ابوالقاسم کلبی

جابر اپنے باپ کا جانشین اٹلی ہی میں ہو گیا تھا مگر تدبیر و دوراندیشی اس میں نہ تھی، ملک کو نہ سنبھال سکا۔ فوج میں بغاوت اس کے خلاف پھیل گئی۔ دربار مصر کو شکایات پہنچیں۔ العزیز نے اس کو معزول کر دیا۔ ۳۴۲ھ سے ۳۴۳ھ تک صقلیہ کی حکمرانی کی۔ اس کے بجائے اس کا چچا زاد بھائی جعفر بن محمد کلبی مقرر ہوا ہوا۔ جعفر مصر میں شعبہ وزارت کے کسی عہدہ پر فائز تھا، صقلیہ پہنچ کر جابر سے حکومت کا جائزہ لے لیا۔

جعفر بن محمد کلبی

جعفر ہوشمند مدبر تھا۔ حکومت کی تمام بد انتظامیوں کی اصلاح کی۔ انتظام مملکت میں مصروف ہو گیا۔ اس کے زمانہ میں صقلیہ میں امن و امان رہا۔ خود یہ اہل علم میں سے تھا۔ علماء و فضلاء کا قدر دان تھا۔ اہل علم و شعراء سے اس کا دربار بھرا ہوا تھا۔ انہیں انعام و اکرام سے مالا مال کرتا۔ اس کے عہد میں علمی فضاء پیدا ہو گئی۔ ۳۴۵ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کا بھائی عبداللہ بن محمد کلبی تخت حکومت پر بیٹھا۔ گو حسن تدبیر اور مال اندیشی میں یگانہ تھا۔ لیکن چار برس حکمرانی کر کے ۳۴۹ھ میں فوت ہو گیا۔ مگر اس نے اپنے حین حیات میں اپنے لڑکے ابوالفتوح کو اپنا جانشین بنایا۔

۶۰

ثقة الدوله ابو الفتوح يوسف بن عبد اللہ کلبی

العزیز باللہ نے تخت نشینی کی توثیق کر دی اور ثقة الدولہ لقب عطا کیا۔ حکومت کے نظم و نسق کو درست کر کے اٹلی کے مقبوضات پر متوجہ ہوا۔ ایک ایک ریاست سے نبرد آزما ہو کر سب کو زیر کر لیا۔ اٹلی کی تمام عیسائی حکومتیں اس کے سامنے سر نیا زجھکانے لگیں جس سے مسلمان ایتالیہ میں امن و امان کی زندگی بسر کرنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی اس کی تجارت اور صنعت و حرفت کو فروغ ہونے لگا۔ ابو الفتوح ارباب علم و فضل کا قدردان تھا۔ اس کے عہد میں علم و فن اور شعر و ادب کا مرکز صقلیہ بن گیا تھا۔ العزیز نے ۳۸۶ھ میں انتقال کیا۔

العزیز کے جانشین الحاکم فاطمی نے ثقة الدولہ کی ولایت کی تصدیق کا فرمان بھیج دیا۔ یکایک اس پر قاج کا حملہ ہوا۔ اُس نے اپنے بیٹے جعفر کو حکومت صقلیہ پر سرفراز کیا اور خود گوشہ گیر ہو گیا۔

تاج الدولہ سیف المملہ جعفر بن ابو الفتوح کلبی

الحاکم عبیدی نے تاج الدولہ جعفر کی ولایت کی تصدیق کے ساتھ لوٹے فاطمی اور تاج الدولہ سیف المملہ کے لقب سے مفتخر کیا۔ ۳۸۸ھ میں عنان حکمرانی ہاتھ میں لے کر کروفر و شان و شوکت کے ساتھ ولایت صقلیہ کے فرائض ادا کرنے لگا۔ ابو الفتح تمام صقلیہ میں امن و امان کی بنیادیں قائم کر گیا تھا۔ اس کے عہد میں مرفہ الحالی کا دور تھا۔ ۳۹۵ھ کو افریقہ میں شدید قحط پڑ گیا جس کا اثر یہ پڑا کہ ہزار ہا مسلمان لقمہ اجل ہو گئے۔ دیہات ویران ہو گئے۔ مساجد سنسان ہو گئیں اور کثرت سے علماء و صالحین نے اس دار فانی سے رحلت کی۔ باشندوں نے گھبرا کر صقلیہ کی طرف رخ کیا۔ یہاں تاج الدولہ نے ان کی پذیرائی کی۔

کلبیوں کا عہد صقلیہ کے لئے زرخیز عہد تھا۔ یہاں زراعت اور صنعت

کو مسلمانوں نے معراج کمال تک پہنچا دیا تھا جس سے دولت و ثروت کی بہتات ہو گئی۔ گھر گھر علمی چرچے ہونے لگے۔ علم و ادب کی روز افزوں ترقی تھی۔ اس کے سوا حکمران طبقہ کے جود و کرم اور داد و دہش نے علماء و فضلاء کو کھینچ بلایا تھا۔

تاج الدولہ کی تخت نشینی کے سولہ سال بعد ۵۳۷ھ میں اس کے بھائی علی نے بربریوں اور مولیوں کو ہمنوا بنا کر صقلیہ کے تاج و تخت کا دعویٰ کیا اور میدان جنگ میں اُتر آیا۔ تاج الدولہ نے بھی فوج بھیج دی۔ بلرم کے قریب معرکہ کا زار گرم ہوا۔ علی گرفتار کر لیا گیا اور تاج الدولہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے فوراً اس کو قتل کرادیا۔ ثقہ الدولہ بیٹے کا قتل دیکھ رہا تھا اس کے بعد بربریوں اور مولی جو فوج میں تھے اُن کی طرف متوجہ ہوا۔ بربریوں کو معاہل و حیال کے جلا وطن کر دیا اور مولیوں کو چُن چُن کر قتل کرادیا۔ بربری افریقہ چلے گئے۔ فوج میں وطنی داخل کر لئے گئے۔ اس کا اثر ملک پر بڑا پڑا۔ فتوحات کا دار و مدار بربریوں اور مولیوں پر تھا ان کی ہیبت تمام عیسائیوں پر تھی۔

اس کے علاوہ عہدے دار افریقی رہے جس سے اس میں کشمکش شروع ہو گئی۔ وزارتِ عظمیٰ پر حسن بن محمد باغاثی تھا۔ یہ بد دماغ اور مغرور انسان تھا۔ تمام لوگ اس کے سلوک سے بد دل ہو گئے۔ اس پر اس سے یہ غلطی ہوئی کہ رواجی قانون محاصل میں ترمیم کر دی۔ حکومت سے عوام پہلے سے ہزار تھے اس سے ان میں باغیانہ لہر دوڑ گئی اور مجتمع ہو کر قہر حکومت کو گھیر لیا۔ فوج پہلے سے بے قابو تھی اور مشتعل جمع کو روکنے والا کوئی نہ تھا۔

ثقہ الدولہ یوسف جو صاحبِ قراش تھا، وہ فینس میں سوار ہو کر بلوائیوں کے سامنے آیا۔ اس سے ہر ایک کو محبت اور عقیدت تھی۔ چنانچہ سب نے اس کو گھیر لیا اور شفقت و محبت سے بلوائیوں کو خطاب کر کے مطالبات دریافت کئے۔ انہوں نے متفقہ جعفر کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ یوسف نے منظور کر لیا۔ ان لوگوں نے باغاثی کو طلب کیا۔ اس کو بھی بلا کر پیش کر دیا۔ وہ جوش انتقام میں اس پر ٹوٹ پڑے

اور قتل کر کے لاش جلا ڈالی۔

ان لوگوں نے ثقۃ الدولہ کے لڑکے احمد معروف بہ اکھل کو اپنا امیر نامزد کر لیا۔ ثقۃ الدولہ نے اہل منقلبیہ کی حالت دیکھ کر تاج الدولہ کو پوشیدہ طور سے افریقہ روانہ کر دیا اور خود بھی مصر جانے کے لئے تیاری کرنے لگا۔

تائید الدولہ احمد الاکھل کلبی

اس وقت میں سربراہ آدائے تخت امارت منقلبیہ ہوا۔ عنان حکمرانی ہاتھ میں لے کر ملک کی اصلاح و درستی میں مصروف ہو گیا۔ الحاکم کی طرف سے ضابطہ کافران ولایت معہ القاب کے عطا ہوا۔ ثقۃ الدولہ مع دولت و ثروت جس میں چھ لاکھ ستر ہزار دینار نقد تھے لے کر مصر روانہ ہو گیا۔ احمد نے عوام کی توجہ لگانے کو اٹلی کے مقبوضات کی فتح کے لئے فوج کو روانہ کیا جس نے کامیاب فتوحات حاصل کیں اور مال غنیمت لے کر لوٹی۔

تائید الدولہ مہموں پر گیا تو انصراہم حکومت اپنے لڑکے جعفر کے سپرد کر گیا مگر اس کی فوجی اور نا تجربہ کادی نے ملک کی حالت دگرگوں کر دی۔ جب آخری مرتبہ اکھل اٹلی سے واپس آیا تو دیکھا کہ یہاں کا تمام بنانا یا کھیل بگڑ چکا تھا۔ ابھی اکھل یہاں کی سیاسی گتھیاں سلجھا رہا تھا کہ ایک نئی وحشی قوم نارمن نے صوبہ قلوریہ کی اسلامی آبادی کو تباہ و برباد کر کے اپنا اقتدار قائم کر لیا تائید الدولہ ان کی کوئی مدد نہ کر سکا۔

نارمن قوم کا وطن نارمنڈی تھا۔ یہ پیشہ قزاقی کرتے تھے۔ یہ اٹلی کی عیسائی حکومتوں کی فوج میں ملازم ہوئے اور جب ان کی جماعت کافی ہو گئی تو انہوں نے اسلامی آبادی کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا اور ان کو بہت سا مال ہاتھ لگا۔ پھر تو انہوں نے چند اہم مقامات لے کر ایک کومرکز قرار دیا اور نارمن حکومت کی تشکیل کر لی۔ ان نارمنوں کے ظلم و جور اور قلوریہ کے نکل جانے کا اثر مسلمانان

افریقہ پر پڑا حکومتِ صقلیہ سے تو بن نہ پڑا۔ مغرب کی اسلامی حکومتوں میں سے حکومتِ صنهاجیہ کے بیدار مغز اور غیور فرمانروا المعز نے چار سو جہازوں کا ایک بیڑا نادموں کے استیصال اور قلویریہ میں اسلامی اقتدار کو پھر دوبارہ قائم کرنے کے لئے بھیجا مگر جزیرہ قوصہ کے قریب سمندر میں سخت طوفان آیا اور بیڑا غرقاب ہو گیا۔ صرف گنتی کے لوگ جان بچا کر افریقہ واپس آ سکے۔ چنانچہ اُسی وقت سے قلویریہ کے حرمان نصیب مسلمانوں کا آفتاب اقبال ۱۱۳ھ میں غروب ہو گیا۔

صوبہ انگیرہ کی منظم اسلامی حکومت کا خاتمہ مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگیوں سے پہلے ہو چکا تھا۔

غرضیکہ قلویریہ جہاں مسلمانوں کا تجارتی کام دوبارہ ترقی پذیر حالت میں تھا اور ان کا شمار صنعت و حرفت میں ترقی یافتہ قوموں میں ہوتا تھا۔ نادموں کے وحشیانہ سلوک نے مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت جس میں علماء اور صالحین اور اہل علم بھی تھے قلویریہ سے ہجرت کر کے صقلیہ چلے آئے اور صوبہ انگیرہ کی بعض اسلامی آبادیوں میں چلے گئے۔ جو ستم زدہ رہ گئے کچھ عرصہ بعد ان کی نسلیں اسلام سے بیگانہ ہو گئیں۔ تائید اللہ نے اپنی حکمرانی کو قائم رکھنے کے لئے وطنی اور غیر وطنی کا سوال اٹھا کر افریقہ کے مسلمانوں کو ہموار کر کے تمام عہدے ان میں تقسیم کر دیئے۔

وطنیوں کو یہ طریقہ عمل ناگوار گذرا اور تائید اللہ کو کلبی کی حکومت سے کلو غلامی کرنے کے لئے اہل صقلیہ کا ایک وفد المعز والی صنهاجیہ جو شیعہ سے تائب ہو گیا تھا اور عبیدین کے مکر و خداع سے بنیرا تھا، پہنچا اور المعز کو صقلیہ کی صورت حال سے آگاہ کر دیا اور تہدید آمیز درخواست کی کہ یا تو حکومتِ افریقہ جزیرہ صقلیہ کو کلبیوں سے آزاد کر ا کر اپنے ممالک محروسہ میں داخل کر لے ورنہ ہم عیسائیوں کو بلا کر اس جزیرہ کو ان کے سپرد کر دیں گے۔

المعز نے وفد کی درخواست پر اپنے لڑکے عبداللہ کی سرکردگی میں چھ سو نفوس کا ایک دستہ افریقہ سے صقلیہ بھیج دیا۔ اہل صقلیہ اس کے ہمنوا ہو گئے۔ بلرم کے قریب خالصہ پر تائید الدولہ سے مقابلہ ہوا۔ تائید الدولہ کو شکست ہوئی، قلعہ بند ہو گیا۔ مگر پھر بھی جان نہ بچا سکا اور افریقی مسلمانوں کے ہاتھ سے شہر میں قتل کر دیا گیا۔ مگر اس واقعہ سے اہل صقلیہ بھی بگڑ بیٹھے اور عبداللہ کی مخالفت شروع ہو گئی۔ چنانچہ یہ رنگ دیکھ کر بقیہ تین سو اپنے ساتھیوں کو لے کر عبداللہ افریقہ واپس چلا گیا۔ اس زمانہ میں الظاہر لا عزازہ دین اللہ فاطمی نے شعبان ۴۲۴ھ میں وفات پائی۔ اس کا لڑکا ابوتیمم معد دولت عبیدہ کا فرما رہا تھا۔

تائید الدولہ کے قتل سے دولت کلیہ کا زوال شروع ہو گیا۔ ملک میں عام بد امنی شروع ہو گئی۔ حکومت کا رعب و ادب جلتا رہا اور شورہ پشتِ عنقر نے ایک مجلس شوریٰ منعقد کر کے تائید الدولہ کے چھوٹے بھائی حسین کو مصمما الدولہ کا لقب دیکر اسی طور پر برائے نام حکومت اس کے سپرد کر دی۔

مصمما الدولہ حسین بن ثقتہ الدولہ کلبی

مصمما الدولہ نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لے کر انتظامِ ملک کی طرف متوجہ ہونا چاہا مگر شورش پسند عنقر اپنی جماعت کو برسرِ اقتدار کر کے سیاہ و سپید کے مالک بن گئے اور سابقہ عمال کو معزول کر دیا۔ اس سے ہنگامہ دار و گیر ہوا۔ مرکز کی زبوں حالی دیکھ کر ہر صوبہ کا حاکم خود مختار بن گیا۔ صقلیہ کے اضطراب انگیز حالات نے قیصر روم میکائیل چہارم (۵۲۹ھ) کو آمادہ کیا کہ وہ اپنے پیشرو بنی زطینی فرمانروا بادل دوم کی دیرینہ آرزو کی تکمیل کرے۔ چنانچہ مذہب کے نام پر عیسائی عوام کو ابھار کر ایک فوج جمع کر لی اور ایک بیڑا تیار کر کے اپنے سب سے

بڑے جنرل کپتان جارج بینکس کی سرکردگی میں صقلیہ روانہ کیا۔ یہ بیڑا ۱۲۹۹ء میں
 مسینا پہنچا اور معمولی مزاحمت کے بعد مسینا پر قبضہ کر لیا۔
 اس واقعہ کا اثر دولتِ کلبیہ پر بُرا پڑا اور ۱۳۰۱ء میں یہ آخری کلبی تاجدار بھی
 تختِ حکومت سے معزول کر دیا گیا اور اس پر دولتِ کلبیہ کا صقلیہ سے خاتمہ ہو گیا۔
 مگر شورش پسندوں نے مصمام الدولہ کی بھی جان لے لی اور اس کو قتل کر ڈالا جس
 کے بعد سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خانوادہ کلبیہ کا چراغ گل ہو گیا۔ حسن بن علی دولت
 کلبیہ کا بانی ہوا اور مصمام الدولہ نے تختِ حکومت چھوڑا۔ حسن کی اولاد میں سے
 چھیانوے برس تک صقلیہ کے فرمانروا رہے۔ ان کا عہد صقلیہ میں عہدِ زریں تھا۔
 اس عہد کی تہذیب و تمدن و علمی ترقی کا اثر یورپ کے بڑے حصہ پر پڑا۔ اسپین
 کے بعد یہاں کے علمی ذخائر سے اہل یورپ نے استفادہ حاصل کیا۔ اس حقیقت سے
 انکارِ سفاہت ہے۔

صقلیہ میں طوائف الملوک

دولتِ کلبیہ کے خاتمہ کے بعد ہر صوبہ کا حاکم کھل کر میدان میں آ گیا۔ ادھر بیزنطینی
 جنرل سنکس کے حملے شمالی صقلیہ میں جاری تھے۔ صرف مضافاتِ مرقوسہ اس کے
 تصرف میں آ گئے۔ لطف یہ ہے کہ صوبے کے حاکموں میں اقتدار کی جنگ چھڑ گئی
 اور انہوں نے بھی بیزنطینی جنرل کی معاونت کی۔
 بلرم میں مصمام الدولہ کے قتل کے بعد شربویں نے ایک مجلسِ شوریٰ حکومت
 کی قائم کی۔ مگر صوبہ داروں نے ان کی اطاعت نہیں کی۔

صوبوں کے حکمران

دائرہ حکومت

ماذر، طرنس، شاقہ، مرسی علی

حکمران

قائد عبداللہ بن منکوت

علی بن نعمتہ (بابن حواس) قمریابہ - جرجنت - قمرنوبو
 محمد بن ابراہیم بن ثمنہ مرقوسہ
 ابن کلابی قطانیہ
 مجلس شوریٰ بلرم بلرم اور اس کے مصنفات

ان پانچوں خود مختار دول میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ حاکم مرقوسہ ابن ثمنہ نے بلرم کی طرف پیش قدمی کی۔ فتنہ پرداز جماعت نے اس کا خیر مقدم کیا اور سب اہل بلرم نے اس کو جائز فرمانروا مان لیا۔ ابن ثمنہ نے بلرم کی حکومت ہاتھ میں لے لی۔ قطانیہ کے حاکم ابن کلابی سے دودو ہاتھ کٹے۔ وہ جنگ میں مقابلہ کرتے ہوئے کام آیا اور صوبہ قطانیہ کا الحاق بھی مرکزی حکومت سے ہو گیا۔ ابن حواس اور ابن منکوت کمزور نہ تھے تو ان سے مساویانہ تعلقات قائم کر لئے۔ ابن الکلابی کی بیوہ ابن حواس کی بہن تھی جس کا نام میمونہ تھا، زمانہ عدت ختم ہوتے ہی اس سے نکاح کر لیا۔

ابن ثمنہ اور ابن حواس کے اس رشتہ سے ابن ثمنہ کا وقار بڑھ گیا۔ بلرم کی مسجدوں میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا اور پھر سے امن و امان کی لہر متقلیہ میں دوڑ گئی۔ یہ صوبہ دار شیعہ تھے۔ انہوں نے خلافت فاطمی سے بھی انتساب قائم کر لیا۔ مگر یہی سبب تھا کہ ابن ثمنہ اور ابن ثمنہ میں کسی بات پر شکم رنجی ہو گئی اور یہاں تک بڑھی کہ ابن ثمنہ شراب کے نشہ میں میمونہ کو بہت برا کہنے لگا جس کا جواب اس نے بھی ویسا ہی دیا۔ اس نے طیش میں آکر اس کے دونوں ہاتھ کی فصہ کھلوا دی۔ خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ اسی حال میں چھوڑ کر چلا گیا۔ ابن ثمنہ کے لڑکے کو خبر لگی اس نے اطباء کو بلا کر علاج کرایا اور وہ تندرست ہو گئی۔ دوسرے دن میمونہ سے معذرت خواہ ہوا مگر اس کا دل صاف نہیں ہوا۔ موقع پاکر

۱۔ ابن خلدون جلد ۴ صفحہ ۳۱۔

اپنے بھائی کے پاس چلی گئی اور اس سے تمام حالات کہے۔ وہ سُننے ہی اُگ بگولہ ہو گیا۔ اُس نے میمونہ کو بلایا۔ ابن حواس نے جانے نہ دیا۔ ابن ثمنہ جوش غضب میں اپنی فوجیں لے کر قہریانہ پہنچا، ابن حواس مقابلہ کے لئے نکلا۔ ابن ثمنہ کو شکست ہوئی وہ فطانیہ کی طرف فرار ہوا۔ قہریانہ لشکر تعاقب کرتا رہا۔ ابن ثمنہ کی فوج بہت کام آئی۔ آخرش ابن ثمنہ جان بچا کر مسینا میں داخل ہو گیا۔ یہاں عیسائی حکومت تھی۔ اس کی پناہ لی۔

صقلیہ سے اسلامی حکومت کا خاتمہ

میسینا کے عیسائیوں نے مسلمانوں کی خانہ جنگی کو دیکھ کر ناراضیوں کو دعوت دی۔ اس کے بعد ہی ابن ثمنہ میسینا سے کلبریہ (علاقہ اٹلی) روانہ ہوا اور ملیطو پہنچ کر حاکم کلبریہ لدا برٹ گو سکارڈ کو صقلیہ پر حملہ کی استدعا پیش کی۔ اس نے لدا برٹ کو صقلیہ کے معاملات سپرد کر دیئے۔

تاریخ نازن

نازن جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے قزاق پیشہ لوگ تھے، ناروے کے رہنے والے تھے۔ شاہ ملین کے عہد میں فرانس پر حملہ کیا۔ حتیٰ کہ پیرس کو زخمی لے لیا تو برگنڈی ان کو دے دیا گیا اور کچھ عرصہ بعد ان کا سیاسی وجود تسلیم کر لیا گیا۔ ایک باجگزار ریاست نازن یا نارمنڈی قائم ہو گئی۔

نیز نازن و دالفت قدیم بت پرستی چھوڑ کر عیسائی ہو گیا اور شاہی خاندان کی لڑکی اس کے عقد میں آ گئی۔

غرضیکہ ان نارمنوں نے اٹلی کا رخ کیا اور اسلامی علاقہ کو تاراج کر کے اپنی ریاست قائم کر لی۔ ان میں لدا برٹ گو سکارڈ اولوالعزم شخص تھا اس کا بھائی لدا برٹ تھا جس سے اور ابن ثمنہ سے صقلیہ پر حملہ کرنے کے معاملات

طے ہوئے اور رجب ۴۴ھ میں دشمن ملک و ملت ابن ثمنہ کی راہبری میں راجر کبریہ سے فوج لے کر صقلیہ روانہ ہوا۔ اور مسینا پہنچا۔ عیسائیوں نے اس کا خیر مقدم کیا اور مسینا راجر کے قبضہ میں آگیا اور ابن ثمنہ غلام کے ذریعہ قطنیہ بلا منراحت کے راجر کے ہاتھ آگیا۔ پھر قهریانہ کی طرف رخ کیا اور طنائک تک پہنچ گیا۔ غرضیکہ ایک بڑا حصہ صقلیہ کے شمالی علاقہ کا اس کے زیرِ اقتدار آگیا۔ ابن حواتس نے قهریانہ پر نادموں سے مقابلہ کیا مگر شکست کا منہ دیکھنا پڑا، قلعہ بند ہو گیا۔ راجر نے محاصرہ میں وقت ضائع نہیں کیا بلکہ اکثر قلعے اور شہر جو گھسانوں سے خالی تھے ان پر قبضہ کر کے صلیبی علم لہرا دیئے۔

صلیہ و علماء نے مدافعت کی صورت نہیں دیکھی تو وہ اسلامی ملکوں کو ہجرت کر گئے۔ اہل صقلیہ نے پھر المعز سے امداد چاہی۔ اُس نے پھر بحری بیڑا بھیجا مگر قوصہ کے قریب وہ بھی غرقاب ہو گیا۔ ابن اثیر اور نویری اس بیڑے کی بربادی کا ذکر حسبِ ذیل کرتے ہیں :-

» اس بیڑے کی بربادی سے المعز بہت کمزور ہو گیا اور عرب جو عبیدین کے فرستادہ تھے صہاجہ کے شہروں پر قابض ہونے لگے اور اسی کے بعد اس وقت فرنگی صقلیہ کے اکثر شہروں پر بغیر کسی روک ٹوک کے قابض ہونے لگے جن کو روکنے والا کوئی موجود نہ تھا کیونکہ فرمانروائے افریقہ عربوں سے برسرِ پیکار ہو گیا اور پھر وہ ۴۵۲ھ میں وفات پا گیا «

نادامن شہر پر شرف فتح کرتے ہوئے صقلیہ میں آگے بڑھ رہے تھے۔ نیز عجلت کار کے لئے اٹلی سے مزید کمک طلب کی اور رابرٹ خود اپنی قیادت میں فوج لے کر ۴۵۳ھ میں صقلیہ پہنچا اور چھوٹے بڑے قلعوں پر قابض ہو گیا۔ اب مسلمانوں کے

قبضہ میں جرجنت، قصریانہ، بلرم، سرقوسہ، مازر، طرابلس، انطوس، نوٹس وغیرہ باقی رہ گئے تھے اور بلرم میں امام نہاد مرکزی حکومت قائم تھی۔ اٹلی میں شہر اطرانہ میں مسلم ریاست تھی وہ بھی اس سنہ میں نادموں کے قبضہ میں آگئی اور یہاں سے دولت اسلامی کا بالکلیہ خاتمہ ہو گیا۔ مسلمان ہجرت کر کے صقلیہ کے شہروں میں آ گئے جو رہ گئے وہ اسلام کے دائرہ سے نکل گئے۔

تیم بن المعز بادشاہ صنهاجہ نے مسلمانان صقلیہ کی مدد کے لئے اپنے لڑکوں ایوب اور علی کو مع فوج اسلامی کے بھیجا۔ ایوب بلرم پٹھرا۔ علی نادموں کا ہا سہ روکنے کے لئے جرجنت چلا گیا۔ ابن حواس نے محل میں پٹھرایا اور بڑی خاطر کی۔ ایوب بھی یہیں آ گیا۔ دونوں بھائیوں کی آمد سے اہل صقلیہ ان کے گردیدہ ہو گئے انہوں نے ملک کی شیرازہ بندی کہ فی شروع کی اور نادموں سے مقابلہ کی تیاری کرنے لگے کہ ابن حواس نے وطن اور ملک سے غدار کی۔ مہمانوں سے مڈ بھڑ کر بیٹھا۔ ہر دو طرف کی فوجیں معرکہ آرا ہوئیں جس میں ابن حواس کام آیا۔

اب افریقی اور صقلوی مسلمانوں میں چل گئی۔ ہر دو شہزادے افریقہ جاتے ہوئے مسلمانوں کو ان کے حال پر چھوڑ گئے۔ اعیان و امرا نے وقت نے یہ رنگ دیکھ ہجرت پر کمر باندھی، انہوہ کثیر صقلیہ کو چھوڑ کر افریقہ آ گیا۔

ابن البعباع آخری تاجدار صقلیہ

مسلمانان صقلیہ نے اپنا امیر ابن البعباع کو بنالیا۔ اس نے نادموں سے خوب خوب مقابلے کئے۔ دولت فاطمیہ مصر نے ۶۳۳ھ میں ایک قاصد ابن البعباع سے خراج کی رقم طلب کرنے کے لئے بھیجا۔ کیونکہ صقلیہ بطور ایک ماتحت صوبہ کے حکومت مصر کو خراج ادا کرتا تھا۔ ابن البعباع نے قاصد سے معذرت چاہی۔

قائد نے دربارِ مصر کو پیغام پہنچا دیا۔ فاطمی خلیفہ نے ابن البجاء کے خلافت نامہ منوں کو لکھ بھیجا کہ صقلیہ کا کل علاقہ تم کو دیا جاتا ہے۔ تم ہمارے باغی کو نکال باہر کرو۔ یہ تھا عبیدین کا کارنامہ۔

غرضیکہ فاطمی خلیفہ کے حکم پر غیر مسلم نادین جنگی بیڑا لے کر ابن البجاء کو نکالنے بلرم کے ساحل پر پہنچ گئے۔ بلرم کے محاصرہ کی خبر تمام یورپ میں پھیل گئی۔ چنانچہ بقول مسٹر اسکاٹ یورپ کے ہر ملک سے جوق در جوق عیسائی سمندر اور خشکی کی طرف سے بلرم پہنچے اور مسلمانوں کے اس دارالسلطنت کو گھیر لیا۔

ادھر بلرم کے عیسائی نمکحرامی پر آمادہ ہو گئے اور تمام بیڑا لے احسانات کو بھلا کر نادینوں کے معاون بن گئے۔ اس کے علاوہ فرقہ وارانہ عقائد کو اس موقع پر ہوا دی جا رہی تھی۔ مگر ایک جماعت پرستانانِ توحید کی ایسی تھی جو اسلام کے لئے جامِ شہادت نوش کرنے کے لئے سر بکھ تیا تھی۔ چنانچہ ان مسلمانوں نے نادینوں کا جان توڑ کر مقابلہ کیا جس کی وجہ سے بلرم کے محاصرہ کو پانچ ماہ گزر گئے۔ نادینوں کی ہمت لپٹ ہوئے لگی اور محاصرہ سے دست بردار ہونے کو تھے کہ غدار عیسائیوں نے نادینوں کو خفیہ پیغام بھیجا کہ فلاں فصیل کا رخ کمزور ہے۔ چنانچہ پوری قوت سے نادین اس طرف جھک پڑے۔ مسلمانوں کے لئے بچاؤ کا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ انہوں نے بہ مجبوری صلح کی درخواست شرائطِ ذیل کے ساتھ نادینوں کو پیش کر دی۔ تاریخِ صقلیہ سے شرائطِ نقل ہیں :-

- ۱۔ عیسائی حکومت مسلمانوں کو کامل مذہبی آزادی دے گی۔
- ۲۔ بلرم کی تمام مسجدیں اپنی جگہ برقرار رکھی جائیں گی۔
- ۳۔ مسلمانوں کے لئے اسلامی قانون نافذ ہے گا۔
- ۴۔ مسلمانوں کے مقدمات مسلمان قاضی فیصلہ کرے گا۔

نادیوں نے شرائط منظور کئے مسلمانوں نے بلرم پر قبضہ دے دیا۔ عیسائیوں نے بُرجوں، فصیل اور پچاٹکوں پر پرچم اسلامی کے بجائے صلیبی جھنڈا نصب کر دیا۔ بلرم کی تسخیر کے بعد مازد و طرابلس کا رخ کیا۔ عبداللہ بن منکوت نے اہل بلرم کی طرح نادمنوں سے معاملہ کیا اور خود بادیدہؓ نم معہ اہل و عیال کے افریقہ صنهاجی فرمانروا کے پاس چلا گیا جہاں فوجی عہدہ پر سرفراز کیا گیا۔ یہ واقعہ ۳۶۴ھ کا ہے۔

غرضیکہ صقلیہ سے اسلامی حکمرانی کا خاتمہ اس طرح ہوا۔ ابن ثنہ کا خاتمہ ابن حواس نے کیا تھا اور ابن حواس جبرجنت میں تیر کا نشانہ بنا۔ ابن البعاع نے بلرم کو نادمنوں کے سپرد کیا۔ اب ابن منکوت نے حکومت سے دستبردار ہو کر دمی۔ نادمنوں کی باہمی تقسیم کی رو سے صقلیہ راجر ظالم کے قبضہ میں گیا اور رابرٹ بلرم اور سینا میں نصف حصہ کا شریک رہا۔

راجر نے خود مختار فرمانروا کی حیثیت سے حکومت کا نظم و نسق درست کیا اور چار برس بعد شمالی صقلیہ کے تمام شہر طبرمین، مرقوسہ پر متصرف ہو گیا۔ اس کے بعد جبرجنت (۳۸۱ھ) اور قسرایہ (۳۸۴ھ) سے لے لے یہاں کے مسلمانوں نے خوب خوب مقابلہ کیا۔ مگر قسمت سے لاجپاہ ہے۔ راجر نے رنوس اور نوٹس پر پوری قوت سے حملہ کر کے فتح کر لئے مگر یہ فتح شرائط کی صورت میں تھی جیسی بلرم میں کی گئی۔ بحر روم کے وسیع ترین جزیرہ صقلیہ سے مسلمانوں کی آخری فرمانروائی کا خاتمہ ہو گیا اور صقلیہ کے مسلمان عیسائی حکومت کی رعایا قرار پائے۔

صقلیہ و جزائر سے مسلمانوں کا اخراج

راجر اول نے پورے صقلیہ پر قبضہ کر لیا اور وہ تنہا فرمانروا بنے صقلیہ

۱۔ ابن الاثیر، جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۳ ۲۔ اخبار الاندلس جلد ۲ صفحہ ۵۹

۳۔ ابن الاثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۳۳ -

تسلیم کر لیا گیا تو مسلمانوں کو زیر کرنے کے لئے جنوبی اٹلی و ناروے سے رومیوں اور عیسائیوں کو صقلیہ لالاکر مسلمانوں کے پہلو میں آباد کیا۔ اس کے ساتھ ہی مذہب اسلام کی اشاعت قانوناً ممنوع کر دی اور تمام صنعت و حرفت و تجارت اور معاش کے عام شعبوں سے مسلمانوں کو علیحدہ کر کے عیسائیوں کو سپرد کر دیئے۔ اور زمینداریاں جو مسلمانوں کے قبضہ میں تھیں، لاجرم ظالم نے اُن سے چھین کر نوآباد عیسائیوں کو سپرد کر دیں۔ مسلمان مزدور پیشہ کاشت کار کی حیثیت سے رہ گئے۔ ذی اثر و معزز مسلمانوں نے جزیرہ صقلیہ کو خیر باد کہا اور افریقہ، مصر اندلس میں جا کر اقامت پذیر ہو گئے۔ بہت سے کمزور مسلمان آغوش عیسویت میں جا کر بظاہر مصائب سے بچ گئے اور عقبتی کو برباد کر لیا۔

بلرم، نوٹس، جبرجنت میں مسلمانوں کو کچھ آزادی تھی اور وہ ارکان مذہب ادا کر سکتے تھے اور مقدمات بھی اسلامی قانون کی رو سے طے ہوتے تھے۔ قہرانیہ سرقوسہ، مسینا، وغیرہ میں مسلمان بدتر حالت سے زندگی گزار رہے تھے۔ بلکہ مسینا معزز مسلمانوں سے خالی ہو گیا تھا۔ صرف قلیوں کی حیثیت سے رہ گئے تھے۔ یہ لاجرا اول نے معاہدہ کا پھل مسلمانوں کو دیا تھا۔ آخرش وہ ۲۲ جون ۱۱۶۱ء، ۹۹۴ھ کو مر گیا اور اس کا بڑا لڑکا ساٹھ سالین ہوا جو دو برس سے زیادہ زندہ نہ رہا۔ اس کے بھائی لاجرد دوم نے تخت سنبھالا۔ یہ ۹۹۹ھ میں تخت نشین ہوا۔ مگر زمام حکومت ۱۰۰۶ھ میں ہاتھ میں لی۔ اس کی توجہ جنوبی اٹلی کی فتوحات کی طرف زیادہ تھی۔ فرانس اور انگلستان سے معرکہ آراء رہا جس کی وجہ سے بالآخر اُس نے سلطنت کلیسا سے اپنی حکمرانی تسلیم کرالی جس کے بعد سے یہ نادر من فرمانروائے صقلیہ شاہ کے لقب سے متصف ہوا اور یورپ کے ممانہ بادشاہوں میں شمار کیا گیا۔

لے ابوالفداء

راجہ نے راجہ اول کے ظالمانہ طریقہ کو رد کیا، نہ دکھا بلکہ ملک کی حالت کا جائزہ لیا تو اس نے اندازہ کر لیا کہ اہل عقلیہ یا رومی ملک کو خوشحال رکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ جو لوگ ننھے لاکھ بیسائے گئے تھے وہ اعلیٰ تہذیب و شائستگی سے معرا تھے۔ اس نے مسلمانوں کو نواز اور نظام حکومت میں شریک کیا۔ تجارت اور صنعت و حرفت میں پھر مسلمان در آئے۔ اب مسلمان معززہ شہریوں کی زندگی بسر کرنے لگے۔ راجہ نے وہی سب مراسم و لوازم بادشاہی اختیار کئے جو سابق مسلمان فرمانروائے عقلیہ کے یہاں جاری تھا۔

مسلمانوں نے حکومت سے کامل اشتراک عمل کیا۔ غرضیکہ مسلمانان عقلیہ نے ملکی نظم و نسق میں برابر کا حصہ لیا بلکہ فوج میں معززہ عہدے قبول کر کے نامن قوت کو دوبالا کر دیا۔ ان دنوں نامنوں کا بیڑا بحردوم کے تمام بیڑوں میں مضبوط پڑا بن گیا اور اٹلی کے ٹھوبوں پر تاخت شروع کر دی۔ دوسری طرف بحردوم کے اسلامی مقبوضات کو مسلمانوں سے چھین چھین کر نامنوں کے زیر علم لانے لگے۔ غرضیکہ اسلامی جزائر اور شمالی افریقہ کے زرخیز علاقے نامنوں کے قبضہ میں چلے گئے۔ مسلمانوں کے اشتراک عمل سے راجہ دوم نے ۱۱۳۰ء میں شاہ عقلیہ و ایتالیہ کا لقب حاصل کر لیا اور سلطنت کلیسا کی جانب سے اس کی تاجپوشی ہوئی اور راجہ دوم کی حکومت نے یورپ کی ممتاز ترین اور مستحکم ترین حکمرانوں پر تفوق حاصل کر لیا۔ ۱۱۵۰ء

راجہ دوم ۱۱۵۰ء میں اپنے لڑکے ولیم کے حق میں حکومت سے دستبردار ہو گیا اور تین برس بعد ۱۱۵۳ء میں فوت ہو گیا۔

ولیم اول کچھ عرصہ باپ کے قدم قدم چلا۔ مسلمانوں سے حسن سلوک روا رکھا مگر لوپ ایڈرین چہارم کو ولیم کی یہ زندگی پسند نہ تھی اس نے بغاوت کرادی۔

۱۱۳۳ء ابن اثیر جلد ۱، ص ۱۳۳۔

ولیم نے واقعات کو سمجھ کر پوپ سے صلح کر لی اور مسلمانوں سے تعلقات منقطع کر لئے۔ آخرش اس نے ۱۱۶۶ء میں وفات پائی اور اس کا لڑکا ولیم دوم برسرِ حکومت آیا۔ اس کی پرورش اسلامی ماحول میں ہوئی تھی۔ وہ مسلمانوں سے مانوس تھا اس نے اپنی حکمرانی میں مسلمانوں کو بہت بڑھایا چڑھایا۔ اس کی زندگی ایک مسلم فرمانروا کے مشابہ تھی۔

ابن جبیر اسی کے عہد ۱۱۸۳ء، ۱۱۸۴ء میں صقلیہ آیا اور چار ماہ مقیم رہا۔ اس جگہ ہم ابن جبیر کے سفرنامہ سے اس وقت کے حالات نقل کرتے ہیں:-
 ”صقلیہ کا فرمانروا علیام (ولیم) ہے جو مسلمانوں کو نوکر رکھتا ہے اور خواجہ سراؤں کو اپنی خدمت میں رکھنا پسند کرتا ہے۔ یہاں کے تمام مسلمان خوف سے اپنے عقیدہ کو چھپاتے ہیں۔ ولیم کو مسلمانوں پر بہت اعتماد ہے وہ اُن سے تمام ضروری کاموں میں مدد لیتا ہے یہاں تک کہ اس کے باورچی خانہ کا داروغہ بھی مسلمان ہے۔ بہت سے حبشی مسلمان غلام اس کی خدمت میں رہتے ہیں۔ ان پر انہی میں سے ایک افسر ہے۔ خواجہ سرا ہی اس کے صاحب اور وزیر ہیں اور وہی اس کے درباری اور دار کا بن دولت ہیں۔ اس کی سلطنت کا جاہ و جلال اور ذیاب وزینت اُنہی سے ہے۔ وہ نہایت فاخرہ لباس پہنتے اور اصریل گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ عیسائی فرمانرواؤں میں حکومت اور جاہ و ثروت کے لحاظ سے ولیم کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔“

مگر مسلمان اپنے مذہب کی اشاعت نہیں کر سکتے اور یہ سب عیش و عشرت ان کے لئے مصیبت ہے مسلمان خواجہ سرا عبدالمسیح سے ملاقات ہوئی اس نے کہا کہ تم کھلم کھلا مسلمان ہو اور جو کام کرنا چاہو آزادی سے کر سکتے ہو۔ مگر ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اپنے عقیدہ کو چھپاتے اور اپنی جان کا خوف کرتے ہیں۔ ہم اسلام کے فرائض چھپ کر

بجالاتے ہیں۔ غلامی کا طوق ہماری گردن میں ہے۔ جزیرہ صقلیہ کے مسلمانوں کا یہ حال سن کر ہم پر رقت طاری ہوئی۔“

مسلمانوں کے قدیم تمدن کا اثر یہاں تک صقلیہ کے عیسائیوں پر تھا کہ عیسائی عورتیں مسلمان عورتوں کا لباس اور زیور پہنتی تھیں۔

ایک افسوس ناک حال یہ بھی ہے کہ جو ابن جبیر نے لکھا ہے کہ یہاں کے مسلمان اب عیسائی ہونے کو مسلمان رہنے پر ترجیح دیتے ہیں۔ غرضیکہ مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی تھی۔

ولیم ثانی کے مرنے کے بعد ٹانکرہ صقلیہ کا حکمران بنا۔ ۱۱۹۰ء، ۵۸۶ھ میں تاجپوشی ہوئی۔ شہنشاہ ہنری ششم سے اس کی جنگ چھڑ گئی، فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ ۱۱۹۱ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کا لڑکا ولیم ثالث جانشین ہوا تو اس کو بھی ہنری ششم سے مقابلہ کرنا پڑا۔ ہنری راجراول کا داماد تھا۔ چنانچہ وہ اٹلی میں داخل ہوا۔ نازوں کے مقبوضات ایطالیہ و صقلیہ کا باسانی ہاک بن بیٹھا۔ ولیم ثالث نے اپنا تاج اس کے سپرد کر دیا مگر پھر بھی ہنری نے اس کو اندھا کر دیا۔ اس پر صقلیہ سے ناز من حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

ہنری ششم شہنشاہ جرمنی فریڈرک اول کا لڑکا تھا۔ اس نے صقلیہ کی عنان حکمرانی ہاتھ میں لے کر ملک کی حالت کو سدھار دیا۔ کچھ عرصہ رہ کر جرمنی چلا گیا اور اپنی بیوی کو انتظام ملک سپرد کر گیا۔ مگر پاپائے اعظم اور مقدس راہبوں نے صقلیہ کے نصرانیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ چنانچہ ہردو میں جنگ چھڑ گئی۔ کئی ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ حکومت نے عیسائیوں کی معاونت کی۔ مسلمان یہ دنگ دیکھ کر بلرم وغیرہ سے نکل کر جنگلوں میں جا بسے اور اپنی منتشر قوت کو یکجا کیا اور پہاڑوں پر قلعہ بنائے اور شہر کے نصرانیوں اور حکومت کی فوجوں پر موقع پا کر جارحانہ حملے کرتے رہے۔ بیس سال تک یہ عمل رہا۔

اس اثناء میں ہنری ۱۱۹۴ء میں مر گیا۔ اس کا لڑکا فریڈرک جانشین ہوا۔ اس

نے مسلمانوں سے مصالحت کر لی اور ان کو بلرم اور سیرا میں آباد کیا۔

ادھر دولتِ حفصیہ افریقہ کے حکمران سلطان ابوزکریم یاسینی کے فریڈرک دوم سے دوستانہ مراسم ہو گئے جس کی وجہ سے مسلمانانِ صقلیہ کے ساتھ حکومتِ ہسپانویہ کے پہلے سے کچھ غنیمت رہا۔ سلطان ۱۱۹۷ء میں راسی ملک بچا ہوا تونسویوں نے بلرم کے مسلمانوں کو تہ تیغ کرنا شروع کیا تو مسلمان جان بچا کر پھر جنگلوں میں چلے گئے۔ مگر فریڈرک کی فوج نے گھیرا ڈال کر ان کی راہیں مسدود کر دیں۔ آخر شہزادوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ فریڈرک نے تمام بقیہ صقلوی مسلمانوں کو سرزمینِ صقلیہ سے جلا وطن کر دیا۔ یہ لوگ (بوجارہ) نو سیرا جا کر آباد ہو گئے۔ ۱۱۹۷ء

فریڈرک ظالم نے صقلیہ سے مسلمانوں کو نکال کر مالٹا کے مسلمانوں کو بھی جلا وطن کر دیا۔ وہ بھی نو سیرا آ گئے۔

”ہسٹورین ہنٹری آف دی ورلڈ“ میں ہے :-

”فریڈرک دوم کی پالیسی سے ساٹھ ہزار عرب پولیا کے شہر نو سیرا میں منتقل کر دیئے گئے“ ۱۱۹۷ء

نو سیرا اٹلی کا علاقہ تھا اور یہ مسلمانانِ صقلیہ کا سب سے آخری خواب گاہ رہا۔

غرضیکہ چارلس دوم نے سابقہ حکومت سے بڑھ کر ظلم مسلمانوں سے توڑے۔ نو سیرا کے مسلمان جبریہ عیسائی بنائے گئے۔ ۱۱۹۷ء، ۱۱۹۸ء میں اس علاقہ سے بھی اسلامِ انصافت ہو گیا۔

بہر حال مسلمانانِ صقلیہ کا حسرت ناک انجام یہ ہوا۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جن کے اسلاف نے یورپ میں اپنی تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کی اشاعت کی۔ ان کے جہل کو دور کیا۔ مگر اس احسان کا بدلہ ان کے اخلاف سے ننگِ انسانیت

علمبردارانِ انسانیت نے یہ لیا کہ اہلِ مقلیہ پر طرح طرح کے ظلم توڑے اور ان کو گھر سے بے گھر کیا۔ ان کے علمی آثار مٹائے، حتیٰ کہ قبریں تک کھدوا دیں تاکہ نام و نشان بھی ارضِ مقلیہ پر مسلمانوں کا نہ رہے۔

۴

نوٹ :- چارلس دوم شاہِ فرانس لوئی نہم کا بھائی تھا۔ پوپ اربن چہارم نے ۱۳۰۱ء میں مقلیہ کا تاج و تخت مینفرڈ جرمنی سے چھین کر چارلس کو عطا کیا۔ فریڈرک نے کانڈ چہارم کے لئے وصیت نامہ لکھ دیا تھا کہ جرمنی اور مقلیہ کا بادشاہ میرے بعد ہو۔ چنانچہ تھوڑے عرصہ حکمرانی کے وہ ۱۳۵۴ء میں مر گیا۔ اس کا جانشین دو سالہ بچہ کانریڈ بن ہوا۔

مگر اس کے سوتیلے چچا مینفرڈ نے حکمرانی اپنے ہاتھ میں لے لی جس نے مسلمانوں کی معاونت سے پوپ اربن کو شکست دی۔ یہی وجہ تھی کہ پوپ نے چارلس پر عنایت مبذول کی۔



دولتِ فاطمیہ پر ایک نظر

دولتِ فاطمی کا سب سے پہلا حکمران ابو محمد عبید اللہ مہدی بن محمدؑ ہوا۔ اس حکومت کے قیام میں صرف ابو عبد اللہ یحییٰ اور ابو العباس شیعہ کی جان توڑ مساعی کو زیادہ دخل ہے۔ ورنہ محمد عبید اللہ مہدی اور اس کے بیٹوں کی زندگی کا خاتمہ بجلانہ (افریقہ) کے قید خانہ میں ہو چکا تھا۔ جہاں امیر بجلانہ یسوع نامی نے ابو نصر زیادہ اللہ غلبی کے اشارہ سے بحکم خلیفہ عباسی ان کو قید کر دیا تھا۔ قدرت کی ستم ظریفی کہنے یاد دہانی سیاست کا ظالمانہ اور تباہ کن اصول کہ اس مہدی نے اپنے ان دونوں محسنوں کو اقتدار ملنے کے بعد بقول ابن اثیر و ابن خلکان اس شبہ میں کہ وہ مہدی کے خلاف پراپیگنڈا کر رہے تھے ۳۱۸ھ مطابق ۹۱۰ء میں قتل کر دیا۔ غرضیکہ مہدی نے ابتداءً اپنا پلئے تخت ”قادہ“ قرار دیا۔

عبید اللہ مہدی نے اپنی حکمرانی کے سات سال بعد بقول ابو الفدا ۳۰۳ھ مطابق ۹۱۵ء میں اپنے پائے تخت کو ساحل کے متصل ایک چھوٹے سے جزیرہ میں منتقل کر کے اس کا نام ”مہدیہ“ رکھا اور اس کو ہر طرح سے مکمل اور مستحکم کیا۔ اسی عرصہ میں مہدی نے ۳۰۶ھ مطابق ۹۱۴ء میں اسکندریہ پر اپنے لشکر سے حملہ کیا لیکن مقتدر باللہ کی فوجوں نے جو اس کے مشہور خادم مونس کے زیر قیادت تھیں، شدید نقصان سے اس کو پسپا کیا۔ اس حملہ کے چار سال بعد ۳۰۶ھ مطابق ۹۱۸ء میں مہدی نے پھر مصر پر حملہ کیا اور اپنے بیٹے قائم کی قیادت میں ایک زبردست فوج سمندر کے راستے سے روانہ کی۔ جس نے ابتداءً اسکندریہ پر قبضہ کر لیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں مقتدر باللہ کی کمک پہنچنے کے بعد مونس خادم نے قائم کو شکست فاش دی۔ اس شکست کے بعد پھر مہدی نے مصر پر حملہ

کی جرات نہ کی اور مہدیہ میں رہ کر بحیرہ روم کے جزائر صقلیہ وغیرہ پر حکمرانی کرتا رہا۔
چوبیس سال حکمرانی کے بعد ۳۲۲ھ میں بعمر تریسٹھ سال بعد راضی باللہ عباسی اس کا
انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا ابوالقاسم محمد الملقب بہ قائم بامر اللہ اس کی جگہ پر
تخت نشین ہوا۔

قائم نے تخت نشینی کے ایک سال بعد بحری راستہ سے اٹلی کے مشہور ساحل جنووا
پر حملہ کر کے اس کو فتح کر لیا۔ اس کی تخت نشینی کے گیارہ سال بعد مراکو کے قبیلہ ”زناتہ“
کے ایک شخص ابو یزید خادجی نے قیروان میں ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالی۔ جس کا
بنیادی اصول یہ تھا کہ جملہ مسلمان کافر اور ان کا مال اور خون حلال۔ مرکزیت کے فناء
ہو جانے کی وجہ سے چونکہ افریقہ اس وقت ایک حد تک طوائف الملوک کی کے دور
سے گزر رہا تھا اس لئے ابو یزید خادجی کو اپنے مسلک میں کامیابی ہوئی۔ اور اُس نے
ایک بڑی جماعت منظم کر کے قائم پر حملہ کر دیا اور ٹیونس، قیروان اور رقادہ پر قبضہ
کر لیا اور قائم ”مہدیہ“ میں محصور ہو گیا۔ اسی زمانہ جنگ و جدال اور حصار میں
قائم کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا اسماعیل منصور باللہ ۳۲۷ھ میں تخت پر
بیٹھا۔ اُس نے ابو یزید کا پیچھا کر کے آخر کار ۳۳۶ھ میں اس کا خاتمہ کیا اور ملک
کو اس کی لعنت سے بچایا۔

منصور باللہ کا بعمر اثنالیس سال ۳۴۱ھ میں سات سال حکمرانی کے بعد
انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا بعمر چوبیس سال ابونعیم محمد الملقب بہ معز الدین باللہ
تخت نشین ہوا۔ بنو فاطمہ کا یہ پہلا حکمران تھا جس نے خلافت پر لوگوں سے بیعت لی۔
بنو عباس کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر معز الدین نے اپنے مقلی غلام جوہر کی قیادت
میں لشکر اور بیڑا تیار کر کے اپنے پردادا کی ڈالی ہوئی داغ بیل کی تکمیل کی اور ۳۵۰ھ
۳۵۹ھ مطابق ۹۶۹ء میں نہ صرف پورے مصر پر قبضہ کیا بلکہ شام بھی فتح کر لیا۔ اور جس
طرح قاہرہ کی مسجد جامع ابن طولون میں اپنا خطبہ پڑھوایا۔ اسی طرح جامع مسجد دمشق میں بھی
کیا۔ اب ان دونوں صوبوں سے بنو عباس کا گویا نام بھی گیا۔

علویہ حکومت میں گویا یہ پہلا شخص تھا جس نے توسیع حکومت کے بعد ہی نہ صرف خلیفہ کا لقب اختیار کیا بلکہ ہمدیہ کو چھوڑ کر مصر چلا آیا اور قاہرہ کو پایہ تخت قرار دیا جہاں بقول ابو الفداء بتادیک ۵۷۵ھ رمضان ۲۶۵ھ مطابق ۹۷۵ء داخل ہوا اور افریقہ (ٹیونس) طرابلس الغرب اور صقلیہ کو صوبہ جات قرار دے کر ان پر علی الترتیب بربری قبیلہ صنهاجہ کے مشہور اشرافیہ بلکین بن زبیری، عبداللہ بن بجلت کتائی اور ابوالقاسم بن الحسن کو صوبہ دار مقرر کر دیا۔

اس کے بعد سے یکے بعد دیگرے دس خلیفہ عزیز، حاکم، طاہر، مستنصر، مستعلی، عامر، حافظ، ظافر، فائز، عاضد تخت خلافت مصر پر بیٹھے۔

اس طرح بنو فاطمہ کے چودہ حکمران ہوئے جنہوں نے ۲۹۶ھ تا ۵۶۷ھ تک دو سو بہتر سال حکمرانی کی۔ ابتدائی محض امیر کہلائے۔ البتہ چوتھے حکمران معز الدین باللہ سے خلافت کا سلسلہ چلا جو ۵۶۷ھ میں عاضد الدین باللہ کے خاتمہ سے چند روز پہلے ہی سے ختم ہو گیا تھا۔ کیونکہ بقول ابو الفداء صلاح الدین نے مصر کی وزارت کے بعد سلطان نور الدین والی دمشق کے حکم سے محرم ۵۶۷ھ سے پہلے جمعہ کو تمام ہی مساجد مصر میں خلیفہ مستنصر باللہ عباسی کے نام کا پڑھوایا پڑھوایا اور عبیدیر یا بنو فاطمہ کا خطبہ سدود کیا۔ بنو فاطمہ کے آخری خلیفہ عاضد الدین باللہ کے حالات زندگی کا مختصر ذکر کرتے ہوئے ابن خلدان لکھتا ہے :-

”بنو فاطمہ کے ابتدائی حکمران نے علمائے وقت سے درخواست کی کہ وہ خلفائے بنو فاطمہ کے لئے چند موزوں القاب لکھ دیں تاکہ ہر خلیفہ ان القاب میں سے کسی ایک لقب کو اختیار کرے۔ چنانچہ انہوں نے چند القاب لکھ دیئے۔ انہی میں عاضد بھی تھا یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہ لقب آخری خلیفہ نے اختیار کیا۔ لغت میں اس کے معنی توڑنے والے کے ہیں۔ گویا حکومت کو توڑنے والا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حکومت پاش پاش ہو گئی۔“

خلفائے فاطمیہ

۲۹۷ - ۵۶۷ھ

۵۶۷ھ	عبد اللہ مہدی	۵۶۷ھ	مستنصر	۵۶۷ھ
۵۷۷ھ	قائم	۵۷۷ھ	مستعلی	۵۷۷ھ
۵۸۵ھ	منصور	۵۸۵ھ	آمر	۵۸۵ھ
۵۹۴ھ	معز باللہ	۵۹۴ھ	حافظ	۵۹۴ھ
۶۰۴ھ	عزیز	۶۰۴ھ	ظافر	۶۰۴ھ
۶۱۱ھ	حاکم	۶۱۱ھ	فاخر	۶۱۱ھ
۶۱۱ھ	ظاہر	۶۱۱ھ	عاضد الدین باللہ	۵۵۵ - ۵۶۷ھ

بقول ابن خلکان عاضد الدین باللہ کا دوشنبہ ۱۱ محرم ۵۶۷ھ کو انقطاع خطبہ کے تیسرے روز انتقال ہو گیا اور صلاح الدین، سلطان نور الدین والی دمشق کی طرف سے سیاہ و سفید کا مالک بن گیا۔ اس کے دو سال بعد ۵۶۹ھ میں جب سلطان نور الدین کا انتقال ہو گیا تو صلاح الدین دمشق وغیرہ کا بھی حکمران ہو گیا اور اس طرح سلطان صلاح الدین کے لقب سے ملقب ہوا۔

بقول ابن خلکان سلطان صلاح الدین کے جنگی کارناموں کے ساتھ ساتھ علمی کارنامے بھی بے شمار ہیں۔ علاوہ ان مدارس اور اوقاف کے جو سلطان نور الدین نے دمشق وغیرہ میں جاری کئے تھے۔ سلطان صلاح الدین نے مصر کو جامع العلوم بنادیا تھا۔ بنو فاطمہ کے حکمرانوں نے جتنی زیادہ اس طرف سے غفلت برتی تھی اسی قدر اس نے اس طرف توجہ کی اور بہت سے مدارس اور اوقاف اور شفاخانہ جات مختلف ناموں سے مصر و نیز بیت المقدس میں قائم کئے۔ لیکن کسی کو اپنے نام سے منسوب نہیں کیا۔ فی الحقیقت خفیہ صدقہ اسی کو کہتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو اپنی ذاتی شہرت کا خیال مطلقاً نہیں تھا۔ بلکہ خدمت اسلام و انسان اس کا مسلک تھا۔

اپنے عروج اور اپنی خود مختاری کے بعد وہ اپنے اور اپنی اولاد کے لئے بہت کچھ کر سکتا تھا۔ لیکن بقول ابن خلدان :-

”مرنے کے بعد اس سلطان کے ذاتی خزانے میں سوائے سینتالیس درہم کے نہ سونا تھا نہ چاندی تھی۔ بوقت موت اپنے وارثوں کے لئے نہ کوئی مکان چھوڑا، نہ باغ، نہ زمین، نہ جاگیر“
مفصل حالات تاریخ ملت حصہ دوم (تاریخ مصر) میں لکھے جا چکے ہیں۔

عمرِ کلبیہ

اغالبہ کے زوال کے بعد فاطمیوں کا دور صقلیہ پر آیا جس میں اشاعتِ اسلام اور فتوحات کا دائرہ محدود ہو کر رہ گیا۔ افریقہ میں فاطمیوں نے جو ظلم و جور دوسرے فرقِ اسلامیہ پر روا رکھے تھے انہی کا اعادہ صقلیہ میں بھی روا رکھا۔ شیعیت کو بہت کچھ پھیلا نا چاہا مگر عوام میں مقبولیت نہیں ہوئی۔ البتہ قاضی، مفتی معزول کر دیئے گئے۔ مذہبی تشدد و خوف ناک طریقہ پر تھا۔ افریقہ میں خلفائے بنی فاطمہ کے ولایت صقلیہ نے علماء و اصحابِ فضل ابوالقاسم طرزی، قاضی صقلیہ اور ابوالعباس بن بطریقہ کو کوڑے لگوائے۔ ابنِ بذیل اور ابراہیم بن بردوم کو تہ تیغ کیا گیا۔ قلعوں اور مسجدوں میں جو بانیوں کے نام کندہ تھے ان کو مٹا کر خلفائے فاطمی کے نام لکھے گئے۔ مگر شیعیت صرف حکام اور ولایت تک محدود تھی۔ عوام سب تنفی و مالکی مذہب کے ماننے والے تھے۔ البتہ یہ ہوا کہ اسلامی گرفت ڈھیلی ہو گئی اور پہلا سا شغف باقی نہ رہا۔

مسلمانانِ صقلیہ

صقلیہ میں اہل عرب اور بربر قوم کا ورود ۳۲۳ھ سے شروع ہوا۔ جب صقلیہ کا علاقہ زیرِ نگیں آتا گیا قبائل عرب، قریش، بنو کندہ، بنو فہر، بنو حنظلہ، اوس و خزرج اور افریقہ کے بربر آکر مقیم ہوتے رہے۔ بنو تمیم، بنو کلب فرمانروا

خاندان کی حیثیت سے ممتاز تھے۔ انہی میں اکابر علماء بھی تھے۔ عرب کے دیگر قبائل ریجی بکری، ودانی، سہمی، معافری، کنانی، لخمی، قیس یہاں آکر آباد ہوتے گئے۔ بربر میں بنو کتاہ، بنو طرزی۔ ان کے علاوہ موالی اور نو مسلم متقلین تھے۔

عربوں کی تہذیب و تمدن کا اثر نو مسلم متقلین پر بھی پڑے بغیر نہ رہا۔ وہ بھی اسلامی خوبیوں سے متصف ہو گئے۔ اسلامی آبادی زیادہ تر بلرم دارالحکومت میں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ بلرم متقلیہ میں مثل قرطبہ و غرناطہ کے تھا۔ کثرت سے مساجد، حمام، مدارس، محلات یہاں مسلمانوں نے تعمیر کئے تھے۔ یہ پُر رونق شہر بن گیا تھا۔

دارالحکومت

بلرم متقلیہ کا شیراز تھا۔ شہر کی محلہ وار تقسیم تھی۔ سرکاری عمارتیں، جداگانہ دفاتر امراء کے عالی شان محل، مکانوں کے ارد گرد چین بندیاں، نہایت بخش فوارے، مرمریں و سنگ رخام کی سڑکیں، پُر رونق بازار، کثرت سے نہریں تھیں جو بڑی عمارت کے خانہ باغ میں سے گزرتی تھیں۔ ہوٹل، حمام، جابجا، کثرت سے مساجد جن میں سے تین مشہور تھیں۔ جامع مسجد بڑی شاندار تھی۔ قصر سعد، قصر جعفر خوبصورتی کے اعتبار سے لاجواب محلات تھے۔ ان کے علاوہ بہت سے امراء کے اور دُلّاء کے محلات تھے۔

بلادِ متقلیہ

بلرم :- یہ دارالحکومت تھا اور مثل قرطبہ کے تھا۔
شہر محلہ :- بلرم سے ۲۵ میل جانب جنوب تھا، زرعی و تجارتی حیثیت تھی۔
شغادی :- شہر سے ۲۵ میل پر آباد تھا اور گرد پہاڑ سے محیط ہے۔
ہسینا :- بلرم کے بعد دوسرا مرکز شہر تھا۔ یہ بڑی بندرگاہ تھی۔
طبوہ مین :- کوہ آتش فشاں کے دامن میں تھا، یہاں سونے کی کان تھی۔

قطانیہ :- یہ تجارت کی بڑی منڈی تھی ۔

لیاج :- کوہِ آتش فشاں کے مشرق میں تھا ۔

لینتنی :- سمندر سے چھ میل تھا ۔

سہر قوسہ :- جنگی قلعہ تھا یہ علماء کی بستی تھی ۔

شکلہ :- ساحلِ سمندر سے تین میل تھا ۔ تجارتی جگہ تھی ۔

العوص :- شکلہ سے ۱۳ میل پر واقع تھا ۔

بثیرہ :-

لنباذہ :-

شاقہ :- جرجنت سے ۲۵ میل ساحل پر آباد تھا ۔

مانہرہ :- صقلیہ کا سب سے پہلا اسلامی شہر ہے یہ تجارتی حیثیت

سے افریقہ اور صقلیہ کا نقطہ اتصال تھا ۔

طرابلس :-

قلعہ اوبی :- ساحل کا اوسط درجہ کا شہر تھا ۔

جرجنت :- ساحل سے تین میل پر یہ شہر تھا ۔ جو آباد اور

پُر رونق تھا ۔

نوطس :- سمندر سے آٹھ میل پر آباد تھا، یہاں زراعت اور

صنعت و حرفت ترقی پر تھی ۔

قصریانہ :- یہ رومیوں کی یادگار سے ہے ۔

علقہ :- بلرم اور طرابلس کے راستہ پر تھا ۔

علمائے صقلیہ

صقلیہ کا علمی دور

صقلیہ یونان اور رومیوں کے عہد میں بھی علوم و فنون کا مرکز رہا ہے مگر مسلمانوں کے دور و مسعود سے پہلے ہی تمام آثارِ علمیہ مٹ چکے تھے۔ جہالت کا عمل دخل تھا۔ عیسائی علماء اور اساقفہ اپنے اقتدار کی خاطر عوام کو جاہل بنائے رکھنا ضروری سمجھتے تھے۔ مسلمانوں کے قدم پہنچتے ہی علم کی روشنی پھیلنے لگی۔ بڑے بڑے علماء عالمِ اسلامی سے یہاں آ گئے۔ انہوں نے علومِ قرآن، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، اصولِ حدیث، کلامِ مناظرہ، مغازی، تاریخِ درجبال، صرف و نحو، ادب و لغت اور طب کی عام اشاعت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل صقلیہ میں اصحابِ فضل و کمال کثرت سے پیدا ہوئے۔ اس جگہ انہی اساطینِ علم کے حالات مختصرًا تحریر کئے جاتے ہیں۔

تذکرہ اربابِ فضل و کمال

ابن الحکام شیخ ابو حفص بن عبد النور المعروف بابن الحکام: اپنے وقت کے جید عالم تھے۔ قاضی عیاض کو ان کے علم و فضل کا اعتراف ہے اور ابنِ قطان نے ایک قصیدہ ان کی مدح میں لکھا ہے۔ شرح المدونہ، انتقاد علی التونسی فی الف مسئلہ۔ مختصر کتاب التمامات آپ کی یادگار سے ہیں۔

ابن صاحب الخمس ابو محمد: مختلف علوم میں دستگاہ تھی۔ ابوالقاسم عبد الرحمن بن محمد معافری جو قاضی عیاض کے اُستاد تھے ان سے تلمذ رکھتے تھے۔ علمِ حدیث کی اشاعت آپ سے صقلیہ میں خوب ہوئی۔

اس کے علاوہ اصولِ فقہ و فرائض میں ملکہ خاص تھا، امام سمجھے جاتے تھے مگر فتویٰ دینے میں محتاط تھے۔

ابن ابی الفرج ذکی مازری :- پورا نام شیخ ابو عبد اللہ محمد بن ابی الفرج ذکی تھا۔ فقہ علماء مازر سے حاصل کی۔ قیروان جا کر قلعہ بنی حماد میں قیام کیا۔ ابوالقاسم سیوری اور علامہ غرقی سے بقیہ علوم کی تحصیل کی۔ درس و تدریس شغل تھا۔ ابوالفضل ابن لغوی قاضی ابو عبد اللہ بن داؤد تلامذہ میں سے تھے۔ علوم ادب و کلام میں بھی امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ کتاب تعلیق و رسالہ اعتراضات بر فتاویٰ سیوری یادگار سے ہیں۔

ابن حجر :- ابوزید عبد الرحمن بن علی بن محمد قرشی معروف بابن حجر، ساتویں صدی کے فقہائے صقلیہ سے تھے۔ قیام بجایہ میں تھا۔ ابتدائی علوم تحصیل کر کے افریقہ گئے۔ ابوزید عبد الرحمن بن اسمعیل بن حداد تونس سے علم فقہ حاصل کیا۔ نحو و لغت میں بڑے ماہر مشہور تھے۔ بجایہ میں درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ طبعی عمر پاکر وصال ہوا۔

ابن حیون شکلی :- ان کا پورا نام الحاج الخطیب ابو عبد اللہ محمد بن علی بن محمد بن حسن بن حیون شکلی، فن فقہ کی تحصیل کے بعد مراکش گئے۔ شیخ الاسلام کے عہدے پر سرفراز ہوئے۔ صقلیہ میں آپ کی ذات سے علوم اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی۔ فقہ کو بڑا فروغ ہوا۔ ۹۶۰ھ میں انتقال ہوا۔

ابن المودب عبد اللہ بن ابراہیم بن مثنیٰ طوسی :- اصل وطن قیروان تھا۔ علم ادب حاصل کر کے والی صقلیہ ثقہ الدولہ کی علماء پروری سن کر وطن سے صقلیہ آیا اور ثقہ الدولہ کی خدمت میں بادیاب ہوا۔ مگر اس کی قدر دانی کچھ نہ ہوئی جس پر اس نے اس کی بجو لکھ ڈالی۔ آخر خارج البلد کر دیا گیا۔

ابن کلاعی ابو العباس احمد بن کلاعی :- فقیہ، علم و ادب کا متبحر عالم تھا۔ اور اس کے ساتھ ذوق شاعری رکھتا تھا۔ بقیہ احوال میسر نہ آ سکے۔

ابن فہام مقری :- علم نحو کا بڑا ماہر تھا۔ ابن ناشاد نحوی سے تلمذ اختیار کیا تھا، اس کی تالیفات نحو میں تھیں۔ علمائے نحو میں خاص شہرت تھی۔

ابن رشیق ابو علی حسن بن رشیق :- وطن اصلی قیروان تھا مگر تمام عمر صقلیہ

میں گزاردی۔ کتاب العمدہ آپ کی بہترین یادگار ہے۔ اس کے علاوہ کتاب الشذوز فی اللغة، میزان العمل، الروضۃ الموشیۃ، کتاب المساوی، مختصر الموطا، الموزن اللغة، تاریخ قیروان، دیوان ابن شلیق۔ یہ کتابیں اس کی تالیفات سے ہیں۔ ابن شلیق نے ماہ میں ۳۲۳ھ میں وفات پائی۔

ابن القطاع :- ابوالقاسم محمد بن علی معروف بابن القطاع۔ یہ زیادۃ اللہ بن محمد الاغلب والی افریقہ کی اولاد سے تھا۔ جب اس کے اسلاف سے حکمرانی گئی تو ابن القطاع کے جدا افریقہ سے اسپین چلے گئے۔ پھر یہ خاندان صقلیہ منتقل ہو گیا۔ اعلیٰ خاندان فرمانروائی کے ساتھ علم و فضل سے دلی لگاؤ رکھتا تھا۔

ابن القطاع ۴۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔ صقلیہ میں علم و ادب کا چرچا تھا۔ ابوبکر محمد بن علی بن حسن بن عبدالبر لغوی سے تمام اصناف ادب کی تحصیل کی اور خود ذاتی مطالعہ سے لغت و نحو میں صاحب کمال ہوئے۔ جوہری کی مشہور کتاب صحاح اپنے استاد سے پڑھی تھی اور اس کی ترویج میں سرگرم سعی کی۔ ابن خلدان کہتا ہے :-

”وہ مشہور علماء میں سے تھا، ادب میں یدِ طولیٰ رکھتا تھا۔ ائمہ ادب خصوصاً اہل لغت میں سے ایک تھا اور علمِ نحو میں غایت درجہ بلند رتبہ رکھتا تھا۔“

نازمی غلبہ سے وطن سے نکل کر مصر گیا۔ الامر باحکام اللہ فاطمی (۴۹۹ھ - ۵۲۴ھ) کا زمانہ تھا۔ اس کے وزیر افضل بن امیر الجیوش بدر الجہالی نے اپنے لڑکے کی اتالیقی پر مامور کیا۔ حواشی صحاح جوہری، کتاب الافعال، کتاب الاسماء، کتاب الابنیہ، کتاب السیف، کتاب القصار و اسمائہم وصفائہم، کتاب العروض۔ یہ کتب اس کی یادگار سے ہیں، ماہ صفر ۵۱۵ھ میں انتقال کیا۔ ۱۰

۱۰ طبقات الشعراء ۱۰ ابن خلدان جلد ۲ ص ۲۵۰ -

ابن السوسی :- اصل عثمان بن عبد الرحمن تھا۔ عبد الرحمن مالک میں قیام پذیر تھے۔ وہیں ابن السوسی پیدا ہوئے۔ وہیں علوم کی تحصیل کی، ادب اپنے والد سے حاصل کیا۔ پھر برم آگئے اور ستر سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ شعر و ادب شاعری میں معقول درجہ تھا۔

ابن حمدیس سر قوسی :- نام ابو محمد عبد الجبار بن ابوبکر بن حمدیس ازدی تھا۔ ۳۴۴ھ میں پیدا ہوا تعلیم و تربیت صقلیہ میں پائی۔ بچپن سے شعر گوئی سے شوق تھا۔ اس کے کلام کی شہرت صقلیہ سے نکل کر مصر اور اندلس تک پہنچی۔ یہاں ناموں کا اقتدار تھا۔ اپنے باپ کو صقلیہ میں چھوڑ کر ۳۷۳ھ میں افریقہ چلا گیا۔ یہاں عربی علم ادب میں کامل مہارت پیدا کی اور اندلس چلا گیا اور المعتمد شاہ اشبیلیہ کے دربار سے منسلک ہو گیا اور اس کی شان میں مدحیہ قصائد و انشئہ، نثائہ، لامیہ مشہور ہوئی۔ پھر ۳۸۳ھ میں افریقہ چلا آیا۔ پھر مورفہ میں قیام کیا۔ یہیں ۳۹۵ھ میں انتقال کیا۔

ابن بشر بن صقلی :- علم ادب و انشاء میں کامل مہارت رکھتا تھا۔ یہ ناموں کے زمانہ میں دیوان الرسائل والانشاء کا افسر اعلیٰ تھا۔ ماجر دوم کی شان میں مدحیہ شعر کہے۔ ماجر اس کی بڑی قدر کرتا تھا۔ یہیں وفات پائی۔

ابن قلا قس :- نام ابو الفتح نصر اللہ بن عبد اللہ بن مخلوف۔ اصل رہنے والا مصر کا تھا۔ ابن قلا قس عربی علم ادب کا بڑا ماہر اور شعر و سخن میں نامور تھا۔ ۵۱۲ھ میں صقلیہ آیا۔ قائد ابو القاسم بن الحجر کے دامن دولت سے وابستہ ہو گیا یہیں عمر گزار دی۔

ابن الجحری :- قریہ بجایہ میں قیام تھا۔ فقہائے صقلیہ میں شمار ہے۔ علم نحو و لغت کے ماہر حکومت کی طرف سے بجایہ میں عہدے دار تھے۔ یہیں وصال ہوا۔ ابن الکوفی :- نام ابو الحسن علی بن عبد اللہ بن الجبار تھا۔ علمائے عصر سے اکتساب علم کیا۔ فقیہ تھے، ان کا ذکر قاضی عیاض نے کیا ہے۔ صاحب فتویٰ تھے اور حال معلوم نہ ہو سکا۔

ابن القابلہ :- مقلیہ کے متقدمین فقہاء سے تھے۔ دیگر حالات زندگی پر پردہ پڑا ہے۔

ابن المعلم :- ابوالحسن علی بن ابراہیم بن علی۔ علم نحو و لغت کا عالم تھا۔ تعبیر رویاء میں اس کی شہرت تھی۔ ۵۳۲ھ میں انتقال ہوا۔

ابن یونس :- ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن یونس تمیمی علم فرائض کے امام مشہور ہیں۔ ان کے اساتذہ میں قاضی ابوالحسن الحصائری، عتیق بن الفرغی، ابن ابی العباس ہیں۔ فقہائے مقلیہ میں ممتاز گنے جاتے تھے۔ ابن فرحون کا بیان ہے۔
”فقہیہ امام اور علم فرائض کے ماہر تھے“

علمی خدمت کے سوا فوجی خدمات میں بھی پیش پیش تھے۔ علم فقہ میں کتاب شرح مروءہ پر مفید اضافہ کیا ہے۔ دوسری کتاب فرائض میں تھی۔ ۲۰ ریح الاول ۱۸۵۵ھ میں وفات پائی۔

ابن ظفر :- علم ادب و نحو و لغت میں ماہر کامل، شعر و سخن میں صاحب کمال تھے۔ ان کی متعدد کتب سلوان المطارع فی عدوان الطبائع، طبع اللغۃ، کتاب السفریہ، کتاب التنقیب، کتاب اوبہام الغوامس فی اتمام الخواص، کتاب الاشتراک اللغوی والانتباط المعنوی، کتاب الاشارہ الی علم العبارة، کتاب القواعد والبیان، کتاب نصائح الذکر، کتاب ریاض الذکر، کتاب الخوذ الواقیہ والعود الراقیہ، کتاب الجود والعواقب، کتاب سالک الازکار فی مسالک الافکار وغیرہ یادگار سے ہیں۔ ۶۵۵ھ میں وفات پائی۔

ابوبکر بن عقال مقلی محدث :- اساتذہ حدیث میں شیخ ابوبکر محمد النعالی متوفی ۳۸۰ھ، شیخ ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن احمد (۳۹۲ھ) تھے۔ ابوبکر مقلی ابوالقاسم کے معاصر تھے۔ ابوعبداللہ محمد بن عباس انصاری نے ان سے علم حدیث بھی حاصل کیا۔

ابوبکر محمد بن علی بن حسن بن عبدالبر تمیمی لغوی :- علم حدیث کے لئے مہر وغیرہ

کاسفر کیا۔ ابوذر عبد بن احمد ہروی صالح بن رشد بن مصری وغیرہ سے علم حدیث کی تحصیل کی۔ وطن لوط کو درس جاری کیا۔ ابن القطاع کے ارشد تلامذہ سے تھے۔
۴۵۰ھ تک بقید حیات تھے یہ

ابوبکر عتیق بن علی بن داؤد سمنطاری :- عالم اسلامی کی سیاحت کی۔ علم حدیث سے شغف تھا۔ علماء اور صوفیاء کی صحبتیں اٹھائیں۔ واپسی پر تصنیف و تالیف کا شغل اختیار کیا۔ فقہ و حدیث میں عمدہ تالیفات کیں۔ ۲۲۰ ہجری ۴۲۴ھ میں وصال ہوا۔

ابوبکر بن محمد سابق :- مکہ گئے، ایک محدثہ کریمہ بنت احمد مروزی سے بھی حدیث کی تحصیل کی۔ پھر اندلس گئے، غرناطہ میں اقامت اختیار کر کے وہاں درس جاری کیا۔ ابوبکر بن غطیبہ اور ابوالحسن علی بن احمد مقری وغیرہ نے ان سے علم حدیث حاصل کیا۔ ۳۰۰ھ میں مصر میں انتقال کیا۔ امام مالک کی مؤطا کی شرح المسالک کے نام سے ان کی یادگار ہے۔

ابوبکر محمد بن ابراہیم بن موسیٰ قمی :- حدیث کی تحصیل کے لئے عراق کا سفر کیا۔ عبداللہ بن محمد مبارک کی اور حفص بن عمر سے تلمذ اختیار کیا۔ تلامذہ ابوالحسن اور ابوالحسن القتی اور تصوف شیخ الطائفہ جنید بغدادی اور شیخ ابوالحسن نوری سے حاصل کیا۔ تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی۔

ابوبکر صقلی فرضی :- مالکی شیخ الحدیث تھے۔ قابسی ان کے شیخ الحدیث ہیں۔ سمنطاری اور ابن یونس متوفی ۳۸۰ھ تلامذہ سے ہیں۔ اس کے علاوہ علم فرائض میں بڑا درک رکھتے تھے۔

ابوبکر ابن العباس :- علوم کی تحصیل ابو محمد بن ابی زید سے کی۔ صقلیہ کے فقیہ اعظم تھے۔ ان کے شاگرد فقہ میں ابوبکر بن یونس متوفی ۴۵۰ھ تھے۔

۱۔ عبداللہ الحکام فنی ۲۔ ریاض النفوس ص ۱۸۸۔

ابوبکر بن محمد بن حسن بن علی ربیع فقہائے قریہ جربنت سے تھے۔ فن فقہ علمائے
عصر سے تحصیل کمر کے افریقہ گئے۔ اسکندریہ میں قیام کیا۔ وہیں ۵۲۴ھ میں انتقال کیا۔

ابوبکر محمد بن احمد بن ابراہیم المعلم صوفی شیخ ابویونس نصیر المتعبد (۵۳۰ھ)
کے حلقہ کے تھے۔ تمام عمر عبادت اور مجاہدہ میں گزار دی۔

ابوبکر احمد بن محمد بن ابی یحییٰ قرشی المتعبد کے لقب سے ملقب تھے۔ شیخ
ابو ہادون اندلسی سے فیوض حاصل کئے۔ زیادہ حال ان کا نہ میسر آیا۔

ابوالحسن علی بن مفرج بن عبدالرحمن : وطن سے حجاز گئے مکہ معظمہ میں قیام
پذیر ہوئے حکومت نے عمدہ فضا پر ممتاز کیا۔ اس کے ساتھ درس و تدریس تھا۔
محمد بن ابی سعید اسفرائینی اور حافظ ابوذر عبد بن احمد ماللی، ان کے شیوخ خدمت
اور ابوالقاسم ہبہ اللہ بن عبدالوارث شیرازی وغیرہ تلامذہ سے تھے۔ ان کی
وفات ۵۴۲ھ میں ہوئی۔

ابوالحسن احمد بن عبد الرحمن ابن الحصائری۔ کبار فقہاء میں شمار تھا اور
حدیث میں بھی درک تھا۔ ابو محمد بن ابی زید و ابوالحسن بن بکرون سے تلمذ تھے۔
صحاب درس سے تھے ۵۴۵ھ تک زندہ رہے۔

ابوالحسن علی شیخ بن حمزہ صقلی : شیخ ابوطاہر محمد بن علی بن محمد شافعی
بغدادی سے تلمذ تھا تصوف سے لگاؤ تھا۔ ۵۴۵ھ میں اندلس گئے اور وہیں
سپرد خاک ہوئے۔

ابوالحسن علی بن محمد بن علی معروف بابن الخياط ربیع : ممتاز شعراء میں سے تھا دور
کلبیہ کا وزیری شاعر تھا۔ اکثر الیاء عقلیہ کی شان میں قصیدے لکھے۔ تاج الدولہ اس کا بڑا قدردان
تھا۔ تائید الدولہ کی شان میں جو قصیدہ لکھا اس کا شعر نمونہ کے طور سے پیش ہے۔
وتفحن ولا تحزن لنا بئنة علیک بالخیر ابوالشیر لمدیم

ابوالحسن علی بن عبد الرحمن ابن ابی البشار یلنوتوی (یلنوتہ) علم نحو و عروض کا عالم تھا۔ اصنافِ ادب پر کامل عبور تھا۔ عقلیہ سے اسکندریہ چلا گیا۔ جہاں امام نحو مشہور ہوا۔ شاعری میں بھی اس کی شہرت تھی۔ عمر بن یعیش اس کا شاگرد تھا۔ ۱۵۳ھ تک زندہ تھا۔ خزیمی نے اس کا مجموعہ اشعار مرتب کیا۔

ابوالحسن علی بن حسن بن حبیب لغوی: علمائے لغت و ادب سے تھا۔ یا قوت نے معجم الادباء میں اشعار نقل کئے ہیں۔
ابوالحسن بن جہان مہدوی: یہ ناموں کے عہد کا شاعر تھا۔ اس کا ایک شعر یہ ہے۔

متطلع لذوی السرح من کاسہ بنجد یکون الی الصباح دلیل

(ترجمہ) اس کے جام سے رات کے مسافر کے لئے ایسا تارہ طلوع ہوا جو صبح کی دلیل تھا)
ابو حفص صقلی: ابوالقاسم عبدالرحمن بن محمد لوانی معروف بہ جزقی شیوخ حدیث میں سے ہیں۔ آپ کے ذریعہ عقلیہ میں حدیث کی اشاعت ہوئی۔ یہ ابو حفص عمر بن خلف بن مکی شیخ الحدیث تھے۔ فن لغت میں تبحر کا درجہ رکھتے تھے۔ ۲۶۵ھ میں ٹیونس چلے گئے اور محکمہ قضا ان کی سپردگی میں ہوا اور امام جمعہ بھی تھے، وہیں آپ کا وصال ہوا۔

ابوالعباس قلوری محمد بن عمرو بن عباس اکابر محدثین میں شمار کئے گئے یہ تحصیل علم کے لئے بصرہ آئے۔ امام حدیث علی بن مدائنی کے حواریں اقامت اختیار کی۔ یعقوب بن اسحاق خونی سعید بن عاجز ضعی محدثین سے حدیث حاصل کی۔ ان کے تلامذہ میں امام ابوداؤد، مورخ محمد بن جریر طبری، ابوبکر بزار، ابوبکر بن صدق، سعید بن عبداللہ مہرانی، محمد بن سلیمان باغندی محمد بن عباس، ابن احزم، ابو عروہ ابن صاعد سے جلیل القدر محدثین تھے۔

ابوليث صقلی مہندسین میں صاحب کمال تھے۔ وطن سے اندلس چلا گیا۔ اشبیلیہ پہنچا۔ یہاں کی جامع اس کی زیر نگرانی تعمیر ہوئی۔ اس عمارت کی تعریف اسکاٹ بھی کرتا ہے۔

ابوالقاسم عتیق محمد بن حکیم سبی محدثین میں شمار تھا، تصوف میں غلو رکھتے تھے۔ کتاب الانساب سمعانی میں ان کا ذکر ہے۔

ابوالقاسم عبد الرحمن بن محمد بکر، علمائے عصر میں ممتاز سمجھے جاتے تھے علم حدیث و فقہ میں درک حاصل تھا۔ قیروان کا سفر کیا۔ ابوالحسن علی بن محمد بن مسرور دبارغ، حبیب بن نصر جزری وغیرہ سے حدیث کی تحصیل کی، پھر مصر گئے۔ ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابراہیم بلخی، ابن زکریا رازی ہاشمی سے احادیث کی سماعت کی۔ ۳۵۰ھ میں مکہ معظمہ پہنچے۔ ۳۶۸ھ سے پہلے ان کی وفات ہوئی۔

ابوالقاسم صقلی علمائے عصر سے علوم کی تحصیل کی، قیروان جا کر درس حدیث کا سلسلہ جاری کیا۔ ابو عبد اللہ محمد بن عباس انصاری متوفی ۳۷۰ھ اور ابواضیع بن موسیٰ ان کے ارشد تلامذہ سے تھے۔

ابوالقاسم عبد الرحمن بن محمد لواتی معروف بہ زحرفی ابن ابی الفرج مدحی قاسم سرقوسی اور ابوالحفص صقلی جیسے اکابر حدیث سے حدیث کی تحصیل کی۔ درس و تدریس شغل قرار دیا۔ عمر بعدی پا کر انتقال کیا۔

ابوالقاسم بن حداد: ابن الحکار کے معاصر تھے۔ فقہائے صقلیہ میں شمار تھا۔ اپنے معاصرین میں توقیر و منزلت سے دیکھے جاتے۔ صاحب فتویٰ تھے۔ ان کی فقہی تالیف کا پتہ نہ چلا اور تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی۔

اسمعیل بن خلف صقلی کا نام ابوطاہر اسمعیل بن خلف بن سعید بن عمران ہے۔ تذکرہ نویس ابن خلکان ان کے متعلق لکھتا ہے: "کان اماماً فی علوم الادب و"

متقن الفن القرائت ؑ

دینی علوم کی تحصیل کے لئے مصر گئے۔ مفسر قرآن علی بن ابراہیم الحوفی سے تلمذ اختیار کیا۔ پھر وطن لوٹ کر درس و تدریس میں لگ گئے مگر آخر میں اندلس گئے پھر مصر گئے اور وہیں ۵۵۵ھ میں انتقال کیا۔ کتاب العنوان فی القرائت، کتاب الاکتفائی القراءۃ، کتاب اعراب القرآن وغیرہ۔ یہ کتابیں یادگار سے ہیں۔

ابوالفتح زبیر بن عقیلیہ کا رہنے والا تھا۔ علم ہندسہ کا ماہر تھا۔ ۳۴۵ھ میں والی طرابلس کے پاس چلا گیا جہاں طرابلس الغرب کی فسیل اس کی زیر نگرانی تعمیر ہوئی۔

ابو عبد اللہ محمد بن عیسیٰ الصقلی الفقیہ کے متعلق قفطی متوفی ۴۲۶ھ لکھتا ہے:

”عقیلیہ کے ارباب علم میں تھے۔ علوم ہندسہ و نجوم میں ماہر تھے۔ یہ ابو الفضل بن احمد و ابوق علم ہندسہ کا ماہر تھا۔ اپنے فضل و کمال سے عمدہ وزارت پر مرفراز ہوا۔“

قاضی اسد بن فرات شہید :- قاضی اسد کی کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ والد کا نام فرات تھا۔ داد اسنان کے نام سے مخاطب تھے۔ ان کا خاندان بنو سلم بن قیس کے آذا کردہ غلاموں میں سے تھا۔ آبائی وطن نیشاپور تھا۔ فرات ترک وطن کر کے حران آئے۔ یہیں قاضی اسد ۴۲۱ھ میں پیدا ہوئے۔ آبائی پیشہ سپہ گری تھا۔ فرات ۴۳۱ھ میں محمد بن اشعث کی فوج کے ساتھ افریقہ آئے۔ قیروان میں اقامت اختیار کی۔ پھر یہ گھرانہ ٹیونس چلا گیا۔ وہاں اسد نے علوم عربیہ کی تحصیل شروع کی۔ علی ابن زیاد سے علم حدیث و فن فقہ حاصل کیا اور موطا امام مالک ان ہی سے پڑھی۔

۴۳۱ھ میں مدینہ پہنچ کر امام مالک کے حلقہ درس میں شریک ہوئے اور موطا پڑھ کر عراق گئے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی اور اسد بن عمرو کے حلقہ درس میں شریک ہوئے۔ امام محمد ان کے ساتھ خصوصیت برتتے تھے۔ ان کی سفارش سے

لے اخبار العلماء باخبار الحکماء صفحہ ۱۸۹۔

ولی عہد امین الرشیدی تک رسائی ہوئی اور اُس نے اسد کو زوردارہ قیروان کے سفر کرنے کے لئے عطا فرمایا۔ مہر روانہ ہو گئے۔ عبدالرحمن بن قاسم کی فیوض سے مستفید ہوئے اور اسدیہ کی تدوین شروع کر دی۔ ابن قاسم سے روزانہ مسائل فقہ کے سوالات کرتے۔ وہ جو جوابات دیتے اسد سوال و جواب دونوں کو بہ ترتیب لکھ لیتے۔ ابن قاسم اپنے جوابوں میں امام مالک کے فتاویٰ بیان کرتے تھے ان پر احادیث سے استدلال لاتے، قیاس و رائے سے جوابات کی صحت کے ثبوت فراہم کرتے۔ غرضیکہ ساٹھ جڑوں میں سوال و جواب مدون ہو گئے۔ یہی کتاب فقہ مالکی کی سب سے پہلی ہے۔ اسد^{۱۸} میں مہر سے قیروان واپس آئے اور درس و تدریس کا آغاز کیا۔ موطا اور اپنی تالیف اسدیہ کا درس دیتے۔ مدہا علماء فیض یاب ہوئے۔ امام معفون اور اسد میں چشمک علمی تھی۔ انہوں نے ترکیب سے اس کی نقل حاصل کی اور ابن قاسم سے مل کر کچھ مسائل میں صحت کرائی اور اس کو المدونۃ الکبریٰ کے نام سے شہرت دی۔

ایک زمانہ تک اسد قیران کے عہدہ قضاء پر ممتاز رہے۔ پھر صقلیہ فتح کرنے کے تشریف لے گئے۔ تفصیلی ذکر پہلے آچکا ہے^{۲۲} میں قاضی اسد نے صقلیہ کو دارالاسلام بنانے کا فیصلہ کیا اور صقلیہ میں اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالی^{۲۳} میں ایک معرکہ میں جام شہادت نوش فرمایا۔

امام مازری :- ابو عبد اللہ محمد بن علی بن عمر قمی معروف بہ امام مازری، صقلیہ کے شہر مازر میں ان کا خاندان تھا۔ یہیں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم و تربیت یہیں ہوئی علوم کی تکمیل کے لئے مدیر (افریقہ) گئے۔ ابو محمد بن عبد الحمید سوسی اور علامہ نجی سے علوم کی تحصیل کی۔ ابن خلکان لکھا ہے ”یہ اُن اکابرین میں ہیں جن کی طرف حدیث کے حافظ اور علم کلام میں ماہر ہونے کی وجہ سے انگلیاں اٹھائی جاتی تھیں“ وہ اباب فضل میں سے تھے۔

۱۸ معالم الايمان جلد ۲ ص ۱۳۵ و دیاج المذہب ص ۹۸۔ احسن التقاسیم مقدسی ص ۲۳۔

۱۹ ابن خلکان جلد ۲ ص ۲۱۶۔

مختلف علوم میں دستگاہ رکھتے تھے۔ امام کی بہ کثرت بلند پایہ کتابیں مختلف علوم میں ہیں۔ مسلم کی شرح کتاب المعلم ان کی مشہور ہے۔ دوسری تعلیقات بر روایت جوزقی ہے۔ المعلم کے شائع ہوتے ہی قاضی عیاض صاحب شفا متوفی ۷۷۵ھ نے امام سے اس کی روایت بالا جازہ کی بسند منگائی۔ ان کے علاوہ اور حضرات نے بھی شرح لکھی ہیں۔ ان کا مفصل حال تارخ صقلیہ جلد دوم میں ہے۔ محمد بن تومرث مہدی آپ سے شرف تلمذ رکھتا تھا۔ ۳ ربیع الاول ۵۳۲ھ میں وفات پائی۔

ابو محمد عبد اللہ صقلی : علم ہندسہ کا بڑا ماہر تھا۔ مصر پہنچا، مصر کے وزیر المامون متوفی ۵۱۹ھ قاہرہ میں رصد گاہ تعمیر کرا رہا تھا۔ دیگر ہندسین کے ساتھ یہ بھی شریک کیا گیا۔ مگر الامر با حکام اشد فاطمی نے یہ سلسلہ مامون کے مرنے کے بعد ختم کرا دیا۔ ابو محمد صاحب الخمیس :- ان کا شمار محدثین میں ہے۔ اصول فقہ و فرائض کے بڑے ماہر تھے۔ قاضی عیاض کا بیان ہے :

”یہ فقیہ، متکلم، اصولی، فاضل اور اپنے وطن میں شہرت رکھتے تھے۔“

بقیہ زندگی کے حالات پردہ خفا میں ہیں۔

ابو محمد عبد الجلیل بن مخلوف :- محدثین صقلیہ سے تھے۔ ان کے شیخ حدیث عبد الملک بن حسن صقلی اور شاگردوں میں شیخ ابو محمد عبد القادر قروی مشہور ہیں۔ درس و تدریس شغل تھا۔ ۵۹۹ھ میں فوت ہوئے۔

ابو محمد بن محمد صقلی :- کنیت ابو بکر تھی۔ پورا نام محمد بن محمد بن ابی الفضل مغیث بن عبد الرحمن بن مجاہد تھا۔ علم حدیث اور فقہ کے بڑے عالم تھے۔ برع فی الفقہ کہے جاتے تھے۔ صقلیہ میں آپ کے ذریعہ حدیث و فقہ کی بڑی اشاعت ہوئی۔ تارخ وفات کا پتہ نہ چلا۔

ابو محمد بن صمنہ :- صقلیہ کے مشہور شاعر تھے اور فقہ میں ید طولیٰ تھا۔ معاصر

شعراء سے چشمک رہتی تھی۔ فقیہ عیسیٰ بن عبد المنعم سے شاعرانہ نوک جھونک رہتی۔ ابن صمنہ نظم کا جواب نظم میں دیتے۔ آپ کے علم و فضل کے علماء معاصرین معترف تھے۔ تاریخ و فائنات معلوم نہ ہو سکی۔

ابو محمد عبد اللہ بن مبارک :- شیوخ وقت سے تھے۔ علم و فضل کے ساتھ تقویٰ سے دلی لگاؤ تھا۔ عابد و زاہد قائم اللیل و صائم النہار مشہور تھے۔ رشد و ہدایت آپ کا مشغلہ تھا۔ آپ کی صحبت میں اصحابِ حال و قال شریک ہوا کرتے۔ ابو محمد عمار بن منصور کلبی :- صقلیہ کے ولادہ کلیبیہ کے خاندان سے امیر کبیر تھے۔ مختلف علوم کے ماہر، شعر گوئی میں صاحبِ کمال تھے۔

تقول لقا، ہایت، رجال نجد وما البیت مثلاً من یمان ابو محمد عبد المعطی بن محمد :- وطن سرقسہ تھا۔ علمائے عصر سے کتاپ علم کیا۔ علوم معقول بالخصوص منطق میں دستگاہ رکھتے تھے۔ فن منطق میں ان کے کثیر التعداد شاگرد تھے۔ صقلیہ میں معقولات کی ترویج آپ کی ذات سے ہوئی۔

ابو محمد عبد اللہ بن محمد تنوخی معروف بابن قاضی میلہ :- بالکمال شاعر تھے۔ ثقہ الدولہ کے دربار سے وابستہ تھے۔ ابن خلکان نے ثقہ الدولہ کی شان میں جو قصیدہ اُن کا ہے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، فصیح و بلیغ کلام ہے۔

ابو محمد عبد السلام بن ابراہیم :- اصلی وطن صقلیہ تھا۔ ان کے بزرگ مراکش میں مقیم ہو گئے۔ والی ابو الفارس عبد العزیز بن ابو الحسن کے دربار سے یہ منسلک تھے۔ دیگر علوم کے ساتھ فن طب میں بڑی شہرت تھی۔ فن جراحات میں ان کا ایک رسالہ ہے۔ ۵۰۰ جمادی الاولیٰ ۳۲۲ھ میں وفات پائی۔

ابو عبد اللہ محمد بن عیسیٰ بن عبد المنعم مہندس :- شعر و شاعری سے ذوق رکھتا تھا۔ انشاء پردازی کی شہرت تھی۔ امرائے صقلیہ کی عمارات کی تعمیر میں آپ کی کار فرمائی کو دخل ہے۔

حمۃ الدین ابن ظفر :- ابو عبد اللہ محمد بن ابی محمد بن ظفر صقلی، علوم قرآن و ادب

میں امتیاز رکھتے تھے۔ حجة الدین لقب تھا۔ اسلاف مکہ معظمہ کے رہنے والے تھے۔
۵۲۵ھ میں حماہ میں وفات پائی۔ التفسیر الکبیر، کتاب ینبوع الحیات فی تفسیر الذکر الکرم
وغیرہ کثیر التعداد کتب یادگار سے ہیں۔

خلف بن عبد اللہ صقلوی: چھٹی صدی کے علماء میں سے ہیں۔ درس تدریس
شغل تھا۔ شمالی افریقہ میں مزار ہے۔ سال وفات ۵۲۳ھ ہے۔ علم نحو میں انکی شہرت ہے۔
دعامة بن محمد: علمائے عصر سے علوم کی تحصیل کی۔ امام سحنون کے ارشد
تلامذہ سے تھے۔ افریقہ کے فقہاء میں شمار تھا۔ غالبہ کے دور حکومت میں صقلیہ کے عہدہ
قضا پر مرفراز ہوئے۔ داد و انصاف کی شہرت تھی۔ عبادت گزار تھے۔ ۲۹۷ھ میں
وطن میں واصل بحق ہوئے یہ

قاضی رشید بن احمد قاسم: وطن اصلی صقلیہ تھا۔ علمائے عصر سے علوم
کا اکتساب کیا۔ افضل کے زمانہ میں قاضی القضاة کے عہدہ پر مرفراز تھے۔ انہیں
شعر و سخن سے دلی لگاؤ تھا۔ فی البدیہہ کہنے کا ملکہ رکھتے تھے۔ افضل کے دربار
سے تعلق تھا۔ تاریخ وفات معلوم نہ ہوئی۔

سعد بن فتحون بن مکرم: قرطبہ کا رہنے والا تھا۔ منصور عامری کے عتاب
میں آگیا۔ کچھ عرصہ قید میں رہ کر صقلیہ چلا آیا۔ علوم لسانیہ میں یدِ طولی رکھتا تھا۔ علم عروض میں
مختصر و مطول کتابیں تصنیف سے ہیں۔ صقلیہ ہی میں انتقال کیا۔

شرف الدین صقلی: ابو عبد اللہ کنیت، محمد بن ابی بکر عبد الرزاق شرف الدین نام
تھا۔ ۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے۔ علوم قرآن کی تحصیل الکمال ابو الحسن علی بن شجاع العباسی، المعین
ابو العباس احمد بن ابی الفضل جعفر بن محمد بن عبد الحق المالکی سے مصر میں کی۔ پیشتر وقت مدرس
تدریس میں گزارا۔ نور الدین علی ان کے تلامذہ میں سے تھے۔ فن قرأت کے ماہر تھے۔ تمام عمر زہد
و تقویٰ میں گزاری۔ مستجاب الدعوات تھے۔ آخر عمر میں قاہرہ چلے گئے تھے وہیں وصال ہوا۔

شرف ادرسی :- ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن عبد اللہ معروف بہ شریف افریقیہ کے سادات کے شاہی خاندان ادرسی سے تعلق تھا۔ ۴۹۳ھ میں سبتہ میں پیدا ہوئے۔ قرطبہ جا کر علوم کی تحصیل کی۔ ادب اور علوم عقلیہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ پھر سیاحت پر کمر باندھی۔ ان کی علمی شہرت دور دور تک پہنچ رہی تھی۔ راجر دوم نے عقلیہ مدعو کیا۔ یہ وہاں پہنچے۔ راجر نے بڑی تعظیم و توقیر کی اور ان سے فرمائش کی کہ ایک کمرہ ایسا تیار کر دیں کہ زمین کی ہئیت و صورت کا صحیح اندازہ ہو سکے اور چار لاکھ درہم وزن کی ایک نقری اینٹ ان کے حوالے کی۔

ادرسی نے قدیم اصول ہئیت کے مطابق آسمان کی شکل کے چند دائرے چاندی کے بنائے اور انہیں طبق در طبق پیوست کر کے کمرہ کی شکل میں تیار کر لیا جو مختلف طبق افلاک کے مثل تھے۔ پھر زمین کے لئے ایک دوسرا مدور کمرہ تیار کیا۔ اس کے بعد آسمان کے دوائر میں مختلف افلاک تیارے اور تیارے دکھائے گئے اور زمین کے عظیم الشان سانچہ پر دنیا کے تمام شہروں، پہاڑوں، سمندروں، دریاؤں وادیوں اور ان کے نشیب و فراز کی تصویر اتاری گئی۔ اس کا قطر تقریباً چھ فٹ اور وزن تقریباً ساڑھے پانچ من تھا۔

راجر نے ادرسی کو بہت کچھ انعام و اکرام سے نوازا۔ اس کے بعد مستقل طور سے ادرسی عقلیہ میں رہنے لگے۔ پھر راجر کے کہنے سے ایک صاحب علم جغرافیہ دانوں اور مصوروں کی جماعت لے کر سیاحت کے لئے روانہ ہوئے۔ مشرق و مغرب، شمال و جنوب کی سیر کی، مقامات کی تفصیل لکھی۔ اہم عمارات وغیرہ کی تصاویر بنوائیں۔

پندرہ برس میں یہ علمی سفر طے کر کے عقلیہ لوٹے۔ انہی جغرافی معلومات سے ”نہرۃ المشتاق فی افراق الافاق“ کتاب لکھ کر راجر دوم کے نام معنون کی۔

اس کتاب کے بعد روض الانس و نزهۃ النفس یا کتاب الممالک و الممالک لکھی۔
 صقلیہ میں سترہ میں ادرسی نے وفات پائی اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔
 شہاب الدین بن عبدالحق: معاصر علماء سے اکتساب علم کیا۔ بالخصوص علم نحو
 میں مشہور تھے یہ شغل درس و تدریس تھا۔

طاہر بن محمد بن رقبانی :- اسلامی عہد میں ان کے ادب کی شہرت تھی علم
 لغت کے ماہر تھے۔ ان کی شعر و شاعری کی عام شہرت تھی۔ اہل علم دور و نزدیک سے آکر
 استفادہ علمی کیا کرتے تھے۔ فطی نے اپنی کتاب میں ان کا ذکر کیا ہے۔

عبد الرحمن بن محمد بلشیری :- صقلیہ کے شہر بلشیر کے رہنے والے تھے علوم قرآن
 میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ علمائے معاصرین میں قدر و منزلت سے دیکھے جاتے تھے۔
 کچھ عرصہ درس تفسیر بھی دیا۔ ان کی وفات کی تاریخ معلوم نہ ہو سکی۔

عبد اللہ بن حمدون کلبی :- صقلیہ کے قدیم اہل علم سے تھے۔ امام سخون کے شاگرد تھے۔
 انہی سے حدیثیں روایت کیں۔ ان کا مذہب مالکی تھا۔ سترہ میں فوت ہوئے۔

عبد الرحمن بن رمضان :- صقلیہ کے قاضیوں کے خاندان سے تھے۔ ذی علم
 شعراء میں شمار تھا۔ لاجر دوم کے دربار سے تعلق تھا۔ قصیدہ گوئی ان کا مشغلہ تھا۔
 آخر ش صقلیہ کی خاک کے سپرد ہوئے۔

عثمان بن علی بن عمر خزرجی انصاری السرقوسی :- ابن فحام اور ابن بلیہ سے
 قرآن مجید پڑھا۔ پھر مصر گئے مسجد جامع عمرو بن العاص میں وسیع حلقہ درس قائم کیا۔
 اس کے ساتھ علماء مصر سے استفادہ علمی کیا۔ حافظ سلفی ہم عصر تھے۔ ابو محمد بن البرزنجی
 اور ابو البقی صالح بن عادی العذری الانماطی تلامذہ سے تھے۔ کتاب محارج الحروف
 یادگار سے ہے۔ تاریخ وفات کا پتہ نہ لگا۔

عمر بن خلف بن مکی :- ابو حفص کنیت تھی، فقہائے صقلیہ سے تھے۔ فن

۱۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ترجمہ ادرسی ۲۔ عیون الانباء فی طبقات الالطباء جلد ۱ ص ۱۵۹۔

انشاء و خطابت میں ملکہ تھا۔ ٹیونس کے عہدہ قضاۃ پر فائز رہے۔ شاعری سے بھی ذوق تھا۔ نین لغت میں ان کی کتاب تثقیف اللسان ہے یہ

عمر بن علی بن عمر سرقوسی کو علم نحو و لغت میں بڑی مہارت تھی۔ صاحب تالیفات ہیں۔ عمر بن صقلی :- قیروان میں عمر گزاری۔ علم ادب کا ماہر تھا۔ ابو الفضل یوسف معروف بابت نحوی کا معاصر تھا۔ زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔

علی بن عبد الرحمن کو علم نحو و عروض میں کمال حاصل تھا۔ اصناف ادب و شعرو شاعری سے بھی مناسبت رکھتا تھا۔ آخر عمر میں صقلیہ سے اسکندریہ چلا گیا۔ وہیں بیوند خاں ہوا۔ فخر الدین محمد بن محمد کنیت شیخ ابو عبد اللہ تھے۔ شافعی مذہب رکھتے تھے۔ علم فقہ کی تحصیل شیخ قطب الدین سبائی سے کی۔ زہد و ورع اور صلاح و تقویٰ میں شہرت رکھتے تھے۔ دیماط (مصر) کے عہدہ قضا پر مامور تھے۔ کچھ عرصہ مصر کے قائم مقام والی رہے۔ التنجیز فی تصحیح التبعیر آپ کی یادگار ہے۔ ۷۰۰ھ ذیقعدہ ۳۷۷ھ کو مصر میں وفات پائی۔ ۷۰۰ھ

قاسم سرقوسی :- قدیم محدثین میں شمار ہے۔ ان کے تلامذہ میں ابو القاسم عبد الرحمن بن محمد لواتی معروف بہ جزقی کا نام تذکروں میں آتا ہے۔ مزید حال معلوم نہ ہو سکا۔ قاضی ابو عمرو و میمون کا نام صقلیہ کے محدثین میں آتا ہے۔ ابو مصعب لہری اور امام سخون کی روایات ان کے واسطہ سے صقلیہ پہنچیں۔ ابو العرب ان کے تلامذہ سے تھے۔

قرشی صقلی :- ابو العرب مصعب بن محمد بن ابو الفرات قرشی صقلیہ کا نامور صاحب دیوان شاعر تھا۔ ۳۲۳ھ میں بلرم میں پیدا ہوا۔ علمائے عصر کے سامنے زانوئے شاگردی طے کیا۔ شعر گوئی سے شوق تھا۔ اس میں کمال حاصل کیا۔ صقلیہ سے باہر اندلس تک اس کے شعر و سخن کی شہرت تھی۔ امیر المتمدن فرماں روا نے اشبیلیہ

نادراہ بھیج کر مدع کیا مگر وطن چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ جب نادہ من ظالموں کا تغلب و استیلاء ہوا تو گھبراہ چھوڑ کر اشبیلیہ پہنچا اور امیرالمعتد کے دامن دولت سے وابستہ ہو گیا۔
 ششہ تک زندہ رہا۔ دیوان مصعب کے نام سے اس کے کلام کا مجموعہ ہے۔

محمد بن عبدون سوسی :- مغرب کے نامور شعراء میں سے تھا۔ ثقۃ الدولہ کے عہد میں صقلیہ آیا اور ایک مدنیہ قصیدہ اس کی شان میں پیش کیا۔ اس نے قدر دانی کی اور اپنے لڑکے تاج الدولہ کے مصاحبین میں داخل کیا۔ ابن عبدون ادب مجلس سے واقف تھا۔ تاج الدولہ اس کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا۔ جب وہ صاحب اقتدار ہوا تو اس کا بھی اعزاز بڑھا۔ صقلیہ میں ہی انتقال ہوا۔

محمد بن خراسان :- ابو عبد اللہ محمد بن خراسان مقری کے لقب سے ملقب تھے۔ نشو و نما صقلیہ میں ہوئی۔ علم کی تحصیل کی خاطر مصر گئے۔ وہاں امام المقرئ ابو جعفر النخاس متوفی ۳۳۸ھ اور ابن منظر بن احمد بن حنبل بن ہمدان سے علوم قرآن اور حدیث کا درس لیا اور وطن واپس آکر درس و تدریس میں لگ گئے۔ چھتر سال کی عمر میں ۳۸۶ھ میں فوت ہوئے۔

محمد بن علی ابوبکر محمد بن علی بن حسن بن عبد البر محدث :- علم نحو و لغت میں عالی مرتبہ رکھتے تھے۔ ابن القطاع ان کا شاگرد تھا۔ باقی زندگی کے حالات پرودہ خفایں ہیں۔

نصرون بن حسین خزری :- تلمذ ابن القطاع سے تھا۔ علم لغت کے ماہر تھے۔ زیادہ حال ان کا میسر نہ آیا۔



(۱۰)

سلاطین ہند

(جلد اول)

جس میں سندھ کی پہلی مہم، سلاطین لنگا اور سلطان محمود غزنوی
کے عہد سے لے کر سلطان سکندر لودھی کے زمانے تک کے
حالات و واقعات جامعیت اور اختصار کے ساتھ بیان
کئے گئے ہیں۔

تاریخ ہندو

شط العرب کی دادی سے ہی بابل وینوا متعلق تھے۔ یہیں اول تہذیب و تمدن کے آئین مرتب ہوئے اور پہلی شہنشاہی قائم ہوئی۔ اس کے بعد مصر و ہند کی تہذیب و تمدن کی تہذیب پڑی۔ تاجی حیثیت سے نمایاں حقیقت ہے کہ یہاں کی آبادی بہت زیادہ رہی ہے جو اپنی تہذیب و شائستگی کے اعتبار سے ایک درجہ اُمّ قدیمہ میں رہتی ہوگی۔ چنانچہ حالات کا بڑا حصہ پردہٴ خفایں رہا ہے۔ مسلمانوں نے گواہی دے دی کہ دور میں بہت کچھ قدیم حالات جمع کر دیئے۔ مگر یہ افسوس ناک واقعہ ہے کہ مغرب جسے عہدِ حاضر میں اپنی ترقی علم و حکمت پر ناز ہے اور جو اپنی تحقیق و تنقید کے زعمِ باطل پر ہر غیر معلوم شے کو احاطہٴ علم میں لے آنے کا مدعی ہے۔ اس وقت تک ہندوستان کو اس سے زیادہ نہ سمجھ سکا کہ وہ ایک غیر شائستہ آبادی ہے۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام مشرقِ قبلہ کی تاریخ کا گہوارہ ہے۔

اہل مغرب کو یہاں سوائے عجوبہ پرستی کے کچھ نظر نہ آیا۔ اگر ہندوستان کی تاریخ لکھی بھی تو اپنے ملک کے ناول نویس اور افسانہ نگاروں اور بے تکے سفر ناموں کی وساطت سے لکھی۔ یہاں کی تاریخوں سے جو کچھ اخذ کیا وہ مصائب تھے۔ مسلمانوں کی آمد سے قبل کی تاریخ پر جو نظر ڈالی وہ صحت سے دور اور مسلمانوں کے عہد کو پیش کیا تو بھیا تک صحت میں۔

یہاں کی ہندو مسلم تہذیب پر تمسخر کیا گیا۔ یہاں کے حکمران طبقہ کو خوشخوار ثابت کیا کہ یہ ہستیاں وہ تھیں جن کے جذبات سفاکی و بے رحمی سے لبریز تھے۔ ان کے چاروں طرف تعلق و خوشامد کرنے والے درباری تھے۔ رعایا کو تباہ کرتے خزانہ بھرتے تھے۔ لہو و لعب، سیر و تفریح یا حرم کی اندرونی زندگی پر بے دریغ

دولت صرف کرتے تھے۔ درباریوں سے اپنی زمین بوسے اور جبرہ سائی کراتے تھے۔ وہ اگر شراب کے نشہ سے چونک پڑتے تھے تو سوائے جبرہ و ظلم کے ان کو کوئی اور کام ہی نہ تھا۔ نہ ان کے پاس دماغ تھا نہ دل، نہ وہ سوچ سکتے تھے۔ اس کے سوا اور نہایت سے انہیں سروکار ہی نہ تھا۔ غرضیکہ سلاطین ارتقاء ذہنی سے کوئی واسطہ ہی نہ رکھتے تھے کہ علوم و فنون کی طرف توجہ دیتے۔ نہ ان کو ملک کی فلاح و بہبود کا خیال تھا۔ الغرض وہ جہل و غرور بے دردی و بے رحمی کے زبردست مجسمہ بنے ہوئے تھے۔

لیکن کیا وہ شخص جس نے صحیح معنی میں ہندوستان کی تاریخ کا غائر مطالعہ کیا ہے اس خاکہ میں کسی جگہ اصلی خط و خال کی جھلک پاسکتا ہے اور کیا یورپ کا عدم علم یا اس کا تعصب ایک حقیقت اور صداقت کو نیست و نابود کر سکتا ہے۔ صداقت شکاری کا یہ پہلو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ یہاں کے سلاطین اگرچہ اسلامی تعلیم کا صحیح نمونہ نہ تھے۔ نہ ان کی خلفائے راشدین کی سی زندگی تھی اور ان میں بعض جفا پیشہ بھی تھے۔ تاہم وہ مجموعی طور پر اصولِ مہدلت پر کام بند ضرور تھے اور کلیتہً مطلق العنان نہ تھے۔ وہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ

» حکومت کفر کے ساتھ تو باقی رہتی ہے مگر ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہتی «

یہ صحیح ہے کہ ہندوستان کی تہذیب اپنی خصوصیات کی حامل ہے۔ یہاں کی ویدانت، فلسفہ، ہیئت جوتش مشہور ہیں۔ ایشیائی اپنی لاہیانہ اور حکیمانہ تعلیمات کے لئے خاص امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ مسلمان آئے تو ان سے کچھ باتیں حاصل کیں۔ مگر بہت زیادہ عطا کیں۔ توحید کا تصور، دھرم کشی، سستی کی روک تھام، عقد بیوگان اور مساوات کی تعلیم اور اخلاقی قدریں، عام تعلیم، مسلمانوں کی آمد کے نتائج و برکات ہی کہہ جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنے سنے، کھانے پینے، لباس، تواضع و مدارات اور تہذیب کے دوسرے پہلوؤں میں تکلف و تجمل اور آسائش کی نئی نئی ایجادوں کی بدولت یہاں کے تمدن کی سادہ تصویر میں نہایت دلکش اور دیرپا

رنگ بھرے۔ سیاح ابن فضل اور شاہ بربر کی تحریرات سامنے ہیں۔
 سلاطین ہند کی تاریخ کے ضمن میں یہ بات ملحوظ رہے کہ انہوں نے ہند پر قبضہ کیا۔
 فتوحات کے دور میں یہاں کے باشندوں کو تکلیف پہنچی۔ مگر اس کی تلافی ان میں رہ کر
 بس کر بہت کچھ کی۔ مقامی حکمرانوں میں انتشار تھا جس کو اپنے زیر نگین لا کر ملکی وحدت
 قائم کی۔ تہذیبی معیار بلند کیا اس بدادہت سے انکار سفاہت ہے۔
 ہمارا موضوع اس جگہ صرف سلاطین ہند کے تاریخی واقعات پیش کرنا ہیں۔
 اور سلاطین کی میرت اور ان کی ملکی خدمات اور رواداری تہذیبی و علمی ترقی میں
 ان کے مساعی کیا تھے وہ دکھانا ہیں۔ فتوحات کے ساتھ مغتوبہ قوم اور رعایا سے
 کیسا ان کا سلوک رہا اور ان کو کس ادنیٰ درجہ کا پایا تھا اور اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیا۔
 ہندوستان میں تعلیم صرف برہمن طبقہ کے لئے محدود تھی۔ مگر سلاطین نے ہی
 عوام میں چاہے چھتری ہو یا راج پوت یا شودر ہر ایک کے لئے تعلیم پانے کی
 راہیں کھول دیں جس کی نظیر کائناتوں کا وجود ہے۔ جنہوں نے فارس میں وہ قابلیت
 کے جوہر دکھائے جس کی مثال کم ملے گی۔ جو ہند کے باشندے فاتحین کے ہاتھ
 لگے وہ اسلامی ممالک میں پہنچے۔ ان کی تعلیم و تربیت ایسی ہوئی کہ وہ علوم دینی کے
 امام کہلائے۔ آگے یہ تمام تفصیلات ملاحظہ سے گزریں گی۔

انتظام اللہ شہابی
 اکبر آبادی

عربوں کی آمد کی برکات

اسلام کے دورِ اول میں عہدِ حضرت عمرؓ میں ایک مہم آئی جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد عرب تاجروں کے قافلے اور مبلغ ہندوستان آئے۔ مالا بار اور کالی کٹ، سراندیپ وغیرہ کی سرزمین نے خیرِ مقدم کیا، یہاں بس گئے۔ ان کی سادگی، خلوص اور بلند اخلاقی نے ان علاقوں کے باشندوں کو بھی اپنے رنگ میں رنگ دیا۔ دیانت اور عمل و کردار کی عمدگی کا شہرہ ہندو دراجاؤں تک پہنچا۔ ایک راجہ نے بھی عقیدت اور احترام کی نظر سے دیکھا اور اپنی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کر کرنا۔ یہی وجہ ہوئی کہ ان علاقوں میں اسلامی خیالات اور تہذیب و دیانت کی بنا پڑی۔ اس سے بڑھ کر یہاں کی اقوام میں فہم و ادراک کی وسعت اور علوم و فنون سے لگاؤ پیدا ہوئے لگا۔

مسلمانوں سے پہلے علم کی ٹھیکیدار برہمن تھے۔ عربوں نے بلا امتیاز ذات پات تحصیلِ علم اور ترقیِ فنون کا ذوق پیدا کر دیا۔ جو لوگ یہاں کے مسلمان ہوئے وہ علم کے ایسے متوالے ہوئے کہ وطن کو چھوڑ کر علمی مرکزوں میں پہنچے۔ بہت سے وہ تھے جو عرب وطن جاتے ہوئے اپنے ساتھ لے گئے اور ان کی تعلیم و تربیت مثل اولاد کے کی، مؤرخین کو تاہ بن ان کو غلام قرار دیتے ہیں یہ غلط ہے بلکہ عربوں نے نئی پود کو لے جا کر کچھ سے کچھ بنا دیا۔ یہاں بے نام و نشان رہتے تھے مگر آج وہ تاریخ کے اوراق کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ رجال کے کتابوں میں سندھ کے متعدد علماء اور محدثین کے نام ملتے ہیں۔

ابو معشر بن نجیح السدھی گو سندھ کے ایک غلام زادہ تھے۔ عربوں کے ساتھ سندھ سے عرب گئے اور مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ فنِ مغازی و لیسری میں وہ کمال پیدا کیا کہ امام الغنی کہلائے۔ مدہا شاگرد بنا ڈالے۔ سنہ ۱۱۰ میں وفات پائی تو غلیفہ ہارون الرشید

نے اس نو مسلم سندھی کی نماز جنازہ پڑھی۔
 ان کے صاحبزادے ابو عبد الملک محمد تھے۔ ممتاز اہل علم میں شمار تھا۔ ظیفہ
 سندھی نے مدینہ سے بغداد بلا لیا۔ ۲۳۳ھ میں فوت ہوئے۔
 امام اوزاعی جو ائمہ اسلام سے ہیں۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں :-
 ”ان کا خاندان سندھ کے قیدیوں میں سے تھا۔ ۱۵۲ھ میں
 وفات پائی۔“

ابو محمد خلف بن سالم سندھی متوفی ۲۳۱ھ ابو العباس فضل بن سکیں بن سمت
 سندھی، ابو نصر فتح بن عبد اللہ سندھی، ابو العطا سندھی ادیب، ایسے کثیر التعداد سندھی تھے
 جو عربوں میں رہ کر ممتاز علماء میں شمار کئے گئے۔ ایسے ہی یہاں کے لوگ فن ادب میں
 بھی صاحب کمال تھے۔ شاعری میں بھی اپنے استادوں کے ہم پایہ بن گئے۔
 چنانچہ ابو تمام نے ابو عطا کے حبابہ میں عربی اشعار نقل کئے ہیں سندھی بن شاہک
 بغداد پہنچے اور وہاں رہ پڑے۔ ان کی نسل سے کشاجم پیدا ہوا جو عربی کا مشہور شاعر
 تھا۔ ابو نصر فتح بن عبد اللہ السندھی، ایک سندھی غلام تھے۔ تعلیم پاکر ”الفصیۃ المتکلم“
 مشہور ہوئے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ملکی مذہب ترک کر کے آغوش اسلام میں
 آکر صاحب فضل و کمال بن گئے۔

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عربوں کا مفتوحہ علاقہ کے لوگوں پر بھی بڑا
 اثر پڑا کہ دیکھا دیکھی علم سے ذوق رکھنے لگے اور سندھ سے بغداد گئے اور خلفاء
 بنی عباس نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور جو علمی سرمایہ لے کر گئے تھے اس کی قدر دانی کی۔
 فہرست ابن ندیم میں ہند کی ان علمی یادگاروں کا ذکر محفوظ ہے۔

غرضیکہ عربوں نے یہاں آکر اپنی قومی روایات کو برقرار رکھا۔ اب ہم عربوں
 کی مہموں کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

۱۔ تذکرہ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۲۱ ۲۔ کتاب الانساب سمعانی ص ۳۱۲۔

عہد فاروقی میں سندھ پر پہلی مہم

علامہ بلاذری لکھتے ہیں ۳۵ھ میں خلیفہ راشد عثمان بن الخطاب نے عثمان بن ابوالعاصی ثقفی کو بحرین و عمان کا والی بنایا تو اس نے اپنے بھائی حکم کو بحرین کی جانب بھیجا اور خود عمان کی جانب روانہ ہوا۔ عمان پہنچ کر ایک لشکر تانہ کی جانب بھیجا۔ جب یہ لشکر واپس آیا تو حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دینے کے لئے لکھا۔ حضرت عمرؓ نے اسے لکھا۔ ”اے ثقیف کے ناخبر کار! جو ان تو نے کھڑے کو لکڑی پر سوار کر دیا۔ بیشک میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر وہ ہلاک ہو جاتے تو میں تیری قوم سے اتنے ہی آدمی لے لیتا۔“

اور عثمان نے حکم کو بروص کی جانب بھی روانہ کیا اور اپنے دوسرے بھائی مغیرہ بن العاصی کو خلیج دیبل کی جانب بھیجا۔ دشمن سے اس کی مڈ بھڑ ہوئی اور اس نے فتح حاصل کی اور کامرانی سے واپس آیا۔

عہد عثمانی میں سندھ پر مہم

جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور عبداللہ بن عامر کو انہوں نے عراق کا گورنر بنایا اور اس کے پاس یہ حکم لکھا کہ وہ سرحد ہند کی جانب کسی ایسے شخص کو بھیج جو وہاں کے صحیح حالات معلوم کرے اور واپس آکر خلیفہ کو خبر دے تو عبداللہ نے حکیم بن جبلة عبدی کو روانہ کیا۔ جب حکیم ہند سے واپس گیا تو اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس عبداللہ نے بھیج دیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس سے ہندوستان کے شہروں کا حال دریافت کیا تو حکیم نے عرض کیا کہ یا امیر المؤمنین! میں نے وہاں کے حالات سے بہت اچھی طرح واقفیت حاصل کی ہے اور خوب تحقیقات کی اور وہاں کے لوگوں

لے فتوح البلدان بلاذری ص ۴۴۔

کو آزمایا ہے۔ آپ نے فرمایا تفصیلی حالات بیان کرے حکیم نے کہا۔ ہندوستان میں پانی تھوڑا ہے۔ کھجوریں رڈی ہیں اور وہاں کے کٹیرے دلیر ہیں۔ اگر لشکر کم ہو تو تباہ ہو جائے اور اگر زیادہ ہو تو بھوکا مر جائے۔ حضرت عثمانؓ نے اس سے فرمایا تو حالات بیان کرتا ہے یا تک بندی کرتا ہے۔ کہا نہیں حضور صیحح حالات بیان کرتا ہوں۔ آپ نے سکوت اختیار فرمایا اور وہاں کسی کو لڑنے کے واسطے نہیں بھیجا۔

عہدِ علیؓ مرتضیٰ میں سندھ پر مہم

جب ۳۸ھ کا آخر اور ۳۹ھ کا آغاز ہوا تو حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت میں حادث بن مرہ عبدی بہ نیت ثواب رضا کا راندہ طور پر حضرت علیؓ کی اجازت سے سرحد کی جانب سے روانہ ہوا۔ چنانچہ اس نے فتح و ظفر حاصل کی اور بہت کچھ مال غنیمت اور قیدی اُس کے ہاتھ لگے۔ چنانچہ اُس نے ایک دن میں ایک ہزار قیدی تقسیم کئے۔ پھر علاقہ قیقان (قلات) کی طرف بڑھا۔ وہاں مقابلہ سخت رہا۔ اس میں حادث اولیٰ کے تمام ساتھی بجز چند آدمیوں کے قتل ہو گئے۔ ۴۰ھ میں یہ واقعہ ہوا۔ قیقان خراسان کے متصل سندھ کے مشہور شہروں میں سے ہے اب پاکستان میں ہے۔

عہدِ امیر معاویہؓ میں سندھ پر مہم

حضرت امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت ۴۰ھ میں اس سرحد پر مہلب بن ابی صفور نے حملہ کیا اور بنہ اور الہوا تک آیا۔ یہ دونوں شہر ملتان اور کابل کے درمیان واقع ہیں۔ یہاں دشمن اس کے مقابل ہوا اور مہلب اور اس کے ساتھیوں سے جنگ کی مگر وہ ناکام رہے۔ بلاد قیقان میں اٹھارہ ترک دم تراشیدہ گھوڑوں پر سوار مہلب سے ملے۔ انہوں نے مہلب سے جنگ کی اور سب کے سب قتل کر دیئے گئے۔ بنہ کی جنگ کے بارے میں ازدی شاعر کہتا ہے

(ترجمہ) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جس شب کو مقام بنہ میں ازدیوں پر شمشیر

مارا گیا وہ مہلب کے لشکر کے بہترین سپاہی تھے۔“

عبداللہ بن عامر گورنر عراق نے حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں عبداللہ بن سوار کو سندھ کا گورنر بنایا اور کہا جاتا ہے کہ خود امیر معاویہؓ نے اپنی جانب سے عبداللہ کو سرحد ہند کا گورنر بنایا تھا۔ چنانچہ عبداللہ بن سوار نے قیقان پر حملہ کیا اور بہت سا مال غنیمت حاصل کیا۔ پھر عبداللہ امیر معاویہؓ کے پاس شام حاضر ہوا اور قیقانی گھوڑے تحفہ میں پیش کئے اور کچھ عرصہ اُن کے پاس قیام کیا۔ پھر قیقان کی جانب واپس چلا آیا تو اس مرتبہ قیقانیوں نے ترکوں سے فوجی کمک طلب کی اور ترکوں نے اس کو قتل کر دیا۔ عبداللہ بن سوار کے حق میں شاعر کہتا ہے ۷

”ابن سوار بہر حال مہمانی کی آگ کو روشن کرنے والا اور بھوک پیاس کو فنا کرنے والا ہے۔“

عبداللہ بن سوار بڑا سخی تھا۔ اس کے لشکر میں کوئی شخص اس کے مبلغ کی آگ کے سوا آگ نہیں جلا سکتا۔ تمام لشکر اس کے دسترخوان پر کھانا کھاتا اس لئے اس کے باورچی خانہ کے سوا اور کہیں آگ نہ جلتی تھی۔ ایک رات اُس نے کہیں آگ جلتی دیکھی تو کہا یہ کیا؟ لوگوں نے کہا ایک زچہ عورت ہے اس کے لئے حلوہ بنایا جا رہا ہے تو اُس نے حکم دیا کہ تین روز تک تمام لشکر کو حلوہ کھلایا جائے۔

زیاد ابن ابی سفیان نے امیر معاویہؓ کے زمانے میں سنان بن سلمہ بن محبق ہذلی کو سندھ کا والی بنایا۔ سنان بڑا قابل اور خدا پرست آدمی تھا۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے لشکر کو طلاق کی قسم دلائی۔ یعنی ہر سپاہی سے قسم لی کہ اگر وہ میدان جنگ سے بھاگے تو اس کی بیوی پر طلاق۔ چنانچہ سنان سرحد سندھ پر آیا اور سکران کو بزدل و شمشیر فتح کیا اور اس کی آبادی میں توسیع کر کے اسے شہر بنادیا اور وہیں قیام اختیار کیا اور تمام بلاد سندھ کا نظم و نسق قائم کیا۔ اسی کے بارے میں شاعر کہتا ہے۔ ۷

”میں نے دیکھا کہ قبیلہ ہذیل نے اپنی قسموں میں منجملہ دیگر قسموں کے ایک قسم ایسی عورتوں کی طلاق کی ایجاد کی ہے جن کو وہ مہر بھی نہیں پہنچاتے یقیناً اسان ہو گئی مجھ پر ابن محبق کی قسم جبکہ ان عورتوں کی گردنوں نے نہری زیورات کو بلند کیا، نمایاں کیا“

یعنی ان عورتوں کی حسین گردنوں اور زیورات کو دیکھ کر اگر دم تک لڑنا اور قسم کو پورا کرنا ہمارے لئے آسان ہو گیا کہ اگر ہم بھاگ گئے تو یہ دشمن کے ہاتھ پڑیں گی۔ عرب عورتوں کو میدان جنگ میں ہمراہ رکھتے تھے جن کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ ابن کلبی نے بیان کیا کہ جس شخص نے مکران فتح کیا وہ حکیم ابن جبلة عبدی تھا۔ پھر زیاد نے سرحد سندھ پر قبیلہ ازدمن سے راشد بن عمر کو گورنر بنایا۔ چنانچہ راشد مکران آیا۔ پھر قیقان پر حملہ کیا اور فتح پائی۔ پھر قوم مید سندھ کے بحری قزاقوں پر حملہ کیا۔ اسی حملہ میں قتل ہو گیا اور سنان بن سلمہ نے فوج کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ پھر زیاد نے اس کو مہر ہند کا گورنر بنادیا۔ دو سال تک یہاں قیام کیا۔ اُغشی مکران نے مکران کے بارے میں کہا ہے تو مکران جاتا ہے بے شک وہاں جانا اور آنا بہت بعید یعنی دشوار ہے۔ مکران میرا مقصد نہ تھا اور نہ وہاں کوئی لڑائی ہے اور نہ تجارت، مجھ سے وہاں کے حالات بیان کئے گئے ہیں مگر میں وہاں گیا نہیں۔ تاہم اس کے ذکر سے خوف زدہ نہ ہتا ہوں۔ حالات یہ ہیں کہ زیادہ آدمی وہاں بھوکے مرجائیں اور تھوڑے آدمی وہاں مصیبت میں مبتلا ہو جائیں۔

عباد بن زیاد نے سرحد سندھ پر سجستان کی جانب سے حملہ کیا۔ چنانچہ ساروز آیا پھر وہاں سے حوی کھر پھر روز بارہ تک اور علاقہ میستان میں ہند مند تک قبضہ کر لیا۔ پھر کش میں اُترا اور وہاں سے ریگستان کو طے کر کے قندھار آیا۔ اہل قندھار سے لڑا اور ان کو شکست دی اور میدان جنگ سے بھگادیا۔ تھوڑے سے مسلمانوں کی شہادت کے بعد قندھار فتح کر لیا۔ عباد نے اہل قندھار کی لمبی لمبی ٹوپیاں دیکھیں تو اس نے اسی جیسی ٹوپیاں پہنیں۔ اس وجہ سے ان کا نام

عباد پر رکھا گیا۔ ابن مضر غ نے کہا ۷
 ”گرم علاقوں اور ہندوستان کی زمینوں میں بہت سے پیروں کے نشان ہیں
 اور بہت سے مقتولین کی قمیصیں پڑی ہیں۔ کاش کہ وہ دفن کئے جاتے،
 قندھار میں، اور جس کی موت قندھار میں لکھی ہوگی اس کی خبریں اٹکل سے
 بیان کی جائیں گی۔ یعنی اتنی دور جا کہ زندہ واپس آنا یا صحیح خبر میسر آنا
 بہت دشوار ہے“

پھر زیاد نے منذر بن جاد و عبدی کو جس کی کیفیت ابوالاشعث یحییٰ سرحد ہند
 کا گورنر بنایا۔ اس نے بوقان اور قیقان پر حملہ کیا۔ مسلمانوں نے فتح پائی، مال
 غنیمت حاصل کیا اور فوجی دستے ان کے شہروں میں پھیلا دیئے اور قصدار کو فتح کر
 لیا اور وہاں کے باشندوں کو گرفتار کیا۔ سنان نے اس سے پہلے قصدار کو فتح کر لیا
 تھا مگر اہل قصدار نے عہد شکنی کی تھی اس لئے دوبارہ فتح کیا۔ قصدار ہی میں منذر نے
 وفات پائی۔ اپریس شاعر کہتا ہے ۷

”منذر قصدار میں اُترا اور وہیں قبر میں رہ گیا۔ واپس جانے والوں کے
 ساتھ واپس نہیں گیا۔ قصدار اور اس کے انگوڑوں کے باغ بھی کس قدر
 خوش نصیب ہیں۔ دین و دنیا کے کیسے اچھے نوجوانوں کو انہوں نے
 اپنے آغوش میں چھپا لیا“

پھر عبید اللہ بن زیاد نے ابن قری باہلی کو والی بنایا اور سرحد ہند پر روانہ کیا۔
 اللہ پاک نے بلادِ سندھ اس کے ہاتھ پر فتح کئے اور اس نے وہاں بہت سخت
 لڑائیاں لڑیں اور فتح و ظفر حاصل کی اور مالِ غنیمت سے مالا مال ہوا۔ یوغین کی ایک
 جماعت نے کہا ہے کہ عبید اللہ بن زیاد نے سنان بن سلمہ کو گورنر بنایا تھا اور ابن حرری اس کے
 فوجی دستوں پر سردار تھا۔ ابن حرری کے بارے میں شاعر کہتا ہے ۷
 ”اگر یوتقان میں میری تیرہ بازی نہ ہوتی تو بن حرری کی فوجیں لوٹ کا
 مال لے کر واپس نہ آتیں“

عبدالملک

جب حجاج بن الکلثم بن ابی عقیل ثقفی عبدالملک کی جانب سے عراق کا والی ہوا تو اُس نے سعید بن اسلم بن زرعہ کلابی کو مکران اور اس کی سرحد ہند کا گورنر بنایا جب سعید مکران پہنچا تو معاویہ بن حارث علانی اور محمد بن حارث علانی تمام سرحدی علاقہ پر قابض ہو گئے رُحلاف کا نام رہبان بن حلوان بن عات بن قضاہ ہے۔ قضاہ قبیلہ حرم کا جدِ اعلیٰ ہے۔ پھر حجاج نے مجاعہ بن سمرتمی کو اس سرحد کا گورنر بنایا۔ مجاعہ نے یہاں آکر جنگ کی اور مالِ غنیمت حاصل کیا اور قنابیل کے بہت سے گروہوں، جھوٹوں کو بھی فتح کیا۔ پھر محمد بن قاسم نے اس فتح کی تکمیل کی۔ مجاعہ ایک سال بعد مکران میں وفات پا گیا۔ شاعر کہتا ہے

”جب کسی جنگ میں تو اے مجاعہ شریک ہوا ایسی کا تذکرہ تجھے زیب دیتا ہے
کیونکہ تُو نے ہر جنگ میں اپنی بہادری کے جوہر دکھلائے۔“

پھر حجاج نے مجاعہ کی وفات کے بعد محمد بن ہادون نمری کو مکران پر حاکم بنایا۔ اس کی حکومت کے زمانہ میں جزیرہ یاقوت سرندپ کے بادشاہ نے حجاج کے پاس چند مسلمان عورتیں بطور تحفہ بھیجیں جو اس کے ملک میں مسلمان پیدا ہوئی تھیں اور ان کے باپ دادا سوداگری کرتے تھے اور ان کا وہیں انتقال ہو گیا تھا اور اس نے اُن کے ذریعہ حجاج سے تعرب حاصل کرنے کا ارادہ کیا تھا جس کشتی میں یہ عورتیں سفر کر رہی تھیں اس کو دہیل کے بحری قزاقوں کے ایک گروہ نے چھوٹی چھوٹی جنگی کشتیوں میں سوار ہو کر گھیر لیا اور کشتی کو معہ سامان اور عورتوں کے پکڑ لیا۔ ان میں سے قبیلہ یربوع کی ایک عورت نے یا حجاج کہہ کر آواز دی۔ حجاج کو اس کی خبر پہنچی تو اُس نے بے ساختہ کہا یا لبتیک! ہاں میں آیا۔ اور فوراً سندھ کے راجہ داہر کے پاس قاصد بھیجا اور ان عورتوں کے چھوڑنے کا مطالبہ کیا۔ راجہ داہر نے جواب دیا کہ ان عورتوں کو تو دریائی ڈاکوؤں نے پکڑا ہے

جن پر میرا قابو نہیں، آپ ہی ان کی خبر لیں۔ حجاج یہ سن کر برا فرود خستہ ہو گیا اور اس نے عبید اللہ بن نہمان کو معہ مختصر سپاہ کے دیبل پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ عبید اللہ اس مہم میں قتل ہو گیا۔ پھر حجاج نے بدیل بن طہفہ کو جو حاکم عمان تھا حکم لکھا کہ وہ دیبل روانہ ہو جائے لیکن جب وہ جزیرہ یاقوت پہنچا اور دشمن سے مقابلہ ہوا تو اس کا گھوڑا ابد کا اور اس کو گرا دیا۔ دشمن نے اس کو گھیر لیا اور مار ڈالا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اسے بدھ مذہب کے جاٹوں نے قتل کیا۔ ابوہر عبد الملکؓ میں فوت ہوا اور ولید بیٹھا۔

عمر ولید بن عبد الملک

حجاج نے ولید بن عبد الملک سے اجازت لے کر اپنے چچا زاد بھائی اور داماد محمد بن قاسم بن عقیل ثقفی جو اس وقت شیراز میں تھا۔ اس کو حکم دیا کہ وہ رے چلا جائے اور فوج لے کر سندھ پر حملہ آور ہو۔ محمد بن قاسم کے مقدمۃ الجیش (ہراول) پر ابو الاسود جہم بن زحر ثقفی کو سردار کیا۔ چھ ہزار سپاہی شام کے لشکر سے اور ان کے علاوہ بہت سے کارآمد مودہ لوگ اس کے لشکر کے ساتھ شریک کر دیئے اور تمام ضروری سامان حتیٰ کہ تسلی اور سوئی بھی اس کے لئے مہیا کی گئی اور دھنی ہوئی روٹی لی اور پیرانے انگودی سرکہ میں اسے ڈبودیا اور پھر سایہ میں خشک کیا اور محمد بن قاسم کے پاس بھیجا اور کہا کہ جب تم سندھ پہنچو گے تو وہاں سرکہ بہت کم ہے تو اس روٹی کو پانی میں بھگو لینا۔ پھر اس سے روٹی لگا کر کھانا سرکہ کا کام دے گا۔ عرب کے لوگ سرکہ سے روٹی کھانے کے بہت عادی تھے۔

محمد بن قاسم شیراز سے چل کر مکران پہنچا۔ چند روز یہاں قیام کیا۔ پھر قنڑ پور آیا اس کو فتح کیا۔ پھر اہمائل پہنچا اسے بھی فتح کیا۔ محمد بن ہادون بن ذراع محمد بن قاسم

لے جزیرہ یاقوت اس لئے کہتے ہیں کہ معان کی محو تیں خوبصورت ہوتی تھیں (فتوح البلدان)

سے آملہ اور لشکر میں شامل ہو گیا اور اس کے ہمراہ روانہ ہوا۔ بگڑا مائیل کے قریب ہی اس کا انتقال ہو گیا اور قبیل میں دفن کر دیا گیا۔ پھر محمد بن قاسم اہ مائیل سے روانہ ہوا۔ جہم بن زفر جعفی اس کے ہمراہ تھا۔ جمعہ کے روز وہیل پہنچے اور وہ کشتیاں بھی پہنچ گئیں جن پر براہ سمندر فوجیں سامان اور ہتھیار بھیجے گئے تھے۔ محمد بن قاسم نے دیہیل پر اترتے ہی لشکر گاہ کے چاروں طرف خندق کھدوائی۔ خندق کے کناروں پر نیزے گاڑ دیئے اور ان پر پھر پیرے اڑا دیئے اور لوگوں کو ان کے جھنڈے کے نیچے ٹھہرایا گیا۔ عروس (عروسک) نامی منجنيق نصب کی گئی۔ اس منجنيق میں پانچ سو آدمی کام کرتے تھے۔

دیہیل میں ایک بہت بڑا مندر تھا۔ اس بدھ کے مندر کے برج پر ایک لمبی بتی لگی ہوئی تھی۔ اس بتی پر ایک سرخ جھنڈا تھا۔ یہ جھنڈا اتنا لمبا چوڑا تھا کہ جب ہوا چلتی تو تمام شہر کو گھیر لیتا اور گھومنے لگتا۔

انتظام بر بیدار | تیسرے روز حجاج کے خطوط محمد بن قاسم کے پاس آتے تھے اور محمد بن قاسم کے خطوط اس جانب کے حالات اور طریق کار کے بارے میں حجاج کی رائے معلوم کرنے کے لئے اس کے پاس جاتے تھے۔ چنانچہ محمد بن قاسم کے پاس حجاج کا خط آیا اس میں لکھا تھا کہ :-

”جہاں اترو وہاں گرد خندق کھود لیا کرو اور اکثر شب بیدار رہو۔

ہمیشہ تلاوت قرآن میں مصروف رہا کرو۔ دعا کرو اور ذکرِ حق کرتے

رہو۔ عروس نامی منجنيق کو مندر کی سیدھی نصب کرو اور اس کا ایک

پایہ جو مشرقی جانب ہے چھوڑا کرو تاکہ دوسری جانب بڑا ہو جائے اور پیچھے

بہت اونچا پھینکا جاسکے اور عروس کے چلانے والے کو ہلاؤ اور حکم دو کہ اس

بتی کو تاک کر نشانہ لگائے جس کا تم نے اپنے خط میں ذکر کیا ہے۔“

۱۔ تاریخ ہندوستان پہلی جلد ص ۷۹۔

چنانچہ منجیق کے چلانے والے نے بلی پر نشانہ مارا اور اس کو توڑ دیا۔ کفار اس سے بھڑک اُٹھے۔ پھر محمد بن قاسم نے اُن پر چڑھائی کر دی۔ وہ بھی جوش میں آکر قلعہ سے باہر نکل آئے۔ مقابلہ ہوا۔ محمد بن قاسم نے دیبل والوں کو شکست فاش دی۔ حتیٰ کہ میدان سے بھگادیا اور اُنہوں نے قلعہ میں جا کر دم لیا۔ محمد بن قاسم نے سیڑھیوں کے لگادینے کا حکم دیا۔ چنانچہ قلعہ کی دیواروں پر سیڑھیاں لگادی گئیں اور بہادر سپاہی سیڑھیوں پر چڑھ گئے۔ سب سے پہلے چڑھنے والا اہل کوہنہ میں سے قبیلہ مراد کا ایک شخص تھا۔

۹۳ھ میں قلعہ دیبل بزورِ شمشیر فتح ہو گیا۔ تین روز تک برابر محمد بن قاسم صلح اور جنگجو اہل قلعہ کو قتل کرتا رہا۔ داہر کا حاکم دیبل سے بھاگ گیا۔ محمد بن قاسم نے فتح کے بعد مسلمانوں کو دیبل میں زمینیں تقسیم کیں۔ ایک مسجد تعمیر کی۔ چار ہزار مسلمانوں کو وہاں آباد کیا اور دیبل کو عساکرِ اسلامیہ کے لئے ایک فوجی مرکز بنادیا اور اس کے بعد ہارون ابن ابوالخالد مروزی سندھ کا گورنر مقرر کیا گیا مگر تھوڑے ہی عرصہ میں وہ قتل کر دیا گیا۔

مورخین نے بیان کیا کہ محمد بن قاسم دیبل سے نيزون آیا۔ اہل نيزون نے اس سے قبل اپنے دو سادہو حجاج کے پاس بھیجے تھے اور صلح کر لی تھی۔ لہذا انہوں نے محمد بن قاسم کے لئے رسدِ ہتیا کی اور اس کو شہر میں لے گئے۔ سالانہ زرِ صلح بھی ادا کیا۔ محمد بن قاسم جس شہر سے گزرتا تھا اسی کو فتح کر لیتا تھا حتیٰ کہ دریائے سندھ کے ورے جو نہر تھی اسے عبور کیا۔ یہاں پہنچ کر سرِ یبدس کے سادہو آئے اور باشندگانِ سرِ یبدس کی جانب سے صلح کر لی اور ان پر خراج مقرر کیا اور وہاں سے سہبان کی جانب روانہ ہوا اور اس کو فتح کیا۔ پھر دریائے سندھ کی جانب رخ کیا اور اس کے درمیانی حصہ پر اُترا۔ داہر کو اس کی خبر پہنچی اور اس نے محمد بن قاسم کے مقابلہ کی زبردست تیاریاں شروع کیں۔

محمد بن قاسم نے محمد بن مصعب ثقفی کو سوار فوجی دستوں کے ساتھ سدوسان

(سیوستان) بھیجا۔ اہل سدوسان نے اس اور صلح طلب کی۔ سادھوؤں کی ایک جماعت نے فریقین کے درمیان سفارت کی خدمت انجام دی۔ چنانچہ محمد بن مصعب نے ان کو امان دی اور ان پر خراج مقرر کیا اور لغرض اطمینان ان سے کچھ معزز آدمی بطور ضمانت طلب کئے اور چار ہزار جاٹوں کو ساتھ لے کر محمد بن قاسم کے ساتھ فوج میں شامل ہو گئے اور سدوستان پر ایک شخص کو حاکم مقرر کر دیا۔ پھر محمد بن قاسم نے دریائے سندھ کو عبور کرنے کی تدبیر کی۔ کیونکہ داہر نے سارے پل اٹھالئے تھے۔ چنانچہ راسل کے علاقہ کے پاس خود پل باندھ کر دریائے سندھ کو عبور کیا۔ راسل ہندوستان کے علاقہ قلعہ کچھ کا بادشاہ تھا۔

داہر محمد بن قاسم کو حقیر سمجھتا تھا اور اس کی جانب سے بالکل بے پرواہ تھا۔ آخر محمد بن قاسم اور عساکر اسلامیہ کا داہر سے مقابلہ ہوا۔ داہر باقی پر سوار تھا۔ ہاتھیوں کا ایک دستہ اس کے چادروں طرف تھا۔ ٹھاکر راجپوت بھی بہت بڑی تعداد میں اس کے ہمراہ تھے۔ دونوں فریق ایسی سخت لڑائی لڑے کہ اس سے پہلے ایسی لڑائی کبھی نہیں سنی گئی تھی۔ یہاں تک کہ داہر پیادہ پا ہو گیا اور خوب جان توڑ کر لڑا۔ لڑتے لڑتے شام کے وقت ۱۰ ارد رمضان المبارک ۱۲ھ کو قتل ہو گیا۔ مدائنی کی روایت کے بموجب جس شخص نے داہر کو قتل کیا وہ قبیلہ بنو کلاب کا ایک شخص تھا۔ اس نے اس موقع پر یہ شعر کہے:

”فوجی سوار اور نیزے اور محمد بن قاسم سب شاہد ہیں کہ بے شک میں نے بغیر منہ موڑے جنگ داہر میں دشمنوں کی صفوں کے پرے کے پرے توڑ دیئے حتیٰ کہ تلوار لے کر خاص ان کے بادشاہ کے سر پر جا پڑا اور اس کو خاک میں لوٹ پوٹ بغیر تکیے کے رخصت کر دیا۔“

داہر اور اس کے قاتل کا مجسمہ بروم بھڑوچ میں بنا ہوا تھا اور بدیل بن طہفہ کا مجسمہ قندیں ہے اور اس کی قبر بدیل میں ہے۔ علی بن محمد مدائنی ابو محمد ہندی سے نقل کرتے ہیں کہ ابو الفرج نے بیان کیا کہ جب داہر قتل کر دیا گیا تو محمد بن قاسم تمام

تمام بلاد سندھ پر غالب آگیا۔ ابن کلبی نے بیان کیا کہ جس نے داہر کو قتل کیا ہے وہ قاسم بن عبداللہ بن حصن طائی ہے۔

مورخین کہتے ہیں کہ محمد بن قاسم نے داہر کو بزورِ شمشیر فتح کیا۔ قلعہ داہر میں داہر کی بیوی پناہ گزین تھی اس کو خوف ہوا کہ وہ پکڑا نہ جائے لہذا اُس نے خود کو مع اپنی ملوثیوں اور تمام مال و متاع کے جلا کر ستی ہو گئی۔ پھر محمد بن قاسم پرلے برہمن آباد آیا۔ یہ منصورہ سے دو فرسخ چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ ان دنوں میں منصورہ نہ تھا بلکہ اس کی جگہ جھاڑیاں تھیں۔ داہر کی شکست خوردہ فوج اسی برہمن آباد میں تھی۔ لہذا انہوں نے محمد بن قاسم سے سخت جنگ کی۔ بالآخر محمد بن قاسم نے برہمن آباد کو بزورِ شمشیر فتح کیا اور آٹھ ہزار فوجی سپاہیوں کو قتل کیا اور کہا جاتا ہے کہ چھبیس ہزار۔ پھر اپنا عامل وہاں قائم مقام چھوڑ دیا۔ محمد بن قاسم برہمن آباد سے لاہور اور لغرور کے قصد سے روانہ ہوا۔ راستہ میں اہل ساو ندری آکر ملے۔ انہوں نے امان کی درخواست کی۔ محمد بن قاسم نے ان کو امان دیدی اور اسلامی فوجوں کی مہمانی اور مدد مہری کی ان سے شرط کی یعنی جس وقت عساکرِ اسلامیہ اس طرف سے گزریں تو ان کی رسد کا انتظام کرنا اور دشمن کے علاقہ میں ان کی مدد مہری کرنا ان کے ذمہ ہے۔

اہل ساو ندری آج کل مسلمان ہیں۔ پھر بسند کی طرف بڑھا۔ اہل بسند نے بھی اہل ساو ندری کی طرح ان ہی شرائط پر صلح کی۔ محمد بن قاسم بڑھتے بڑھتے لاہور تک پہنچ گیا۔ یہ سندھ کے بڑے شہروں میں سے ہے اور ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ چند ماہ تک اہل لاہور کا محاصرہ جاری رہا۔ آخر کار اس شرط پر بطور صلح فتح کیا کہ محمد بن قاسم نہ تو ان کو قتل کرے گا اور نہ ان کے مندر سے تعرض کرے گا۔

معنف کہتا ہے کہ یہ بدھ مذہب کا عبادت خانہ ہے بالکل اسی طرح جیسے عیسائیوں کے گرجے، یہودیوں کے کینیسے اور آتش پرستوں کے آتشکدے۔ اہل لاہور

لے فتوح البلدان بلاذری ص ۴۴۴۔

خراج مقرر کیا اور ایک مسجد تعمیر کی اور وہاں سے سکھ سکھ کر جانے لگے۔ یہ دریائے بیاس کے ورے ایک شہر ہے۔ محمد بن قاسم نے اس کو بھی فتح کیا۔ پھر دریائے بیاس کو عبور کر کے ملتان پہنچا۔ اہل ملتان نے اس سے مقابلہ کیا۔ سخت لڑائی ہوئی۔ زائدہ ابن عمیر طائی نے خوب اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ مشرکین کو میدان جنگ میں شکست ہوئی تو جہاگ کہ شہر میں گھس گئے اور قلعہ کے دروازے بند کر لئے۔

محمد بن قاسم نے اہل ملتان کا محاصرہ کیا۔ محاصرہ بہت طویل ہو گیا۔ مسلمانوں کے توشے سامان خورد و نوش ختم ہو گئے۔ جب کچھ نہ رہا تو گدھے ذبح کر کے کھا گئے۔ آخر کار ایک شخص امان لے کر مسلمانوں کے پاس آیا اور اہل ملتان جو پانی پیتے تھے اس کے داخل ہونے کی جگہ راستہ سے آگاہ کیا۔ یہ نہر نہر بسند سے آتا ہے اور شہر کے اندر بڑے حوض کی طرح ایک پانی کے خزانہ میں جمع ہوتا ہے اور اس کو تلاح تلاح لے لیتے ہیں۔ محمد بن قاسم نے اس پانی کے راستے کو پاٹ کر بند کر دیا۔ جب وہ پیاسے مرنے لگے تو انہوں نے مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ چنانچہ محمد بن قاسم نے لڑنے والوں کو قتل کیا اور ان کے بیوی بچوں کو قید کر لیا اور بدھ مندر کے بجاری جو چھ ہزار تھے گرفتار کر لئے اور بہت سے سونا مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

یہ تمام اموال غنیمت ایک کوٹھڑی میں جمع کئے گئے جو دس گز آٹھ گز تھی۔ اس کی چھت میں ایک روشندان کھلا ہوا تھا۔ تمام اموال جو اس میں امانت رکھے جاتے سب اسی روشندان سے ڈالے جاتے تھے۔ اسی لئے ملتان کا نام قریج بیت اللہ سونے کی کوٹھڑی کی سرحد پڑ گیا۔ ذبح بمعنی سرحد۔ ملتان کا بدھ مندر اتنا بڑا مندر تھا کہ اس کے لئے اموال کے ستھفے لائے جاتے تھے۔ منتیں مانی جاتی تھیں۔ اہل سندھ اس کے حج کے لئے آتے تھے طواف کرتے تھے۔ سر اور ڈاڑھیاں اس کے پاس منڈاتے تھے اور کہتے تھے کہ جو بت اس کے اندر ہے وہ حضرت ایوب علیہ السلام ہیں۔

مؤرخین نے کہا ہے کہ حجاج نے اس جنگ کے آمد و خرچ کا حساب لگایا تو

معلوم ہوا کہ اس نے ساٹھ ہزار چھ کروڑ درہم محمد بن قاسم پر خرچ کئے اور بس اور سو ہزار دو ہزار بارہ کروڑ اس کو وصول ہوئے، تو اس نے کہا ہم نے اپنے غصہ کو ٹھنڈا کر لیا۔ یعنی مقتولین کا انتقام لے لیا اور ساٹھ ہزار چھ کروڑ اور دایرہ کا سر نفع میں رہا۔

شہ میں حجاج کا انتقال ہو گیا تو محمد بن قاسم کے پاس اس کی وفات کی خبر آئی۔ لہذا ملتان ہی سے لاہور اور بغور کی جانب واپس چلا۔ ان دونوں مقاموں کو پہلے فتح کر لیا تھا۔ یہاں آکر لوگوں کو تنخواہیں دیں اور ایک لشکر بیلمان کی جانب روانہ کیا۔ انہوں نے جنگ نہیں کی اور اطاعت قبول کر لی۔ اہل سرست نے بھی مصالحت کر لی۔ یہ سرست آج کل بھرہ کی فوجوں کی حرب گاہ ہے۔ یہاں کے باشندے میدا بحری قزاق ہیں جو ہمیشہ سمندر میں ڈاکہ ڈالتے ہیں۔

پھر محمد بن قاسم کیرج آیا تو دوہر سپرداہر مقابلہ کے لئے نکلا۔ لڑائی ہوئی دشمن کی فوج نے شکست کھائی اور دوہر بھاگ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ قتل کر دیا گیا۔ اہل شہر نے ہتھیار ڈال دیئے۔ محمد بن قاسم نے حسب دستور مقتالین کو قتل اور بچوں اور عورتوں کو گرفتار کیا۔ شاعر کہتا ہے

”ہم نے داہر اور دوہر دونوں کو قتل کر ڈالا۔ در اسخا لیکہ سواروں کے گروہ کے گرد وہ ہلاک ہو رہے تھے“

۹۶ھ میں خلیفہ ولید بن عبدالملک نے وفات پائی اور سلیمان بن عبدالملک اس کی جگہ خلیفہ ہوا تو اس نے صالح بن عبدالرحمن کو عراق کے خراج پر گورنر بنایا اور یزید ابن ابی کبشہ سکمی کو سندھ پر تو یزید نے محمد بن قاسم کو معاویہ بن مطلب کے ساتھ گرفتار کر کے بھیجا۔ یہ تو اس وقت محمد بن قاسم نے یہ شعر اپنے حسب حال پڑھا

لے ابن عدون جلد ۳ صفحہ ۶۶۔

دو لوگوں نے مجھے منافع کر دیا، مگر افسوس انہوں نے لڑائی کے دن اور سرحد کے استحکام کے لئے کام آنے والے کیسے اچھے نوجوان کو منافع کیا۔“

اہل ہند محمد بن قاسم کی گرفتاری پر بہت دوشے اور کیرج میں اس کا مجسمہ بنایا۔ صالح نے محمد بن قاسم کو واسط میں قید کر دیا۔ اس وقت محمد نے یہ شعر پڑھے۔
 ”اگر آج میں واسط اور اس کی سرزمین میں پابند سلاسل دست بزنجیر طوق در گلو ہوں تو اس پر افسوس نہیں کیونکہ میں نے بہت سے نوجوان سواروں کو اپنی مہیبت سے خوف زدہ کر دیا ہے اور کتنے ہی اپنے ہمسروں کو میدان جنگ میں مقتول چھوڑ دیا ہے۔“

اور یہ اشعار پڑھے۔

”اگر میں مقابلہ میں ٹھہرنے کا ارادہ کر لیتا تو بہت سی عورتیں اور مرد جو لڑائی کے واسطے تیار کئے گئے تھے وہ پامال کر دیئے جاتے اور نہ سسکی گھوڑے ہمارے علاقے میں داخل ہوتے اور نہ کوئی علی مجھ پر امیر ہوتا اور نہ میں مزونی غلام کا تابع ہوتا اے شرفاء کو تباہ کرنے والے زمانہ تیرا بڑا ہوا۔“

صالح بن عبدالرحمن نے خاندان ابو عقیل کے اور لوگوں کے ساتھ محمد بن قاسم کو بھی سخت تکالیف پہنچائیں۔ یہاں تک کہ ان کو قتل کر دیا۔ حجاج نے صالح کے بھائی آدم کو قتل کیا تھا۔ اسی کے انتقام میں محمد بن قاسم کو صالح نے قتل کیا۔ یہ آدم خوارج کا عقیدہ رکھتا تھا۔ خارجی المذہب تھا۔ حمزہ بن ربیع حنفی نے محمد بن قاسم کی وفات

اے محمد بن قاسم کے قتل کا سبب یہ ہوا کہ ولید بن عبدالملک نے اپنے بھائی سلیمان کے بھائے اپنے بیٹے عبدالعزیز بن ولید کو جانشین کرنا چاہا۔ قہتم بن سلم اور حجاج نے ولید کی رائے کی تائید کی۔ اس سلسلے میں حجاج نے قاسم کو خط لکھا۔ یہ تجویز پوری نہ ہونے پائی تھی کہ حجاج مر گیا۔ اس کے سات ماہ بعد ولید فوت ہوا۔ سلیمان نے جو ولیعہد ہونا تھا ان کو قتل کر دیا، اس لپیٹ میں قاسم بھی آیا۔ طبری جلد ۱۲ ص ۱۲۷ میں تفصیل ہے۔

لے الکامل ابن اثیر جلد ۱ ص ۲۵۶ و تاریخ طبری جلد ۱ ص ۱۳۴۔

پر یہ شعر پڑھا ہے ۔

”بے شک مروت، رواداری اور جوانمردی محمد بن قاسم کے لئے مخصوص تھیں۔ سترہ سال کی عمر میں فوجوں کی سپہ سالاری کی تعجب ہے یہ سرداری پیدائش کے سقندر قریب ہے۔“

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے ۔

”دستہ سال کی عمر میں مردوں کی سپہ سالاری کی جبکہ اس کے ہم سن اس سرداری سے غافل کھیل کود میں مصروف تھے۔“

فاتح سندھ کی رواداری

محمد بن قاسم فاتح سندھ کی فاستحانہ سرگرمی اور مجاہدانہ کارنامے تفصیلی بیان کئے جا چکے۔ اس جبکہ اس کے کردار اور اس کی رواداری کے واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔ بچہ رائے حاکم سیوستان پر ابن قاسم حملہ کرنے بڑھا۔ بچہ رائے مقابلہ کے لئے تیار ہوا۔ اہل شہر نے کہا :-

”مسلمانوں کا مقابلہ مناسب نہیں، صلح و آشتی سے کام لیجئے۔ مسلمان صلح کی دعوے

کو رد نہیں کریں گے اور وہ کسی کے مذہب میں مداخلت نہیں کرتے۔ لہذا کشت و

خون کا ہنگامہ برپا کرنا فضول ہے۔“

چنانچہ راجہ داہر کے برادر زادہ بچہ رائے نے اپنا خاص جاسوس مسلمانوں کے لشکر میں بھیجا۔ اس وقت مسلمان باجماعت نماز میں مشغول تھے۔ یہ حال دیکھ کر جاسوس واپس آیا اور راجہ سے کہا یہ لوگ اس قدر متحد اور متفق ہیں کہ ان کا مغلوب کرنا سخت دشوار ہے۔ بچہ رائے مرعوب ہو کر رات ہی کو سیوستان سے فرار ہو گیا۔

جس روز راجہ داہر مارا گیا تو بہت سے لوگوں نے درخواست پیش کی کہ ہم بخوشی مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ داخل اسلام کئے گئے مگر دوسرے

۱۔ فتوح البلدان بلاذری ص ۴۴۵ -

ی روز فاتح سندھ نے اعلان کرایا۔

”جو شخص چاہے اسلام قبول کرے اور جو چاہے اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے، ہماری طرف سے کوئی تعرض نہ ہوگا۔“

بہرہن آباد جب فتح ہوا تو یہاں کے بعض باشندے ڈر سے بھاگنے لگے۔ اس موقع پر محمد بن قاسم نے اعلان کر دیا اور اس کا یہ سلوک یہاں کہ جو شخص اپنی جان بچانے کے لئے بھاگتا ہے اسے بھاگ جانے دو۔ باشندگان شہر سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ سوداگر، دوکاندار اور اہل حرفہ بدستور اپنے مشاغل میں مصروف رہے۔ امن و امان کا اعلان کر دیا گیا۔ جنگی قیدی جب محمد بن قاسم کے سامنے پیش ہوئے تو اُس نے ان کو رہا کر دیا اور کہہ دیا کہ جو اپنے باپ دادا کے مذہب پر چلے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ نہ ان کے مندروں اور عبادت خانوں میں کسی قسم کی مداخلت کی جائے گی، نہ زمینیں چھینی جائیں گی، نہ جان و اموال کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائے گا۔

الور فتح ہو چکا تو محمد بن قاسم نے تعجب سے دیکھا کہ بہت سے لوگ اس کے بڑے بت خانے نو دھار میں بت کے آگے سجدہ میں پڑے ہیں۔ اس کو پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ مندر ہے۔ اس کے اندر محمد بن قاسم داخل ہوا اور واپس آیا۔ ایک چیز بھی نہ بگاڑی بلکہ نکلنے کے بعد اعلان عام کر دیا :-

”اس شہر کے باشندے ہر قسم کے ٹیکس اور محصول سے معاف کئے جاتے ہیں۔“
ملتان کو محمد بن قاسم نے فتح کیا اور کس طرح کیا۔ مؤرخ کا بیان ہے :-
مسلمانوں نے بزور شمشیر ملتان پر قبضہ کیا اور اہل شہر کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے بغیر امن و امان اور معافی کا اعلان کر دیا۔ محمد بن قاسم نے ہر جگہ شہروں کو لوٹنے اور رعایا کے اموال پر قبضہ کرنے سے روکا۔ مندروں کی مورتیوں کو جو جواہر ہرگز سے مرصع اور سونے چاندی کی بنی ہوئی تھیں، کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ محمد بن قاسم کو سندھ کے لئے سپہ سالار بنا کر حجاج بن یوسف

نے بھیجا تھا۔ تاریخ اسلامی میں حجاج اپنے ظلم و جور میں بری طرح بدنام ہے مگر فتح سندھ کے سلسلے میں حجاج نے محمد بن قاسم کو جو ہدایتیں دی ہیں وہ پڑھنے کے لائق ہیں۔ فتح دیبل کی خوشخبری سن کر حجاج نے لکھا تھا ۔

جب ملک پر تم قابض ہو جاؤ تو قلعوں کی استواری اور لشکر کی رفع احتیاج کے بعد تمام اموال و خزانوں کو بہبودِ رعایا اور رفاہِ خلق میں خرچ کرو اور یاد رکھو کہ کاشتکاروں، کارہنگروں، سوداگروں اور پیشہ وروں کی خوشحالی و فادغ البالی سے ملک آباد و سرسبز ہوتا ہے۔ رعایا کے ساتھ ہمیشہ رعایت کرو تاکہ وہ تمہاری طرف محبت کے ساتھ راغب ہوں، کہیں یہ لوٹ کھسوٹ کی تعلیم ہے، ملک اور رعایا کے ساتھ رفق و ملاطفت کی کیسی دل نشین تاکید ہے۔“

محمد بن قاسم جب نیروں میں مقیم تھا تو حجاج کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ وہ اہل نیروں کے ساتھ نہایت نرمی اور دل دہی کا سلوک کرو۔ ان کی بہبودی کے لئے کوشش کرو۔ لڑنے والوں میں جو تم سے امان طلب کرے اس کو ضرور امان دے کس مقام کے اکابر تمہاری ملاقات کو آئیں ان کو قیمتی خلعت اور انعام و اکرام سے سرفراز کرو عقل و قول و فعل پر سندھ والوں کو پورا پورا اعتماد و اطمینان ہو۔“

کیا ان ہدایات میں وہ ساری باتیں درج نہیں ہیں جو ایک ذمہ دار کافر فیضہ ہوتا ہے۔ ایک طرح غور کیا جائے کہ جو ہدایتیں ہیں وہ ملک و قوم کی فلاح و بہبودی سے متعلق ہیں یا ان میں ملک اور قوم کا جانی مالی اور سیاسی نقصان ہے۔ اخلاق و اعمال کی پاکیزگی کی طرف اشارہ ہے یا ظلم و جور و بربریت کی طرف۔ سیلوستان کی فتح کی خوشخبری معلوم کر کے محمد بن قاسم کے نام اوپر سے یہ ہدایت پہنچی کہ :-

”جو کوئی تم سے جاگیر و ریاست طلب کرے تم اس کو نا امید نہ کرو، التجاؤں کو

قبول کر دو۔ امان و عفو سے رعایا کو مطمئن کرو۔ سلطنت کے چار ارکان ہیں
اول مدار و درگزر اور محبت، دوم سخاوت و انعام، سوم دشمنوں کی مزاج
شناسی اور ان کی مخالفت میں عقل کو ہاتھ سے نہ دینا۔ چہارم قوت و شجاعت
تم راجاؤں سے جو عہد کرو اس پر قائم رہو۔ جب وہ مالگزاری دینے کا اقرار
کر لیں تو ہر طرح ان کی امداد و اعانت کرو۔“

محمد بن قاسم دیا پالا ہو کر جب داہر کی فوج سے نبرد آزما ہوا تو حجاج بن
یوسف کا ہدایت نامہ ملا :-

دو پنج وقتہ نماز پڑھنے میں سستی نہ ہو۔ تکبیر و قرأت، قیام و قعود اور رکوع
و سجود میں خدائے تعالیٰ کے روبرو تضرع و زاری کرو۔ زبان پر ہر وقت ذکر
اللہ جاری رکھو۔ کسی شخص کو شوکت و قوت خدا تعالیٰ کی مہربانی کے بغیر
نہیں ہو سکتی۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ رکھو گے تو یقیناً
منظرف و منصور ہو گے۔ ممالک اسلامیہ کے بادشاہ، گورنر جنرل اور وزیر اعظم
تمہارا انتظام و اہتمام اور ہر ایک کام شرع کے مطابق ہو۔ جو لوگ بزرگ
اور ذی وقعت ہوں کو ضرور امان دو۔ لیکن شریر اور بد معاشوں کو
دیکھ بھال کر آزاد کیا کرو۔ اپنے عہد و پیمان کا ہمیشہ لحاظ رکھو اور امن پسند
رعایا کی استقامت کرو۔“

ایک دوسرے خط میں محمد بن قاسم کی خدمت کو سراہتے ہوئے
لکھا ہے کہ :-

”برہمن آباد کی فتح کے بعد بھجاریوں کا ایک معزز وفد محمد بن قاسم کی خدمت
میں حاضر ہوا اور یہ شکوہ پیش کیا کہ مسلمان سپاہیوں کے خوف سے
ہندو مندروں میں پوجا کے لئے بہت کم آنے لگے ہیں۔ ہماری آمدنی
کم پڑ گئی ہے۔ ایام محاصرہ میں بعض مندروں کو نقصان پہنچا ہے اس
کی مرمت اب تک نہیں ہو سکی ہے۔ لہذا آپ ان مندروں کی اپنے

اہتمام میں مرمت کرائیں اور ہندوؤں کو مجبور کریں کہ وہ بے خوف و خطر مندروں میں آکر پوجا کریں۔“

محمد بن قاسم نے جواب دیا :-

”تمہارے مندر کا تعلق شہر اور سے ہے اور وہ میرے قبضہ میں نہیں ہے میں کیسے دخل دوں۔“

پجاریوں نے کہا۔

”اب ان مندروں کا معاملہ ہم لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ لہذا اب سب کچھ آپ ہی کو کرنا چاہیئے۔“

محمد بن قاسم نے فوراً یہ تفصیل لکھ کر حجاج کو خبر دی۔ حجاج نے محمد بن قاسم کو لکھا کہ تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ برہمن آباد کے ہندو اپنے مندروں کی عمارت و سورت کہنا چاہتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے اطاعت قبول کر لی ہے۔ لہذا ان کو اپنے معبودوں کی عبادت میں آزادی حاصل ہے۔

غرضیکہ یہ بھی محمد بن قاسم کی لاداداری کی مختصر داستان۔ اب محمد بن قاسم کے جانے کے بعد کے حالات بیان کئے جاتے ہیں۔

یزید بن ابی کیسہ سکسکی ولایت سندھ کی وفات کے بعد حبیب بن مہلب کے تقرر سے سندھ کے امن و امان کو نقصان پہنچا۔ خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ۹۹ھ میں ابن مہلب کو معزول کر کے عمر بن مسلم باہلی کو امارت سندھ پر بھیجا اور یہاں کے اصلی باشندوں میں سے ارباب اقتدار کو تبلیغی دعوت نامے بھیجے جس سے سمجھ دار لوگ بے حد متاثر ہو کر ان میں سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ جن میں رابعہ داسر کا بیٹا جے سنگھ بھی تھا۔

اس کے بعد آل مہلب نے خلافت سے بغاوت کی۔ اپنے سابق اثرات سے فائدہ اٹھا کر سندھ کو اپنا مرکز قرار دیا۔ دواغ ابن حمید یہاں ان کا سرغنہ بنا کر ہلال بن اخوذ تمیمی کی سرکردگی میں خلیفہ کا لشکر آیا جس نے آل مہلب سے مقابلہ

کر کے اُن کا خاتمہ کیا۔

ستارہ میں عمرو بن مسلم باہلی کے بجائے جنید بن عبدالرحمن المری کو یہاں کا امیر بنا کر بھیجا گیا۔ راجہ داہر کا بیٹا جے سنگھ اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز سے امان طلب کر کے اور اجازت حکمرانی لے کر برہمن آباد کو اپنا پایہ تخت بنا کر حکومت کرنا لیا۔ جنید سے اس کے تعلقات بگڑ گئے جس کی وجہ سے دونوں میں جنگ آزمائی ہوئی۔ جے سنگھ مارا گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کیا۔ مارواڑ، گجرات گیا۔ پھر آگے بڑھ کر کشمیر کی سرحد تک پہنچا۔

ساتھ میں باب خلافت کی طرف سے جنید صوبہ خراسان کا والی بنا دیا گیا اور سندھ کی حکومت تمیم بن زید علی کے ہاتھ میں آئی۔ مشہور شاعر فرزدق نے اسی کے نام اپنا مشہور قصیدہ لکھ کر بھیجا تھا۔

تمیم کامیاب حکمران ثابت نہ ہو سکا۔ جلد فوت ہو گیا جس سے ملک میں عام ابتری پیدا ہو گئی تو سندھ کی عنان حکومت عارضی طور پر دوبارہ جنید کے سپرد کر دی گئی۔ وہ خراسان میں رہ کر یہاں کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ مگر انتظامی حالت سندھ کی روز بروز ابتر ہوتی گئی۔ آخر شش والی عراق کی طرف سے حکم بن عوانہ کلہی امیر سندھ بنا کر بھیجا گیا۔ اس نے ایک قلعہ بند شہر محفوظ کی بنیاد ڈالی۔ اس کو سندھ میں اسلامی حکومت کا پایہ تخت اور مسلمانوں کا مرکز قرار دیا۔ اس و امان قائم کرنے کے لئے انہیں بھیجیں جس سے ملک میں نئے سرے سے امن و امان قائم ہو گیا۔ فتوحات سے واپسی میں اس نے دوسرے شہر منصورہ کی بنیاد ڈالی جو آخر میں اسلامی حکومت کا پایہ تخت بنا۔ ۱۲۱ھ، ۱۲۲ھ یا ۱۲۳ھ، ۱۲۴ھ میں حکم ایک لڑائی میں کام آیا۔ عراق کی حکومت یوسف بن عمر ثقفی کے ہاتھ میں تھی۔ چنانچہ سندھ کی حکومت محمد بن قائم کے بیٹے عمرو کے ہاتھ میں دی گئی۔ اس کے دور میں بغاوتوں کو فروغ حاصل ہوا مگر وہ اپنی پامردی اور شجاعت سے مقابلہ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ باغیوں کو شکست دی۔ اسی اثنا میں آل مطلب نے مروان بن یزید بن مطلب کی سرکردگی میں پھر سراٹھایا۔

مروان قتل کیا گیا جس کے بعد یہ فتنہ بھی رفع ہوا۔ اس اثناء میں خلافت دمشق پر ہشام کی جگہ ولید آیا۔ اس نے ہشام کے والیوں کو معزول کیا اور ۱۴۵ھ، ۷۶۲ء میں عمرو بن ثقفی بھی معزول کیا گیا اور سندھ کی ولایت کی باگ ڈور زید بن عرار کے ہاتھ میں آگئی۔ یہ سندھ میں اموی سلطنت کا آخری والی تھا۔ اس دور میں دار الخلافہ انقلابات کی آماجگاہ رہا۔ یہاں تک کہ اموی خلافت کا خاتمہ ہو گیا اور ۱۳۲ھ سے عباسیوں کا پرچم لہرانے لگا۔ عباسیوں کے دعاۃ اور اموی سلطنت کے مخالفین دور دور کے قصبوں میں پہنچ چکے تھے۔ چنانچہ سندھ میں اموی سلطنت کا چراغ پہلے گل ہوا۔ منصور بن جہور کلبی جو دار الخلافہ سے فتنہ برپا کرتا ہوا سندھ تک آ پہنچا تھا، ۱۳۰ھ میں ابن عرار کے مقابلہ کر کے اس کو قتل کیا اور اپنی آزاد حکومت سندھ میں قائم کر لی۔

عمد بنی عباس | منصور بن جہور کلبی سے سندھ کی اسلامی حکومت کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ منصور کو مغربی سندھ کے علاقہ قندابل اور دیبل وغیرہ کا حاکم بنایا اور خود حکومت سندھ کے انصرام میں معروف ہو گیا۔ اس زمانہ میں خلافت عباسیہ کی طرف سے ابوسلم خراسانی مشرقی حاکم کا نگران تھا۔ اس نے سندھ کی ولایت کے لئے ابوسلم عبدالرحمن بن مسلم مغلس عبدی کو مامور کیا وہ فوج لے کر دیبل پہنچا۔ یہاں منصور کلبی نے مقابلہ کیا اور مارا گیا۔ یہ سن کر منصور خود آگے بڑھا۔ منصورہ کے قریب دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا۔ مغلس عبدی کو شکست ہوئی۔ وہ گرفتار ہو کر ۱۳۳ھ میں قتل کیا گیا۔ ابوسلم خراسانی نے یہ روداد سن کر موسیٰ بن کعب تمیمی کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ سندھ پر حملہ کے لئے روانہ کیا۔ اس نے منصور کو شکست دی۔ وہ فرار ہوا اور صحرا میں پیاس کی شدت سے جان دے دی۔ اس طرح ۱۳۵ھ میں سندھ کی حکومت خلافت عباسیہ کے زیر اقتدار آئی۔

موسیٰ پہلا عباسی امیر سندھ تھا۔ کچھ دنوں یہاں مقیم رہا۔ فاسخانہ سرگرمی دکھائی اور اپنے بیٹے عینیہ کو اپنا قائم مقام بنا کر عراق واپس گیا۔ عینیہ کامیاب حکمران ثابت نہیں

ہوا۔ ملک کے مقیم عرب باشندوں میں قبائلی جنگ شروع ہو گئی۔ قحطانی و زہری قبیلے اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اُس نے سب کو قتل کر لیا۔ پھر اُس کے خلاف بعض ہارشین بھی ہوئیں۔ بالآخر خلیفہ منصور عباسی ۱۳۳ھ میں عمر بن عتبی کو سندھ کا والی بنا کر بھیجا۔ عینیہ بغاوت پر آمادہ ہوا۔ عمر بن حفص نے کامیاب پیش قدمی کی اور امان دے کر منصورہ پر قبضہ کیا اور عینیہ کو گرفتار کر کے دار الخلافہ بھیج دیا۔ لیکن وہاں پہنچنے سے پہلے ہی راہ میں قتل کر دیا گیا۔

عمر بن حفص کا دور حکومت کئی حیثیتوں سے اہم ہے۔ اسی کے عہد حکومت میں شیعہ اور خارجی دونوں فرقوں کے مبلغین سندھ میں وارد ہوئے۔ چنانچہ ۱۴۲ھ ۱۴۳ھ میں خارجی فرقہ کا مبلغ حسان بن مجاہد ہمدانی سندھ میں داخل ہوا۔ مگر عمر بن حفص سادات کا طرفدار تھا، خارجیوں کو اس کی حمایت حاصل نہ ہو سکی اس لئے یہ مبلغین موصول واپس چلے گئے۔

دوسری طرف حضرت عبداللہ بن محمد معروف بہ عبداللہ الاشتر بن النفس الذاکر مدعی خلافت سندھ میں وارد ہوئے۔ عمر بن حفص نے اپنے فطری رجحانات سے ان سے چشم پوشی کی۔ اس طرح وہ خود سندھ میں شیعیت کی تحریک کے فروغ پانے میں معاون بنا۔ حضرت عبداللہ بن محمد معروف بہ عبداللہ الاشتر بن محمد النفس الذاکر کی عقیدت سے پذیرائی کی اور رازداری کے ساتھ ان کو راجہ کے حدود حکومت میں ٹھہرا دیا اور یہ اپنے طریقہ کی تبلیغ میں مصروف رہے اور شیعیت کی اشاعت ہوتی رہی۔ اتفاق سے ۱۵۱ھ میں خلیفہ المنصور عباسی کو حضرت عبداللہ الاشتر کے حالات معلوم ہو گئے اس نے ان کی گرفتاری کا حکم دیدیا۔ اس حکم کی تعمیل میں ایک دوسرے فدائی کو الاشتر کا نام دے کر یہاں سے دار الخلافہ بھیجا گیا جو وہاں قتل کر دیا گیا۔

المنصور کو اس واقعہ کی بھی آگاہی ہو گئی مگر صورت حال ایسی تھی کہ وہ عمر بن حفص کے خلاف کسی جرم کا کوئی ثبوت نہ رکھتا تھا۔ اس کے ساتھ وہ اس کے تذبذب و

دانائی کا قائل تھا اس لئے اس نے اس کو سندھ کی ولایت سے ہٹا کر افریقہ جیسے بڑے صوبہ کی ولایت پر مامور کر دیا اور سندھ کی ولایت کا پروانہ ہشام بن عمرو ثعلبی کو دیا جس نے ۱۵۱ھ میں یہاں آکر زمام حکومت سنبھال لی۔

منصور عباسی نے ہشام کو بھی عبداللہ الاشتر کی گرفتاری کا حکم بھیجا مگر درپردہ یہ بھی سادات کا ہمنوا تھا۔ اس نے ان کی گرفتاری سے اغماض کیا۔ مگر اس کے بھائی سیف بن عمرو ثعلبی نے اچانک ان کے دستہ کو دیکھ لیا اور حملہ آور ہو کر قتل کر ڈالا۔ ہشام نے ان کے اہل و عیال اور محمد بن عبداللہ معروف بہ ابن الاشتر کو منصور عباسی کے پاس بھیج دیا جس نے اس کو مدینہ منورہ کے عامل کے سپرد کر دیا۔ اگرچہ حضرت عبداللہ الاشتر نے سندھ ہی میں جام شہادت نوش کیا مگر شیعیت کے اثرات فنا نہ ہو سکے۔ اس کے بعد ہشام ثعلبی نے توسیع مملکت کی فکر کی اور بہرورج، ملتان اور گندھار کو قبضہ میں لایا۔ پھر وہ ۱۵۴ھ میں رخصت لے کر وطن گیا اور وہیں فوت ہوا۔ سندھ کی ولایت پر معبد بن خلیل تمیمی مامور کیا گیا۔ اس نے ۱۵۹ھ میں وفات پائی تو روح بن حاتم مقرر کیا گیا۔

اس زمانہ میں ہندوستان کے خلاف بحری مہم بھی جاری رہی۔ چنانچہ عربوں کے جنگی بیڑے ساحلِ گجرات سے آکر ٹکرائے۔ خلیفہ مہدی کا بھیجا ہوا ایک عربی بیڑا گجرات کے ساحل پر عرب تاجروں کے کسی نزاع کے سبب سے آیا تھا۔ اس بیڑے میں حضرت مولانا ابوحنیفہ ربيع بن صلیح سعدی محدث بھی تھے جو سندھ آئے اور امامت پر مامور ہوئے جو ہند کی سرزمین میں آسودہ بخواب ہیں۔

”از تبع تابعین و کلامائے محدثین است از حسن بصری و عطار و روایت

می کند عابد و مجاہد بود ۱۶۰ھ ملک سندھ رحلت فرمود“ لہ

سندھ کی ولایت میں تغیر و تبدل ہوتا رہا۔ چنانچہ ۱۵۹ھ میں روح بن

لہ تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۳ -

حاتم جو والی مقرر ہو کر آیا اسی سال واپس بلا لیا گیا۔ اس کی جگہ بسطام بن عمر کو دی گئی مگر ۱۶۰ھ یا ۱۶۱ھ میں وہ بھی طلب کر لیا گیا اور روح بن حاتم کو دوبارہ بھیجا گیا مگر چند ہی مہینوں میں اس کی ناکامی ظاہر ہوئی تو نصر بن محمد بن اشعث خزاعی والی سندھ ہو کر آیا مگر وہ بھی اسی سال واپس بلا لیا گیا اور سندھ کی زمام سلطنت ایک ہاشمی محمد بن سلیمان بن علی کے ہاتھ میں دی گئی جس نے عبد الملک بن شہاب مسمیٰ کو اپنا نائب بنا کر بھیجا جو اس سے پہلے بھی بحری حملہ میں آچکا تھا مگر اس کی نیابت بھی قائم نہ رہ سکی اور نصر دوبارہ مقرر ہو کر آیا۔

پھر نہ ہر بن عباس اس عہدہ پر بھیجا گیا۔ اس کے بعد صبح بن عمر ثعلبی کے ہاتھوں میں سندھ کی ولایت سپرد کی گئی۔ اس دور میں یہاں تہمی و حجازی نزاع شباب پر پہنچ گیا تو نصر بن محمد بن اشعث تیسری مرتبہ یہاں والی ہو کر آیا اور ۱۶۱ھ سے ۱۶۲ھ تک کامیاب حکمرانی کر کے فوت ہوا۔

خلیفہ مہدی نے اپنے غلام لیث بن طریف کو اس عہدہ پر مامور کر کے بھیجا مگر سندھ میں داخلی بد امنی کا دور دورہ ہو چکا تھا۔ اس نے اس کو فرو کیا تو جاٹوں نے منظم بغاوت کی خلیفہ مہدی نے لشکر بھیج کر لیث کی مدد کی۔ ۱۶۵ھ میں یہ بغاوت فرو ہوئی۔ اس کے بعد ہارون الرشید کی خلافت کا دور آیا۔ اس نے ۱۶۸ھ میں سالم بن یسویٰ کو والی بنا کر بھیجا۔ اس نے چار سال حکمرانی کی۔ اس کے بعد ۱۷۱ھ میں اسحاق بن سلیمان ہاشمی آیا وہ اسی سال وفات پا گیا تو اس کا لڑکا یوسف بن اسحاق اس کا قائم مقام بنا۔

اس کے بعد خلیفہ ہارون الرشید نے ظیفور بن عبداللہ بن منصور کو والی بنا کر بھیج دیا اور ملک میں قبائلی لڑائی پھر شروع ہو گئی تو جابر بن اشعث طائی آیا۔ اس کی ناکامی پر سعید بن سلیم بن قتیبہ مقرر کیا گیا۔ اس نے اپنے بھائی کثیر بن مسلم کو اپنا نائب بنا کر بھیج دیا تو مزید بد امنی پیدا ہوئی۔ اس لئے عیسیٰ بن جعفر بن منصور عباسی کو اس ولایت کی مہم سپرد ہوئی۔ اس نے محمد بن عدلی ثعلبی کو اپنا

قائم مقام بنایا۔ اس نے سندھ میں ناکامی کے بعد ملتان کا رخ کیا۔ وہاں بھی ناکام رہا تو عبدالرحمن یہاں کا والی بنا کر بھیجا گیا۔ پھر الیوب بن جعفر بن سلیمان آیا۔ ان پے درپے ناکامیوں کے بعد ہارون الرشید کی نگاہ انتخاب آل مہلب پر اٹھی اور اس نے ۱۸۸ھ، ۱۸۹ھ میں داؤد بن یزید بن یزید بن حاتم مہلبی کو سندھ کی عنان حکومت دی۔

داؤد مہلبی نے پہلے مغیرہ کو اپنا نائب بنا کر بھیجا۔ سندھ میں ان دنوں عربوں کی قبائلی خانہ جنگی برپا تھی۔ مغیرہ نزاریوں کو مطیع کرنے میں ناکام رہا اور واقعات کی اطلاع داؤد کے پاس بھیجی تو وہ خود سندھ آیا اور اپنی سخت گیر لہجوں سے سندھ سے نزاریوں کی طاقت کا خاتمہ کیا۔ وہ تقریباً بیس سال تک امن و امان سے حکومت کرتا رہا۔

۲۰۵ھ، ۲۰۶ھ میں اس کی وفات کے بعد مامون نے اس کے بیٹے بشیر کو یہاں کی سند ولایت بھیجی اور دس لاکھ درہم و اڑھائی لاکھ روپیہ سالانہ خراج مقرر کیا۔ بشیر چند سال حکمرانی کرتا رہا۔ مگر پھر خراج کا بھیجنا بند کر دیا اور اطاعت سے انحراف کیا تو مامون نے پہلے ۲۱۱ھ، ۲۱۲ھ میں حاجب بن صالح کو بھیجا۔ بشیر نے اس کو شکست دی تو ۲۱۳ھ، ۲۱۴ھ میں عنان بن عباد مہلبی اور اس کے بھائی محمد بن عباد کو سندھ کے معاملات درست کرنے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے آکر ۲۱۳ھ، ۲۱۴ھ میں سندھ کو اپنے اقتدار میں لے لیا۔ یہاں کے معاملات کو کیس کر کے وہ بشیر کو ساتھ لے کر بغداد چلا گیا۔ پھر موسیٰ بن یحییٰ بن خالد برمک کو والی بنا کر بھیجا جو ۲۱۸ھ تک رہا۔ اس کے بعد عمران بن موسیٰ معتصم کے عہد میں آیا۔ واثق باللہ نے ۲۲۷ھ میں ایٹاخ ترک کی کو والی مقرر کیا۔ متوکل کے عہد میں ہارون بن ابی خالد مروزی کو سندھ کا والی بنا کر بھیجا مگر حجازیوں کے سرگروہ عمر بن عبدالعزیز ہباری نے سندھ پر اقتدار حاصل کر لیا اور

لے تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۴۶۷ و عہد اسلامی کا ہندوستان ص ۷۱۔

خالد کو قتل کر دیا اور متوکل کو در خواست اپنی ولایت کے لئے دی۔ خلیفہ نے منظور کر لی۔ کچھ عرصہ بعد اس نے خود مختار حکومت قائم کر لی۔ مگر حالات بگڑتے گئے۔ جو عرب قبائل یہاں آباد ہوئے تھے وہ باہمی دست و گربیان ہو گئے، حکومت کمزور ہو گئی۔ ہندو راجاؤں نے بہت سے علاقہ پر قبضہ جمایا۔ اب صرف دو حکومتیں قائم ہو گئیں۔ ایک کا دارالسلطنت منصورہ تھا دوسری کالماتان۔

حکومت ہبہاریہ | اس حکومت کے حالات بیان کرنے سے پہلے عربی قبائل کا ذکر کیا جاتا ہے۔ عرب خاندان سندھ میں آباد ہو گئے۔

جیسے بنو بنہ (ملتان میں) ہبہاری قریشی منصورہ میں بنو ثقیف (بھکرالور میں) ان کے علاوہ بنی تمیم آل مغیرہ۔ عباسی، صدیقی، فاروقی، عثمانی، اشعری، بنو اسد، بنو عتبہ سادات وغیرہ ملک کے مختلف حصوں میں آباد ہو گئے۔ صدیوں سندھ میں رہنے سہنے، شادی بیاہ کرنے سے ان کی اصل عربی معاشرت میں فرق آگیا اور آہستہ آہستہ وہ مخلوط معاشرت کے خوگر ہو گئے اور پھر خاندان کے نام سندھی تلفظ میں ایسے ہو گئے کہ شناخت مشکل ہو گئی۔ مثلاً مغیرہ مہے موریہ۔

ابتداءً عہد میں ولایت سندھ کی طرف سے زمین کے بڑے بڑے قطعات مثلاً صوبہ، تحصیل وغیرہ ان خاندانوں کو ٹیکس وصول کرنے اور انتظامی امور کے انجام دہی کے لئے سپرد کئے گئے جس پر وہ نسلاً بعد نسل بطور وراثت قابض رہے۔ سندھ کی مرکزی حکومت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ان میں سے قریش کے ایک خاندان نے اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس خاندان کا پہلا حاکم عمر بن عبدالعزیز ہبہاری مذکور الذکر ہوا جو شہنشاہ میں سندھ کا خود مختار حاکم بنا اور تیس برس حکومت کر کے وفات پا گیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا عبداللہ تخت نشین ہوا۔

۲۶۹ء میں ایک عام بلوہ ہوا جس میں صمہ جو بنو کنڈہ کا غلام تھا سندھ پر قابض ہو گیا۔ گو منصورہ پر عبداللہ کا دوبارہ قبضہ ہو گیا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ ملتان اس کے اقتدار سے باہر رہا۔ کیونکہ بنو سامہ کا خاندان جو عمان میں آباد تھا اس

کی ایک شاخ بنو بنہ ملتان میں بس گئی تھی۔ اس نے اس بدامنی سے فائدہ اٹھا کر ملتان پر قبضہ کر لیا اور ۶۹۰ھ میں بلا شرکت غیرے وہ ایک بڑی طاقت ور اور وسیع سلطنت ہو گئی۔ غرض سندھ کے دونوں حصوں پر دو قبیلے عرصہ دراز تک حکمران رہے۔

۲۷ھ میں جب فاطمی حکومت مصر میں قائم ہوئی تو عبداللہ المہدی کی طرف سے داعی ابوالقاسم بن فرخ کا بھائی ہشیم نامی سندھ میں ان کا پہلا داعی بن کر آیا اور فاطمی حکومت کی دعوت میں مصروف ہو گیا۔

عزیز باللہ خلیفہ (متوفی ۳۸۶ھ) کے عہد میں حلیم بن شعبان یا سیدان کو فوجی مدد کے ساتھ بھیجا گیا جس نے اچانک ۳۶۲ھ کے بعد ملتان پر قبضہ کر لیا۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ سندھ بلوچستان کے علاقے چونکہ بحرین و عمان اور یمن کے سواحل سے آمد و رفت اور تجارت کے ذریعے پیوستہ تھے۔ اس لئے عربی سواحل کے مذہبی و سیاسی اثرات سندھ اور بلوچستان کے مسلمانوں پر لازماً پڑتے رہے۔ اس کا نتیجہ تھا کہ سندھ کے سومرہ نام قبیلہ نے جس کی اصلیت پر پر وہ پڑا ہوا ہے غالباً ۳۷۰ھ میں اسماعیلی دعوت قبول کر لی۔ ۳۷۴ھ میں محمود غزنوی نے جب ملتان کی اسماعیلی سلطنت کا خاتمہ کر دیا تو گمان غالب یہ ہے کہ یہ لوگ ملتان سے بھاگ کر منصورہ چلے آئے اور اچانک منصورہ کو بہاری خاندان سے چھین کر وہاں اپنی حکومت قائم کر لی۔

۳۱۹ھ میں محمود غزنوی نے یہاں سے بھی ان کو بیدخل کر دیا۔ اب ملک میں کوئی مرکزی حکومت نہ رہی۔ لیکن چھوٹے بڑے زمیندار جن کو ہندوستانی عام طور پر رائے اور راجہ کہتے ہیں متعدد تھے، جن میں سومرہ کا خاندان سب سے زیادہ طاقت ور

۱۔ نثر ہتھ الافکار قلمی موسم بہار جلد سوم صفحہ ۷۲، ۷۳، بمبئی۔

۲۔ موسم بہار جلد سوم کتاب اللہ بیرونی۔

تھا۔ اس سبب سے مہر کے فاطمی امام نے اس کو سندھ کی مذاہبی سرحداری عطا کی اور شیخ کا خطاب عنایت کیا۔ یہ خاندان سندھ میں تقریباً دو سو برس سے باجگزار کی حیثیت سے ملک کے ایک حصے پر قابض تھا جن میں سے اُن کے نامور اشخاص بھونروا، ہودل، بیلاہن سومرہ اول سلطان محمود غزنوی (متوفی ۴۲۱ھ) کا ہم عصر ہے اور چونکہ اُس نے سلطان سے مقابلہ کی طاقت اپنے میں نہیں دیکھی اس لئے اپنی جگہ پر خاموش رہا۔ اس کی وفات کے بعد اس کے لڑکے پال بن سومرہ کو جو سلطان محمود غزنوی ۴۲۲ھ و ۴۲۳ھ کا ہم عصر تھا دروزیوں (شام میں اسماعیلیوں کا ایک فرقہ) کے امام نے خط لکھ کر اُجھارا۔ غالباً اُسی وقت سے ملک کے تمام اسماعیلی خاندان سامرہ (سومرہ) کی معیت میں انقلاب کی کوشش میں لگ گئے اور دس برس کے بعد سلطان عبدالرشید غزنوی ۴۴۳ھ و ۴۴۴ھ کے عہد میں مرکزی سلطنت کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر سومرہ دوم نے بمقام تھری گیتان علاقے میں ۵۱۲ھ تکہ میں مطابق ۵۳ھ ایک سلطنت قائم کی اور سندھ کے ایک زمیندار سعد نامی کی لڑکی سے شادی کر لی جس سے اس کا ولی عہد پیدا ہوا۔

۱۔ یہ خاندان دروزیوں ترقی کرتا گیا۔ آہستہ آہستہ تمام سندھ اور ملتان پر قابض ہو گیا۔ ۵۱۲ھ میں سلطان محمد غوری نے اسماعیلیوں سے ملتان لے لیا۔ تب اچھ میں انہوں نے سلطنت جمائی۔ ۵۱۲ھ میں اس نے اچھ بھی چھین لیا اور سندھ پر علی کرماخ کو حاکم بنایا۔ اس وقت محمد تغلق کے عہد تک سندھ اور ملتان دونوں دہلی کے ماتحت رہے اور ایک حاکم (صوبہ دار) ہمیشہ وہاں حکومت کرتا رہا۔ لیکن سومرہ (اسماعیلی) ایک ماتحت کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے میں کامیاب رہے۔ وہ ہر وقت آزادی کی فکر میں لگے رہتے اور جب کبھی اس کا موقع ملتا آزاد ہو جاتے اور مجبور کئے جانے پر پھر ماتحت ہو جاتے جیسا کہ علاء الدین خلجی، ملک تغلق،

۱۔ تحفۃ الکرام جلد سوم صفحہ ۲۰۲ بجی۔

۲۔ ۶۵۲ھ کے بعد اور ۶۶۳ھ کے درمیان ہمہ قوم نے سومریوں سے سلطنت چھین لی۔

سومرہ قوم کی اصلیت | سومرہ قوم کے متعلق جس نے پانچویں صدی ہجری کے اداسط سے آٹھویں صدی کے اداسط تک سندھ پر حکومت کی۔ اتنا تو یقینی طور سے ثابت ہے کہ یہ مذہباً مسلمان اور مسلکاً اسماعیلی تھے لیکن ان کی قومیت پر ایسا پردہ پڑا ہوا ہے کہ جو کسی طرح نہیں اٹھتا۔

ان کے نام بیشتر ہندوانہ ہیں اور بعض مؤرخین کی تصریح بھی ملتی ہے کہ وہ ہندو تھے۔ یورپ کے مؤرخوں نے تو اعلانیہ لکھا ہے کہ یہ نو مسلم راجپوت تھے۔ مگر قیاس کے سوا انہوں نے اس کی کوئی سند پیش نہیں کی ہے۔ اسی سلسلہ میں سب سے پہلے خیر اسماعیلی دروزی امام کا ایک خط ہے جس میں ۳۲۲ھ میں شیخ ابن سومرہ اجمل کو سندھ اور ملتان میں دوبارہ اسماعیلی حکومت کے قیام کے لئے غیرت دلائی گئی ہے۔ شیخ ابن سومرہ اجمل کے نام سے اس کا نو مسلم ہندو ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

تاریخ معصومی میں جو اسلمہ کی تصنیف ہے یہ لکھا ہے کہ غزنویوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر سومرہ (حردم سومرہ) نے سومرہ نام ایک شخص کو اپنا افسر بنا کر حکومت قائم کر لی اور صداد (سعد) نامی ایک زمیندار کی لڑکی سے شادی کی جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام بھونگر رکھا گیا اور وہ اس کا جانشین ہوا۔ اس کے بعد اس کی نسل کے چند اور بادشاہ ہوئے۔

علامہ سید سلیمان ندوی کی رائے ہے کہ نو مسلم سومری راجہ نے کسی قدیم عرب مسلمان خاندان میں شادی کی اور اس سے نسل چلی اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قبیلہ ہندی عربی مخلوط نسل کا تھا۔ اس خاندان کے بادشاہوں کے نام معصومی کی کتاب میں حسب ذیل ملتے ہیں:-

لے عرب و ہند کے تعلقات -

- ۱- سومرہ ۲- بھونگر ۳- دودا ۴- تادی (شہزادی کا نام)
- ۵- سنگھار ۶- ہمون (سنگھار کی بیوہ) ۷- پھو (شاید کہ پھو ہو)
- ۸- خیرا ۹- امیل

تاریخ ظاہری میں جو سنہ کی تصنیف ہے سومرہ قوم کی اصلیت کے متعلق یہ مذکور ہے کہ سندھ میں دلو رائے ایک راجہ تھا۔ اس نے اپنے بھائی چھوٹا امرانی پر ظلم کیا۔ چھوٹا امرانی فریاد لے کر خلیفہ بغداد کی خدمت میں گیا۔ خلیفہ نے سامرا عراق کے شہر کا نام کے سوعربوں اور سادات کو اس کے ساتھ کر دیا۔ سید السادات نے سندھ آ کر سکونت اختیار کر لی اور دلو رائے نے اپنی لڑکی اس سے بیاہ دی۔ تاریخ ظاہری نے دلو رائے اور اس کے بھائی کے اختلاف کی وجہ یہ لکھی ہے کہ چھوٹا بھائی بچپن سے اسلام کی طرف مائل تھا اور قرآن پڑھتا تھا اور دل میں مسلمان ہو گیا تھا۔ وہ چھپ کر حج کو چلا۔ راستے میں ایک عجیب طریقہ سے فاطمہ نام ایک لڑکی سے شادی کر لی۔ اس کتاب میں یہ بھی مذکور ہے کہ ”سومرہ“ قوم سامرہ کے عربوں سے نکلی ہے جو سندھ میں دوسری صدی ہجری میں قبیلہ تمیم کے ساتھ آئی۔ تمیم عباسیہ کے زمانہ میں سندھ کے گورنر مقرر ہوئے تھے۔

غرض سومرہ کی وجہ تسمیہ کو مصنف نے عراق کے ”سامرا“ سے نکلنے کی کوشش کی ہے لیکن سب سے پہلے یہ جاننا چاہیئے کہ شہر سامرا جن کی عربی اصل سومن رائے (جو اس کو دیکھے وہ خوش ہو) یہ شہر معتمد عباسی نے ۲۲۷ھ میں بسایا تھا۔ دوسری صدی میں اس کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ پھر عباسی دور میں قبیلہ تمیم کا جو گورنر موسیٰ بن کعب تمیمی کے نام سے آیا تھا وہ سفاح کے زمانہ میں ۳۲۱ھ، ۳۲۶ھ یہاں آیا تھا جبکہ سلمہ کا وجود بھی نہ تھا۔ اس لئے سومرہ قوم کے نام کا جو شہر سامرا سے پیدا کرنے کی کوشش لفظی ہفت گری کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

تحفۃ الکلام نے سومرہ بادشاہوں کے نام حسب ذیل لکھے ہیں :-

- ۱- سومرہ ۲- بھونگر بن سومرہ ۳- دودا بن بھونگر ۴- سنگھار

- ۵۔ حنفیہ (یا خنیف) ۶۔ عمر (یا آنر) ۷۔ دودا دوم ۸۔ بھو ۹۔ گھڑا اول
۱۰۔ محمد نور ۱۱۔ گھڑا دوم ۱۲۔ دودا سوم ۱۳۔ نائی ۱۴۔ چنیر ۱۵۔ بھونگر دوم
۱۶۔ حنفیہ (یا خنیف دوم) ۱۷۔ دودا چہارم ۱۸۔ عمر سومرا ۱۹۔ بھونگر
۲۰۔ ہمیر (یا امیر)

ظاہر ہے کہ ان ناموں کی ساخت تمام تر عربی ہے۔ عمر نام حقیقت میں انز یا
اوناد ہے۔ چنانچہ یہی نام ابن بطوطہ اور سراج غنیف میں ہے۔ حنفیہ اس سومرہ
مروار بادشاہ کا نام ہے جو سلطان محمود غزنوی کا معاصر تھا۔ چنانچہ سلطان کے درباری
شاعر فرخی نے سومات کی فتح پر جو قصیدہ دربار میں پیش کیا تھا اس میں اس کا نام
موجود ہے۔

سنہ ۶۲۰ء میں ایک دو سال پہلے سلطان جلال الدین خوارزم شاہ چنگیزی مغلوں سے
بھاگ کر سندھ میں بمقام ٹھٹھہ آیا تو اس وقت کے سومری بادشاہ کا نام فرشتہ میں
جنیر لکھا ہے جو اصل میں چنیر ہے۔ طبقات ناصری "ملک سنان الدین چنیر والی دیول
وسندھ" کے لقب و نام سے اس کا ذکر آیا ہے جس نے سنہ ۶۲۵ھ میں بادشاہ دہلی کی
اطاعت قبول کی تھی۔ چنیر کی اصل "چندیشور" بتاتے ہیں۔ چندر چاند اور ایشور خدا نام
کی یہ اصل ہندو نسل کا پتہ دیتی ہے اور ملک سنان الدین کا لقب اس کے اسلام
کو ظاہر کرتا ہے۔

ان سومری بادشاہوں کے نام معتبر معاصر حوالوں سے ثابت ہیں۔ بعض ناموں
کی تصحیح قیاساً بھی کی جاسکتی ہے۔ مثلاً سومرہ نام کی اصل سوم رائے معلوم ہوتی ہے۔
سوم کے معنی ہندی میں چاند کے ہیں وہ اصل میں رائے ہے جیسے بھراجو گجراتی
راجاؤں کا عربی تلفظ کا نام ہے اصل میں ولہہ رائے ہے۔ اسی طرح سنگھ کو سنگھ رائے
اور بھونگر کو بھونگ رائے گھڑا کو گھن رائے، پھو کو پھو سمجھا جائے۔

فرخی نے والی منصورہ خنیف کی شکست اور فرار کی جو کیفیت اپنے قصیدے
میں لکھی ہے اس موقع کے یہ چند شعر قابل ذکر ہیں :-

دُعاں حصار منصورہ دے کر دو براند برآں ستارہ کجا داند حیدر زانہ خیر
 خفیف چوں خبر خسرو جہاں بشیند دواں گذشتہ و بجوئے اندر اوقاد بہ بحر
 خفیف اسپہ پیل و مال پندیاں بود کہ بیش ازاں نبودد ہوا ہبانا زار
 ان شعروں میں تو خفیف کو سومری نہیں کہا گیا ہے مگر مؤرخین نے خفیف کو سومرہ
 سلاطین ہی کی فہرست میں درج کیا ہے۔

ان شعروں میں اس بادشاہ کی فوج ہاتھی اور مال و منال کا یہ حال لکھا ہے کہ
 وہ شہاد میں غبار نہ رہے بھی زیادہ تھا۔ اس کو کسی قدر نہ زیادہ مبالغہ سمجھا جائے۔
 پھر بھی وہ اہمیت رکھتا ہے۔

اس کا پتہ واضح طور سے نہیں چلتا کہ سومرہ قوم کا اصل وطن سندھ
 پایہ تخت کے کس حصہ میں تھا۔ تاریخ کی چھان بین سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے
 وہ یہ ہے کہ ان کی بڑی آبادی سندھ کے مشرقی جانب کے زیریں حصہ میں ضلع پارکر
 اور تھری میں تھی اور اسی لئے ان کا پہلا سیاسی مرکز تھری محمد نور مقام میں تبدیل ہو
 گیا اور وہ ان کا عرصہ دراز تک پایہ تخت رہا۔ عمرکوٹ یا امرکوٹ (اترکوٹ) بھی
 عرصہ تک اُن کا پایہ تخت رہا۔ سلطان محمود کے زمانہ میں اُن کا پایہ تخت منصورہ تھا
 جس کا دوسرا نام بقول ابوالفضل بھکر ہے۔

سلطان شہاب الدین غوری کے عہد میں کچھ اُن کا پایہ تخت تھا اور آخر زمانہ میں
 (سندھ ۵۲ھ) ان کا مرکزی مقام ٹھٹھہ نظر آتا ہے۔ اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ
 ان کی سلطنت کی وسعت ملتان سے لے کر زیریں سندھ کے نصر پور بلکہ کچھ (گج)
 تک تھی جس میں مختلف نقد بن کے بعد وہ اپنا پایہ تخت بدلتے رہے۔

اس قوم کے افراد کی تعداد کا صحیح پتہ معلوم نہیں ہو سکا لیکن محمود بیگ ۶۷ھ ہجرات کے عہد
 نویں صدی میں سندھ کی جو فوج اس کے مقابلہ کے لئے آئی تھی اس کی تعداد چالیس ہزار
 تھی اس سے اُن کی آبادی کا ایک خفیف سا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

ان لوگوں نے سندھ پر تین سو برس سے زیادہ حکومت کی جس میں اس قوم کی

مختلف شاخوں نے حصہ لیا۔ ان کے بعض حکمران چالیس برس تک برسر حکومت رہے۔ انہوں نے جس قدر گاؤں، مشہور قصبے آباد کئے ان کی صحیح فہرست ہم تک نہیں پہنچی لیکن تین بڑے شہروں سے ان کا تعلق معلوم ہوتا ہے۔ انرکوٹ (عمرکوٹ) تھری اور ٹٹھہ سے ان شہروں میں انہوں نے متعدد قلعے بھی تیار کئے جن کا ذکر تحفۃ الکرام میں موجود ہے۔ لیکن چونکہ محمد تغلق کے عہد تک مغلوں کی یورش بکثرت سندھ پر ہوئی۔ اس سبب سے ان کی اکثر عمارتیں ویران ہوئیں اور بہت کم آثار باقی رہے۔

سندھ کی دوسری نو مسلم قوم سمہ ہے جس نے سومریوں کے بعد ملک میں **سمہ** طاقت حاصل کی۔ طبقات بہادر شاہی میں ہے :

”سمہ قوم ان لوگوں میں سے ہے جو تہیم انصاری کے خاندان کے ہیں۔“
لیکن یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ سندھ میں ان کا وجود عربوں کے سندھ فتح کرنے سے قبل نظر آتا ہے۔ چنانچہ چیچ نامہ میں جو سندھ کی سب سے قدیم تاریخ ہے مذکور ہے کہ محمد بن قاسم کے پاس سمہ قوم کے کچھ لوگ آئے اور اطاعت کے صلہ میں انعام حاصل کیا۔^۱

اس کے علاوہ کچھ اور کاٹھیاواڑ میں بھی ان کا خاندان تھا اور آج بھی موجود ہے جو ہندو مذہب رکھتا ہے۔ کچھ اور جام نگر کے ہندو جام مہمہ خاندان سے ہیں۔ جو ناگڑھ میں سمہ خاندان نے ۱۷۵۷ء سے ۱۷۶۷ء یعنی چھ سو برس حکومت کی۔ ان کا مذہب بھی ہندو تھا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سمہ قوم سندھ میں اسلام سے قبل موجود تھی۔ مذہب ہندو تھا۔ اس قوم نے اسلام قبول کر لیا۔ مگر اسلام کی صحیح تاریخ نہیں معلوم۔ بس بیلہ کے مسلمان والی آج بھی جام کہلاتے ہیں۔ جام کے لفظ سے بعض لفظ پرتوں نے جام جمشید سے ان کا رشتہ جوڑا ہے جو برابر مردہم ہے۔

۱۔ چیچ نامہ قلمی دارالمصنفین اعظم گڑھ

۲۔ تاریخ مصطفیٰ آباد (جو ناگڑھ) حصہ اول صفحہ ۴۴۔ بہی

تاریخ ظاہری کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الاسلام مخدوم زکریا ملتانی کے فیض کے اثر سے یہ لوگ مسلمان ہو گئے کیونکہ اس قوم کے امراء سے ان کے تعلقات وابستہ تھے۔ اس کے بعد ان کے خلیفہ جلال الدین بخاری اور ان کے پوتے مخدوم جہانیا جلال الدین حسین بخاری کے ذریعہ اس قوم میں اسلام کی اشاعت ہوئی اور یہ قوم آخر تک حضرت مخدوم کی اولاد کے ساتھ عقیدت کا اندازہ پیش کرتی رہی۔ چنانچہ احمد آباد (گجرات) میں بھی قطب عالم اور شاہ عالم کے ساتھ ان کے تعلقات بڑے گہرے رہے اور اسی سبب سے جام نے اپنی لڑکی شاہ عالم صاحب سے منسوب کر دی تھی جن سے ایک لڑکا پیدا ہوا مگر زندہ نہ رہا۔ ان کے نام بھی نو مسلم ترکوں کی طرح کہیں خالص سندھی اور کہیں اسلامی مخلوط ملتے ہیں۔ یہ مذہب کے لحاظ سے مسلمان اہل سنت والجماعت سے تھے اور اسی لئے سندھ کے جاموں کی شادیاں گجراتی سلاطین کے ساتھ ہوتی رہیں۔

تاریخ ظاہری میں مرقوم ہے کہ سمر قوم کے آبادی سمندر کے کنارے تھی۔ جو لوگ جزیرہ نمائے کیچ سے نکل کر کاٹھیاواڑ کے شمال مغربی ساحل پر پہنچے تھے قبضہ کیا وہاں جام نگر بسا کر پایہ تخت بنایا اور وہ ریاست بھی آج تک موجود ہے۔ تیسرے گروہ نے کاٹھیاواڑ میں جو ناگرٹھ کو آباد کیا جس کی حکومت گجراتی سلاطین نے ختم کر دی اور یہ سب ہندو تھے۔ لیکن دریا نے سندھ سے لے کر کیچ مکران تک کی آبادی نو مسلم سمہ کی تھی۔ رائے کیچ کے زیر سایہ رہتے تھے۔ جب طاقتور ہو گئے تو کیچ پر قبضہ کر لیا اور آہستہ آہستہ بالائے سندھ آبادی بڑھاتے گئے۔ سومرہ قوم کے آخری زمانہ میں یہ خاص طاقتور ہو گئے تھے اور آخری سومرہ بادشاہ جس کا پایہ تخت ٹٹھ تھا، محمد تغلق سے جنگ لڑتے لڑتے بے حد کمزور ہو گیا تھا۔ سمہ قوم کا سردار اناذنامی نے اس سے فائدہ اٹھا کر انقلاب سلطنت کی کوشش کی اور اس میں کامیاب ہوا۔ (۱۲۵۰ھ، ۱۲۶۰ھ) پہلے ان کا پایہ تخت ساموئی تھا۔ اور سومریوں پر فتح پانے کے بعد ٹٹھ ہو گیا۔

کاشت کاری اور باغبانی | یگانہ روزگار فاضلوں نے سندھ میں عمری گزاریں۔
عمدۃ الملک دریاخاں اور سارنگ خاں جیسے

وزراء سندھ میں وزارت پر مامور تھے۔ کاشتکاری اور باغبانی پر بھی انہوں نے کافی توجہ کی۔ انہوں نے آنے سے قبل سندھ میں بکثرت باغات تھے۔ ان کے لئے بڑے بڑے کنوئیں بنوائے گئے جن کو اونٹ کھینچتے تھے۔ تجارت کو فروغ ہوا۔ ملتان کشمیر خراسان اور گجرات وغیرہ دوسرے صوبوں اور ملکوں سے تجارتی تعلقات قائم تھے۔ جام نظام الدین کے حالات میں معصومی نے لکھا ہے کہ :-

”جام نظام الدین در اوائل حال طالب علم می بود۔ و در خوانق و مدارس میگزیدانیدہ و بغایت متواضع و خلیق بود۔ و بصفت پسندیدہ و اخلاق حمیدہ متصف۔ و زہد و عبادت بدرجہ کمال داشتہ۔ و فضیلت و محالیت او زیادہ ازاں بود کہ شمعہ ازاں تحریر توان نمود۔ (ص ۷۷)“
اس کی صانع پسندی کی یہ تصویر ملاحظہ ہو۔

”جام نظام ہر ہفتہ باصطبل خود می رسید و دست بہ پیشانیئے اسباں می کشیدہ و می گفتہ کہ اے دولت مندان غیر غزائی خواہم کہ سواری بہ شما واقع شود چرا کہ در حدود اربعہ حکام اسلامند دعا کنید کہ بے سبب شمری بجائے نروم و کسے نیز ایں جانیاید مباد اخون مسلمانان بے گناہ نہ نیختہ شود و عند اللہ سبحانہ شمر مسأ شوم“

اس کے زمانہ میں سندھ میں احکام شریعت کی ترویج کا حال یہ تھا کہ :
”در زمان دولت او اچیلے سنن نبوی شیوع یافتہ بود کہ مافوق آن تصور نتوان کرد کہ در مساجد اقامت جماعت بہ نبی می بود کہ فرد و کبیر محلہ در مسجد حاضر آمدہ بگذازدن نماز تنہا راضی نبودند۔ اگر وقتے از یکے جماعت فوت شد بے بغایت نادم گردیدہ و در دوسہ روز باستغفار مشغول می بود“ (صفحہ ۲۷۵)

سلاطین لنگا ملتان میں | نویں صدی ہجری کے وسط میں ملتان پایہ تخت دہلی کے ماتحت ایک صوبے کی حیثیت رکھتا تھا۔ سیدون کے آخری بادشاہ علاء الدین کے عہد میں کابل، غزنیہ اور قندھار پر مغلوں کا قبضہ ہو جانے کی وجہ سے وہ ملتان پر جو قندھار کے بالمقابل واقع ہے اُسے دن یلغار کر کے لوٹ مار کرتے تھے۔ ۷۸۴ھ (۱۳۸۲ء) میں ایسی حالت ہو گئی کہ وہاں کوئی حاکم نہ رہا۔ اس لئے اہل شہر نے مل کر شیخ بہاء الدین کی خانقاہ کے متولی شیخ یوسف قریشی کو حاکم بنایا۔ ملتان اچھو اور ارد گرد کے مقامات میں ان کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا گیا۔ متانیوں کی خوش قسمتی سے شیخ میں حکومت کی اعلیٰ لیاقت موجود تھی۔ ان کے حسن انتظام سے تمام مخلوق خوش ہوئی۔

ملتان کے اطراف میں ایک نو مسلم قوم لنگاہ رہتی تھی جو سلاوا بچوت تھی۔ اس قوم کا سردار اسے سہرا نام قبضہ سوئی میں زمیندار تھا۔ اس کے آبا و اجداد حضرت بہاؤ الدین نے لنگاہ ملتان اور ان کے خلفاء کی تبلیغ سے اسلام لائے تھے۔ اس نے شیخ یوسف کو پیغام دیا کہ سلطان بہلول لودھی بادشاہ دہلی کی طرف سے ہمشہ خطرہ لگا رہے گا۔ اس لئے فوری امداد کے لئے میری قوم لنگاہ کا دل ہاتھ میں لیجئے تاکہ وہ وقت پر کام آئے۔

شیخ نے اس کی درخواست منظور کی اور اس کی استدعا پر اس کی لڑکی سے شادی بھی کر لی۔ وہ لڑکی کے بہانے کبھی کبھی آیا بھی کرتا۔ ایک دفعہ وہ اپنی پوری قوم کو ساتھ لایا اور شیخ سے عرض کیا کہ میری قوم کا معائنہ کر کے میرے لائق کوئی خدمت عنایت کریں۔ شیخ نے قبول کر لیا۔ راتے عشاء کے وقت لڑکی سے ملنے کے بہانے قلعہ میں داخل ہوا اور پھر قریب سے لنگاہ قوم کو اندر لاکر قلعہ پر قبضہ کر لیا اور شیخ یوسف کو نکال دیا۔ شیخ دہلی پہنچے اور بہلول لودھی سے مدد کے طالب ہوئے۔

شیخ نے کل گیارہ برس حکومت کی۔ راتے سہرو نے ملتان پر قبضہ کر کے ۷۸۸ھ مطابق ۱۳۸۶ء میں تخت سلطنت پر قدم رکھا اور اپنا لقب قطب الدین لنگاہ قرار کیا۔

ان کے حکمرانوں کی فہرست مندرجہ ذیل ہے :-

- ۱۔ جام انار ۲۔ جام جونا ۳۔ جام تماچی ۴۔ جام خیر الدین ۵۔ جام ہنیہ
 - ۶۔ جام تماچی دوم ۷۔ جام صلاح الدین ۸۔ جام نظام الدین ۹۔ جام علی شیر
 - ۱۰۔ جام دن ۱۱۔ قیخ عمان ۱۲۔ جام تغلق ۱۳۔ جام مبارک ۱۴۔ جام سکندر
 - ۱۵۔ جام رائے وون ۱۶۔ جام سنجر ۱۷۔ جام نذرا نظام الدین ۱۸۔ جام فیروز -
- جام فیروز سے شاہ بیگ ارغوانی والی قندھار نے ۱۹۲۷ء میں سندھ کا ملک چھین لیا۔ اس خاندان نے ۱۹۲ برس حکومت کی۔ سہ ابتداء میں سومریوں سے جنگ کرنے میں مصروف رہے اور عیب استقلال کے ساتھ تمام حکومت ہاتھ میں آگئی اور امن و امان قائم ہو گیا تو ملک کو فروغ دینے میں مصروف ہو گئے۔ چنانچہ جام سنجر نے سب سے پہلے عدالت کی طرف توجہ کی اور وہ تمام خرابیاں جو عدالت قاضی شاہد اور اس محکمہ کے عامل میں ہوتی ہیں ان کو دور کرنے کی بے حد کوشش کی۔ قاضیوں کی تنخواہیں بہت زیادہ کر دیں تاکہ رشوت کا سد باب ہو۔

خیر الدین کے عہد میں قافلوں اور کاروانوں کے راستوں کی حفاظت اور تجارت کو بہت فروغ ہوا۔ ڈاکوؤں کا قلع قمع کیا گیا۔ سہ قوم سیدوں کی بڑی عزت کرتی تھی۔ انہوں نے بہت مدرسے اور خانقاہیں بنائیں۔ بڑی بڑی مسجدوں کی بنیادیں رکھیں۔ ہمسایہ سلطنتوں سے اچھے تعلقات قائم رکھے۔ چنانچہ ملتان اور گجرات کے سفیر ایک دوسرے کے یہاں اکثر آیا جایا کرتے تھے۔ گجراتی بادشاہوں کے ساتھ ان کے ازدواجی تعلقات بھی قائم ہو گئے تھے جس کے باعث بعض اوقات سیاسی فائدہ بھی اٹھالیتے۔ علماء کے بڑے قدر دان تھے۔ محمد بن معد جلال الدین دوانی کو سندھ میں آنے کی انہوں نے دعوت دی تھی۔ لیکن موت نے علامہ موصوف کی آمد کی آرزو پوری نہ ہونے دی۔ مولانا میر معین الدین سید ابوالغیث، مولانا محمد اثیر الدین بھری (منطقی) مخدوم عبدالعزیز بھری محدث جلیے وزراء سندھ میں وزارت پر مامور رہے۔

یہ شخص بڑا مدبر تھا۔ اس انقلاب کے باوجود اُس نے کسی قسم کی بد امنی نہیں ہونے دی۔ یہ بڑا مخفی آدمی تھا۔ اہل کمال کا بے حد قدردان تھا۔ بادشاہ کا سارا وقت ان کل پُندروں کے درست کرنے میں صرف ہوتا جو بادشاہ گری سے بگڑ گئے تھے اور مغلوں کی کوٹ مار سے جو دیرانی چھا گئی تھی اس کو دُور کرنے پر توجہ مبذول کرتا۔ ہاں سولہ سال سلطنت کر کے ۱۵۲۹ء میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔

اس کے مرنے پر اس کا بڑا لڑکا حسین لنگاہ تخت نشین ہوا۔ حسین، جفاکش، صاحبِ علم اور اہل ہنر کا قدردان تھا۔ اس نے ابتداء ہی میں قلعہ شور پھر چنیوٹ پر قبضہ کر لیا۔ شیخ یوسف نے بہلول لودھی کو توجہ دلائی کہ حسین لنگاہ دکن کوٹ (سرحد پنجاب تک آگیا ہے۔ چنانچہ لودھی نے اپنے لڑکے باربک شاہ کو فوج لے کر ملتان بھیجا جس کو حسین شاہ نے بآسانی شکست دے دی اور کوٹ کرور کے حاکم کی بغاوت کو جو خود اس کا بھائی تھا فرو کر کے انتظامِ سلطنت میں مشغول ہو گیا۔ دو ہیلہ قوم کا سردار ملک سہراب ملتان آیا اور بادشاہ کا ملازم ہو گیا۔ بادشاہ کی عنایت دیکھ کر قوم بلوچ ملتان آدھکی اور شاہی وفاداری کا یقین دلا کر جاگیریں حاصل کیں۔ اس سے حسین شاہ کے پاس ایک اچھی بہادر قوم کی فوج تیار ہو گئی۔

سمہ قوم کے دو سردار بایزید اور ابراہیم بھی سندھ چھوڑ کر دربار میں حاضر ہوئے۔ بایزید کو شور کوٹ اور ابراہیم کو اچھ عنایت ہوا۔ دہلی میں بہلول کے بعد سکندر لودھی تخت نشین ہوا تو تعزیت کے لئے سفیر بھیجے اور اس طرح صلح کی بنیاد رکھ کر تختوں کا تبادلہ کیا۔ سلطان محمود گجراتی سے بھی اس کے تعلقات اچھے تھے اور سفیر آیا جایا کرتے تھے۔

لنگاہ بادشاہوں کے کارنامے | ملتان کی یہ نو مسلم خود مختار ریاست تقریباً ۸ برس قائم رہی۔ اس کی فوجی و عسکری قوت کے ثبوت کے لئے حسب ذیل اقتباس کافی ہے جو معصومی کی تاریخ سے ہے :-

وازاں جانب راستے زادہا لنگاہ و بلوچاں و سائر سپاہ رو بر و آمدہ (۱۵۲)
چوں غلبہ مرزا شاہ حسین بگوش سلطان محمود لنگاہ حاکم ملتان رسید۔ مردم باطراف
و سرحد ہرستاد تا لشکر بلوچ و جٹ و سائر سپاہ با جمع سازند و در عرض یک
ماہ ہشتاد ہزار سوار و پیادہ در ملتان جمع آمدہ جمعیتے عظیم بہم رسید۔ (۱۵۳)

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نو مسلم سلطان کے پرچم کے نیچے کتنی قومیں
جمع تھیں۔ ملتان چونکہ اس زمانہ میں ایران و خراسان و افغانستان سے آنے والی قوموں
کا مرکز تھا اس لئے نئے نئے حملوں کا ہمیشہ نشانہ رہا۔ اسی وجہ سے یہاں کے
بادشاہوں کو اصلاحی کاموں کے بجائے فوجی استحکام کے وقت اور دماغ کو
زیادہ صرف کرنا پڑتا تھا۔ لیکن ان مشکلات کے باوجود ان بادشاہوں کو موقع ملا
تو اصلاحی و تعمیری کاموں کی طرف سے بھی فراخ دلی سے متوجہ ہوئے۔

چنانچہ شیخ یوسف کے عہد میں زمینداروں کی حالت سدھارنے میں کافی کوشش
کی گئی۔ شاہ حسین کے زمانے میں فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا۔ پنجاب کی سرحدیں کوٹ
سے دریائے سندھ کے کنارے تک اس کے حدود وسیع ہو گئے۔ اس کا فوجی نظام
بھی قابلِ تعریف تھا۔ اس نے اپنی فوج میں لنگاہ، سندھی، مکرانی، بلوچی زیادہ
بھرتی کئے جس سے ان کی طاقت بڑی زبردست ہو گئی۔ نقد تنخواہ کی بجائے
افسروں کو بڑی بڑی جاگیریں دی جاتی تھیں اور عام سپاہیوں کو یہ جاگیر دار ہی
تنخواہیں دیتے تھے۔

یہ بادشاہ علم کا بھی قدردان تھا۔ دربار میں بڑے بڑے علماء حاضر رہتے
اور وہ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا۔ اسی کا اثر تھا کہ وزراء اور امراء
بھی علم کے بڑے قدردان تھے۔ چنانچہ وزیر بایزید خاص طور پر قدردانی میں شہرہ
آفاق تھا۔ خراسان اور ہندوستان کے بہت سے عالم وہاں جا کر مقیم ہو گئے۔
شیخ جمال الدین قریشی اسی دربار سے فیض یاب تھے۔ مولانا فتح اللہ اور مولانا عزیز اللہ
اسی عہد کے باکمال لوگ ہیں جن کے ذریعہ ہندوستان میں معقولات کو پھیلایا گیا۔

میر عماد گوردیزی مرزا شہید انہی دنوں ملتان آکر مقیم ہوئے۔ شیخ بہاء الدین قریشی اس عہد کے صوفیوں میں ممتاز تھے۔ مولانا بطلول قوت گویائی اور شیریں زبانی میں سب پر فوقیت رکھتے تھے۔ قاضی محمد بھی اس عہد کے مشہور علماء میں سے تھے۔

مدرسے بھی ہر جگہ جاری تھے۔ جن میں سے قاضی جامعی کا مدرسہ زیادہ مشہور تھا۔ اس کے صدر مدرس مولانا ابراہیم جامعی تھے جو ساٹھ برس تک اس مدرسہ میں تعلیم دیتے رہے۔ مولانا سعید الدین لاہوری بھی اسی مدرسہ کے معلم تھے جو آخر میں صدر ہو گئے۔

اس عہد میں علم فقہ کا بڑا زور تھا۔ یہاں تک کہ دربار میں بھی شرح وقایہ اور ہدایہ ہی کا چرچہ رہتا تھا۔ دوسرے ملکوں کے ساتھ بھی سلاطین ملتان کے تعلقات بڑے خوشگوار تھے۔ چنانچہ دہلی، کشمیر، گجرات، سندھ اور خراسان سے سفیروں کی ہمیشہ آمد و رفت رہتی۔ سرحدی مقام ہونے کے سبب خراسان سے زیادہ گھڑوں کی تجارت ہوتی۔

سلاطین کو باغ لگانے کا بھی بے حد شوق تھا۔ سلاطین ملتان کی یادگاریں آج بھی لنگاہ خاں کا باغ موجود ہے جو بلدیہ کے زیر انتظام ہے اور سنا ہے کہ لنگاہ قبیلہ کے مسلمان خاندان آج بھی موجود ہیں اور اس نسبت سے اپنے کو منسوب کرتے ہیں یہ

۱۔ ترجمہ تاریخ فرشتہ جلد چہارم صفحہ ۴۲، حیدر آباد۔
۲۔ ہندی اہل اور ہندوئی النفس سلاطین از علامہ سید سلیمان ندوی۔

سلطان محمود غزنوی

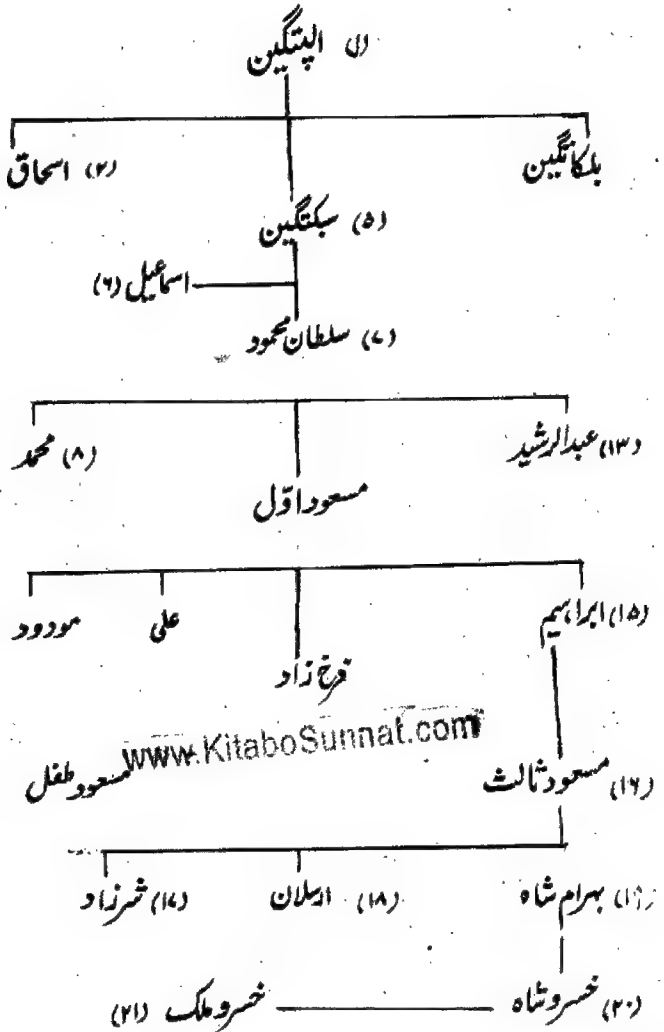
سلطان محمود ابن سبکتگین نوشیروان عادل کی اولاد سے تھا۔ مصنف طبقات ناصری لکھتا ہے :-

”امام ابو الفضل بیہقی می آرد کہ نصر حاجی مرد بازرگان بود در عہد امارت عبدالملک نوح سامانی سبکتگین را بخیرید بہ بخارا برد چو اٹار کیا ست و جلادت بر ناصیہ او ظاہر بود اورا الپتگین امیر حاجب تجرید و در خدمت الپتگین بہ لخواہستان رفت و قتیکہ ایالت طہارستان حوالہ اوشد“

امام محمد علی ابو القاسم عمادی در تاریخ مجددول چقین آورده کہ امیر سبکتگین از فرزندان یزدجرد شہریار بود و در اں وقت کہ یزدجرد در بلاد مرو در آشیای کشتہ شد در عہد خلافت امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ و اتباع یزدجرد بہ ترکستان افتادند و ایشان قرابتی کردند و چوں دوسہ بطن بگزشت ترک شدند و قصر ہائے ایشان در اں دیار منور بہ حالست۔ امیر سبکتگین (بن حق) قرا حکم بن قرار ارسلان بن قرا ملت بن قرا یقان بن فیروز بن یزدجرد بن شہریار الفارسی (ملک الفج) لے

محمود کے والد امیر سبکتگین تھے۔ امیر سبکتگین، امیر الپتگین کے خاندانی حالات | اداماد تھے۔ الپتگین امرائے دولت سامانیہ سے تھا اور اس دولت کی طرف سے ملک خراسان کا سپہ سالار رہ چکا تھا۔ سامانیہ سے پہلے

شجرہ خاندانِ غزنویہ



صفاریہ خود مختار ہوئے۔ ان ہردو کی حکمرانیاں ماوراء النہر کے علاقہ پر تھیں۔ دارالسلطنت بخارا تھا۔ صفاریہ اور سامانیہ حکومتوں نے کابل و قندھار تک علاقہ وسیع کر لیا۔ امیر اپتگین مذکور جو امیر ابوالیث سامانی سے خفا ہو کر بخارا سے نکل کر غزنی چلا آیا اور یہاں اپنی حکومت قائم کی یہ شہر کابل سے پچھتر میل جنوب میں کوہستان بابا کی شاخ محل کوہ پر واقع ہے۔

سبکتگین (۳۶۶ھ - ۳۸۴ھ) اپتگین کی وفات کے بعد نئی سلطنت کا امیر بنا۔ پنجاب کے راجہ جے پال اور امیر سبکتگین میں وہی پرانے سرحدی تنازعے تازہ ہو گئے۔ پشاور سے جلال آباد تک کا علاقہ جو ملغان کہا جاتا ہے۔ پنجاب و غزنی کی حکومتوں سے کس حکومت کے زیر اثر رہے۔ آخر پنجاب کے راجہ جے پال نے اس نزاع کا فیصلہ کرنے کے لئے اور سلطنت غزنی کا قصبہ پاک کرنے کے لئے ایک طوفانی لشکر لے کر ہاتھیوں پر سوار چلا اور وادی ملغان میں اتر گیا۔ ادھر سبکتگین اور اس کا نو عمر لڑکا محمود تازہ دم ترکوں کے ساتھ میدان میں آیا۔ دونوں دادِ شجاعت دے رہے تھے کہ اچانک برق و باراں کا طوفان اٹھ آیا اور راجہ جے پال کا منصوبہ ہمیشہ کے لئے خاک میں مل گیا۔ آخر کار صلح ہو گئی اور راجہ جے پال دس لاکھ درہم اور پچاس ہاتھی دینے پر آمادہ ہو گیا۔ یہ تھی وہ پہلی جنگ جس نے ہند کی قسمت کا فیصلہ کر دیا تھا۔

راجہ جے پال کی وعدہ خلافی اور سبکتگین کا حملہ ہندوستان پر اس کے بعد راجہ جے پال نے واپس آ کر رقم ادا کرنے کے بجائے ان سفیروں کو جو رقم لینے آئے تھے گرفتار کر کے جیل خانہ میں بند کر دیا۔ سبکتگین یہ سنتے ہی بجلی کی مانند تیزی سے ہندوستان کی سمت روانہ ہوا۔ ادھر راجہ جے پال نے دہلی، قنوج اور کاسنجر کی فوجی مدد لی اور مقابلہ کے لئے

نکل پڑا۔ درہ خیبر اور پشاور کے درمیان لڑائی ہوئی۔ ہندی فوجوں نے شکست کھائی اور پشاور تک اٹک پار کے ملک پر غزنی سلطنت کا قبضہ ہو گیا۔ اب غزنی کے ترکوں کے لئے ہندوستان کا راستہ کھل گیا تھا اور دہلی، کانجا اور قنوج پر انہیں اپنی ترک تازیوں کا حق تھا کیونکہ یہ ممالک دشمن کے ہمنوا تھے۔

سلطان محمود | محمود اپنے باپ سبکتگین کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا جس کا ۳۳ سال کا عہد رانی میں کامیاب ہوا۔

محمود کی ترک تازیاں | اس نے اپنے چاروں طرف کی سلطنتوں کو چاہے وہ مسلمان کی ہوں یا نامسلم کی ہلا ڈالا اور اپنی حکومت کے حدود آگے بڑھا گیا۔ اس نے غزنی کی ایک طرف، کاشغر کی اسلامی ایلخانی حکومت کو دوسری طرف خود اپنے آقا سامنیوں کی سلطنت، تیسری طرف ولہیوں اور طبرستان کی حکومت آل زیاد کو مشرقی سمت میں غوریوں کی سرزمین کو جن میں سے کچھ مسلمان ہو چکے تھے پھر اسی مشرقی سمت میں ملتان اور سندھ کی عرب حکومتوں کو اور ادھلا ہور اور ہندوستان کے بعض دوسرے راجاؤں کی سلطنتوں کے کھنڈر پر اپنی غزنی عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھی۔

یہ تھیں اس بدنام ”بت شکن“ کی ترک تازیاں جس نے ہندوستان کی ساری اسلامی سلطنتوں کا قلع قمع کیا تھا۔ اس سے اندازہ ہو گا کہ غزنی کے سلاطین کی یہ لڑائیاں ہندوستان سے کسی مذہبی جذبہ کے ماتحت تھیں یا محض جغرافی ماحول اور نئی حکومتوں کے شکست و تغیر کے زیر اثر پیش آئیں۔

سلطان محمود کے حملے ہندوستان پر | محمود کو دوسری سمت کی مخالف حکومتوں سے جب فرصت ملتی ہندوستان پر چڑھ آتا۔ وہ اپنے دور میں سب سے پہلے ۳۹۰ء، ۳۹۱ء میں ہندوستان میں داخل ہوا۔ جنوبی ہند کے جاٹوں کی سرکوبی کی اور چند سرحدی ضلعوں پر قبضہ کیا۔

دوسرے سال پھر آیا۔ پشاور کے آگے خیمہ زن ہوا۔ زور کا دن پڑا۔ راجہ جے پال نے شکست کھائی اور گرفتار کر لیا گیا۔ محمود نے بڑھ کر دوسرے شہر ہیند پر قبضہ کر لیا۔ جے پال نے خراج دے کر رہائی حاصل کی اور اپنی سلطنت اند پال کے سپرد کر کے جتا میں بیٹھ کر جل سرا۔

۳۹۵ء میں سلطان نے بجے رائے والی بھیرہ سے جنگ آزمائی کی۔ اس نے بھی فرار کی حالت میں خودکشی کر لی اور بھیرہ اور اس کے معنات سلطنت غزنی میں ملائے گئے۔ پھر ملتان کے والی ابوالفتوح باطنی نے بجے رائے کی مدد کی ناکام کوشش کی تھی۔ ۳۹۵ء میں محمود اس کو مرزا دینے آیا۔ رائے اند پال ابوالفتوح کی مدد کے لئے آیا مگر ناکام ہو کر فرار ہوا۔ ابوالفتوح نے محمود کی اطاعت قبول کی بلکہ محمود نے اند پال کے بیٹے سکھ پال کو بھیرہ کا گورنر بنا دیا تھا۔ وہ اسلام لے آیا تھا پھر مرتد ہو گیا۔ محمود ۳۹۸ء میں اس کی گوشمالی کے لئے آیا اور جلس دوام کی مرادی۔

پھر ۳۹۹ء میں بھرکہ آرائی ہوئی۔ اس مرتبہ اند پال کی مدد پر اجین، گوالیار، کانجر، قنوج، دہلی اور اجمیر کے راجہ اور ملتان کے والی داؤد فوجیں لے کر آئے۔ حب الوطنی کا حام جذبہ پیدا ہوا۔ اور عورتوں نے اپنے زیور بیچ کر چرخے کات کر اور محنت مزدوری کر کے لڑائی میں مدد دینے کے لئے دوپہ بھیا مگر ہندوستان راجاؤں کی پھیلی خانہ جنگیوں کا غبار دل سے دور نہیں ہوا تھا۔ وہ کسی ایک کی کمان میں فوجیں کو نہ دے سکے۔ محمود نے راجپوتوں کی اس ٹڈی دل فوج کا مقابلہ کیا۔ ہندوستانیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ محمود کے خلاف یہ آخری مشترکہ قومی مظاہرہ تھا جس میں نہ صرف ہندو بلکہ ہندوستان میں عربوں کی واحد حکومت کا حکمران بھی شریک تھا۔ مگر ہندوستان کو شکست ہوئی اس کے بعد راجا یان ہندی کے بعد دیگرے مغلوب ہوتے گئے اور بیش بہا خزانے خصوصاً مندروں کے جوہرات فاتح کے ہاتھ آتے

گئے۔ اس حملہ میں محمود نے نگر کوٹ (کانگرہ) کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔

اس کے بعد ۱۰۱۰ھ میں ابوالفتح داؤد کا خاتمہ کرنے ملتان آیا اور اس کو گرفتار کر کے ساتھ لے گیا۔ اس کے بعد اس نے ۱۰۱۳ھ میں راجہ بھیم پال سے قلعہ نندو نالیا۔ ۱۰۱۵ھ میں تھانیسر پر قبضہ کیا۔ پھر ۱۰۱۶ھ میں کشمیر کی ناکام مہم پیش آئی اس کے بعد ۱۰۱۹ھ میں قنوج اور متھرا پر قبضہ کیا۔ پھر ۱۰۲۲ھ میں کشمیر پر دوبارہ حملہ آور ہوا۔ ۱۰۲۳ھ میں وہ پورے پنجاب کو غزنی کا صوبہ بنانے کی نیت سے انتظامات کے ساتھ آیا اور پنجاب کا الحاق غزنی سے کر لیا۔ انند پال کے لڑکے ترلوک پال کا انتقال ہو چکا تھا۔ راجہ بھیم اس کا جانشین تھا۔ وہ پنجاب چھوڑ کر رائے اجمیر کے پاس چلا گیا جہاں ۱۰۲۶ھ میں اس نے وفات پائی۔

محمود نے لاہور کا پہلا حاکم اپنے غلام ایاز کو بنایا۔ اس کے بعد ۱۰۲۴ھ میں گوالیار اور کانجر کو قبضہ میں لے لیا۔ پھر ۱۰۲۶ھ میں سومنات کا مشہور واقعہ پیش آیا اور اس مہم گجرات کی فتح کی تکمیل ۱۰۲۷ھ میں کی۔ پھر اسی سال ۱۰۲۷ھ میں ملتان کے قزاقوں کی سرکوبی کی اور ۱۰۲۹ھ میں جاٹوں کی چھڑ چھڑ کا بدلہ لینے کے لئے آیا اور کامیاب رہا۔ اس طرح محمود کے براہ راست قبضہ میں پنجاب، سندھ اور ملتان کے صوبے آ گئے۔ لہ اور کشمیر، قنوج، کانجر، گوالیار اور گجرات اس کے باج گزار بنے۔

مندروں پر حملہ آوری کا سبب یہ بھی تھا کہ مندر دولت کا خزانہ تھے۔ ذرو جواہر کا انبار تھا۔ محمود نے ہندوستان کے ان حملوں میں بے شمار مندروں سے دولت حاصل کی۔ سومنات میں دو سو من وزنی سونے کی زنجیر تلکتی تھی جس میں گنٹیاں آویزاں تھیں۔ جس حجرے میں ثبت تھا اس کی قندیلوں کو روشن کرنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ روشنی کے لئے اس میں جواہر و الماس جڑے ہوئے تھے جن کی جگہ گاہٹ

لہ تاریخ ہندوستان و کاء اللہ جلد دوم ص ۲۹۲ -

سے ہمہ دم روشنی رہتی تھی۔

نظم صوبہ پنجاب | محمود نے پنجاب کو سلطنتِ غزنی کا ایک صوبہ قرار دیا۔ اس نے اس صوبہ کے مرکز سے دور دراز ہونے کی وجہ سے یہاں ایک نیا نظم قائم کیا۔ ایاز کے بعد فوجی اور انتظاماتِ اختیاریہ علیحدہ علیحدہ حکام کے سپرد کئے۔ انتظامی امور ابو اسمن علی المعروف بہ قاضی شیرازی کے سپرد کئے اور سپہ سالاری کے عہدہ پر علی اری یارک کو مامور کیا۔ لیکن گورنر اور سپہ سالار دونوں کا ایک دوسرے سے سروکار نہ رکھا۔ یہ دونوں براہِ راست غزنی کے ماتحت تھے اور پرچہ نویسی پر ابو العکم نام کے ایک افسر کو مقرر کیا۔

اگرچہ محمود نے ہندوستان کو اپنا وطن نہیں سمجھا اس کو غزنی پیارا تھا اور اسی کو اس نے آباد کیا۔ تاہم ہندوستان سے اس کو ایک رابطہ پیدا ہو چکا تھا۔ ہندوستان کے جنگی ہاتھیوں پر اس کو ایسا ناز تھا کہ وہ خلیفہ بغداد کو بھی اعتماد پر دھمکی دینے سے باز نہ آیا اور الفیل مالفیل کا عبرت آموز جواب پایا۔

محمود کی رواداری | اس نے اپنی ساری عمر میں کبھی کسی ایک ہندو کو بھی جبر سے مسلمان نہیں بنوایا اور نہ امن کی حالت میں کسی ایک مندر کو توڑنے اور بُت شکنی کرنے کا کوئی واقعہ پیش آیا۔ اس نے ہندوستانی مقبوضات کے لئے اپنا سکھ ہندی زبان میں جاری کیا اور اپنی فوج میں ہندوؤں کو معزز عہدوں پر بھی سرفراز کیا۔ ہندوؤں اس کی فوج کا اعلیٰ افسر تھا۔ تو لک بھی دکن سلطنت تھا۔

محمود کا علمی دربار

محمود غزنوی اسلامی تاریخ کا گوہر شب چراغ ہے۔ وہ جس حیثیت سے فاتح اور کشور کشا تھا۔ اس حیثیت سے علم دوست اور علم پرور بھی تھا۔ وہ خود

عالم، شاعر اور مصنف تھا۔ اس کے دربار میں فردوس سے شاعر، ابیرونی سے حکیم اور اس کے عہد کے علماء اور فضلاء کا مجمع نہ ہتا تھا۔ علم و فضل میں وہ کسی سے کم نہ تھا بلکہ ممتاز فرمانروا تھا۔ فارسی اُس کی مادری زبان تھی۔ عربی سے بھی واقف تھا۔ فقہ و حدیث اور عجم و عرب کی تاریخ میں پوری دستگاہ رکھتا تھا۔ اس کی حدیث دانی کے متعلق ابن خلکان کا بیان ہے :-

وكان مولعا بعلم الحديث وهو سميع ويستفسر الاحاديث -
علم حدیث کا بڑا دلدادہ تھا اس کا سامع کرتا تھا اور اس کے متعلق علماء سے سوالات کیا کرتا ۔
ابن اثیر کا بیان ہے :-

دو وہ علماء اور اصحاب کمال کا قدردان تھا۔ ان کا اعزاز و اکرام اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا تھا۔ دور دور سے علماء آکر اس کے دربار میں جمع ہو گئے تھے جنہوں نے اس کے لئے کتابیں بھی لکھیں۔
شیخ محی الدین عبدالقادر جو اہر مغلیہ میں لکھتے ہیں :-
”محمود ممتاز فضلاء میں تھا۔ فصاحت و بلاغت میں یگانہ تھا۔“
ابن عماد حنبلی نے لکھا ہے :-

”محمود طراذمی دور رس اور صاحب الرائے تھا۔ اس کی مجلس علماء و فضلاء کا مرجع تھی۔“

شیخ محی الدین عبدالقادر نے امام مسعود کے حوالہ سے بیان کیا ہے :-

وله التصانيف في الفقه والحديث والخطب والرسائل
فقه، حدیث، خطبات اور رسائل میں محمود کی تصانیف ہیں اور اس کے اشعار ولہ شعر جید۔
بھی اچھے ہوتے ہیں۔

۱۔ ابن خلکان جلد ۲ ص ۸۶ ۲۔ ابن اثیر جلد ۹ ص ۲۶۱ ۳۔ جو اہر مغلیہ جلد ۲ ص ۱۵۰
۴۔ سندت الذہب جلد ۲ ص ۲۲ -

اس کی مشہور تصنیف التفرید ہے جو فقہ حنفی سے متعلق ہے۔ اس میں ساٹھ ہزار مسائل ہیں۔ فتاویٰ تاتارغانیہ میں اس کا حوالہ موجود ہے۔

تاریخ الفسطن میں ہے :-

”محمود کے فخر و اعزاز کا واقعی سبب یہ تھا کہ وہ سپہ گری اور بہادرانہ زندگی کے باوجود علوم و فنون کے ترقی دینے میں بڑا سرگرم تھا اور یہ اُس کے دور کی عجیب و غریب خوبی تھی اور آج تک کوئی بادشاہ علوم پروری میں اس سے سبقت نہ لے جاسکا۔ باوجودیکہ محمود نہایت کفایت شعار تھا مگر علوم و فنون کے باب میں بڑا فیاض واقع ہوا تھا۔ اُس نے خاص غزنی میں ایک بہت بڑا مدرسہ تعمیر کرایا اور مختلف زبانوں کی عجیب و غریب کتابیں جمع کیں۔ اس مدرسہ کے اخراجات کے لئے اس نے بہت سادہ و پیمہ مقرر کیا۔ اور طلباء اور ارباب کمال کے وظائف کے لئے ایک مستقل فنڈ قائم کیا۔ ایک لاکھ سالانہ محض علماء کے وظائف مقرر کئے۔ علماء و مشاہیر کے ساتھ اس احترام سے پیش آتا تھا کہ اس کے دارالسلطنت میں اتنے ارباب کمال جمع ہو گئے تھے کہ ایشیا کے کسی بادشاہ کو یہ فخر حاصل نہ تھا۔ یہ

محمود نے ایک کتب خانہ بھی قائم کیا تھا۔
کتب خانہ فرشتہ لکھتا ہے :-

”در جوار آن مسجد مدرسہ بنامہاد و بنفائش کتب و غرائب نسخ موسع گردانید
دہات بسیار بزرگ و مدرسہ وقف فرمود“

پہلے حنفی مسلک رکھتا تھا پھر امام شافعی کا مسلک اختیار کیا۔

علمی مجلس و مباحثے علمی دربار میں علماء سے فقہ و حدیث و کلام کے مسائل دریافت کرتا جو مسلک پسند آتا اختیار کرتا۔

۱۔ تاریخ الفسطن ترجمہ اردو صفحہ ۵۵ ۲۔ فرشتہ ص ۳ مطبوعہ نو لکھنؤ

چنانچہ استوا علی العرش کے مسئلہ پر متکلم محمد بن ہریم اور محدث و فقیہ القفال مروزی سے مباحثہ کر لیا۔ متکلم کا مسلک پسند آیا اسے قبول کیا۔ ۱۷
فکر سخن | محمود خود بلند مرتبہ کا شاعر تھا۔ پاکیزہ مذاق رکھتا تھا۔ اس نے شاعری کا محکمہ قائم کیا۔ اس کا عنصری کو ملک الشعراء کا خطاب دے کر افسر مقرر کیا۔ چار سو شعراء و امن دولت سے وابستہ تھے۔ ابوالحسن علی بن قلوغ خزن حسن بن اسحاق فردوس، منوچہر کی و امقالی وغیرہ۔

حمد اللہ متوفی کا بیان ہے :-

رد محمود علماء و شعراء کا قدر دان تھا۔ چار لاکھ دینار سالانہ ان پر صرف

کیا کرتا تھا۔ ۱۸

ایک نودار و شاعر کو تین ہزار موتی محمود نے عطا کئے۔ عنصری نے اس واقعہ کو لکھا ہے :-

بیک عطا کہ ہزاران گہر بشاعر داد کہ آں خزینہ گہے زرد چہرہ گہہ لاغر

سلطان محمد | سلطان محمد (۱۱۳۱ھ) محمود کی وفات کے بعد تخت پر بیٹھا۔ اس کے بھائی مسعود نے جب اس پر فوج کشی کی تو اس نے اسی ہندوستانی سپہ سالار سوہند رائے کو اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ مگر وہ اس جنگ میں کام آیا۔ تاہم معلوم ہوا کہ اس لشکر کو اتنی اہمیت حاصل تھی کہ وہ تاج و تخت کا فیصلہ کر سکتے تھے۔ سوہند رائے کے مارے جانے کے بعد سلطان محمد خود فوج لے کر گیا اور میدان جنگ میں گرفتار کر لیا گیا۔

سلطان مسعود | سلطان مسعود (۱۱۳۱ھ)، (۱۱۳۲ھ) کو ہندوستان کے نظم حکومت میں محمود کے قائم کئے ہوئے دو عملی نظام سے سابقہ پڑا۔ یہ دو عملی نظام پنجاب میں نہ چل سکا۔ قاضی شیرازی اور علی اری یادک میں

۱۹ البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ صفحہ ۳۱۵ تاریخ گزیدہ جلد ۱ ص ۳۵۵ -

اختلاف پیدا ہوا۔ وزیر غزنی نے یارک کو شیریں گفتاری سے پائیہ تخت بلوایا اور ۱۰۲۳ھ، ۱۰۲۱ء میں بلخ میں اس کو قید کر دیا۔ پھر پنجاب کی سپہ سالاری پر احمد نیا لتگین بھیجا گیا۔ اس کے بعد سلطان مسعود نے ۱۰۲۴ھ میں کشمیر کے قریب قلعہ سرستی پر فوج کشی کی اور اس کو فتح کر لیا۔

سلطان مسعود کے واپس جاتے ہی لاہور میں انتظامی و فوجی حکام کی جنگ پھر شروع ہو گئی۔ مگر وزیر اعظم عربی نے اس مرتبہ نیا لتگین کی حمایت کی۔ اس نے قاضی شیرازی سے بے پرواہ ہو کر ہندوستان پر فوجی حملہ کر دیا اور سرعت سے بڑھتا ہوا بنارس تک پہنچ گیا اور اس شہر کو لوٹا۔ قاضی شیرازی نے غزنی اطلاع دی کہ نیا لتگین نے بے شمار دولت حاصل کی ہے۔ خود مختاری کی طرف مائل ہے، اپنے کو محمود کا بیٹا کہتا ہے۔

سلطان مسعود نے ۱۰۲۶ھ میں احمد نیا لتگین کی سرکوبی کے لئے ایک ہندو سپہ سالار ناتھ کو بھیجا مگر وہ ناکام رہا۔ اس کے بعد اس کی سرکوبی کے لئے ایک دوسری فوج بھیجی جا ہی۔ مگر مہم کی دشواریوں کو دیکھ کر کوئی آمادہ نہ ہوا۔ آخر کار ایک دوسرا ہندو سپہ سالار تلک آگے بڑھا۔ اس نے اس مہم کو انجام دینے کا بیڑہ اٹھایا۔ تادمخ بیہقی میں ہے کہ سالار تلک سو بند راتے کی جگہ غزنی کی ہندو فوج کا سپہ سالار تھا۔ اس کے مکان پر نوبت بجتی تھی اور علم خمیہ اور چتر عطا ہوا تھا۔ تلک لاہور آیا تو نیا لتگین فراہ ہو چکا تھا۔ اس نے اس کے سر کی قیمت پانچ لاکھ درہم مقرر کی۔ پھر جن جن کو اس کے سپاہیوں کو اس وقت تک مارا جب تک انہوں نے نیا لتگین کا ساتھ چھوڑنے کا وعدہ نہیں کر لیا۔

پھر جاٹوں نے بحر سندھ عبور کرتے ہوئے نیا لتگین کو بھی پکڑ لیا اور اس طرح اس کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔ گویا غزنوی سلطنت کے استحکام میں ہندوؤں اور جاٹوں نے زنا کا دانہ حقہ لیا۔

اس کے بعد سلطان مسعود نے ۱۰۲۹ھ میں ہندوستان کا رخ کیا اور قلعہ

ہانسی اور سوئی پت پر قبضہ کیا اور اپنے لڑکے مجدد کو پنجاب کا گورنر بنا کر غزنی واپس گیا اور ایازہ کو اس کا اتالیق مقرر کیا۔ اسی زمانے میں دوسری طرف سلجوقیوں کو عروج حاصل ہو رہا تھا اور ان کا سیلاب بڑھتا ہوا غزنی تک آ رہا تھا۔ مسعود نے اس ابھرنے والی نئی طاقت کا مقابلہ کیا اور ۴۳۲ھ میں مرو کے میدان میں اس کو شکست فاش ہوئی۔ مستقبل کا نقشہ اس کی نگاہ میں آیا اور اُس نے غزنی اپنے پایہ تخت کو پنجاب میں لے آنے کا فیصلہ کیا۔ تین سو اوتھوں پر زرد و جواہر اور مال و دولت کا انبار لا کر چلا۔

ہندوستان کی دولت ہندوستان کو آ رہی تھی کہ اٹھائیس ماہ میں اس کے ترک اور بیشتر ہندو سپاہیوں نے اس سے بے وفائی کی۔ خزانہ کوٹ لیا۔ سلطان کو حراست میں لے لیا اور اس کے نابینا بھائی سابق سلطان محمد کو قید سے نکال کر تخت نشین کر دیا اور چند دنوں کے بعد مسعود قتل کر دیا گیا۔

سلطان مسعود کے قتل کے بعد اس کے بیٹے مودود نے غزنی میں تخت نشینی اختیار کی اور ۴۳۴ھ میں حملہ کر کے محمد کا خاتمہ کر دیا۔ ہندوستان کے امرا مودود اور محمد کی کشمکش میں محمد کے طرفدار تھے۔ اس طرح پایہ تخت غزنی اور ہندوستان کے امرا نے غزنی کی پالیسی میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

سلطان مودود (۴۳۳ھ - ۴۴۱ھ) اس کے باوجود سلطان مودود نے ہندوستان کے امرا نے غزنی سے مرعوب نہیں ہوا۔ اس نے ابونصر محمد بن احمد کو لاہور کا حاکم مقرر کیا اور خود ملتان سے لاہور آیا اور ہانسی اور تھانیس تک کا دورہ کر کے واپس آیا۔ اس اثناء میں سلجوقیوں کا زور بڑھتا گیا اور مودود کو ادھر متوجہ ہونا پڑا۔ یہ دیکھ کر اس کے بھائی مجدد نے مودود سے ناراض ہو کر امراء کی مدد سے پنجاب پر قبضہ کر لیا۔

مودود نے ۴۳۵ھ میں پنجاب پر فوج کشی کی۔ مگر مجدد نے لاہور کو بچا لیا۔ لیکن اسی اثناء میں مجدد اپنے خیمہ میں مردہ پایا گیا۔ اس کا دست راست

ایاز بھی مرگیا اور مودود کے قبضہ میں پنجاب آگیا۔

ہندوستان میں جذبہ وطنیت | غزنویوں کی خانہ جنگی اور سلجوقیوں سے ان کی معرکہ آرائی سے ہندوستان کے

راجپوتوں نے پورا فائدہ اٹھایا۔ ان میں وطن اور دھرم کو بچانے کا جذبہ پیدا ہوا۔ جو لوگ ترکوں کے خوف سے جنگوں میں پناہ گزین تھے خود اعتمادی کے ساتھ نکل پڑے۔ تغیر نے یاوری کی اور راجہ دہلی کی سرکردگی میں ۵۳۵ھ، ۵۳۶ھ میں ہانسی اور تھانیسر پر قبضہ کر لیا۔

محمود نے ہندوؤں کے مقدس مقامات میں سے جن کو فتح کیا تھا ان میں سے صرف ننگر کوٹ پر اپنا قبضہ رکھا۔ انہوں نے اس کو بھی واگزار کر لیا جس سے ہندوستان میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ جاہری جوق در جوق تیرتھ کے لئے آئے لگے۔ اب راجپوتوں کے دل بڑھے ہوئے تھے۔ دیہی اور مصافات کے علاقے تو غزنویوں کے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ وہ لاہور کا فیصلہ کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ یہ دیکھ کر غزنوی امراء میں بھی نئی حرارت آئی۔ اختلاف کو بھلا دینے کا عزم کر کے اُٹھے۔ راجپوتوں کا لشکر بغیر لڑے واپس چلا گیا۔ مودود نے ۵۳۸ھ میں اپنے لڑکے ابوالقاسم محمود کو لاہور کا حاکم بنا کر بھیجا اور علی کو ہند کا سپہ سالار بنایا جس نے پشاور، کشمیر اور ملتان کی بغاوتیں فرو کیں لیکن ہانسی، تھانیسر اور ننگر کوٹ کے قلعے قبضے میں نہ آ سکے۔

سلطان عبدالرشید | مودود کی وفات کے بعد علی بن ربیع ایک امیر نے اس کے تین چار برس کے بیٹے مسعود ثانی کو تخت پر بٹھادیا۔

مگر دوسرے امراء نے مودود کے بھائی علی بن مسعود کی اطاعت کی اور علی بن ربیع ایک جماعت کے ساتھ ہندوستان چلا آیا۔ اور پشاور سے سندھ تک کے علاقہ کو قبضہ میں لے لیا۔ اس اثنا میں سلطان مودود کے چھوٹے بیٹے عبدالرشید ۵۴۳ھ، ۵۴۴ھ میں غزنی کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ اس نے ربیع کو غزنی واپس بلالیا اور اس کی

جگہ نوشتگیں کر فی کو ہندوستان اور سندھ کا والی بنا کر بھیجا۔

نوشتگیں حاکم پنجاب | غزنوی حکمرانوں کی خانہ جنگی کے بعد نوشتگیں گویا ہندوستان کا باضابطہ سرکاری حاکم تھا۔ اس کے ساتھ مستحکم فوج بھی آئی تھی۔ اس نے قلعہ نگر کوٹ پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔

سلطان فرخ زاد | اس اثناء میں غزنی میں پھر انقلاب حکومت ہوا جس کے بعد فرخ زاد بن مسعود ۱۰۵۶ھ، ۱۰۵۹ھ تخت نشین ہوا۔ اُس نے کسی کو ہندوستان کا والی بنا کر نوشتگیں کو اپنی وزارت کے منصب کے لئے طلب کر لیا۔

سلطان ابراہیم | اس کے بعد سلطان ابراہیم بن مسعود ۱۰۵۰ھ، ۱۰۹۲ھ تخت نشین ہوا۔ اس نے چالیس برس تک حکمرانی کی لیکن اپنے پورے دور حکومت میں اس نے ہندوستان پر صرف دو مرتبہ چڑھائی کی۔ آخری مرتبہ ۱۰۶۲ھ میں آیا اور اجودھن (پاک پٹن) پر قبضہ کیا۔ پھر قلعہ روہر پر دھاوا کیا۔ اسی طرح دوپال اور نیتی کال کو قبضہ میں لایا اور بڑھتا گیا۔ سہارن پور کے ضلع تک آیا اور کئی قلعوں پر قبضہ کر کے واپس گیا۔

سلطان مسعود بن ابراہیم | سلطان مسعود بن ابراہیم ۱۰۹۲ھ، ۱۱۱۳ھ اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس زمانے میں ہندوستان کا والی طفالتگیں بنایا گیا۔

طفالتگیں حاکم پنجاب | گنگا کو عبور کر کے مختلف مقاموں کو قبضہ میں لایا اور کثیر دولت کے ساتھ لاہور واپس گیا۔

سلطان ارسلان | مسعود بن ابراہیم کی وفات کے بعد سلطان ارسلان ۱۱۱۳ھ کا دور آیا۔ اس زمانے میں غور و غوازم نئی طاقتیں اُبھر رہی تھیں۔ ایک نے سلجوقیوں کی جگہ لی اور دوسری نے غزنویوں کا خاتمہ کیا۔ ارسلان کے زمانے میں سخر سلجوقی نے غزنی پر قبضہ جما لیا تو وہ ہندوستان

چلا آیا اور یہاں سے ہندوستانی لشکر فراہم کر کے غزنی پر چڑھائی کی اور اپنے پای تخت کو واپس لے لیا۔ لیکن سنجہ نے واپس آکر پھر غزنی پر قبضہ جما لیا۔ ارسلان پہاڑوں میں چھپ رہا جہاں سے پکڑ کر لایا گیا اور قتل کیا گیا۔

محمد باہیم والی پنجاب | اس زمانہ میں ہندوستان کی ولایت کی زمام محمد باہیم کے ہاتھ میں تھی وہ اپنی دانشمندی سے پنجاب کو بچائے رہا۔ اور پائے تخت غزنی کے انقلابات کے اثر سے یہ صوبہ محفوظ رہا۔

بہرام شاہ | اس کے بعد بہرام شاہ بن مسعود (۱۱۱۴ء تا ۱۱۵۲ء) سلطان سنجہ کی بخشش کے طور پر جو بہرام کا ماموں بھی تھا، غزنی کے تخت پر بیٹھا۔ محمد باہیم نے غالباً ارسلان کی ہمدردی میں ہندوستان میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ مگر بہرام نے غفلت نہ برتی فوراً کوچ کر کے ۱۱۱۴ء میں ہندوستان آیا۔ محمد باہیم کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہوا۔ مگر پھر خطا معاف کر کے ہندوستان کی حکومت اس کے سپرد کر کے واپس چلا گیا۔

قلعہ ناگور پر قبضہ | اس کے بعد محمد باہیم نے قلعہ ناگور فتح کیا۔ اس کو مستحکم کر کے اپنا مامن بنایا اور عظیم الشان لشکر فراہم کر لیا اور مختلف راجاؤں سے معرکہ آرا ہوا۔

محمد باہیم کی بغاوت اور زوال | اس اثناء میں اس کو اپنی طاقت پر پھر مامحت رہنا جو خود قوی دشمنوں کے نرغہ میں اس وقت تھی، پسند نہیں کیا۔ سلطان بہرام اس کو سزا دینے پھر آیا۔ ملتان میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا اور محمد باہیم شکست کھا کر مارا گیا۔

حسین بن ابراہیم والی پنجاب | سلطان بہرام ہندوستان میں حسین بن ابراہیم علوی کو حاکم بنا کر چلا گیا۔ جب غوریوں کا حملہ غزنی پر شروع ہوا تو بہرام مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر ہندوستان چلا آا۔

پھر موقع پا کر واپس گیا اور غزنی پر قبضہ کیا۔

غزنی کی بربادی | لیکن پھر ۱۱۵۱ھ میں علاء الدین حاکم غور نے غزنی پر قبضہ کر لیا اور شہر میں آگ لگا دی۔ اسی سے ”جہاں سوز“ کا لقب پایا۔ سلطان بہرام غزنی کی بربادی کا قصہ مدبرداشت نہ کر سکا اور اسی غم میں ہندوستان واپس آکر ۱۱۵۳ھ میں اس دنیا سے چل بسا۔

خسرو شاہ | اس کے لڑکے خسرو شاہ (۱۱۵۲ھ، ۱۱۶۰ھ) نے غزنی، ہی میں اپنا تخت بچھنا ناچاہا مگر غوری آن موجود ہوئے اس لئے وہ نامراد ہندوستان واپس آیا۔

غزنوی سلاطین کا مامن ہندوستان | اب غزنویوں کا مامن ہی ہندوستان تھا اور ان کا پایہ تخت غزنی کے بجائے لاہور تھا۔

ملک خسرو | خسرو شاہ نے ۱۱۵۵ھ میں لاہور میں وفات پائی۔ ملک خسرو (۱۱۶۰ھ، ۱۱۸۶ھ) میں اس کا جانشین ہوا اور اس نے ۲۰ برس اس و امان سے اپنے مقبوضات ہند پر حکمرانی کی۔

راجہ جتوں کی دعوت شہاب الدین غوری کو | اس اثناء میں سلطان آفتاب اقبال طلوع ہوا۔ غزنوی سلطنت لاہور کی سرحد شرق میں سیالکوٹ تک تھی اور یہی راجہ جتوں کی سرحد اس سے ملتی تھی۔ یہاں کے راجہ چکریوں نے سلطان شہاب الدین کو پنجاب کا خاتمہ کرنے کی دعوت بھیجی۔ شہاب الدین کے حملے ہندوستان پر شروع ہو گئے اور پشاور، ملتان اور سندھ کو اس نے فتح کیا۔ پھر ۱۱۸۶ھ میں لاہور پر فوج کشی کی۔ خسرو ملک کا قلعہ بند ہو گیا۔ اور شہاب الدین کو واپس جانا پڑا۔ ۱۱۸۶ھ میں وہ پھر ہندوستان آیا اور سیالکوٹ کے قلعہ کو فتح کر کے اس کو مستحکم کیا۔

اس کے بعد ۵۸۶ھ میں وہ پھر لاہور آیا اور خسر و ملک
آل سبکتگین کا زوال اور اس کے پورے خاندان کو گرفتار کر کے غزنی
 لے گیا۔ وہاں سے زابلستان کے قلعہ میں قید کر دیا۔ جہاں اس نے ۵۸۸ھ ۱۱۹۲ء
 میں وفات پائی۔

اس طرح ہندو مسلم دونوں حکمرانوں کی
 باہمی صلاح و اشتراک عمل سے ہندوستان
غزنوی سلطنت کے خاتمہ میں
 ہندو مسلم حکمرانوں کا اشتراک
 میں آل سبکتگین کی غزنوی سلطنت کا
 خاتمہ ہو گیا۔

غزنوی سلاطین کی علم پروری شہرت عام
 رکھتی ہے۔ ہزاروں شعراء اس سلطنت
 کے دور میں دربار سے وابستہ رہے اور
غزنوی سلاطین کے دور میں
 ہندوستان میں علوم و فنون کی ترقی
 فارسی و عربی ادب میں ان کے نقوش تازہ ہیں۔ غزنوی سلاطین میں پیشتر خود صاحب
 علم و فضل تھے۔ سلطان محمود کی فتح مندویں اور کشورکشیوں کے ساتھ اس کے
 علم و فضل کا شہرہ بھی کچھ کم نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ شاعری پر اس نے شاہانہ توجہ کی۔
 ایک مستقل محکمہ قائم کیا۔ اس کے خوان کرم سے چار سو شاعر بہرہ یاب تھے۔
 فردوسی، اسیدطوسی، عجمی، غفاری، فرخی، حکیم سنائی، منوچہری و امغانی وغیرہ
 میں سے ہر ایک اعلیٰ سخن کا تاجدار تھا۔

دوسری طرف جلیل القدر عربی گو شاعر اس کے دامن فیض سے وابستہ تھے مگر
 ان کے کلام کا عام جوہر نگاہوں کے سامنے نہ آسکا۔ بلکہ غزنوی عہد کی تاریخ سے
 ان کے نام و نشان بھی رفتہ رفتہ محو ہو گئے۔ مگر عرب تذکرہ نگاروں نے نعمۃ الایمۃ
 ونبیۃ القعر اور شذرات الذہب وغیرہ میں ان کا تذکرہ محفوظ رکھا ہے۔ اگر
 محمود، صاحب تاج و تخت نہ ہوتا تو اس کا شمار پانچویں صدی کے ممتاز اہل علم
 میں ہوتا۔ ابن شیبہ کا بیان الجواہر الغلیہ میں منقول ہے کہ سلطان محمود اعیان

فقہاء میں سے تھا اور فصاحت و بلاغت میں یگانہ روزگار تھا۔ علم فقہ و حدیث میں اس کی تصنیفات، خطبے اور رسائل ہیں۔ وہ بہترین شعر بھی کہتا تھا۔ اس کی تصنیفات میں کتاب التفرید جو فقہ حنفی میں بھی مالک غزنی میں عام شہرت رکھتی ہے۔ اس کی مجلس علماء سے معمور تھی وہ علم حدیث کا شائق تھا۔ علماء اس کی موجودگی میں حدیث کا سماع کرتے اور وہ بھی روایت لینے والوں میں سے ہوتا اور احادیث کے متعلق استفسار کرتا رہتا اور اس طرح تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ میں اس کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ حنفیت کے بعد شافعی مذہب کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ امام الحرمین نے بھی اپنی تصنیف مغیث الخلق میں ذکر کیا ہے اور قاضی ابن خلدان نے بھی اس حیثیت سے اس کے سوانح اپنی کتاب میں درج کئے ہیں۔

سلطان مسعود بھی علم و علماء کا قدردان تھا۔ مختلف مایہ ناز کتابیں اس کے لئے تصنیف کی گئیں۔ فنون ریاضی میں بیرونی کی کتاب القانون المسعودی فقہ حنفی میں قاضی ابو محمد نامی کی کتاب المسعودی، اس عہد کی یادگار ہیں۔ شعراء کا بھی قدردان تھا اور غیر معمولی بخششیں دیتا تھا۔ سلطان ابراہیم علم و فن سے دلچسپی رکھتا تھا۔ بہترین خطاط تھا۔ ہر سال ایک مصحف اپنے ہاتھ سے لکھ کر صدقات کے ساتھ مکہ معظمہ بھیجا کرتا تھا۔ بہرام شاہ بھی علم و علماء کا قدردان تھا۔ کتابیں جمع کرنے کا شائق اور اپنے سامنے پڑھوا کر سننے کا عادی تھا۔ مختلف کتابیں اس کے لئے لکھی گئی ہیں۔ نظامی گنجوی نے اپنی مخزن الاسرار اس کے لئے لکھی۔ کلیلہ و دمنہ کا ترجمہ عربی سے فارسی میں اس کے لئے کیا گیا ہے اور ابوالمجد مجدود بن آدم سنائی نے کتاب الحدیقہ تصنیف کی۔

شعراء غزنوی سلاطین کی علم پروری سے ہزاروں شعراء اس سلطنت کے دور میں دربار سے وابستہ رہے اور فارسی و عربی ادب میں ان کے نقوش تازہ ہیں۔ پنجاب میں ان کے پچاس ساٹھ رمال کی حکمرانی کے دور میں

یہاں فارسی گو ہندوستانی شعراء بھی پیدا ہو گئے۔ چنانچہ عونی نے اپنے تذکرہ میں ان کے لئے ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ ان میں ابوالفرح بن مسعود متوفی ۴۸۴ھ روینی اور مسعود بن سلیمان اور روزبہ بن عبداللہ لاہوری خاص طور پر لائق ذکر ہیں۔ روینی کا فضل و کمال یہ ہے کہ عونی کے بقول انوری جیسا قصیدہ گو شاعر اس کا متبع تھا۔ روینی کا انتخاب لاہور کے ایک قصبہ روئن کی طرف تھا۔ سور بن سلمان کو سلطان مسعود نے ۴۲۶ھ میں ہندوستان بھیجا اور متوفی الممالک کے عہدہ پر مامور کیا اور وہ یہاں کے ممتاز امراء میں سے تھا۔ مسعود سعد بن سلمان اس کا خلف الرشید تھا۔ وہ لاہور ہی میں پیدا ہوا اور یہیں نشوونما پائی۔ سلطان ابراہیم کے عہد میں امتیاز حاصل کیا۔ علوم میں دستگاہ حاصل کرنے کے بعد فن شعر کی طرف متوجہ ہوا۔ حکومت کی ممتاز خدمتوں پر مامور رہا اور شعراء کی قدر دانی کرتا رہا۔

۴۸۵ھ میں شاہی عتاب میں آیا اور چند سال کے بعد حبس معافی ملی تو ہندوستان میں آکر خاندنشین ہو گیا۔ مسعود سعد سلمان کو یہ خاص امتیاز حاصل ہے کہ وہ ہندوستان کا پہلا شاعر ہے جس نے عربی و فارسی کے ساتھ ہندوی یا ہندوستانی زبان میں بھی شاعری کی اور اس زبان میں اپنا مستقل دیوان اپنی یادگار چھوڑا۔ جو عبدالقادر بدایوں کے زمانے تک موجود تھا۔ ابوالعلاء عطاء بن یعقوب متوفی ۵۱۴ھ اس عہد کے ممتاز شعراء میں سے تھا۔ وہ بھی شاہی عتاب میں آیا تھا۔ وہ عربی و فارسی دونوں زبانوں میں صاحب دیوان ہے۔ عربی و فارسی تذکروں میں حالات ملتے ہیں۔ نیز تقوٹ کا بھی ذوق تھا۔ کشف المحجوب میں ذکر آیا ہے۔

علماء و محدثین قضاۃ | اسی طرح اس عہد میں ہندوستان میں ممتاز علماء اسلام اور مشائخ صوفیہ کے فیوض و برکات کا سرچشمہ جادی ہوا۔ چنانچہ شیخ ابوالمنصور بن علی غزنوی کو جو ممتاز اہل علم میں سے

تھا۔ سلطان مسعود غزنوی نے ۴۲۶ھ میں ہندوستان بھیجا۔ لاہور میں قیام تھا۔ یہاں دیوان الانشاء کا افسر اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ ابوالریحان محمد بن احمد البیرونی جو علوم ہندسہ، ہنیت، نجوم اور فلسفہ ہندو میں استاد فن مانا گیا۔ اسی عہد میں گزرا ہے۔ بیرون سندھ ہی کا ایک گاؤں تھا جس سے منسوب کیا گیا۔ وہ شیخ بوعلی سینا کے معاصرین میں سے تھا اور ان دونوں میں مراسم قائم تھے۔ وہ سالہا سال ہندوستان میں قیام پذیر رہا۔ اس کی تصنیفات کتاب الهند جو خاص ہندوستان کے موضوع پر لکھی گئی۔ کتاب الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ وغیرہ شہرت عام رکھتی ہیں۔ شیخ ابوالحسن علی بن عمر لاہوری متوفی ۵۲۹ھ اس عہد کے نامور محدث، ادیب و شاعر تھے۔ شیخ عبدالصمد بن عبدالرحمن لاہوری ان کے تلامذہ میں سے اور سمعانی صاحب کتاب الانساب کے شیخ حدیث تھے۔ اسی طرح شیخ ابو جعفر عمر بن اسحق واشی لاہوری اس عہد کے ممتاز عالم و شاعر تھے۔ غوفی نے ان کا تذکرہ کیا ہے اور کلام کا نمونہ درج کیا ہے۔

شیخ عمرو بن سعید لاہوری متوفی ۵۸۱ھ فقیہ و محدث تھے۔ حافظ ابو موسیٰ مدینی ان کے تلامذہ میں سے تھے۔ شیخ ابوالقاسم محمود بن محمد لاہوری اس عہد کے ممتاز محدثین میں سے تھے۔ فقہ میں بھی دستگاہ رکھتے تھے۔ ابوالمنظفہ سمعانی سے حدیث و فقہ کی تحصیل کی۔ جموسی نے معجم البلدان میں اور سمعانی نے کتاب الانساب میں تذکرہ کیا ہے۔ ۵۵۶ھ کے قریب اسی طرح شیخ ابوالحسن مخلص بن عبداللہ ہندی ابولفہر ہیبتہ اشرف اسی وغیرہ اس عہد کے ممتاز علماء میں سے تھے۔

مشائخ | اس عہد کے ممتاز مشائخ میں حضرت فخر الدین جین زبجانی لاہوری کا اسم گرامی مرفہرست آسکتا ہے۔ وہ حضرت ہجویری کے خواجہ تاش تھے۔ فقہ و دیگر علوم دین اور راہ سلوک میں شانِ امتیاز رکھتے تھے۔ شیخ ابوالفضل محمد بن حسن ختلی سے سلوک کی منزلیں طے کیں۔ پھر ہندوستان تشریف لا کر لاہور میں اقامت گزین ہوئے۔ جس دن حضرت ہجویری لاہور تشریف لائے اسی شب

میں وصل فرمایا۔

حضرت ابوالحسن علی بن عثمان بھجوری لاہوری کو بھی علوم دین اور تصوف میں شانِ امتیاز حاصل تھی۔ شیخ ابوالفضل محمد بن حسن خشتی سے راہِ سلوک ملے گی۔ پھر مختلف ممالک اسلامی کی سیاحت کی اور متذاکا برصغیر حضرت ابوالقاسم قشیری، شیخ ابوسعید بن ابوالخیر، ابوعلی فضل بن محمد فارمدی و دیگر محدثین و ساجدین سے کسب کمال فرمایا۔ پھر ہندوستان تشریف لائے اور لاہور کو تتر پتار کیا۔ بخش و داتا گنج بخش کے لقب سے مشہور ہیں۔ یہ سچے میں واصل بحق ہوئے۔ مزار مرجع خلائق ہے۔ حضرت داتا گنج بخش صاحب تصنیفات ہیں۔ یہ پہلے شیخ طریقت ہیں جن کی تصنیفات سے ہندوستان میں علوم تصوف کی اشاعت ہوئی۔ کشف المحجوب ان کی شہرہ آفاق تصنیف ہے۔ یہ فن تصوف کی بنیادی کتاب ہندوستان میں سمجھی گئی اور مشائخ ہند نے اس کو اپنے سلمے لکھا اور آج قدر و منزلت اور عظمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ ان کی دوسری تصنیفات میں مختلف رسائل منہاج الدین، کتاب انصاف البقا، اسرار الخلق و المونات، کتاب البیان لاہل ایضاً بحر القلوب اور الرعاۃ لحقوق اللہ ہیں۔

اسی طرح حضرت شریف احمد بن زین چشتی ملتانی اکابر صوفیاء میں سے تھے۔ سرزمین ہند میں پیدا ہوئے۔ بغداد تشریف لے گئے۔ حضرت شہاب الدین سہروردی سے فیوض حاصل کئے۔ پھر قریہ چشت میں آکر شیخ مودود چشتی سے بیعت ہوئے اور پھر ہندوستان واپس تشریف لائے اور خلائق کو نفع پہنچایا۔ ۷۷۷ھ میں وفات پائی اور نواحی ملتان میں آسودۂ خواب ہوئے۔

شیخ جمال السند لقاۃ الدین یوسف بن محمد درنبوی افاضل روزگار میں سے تھے۔ خسرو ملک کے زمانہ میں درجۂ امارت پر سرفراز ہوئے۔ پھر تارک دنیا ہوئے۔ اور لاہور میں اصلاح خلق کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ جوانی میں شعر و شاعری کا بھی مذاق تھا۔ لاہور ہی میں وفات پائی اور عوفی کے بقول قبر زیارت گاہ خلائق

ہے اور لوگ برکت حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح شیخ جمال الدین یوسف بن ابوبکر گردیزی اس عہد کے اکابر فقہاء میں سے تھے۔ عبادت و ریاضت کی طرف رجوع ہو گئے اور مربع خلافت بنے۔ ۵۳۱ھ میں ملتان میں وفات پائی۔

ممتاز اعیان | غزنوی کے عہد کے ان ممتاز اعیان میں جن کا تعلق ہندوستان سے وابستہ ہو گیا۔ احمد بن نیا لنگین متوفی ۴۳۵ھ تھا جس کا ذکر

اوپر تفصیل سے گزر چکا۔ اسی طرح ارباقی الحاجب بھی محمود کا غلام تھا۔ اس کے زمانے میں لاہور کا والی بنایا گیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمد المقتول ۴۴۲ھ میں مامور کیا گیا تھا۔ محمود کا مشہور غلام ابوالنعم ایاز غزنوی کا تعلق بھی ہندوستان سے وابستہ ہو گیا تھا۔ اس نے شیخ افضل الدین محمد کاشانی سے علوم کی تحصیل کی تھی۔ ایاز محمود کے واقعات عام شہرت رکھتے ہیں۔ وہ سلطان مسعود کے زمانے میں مجہود کے ساتھ ۴۲۷ھ میں ہندوستان آیا۔ وہ مجہود کا اتالیق تھا۔ امور مملکت انجام دیتا رہا اور لاہور ہی میں ۴۴۹ھ میں وفات پائی۔

نوشنگین حاجب اوپر گزرا جس کو سلطان عبدالرشید نے ہندوستان میں مامور کیا تھا۔ طفا لنگین مشہور غزنوی سپہ سالاروں میں سے تھا۔ اس کا ذکر بھی اوپر گزر چکا۔ اسی طرح محمد باہیم حاجب متوفی ۵۱۱ھ کا ذکر بھی گزر چکا ہے۔ حضرت سالار مسعود غازی المقتول ۴۲۴ھ اس عہد کے ممتاز اعیان و سالار افواج میں سے تھے۔

۱۔ باب الالباب جلد ۲ ص ۲۵۱، التواریخ بدایونی، عہد اسلامی کا ہندوستان از مولانا سید ریاست علی ندوی ص ۱۰۱۔

سلطان معز الدین محمد بن شام غوری

غوری سلطنت کا بانی عز الدین حسین عربی و ایرانی مخلوط نسل کے قبیلہ سے تھا جو آل شمس کے جاتے تھے۔ ۶۹۳ھ میں محمود مختار حکومت کی بنا عز الدین نے ڈالی۔ اس کا پوتا معز الدین محمد بن شام مشہور شہاب الدین تھا جس نے غزنی کو فتح کیا جس کی وجہ سے صوبہ دار بنا۔ پھر اپنے برادر سلطان غیاث الدین کے مرنے کے بعد پوری سلطنت کا مالک بنا۔ تھوڑے عرصہ میں اس نے خود اور اپنے گورنروں کے ذریعہ پشاور سے بنگال تک علاقہ زیر نگین کر لیا۔ دوسری طرف ملتان و سندھ میں اپنا اقتدار بٹھایا۔ سلطان معز الدین ۵۳۲ھ میں غور میں پیدا ہوا۔ اس کا بھائی حکمران غور کا تھا۔ اس نے بدوشوں کے بعد سے ہی اپنی حرب دانی کی وجہ سے سپہ سالار کے عہدے تک پہنچ گیا۔

معز الدین نے عنان حکومت سنبھالتے ہی محمود غزنوی کے مثل فتوحات کا داعی ہوا۔ غزنوی حکومت کا دائرہ جہاں تک تھا اس حصہ کو پہلے قبضہ میں لانا چاہا۔ چنانچہ پنجاب پر پہلے اس کی توجہ تھی۔ اس کے علاوہ قرامطہ جنہوں نے اتحاد پھیلادکھا تھا ان کے وجود سے اسلام کو سخت نقصان پہنچ رہا تھا۔

چنانچہ سب سے پہلے سلطان ۵۴۵ھ میں ملتان کے قرامطہ کا استیصال ملاحظہ کی سرکوبی کے لئے پہنچ گیا۔ دانی کی لڑکی سے شادی کی۔ ملاحظہ گجرات کے بھیلے راجہ بھیم دیو کے پاس جمع ہو گئے تھے۔ سلطان نے حملہ کیا مگر ناکام رہا۔ ملاحظہ دوپوش ہو گئے اور ان کی مرکزیت ختم ہو گئی۔

اس کے بعد اس نے ہندوستان سے غزنوی سلطنت غزنوی سلطنت کو مٹانا کے نشان کو مٹانے کے لئے پتے درپتے حملے کئے۔

اس غرض سے اُس نے جموں کے راجہ چکری دیو سے دوستی کر لی تھی اور اسی کی دعوت پر آکر غزنوی سلطنت پنجاب کے خلاف اس نے اپنی فوجی مہم کا آغاز کیا۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں سب سے پہلے اس نے پشاور کی شہر پناہ پر دستک دی اور ۵۵۹ھ میں پشاور پر قبضہ کر لیا۔ دو سال کے بعد اُس نے لاہور پر چڑھائی کی۔

پھر ۵۸۱ھ میں وہ دوبارہ پنجاب آیا اور اس کے دوسرے سال جیسا کہ اوپر گزرا۔ بالآخر ۵۸۲ھ میں اُس نے لاہور فتح کر کے غزنوی شہزادہ خسرو ملک کو گرفتار کر لیا اور ہندوستان سے غزنوی سلطنت کا نشان مٹ گیا۔

ہندوستان میں استحکم سلطنت کی بناء تا سبیس کے لئے اس نے سب سے

پہلے ۵۸۳ھ میں گجرات پر چڑھائی کی اور اس کے صدر مقام نلوادہ کا محاصرہ کیا۔ مگر گجرات کے راجہ مول راج اور اس کے چچا راجہ بھیم بگھیلانے اس کو شکست دی۔ دوسرا حملہ اس نے ۵۸۴ھ میں بھٹنڈا پر کیا اور اس کو فتح کر لیا۔ یہ مقام دلی کے راجہ پریتھوی راج کے قبضہ میں تھا۔ سلطان کی واپسی میں پریتھوی راج نے اس کا تعاقب کیا۔ تراوڑی کے میدان میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ پریتھوی راج لڑائی میں مارا گیا اور دہلی اور اجمیر کی سلطنتیں اس کے قبضہ میں آگئیں اور مشہور قلعہ سرستی، ہانسی، ہمانہ اور سکرام وغیرہ اس سلطنت کے حدود میں داخل ہو گئے۔ سلطان نے پریتھوی راج کے قدیم خاندانی اعزاز کو برقرار رکھا اور اُس کے لڑکے کو اجمیر کے تخت پر بٹھا دیا اور اپنے غلام قطب الدین ایبک کو اپنا نائب السلطنت بنا کر غور و واپس چلا گیا۔ قطب الدین ایبک نے پہلے سکرام بھرولی کو اپنا پایہ تخت بنایا۔ اس کے بعد قطب الدین نے اپنے طور پر فتوحات میں اضافہ کیا۔ اسی سال میں ۵۸۸ھ میں میرٹھ فتح ہوا۔ اور ۵۸۹ھ میں علی گڑھ قبضہ میں آیا۔ اس کے بعد ۵۹۰ھ میں سلطان شہاب الدین پھر ہندوستان آیا اور اٹاوہ کے قریب پنڈاور میں قنوج کے راجہ جے چند کو شکست دی اور وہ لڑائی میں

مارا گیا اور قنوج سے بنارس تک کا علاقہ غوری سلطنت کی حدود میں داخل ہو گیا۔
 پھر قطب الدین ایبک نے ۵۹۱ھ میں گجرات کے پایہ تخت پٹن کو فتح کیا اور
 ۵۹۲ھ میں اس نے اٹھلواڑہ لوٹا اور راجہ بھیم نے شکست کھائی۔

پھر تیسرے سال ۵۹۳ھ میں تیسری مرتبہ گجرات پر حملہ کیا اور اپنے مقبوضات کے
 لئے نائب حکومت مقرر کر کے چلا آیا۔ مگر گجرات پھر قبضہ سے نکل گیا۔ دوسری طرف
 ۵۹۲ھ میں چندراوتی آجوا اور نگور کے راجاؤں نے اجمیر پر قبضہ کرنا چاہا۔
 مگر ایبک نے سب کو شکست دے دی۔ اسی طرح ۵۹۳ھ میں اُس نے بیانہ کو
 فتح کیا اور گوالیار کا محاصرہ کر لیا۔ وہاں کے راجہ نے فرار دینا منظور کیا۔

پھر اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی کو فوج دے کر بھیجا جس نے ۵۹۶ھ میں بہار
 کو فتح کیا۔ پھر آگے بڑھ کر بنگال کے پایہ تخت ندیا پر قبضہ کیا اور دوسری طرف
 کانچر کے راجہ پرمل پر حملہ ہوا۔ اس نے اطاعت قبول کی۔ پھر سوبہ کالپی اور بدایوں
 اسلامی اقتدار میں داخل ہوئے۔ یہاں تک کہ ۶۰۲ھ میں سلطان شہاب الدین
 غوری آخری مرتبہ ہندوستان آیا۔ اس وقت ہندوستان کی اسلامی سلطنت
 پشاور سے بنگال تک کے طول و عرض میں پھیل چکی تھی۔

وفات سلطان ہولکر قوم کے فساد کے فرو کرنے کے سلسلہ میں ہندوستان
 آیا تھا انہیں مطیع کیا۔ ۲۵ فروری ۱۲۰۶ھ کو لاہور میں داخل ہوا۔

۳ شعبان ۶۰۲ھ مطابق ۱۵ مارچ ۱۲۰۶ھ کو جب سلطان لاہور سے
 میک (دہلیک ضلع جہلم) میں پہنچا تو بقایا عمر وہیں گزار دی۔ ملاحد نے جو لشکر
 میں خدمت در بانی پر مامور تھے موقعہ پا کر انتقاماً سوتے میں شہید کر ڈالا۔
 لاش غزنی لائی گئی اور سپرد خاک کی گئی۔

طبقاتِ ناصری میں سنہ وفات یہ ہے :-

۱۔ ہندی قرونِ وسطیٰ جلد دوم صفحہ ۲۰۷ گزیہ متوفی مبارک شاہی۔ جہاں کشٹے جونی

شہادت ملک بھرو بر معز الدین کما ابتدائے جہان شہ چوانیا مدیک
سوم زغرہ شعبان ببال شش صدودو فتادردہ غزنین بمنزل و میک

جانشین سلطان کے کوئی اولاد نہ رہی تھی۔ اس کے تین ترک غلام فوجی گورنر
کے جانشین بن کر غوری سلطنت کے دعوے دار ہوئے اور وہ سلطان تاج الدین
یلدز، سلطان قطب الدین ایک اور سلطان ناصر الدین قباچہ تھے۔ ان میں سے
اول الذکر یلدر نے غور میں اس کی جانشینی کی اور پشاور کے اس پارہ کا علاقہ اس
کے زیر تصرف رہا۔ قطب الدین ایک دلی کی سلطنت پر بیٹھا اور ناصر الدین قباچہ
کا تعلق بھی ہندوستان ہی سے تھا۔ اس نے سندھ میں اپنی بادشاہی کا اعلان کر
دیا۔ ابتداءً ان تینوں میں زور آزمائی بھی ہوئی۔ ۶۰۵ھ میں ایک چڑھائی کرتا
ہوا غزنی تک قابض ہو گیا۔ مگر پھر ناکام واپس ہو کر اپنی سلطنت پر قناعت
کر نی پڑی۔ سات سال کے بعد تاج الدین نے ہندوستان کا رخ کیا مگر قطب الدین
کے زور آور پنجوں کی گرفت میں آگیا اور بدایوں میں قید کر دیا گیا۔

پھر قطب الدین نے غزنی کو اپنے مال پر چھوڑ دیا اور دلی کو پائیہ تخت بنائے
رکھا۔ دوسری طرف ناصر الدین قباچہ کی نگاہیں بھی پنجاب پر تھیں۔ اس سے بھی
اس کی معرکہ آرائیاں ہوئیں مگر قباچہ پیش نہ پاسکا۔ بالآخر سندھ کی سلطنت بھی
اس نے کھوئی۔ ۶۲۴ھ میں یہ صوبہ دلی کے ماتحت آگیا اور قباچہ نے دریائیں
ڈوب کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا۔

سیرت و کردار سلطان شہاب الدین متقی، دیندار، شجاع اور عدل پرور
تھا۔ رعایا کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا اور ان
کے معاملات کا منصفانہ فیصلہ کرتا تھا۔ غزنی کا قاضی ہر ہفتہ میں چار دن اس

کی موجودگی میں امیر عجب و امیر داد کے مشترکہ اجلاس میں مقدمات و معاملات کی سماعت کرتا تھا۔ اور اگر کوئی صاحب معاملہ براہ راست توجہ سلطانی کو منعطف کرنا چاہتا تو اس کی سماعت خود کرتا تھا اور قوانین احکام شریعت کے مطابق نافذ کئے جاتے تھے۔ وہ خود صاحب علم تھا۔ فقہاء و علماء اس کی مجلس میں پابندی سے شریک رہتے۔ اور فقہ و دیگر علوم دین کے مسائل زیر بحث رہتے تھے۔ وہ مذہباً شافعی تھا صاحب تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی کو سلطان سے تقرب حاصل تھا۔ وہ عقیدت مندی کے ساتھ ان سے پیش آتا۔ ہفتہ میں ایک دن شاہی محل میں مجلس وعظ منعقد ہوتی۔ امام رازی کے بیان سے کبھی کبھی روتے روتے اس کی ہچکی بندھ جاتی تھی۔

علماء و مشائخ | غزنی کے دربار میں علماء و شعراء اور فضلاء بکثرت موجود تھے جن میں سے بعض اہل علم شہاب الدین غوری کی معیت میں ہندوستان تشریف لائے اور علم و عرفان کی خدمت کے لئے یہیں توطن اختیار کیا۔ چنانچہ سید کمال الدین عثمان ترمذی مشہور علمائے دین میں سے تھے۔ وہ سلطان شہاب الدین کی معیت میں ہندوستان تشریف لائے اور علم و عرفان کی خدمت کے لئے یہیں توطن اختیار کیا۔ چنانچہ سید کمال الدین عثمان ترمذی مشہور علمائے دین میں سے تھے۔ وہ سلطان شہاب الدین کی معیت میں ہندوستان تشریف لائے کبھل میں اقامت اختیار کر کے علم کی خدمت میں مصروف رہے۔ **وفات پائی**۔

اس دور کے دوسرے اہل علم شیخ میراج الدین محمد بن عثمان جوزجانی ہیں۔ وہ فقہ، اصول اور علوم دینیہ میں دستگاہ رکھتے تھے۔ لاہور میں پیدا ہوئے اور اساتذہ عصر سے علوم کی تحصیل کی۔ سلطان شہاب الدین نے ۷۳۵ھ میں لاہور کی قضاات عسکر پر مامور کیا۔ منہاج میراج صاحب طبقات ناصری ان ہی کے صاحب زادے تھے۔ طبقات ناصری اور لباب الالباب میں ذکر آیا ہے۔ وہ خلیفہ ناصر دین اللہ کی خدمت میں سلطان شہاب الدین کی طرف سے سفیر بھی

بنا کر بھیجے گئے۔

واپسی میں ۵۹۰ھ کے بعد مکران میں وفات پائی۔

اسی طرح شیخ خلیف الدین محمد بن عبدالملک جرجانی اس عہد کے ممتاز اہل علم و ادب میں سے تھے۔ عوفی کا بیان ہے کہ علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں ان کے زمانہ میں ان کا کوئی نظیر نہ تھا۔ عوفی نے کلام کا نمونہ بھی درج کیا ہے۔ یوں تو اس دور میں جب ہندوستان پر سلطان شہاب الدین غوری کے حملے جاری تھے حضرت خواجہ اجمیری و دیگر متذکرین کرام یہاں تشریف لائے۔ مگر ان بزرگان دین کے فیوض و برکات کا سلسلہ سلاطین دہلی کے دور تک جاری رہا۔ اس لئے اس موقع پر ان کا تذکرہ زیادہ موزوں ہوگا۔

سُلطان قطب الدین ایبک المعزی

سُلطان قطب الدین تانادی تھا۔ کم عمری میں بردہ فروش کے ہاتھ لگ گیا۔ وہ ترکستان سے لے آیا۔

تاریخ مبارک شاہی میں ہے :-

”در شہر نیشاپور قاضی القضاۃ امام فخر الدین عبدالعزیز کو فی کذا اولاد امام اعظم ابوحنیفہ کو فی رمی اللہ عنہ بود خرید در مراقبت فرزند ان او کلام اللہ خواند و تیر اندازی آموخت۔ چنانچہ در اندک مدت کامل حال گشت چوں بزرگ شد بتجار بحضرت غزنین بردست سلطان معز الدین محمد سام فروختند ہمہ باب اوصاف حمیدہ و آثار گزیدہ داشت فاما

لے عبدالسلامی کا ہندوستان از مولانا سید ریاست علی ندوی۔

چندان جمال نہ داشت و انگشت خنجر شکستہ بود و در شجاعت و سخاوت
نظیر خود نہ داشت ۱۵

معز الدین کی عنایات روز بروز اس پر مبذول ہونے لگیں۔ ایک دن کا ذکر
ہے کہ سلطان شہاب الدین نے ایک مجلس عیش و طرب میں اس کو بہت کچھ
انعام و اکرام دیا۔ اس نے اس وقت اس عطیہ کو سب فراشوں، ملازموں اور
اپنے ترکی ملازموں میں تقسیم کر دیا۔ اپنے پاس ایک پیسہ نہ دکھا۔ بادشاہ یہ بات
سُن کر بہت خوش ہوا اور حضورِی کا حکم دیا۔ پھر میر آغوری کا عمدہ عنایت کیا۔
غور، غزنی اور بامیان کے سلاطین جب سلطان شہاب الدین سے خراسان
کی طرف لڑنے لگے تو وہاں اس نے بہت کارہائے نمایاں کئے اور اس کی شجاعت
کی ایک دھوم مچ گئی۔

ایک دن دانہ گھاس کی تلاش میں سرگرداں تھا کہ دفعۃً سلطان شاہ کے
آدمیوں نے آگھیرا۔ اگرچہ اس وقت اس کے ساتھ بہت تھوڑے سپاہی تھے مگر
پھر بھی اس نے جوانمردی سے مقابلہ کیا اور قید ہو گیا۔ جب سلطان شاہ کو
شکست ہوئی تو قطب الدین کو سلطان شہاب الدین کے سامنے اونٹ پر بٹھا کر
اسی صورت سے نکال کر لائے جس صورت سے وہ قید خانہ کے منجرے کے اندر
دہتا تھا۔ اس نمک حلائی پر اس کا اور اعتبار بڑھا۔ جب اجمیر میں فتح ہوئی تو وہی
ہندوستان میں سلطان کا نائب اور قائد سپہ سالار مقرر ہوا۔

اوصاف | سلطان قطب الدین مجمع اوصاف تھا۔ ترکی الاصل ہونے کی وجہ
سے شجاعت اور جوانمردی ماں کے پیٹ سے لایا تھا۔ سخاوت اور
فراخ دستی اس کی عادت تھی۔ لاکھوں روپے فیاضی سے دوستوں کو دیتا تھا۔ اسی
سبب سے لک نجش اس کا لقب تھا۔ شجاعت نے دشمنوں کو زیر کر رکھا تھا اور سخاوت
نے دوستوں کو محکوم بنا رکھا تھا۔ وہ ایسا ہر دل عزیز اور مقرر تھا کہ کوئی شخص اس
پر رشک اور حسد نہ کرتا۔ عمائد سلطنت سے محبت پیدا کرنے کے لئے اُس نے

۱۵ تاریخ بادشاہی ص ۳۸۵

بہت سے ناٹے رشتے کئے۔ اس سے اس کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ تاج الدین یلدوز کی لڑکی سے شادی کی۔ ناصر الدین قباچہ کو اپنی ایک بیٹی بیاہ دی۔ جب وہ مر گئی تو دوسری بیٹی سے نکاح کر دیا۔ شمس الدین التمش بھی معزز غلاموں میں سے تھا اس سے بھی اپنی ایک بیٹی کا نکاح کر دیا۔

ناصر الدین قباچہ قطب الدین کو ہمیشہ سے بزرگ جانتا تھا اور اسی کی طرف سے سندھ پر حاکم مقرر تھا۔ مگر تاج الدین یلدوز اس رشتہ مندی کی کچھ پرواہ نہ کرتا تھا اور اب تک ہندوستان کو غزنی کا صوبہ سمجھتا تھا۔ یہ سمجھ کہ لاہور پر چڑھ گیا اور اس پر قبضہ جمایا۔ مگر اس کا انجام یہ ہوا کہ ۶۶۰ھ میں قطب الدین نے اس کو غزنی سے باہر نکال دیا اور چالیس روز تک غزنی میں اپنا ڈنکا بجایا اور تاج شاہی سر پر رکھ کر تخت پر جلوس کیا۔ مگر تاج الدین یلدوز نے پھر قطب الدین سے غزنی لے لیا اور قطب الدین وہاں سے لاہور چلا آیا اور عیش و آرام اور آسائش سے زندگی بسر کرنے لگا۔

عدالت، انصاف، خوش خوئی اور نیک معاملگی میں یہ بادشاہ بڑا مشہور تھا اس کی ان سب باتوں کو لوگ مدت تک یاد کرتے رہے۔ ۶۶۰ھ میں یہ بادشاہ چوگان کھیلنے ہوئے گھوڑے سے گر پڑا اور مر گیا۔ چار برس تک وہ تخت نشین رہا۔ مگر ہندوستان میں اس کا انتظام اور بندوبست بہت زور سے تھا اور اس کے بعد بیس برس تک قائم رہا۔

صاحب تاج المآثر نے لکھا ہے کہ قطب الدین ایک ایسا عادل بادشاہ تھا کہ اس کے عہد میں گرگ و گوسفند ایک ہی جگہ پانی پیتے تھے۔ رعایا خوشحال اور مطمئن زندگی بسر کرتے تھے۔ بے جا تعصب بالکل نہ تھا اس کی فیاضی سے ہندو مسلمان مستفید ہوتے تھے۔ اس نے دہلی میں خوب صورت جامع مسجد تیار کرنا شروع کی جس کی یادگار قطب مینار باقی ہے۔

قطب الدین ایک عدیم المثال فاتح، یکتائے روزگار منتظم اور

ہر دل عزیز عادل اور علم و ادب کے بے نظیر سرپرست کی حیثیت سے پیش رو
پر سبقت لے گیا تھا۔ مقررین سلطان شہاب الدین نے ایک دن شہاب الدین
سے عرض کیا :-

”قطب الدین ایک اس شہر کا بادشاہ بننا چاہتا ہے اور کھلی بغاوت
اختیار کرنے والا ہے۔“

قطب الدین کو اس کی اطلاع ہوئی۔ وہ بہت جلد خفیہ طور پر غزنی میں لا
کو پہنچا اور سلطان شہاب الدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے رقیبوں کو
اس کی آمد کی خبر نہ ہوئی۔ دوسرے روز بادشاہ نے اپنے تخت کے نیچے چھپا کر
بٹھایا اور آپ تخت کے اوپر بیٹھا۔ ایک کے دشمنوں اور حاسدوں کو طلب کیا۔
ان کو اپنی اپنی جگہ پر بٹھا کر ایک کے بارے میں ان سے سوالات شروع کئے
سب نے بالاتفاق کہا۔ ایک باغی ہے اور سلطنت پر قابض ہونے کا
ارادہ رکھتا ہے۔ سلطان نے تخت کے پائے کو پاؤں سے ہٹایا اور ہاتھ پر
ہاتھ رکھ کر ندا دی۔ ایک نے جواب دیا ”لبیک“ یعنی حاضر ہوں۔ وہ
اپنے الزام لگانے والوں کے دوبرو آیا۔ وہ اس کو دیکھ کر متحیر ہو گئے اور زمین
پر سجدہ کرنے لگے۔ سلطان نے فرمایا :-

”اس دفعہ میں تمہارا قصور معاف کرتا ہوں۔ مگر آئندہ ایک کی
عیب جوئی اور بدگوئی سے اجتناب کرو۔“

قطب الدین کے واقعہ ناگزیر کے بعد امرائے سلطنت نے
آرام شاہ | اس نظر سے کہ آرام خلائق میں کوئی فرق نہ آئے، آرام شاہ
پر قطب الدین کو تخت سلطنت پر بٹھا دیا۔ مگر اس میں سلطنت کی قابلیت
نہ تھی۔ ایک سال سلطنت پر نہ گزرنے پایا تھا کہ حکومت کے ٹکڑے اڑ گئے۔

۱۔ طبقات نامہ ص ۲۹۸

ناصر الدین قباچہ مملکتِ سندھ پر متصرف ہوا۔ مملکتِ بنگال میں خلیجیوں کی سلطنت قائم ہوئی۔ سرحد پر ہندو راجاؤں نے دنگہ فساد پھیلایا۔ امیر علی اسماعیل دہلی اور دوسرے امراء کو جنہوں نے متفقہ رائے ہو کر آدم شاہ کو بادشاہ بنایا تھا۔ اپنی رائے سے ندامت اور پریشانی ہوئی۔ انہوں نے ملک شمس الدین التمش، جو قطب الدین کا غلام داماد متبنی اور بدایوں کا حاکم تھا۔ آدمی بھیج کر اس سے سلطنت کی استدعا کی۔ وہ اپنی جمعیت لے کر دہلی آیا۔ شہر پر متصرف ہوا۔ آدم شاہ شہر سے باہر نکل گیا۔ حوالی شہر میں باپ کے نوکروں کو جمع کر کے تسخیر دہلی کا ارادہ کیا۔ مگر سلطان التمش نے لڑائی میں اس کو شکست دی۔ پھر آدم شاہ مر گیا۔ اُس نے ایک سال بھی سلطنت نہ کی اور آپس میں ممالک ہندوستان کے چار حصے ہو گئے۔ مملکتِ سندھ پر ناصر الدین قباچہ تسلط ہوا۔ ممالکِ بنگال میں ملوک خلی متصرف ہوئے۔ صوبہ دہلی پر سلطان التمش قابض ہوا۔ حکومت لاہور کبھی ملک تاج الدین یلدوز کے قبضہ میں رہتی۔ کبھی ناصر الدین قباچہ متصرف ہوتا اور کبھی شمس الدین التمش کی حکومت قائم ہوتی۔

مقبرہ سلطان | سلطان التمش نے سلطان کا مقبرہ لاہور میں تعمیر کرایا۔ پھر سلطان فیروز شاہ تغلق نے درستی کرائی۔ ۱۲۹۹ء میں رنجیت سنگھ نے گمراہ دیا۔ اب ایک چبوترہ پر مزار ہے۔

قطب الدین ایبک اوائل زندگی ہی سے جو دوسنی میں مشہور تھا۔ بادشاہ ہونے کے بعد اس کی فیاضی اور داد دہش کے واقعات ضرب المثل ہو گئے۔ وہ انعام و اکرام میں لاکھوں روپے تقسیم کرتا تھا جس سے لک نجش مشہور ہوا۔

امام ملک الکلام بہاد الدین دوش مدح میں لکھتے ہیں ۷

۱۷ اب حکومتِ پاکستان نے ایک خوب صورت مقبرہ تعمیر کرایا ہے۔

۵۔ اے بخش تو کب بھجان آورده کانزکفت تو کار بھجان آورده
 زرشک کف تو غون گرفتہ دل کان پس لعل بہانہ در میان آورده
 بڑے بڑے شعراء اور علماء قطب الدین کے دربار سے منسلک تھے۔ ملک الکلام
 بہاء الدین روش ایک کے دامن دولت سے وابستہ تھا اور اس کی مدح میں
 قصیدہ پیش کر کے داد لیتا تھا۔

۶۔ اے قطب آسمان کہ رسم وز باس تو
 در روز دم رستم خوشخوار بشکند
 قطب الدین کے ایک دوسرے شاعر نے جس کا نام عوفی تھا لبالب اللباب
 وغیرہ جمال الدین محمد بن نصیر لکھا ہے۔ اس نے بھی قصیدہ لکھا ہے۔
 خداوند اشے گیتی ستانے کہ شاہان جمالش بند گانند
 قاضی امام حمید الدین افتخار الافاضل علی بن عمر الحمودی، یہ بھی دربار سے
 منسلک تھا۔

سید الاجل ظہیر الدین تاج الکتاب الخری عوفی لکھتا ہے :-
 ”مدتہادیوان انشاء سلطان شہید مدار اوبود“
 ایک علمی ذوق رکھتا تھا۔ اس کی فرمائش سے صدر الدین محمد بن حسن نظامی
 نیشاپوری نے تاریخ تاج الماثر لکھی ہے
 شرف الملک ابیکی قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مقرر تھے۔
 قطب الدین علم پروری اور معارف نوازی میں مشہور تھا۔

۴

۱۔ نیشاپوری نے ۶۱۲ھ میں کتاب لکھنا شروع کی جو ۶۵۸ھ سے ۶۶۴ھ تک کے واقعات
 پر مشتمل ہے۔ کشف الظنون جلد ۲ ص ۲۱۱۔

سُلطان شمس الدین التمش شہنشاہ ہند

خاندانی حالات | سلطان شمس الدین التمش کے اسلاف ترکان فراختائی سے تھے۔ اس کا باپ قبیلہ اکبری سے تھا۔ اس کا نام الیم خاں تھا جو اپنے قبیلے میں نامور اور بہادر شجاع شخص تھا۔ خیل و حشم کے ساتھ اس کے جرگہ میں بڑے بڑے بہادر ترک شامل تھے۔ یہ التمش کے چند بھائی تھے مگر خوبی سلیقہ مندی اور حسن صورت کی وجہ سے التمش باپ کا نور نظر سب سے زیادہ تھا۔ اس وجہ سے اس کے تمام بھائی اس سے حسد کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ اس کا منہ کو راستہ سے ہٹا دیا جائے۔ چنانچہ التمش کے بڑے بھائیوں نے ایک دن باپ سے شکاک کی اجازت لی اور چھوٹے بھائی کو ساتھ لے گئے اور وہاں جا کر ایک سوداگر کے ہاتھ التمش کو فروخت کر دیا۔ سوداگر التمش کو بخارا لے گیا۔ صدر جہاں بخاری کے عزیز نے سوداگر سے خرید لیا۔ کچھ عرصہ اپنے پاس رکھ کر جمال الدین چست قبا کے ہاتھ اور اس نے قاضی بغداد کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

التمش کا واقعہ زندگی

حضرت مولانا قاضی حمید الدین ناگوری جو خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے استاد تھے، یہ واقعہ بیان کرتے ہیں۔ ایک رات میں اور بہت سے مشائخ صوفیاء قاضی بغداد کے یہاں مہمان تھے۔ پہلے قاضی نے تمام حضرات کی اکل و ثرب سے

لے طبقات ناصری صفحہ ۱۰۲ -

تواضع کی۔ اس کے بعد محفل سماع منعقد کی گئی۔ رات بھر قوالی ہوتی رہی۔ قاضی کے غلاموں میں سے ایک نہایت خوب صورت ترک بچہ تھا جو ساری رات کمر باندھے محفل میں کھڑا رہا۔ کبھی شمع کا گھل کترتا تھا کبھی مہمانوں کی خبر گیری کرتا۔ کبھی اپنے آقا کی آواز پر دوڑا ہوا جاتا اور حکم کی تعمیل کر کے ادب سے ہاتھ باندھ کمر کھڑا ہو جاتا اور کبھی آنکھیں بند کر کے قوالی کے اشعار پر جھومتا۔

مشائخ جس قدر شریک محفل تھے سب التمش کی تہذیب و شائستگی کو دیکھ رہے تھے۔ جب قوالی ختم ہو چکی تو قاضی صاحب نے اپنے معزز مہمانوں سے کہا کہ اس غلام پر توجہ ڈالئے اور دعا فرمائیے تاکہ اللہ تعالیٰ دین و دنیا کی فلاح سے اس کو نوازے۔ یسّٰن کر تمام اولیاء اللہ نے التمش کو بلا کر دعائے خیر کی۔

کچھ عرصہ بعد قاضی کو ضرورت پیش آئی۔ اس نے التمش کو پھر حاجی جمال الدین کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ حاجی صاحب اسے غزنی لے گئے۔ ان دنوں کوئی ترک بچہ اس سے زیادہ حسین اور عقیل غزنی میں نہ پہنچا تھا۔ اس کا تذکرہ سلطان معز الدین محمد سام سے کیا گیا۔ جمال الدین کے پاس ایک غلام اور تھا جس کا نام ایک تھا۔ ہر ایک کی قیمت ایک ایک ہزار دینار تجویز ہوئی۔ سلطان ہر دو کو صرف ایک ہزار دینار دے کر خریدنا چاہتا تھا۔ حاجی رضا مند نہ ہوا۔ سلطان بگڑ بیٹھا اور حکم دیا کہ میری قلمرو میں کوئی شخص ان غلاموں کو خرید نہ کرنے پائے۔ ورنہ میری مرضی کے خلاف اس کا یہ عمل ہوگا۔ ایک سال اس واقعہ کو ہو گیا۔ سلطان قطب الدین ایک راجہ ہنر والہ کی شکست کے بعد ملک نصیر الدین جرنیل کے ہمراہ غزنی میں آیا۔ التمش کی خبر اس کے گوش زد ہوئی اس نے سلطان سے خریدنے کی اجازت چاہی۔ سلطان نے کہا غزنی میں تو یہ فروخت نہیں ہو سکتا۔ البتہ یہاں سے دہلی لے جا کر سوداگرہ بیچ سکتا ہے۔

قطب الدین غزنی سے دہلی لوٹ گیا اور اپنے وزیر نظام الدین سے کہتا گیا کہ حاجی جمال الدین چست قبا، ہمراہ مع غلاموں کے دہلی آوے۔ چنانچہ

یہ لوگ دہلی پہنچے۔ قطب الدین نے ہر دو ترک بچوں کو ایک لاکھ جیتل میں خرید لیا۔ ایک کا نام ”طفاخ“ رکھا اور جھنڈا کا امیر مقرر کیا اور التمش کو اپنی فرزندگی میں لے کر میر شکار کیا۔ اس اثناء میں گوالیار فتح ہوا تو التمش کو وہاں کی حکومت دی گئی۔ اس کے بعد برنی اور بدایوں کی حکومت پر فائز کیا گیا۔

فتنہ کہہ کر ان کے دفعیہ کے لئے سلطان معز الدین محمد سام وارد ہند ہوا۔ التمش بدایوں سے فوج لے کر پہنچا۔ ان کمکروں نے دریائے جلم پر زبردست مورچہ بنایا تھا۔ قطب الدین ایک بھیں پہنچا۔

یہاں التمش نے کمکروں کے مقابل وہ دادِ شجاعت دی کہ کوئی مسلمان بہادر حملہ کی پیش بندی نہ کرتا تھا۔ یہاں تک کہ التمش نے گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ اور پایاب موقعہ پر کھڑا ہو کر اس قدر کھوکھروں پر تیر کی بارانی کی کہ دشمن کے ہوش بھلا دیئے۔ آخر ش میدان جیت لیا۔ اس کی مردانگی اور دلادری سے محمد سام خوش ہوا۔ سلطان قطب الدین سے سفارش کی اور خطِ آزادی اُس کے لئے لکھوایا اور سلطان سے تاکید کی کہ التمش کی تربیت میں کوتاہی نہ ہو۔ یہ آگے چل کر بہت ہی مفید ثابت ہو گا۔

اس کے بعد سے التمش نے بڑے بڑے کام ہائے نمایاں کئے اور اپنے قوتِ بازو سے مرتبہ امیر الامرائی پر پہنچا۔

شادی سلطان قطب الدین ایک کی تین صاحبزادیاں تھیں۔ ان میں سے ایک دختر کو التمش کے عقدِ نکاح میں دے دیا۔ اس خاتون بزرگ سے رضیہ سلطانہ پیدا ہوئی اور چند صاحبزادے ہوئے۔

تختِ جلوس سلطان قطب الدین ایک کی ناگہانی موت سے امرٹے سلطنت نے آرام بن قطب الدین کو تخت نشین کیا۔

مگر اس کی ایک سالہ حکومت میں علاقہ دہلی کے اجزاء بکھر نے لگے تو امیر علی اسماعیل سپہ سالار اور امیر داد و ملی و دیگر اعیان سلطنت نے باہمی مشورہ کر کے

التمش سے استدعا کی کہ دہلی کے تخت و تاج کو سنبھالے۔

چنانچہ التمش معہ لشکر کے بدایوں سے دہلی آیا اور تخت پر بیٹھ کر میں جلوس کیا اور اپنا لقب سلطان شمس الدین التمش رکھا۔ وزیر نظام الملک کو قراہ دیا۔

بیعت

ابن بطوطہ لکھتا ہے :-

”لوگوں سے بیعت لینے شروع کی۔ تمام عالم و فقیہ قاضی و حبیب الدین کاشانی کے ہمراہ آئے اور اُس کے سامنے بیٹھ گئے۔ قاضی اُس کے برابر حسب عادت بیٹھ گیا۔ بادشاہ سمجھ گیا کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ اپنے فرش کا کونہ اٹھا کر اس میں سے ایک کاغذ نکال کر قاضی کو دیا جس سے معلوم ہوا کہ قطب الدین نے اس کو آزاد کر دیا تھا۔ قاضی اور فقہاء نے اس کو پڑھا اور سب نے بیعت کر لی۔“

بادشاہت حاصل کرنے کے بعد ملک کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوا۔ دربار میں اہل علم کو جگہ دی گئی۔ خود بادشاہ فقراء کا گرویدہ تھا اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے حسن عقیدت رکھتا تھا۔

علماء کے زیر اثر شریعت کے مطابق حکومت کرنے لگا۔ شرع کے خلاف امور بند کئے گئے۔ حتیٰ کہ ایک فرمان جاری کیا کہ کوئی شخص سماع کی مجلس نہ کرنے پائے۔ لیکن جب سماع سننے والوں نے اس کے حکم کی تعمیل نہ کی تو سلطان نے حکم دیا۔ جس مکان میں محفل سماع ہوگی اس مکان کا مالک جوابدہ ہوگا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ

۱۰ للعجائب الاسفار ابن بطوطہ جلد دوم ۔

حضرت مولانا قاضی محمد الدین ناگوری دہلی آئے۔ ان کو سماع سے بڑی دلچسپی تھی۔ اگر چند دن نہ سنتے تو کبیدگی طبیعت میں رہتی۔ صاحب تاریخ فرشتہ لکھتا ہے۔ قاضی صاحب اپنا واقعہ یہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے قوالی سننے عرصہ ہو گیا تھا اور بغیر قوالی کے میری روح افسردہ تھی۔ اس لئے میں نے ایک مکاندار سے معاملہ کیا۔ کہ وہ مجھے اپنا مکان کرایہ پر دے کر دہلی سے باہر چلا جائے۔ مکاندار راضی ہو گیا اور میں نے اس مکان میں محفل سماع شروع کرائی۔ قوالی کی آواز پر محسب آگیا۔ اور اس نے تمام اہل مجلس کو گرفتار کرنا چاہا۔ میں نے کہا ذمہ دار مالک مکان ہے اور وہ دہلی میں موجود نہیں ہے لہذا تم ہم کو حراست میں نہیں لے سکتے۔

محسب نے جواب دیا۔ جناب قاضی صاحب آپ کے قانونی حیلے شاہی فرمان کے آگے نہیں چل سکتے۔ برائے عنایت میرے ساتھ سلطان کے پاس چلیے۔ میں نے مناسب خیال کیا کہ بجائے محسب سے الجھنے کے بادشاہ سے گفتگو کرنی چاہیے۔ چنانچہ محسب کے ساتھ سلطان کے پاس پہنچا۔ وہ دربار میں بہ شان و شوکت بیٹھا ہوا تھا۔ تمام دربار پر اس کی ہیبت چھا رہی تھی۔ سامنے ایک طرف امرائے دربار تھے دوسری طرف علماء و مشائخ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے التمش کو فوراً پہچان لیا اور اس میں کوئی فرق نہ پایا اور یاد آگیا کہ یہ وہی لڑکا ہے جو قاضی بغداد کا غلام رہا تھا اور اولیائے کرام سے قاضی نے اس کے لئے دعا کی فرمائش کی تھی۔ اس شب کی پوری کیفیت میری آنکھوں میں پھر گئی اور میں نے یہ طے کر لیا کہ دلیرانہ طور سے گفتگو کروں گا۔

سلطان نے مجھ سے کہا تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے نام بتایا۔ سلطان نے کہا۔ ”کیا تم کو معلوم نہ تھا کہ مجلس سماع میں نے اپنے پائے تخت میں ممنوع قرار دے رکھی ہے؟“

میں نے کہا۔ ”مجھ کو معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ذمہ دار مالک مکان ہے اہل مجلس یا صاحب مجلس ذمہ دار نہیں ہے، اس لئے میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔“

سلطان التمش کا چہرہ غصہ سے لال ہو گیا اور اس نے کہا تم میرے سامنے جیلہ تراشتے ہو۔ یہاں قاضیوں کی منطق اور بحث کام نہیں دے گی بلکہ تم کو دو سروں کے مقابلہ میں سخت سزا دینی چاہیے۔

یہ بادشاہ کا بیان سن کر میں نے کہا اور سلطان بھی میری سزائیں جو میرے لئے تجویز ہے، برابر کا شریک ہے۔ کیونکہ وہ بھی اس قسم کا مجرم ہے جو مجھ پر الزام ہے وہی سلطان پر ہے۔ کیونکہ سلطان بھی ساری رات قوالی سُنا کیا اور اس پر وہ بھی طاری ہوا تھا۔

سلطان یہ سن کر طیش میں آ گیا اور کہا ”تم جھوٹ بولتے ہو، میں نے کسی مجلس میں شرکت نہیں کی اور نہ خود اپنے محل میں مجلس سماع کرائی“

میں نے کہا ”سلطان غصہ سے کام نہ لیجئے۔ ٹھنڈے دل سے میری استدعا کو سُنئے۔ میں جھوٹ نہیں بولتا اور چشم دید اور گوش شنید گواہی دیتا ہوں کہ سلطان نے ساری رات قوالی سنی اور سلطان کو قوالی سننے اور جھومتے ہوئے دیکھا۔ میری اس بے کاغذ گفتگو کا اثر سلطان نے لیا۔ قہر و جلال میں کچھ کمی آئی اور ذرا دھیمی آواز میں مجھ سے پوچھا۔

”قاضی! یہ ذکر کب کا ہے؟“

میں نے کہا ”سلطان اس رات کا ذکر ہے جب اولیاء اللہ کی نظریں سلطان کے چہرے پر تھیں اور ان کی روحانی طاقتیں چادروں طرف سے سلطان پر اپنی شعاعیں ڈال رہی تھیں اور جب عالم غیب کے دربار میں ان اولیاء اللہ کی دعائیں پہنچیں اور ہندوستان کی شہنشاہی کا تاج اور تخت سلطان کے لئے تیار کر لیا گیا تھا، اُس وقت میں بھی وہاں موجود تھا اور سلطان کو دیکھا تھا کہ وہ معفل کی شمع کا گل کترنے جاتے تھے تو ادب سے مشائخ کی طرف پیٹھ نہ کرتے تھے۔“

سلطان التمش نے قاضی صاحب کے سامنے نظر جھکا لیں اور کچھ دیر سوچ

کہہا۔ ”تم بغداد کے قاضی کی مجلس میں تھے کہ جس کا میں غلام تھا۔“
میں نے کہا۔ ”اے سلطان! یہ جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ سب سچ ہے میں بغداد
کے قاضی کی مجلس میں موجود تھا۔ مگر اے سلطان اس رات بھی آپ غلام نہ تھے
اور آج کے دن بھی آپ اس تخت پر ہیں جو مایوس غلاموں کو آذکر تا رہتا تھا
اس رات بھی آپ کی صورت و سیرت مقبول تھی اور آج بھی مقبول ہے۔“

سلطان ابدیدہ ہو گیا اور مجھ سے کہا قاضی صاحب آپ میرے نزدیک
آکر بیٹھئے اور دیر تک میری صورت دیکھتا رہا اور کہنے لگا۔

”مجھ کو ایک ایک کہہ کے سب باتیں اس رات کی یاد آگئیں اور مجھے

یہ بھی یاد آگیا کہ اس رات کی توجہ اور دعاؤں کے اثر و اجابت نے

مجھے شہنشاہی عطا فرمائی ہے اور قاضی صاحب اب میں تمام عمر

اس رات کو دل سے فراموش نہ کروں گا۔“

اس کے بعد حکم دیا کہ ”ہم نے اپنے پہلے دونوں احکام منسوخ کئے۔ آئندہ
محفلِ سماع کی روک ٹوک نہیں ہے۔“ تمام اہل مجلس رہا کئے گئے۔

قاضی حمید الدین سے بادشاہ نے کہا۔ ”حضور کا قیام کہاں ہے؟“

قاضی صاحب نے کہا میں اپنے شاگرد خواجہ قطب الدین اوشی کے پاس
ٹھہرا ہوا ہوں۔ سلطان سن کر تعظیم کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور کہا وہ تو میرے

پیر ہیں اور آقا ہیں اور میں اُن کا مرید اور غلام ہوں۔ آپ ان کے استاد

ہیں تو میرے بھی استاد ہیں۔ آپ کو بعزت و احترام رخصت کیا۔ جب کبھی

قاضی صاحب بادشاہ سے ملنے آتے تعظیم و توقیر سے پیش آیا کرتا۔

واقعہ سخاوت

جواہر فریدی سے نقل ہے کہ سلطان شمس الدین التمش کی سخاوت کا شہرہ
دور دور تک پھیلا تو ناصری شاعر ایک قصیدہ سلطان کی شان میں لکھ کر لایا۔

یہاں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی کرامت و فضل و کمال کا شہرہ سنا۔ ایک قصیدہ حضرت کی شان میں بھی لکھا اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر قصیدہ پڑھ کر دُعا چاہی کہ بادشاہ کی سرکار سے مجھ کو مالِ خطیر ملے۔ حضرت نے دُعا کی اور فرمایا کہ تجھ کو بہت کچھ ملے گا۔

جب دربار میں ناصری پہنچا۔ قصیدہ پڑھا۔ سلطان اس کو سنتے سنتے دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ ناصری نے یہ دیکھ کر حضرت خواجہ قطب الدین کی طرف توجہ کی۔ بادشاہ فوراً ناصری کی طرف متوجہ ہوا۔ قصیدہ ختم ہو گیا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور ۵۶ ہزار روپیہ اُس کو عطا کیا۔

ابتدائی زندگی کا واقعہ

التمش نے اپنی ابتدائی زندگی کا واقعہ بیان کیا کہ ایک دن مالک نے بخارا میں مجھ کو انگور خریدنے بلایا۔ میں سچے تھا نقدی کہیں گے گئی۔ مالک کے خوف سے زاد زادہ نے لگا۔ ایک درویش آپہنچا۔ سبب گم یہ دریافت کیا۔ التمش نے نقدی کھوجانے کا واقعہ بیان کیا۔ درویش نے انگور حسب ضرورت خرید دیئے اور التمش سے عہد لیا کہ بادشاہ ہو کر فقراء اور علماء کی خدمت اور مدد کرنا اور درویشوں کو بھول نہ جانا۔ ان کی عزت اور تعظیم کرنا۔ التمش نے فقیر مذکور سے درویشوں وغیرہ کی مدد کا وعدہ کیا۔ التمش کہا کرتا تھا سلطنت و بادشاہی درویشوں کی توجہ و عنایت سے ملی ہے۔

حملہ ملحدین

التمش ہر جمعہ کو جامع مسجد میں جاتا اور تمام حفاظتی تدبیروں کو چھوڑ کر عام

لے سوانح خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ۲۵ ہندوستان کی اسلامی تاریخ ص ۲۵۰

مسلمانوں کے ساتھ شامل نہ ہوتا۔ ملحدین ایسے حامی اسلام سلطان کے قتل کے درپے ہوئے۔ ایک دن کئی ملحدین نے تلوار کھینچ کر جبکہ سلطان اور مسلمان نمازیں مشغول تھے، جامع مسجد میں گھس آنے کی کوشش کی۔ کئی ایک بے گناہ مسلمان مارے گئے مگر سلطان کو بچا لیا اور تمام مسلمانوں نے ملحدوں کو زندہ نہ جانے دیا۔

التمش کی فتوحات اور اسلامی جوش

۶۰۴ھ سے لے کر ۶۲۵ھ تک التمش امرائے ترک مغربیہ و قطبیہ کے فسادوں اور تاج الدین یلدرز اور جلال الدین خوارزمی کی آمد اور چنگیزی حوادث وغیرہ اسباب کی وجہ سے کہیں فوج کشی نہ کر سکا۔ چنگیز خاں جس نے خوارزمی، غور، ایران کی اسلامی سلطنتوں اور شاہی خاندانوں کا صفایا کر دیا تھا۔ اس کا خوف ہر وقت لگا ہوا تھا۔ مگر التمش اپنی اعلیٰ درجہ کی تدبیر و ہمت سے جملہ مشکلات پر غالب آیا۔

اول امرائے ترک کو مقہور کیا۔ تاج الدین یلدرز کو شکست دے کر بدایوں میں قید کر دیا اور جلال الدین خود بخود براہ سندھ ایران کو چلا گیا۔

چنگیز خاں ہندوستان کی اسلامی شمشیر کے خوف سے سندھ پار نہ ہو سکا۔ تمام خدشات سے مطمئن ہو کر التمش نے ۶۲۲ھ میں بنگالہ پر چڑھائی کر دی۔ غیاث الدین حوضِ خلجی خود مختار سلطان تھا۔ وہ التمش سے مرعوب ہو گیا اور اطاعت کی۔ تیس ہاتھی اور آٹھ لاکھ روپیہ نقد پیش کیا اور خطبہ و سکۃ التمش کا جاری کیا گیا۔

جنگیں

سلطان التمش سے سردارانِ ترک فرخ شاہ وغیرہ نبرد آزما ہوئے مگر اس کا چراغ دولت نور تائید الہی سے روشنی قبول کئے ہوئے تھا۔ نامی سردار ترک

سامنے آئے اور ہار گئے۔

سلطان تاج الدین یلدروز نے جو غزنی کا بادشاہ تھا شاہی مراتب معہ چھتر التمش کے پاس بھیجے۔ بادشاہ نے قبول کیا۔ اس کے بعد سے جہاں فوج کشی کی کامیاب ہوئی۔ ۶۲۴ھ میں قلعہ مندوپر لشکر کش ہوئی۔

”جملہ سواک“ اپنے قبضہ و دخل میں لایا۔ امیر روحانی جو اس عہد کا فاضل تھا چنگیز خاں کے مظالم سے تنگ آکر بخارا سے دہلی آ گیا تھا۔ ان فتوحات پر تمنیت کے اشعار کہے۔ ان میں سے یہ ابیات ہیں۔

خبر باہل سما برد جبریل امین	ز فتحنامہ سلطان عمر شمس الدین
کہ اے ملائکہ قدس آسمانہا	بدیں بشارتے بندید کلہ آمین
کہ از بلا دسواک شہنشاہ اسلام	کشہ باردگر قلعہ سپہر آمین
شہ مجاہد و غازی کہ دست و تیش را	روان حیدر کرارہ میکند تحسین

خلعت عباسیہ

۶۲۶ھ میں عرب کے ایلچی خلافت کا لباس سلطان کے لئے لائے بشرط اطاعت و آداب بجا لایا اور خلفائے عباسیہ کا لباس زیب جسم کیا اور خوشی میں شہر کی آئین بندی کی۔ امراء کو خلعت فاخرہ سے نوازا۔ بادشاہ نے یہ خبر سنی کہ گوالیار مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا۔ چنانچہ خود گوالیار کی طرف عزیمت کی اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ دیوبل جو قلعہ کا والی تھا بادشاہ کی یلغار دیکھ کر راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوا۔ قلعہ سلطان کے قبضہ و تصرف میں آیا۔ ملک تاج الدین جو لمشی مملکت تھا اس نے قلعہ کی فتح پر رباعی کہی۔

ہر قلعہ کہ سلطان سلاطین بگرفت	از طوق خداوند نصرت دیں بگرفت
آں قلعہ گوالیار و آں حصن حصین	ور شہادتہ سہ تلا میں بگرفت

۱۰ فرشتہ

۶۳۱ھ میں مالوہ کی طرف یورش کی اور قلعہ بھلہ کو مسخر کر کے شہر احسن کو زیرِ نگین لایا اور بت خانہ ہما کال جو مثل صنم کدہ سونماں جو تین سو برس میں تعمیر ہوا تھا اور قلعہ کی طرح مستحکم تھا اس کو مسمار کیا۔ بکرماجیت کی مورت اور ہما کال کی مورتیں برہمنی پر جو کانٹے سے ڈھلی ہوئی تھیں، اٹھا کر دہلی لے آیا اور جامع مسجد کی ٹیڑھیوں میں گاڑ دیں۔ پھر ملتان کی طرف فوج کشی کی۔ یہ سفر نامبارک ہوا۔ مرض الموت میں گرفتار ہوا۔ اعیان سلطنت عماری میں بیٹھا کہ دہلی لائے۔ ۲۰ شعبان ۶۳۳ھ کو عالمِ عقبیٰ کو لا ہی ہوا اور حوض شمس میں دفن ہوا۔

علمی ترقی صنعت و حرفت کی ترقی کے ساتھ، علمی و روحانی مدارس نے اس کے عہد میں کثرت سے رواج پایا۔ آج ملتان میں ناصر الدین قباچہ کی سرپرستی سے علمی کالج کھلے ہوئے تھے۔ چنانچہ صدر جہاں منہاج سراج جب واردِ ہند ہوا تو مرج کے کالج کا پرنسپل ہوا۔ اور بعد میں انش کے ساتھ دلی آیا۔ لاہور، پٹنہ، بدایوں اور دہلی، لکھنؤ کی بنگال کے علاوہ جہاں سرکاری اور ذاتی مدارس کھلے تھے، خاص دہلی میں شاہی اخراجات سے اعلیٰ درجہ کا کالج کھلا ہوا تھا۔ معلمین کو تنخواہ اور معلمین کو اخراجاتِ تعلیم دیئے جاتے تھے اور مفت تعلیم ہوتی۔ ہر ایک قوم کو اجازتِ تعلیم تھی۔ گوہندوؤں نے اس عہد میں توجہ نہیں کی۔ آگے چل کر واقعہ ہوئے اور انہوں نے بھی استفادہ حاصل کیا۔

روحانی مدارس و اشاعتِ اسلام

روحانی مدارس اس وقت خانقاہیں تھیں جن میں علمی تعلیم دی جاتی تھی۔ بڑی خانقاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی تھی۔ نہدوور، تقویٰ و طہارت کی مشق اس مدرسہ میں کرائی جاتی۔ یہاں کے طلباء کو فقر و فاقہ، تکلیف و مصیبت کے برداشت کی عادت ڈلوائی جاتی۔ یہ لوگ پہاڑوں، جنگلوں، دشت و بیابان میں ہر جگہ اپنی سادگی و قناعت کی بدولت گزارا کر سکتے اور اسلامی مشنری کا

کام دیتے تھے۔

التمش کی مہمان نوازی اور دہلی کی رونق

سلطان شمس الدین التمش فیاض و جواد مہمان نواز، غریب پرور تھا۔ چنگیزی حادثہ سے جس قدر امراء، فضلاء، علماء، سلاطین، تانہ خوارزمی و غور خراسان و ایران بغداد و عراق سے جان بچا کر دہلی آئے۔ سب کی غور و پرداخت حسبِ مدارج کی گئی اور ان کے نقصان کی تلافی کی گئی۔ ملازمت، جاگیر و معافی، تنخواہ و وظیفہ کی امداد سے کثیر التعداد پناہ یافتوں کی تسلی خاطر ملحوظ رکھی گئی اور غریب الوطن شرفاء کی معاونت میں چنگیز خاں جیسے جابر و قاہر خاقان کی مخالفت کی پرواہ نہ کی اور اپنی ذات اور فوج سے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے لئے وقت کر دیا تھا۔ خاندانی شہزادوں اور امراء کا اس قدر جھگڑا ہوا کہ دہلی میں ان کے لئے علیحدہ علیحدہ محلے بنائے پڑے۔ فضلاء و علماء و مشائخ عظام کے اجتماع سے دہلی حقیقی مدینۃ الاسلام بن گئی۔ صنایع و اہل حرفہ کے اجتماع سے ہندوستان کی صنعت و حرفت میں بڑی ترقی ہوئی۔

بخارا، غزنی، خوارزم کے قدر دان سلاطین کے جن کارگیروں نے اقطارِ عالم سے چین چین کر اپنی سلطنت کی دولت و عظمت کو بڑھایا تھا وہ سب اب ہندوستان خصوصاً دہلی پہنچ گئے اور ہندوستان کی اصلی تمدن و معاشرت، صنعت و حرفت میں حیرت انگیز ترقی کے باعث ہوئے۔

آداب الحرب والشجاعة

سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں فنونِ حرب کے مسائل و مباحث پر ایک کتاب ”آداب الحرب والشجاعة“ تصنیف ہوئی۔ اس کا مصنف فخر الدین محمد بن مبارک شاہ المعروف بفخر مدبر سلطان معز الدین محمد بن سام۔ اس مصنف کا سلسلہ

نسب خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے۔ ان کی ماں امیر ملک انگلیں کی اولاد سے تھی جو امیر پالتنگین کا صاحب کبیر اور اس کے فرزند ابواسحق کا جانشین ہوا۔
اس مصنف سے اس کتاب سے پہلے کتاب شجرۃ الانساب لکھی ہے۔ انبیاء علیہم السلام سے ملوک عرب و عجم اور خلفاء و سلاطین اسلام کے ایک سو چھتیس شجرے درج ہیں۔
اور مقدمہ میں سلاطین غوریہ کے بعض واقعات ۵۸۶ھ تا ۶۰۲ھ تک کے اور فتوحات کے حالات درج ہیں۔

اس مقدمہ کو مرثیہ سن راس نے تاریخ فخر الدین مبارک شاہ کے نام سے ۱۹۲۷ء میں لندن میں چھپوایا ہے۔ اس کا مخطوطہ ایشیا نمک سوسائٹی آف بنگال میں ہے۔ اس کی فہرست میں اس کا نام آداب الملوک و کفایتہ الملوک ہے۔
پروفیسر محمد شفیع ایم اے پرنسپل اور نٹیل کالج لاہور نے آداب الحرب کے دو اقتباس نومبر ۱۹۲۷ء اور نٹیل کالج میگزین میں ۱۹۲۵ء سے ۱۹۲۷ء تک شائع کئے ہیں۔

فتوحات

التمش کی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ چنانچہ بدایوں۔ نہشور۔ حصار۔ لکھنوتی۔ بہار۔ ملتان۔ اچھہ۔ درہنگہ۔ اجین۔ جاجنگر۔ لاہور۔ کھرام۔ بھیلہ۔ بنارس۔ سلوستان۔ دیول۔ قنوج۔ گوالیار۔ سیالکوٹ۔ جھمر اور مالوہ۔ اتنے ممالک ہند کے سلطان شمس الدین التمش نے اپنے عہد حکومت میں فتح کئے۔

پہلا دربار

فتوحات کے بعد شہر دہلی سجایا گیا۔ امراء، علماء و دیگر مستحقین کو انعام و اکرام سے مالا مال کیا۔ یہ دہلی کا پہلا اسلامی دربار تھا۔

نامور فضلاء و علماء

اس بادشاہ کے عہد میں بڑے بڑے فاضل و عالم اور اہل کمال موجود تھے۔ منجملہ ان کے نور الدین محمد غوفی تھا جس نے اس کے عہد میں جامع الحکایات لکھی۔ وہ رضیہ کے عہد تک زندہ رہا۔ اس کا وزیر نظام الملک کمال الدین جنیدی تھا یہ وزیر خلیفہ بغداد کے دربار میں عہدہ وزارت پر متاثرہ چکا تھا۔ وہ کمالات صوری و معنوی میں مشہور ہوا۔ قاضی سعد الدین کر دی، قاضی نصیر الدین، قاضی جلال الدین قاضی کبیر الدین وغیرہ اپنے وقت کے امام الائمہ تھے۔

التمش کے اوصاف حمیدہ و عدل و انصاف

التمش کے متعلق مشہور اسلامی سیاح ابن بطوطہ لکھتا ہے :-
”وہ عادل، فاضل اور صالح تھا۔ ظلموں کے دور کرنے میں اور مظلوموں کے انصاف کرنے میں نہایت مستعد تھا۔ چنانچہ اس نے یہ حکم جاری کر رکھا تھا :

”جتنے مظلوم ہوں سب رنگین کپڑے پہنیں۔
اس وقت ہندوستان میں سب باشندے سفید کپڑے پہنتے تھے جب وہ دربار میں بیٹھتا اور کسی آدمی کو رنگین لباس پہنے ہوئے دیکھتا تو اس کے قصیہ پر نظر کرتا اور انصاف کرتا اور ظلم کے خلاف حکم صادر کرتا۔ فقط اس نے اپنی اس تدبیر پر اکتفا نہیں کر رکھی تھی بلکہ اس نے فرمایا :

”بعض آدمیوں پر رات کو ظلم ہوتا ہے ان کے انصاف کرنے میں تعجیل کرنا چاہتا ہوں۔“

اس واسطے اس نے اپنے دروازے پر سنگ مرمر کے دو شیر بنوائے

ہیں دکھوا دیئے۔ ان کے گلے میں لوہے کی موٹی زنجیر تھی اور ان میں گھنٹی لٹکا دی مظلوم رات کو آتے اور ان گھنٹیوں کو زنجیر سے ہلاتے۔ بادشاہ ان کی آواز سن کر خود باہر آتا اور مظلوم کی داد دے کر تا۔ عدل و انصاف کے واقعات تاریخ میں بہت کچھ تحریر ہیں۔

غریب پروری، مہمان نوازی، اسلامی خدمات التمش کی بہت بڑھی ہوئی ہیں گو وہ ظاہر میں ہندوستان کا شہنشاہ مطلق العنان تھا۔ مگر اس نے ہمیشہ خواہش نفسانی کو مغلوب رکھا۔ کوئی بد اخلاقی بد مصحفی اس سے منسوب نہیں کی گئی اس کو پابندی احکام نے نمونہ اسلاف بنادیا تھا۔

اولاد

سلطان کی اولاد بہت زیادہ تھی۔ سلطان ناصر الدین، سلطان رضی الدین، سلطان معز الدین بہرام شاہ، سلطان قطب الدین محمد، سلطان ملک جمال الدین مسعود، ملک شہاب الدین محمد، سلطان علاء الدین مسعود شاہ، سلطان ناصر الدین محمد، سلطان غیاث الدین محمد شاہ، سلطان رکن الدین فیروز شاہ، سلطان ناصر الدین محمود شاہ، رضیہ سلطانہ۔

التمش کے پیر و مرشد

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ابن سید کمال الدین موسیٰ اوشی ۵۶۱ھ میں اوش میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کے تھے مولانا ابو حفص کے سپرد کئے گئے۔ کم عمری میں علوم ظاہری سے فارغ التحصیل ہوئے۔ بغداد جا کر ابواللیث سمرقندی کی مسجد میں حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجر کی مرید ہوئے۔ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سروردی، شیخ اوحد الدین کرمانی، شیخ برہان الدین چشتی، شیخ محمود اصفہانی سے فیوض باطنی کا استفادہ کیا۔ خواجہ غریب نواز سلطان ہند نے ہندوستان کا

منع کیا۔ یہ بھی وطن چھوڑ کر ہند پہنچے۔ ملتان میں شیخ ضیاء الدین زکریا اور شیخ جلال الدین تبریزی کے یہاں چند روز قیام کر کے دہلی آئے۔ موضع کیوکھڑی میں سکونت اختیار کی۔ الشمس آپ کا مرید ہوا۔ ناگودہ سے قاضی حمید الدین آئے اور حسب الحکم حضرت خواجہ غریب نواز دہلی میں مقیم ہوئے۔ اور خواجہ قطب الدین کی تعلیم پر تقرر ہوا۔ بقیہ علوم کی تکمیل کرائی۔

الشمس نے چاہا شہر میں قدم نہ تھجے فرمائیں آپ نے منظور نہیں کیا۔ شیخ الاسلام جمال الدین بسطامی نے خواجہ کو دیکھا۔ پہلی نظر میں ہی شکار ہو کر حاضر خدمت ہوئے۔ صبر و قناعت کا صحیح نمونہ تھے۔ شان بے نیازی ملاحظہ ہو۔ گھر میں فقر و فاقہ سے رہتے۔ امر اور نذرانہ لاتے ٹھکرا دیتے۔ الشمس تک خبر پہنچی۔ اشرفیوں کی تھیلیاں نذر کے لئے بھیجیں کہ حضور انہیں قبول فرمائیں لیکن قطب الہند کی خدمت میں جب یہ نذر پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا اس نذر کو واپس لے جاؤ اور سلطان سے کہو میں تمہیں اپنا دوست جانتا تھا۔ اب معلوم ہوا تم میرے دشمن ہو۔ جس چیز کو خدا نے دشمن فرمایا ہے وہ تم دوستوں کو دیتے ہو۔

حضرت خواجہ اوائل عمر میں تو غلبہ خواب سے کسی قدر آرام کر لیا کرتے تھے مگر آخر عمر میں دن رات بیدار رہتے اور چوبیس گھنٹے یاد خدا میں بسر کرتے۔ ایک روز شیخ علی سنجر کی خانقاہ میں محفل سماع تھی۔ آپ تشریف لے گئے۔ قوال نے حضرت احمد جام کا یہ شعر پڑھا۔

کشتگانِ غنیمت تسلیم را ہر زمان از غیب جانے دیکر است

آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور اس میں بروز دو شنبہ ۱۲ ربیع الاول ۶۲۳ کو وصال ہوا۔

آثار الشمس

سلطان قطب الدین ایک نے رائے پتھوار کے مندر کو مسجد کی صورت میں

کچھ تبدیل کر دیا تھا۔ بعد اس کے التمش نے اس مسجد کو بڑھانا چاہا اور ۶۲۷ھ مطابق ۱۲۲۹ء کے اس مسجد کے دونوں طرف جنوباً اور شمالاً تین تین در اور بنائے اور دائیں پتھوار کے بت خانے کے باہر کے دالان تک مسجد بڑھادی۔ اس در میں بھی سنگ مرخ کے بہت تھنے بنے ہوئے ہیں اور ان پر نسخ اور کوئی خط میں آیات قرآنی کندہ ہیں اور بہت عمدہ پیل بوٹے پھول پتی بنت کاری کے بنے ہوئے ہیں۔ جنوبی دروں کے نیچے کے در کے بائیں بازو پر تاریخ تعمیر کی کندہ ہے۔ ان دروں کی اکثر محرابیں ٹوٹ گئی ہیں۔ بلکہ شمالی دروں میں کا ایک در سارے کا سارا ٹرک میں آگیا ہے۔ جبکہ ۶۳۱ھ مطابق ۱۲۳۳ء میں سلطان نے مالوہ اور اجین کو فتح کیا۔

اس وقت بت خانہ مہاکال کو توڑ کر وہاں کی مور تین راج بکرماجیت کی تصویر سمیت دلی میں لاکر اس مسجد کے دروازے کے سامنے ڈال دی تھیں۔ یہ تین تین در ضلع غربی کے جانب، شمال رو، دو جنوب کو جو شمس الدین التمش نے بنائے تھے سینتیس سینتیس گز اور ایک ایک فٹ لمبے ہیں اور پنج کا در آٹھ گز چوڑا ہے اور جنوبی ضلع اس کا بت خانے کے قدیم دالان ہیں۔ جو برسی کے لئے بنائے تھے۔ ان کا طول ایک سو تیس گز سے فنی گز سے ہے یہ

قطب صاحب کی لاٹ یا مینارہ یا ما ذنہ

اس عمارت کی رفعت اور شان اور بلندی اور خوشنمائی کا بیان نہیں کیا جاسکتا۔ حقیقت میں یہ عمارت ایسی ہے کہ روٹے زمین پر اپنی مثال نہیں رکھتی۔ مثل مشہور ہے کہ اگر اس کے نیچے کھڑے ہو کر اوپر دیکھو تو ٹوپی والے کو ٹوپی اور گپڑی والے کو گپڑی تمام کر دیکھنا پڑتا ہے۔ اس لاٹ کے اوپر سے نیچے

لہ آثار العناوید از مرستید احمد خاں

کے آدمی نڈا ذرا سے معلوم ہوتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے آدمی اور ننھے ننھے ہاتھی گھوڑے دکھائی دینے سے عجیب کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح نیچے والوں کو اوپر کے آدمی بہت چھوٹے چھوٹے معلوم ہوتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا فرشتے آسمان سے اترے ہیں۔ غرض کہ یہ لاٹ عجائب روزگار سے ہے۔

باوجود اس قدر بلندی اور عظمت کے ایسی خوب صورت اور خوش قطع بنی ہوئی ہے کہ بے اختیار دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ اس لاٹ کے نیچے کے درجے کی ایک کھنڈ مدور اور ایک کمر کی ہیں۔ اور اوپر کے دونوں درجے گول ہیں اور تمام سنگ سرخ لگا ہوا ہے۔ مگر چوتھے درجے میں سنگ مرمر بھی ہے اور ہر جگہ منبت کاری اور گل کاری ایسی خوب صورتی سے کی ہے کہ اس کی ہر ایک بیل مسلسل پر ہزاروں معشوقوں کی زلف دو تان قربان ہے اور اس کے ادنے سے ادنے پھول پتھری پر سینکڑوں گل رنوں کے لب جاں بخش شاہ ہیں۔ مگر اس لاٹ کی بناء پر مؤرخین نے گفتگو کی ہے۔

مسلمانوں میں یہ بات مشہور ہے کہ یہ لاٹ سلطان شمس الدین التمش کی بنائی ہوئی ہے اور اکثر تاریخ کی کتابوں میں اور کتبہ عہد سکندر بہلول میں اس لاٹ کو سلطان شمس الدین التمش کی لاٹ لکھا ہے اور بعض تارخوں میں اس لاٹ کو مسجد کا ماذنہ لکھا ہے۔ اور بعض کتابوں میں اس لاٹ کو سلطان معز الدین کی لاٹ لکھا ہے۔

مگر اس سبب سے کہ اس لاٹ کا پہلا دروازہ شمال رو یہ ہے اور ہندوؤں کے مندر کی عمارت کا دروازہ ہمیشہ شمال رو یہ ہوتا ہے۔ برخلاف ماذنوں کے کہ ان کے دروازے ہمیشہ شرق رو یہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ سلطان علاؤ الدین نے جو لاٹ بنانی شروع کی اس کا شرق رو یہ دروازہ دکھا اور نیز اس سبب سے کہ اکثر مسلمانوں کی عادت ہے کہ ایسی عمارت کو کرسی دے کر بناتے ہیں۔ جیسا کہ سلطان علاؤ الدین نے اپنی لاٹ کو کرسی دے کر بنانا شروع کیا تھا،

برخلاف ہندوؤں کے کہ وہ بدوں کرسی بناتے ہیں جیسے کہ یہ لاٹ بنی ہوئی ہے۔ اور نیز اس سبب سے کہ اس لاٹ کے پہلے درجے کے پتھر کتبوں کے مقام سے ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ جیسے پیچھے کو لگائے ہیں اور نیز اس وجہ سے کہ جس طرح اصل بُت خانے میں زنجیروں میں گھنٹے لٹکتے ہوئے کھدے ہوئے ہیں اور نیز اس دلیل سے کہ جس طرح کتبہ فتح نامے کا بنام قطب الدین ایک سپہ سالار اور دوسرا معز الدین کے نام کا اصل بت خانے پر ہے اسی طرح اس لاٹ پر ہے۔

غالب ہے کہ پہلا کھنڈ اس لاٹ کا ہندوؤں کے وقت کا ہے۔ کچھ عجیب نہیں کہ اس پہلے کھنڈ میں جہاں جہاں کتبہ کھدا ہوا ہے وہاں بتوں کی صورتیں ہوں۔ اس سبب سے وہ پتھر نکال کر یہ کتبہ جن میں بادشاہوں کے نام اور قرآن مجید کی آیتیں ہیں لگائے ہوں جن میں بادشاہ کی تعریف ہے۔

جوابات کہ مدت سے مشہور چلی آتی ہے کہ یہ لاٹ رائے پتھور نے اپنے قلعہ اور بت خانہ کے ساتھ یعنی سمت ۱۲ بکرماجیت مطابق ۱۱۴۳ھ موافق ۱۷۳۰ھ کے بنائی صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کی بیٹی سورج مکھی مذہب تھی اور ہندو جمنہ کو سورج کی تیزی کا استاد لکھتے ہیں۔ چنانچہ اس مذہب والے جمنہ کا درشن کرنا بھی بڑا دھرم جانتے ہیں۔ اس سبب سے جمنہ کے درشن کو لاٹ کا پہلا کھنڈ بنا۔

۱۱۹۱ھ مطابق ۱۷۷۷ء میں جب یہ بُت خانہ مسلمانوں نے فتح کیا تو اس پر اپنے نام کے کتبے لگائے اور فضل ابن ابوالمعالی کو متولی کیا اور اس کا نام پتھر پر کھدوا کر دروازے کے پاس لگا دیا۔ جس زمانے میں سلطان شمس الدین التمش نے اس مسجد کے ادھر ادھر تین تین در بڑھائے۔ یعنی ۱۲۲۷ھ مطابق ۱۸۱۲ء کے اسی زمانے میں اس لاٹ کو بھی بڑھایا اور دوسرے کھنڈ کے دروازے پر اس کا حال کھدوایا اور جب سے اس کا نام ماذنہ لکھا اور ہر درجہ پر اسی نام کا کتبہ اور جمعہ کی نماز کی آیت کو کھودا اور معمار کا نام لکھا۔

اگرچہ اب اس لاٹ کے پانچ کھنڈ ہیں لیکن اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ جس طرح مشہور ہے پہلے اس لاٹ کے سات کھنڈ تھے اور منادۂ ہفت منظری کے نام سے بھی یہ لاٹ مشہور ہے اور جہاں اب کٹہرا لگا ہوا ہے وہاں ایسے کنگورے بنے ہوئے تھے جیسے فصیلوں کے ہوتے ہیں اور پانچویں درجے پر ایک درجہ تھا اس کے چاروں طرف دروازے تھے اور اس کے اوپر بطور لمبی برجی کے مثل اس مخروط لداؤ تھا کہ ساتواں درجہ شمال میں آتا تھا۔ یہ ساتواں درجہ ۱۳۶۷ مطابق ۱۸۷۷ء میں فیروز شاہ نے بنوایا تھا۔ کیونکہ وہ لکھتا ہے کہ مرمت کے وقت میں نے اس لاٹ کو جتنی پہلے تھی اس سے اُدسچا کر دیا۔

اس لاٹ کی مرمت کا حال پانچویں کھنڈ کے دروازے پر کھدوا دیا۔ اس کے بعد پھر لاٹ مرمت طلب ہو گئی تھی۔ ۹۰۹ھ مطابق ۱۵۰۳ء میں فتح خاں نے سلطان سکندر بہلول کے وقت میں مرمت کی اور اس کا حال کھدوا کر پہلے دروازے کی پیشانی پر کھدوا دیا۔ مشہور ہے کہ تخمیناً ۱۱۹۷ھ مطابق ۱۷۸۲ء میں کالی آندھی کے بعد بھونچال کے صدمے سے اوپر کے کھنڈ گر پڑے تھے۔ اور اکثر جگہ سے شکستہ ہو گئے تھے۔ ۱۸۲۹ء مطابق ۱۲۴۵ھ کے سرکار دولتمدار انگریزی کے حکم سے مسٹر سمٹ صاحب گڑھ پکتان نے اس لاٹ کی اول سے آخر تک مرمت کی اور جس جگہ کنگورے تھے وہاں سنگیں کٹہرا بہت مستحکم لگا دیا اور پانچویں درجہ پر برجی کٹہرا بہت خوب صورت بنا دیا اور چھٹے کھنڈ کی جگہ کاٹ کر برجی لگائی تھی اور اس پر پھر پکا کھڑا کیا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ دونوں برجیاں قائم نہ رہ سکیں۔ اس سبب سے سنگین برجی کو لاٹ پر سے اتار کر نیچے کھڑا کر دیا ہے اور کاٹ کی برجی ضائع ہو گئی۔

مگر نہایت افسوس ہے کہ مرمت کے وقت اس لاٹ کے کتبوں کے حروف جو گر پڑے تھے بالکل غلط بنائے ہیں۔ اکثر جگہ صورت لفظوں کی بنا دی ہے۔ جب غور سے دیکھو تو وہ لفظ نہیں ہیں صرف نقش ہیں اور بعض غلط لفظ بنا دیئے ہیں

اور چند جگہ اپنی طرف سے ایسی عبارت کندہ کر دی ہے کہ اصل کتبے کے مضمون سے بالکل علاقہ نہیں رکھتی۔ آج تک اس لاٹ کے کتبے نہیں پڑھے گئے تھے۔ ہم نے (سر سید) سارے کتبے دور بین کی استعانت سے پڑھے ہیں۔ پہلا کھنڈ اس لاٹ کا بتیس گز کئی انچ اور دوسرا کھنڈ سترو گز کئی انچ اور تیسرا کھنڈ تیرہ گز اور چوتھا کھنڈ سوا آٹھ گز اور پانچواں کھنڈ آٹھ گز اُنچا ہے۔

اس حساب سے کل اُنچائی اس لاٹ کے پانچوں کھنڈوں کی جواب موجود ہیں قریب اُسی گز کے ہوتی ہے اور سنگین برجی کی اُنچائی جو سرکار انگریزی نے چڑھائی تھی اور اب اُتار کر نیچے لکھ دی ہے چھ گز ہے اور چوبی برجی اور پھر اس کی اُنچائی مل کر یہ لاٹ سو گز اُنچ ہے اور مشہور بھی یہی ہے کہ جب اس لاٹ کی جڑ کا پچاس گز کا محیط ہے اور سرکار دس گز کا ہے۔ یہ لاٹ اندر سے بالکل خالی ہے اور اس میں چکر دار سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ پہلے درجے میں ایک سو چھپن اور دوسرے درجے میں اٹھتر اور تیسرے درجے میں باسٹھ اور چوتھے میں اکتالیس اور پانچویں میں بھی اکتالیس ہیں۔ اس طرح کل سیڑھیاں اس لاٹ کی تین سو اٹھتر ہوئیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے بھی اسی قدر سیڑھیاں ہوں گی۔ کیونکہ اوپر کے دونوں درجوں میں چڑھنے کا راستہ نہ تھا۔

التمش کی عبادت گزاری | ابو ظفر شمس الدین التمش پر خواجہ قطب الدین خواجہ مشغول عبادت رہا کرتے۔ وہیں التمش بھی جب خواجہ کے پاس حاضر ہوتے نماز پڑھتے اور عبادت کیا کرتے۔ یہ نماز کا بڑا پابند تھا۔

۱۴ ربیع الاول ۶۳۴ھ کو خواجہ کی رحلت ہوئی۔ مشائخ، احراء اور خود سلطان التمش موجود تھا۔ خواجہ ابوسعید نے بلند آواز سے کہا۔ حضرت خواجہ کی وصیت ہے کہ نماز جنازہ وہ پڑھائے جس نے تمام عمر حرام نہ کیا ہو اور نہ سنت ہائے نماز کو ہٹا دیا ہو اور کہا کہ اپنا راز پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا لیکن

خواجہ کو یہی منظور ہے، ان کے حکم میں کچھ چارہ نہیں۔ آخر سلطان امام بنے اور اولیاء اللہ دوسرے لوگ مقتدی ہوئے۔ بعد نماز جنازہ خواجہ صاحب دفن کئے گئے یہ

خلافت | التمش کو خواجہ سے خلافت عطا ہوئی تھی۔ خواجہ صاحب کے چار محبوب خلفاء تھے۔

حوض شمس | حوض شمس کو سلطان التمش نے بنوایا تھا۔ کسی زمانے میں یہ حوض تمام سنگ مرخ سے بنا ہوا تھا۔ اب دیواریں اور پتھر بالکل اکھڑ گئے ہیں۔ اس تالاب کا پانی ایک ٹھہرنا بنا کر فیروز شاہ تغلق آباد میں لے گیا تھا۔ اب یہ تالاب دو سو چھتر بیگھہ پختہ میں ہے۔ فیروز شاہ نے فتوحات فیروزی میں لکھا ہے کہ میں نے اس حوض کے پانی کے راستے کھلوائے جو زمینداروں نے بند کر دیئے تھے۔ اس حوض کے کنارے پر شیخ عبدالحق دہلوی کا مزار ہے۔ ابن بطوطہ کے زمانہ میں یہ حوض اتنا بڑا تھا کہ اہل شہر اس کا پانی پیتے تھے اور شہر کی عید گاہ بھی اس کے قریب تھی۔ اس میں بارش کا پانی جمع ہوتا تھا۔ طول اس کا دو میل اور عرض ایک میل تھا۔ غریب طرف عید گاہ مذکور اور پتھر کے گھاٹ بنے ہوئے ہیں جو چبوتروں کی شکل میں ہے اور کئی چبوترے نیچے اوپر بنے ہوئے ہیں۔ ان چبوتروں سے پانی تک بیڑھیاں ہیں اور ہر ایک چبوترے کے کونے پر گنبد بنا ہوا تھا جس پر تماشائی بیٹھ کر عید بطوطہ میں سیر کرتے تھے اور حوض کے وسط میں بھی منقش پتھروں کا گنبد بنا ہوا ہے۔ یہ گنبد دو منزلہ ہے۔ جب تالاب میں پانی بہت ہوتا ہے تو کشتیوں میں بیٹھ کر اس گنبد تک پہنچ سکتے ہیں۔ جب پانی تھوڑا ہوتا ہے تو اکثر آدمی ویسے ہی چلے جاتے ہیں۔ اس کے اندر ایک مسجد ہے۔



رضیہ سلطانہ

پیدائش سلطان قطب الدین ایک کی دختر نیک اختر کے بطن سے رضیہ سلطانہ پیدا ہوئی۔ یہ چند صاحب زادوں کے بعد ہوئی تھی اس لئے بڑی قدر سے دیکھی گئی۔ پرورش شاہانہ طریقہ پر ہوئی۔ پانچ سال کی تھی تو آتو بنی کے سپرد کی گئی۔ چھٹے سال میں لگی تو بسم اللہ کی تقریب دھوم دھام سے منائی گئی۔ قاضی شمس الدین سے علوم رسمہ کی تعلیم پائی۔ تھوڑے عرصہ میں خدا داد ذہانت سے خوش استعداد ہو گئی۔ صاحب طبقات ناصری کا بیان ہے کہ قرآن شریف کے پڑھنے کے جتنے آداب ہیں وہ ان سب کو ادا کرتی اور علم سے اس کو بہرہ وافر تھا صاحب نظر عورت ہونے کے سوا اس میں کوئی قصور نہ تھا۔

تیرہ برس کی عمر کو پہنچی تو التمش نے شہ سواری میں طاق کرا دیا اور فنون حرب میں ایسی مہارت کرا دی تھی کہ مردوں کے پہلو پہلو شہ سواری کے فن میں یگانہ روزگار بن گئی۔

سلطان التمش بیٹی کی ذہانت اور مردانہ طبیعت سے بہت محفوظ ہوا کرتا۔ اکثر جنگوں میں التمش کے ساتھ جاتی وہاں باپ بیٹی کے جوہر شجاعت دیکھ کر باغ باغ ہو جاتا۔

گوالیار مسخر کرنے التمش گیا تو رضیہ سلطانہ کو اپنا قائم مقام کر لایا۔ اس کے پیچھے چند روزہ انتظام عہدگی سے انجام دیا۔ فتح سے واپس آکر جو دیکھا نہال ہو گیا۔ التمش کو اپنی اولاد میں سب سے زیادہ رضیہ عزیز تھی۔ یہ باپ کی بیعت اطاعت گزار تھی۔ باپ جس خیمے میں سوتا وہاں سوتی۔ باپ عبادت شب میں لگتا خود بھی شریک ہوتی۔ باپ کو خود وضو کراتی۔ بادشاہ دن بدن اپنی دختر کا

گردیدہ ہوتا جا رہا تھا۔ آخر شش اس نے فیصلہ کر لیا کہ میں اپنا ولی عہد رضیہ کو ہی بناؤں گا۔ چنانچہ طبقاتِ ناصری میں ہے :-

”چوں سلطان در ناصتہ او آثارِ دولت و شہامت می داد اگرچہ دختر بود و مستورہ بعد آنکہ از فتح گویا رمراجعت فرمود تاج الملک محمود دبیر را کہ مشرف مملکت بود فرمان داد با او را ولایت عہد بنوشت و ولی عہد سلطنت کرد“

تمام امرا نے سلطنت نے کہا۔ حضرت صاحبزادگان کے سلامت ہوتے ہوئے صاحبزادی کو ولی عہد کرتے ہیں؟
التمش نے جواب دیا :-

”پسرانِ من بہ عشرت جوانی مشغول باشد و ہچکدام تیمار مملکت نہ اند و ازیشان ضبط اس مالک ہا بر شمارا بعد از قوت من معلوم گردد کہ ولایت عہد را بیج یک از ولایق تر نباشد“

تخت نشینی | التمش کے انتقال کے بعد امرا نے سلطنت نے رکن الدین کو تخت نشین کیا۔ یہ چند دن کے بعد نازیبا حرکتیں کرنے لگا۔ اس نے اپنے بھائی معز الدین کو مروا ڈالا۔ اس واقعہ کا اثر رضیہ سلطانہ نے بہت لیا۔

ابن بطوطہ اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے کہ رضیہ سلطانہ نے رکن الدین کو بُرا بھلا کہا اور جمعہ کے دن قصرِ قدیم پر چڑھ کر جامع مسجد کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ نمازِ جمعہ میں رکن الدین شریک تھا۔ اُس نے ایک پُر اثر تقریر اُس پر سے کی اور اپنے بھائی مظلوم کے مارے جانے کا انتقام لینا چاہا۔ تمام نمازی رکن الدین سے ایسے برا فروختہ ہوئے کہ وہیں قصاص میں قتل کر ڈالا۔ ادھر امراء کی آنکھیں بھی کھل گئیں اور التمش کا ارشاد سامنے آیا۔ انہوں نے کہا ناصر الدین کم عمر ہے۔ رضیہ ہی تخت نشین ہو۔ چنانچہ دربار منعقد کیا گیا۔ رضیہ سلطانہ پر سے

سے برآمد ہو کر مردوں کا لباس زیب جسم کئے ہوئے تھی۔ تخت پر رونق افروز ہوئی اور تاج شاہی زیب سر کیا۔ تمام امراء نے نذریں پیش کیں۔ تمام معاملات ملکی کو ہاتھ میں لیا۔

نظام الملک محمد جندی جو وزیر سلطنت تھا اور ملک علاؤ الدین شیر خانی، ملک سلیم الدین کوچی، ملک اعزاز الدین کبیر خانی نے خفیہ رضیہ کے خلاف سازشیں کیں۔ مگر وہ بے پرواہی سے انتظام سلطنت میں لگ گئی جو برائیاں اس کے بھائی کے وقت میں پیدا ہوئی تھیں بطور معقول اس کی اصلاح کی اور قوانین سلطنت کو دوبارہ مرتب کیا۔ بڑے بڑے مقدمے پیش ہوئے۔ ان کا فیصلہ کیا اور قضیہ ختم کیا۔ غرضیکہ شاہان عادل اور قابل کے اوصاف اس سے ظاہر ہوتے تھے۔

طبقاتِ ناصری میں ہے :-

”سلطانہ رضیہ طاب مرقدہ بادشاہ بزرگ و عاقل و عادل و کریم و عالم نواز و عدل گستر و رعیت پرور و لشکر کش بود ہمہ اوصاف کمرندہ کہ بادشاہ را باید داشت“

سیاست | مخالف امراء نے چاروں طرف نامہ و پیام جاری کئے اور مخالفت کی ترغیب دی۔ ملک نصیر جاگیر دار رضیہ سلطانہ کی موافقت میں دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ جب گنگا کو عبور کر لیا تو دشمنوں نے اس کو گھیر لیا اور گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا جہاں وہ جان بحق ہو گیا۔ یہ رنگ رضیہ دیکھ رہی تھی۔ ادھر نظام ملکی چلا رہی تھی۔ خاندان میں بھی خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ وقار سلطنت امراء کے دل سے جاتا رہا اور اس امر کے درپے ہوئے کہ جدید انقلاب کیا جائے اور رضیہ کو حکومت سے بے دخل کیا جائے۔ مگر رضیہ نے بعض امراء کو ترقی مناصب دی اور اکثر کو ادنیٰ اعمدہ سے اونچے درجے پر پہنچایا۔ یہ لوگ جاں نثاری پر آمادہ ہو گئے اور مخالفین کو خفیہ طور پر نیک پرزک

دینے لگے۔ ان کی جتنی تدبیریں تھیں وہ ناکام رہیں۔

غرضیکہ رضیہ سلطانہ نے اپنے حسن تدبیر سے امرائے مخالف کو اتنا پریشان کیا کہ انہوں نے راہ فرار اختیار کی۔ مگر سلطانی فوج نے تعقب کیا اور ملک سیف الدین کو چھ اور اس کے بھائی کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔

تمام مخالف امراء یکے بعد دیگرے تباہ و برباد ہو گئے۔ خواجہ ہمدی خزنوی جو نظام الملک جندی کا نائب تھا۔ اس کو سلطانہ نے منصب وزارت عطا کیا اور نظام الملک کے لقب سے ملقب فرمایا۔

نیا بت لشکر ملک سیف الدین ایک کو تفویض کیا اور ”فلتھاں“ خطاب دیا۔ اور ملک اعزاز الدین کبیر خانی نے جو اطاعت اس کی کی تھی اُسے لاہور کا حاکم کیا۔ ممالک لکھنوتی اور دیول اور سندھ، غرضیکہ تمامی بلاد اور علاقہ جات پر اپنے مرضی کے امراء مقرر کئے۔ اس عرصہ میں سیف الدین ایک نے وفات پائی۔ اس کی جگہ قطب الدین حسن کو مقرر کیا اور اس کو مع افواج کثیر قلعہ بن تھنور پر بھیجا۔ سلطان التمش کے بعد یہاں کے راجہ نے مسلمانوں کو قلعہ بند کر دیا تھا اور ان پر مظالم برپا کر رہے تھے اور سخت محاصرہ کیا تھا۔ قطب الدین حسن سے بڑا معرکہ رہا۔ ہندو راجہ نے راہ فرار اختیار کی۔ مسلمانوں کی گلو خلاصی ہوئی۔

جمال الدین یا قوت حبشی امیر آغود تھا۔ اس نے رضیہ سلطانہ کی جان کی حفاظت کی جس سے بڑا تقرب حاصل کیا۔ مثل اپنی دختر کے سلطانہ کو سمجھتا تھا۔ خود تلوار لیکر لڑتے بھر رضیہ کا پہرہ دیتا اور سلطانہ آرام سے سوتی۔ ورنہ بادشاہ دشمنوں نے چاہا سوتے میں سلطانہ کا کام تمام کر دیا جائے۔ یا قوت کی خدمات شائستہ سے سلطانہ بڑا بھروسہ کرنے لگی اور نظر عنایت مبذول رکھتی۔ حتیٰ کہ یا قوت گھوڑے پر کمر میں ہاتھ دے کر خود سوار کرتا۔ دشمنوں نے اس سے فائدہ اٹھا کر پابند شریعت خاتون پر حرف گیری کی۔

ادھر یا قوت امراء میں امیر الامراء کو دیئے گئے۔ ملک اعزاز الدین حاکم لاہور

نے سرطاعت سے انحراف کیا۔ سلطانہ سپہ آداستہ خود ہر کوئی کو دوڑ پڑی۔ ملک اعز الدین موقعہ کی نزاکت دیکھ کر اخلاص سے پیش آیا اور ہتھیار ڈال دیئے۔ سلطانہ نے ولایت ملتان جو ملک قرانش کے سپرد تھی اسے بھی اس کو تفویض کیا۔ وہاں سے مراجعت کر کے ملک التونیہ حاکم بھٹنڈہ جو ترکمان چہلگانی سے تھا۔ اس نے یاقوت کی وجہ سے بغاوت کا نشان بلند کیا۔ سلطانہ رضیہ بے شمار فوج لے کر بھٹنڈہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ اثناءِ راہ میں امرائے ترک بگڑ بٹھکے اور رضیہ تاب مقابلہ نہ لاسکی۔ شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ رضیہ کا منہ لگا غلام جمال الدین یاقوت حبشی گرفتار ہو گیا اور قتل کر دیا گیا۔ تاریخ مبارک شاہی میں ہے :-

جمال الدین یاقوت حبشی را بشند عجب

عنایافت دولت ز پیر منش چو داغ سیاہ دید بردا منش
اور سلطانہ بھی قید کر دی اور قلعہ بھٹنڈہ میں رکھی گئی۔ دہلی پہنچ کر معز الدین بہرام شاہ بن شمس الدین التمش تخت شاہی پر بٹھایا گیا۔

رضیہ سلطانہ نے ملک التونیہ حاکم بھٹنڈہ اسے عقد کر لیا۔ ہر دو نے کچھ عرصہ بعد فوج جمع کر کے دہلی کی طرف مراجعت کی۔ معز الدین بہرام شاہ نے اپنے بہنوئی ملک اعز الدین بلبن کو رضیہ کے مقابل بھیجا۔ یہ کچھ ایسی پڑ مردہ ہو چکی تھی۔ ہر دو لشکر مقابل ہوئے۔ ابھی دو دو ہاتھ بھی نہ ہوئے پاسے تھے کہ التونیہ کے لوگوں نے دغا کی۔ سلطانہ کو اس موقعہ پر بھی شکست فاش اٹھانا پڑی۔ آخر شہر جان بچا کر بھٹنڈہ پر اس نے تازہ دم فوج لے کر بھاٹی پر حملہ کیا۔ بہنوئی آڑے آیا۔ ہر دو بیچ الاول ۶۳ھ میں کیتھل کے میدان میں رضیہ کی فوج نے منہ کی کھائی۔ میاں بیوی فوج سے جدا ہو گئے اور روپوشی اختیار کی۔

ابن بطوطہ کا بیان

واقعہ شہادت | ابن بطوطہ رضیہ کے قتل کا واقعہ یوں بیان کرتا ہے :-

”جب رضیہ بیگم شکست کھا کر بھاگی تو بھوک کے مارے نہایت خستہ حال تھی۔ اس نے ایک کسان کو کھیتی کرتے دیکھا اُس نے کھانے کو مانگا۔ اس نے اُسے دوٹی کا ٹکڑا دیا وہ کھا کر سو رہی۔ مردانہ لباس پہنے ہوئے تھی۔ جب کسان نے اسے سوتے ہوئے دیکھا اور اس کے کپڑوں کے نیچے ایک قبا مرصع نظر آئی تو اس کو معلوم ہوا کہ یہ عورت ہے، اس کو قتل کیا۔ اس کا لباس اتارا، گھوڑا لے لیا اور رکھیت میں اُس کو دبا دیا۔ اس کے بعض کپڑے لے کر بازار بیچنے لے گیا۔ اہل بازار اس لباس کو اس کی شان کے خلاف دیکھ کر خریدنے سے انکار کرنے لگے اور کو تو ال کو خبر کر دی۔ اس نے اس کو مارا پٹیا تو اُس نے رضیہ کے قتل کا اقرار کر لیا اور اس کے مدفن پر لے گیا۔ انہوں نے لاش نکال کر غسل دیا۔ کفن پہنایا اور دفن کیا۔ مدفن پر گنبد بنایا۔ لوگ آج تک اس کی قبر کی زیارت کرتے ہیں اور اُس کو متبرک جانتے ہیں۔ وہ جہنما کے کنا سے پرشہر سے ایک فرسنگ کے فاصلہ پر ہے۔ تاریخ مبارک شاہی میں ہے :-

”سلطانہ رضیہ التونیہ بدست ہندوان گرفتار شدند ہر دو شہید کنند۔

شہادت سلطانہ رضیہ روز شنبہ بسنت پنجم ماہ ربیع الآخر ثمان وثلاثین وثلاثمۃ بود“

بعض مؤرخین نے اراکین سلطنت کی بغاوت کی بنا جیسی غلام رضیہ کا چہین کو قرار دیا ہے۔ وہ رضیہ کی کمر میں ہاتھ دے کر گھوڑے پر سوار کرتا تھا۔ یہی امر تھا جس نے اراکین کو مجبور کیا کہ وہ رضیہ سلطانہ کو تخت سلطنت سے علیحدہ کر دیں۔

مؤرخین نے اس معاملہ کو صاف نہیں کیا۔ گول مول لکھ گئے۔ الفنسٹن بھی یہی رائے لکھتا ہے۔ لیکن رضیہ سلطانہ جیسی مدبر و شجاع محض وہم و گمان سے بدنام ہو کر معزوں نہیں ہو سکتی تھی۔ یہی امر اُسے سلطنت کا غیرت کھانا ایک فرضی بہانہ تھا۔ کہاں ایک مسلمان عورت خصوصاً شہزادی بلا برقعہ نامحرموں کے مجمع میں آکر

اجلاس کرتی اور شریعت کی پرواہ نہ کرتی، اس سے بیعت کی جاتی ہے اور اسلامی ممبروں پر اسے امیر المومنین بیان کیا جاتا ہے۔ اس وقت کسی کو اسلامی غیرت نہ آتی اور کسی نے خروج و عزل کا ارادہ نہ کیا۔ اگر کیا یا اس کی خلاف شروع بے پردگی نے امراء کو نفرت دلائی تو یا قوت کا واقعہ ابتدائی نفرت کا باعث نہیں ہو سکتا۔ یہ ضرور ہے کہ عوام کے بھڑکانے کے لئے بات کا متنگڑ بنا دیا گیا ہو۔ گھوڑے پر سوار کرانے سے بدگمانی حماقت پر دال ہے۔

کوئی شہادت اس عہد کی تاریخ میں اس کے چال چلن کے متعلق نہیں نظر آتی۔ مؤرخین نے صراحتاً نہ سہی کنا بیٹہ بھی کہیں ذکر نہیں کیا۔ باوجودیکہ اُس کے بھائیوں کی بدچلنی شراب غوری کا تذکرہ فصاحت سے کر گئے ہیں۔ اگر رضیہ بیگم بدچلن ہوتی تو مورخ کبھی اس کو نظر انداز نہ کرتے۔ کھلے الفاظ میں لکھ جاتے۔ لہذا صاف ظاہر ہے کہ رضیہ سلطانہ پاک دامن خاتون تھی اور قابلِ احترام تھی۔

رضیہ سلطانہ کی معزولی کا سبب | رضیہ نسل کے اعتبار سے ترک تھی۔ اس کے باپ کے زبردست اور

طاقتور اراکین بھی ترک تھے۔ جس میں چہل گامی غلام ترک زیادہ قابو یافتہ تھے۔ رکن الدین کو معزول کرانے والے بھی یہی تھے۔ شاہ ترکان کا فیصلہ ان ہی لوگوں کی حمایت سے ہوا۔ محمد غوری کے بعد قطب الدین اور اس کے بعد التمش ترک غلام تخت نشین ہوئے۔ مودوثی سلطنت کا سکہ ہندوستان میں نہ بیٹھ سکا تھا۔ ہر ایک طاقتور ترک سردار اپنے آپ کو مستحق تخت خیال کرتا تھا۔ اپنے ذاتی جاہ و جلال کے خیال سے عورت کی محکومی پسند نہ تھی۔ کسی مرد کو اس کی جگہ دیکھنے کے متمنی تھے۔ واقعات ایسے ہوئے کہ باغی ناکامیاب رہے۔ رضیہ نے اپنی عقلمندی سے جس نے سر اٹھایا اس کا سر نیچا کر دیا۔ ملک اعز الدین کبیر خانی کو لاہور تک دیدیا۔ ملتان کا علاقہ بھی دیا گیا۔ مگر لڑکوں کو خوش رکھنا رضیہ کی طاقت سے باہر ہو گیا۔ اس کے بعد واقعات اس کا ساتھ نہ دے سکے۔

ملاعصامی (عبدالملک) فتوح السلاطین محمود غزنوی سے محمد تغلق کے عہد تک کی ملکی فتوحات کی رزمیہ منظوم تاریخ ہے۔ مگر بعض جگہ تحقیقات میں کوتاہی کر جاتا ہے۔ اپنے بزرگوں کے حالات میں مبالغہ سے کام لیا ہے جس کا تاریخی ثبوت نہیں ملتا۔ رضیہ سلطانہ کے ذکر میں نانہریا باتیں لکھیں جن کا منہاج سراج کی تاریخ اور تاریخ مبارک شاہی میں ذکر تک نہیں۔ یا قوت حبشی کا افسانہ اس طرح لکھتا ہے :-

شدید غلامی ز جنس حبش	بدے در سوادہی بہر مرکیش
گرفتے بیک دست بازوئے او	بدادے سوارش بے گفت گو
بداں مرد شاہ جہان را غلام	شمش کردہ بودہ است یا قوت نام
امیر آفرش شاہ و شہزادہ بود	بفرمان رضیہ رضا دادہ بود

بعد کے مورخین نے بلا تحقیق کے اس خرافات میں رنگ آمیزی کی ہے۔
مزار رضیہ سلطانہ | سرسید نے آثار الصنادید میں لکھا۔ رحیمی بھی کی قبر
 اور حقیقت رضیہ سلطانہ کی ہے۔ یہ قطب مینار سے
 گیارہ میل دور جگہ پر ہے۔ بلبلی خانہ ترکمان دروازہ خواتین کا مصنف لکھتا ہے:

دہلی کے محلہ بلبلی خانہ میں منشی شبیر علی خاں اور جناب مولوی
 رشید الدین خاں کے مکانات کے سنگین احاطہ میں یہ مزار ہے۔ اس
 احاطہ میں دو قبریں ہیں۔ ایک رضیہ سلطانہ کی اور دوسری سبیلہ بیگم کی۔
 عوام الناس اس کو رحیمی بھی کی درگاہ بھی لکھتے ہیں۔ مکان بالکل ٹوٹ
 پھوٹ گئے ہیں اور قبروں کے تعویذ بھی دستبرد زمانہ سے ثابت
 نہیں۔ ضرورت ہے کہ نئے کتبے لگ جائیں اور ان کی حفاظت
 کا انتظام ہو جائے۔“

خلق | رضیہ سلطانہ بڑی خلیق اور متواضع خاتون تھی۔ جہاں ایک طرف بہادر
 اور شجاع تھی وہاں دوسری طرف غرباء کی دستگیری، ستم رسیدہ لوگوں

علمی مناظرہ | سلطانہ کو علمی مناظرہ سے بڑا شوق تھا۔ امورِ مملکت سے فارغ ہو کر درمادی علماء کو جمع کرتی۔ ان کی علمی بحثیں سنتی۔

مذہب | رضیہ سلطانہ حنفی مذہب رکھتی تھی۔ علمائے احناف اس کے دربار کے رکن تھے۔ بڑی پابند صوم و صلوة تھی۔ صوفیاء کی آغوش میں نشوونما ہوئی تھی اور اورواد و وظائف میں غلو رکھتی تھی۔

ملحد قرامطہ کا استیصال | طبقاتِ ناصری میں ہے۔
”سلطنتِ ارضہ کہ او اٹا

عظیم رونما ہوا۔ ترکوں کے اغوا سے قرامطہ کا ایک گروہ اطرافِ ہندو گجرات، سندھ اور دو آبہ گنگا و جہنا وغیرہ سے اکبر دہلی میں جمع ہو گیا۔ انہوں نے ترکوں کے اغوا سے اہل اسلام پر حملہ کا ارادہ کیا۔ اس کے سرِداد نے علماء اہل سنت کو نا جسی اور خادجی کہنا شروع کیا اور عوام الناس کو علماء احناف اور رضیہ سلطانہ پر برا لگیختہ کرتا۔

آخر قمری ماہ دجیب ۱۲۴۰ بروز جمعہ ایک ہزار آدمی شمشیر و خنجر و تبر لیکر جامع مسجد دہلی پر چڑھ آئے اور مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ سلطانہ کے مبارز نصیر الدین اور ناصر بھٹیاد لگاتے جوشن بہن کہ خود سر پر رکھ کر نیزہ و سپر ہاتھ میں لے کر معہ سواروں کے آئے اور ملاحدہ و قرا ملہ کو قتل کرنا شروع کیا۔ ایک قرا ملہ کو زندہ نہ لکھا۔ گولہ دین کے ہاتھوں چند ہزار مسلمان بگیناہ شہید

ہوئے مگر اس ظالم گروہ میں سے ایک بھی نہ بچا۔

۲۷۸ھ میں عہدِ خلیفہ معتمد میں سوادِ کوفہ میں ایک خورتانی
احوالِ قرامطہ | داخل ہوا۔ زاہد اور مرتاض صورت اختیار کئے ہوئے تھا۔

اس کے لوگ مرید ہو گئے۔ روز بروز تعداد بڑھتی گئی۔ سادات کی مسلسل سعی نے
 جو شروع زمانہ خلافت سے کسی نہ کسی رنگ میں چلی آتی تھی۔ بنو فاطمہ کی
 خلافت کے حامی بکثرت پیدا کر دیئے تھے۔ کثرتِ فتن اور مظالم سے مسلمانوں نے
 مہدی کے ظہور کو اپنی مخلصی کا امید گاہ بنا رکھا تھا۔ جو شخص ان خیالات کی حمایت
 میں اُٹھتا لوگ خواہ مخواہ اس کی طرف جھک پڑتے تھے۔ یہی تسخیرِ مسلمین کا عمل ابن
 زاہدہ نے جو قرامطہ کے نام سے مشہور ہوا اختیار کیا۔ شیعوں نے اس کی حمایت
 کی۔ لاکھوں مرید ہو گئے۔ عراق، شام میں کثرت سے فدا ثی ہو گئے۔ اپنی وفات
 پر اس نے سجادہ میں ابوالقاسم یحییٰ کو جانشین مقرر کیا۔ اس نے اعلان کیا مہدی
 کا ظہور قریب ہے۔ ابوسعید خیالی بھی اس کا ہم خیال ہو گیا۔

ان لوگوں نے علماء سنن کو قتل کرنا شروع کیا۔ خلیفہ معتمد عباسی نے
 انہیں بہت کچھ کچلا۔ مگر دن بدن یہ فرقہ ترقی کرتا رہا۔ جب بنی عباس نے
 زیادہ ان کی مدارات کی۔ اکثر ہندوستان چلے آئے اور دہریت اور لمحدانہ
 خیالات کی اشاعت کرنے لگے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء اور ائمہ میں
 حلول کرتا رہتا ہے۔ مرتد اور کافر کے درجے پر یہ لوگ تھے۔ حسن بن صباح ان
 کا بڑا شیخ تھا۔ ہلاکو خاں نے پائمال کیا اور ان کا پھر خاتمہ ہی ہو گیا۔

۳۷۸ھ میں علماء اور ذی علم بزرگانِ دین کی مسلمان بادشاہوں
علماء کی منزلت | کے دربار میں جو قدر و منزلت ہوتی تھی وہ دوسری

قوموں کی تاریخ اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ ایک دن کسی ضرورت سے
 رصنیہ سلطانہ نے مولانا نور الدین محمد عوفی کو طلب کیا۔ یہ اپنے زمانے کے علامہ دہر
 تھے۔ جب خواجہ سرا مولانا کے پاس پیغام لے کر پہنچا۔ مولانا مسجد میں بیٹھے ہوئے

درس حدیث و تفسیر دے رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ سلطانہ سے کہہ دو میں اللہ کے گھر میں طلباء کو علوم دینی کا درس دے رہا ہوں۔ یہ مجلس اللہ کی خوشنودی کے لئے ہے۔ کیا اس کو چھوڑ کر دربار رضیہ میں حاضری دینی ضروری ہے؟ خواجہ سرا نے اکر یہی کہا۔ رضیہ شفیقہ ہی اور خواجہ سرا سے کہا جب مولانا درس سے فارغ ہوں اس وقت ان کو تکلیف دینا۔

چنانچہ دو گھنٹے بعد مولانا درس ختم کر چکے تو خواجہ سرا کے ساتھ آئے۔ رضیہ اسی طرح منتظر بیٹھی ہوئی تھی جس وقت مولانا سامنے آئے تو وہ بہت ضعیف ہو چکے تھے، بمشکل آئے تھے۔ رضیہ آپ کو دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور مولانا کو صدر میں بٹھایا اور بڑی لجاجت سے کہا مجھ کو شرعی امور میں مشورہ کرنا تھا۔ اس لئے حضور کو تکلیف دی گئی اور کہا حضور! قرامطہ نے بہت زور اٹھا رکھا ہے۔ ان کے استیصال کے بارے میں کیا حکم ہے؟

مولانا نے فرمایا۔ سلطانہ! یہ لوگ مرتد ہیں اس بناء پر واجب القتل ہیں۔ چنانچہ تحقیق مسئلہ کے بعد بعزت و احترام تمام مولانا کو رخصت کیا اور خود دور تک پہنچانے آئی۔

خواجہ بختیار کاکلی کی خدمت میں حاضری | **التمش کے ساتھ حضرت**

خدمت میں رضیہ حاضر ہوئی۔ حضرت خواجہ سرا نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعاؤں برکت دی اور فرمایا۔ یہ دختر مردوں پر بھاری ہے۔ چنانچہ رضیہ کا معمول تھا کہ حضرت خواجہ کو سلام کرنے عموماً جایا کرتی اور اولیاء کی خدمت کرتی رہتی۔

مجلس قضاة | **قاضی سعید الدین کردی۔ قاضی نصیر الدین کاسالیس۔ قاضی جلال الدین، قاضی کبیر الدین شکر اس کے دربار کے قضاة تھے۔**

سلطانہ رضیہ نے قضاة کی ایک کونسل بنائی تھی۔ تمام احکامات ان کے مشورے سے طے ہوتے۔ پھر حکم عام دیتی تھی۔ یہ چاروں قاضی باپ کے زمانے

سے چلے آ رہے تھے۔

علمی ترقی | سلطانہ نے تمام قلمرو میں تعلیم پھیلانے کے لئے مدرسے جاری کئے۔
مدرسہ ناصرہ کو ترقی دی۔ اس کے عہد میں قاضی شمس الدین،
قاضی جلال الدین کاشانی شیخ محمد ساوجی، مولانا نور الدین محمد عوفی صاحب کتاب
جامع الحکایت اس کی مجلس علمی کے رکن تھے۔

اس کے عہد کے صوفیاء | التمش کے زمانے میں صوفیاء کی گرم بازاری
تھی۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی
کا ڈنکا بج رہا تھا۔ آپ کے خلفاء تمام اقطاع ہند میں اشاعت اسلام کر رہے
تھے۔ رضیہ سلطانہ نے تخت نشین ہوتے ہی سرکاری خزانہ سے خلفائے خواجہ
کو مالی امداد دی۔ وہ جگہ جگہ تبلیغی خانقاہیں قائم کرتے اور صبح و شام لنگر جاری
رہتا۔ ہر قوم و ملت کے لوگ لنگر سے فائدہ اٹھاتے۔ یہی چیز غیر مسلموں کو مائل
کرنے کا سبب ہوئی۔ ادنیٰ اعلیٰ سب ایک جگہ کھانا کھاتے۔ مساوات کا پورا
مظاہرہ یہاں ہوتا تھا۔ غریب سے غریب کو عزت سے بٹھایا جاتا۔ رضیہ سلطانہ کی
طرف سے تبلیغ اسلام کے لئے ان خلفاء کی خاموش طریق پر امداد ہوتی۔

محکمہ احتساب | رضیہ کے عہد میں محکمہ احتساب کا بڑا زور تھا۔ کوئی مسلمان
اے نمازی نہیں رہ سکتا تھا۔ ورنہ دُڑے سے خبر لی جاتی۔
تمام مساجد آباد تھیں۔ زکوٰۃ کا دوپہ سچاڑے سے وصول کیا جاتا اور خزانہ شاہی
میں جمع ہوتا اور شرعی طریق پر اس کا مصرف کیا جاتا۔ رضیہ کے ارد گرد
ترکوں اور قلماقیوں کے سوا ہندوستانی عورتیں بھی رہتیں۔ رضیہ کے حسن
اخلاق سے ایسی گرویدہ ہو جاتیں کہ وہ رضیہ کا دم بھرتیں اور اپنے قدیم مذہب
کو بھی خیر باد کہہ دیتیں۔

رضیہ سلطانہ کے حقوڑے ہی عہد حکومت میں بقول بختیار خاں عالمگیری
اسلام کو بڑا فروغ ہوا۔

عدل و انصاف | التمسش کی گھنٹی کا ذکر تاریخ کے صفحات پر موجود ہے۔ مگر بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ رضیہ سلطانہ کے دربار میں مظلوموں اور داد رسی چاہنے والوں کی فریاد سننے کا سلسلہ جاری تھا۔ بالخصوص مظلوم عورتوں کی داد رسی کا شعبہ ایک خاتون کے سپرد تھا۔ ابوالبقا سہارنپوری شکرگت نامہ میں لکھتا ہے :-

”قرہ خانم رضیہ سلطانہ کی مصاحبہ خاص تھی۔ اس کا کام یہ تھا کہ وہ غریب عورتوں کی فریادیں ضبط تحریر میں لاتی تھی اور شب کو رضیہ کی خدمت میں درخواستیں پیش ہوتیں۔ وہ فرصت کے پہلے وقت میں درخواستیں پڑھ کر احکام صادر کرتی۔ رضیہ عدل و انصاف میں باپ سے سبقت لے گئی تھی“

رواداری | جمنائپر ہندو وانی تہواروں پر اشران ہوتے رہتے تھے اور کنارے پر جو مندرتھے ان میں ناقوس اور گھنٹے بڑے زور سے شور سے تہوار والے دن بجائے جاتے۔ لوگوں نے رضیہ سلطانہ سے شکایت کی اور کہا حضور کے والد نے مہاکال کا مندر منہدم کر دیا۔ آپ بھی جمنائپر کے شوالے مساد کرادیجئے اور ثواب کمائیے۔

رضیہ سنتی رہی اور اس نے ارادہ کیا کہ ایسا ہی کیا جائے۔ قاضی سعد الدین کر دی کو علم ہوا۔ اس نے سلطانہ سے کہا۔ آپ یہ کیا کرتی ہیں؟ آپ کے والد نے جو کچھ کیا اچھا کیا۔ میں نہ تھا جو مشورہ دیتا۔ سلطانہ! شاکیوں سے معلوم کرو یہ سلسلہ اشران کب سے ہے؟ چنانچہ وہ لوگ بلائے گئے۔ پوچھا گیا۔ تو انہوں نے کہا۔ یہاں رضیہ کے پہلے بھی اسلامی حکومت تھی۔ پہلے بادشاہ کیوں مزاحم نہ ہوئے؟ انہوں نے اس رسم کو کیوں نہ بند کیا؟ رضیہ بولی ان کو توفیق نہیں ہوئی۔ قاضی کر دی نے کہا۔

”

قدیم الایام سے جو رسوم قوموں میں رائج ہیں ان کے موقوف کرنے کا حق کسی کو نہیں پہنچتا۔ التمش نے مہاکال کا مندر ڈھایا۔ وہ مندر زنا کاری کا اڈہ بنا ہوا تھا۔ اس کے پجاری نوجوان عورتوں کو جو پوجا کرنے آتیں ان کے ساتھ افعال شنیعہ کے مرتکب ہوتے۔ وہاں کے برہمن نے بادشاہ سے کہہ کر مندر کو سہارا کر لیا۔ اسے رضیہ سلطان صاحبہ کرام نے ایران فتح کیا وہاں مذہب زرتشتی تھا جگہ جگہ آتش کدے روشن تھے۔ انہوں نے باوجود صاحب اقتدار ہونے کے آتشکدوں کو نہیں ڈھایا اور نہ زرتشتیوں کو ان کے حق سے محروم کیا جو ان کو اپنے ملک میں حاصل تھے۔ حتیٰ کہ ان کو یہ کہہ کر اہل کتاب کے مساوی سمجھا گیا کہ وہ شنیعہ اہل کتاب ہیں۔ یعنی اہل کتاب کے ساتھ ہیں۔ یہی سلوک محمد بن قاسم نے سندھ اور ملتان فتح کر کے ان باشندگان کے ساتھ کیا جو تمام تر ہندو تھے۔ ان کے مندر باقی رہے۔ ان کے رسم و رواج جاری رہے۔ تم کیا ان سے بڑھ کر ہو جو دنیا قدم اٹھا رہی ہو۔“

رضیہ سلطانہ نے قاضی کردی کے آگے سر تسلیم خم کیا۔ اپنے احکامات واپس لے کر اشران اور پوجا پاٹ میں حکم دیا کوئی مزاحم نہ ہو۔

علمی ترقی | التمش کے عہد میں عجبی حضرات اہل علم آگئے تھے۔ بادشاہ کی قدر دانی سے تصنیف و تالیف میں لگ گئے۔ التمش کے عہد میں ”آداب الحرب والشجاعہ“ لکھی گئی جو اس عہد کے حربی معاملات کے لئے ایک بیش قیمت ماخذ ہے۔ محمد عوفی نے التمش کے دربار کے لئے اپنی کتاب جامع الحکایات ولوامع البرویا لکھی۔ بادشاہ نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور بھی کتابیں لکھی گئیں جن کا ذکر تاریخ میں آتا ہے۔ یہ لوگ رضیہ کے عہد میں اپنے انہی مشاغل میں لگے ہوئے تھے۔ اور انہیں علمی کاموں کی تکمیل کرنے کا موقعہ رضیہ کے عہد میں نصیب ہوا۔

مجلس علماء | ہر جمعہ کو علماء کی مجلس منعقد ہوا کرتی۔ باری بادی سے علماء وقضاہ کو میر محفل کہا جاتا۔ خود ایک طرف مؤدب ہو کر

بیٹھتی۔ اس کی مجلس میں عموماً دینی مسائل پر گفتگو رہتی۔

ایک دن مولانا شمس الدین نے صوفیاء کے احوال اور سماع پر کلام کیا۔ یہ بھی سنتی رہی۔ قاضی نصیر الدین کا سالیس محبت یافتہ قاضی حمید الدین ناگوری کے تھے۔ وہ جواب دیتے رہے۔ قاضی نصیر الدین نے قصیدہ بردہ خوش الحانی سے پڑھا۔ تمام مجلس بے حال ہو گئی۔ دوتے دوتے ہچکیاں بندھ گئیں اور قاضی شمس الدین تو مجلس میں لوٹنے لگے۔ جب سکون ہوا تو قاضی نصیر الدین نے کہا۔ سماع پر جو آپ لوگ معترض ہوئے ہو، صرف ظاہر باتوں پر رائے قائم کرتے ہو مولانا شمس الدین نے کہا۔ قاضی آپ خود ایسے اسلامی عہدے پر ممتاز ہو جہاں شریعت کے صحیح حال ہوتے ہوئے اس کے ساتھ آج معلوم ہوا آپ طریقت کے بھی پیشوا ہیں۔ آخر شمس الدین کی طرف سے بعد تواضع فواکھات، مجلس برخاست ہوئی۔

مقبرہ التمش | انوار حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کا دہلی کنہ مہرولی میں ہے۔ یہیں التمش کا مقبرہ ہے۔ رضیہ سلطانہ نے منوایا ہے۔ اس مقبرہ کی تمام عمارت اندر اور باہر سے سنگ خارا کی ہے اور اندر کھلی کھلی سنگ سرخ اور سنگ مرمر بھی لگا ہے۔ تمام دیواروں پر آیات قرآن کندہ ہیں اور بہت اچھی منبت کاری کی ہوئی ہے۔ مقبرہ میں ستون دار گنبد تھے۔ مگر عرصہ ہوا کہ گر پڑے ہیں صرف چہار دیواری باقی ہے۔ فیروز شاہ نے اس مقبرہ کی مرمت کرائی تھی۔ اور صندل کا چھپر کھٹ چڑھایا تھا۔ مگر اب یہ آثار باقی نہیں رہے۔



سلطان معز الدین بہرام شاہ بن التمش

۲۴ اکتوبر ۱۲۴۰ء تا ۱۰ مئی ۱۲۴۲ء

سلطان بہرام شاہ کے ۲۴ رمضان ۶۳۸ھ کو مراسم تخت نشینی ادا ہوئے۔ مگر امرائے سلطنت اس سے خوش نہ تھے۔ سازشیں کرنے لگے۔ اولاً اس کے وزیر سنقار نے اس کو قتل کرنا چاہا۔ سلطان کو علم ہو گیا وہ سنقار دینا چاہتا تھا کہ امرائے چہلگانی کی سفارش سے سنقار کو بدایوں کا گورنر کر دیا گیا مگر پھر وہ بلا اجازت دہلی آیا اور قتل ہوا۔ بہرام شاہ نے ایوب درویش کے کہنے سے قاضی شمس الدین فقیہ کو قتل کر دیا۔ ان وجوہ سے امرائے چہلگان شمس اس سے بیزار ہو گئے۔ وزیر خواجہ مہذب الدین بھی بہرام شاہ کا دشمن ہو گیا۔ اور سردارین فوج کو ملا کر قلعہ کا محاصرہ کر دیا۔ بادشاہ نے قاضی منہاج الدین مصنف طبقات ناصری کو جو دہلی کے قاضی القضاۃ تھے باغیوں کو سمجھانے کے لئے بھیجا مگر وہ باز نہ آئے۔ بالآخر ساڑھے تین ماہ کے محاصرہ کے بعد بہرام شاہ گرفتار کر لیا گیا اور پانچ یوم بعد ۱۵ مئی ۱۲۴۲ء کو قتل کر دیا گیا۔

علاء الدین مسعود شاہ

۶۳۹-۶۴۴ھ ۱۲۴۱-۱۲۴۶ء

بہرام شاہ کے قتل کے بعد ہی جماعت امرائیں سے ایک نے عز الدین بلبن کو جو التمش کا داماد تھا بادشاہ مقرر کیا۔ لیکن دن ختم ہونے سے پہلے دوسری جماعت نے جس پر بعد کو اکثر اتفاق ہو گیا تھا، علاء الدین مسعود (رکن الدین فیروز کے بیٹے) کو دارالقضاۃ

میں تخت نشین کیا۔ وزیر مہذب الدین نے امراء ترک کے ہاتھوں سے تمام کام نکال لئے تھے۔ اس لئے انہوں نے اُسے قتل کر دیا۔ منہاج سراج مصنف طبقات ناصری نے عہدہ قضاۃ سے استعفیٰ دیا اور رجب کو طوفانِ خاں والی بنگال کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوا۔ لکھنؤ میں یہ دو سال تک رہا۔ انہی دو سال کے عرصے میں مسعود شاہ نے توسیع سلطنت کی طرف توجہ کی اور اپنے دونوں چچا جلال الدین اور ناصر الدین کو قید سے آزاد کر کے فوج و ہراچ میں ان کی جاگیر مقرر کی گئی۔

شوال ۱۲۴۲ھ میں راجہ جاج نگر نے لکھنؤ پر حملہ کیا اور غرہ ذیقعدہ میں شہنشاہ قیصر سلطان علاء الدین کے حکم سے فوج لے کر لکھنؤ پہنچا۔ جب وہیں لکھنؤ کا فوجدار تسلیم کیا گیا۔ اسی سال غیاث الدین لمبن ابیر راجہ جب مقرر کیا گیا اس وقت یہ رخ خاں کے نام سے مشہور تھا۔

۱۲۴۲ھ میں منہاج سراج دہلی واپس آیا اور اپنے سابقہ عہدہ پر بحال ہوا۔ جب ۱۲۴۲ھ میں مغلوں نے منگو خاں کی سرکردگی میں اوچھ پر حملہ کیا مسعود شاہ خود مقابلہ کے لئے روانہ ہوا لیکن محل اس کے پہنچنے سے قبل واپس چلے گئے۔

۱۲۴۲ھ مسعود شاہ کی محبت میں چند نا اہل لوگوں کو درخورد حاصل ہو گیا اور اس نے جمہور، عیش و عشرت، لہو و لعب میں اپنے اوقات صرف کرنے شروع کئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں بلامنی کے آثار نظر آنے لگے تو امراء نے مجبور ہو کر اس کے چچا ناصر الدین کو بلایا اور تاریخ ۲۲ محرم اُسے قید کر کے ناصر الدین کو تخت نشین کر دیا۔

۶

اس واقعہ کے متعلق مؤرخین نے سخت غلطی کی ہے۔ فرشتہ نظام الدین احمد بلا علی القادر اور دیگر مؤرخین نے بیان کیا کہ ۱۲۴۲ھ میں مغلوں نے لکھنؤ پر حملہ کیا۔ طبقات اکبری میں ہے کہ وہ بت کی راہ لکھنؤ پہنچے۔ الفسٹن نے بھی یہی غلطی کی مگر ڈورڈ ماس نے یہ غلطی نہیں کی۔ جاجنگر طبقات ناصری میں چنگیز خاں بن گیا۔

ناصر الدین محمود شاہ

۶۶۴ - ۶۶۵ھ تا ۱۲۴۶ - ۱۲۴۵ء

مسعود شاہ کے بعد اسرار الدین محمود بن شمس الدین تخت نشین ہوا جو ترکی خاندان میں خاص امتیاز رکھتا ہے۔ یہ التمش کا سب سے چھوٹا لڑکا تھا اور اس کی تعلیم و تربیت میں حد درجہ کوشش کی گئی تھی۔ سلطان مسعود شاہ کے عہد میں ہراچھ کا والی تھا۔ اس کے واقعات عدل و رعیت پروری تمام ملک میں مشہور تھے۔ چنانچہ مسعود شاہ کے انتقال پر تمام امراء و اعیان نے قہر سفید میں تخت شاہی پر اس کو متمکن کیا اور شعراء نے قصائد تہنیت پیش کر کے بیش بہا انعامات حاصل کیا۔ منہاج سراج نے اپنی مشہور تاریخ کو اس بادشاہ کے نام سے منسوب کر کے اس کا نام طبقاتِ ناصری رکھا اور اس کے حالات حکومت پندرہ سال یعنی ۶۵۸ھ تک نہایت تفصیل کے ساتھ لکھے۔

ناصر الدین علاوہ عادل و شجاع ہونے کے حد درجہ عابد و متاوض تھا اور خزانہ شاہی سے ایک پیسہ بھی اپنے اوپر صرف نہ کرتا تھا اور صرف کلامِ محمدی اپنا نفقہ حاصل کرتا تھا۔

ابن بطوطہ مشہور سیاح نے ناصر الدین کے ہاتھ کا لہھا ہوا قرآن مجید خود دیکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

”قاضی کمال الدین نے مجھے ایک نسخہ بادشاہ کے ہاتھ کا لکھی نہایت خوش خط تھا“

شیراز صفحہ ۱۰۰، ۱۰۱ - سیف

فرشتہ لکھتا ہے :-

”وہ ہر سال دو مصحف کی کتابت کرتا۔ ایک بار اس کا قلمی مصحف کسی امیر نے زیادہ قیمت دے کر خرید لیا۔ سلطان کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو اسے ناگوار ہوا اور آئندہ کے لئے حکم دیا کہ میرے ہاتھ کا لکھا ہوا کلام مجید خفیہ طور سے بازار کی معمولی قیمت پر فروخت کیا جائے“

سلطان ناصر الدین صرف ایک ”منکوحہ“ بی بی رکھتا تھا اور کوئی خادمہ وغیرہ نہ تھی۔ ایک دن بی بی نے شکایت کی کہ میرے ہاتھ روٹی پکاتے پکاتے جلے جاتے ہیں۔ اگر کوئی کینز لے لی جائے تو کیا حرج ہے۔ سلطان نے جواب دیا :-

”ہر بیت المال ہنگام خدا کا حق ہے۔ میں اس میں سے کچھ صرف نہیں کر سکتا۔ ورنہ کوئی کینز مہیا کر دیتا“ ۱

ناصر الدین دوسرے کے جذبات کا بہت لحاظ کرتا تھا اور کبھی کسی کو تکلیف پہنچانا یا مایوس کرنا پسند نہ کرتا تھا۔ ایک بار وہ کلام مجید کی تلاوت کر رہا تھا کہ ایک شخص اجنبی آگیا اور بولا کہ لفظ فیہ مکرر لکھا ہوا ہے۔ سلطان نے فوراً اس لفظ کے گرد قلم سے حلقہ کھینچ دیا اور اس شخص کا حال پوچھ کر رفع حاجت کر دی۔ جب وہ چلا گیا تو پھر قلم تراش سے اس حلقہ کو مٹا دیا۔ ایک غلام نے دریافت کیا کہ حلقہ کھینچنے اور پھر اس کو محو کر دینے کا کیا سبب تھا؟

بادشاہ نے جواب دیا کہ یہ شخص اپنی حاجت لے کر آیا تھا۔ اگر میں اس سے کہہ دیتا کہ لفظ فیہ غلط تحریر نہیں ہوا تو وہ نادم ہو جاتا۔ اس لئے میں نے حلقہ کھینچ دیا کہ اس کا محو کر دینا بہ نسبت غبار طالع رفع کرنے کے زیادہ آسان ہے ۲

مذہبیت | مذہب کا وہ حد درجہ احترام کرتا تھا اور عظمت نبوی کے خیال سے ہر وقت کانپتا رہتا تھا۔ اس کا ایک ندیم تھا جس کا نام محمد تھا،

۱۔ طبقات اکبری ص ۳ ۲۔ فرشتہ ص ۴۷

سلطان ناصر الدین جب اس کو بلاتا تو ہمیشہ نام لے کر پکارتا اور جو کام ہوتا کہہ دیتا۔ ایک دن تاج الدین کہہ کر آواز دی۔ ندیم آیا اور کام کر کے چلا گیا۔ جب تین دن تک حاضر نہ ہوا تو سلطان نے اس کو طلب کر کے وجہ دریافت کی۔ اس نے کہا: ”سلطان ہمیشہ میرا نام لے کر پکارتا کرتا تھا۔ اس دن خلافت معمولی تاج الدین کہہ کر آواز دی۔ میں سمجھ کہ سلطان کچھ برہم ہے۔ بمقدار و مضطرب ہو کر گھر چلا گیا۔“

سلطان نے قسم کھا کر کہا کہ ”میں تم سے مطلق و سنجیدہ نہیں ہوں، اس دن تمہارا نام نہ لینے کی وجہ یہ تھی کہ میں با وضو نہ تھا اور بغیر طہارت کامل کے لفظ محمد میں اپنی زبان سے ادا نہ کر سکتا تھا۔“

چونکہ سلطان مذہبی زندگی کی طرف زیادہ شغف رکھتا تھا اس لئے تمام امور سلطنت غیاث الدین بلبن کے ہاتھوں طے پاتے تھے اور حقیقت یہی ہے کہ ناصر الدین کی کامیابی بحیثیت فرمانروا ہونے کے صرف بلبن کی قابلیت کی ممنون تھی جس نے اپنی غیر معمولی ذہانت و فراست، شجاعت و پامردی اور نظم و نسق سے سلطان ایک اور سلطان الشمس کے عہد کو بھلا دیا۔ عہد ناصر الدین کے خاص خاص واقعات یہ ہیں :-

۶۴۳ھ میں ناصر الدین تخت نشین ہوا اور کوہستان جو دی کے لانا کے خلاف بلبن کی سرکردگی میں ایک مہم روانہ کی گئی جس نے مغلوں کا ساتھ دیا تھا۔

۶۴۴ھ میں ناصر الدین نے مملکت قنوج میں قلعہ نندنا (تلسندا، تلندا) کو فتح کیا۔ اور بلبن نے لانا ملک کو مغلوب کیا اور چھروفوں فوجیں کٹرہ کی طرف بڑھیں۔

۶۴۶ھ میں بلبن نے لانا سے تنبورہ کے خلاف فوج کشی کی اور خواجہ بہاء الدین ایک اس جنگ میں شہید ہوا۔

۶۴۶ھ میں ناصر الدین نے اپنی بیٹی کی شادی بلبن سے کی اور الخاں اعظم کا خطاب عنایت کیا۔

۱۰ فرستہ صفحہ ۴۸۵۔

۶۴۸ھ میں عزالدین نے ملتان کا محاصرہ کیا۔ جہاں شیر خاں سنقر حاکم تھا لیکن ناکامیاب رہ کر اوجھہ واپس آیا۔

۶۴۹ھ میں عزالدین نے ناگور میں بغاوت کی۔ لیکن ناصر الدین کے پہنچنے پر اس نے اطاعت اختیار کی۔ بادشاہ مالوہ کی طرف گیا۔ راجہ ناہر دیو کوشکست ہوئی اور نردفج ہوا۔

۶۵۰ھ میں الخ خاں نے گوالیار پر فوج کشی کی۔ منہاج سراج کو عہدہ قضا تفویض ہوا۔ سلطان نے اوجھہ اور ملتان کے راستہ سے لاہور اور غزنی کی طرف سفر اختیار کیا اور عماد الدین ریحان نے بادشاہ کو بلبن کی طرف سے کشیدہ کر دیا۔ جس کی وجہ سے بلبن کو اپنی جاگیر اقطاع، ہانسی و کوہستان سواک کی طرف روانگی کا حکم دیا گیا۔ اس کے بعد افواج شاہی اس کے خلاف روانہ کی گئیں اور ہانسی شہزادہ رکن الدین کو دیا گیا۔

۶۵۱ھ میں بلبن نے ناگور کو اپنا مرکز قرار دیا اور ناہر دیو کے خلاف فوج کشی جاری رکھی۔ شیر خاں نے دریائے سندھ کو عبور کیا۔

۶۵۲ھ حدود پنجور (بجنور) میں بادشاہ کو بہت سامان غنیمت ہاتھ آیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر وہ بدایوں ہوتا ہوا دہلی واپس آیا۔

امراء نے بلبن کی موافقت میں بادشاہ کے رویہ کی مخالفت کی۔ جب بادشاہ کو علم ہوا تو وہ دہلی سے سرہند کی طرف چلا۔ جہاں ان سب کا اجتماع تھا لیکن جب وہ ہانسی کے قریب پہنچا تو امراء نے مذکور کھرام اور کیشیل کی طرف ہٹ گئے اور وہاں فوجی مظاہرہ کیا۔ آخر کار باہم صلح ہو گئی اور بلبن کی طرف سے بادشاہ کا دل صاف ہو گیا اور ریحان جو باعثِ فساد تھا دربار سے علیحدہ کر کے بدایوں بھیج دیا گیا۔

۶۵۳ھ میں بادشاہ اپنی ماں ملکہ جہاں سے (جو جالہ قلعہ خاں میں تھی) ناخوش ہو گیا اور دونوں کو اقطاع اودھ دیکر رخصت کر دیا۔ قلعہ خاں نے

بغاوت کی۔ لیکن الخ خاں بلبن نے اس کو پسپا کر کے کالنجری تک ہٹا دیا۔

۶۵۴ھ میں قتلخ خاں کے خلاف فوجی کارروائی جاری رہی۔

۶۵۴ھ میں عزالدین بلبن نے بغاوت کی اور سامانہ کے قریب قتلخ خاں بھی

بھی اس کا شریک ہو گیا۔ اس کے بعد یہ دونوں دہلی کی طرف بڑھے لیکن ہزیمت کھا کر واپس آئے۔

۶۵۲ھ میں بادشاہ مغلوں کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا جو ملتان تک پہنچ

گئے تھے۔ لیکن وہ بلا مقابلہ چلتے بنے اور بادشاہ واپس آیا۔

۶۵۶ھ میں خاص عسا کر سلطانی جنوب کی طرف روانہ کئے گئے۔ دارالحکومت

میں امن و سکون رہا اور حاکم لکھنوتی نے خراج روانہ کیا۔

۶۵۸ھ میں الخ خاں میواتیوں کی سرکوبی کے لئے مامور ہوا اور ہلا کو خاں

زمن کی طرف سے ایک سفارت دہلی آگئی۔

۶۶۲ھ میں ارحمادی الاول کو بادشاہ نے انتقال کیا۔

غیاث الدین بلبن

۶۶۴ - ۶۸۶ھ تا ۶۱۲۶۵ - ۶۱۲۸۷

بلبن بھی ترک تھا اور اسی سرزمین کا فرد تھا جہاں التمش پیدا ہوا تھا۔ اور
”طائفہ ابری“ اس کے قبیلہ کا نام تھا۔ اس کا باپ ایک ہزار فوج کا سردار
تھا۔ جب مغلوں نے اس حصہ ملک کو غارت کیا تو بلبن ان کے ہاتھ آ گیا۔
ایک بردہ فروش نے اس کو مول لے لیا اور بغداد میں خواجہ جمال الدین مصری

۱۰ اسلامی نگار نمبر ۲۰ فرستہ صفحہ ۷۷۔

کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ خواجہ نے مثل اولاد کے تعلیم و تربیت کی اور اسلامی اخلاق سے متصف کیا۔ پھر خواجہ اس کو سلطان شمس الدین التمش کے پاس لایا۔
ابن بطوطہ نے بیان کیا کہ جب بلبن سلطان التمش کے دو برو لایا گیا تو اس نے خریداری سے انکار کر دیا۔ کیونکہ یہ بہت پستہ قامت اور بد صورت تھا۔ بلبن نے یہ معلوم کر کے سوال کیا کہ ”جہاں پناہ اور غلام کس کے لئے خرید کئے گئے ہیں۔“ التمش نے ہنس کر جواب دیا ”اپنے لئے“ بلبن نے عرض کیا کہ تو پھر مجھے خدا کے لئے مول لے لیجئے۔ یہ سن کر التمش خوش ہوا اور اس کو مول لے کر سقہ کی خدمت سپرد کر دی۔

بلبن کی ترقی | چونکہ بلبن فطرت کی طرف سے بہترین صفات و خصائل لے کر آیا تھا اور اسلامی تعلیم خواجہ نے دی تھی۔ اس وجہ سے اس کا تقرب بڑھتا گیا۔ رضیہ کے عہد میں میر شکار ہو گیا اور سلطان بہرام شاہ نے اس کو میر آخوند بنا دیا۔ سلطان علاؤ الدین مسعود کے زمانے میں ”امیر حاجب“ ہو گیا اور سلطان ناصر الدین نے تو تمام امور سلطنت ہی اس کے سپرد کر دیئے۔ یہاں تک کہ ناصر الدین کے بعد بالاتفاق سب امراء نے اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔“

بلبن کی فرض شناسی | ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ جس زمانے میں صرف ایک سردار کی حیثیت رکھتا تھا اس وقت وہ عیش و تفریح کی طرف مائل تھا۔ بذلہ سنج، ندیم اور خوش گلو مغنی اس کی محفل میں رہتے تھے اور وہ بھی بادہ خوری، قمار بازی اور اسی طرح کے دوسرے مشاغل میں مصروف نظر آتا تھا۔ لیکن جب بادشاہ ہوا تو اس نے اپنی زندگی کا ورق ہی الٹ دیا۔ نہ کہیں محفل عیش و طرب تھی نہ بادہ خوری۔ وہ حد درجہ متین و سنجیدہ ہو گیا۔

سے فرشتہ صفحہ ۴۸۸۔

شراب خوری کو نہ خود ترک کیا بلکہ عام طور سے اس کے استعمال کی سخت ممانعت کر دی۔ نماز، روزہ کا سختی سے پابند ہو گیا۔ یہاں تک کہ اشراق و متجد کی نماز بھی وہ ترک نہ کرتا تھا۔ ہمیشہ با وضو رہتا۔ بغیر علماء و صلحاء کی صحبت کے کھانا نہ کھاتا۔ ہمیشہ ان سے مسائل شرعیہ دریافت کرتا رہتا اور مشائخ کے مکانوں پر خود حاضری دیتا۔ لوگوں کی تعزیت کرتا۔ اکابر کے جنازوں میں حاضر رہتا اور اگر راستہ میں مجلس و عظ برپا دیکھتا تو تعظیماً سواری سے اتر پڑتا اور کچھ دیر سنتا۔ یہ تھا اس کے زہد و ورع کا عالم۔“

انتظامِ سلطنت | انتظامِ سلطنت کا اُسے اس قدر خیال تھا کہ جب تک وہ پوری طرح کسی شخص کی شرافت نفس اور اہلیت کو معلوم نہ کر لیتا۔ اس وقت تک اس کو کوئی عہدہ نہ دیتا اور اگر کوئی ملازم یا حاکم صلاح و تقویٰ، دیانت و امانت سے منحرف ہو جاتا تو فوراً معزول کر دیتا۔ کبھی رذیل اور معمولی لوگوں سے بات نہ کرتا۔ کسی ہزل گو یا مسخرہ کو دربار میں آنے نہ دیتا اور ہمیشہ نہایت سنجیدہ اور معقول لوگوں کو اپنی صحبت میں رکھتا۔ وہ قہقہہ سے کبھی نہ ہنستا تھا اور نہ کسی اور کو جرأت ہوتی تھی کہ وہ اس کے سامنے ہنسنے۔

فیاضی و دریادلی | محقات طبقات ناصری مصنفہ شیخ عین الدین بیجاپوری کے حوالہ سے فرشتہ نے لکھا ہے کہ فتنہ چنگیز خانی سے بھاگ کر ترکستان، ماوراء النہر، خراسان و عراق، فارس اور روم و شام وغیرہ کے پندرہ شہزادوں نے بلبن کی سلطنت میں پناہ لی تھی۔ بلبن نے ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک محلہ الگ کر دیا تھا اور سب کے شاہانہ وظائف مقرر کر دیئے تھے۔ چونکہ اس زمانہ میں وسط ایشیا اور اس کے جوار کے تمام صاحبان کمال تاتاری فتنہ سے پریشان تھے اس لئے ان کے لئے سوائے سلطنت دہلی کے اور کوئی مامن نہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ :-

”زبدۂ دہخجہ و خلاصہ عالم از اصحاب سیف و قلم و سازندہ و خوانندہ و
ادب باب مہتر کہ در ربیع مسکون عدیل و نظیر نہ داشتند در درگاہ بلبین جمع شد
بودند و در گاہ محمودی و سنجری ترجیح می دادند“

عدل پروری | بلبین کی عدل پروری کا یہ عالم تھا کہ وہ انصاف کے معاملے
میں کسی کی رعایت نہ کرتا تھا اور نہ کسی کی سفارش کو مانتا تھا۔

اس نے اپنے لڑکوں سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اگر کبھی تمہاری طرف سے ظلم و ستم
ظاہر ہوگا تو میں بغیر مزاد بیٹے ہونے نہ چھوڑوں گا۔ جو نصیحتیں وہ اپنی اولاد کو
سناتا تھا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ کس اصول پر حکمرانی کرنا چاہتا تھا۔
اُس نے ایک بار اپنے بیٹوں سے کہا کہ ”دیکھو ایک بادشاہ کی بخت چار باتوں
پر منحصر ہے۔ ایک یہ کہ وہ خدا سے ڈر کر رعایا کے آرام و سکون کا انتظام کرے۔
دوسرے یہ کہ فسق و فجور کا ملک سے استیصال کلی کر دے۔ تیسری یہ کہ خدمات
حکومت ہمیشہ خدا ترس، امین اور شائستہ لوگوں کے سپرد کرے۔ چوتھی بات یہ کہ
ظلم و ستم نہ ہونے دے اور انصاف کرنے میں کسی کی رعایت نہ کرے۔

ایک بار ملک نعیم پسر جامدار نے جو امراء کبار میں سے تھا اور ولایت بدایوں
اس کی جاگیر میں تھی، حالتِ مستی میں ایک فراش کو اس قدر دڑے مارے کہ
وہ مر گیا۔ جب سلطان بلبین بدایوں پہنچا تو فراش کی بیوی دربارِ عام میں حاضر
ہوئی۔ سلطان بلبین نے اسی وقت سب کے سامنے ملک نعیم کو طلب کیا اور
اس قدر دڑے گواہ کئے کہ وہ بھی مر گیا اور بدایوں کے بریدوں (پرچہ نگاروں)
کو جنہوں نے اس واقعہ کی اطلاع اسے نہیں دی تھی، انہیں شہر کے
چٹانک پر سولی دے دی۔

اسی طرح ایک بار ہیبت خاں نے جو سلطان بلبین کے نہایت معتبر غلاموں

میں سے تھا اور اقطاع اودھ جاگیر میں رکھتا تھا، ایک شخص کو حالتِ مستی میں مار ڈالا۔ اس کی بیوی سلطان کے پاس فریاد لائی۔ سلطان نے ہیبیت خان کو طلب کر کے پانچ سو درے لگوائے اور عورت سے کہا:

”ہیبیت خان آج تک میرا غلام تھا۔ لیکن آج سے تو اس کی مالک ہے تجھے اختیار ہے چاہے مار ڈال چاہے معاف کر دے“

بہ مشکل تمام ہیبیت خان نے بیس ہزار تنکہ دے کر اس عورت کو راضی کیا اور نجات پائی۔

محکمہ جاسوسی | سلطان بلبن نے سلطنت کے صحیح حالات معلوم کرنے کے لئے کثرت سے جاسوس یا برید مقرر کر دیئے۔ وہ نہایت سختی سے احتساب کیا کرتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ نہ جاسوس کو ٹی غلط خبر اس تک پہنچا سکتا تھا اور نہ حکام کو جادۂ اعتدال سے ملنے کا یارا تھا۔

فوج کی تہذیب و ترتیب | بلبن نے تخت نشین ہوتے ہی تمام فوج کا جائزہ لیا اور کمان ایسے ہاتھوں میں دی جن کی وفاداری مسلم تھی۔ بلبن اپنی سلطنت میں دورہ بھی کثرت سے کیا کرتا تھا۔ اور خود انتظامی حالات کو دیکھ کر ان میں اصلاحیں کیا کرتا تھا۔ ہر چند وہ نظم و نسق کے باب میں بہت سخت تھا۔ لیکن پھر بھی وہ بہت رحم و کرم کرتا اور ضغاء کا بہت خیال رکھتا تھا۔

رحم و کرم | ایک بار بلبن کو معلوم ہوا کہ عہد شمس (شمس الدین التمش) کے بہت سے سپاہی ضعیف ہو کر بے کار ہو گئے ہیں۔ بلبن نے حکم دیا کہ جو مواضعات ان کے پاس ہیں خالصہ میں لے لئے جائیں اور ہر ایک کے لئے تین تنکہ بطور مدد و معاش کے مقرر کر دیا جائے۔ اس سے ان لوگوں میں سخت اضطراب

۱۔ تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی جلد سوم صفحہ ۱۰۱۔

پیدا ہو گیا اور سب کے سب ملک فخر الدین کو توال کے پاس روتے ہوئے آئے۔
کو توال طول و مضمحل سلطان کی خدمت میں گیا اور دریافت کرنے پر عرض کی کہ
”جہاں پناہ آپ نے ضعیفاء کو اپنے رحم و کرم سے محروم کر دیا ہے۔ اگر خدا نے
قیامت کے دن بھی اسی طرح ہم ضعیفوں کو مردود کر دیا تو ہمارا احشر کیا ہو گا؟“
یسن کہ سلطان بلبن بہت رو یا اور فرمایا کہ بیچ سابق پر سب کی معاش بحال
رکھی جائے اور آئندہ کوئی تعرض نہ کیا جائے یہ

باغیوں کی سرکوبی | سفر کے دوران میں اگر کسی پل، گھاٹ یا گزرگاہ عام پر
پہلے عورتوں، بچوں، ضعیفوں اور کمزور جانوروں کے گزر جانے کا انتظام
کریں اور پھر دوسرے لوگ عبور کریں۔

سلطان بلبن کبھی اس کو گوانہ کرتا کہ کوئی شخص اس کی سلطنت میں بغاوت
یا نقص اس کا مجرم ہو وہ مفسدوں اور باغیوں کو سخت سزائیں دیتا اور
خود فوج لے جا کر سرکوبی کرتا۔ طفل کی بغاوت، میواتیوں کی شورش، اس کے
عہد کے خاص واقعات ہیں۔ پھر بلبن نے جس طرح ان فتنوں کو فرو کیا اس
سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاست میں بھی خاص ملکہ رکھتا تھا۔

شکار کا شوق | بلبن کو شکار کا بھی بہت شوق تھا۔ دہلی کے چاروں طرف
ایسا تھا اور جاڑوں میں روزانہ صبح کو ہزاروں سواروں کی جمعیت لیکر نکل جاتا۔
اور رات کو واپس ہوتا۔ علاوہ سواروں کے ایک ہزار سپاہ پیادہ فوج کی
بھی ہوتی۔ جب ہلاکو کو بغداد میں یہ خبر معلوم ہوئی کہ سلطان بلبن شکار کا اس قدر
شائق ہے تو اس نے کہا کہ بلبن معلوم ہوتا ہے بڑا تجربہ کار اور ہوشیار بادشاہ

۱۰۸۰ء تاریخ فیروز شاہی جلد سوم ص ۱۰۸ -

ہے۔ وہ بظاہر شکار کو جاتا ہے لیکن اس سے مقصود یہ ہے کہ اس کے سپاہی اور گھوڑے محنت کے عادی رہیں اور خطرہ و ضرورت کے وقت اچھا کام دے سکیں۔ لہ

سلطوت و جبروت | سلطان غیاث الدین بلبن اپنے تمام صفات و کم و کرم بذل و نوال کے ساتھ سلطوت و جبروت بھی بدرجہ اتم قائم رکھتا تھا اور لوگوں کے دلوں میں اس نے اپنی ہیبت و عظمت بہت قائم کر رکھی تھی۔ تخت نشینی کے دوسرے سال جب اس نے جلوس نکالا تو سینکڑوں کوں سے لوگ دیکھنے کے لئے جمع ہوئے اور اس قدر تزک و احتشام کی نمائش کی گئی کہ دنیا متحیر تھی۔

خود داری | بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے قبل کسی بادشاہ نے اس شان و شوکت کا اظہار نہیں کیا۔ وہ اپنی خانگی زندگی میں بھی اس کا لحاظ رکھتا تھا کہ کوئی خادم گستاخ نہ ہو جائے اور اس لئے وہ کبھی کسی سے بے تکلف ہو کر نہ ملتا تھا۔ اس کے بعض ایسے خادم جو ہر وقت خلوت میں ساتھ رہتے تھے ان کا بیان ہے کہ ہم نے کبھی بادشاہ کو خلوت کے نصف لباس میں نہیں دیکھا وہ ہمیشہ اپنے پورے لباس میں ملبوس نظر آتا تھا۔ لہ

بلبن کے بڑے بیٹے محمد سلطان کے خصائل | بلبن کے بڑے بیٹے کا نام خان شہید کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کی تعلیم و تربیت کے انتظام میں بلبن نے نہایت احتیاط سے کام لیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مکارم اخلاق اور محاسن اوصاف میں وہ اپنی نظیر نہ رکھتا تھا۔ فضیلت دانش و ہنر میں بھی وہ بے مثل شخص تھا۔ اور اس کا دربار علماء و فضلاء کا مرکز تھا۔ صاحبان فضل و کمال اور شعراء عصر ہر وقت اس کے پاس جمع رہتے اور وہ اپنی شاہانہ بخشش سے سب کو مالامال

لہ تاریخ فیروز شاہی جلد سوم ص ۱۰۳ لہ ایضاً ص ۱۰۴

کر دیتا۔ امیر خسرو جن کی ذات پر ہندوستان کو فخر حاصل ہے اور خواجہ حسن جو بہترین شاعر تھے اس کے علمی دربار کے رکن تھے۔

محمد سلطان کی تہذیب | محمد بڑا مہذب و شائستہ تھا کہ علماء کی مجالس میں نہ کھاتا اور اگر کبھی ضرورت ہوتی تو صرف ”حقا“ کہہ دیتا۔ عمر بھر اس کی زبان سے کوئی نام لٹم لفظ نہیں نکلا۔ اس کی مجالس میں زیادہ تر شاہنامہ دیوان خاقانی و انوری حمزہ نظامی اور اشعار امیر خسرو پڑھے جاتے۔ امیر خسرو فرماتے ہیں :-
”بہ جدت طبع و دریافت معنی دقیق و سخن شناسی و یادداشت اشعار متقدمین و متاخرین، چھو محمد سلطان کم کسے را دیدہ ام“

محمد سلطان کی بیاض | محمد سلطان کے پاس ایک بیاض تھی جس میں اس امیر خسرو اور خواجہ حسن کا بیان ہے کہ ”اس سے بہتر انتخاب کوئی دوسرا کہہ ہی نہ سکتا تھا۔ جب محمد سلطان شہید ہوا تو اس بیاض کو سلطان بلبن نے امیر علی جامداد کے سپرد کیا اور پھر یہاں سے حضرت امیر خسرو کے پاس پہنچی اور اس سے بہت سے صاحبان ذوق نے اشعار کا انتخاب کیا۔

بزرگوں کا احترام | ملتان کے قیام کے زمانہ میں شیخ عثمان ترمذی جو اپنے وقت کے بہت بڑے درویش تھے تشریف لائے۔ محمد سلطان نے تحائف پیش کر کے ملتان کے قیام کی درخواست کی اور خانقاہ تعمیر کروانے کے دیہات وقف کر دینے کا وعدہ کیا لیکن شیخ نے قبول نہ کیا۔

ایک بار صحبت سماع سلطان محمد کے یہاں تھی۔ شیخ عثمان اور شیخ صدر الدین بن شیخ بہاؤ الدین نہ کہہ کر یا بھی موجود تھے۔ کسی شعر پر ان لوگوں کو رقت طاری ہوئی تو سلطان محمد فرط تاثیر سے بے تاب ہو گیا اور ان حضرات کے سامنے دست بستہ کھڑا ہو کر زار زار رونے لگا۔ سلطان محمد نے دوبار اپنا خاص

اومی اور قیمتی ستمائے شیخ سعدی شیرازی کے پاس بھیج کر ملتان آنے کی درخواست کی۔
لیکن شیخ نے اپنی ضعیفی کا ذکر کر کے معذرت چاہی اور کہلا بھیجا کہ امیر خسرو وہاں موجود
ہیں ان کی قدر دانی فرمائی جائے۔

شہادت | مغلوں کے مقابلہ میں محمد کو شہادت نصیب ہوئی۔

علماء و مشائخ | بلبن کے عہد میں بڑے بڑے صاحب کمال موجود تھے مثلاً شیخ
فرید الدین مسعود شکر گنج، شیخ الشیوخ بہاء الدین زکریا، شیخ
صدر الدین بن شیخ بہاء الدین، شیخ بدر الدین غزنوی، خلیفہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور
سید مولا وغیرہ کہ ان میں سے ہر ایک بے مثل تھا۔

علاوہ مشائخ و علماء کے اور لوگ بھی خاص خاص صفات کے موجود تھے۔ مثلاً
ایک کشتی خاں جو تیر اندازی، نیزہ بازی، اور دیگر فنونِ حرب میں اپنا جواب نہ
دے سکتا تھا۔ اسی طرح بلبن کا برادر زادہ علاء الدین محمد بن اعز الدین جو مجلسِ آرائی و
بخشش و کرم میں بڑی شہرت رکھتا تھا۔

مصر و شام و روم و بغداد، عراق و خراسان وغیرہ سے شعراء اور اکابر علماء
آتے تھے اور اس کے بذل و نوال سے بہرہ مند ہو کر نہایت مطمئن و مسرور واپس جاتے
تھے۔ ایک بار خواجہ شمس الدین اور خواجہ معین الدین، قطب الدین جن غوری کے ندیم
خاص نے چند اشعار علاء الدین کی مدح میں کہہ کر مغنیوں کو یاد کرادیئے اور تاکید کر
دی کہ تقریبِ نوروز (جشنِ بلبن) میں اُن کو گاکہ سنائیں۔ جب جشن منعقد ہوا تو
مطربوں نے وہی اشعار مدح سنائے۔ علاؤ الدین بھی موجود تھا، یہ سن کر مجلس سے
اُٹھ گیا اور گھر پہنچ کر دریافت کیا کہ یہ اشعار کس کے تھے۔ چنانچہ خواجہ شمس الدین کو
طلب کر کے مجلسِ نوروز کا تمام سامان و اسباب جو اُس نے اپنے لئے ترتیب دیا
تھا اُٹھا کر خواجہ شمس الدین کو دیے دیا اور دس ہزار تنکے مطربوں کو بلا کر دیا۔

لہ اسلامی ہند نگار ۱۵ تاریخ فیروز شاہی جلد سوم ص ۱۱ ۱۲ فرشتہ ص ۸۳۔

اس کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ آخر وقت میں اس کے پاس سوائے اس کپڑے کے جو اس کے جسم پر تھا کچھ باقی نہ تھا۔

حکومت بلبن پر ایک عمومی تبصرہ | بلبن ادنیٰ درجہ سے ترقی کر کے وزیر پھر بادشاہ بنا اور چالیس سال تک

ہندوستان پر حکومت کی۔ اس کا زمانہ خیر و برکت کا زمانہ تھا۔ انتظام سلطنت عدل و انصاف، بیدار مغزئی، دور اندیشی، رحم و کرم، علم پروری، ہنر شناسی، الغرض ہر اعتبار سے سلطان بلبن اپنا جواب نہ دے سکتا تھا۔ رعایا مسرور و مطمئن تھے، عمال امین و متدین تھے۔ علماء و فضلاء شعراء و مشائخ کا ہجوم تھا۔ علم و فضل کا چشمہ ہر جگہ سے اُبھتا ہوا نظر آتا تھا۔ ملک میں ہر جگہ امن و سکون کی حکومت تھی۔ تمام ایشیا کے بڑے بڑے شہزادے، امراء اور شعراء دربار کی رونق بڑھا رہے تھے اور حضرت امیر خسرو کا یہ فرمانا بالکل صحیح ہے کہ :-

”اس وقت بخارا بھی جو وسط ایشیا کا بہت بڑا مرکز علم و ہنر تھا، دہلی پر رشک کر رہا تھا“

فراست و دانائی | غیاث الدین بلبن کی تمام سیاسی زندگی ایک مربع ہے۔ اس جرأت و بسالت و فراست و دانائی کا جو تمام مسلم فرمانروایان ہند میں بہت کم نظر آتا ہے۔

ناصر الدین شاہ کی کامیابی کا راز | بلبن نے بیس سال تک ناصر الدین محمود شاہ کی جس محنت و صداقت سے خدمت انجام دی اس کی اہمیت، اس وقت بہت بڑھ جاتی ہے جب دیکھا جاتا ہے کہ وہ نہ مانع کس سازش و بغاوت کا تھا اور مغلوں نے حکومت ہند کے قیام کو کس قدر دشوار بنا دیا تھا۔

۱۔ تاریخ فرشتہ صفحہ ۷۸۔

ناصر الدین ایک درویش صفت بادشاہ تھا۔ قرآن مجید لکھ کر اپنی معاش بہم پہنچاتا تھا اور اس کی اکیلی بیوی بغیر اس کے کہ کوئی خادمہ اس کی مدد کرے کھانا پکایا کرتی تھی۔ وہ ایک فیاض طبیعت فاضل شخص تھا اور ہمیشہ علماء و حکماء کی صحبت پسند کرتا تھا۔ لیکن ساتویں صدی کے پُر آشوب عہد کے لئے وہ یقیناً کسی طرح موزوں نہ تھا جبکہ ہندوستان کو ایک نہایت ہی سخت گیر جنگ جو اور سیاست دان بادشاہ کی ضرورت تھی۔ پھر باوجود ان صفات کے فقدان کے جو کامیابی نادر الدین کو حاصل ہوئی اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ بلبن اس کا دست راست تھا اور اس نے ساری سلطنت کو اپنی مٹھی میں کر رکھا تھا۔“

اس وقت ہندوستان کی اندرونی حالت بھی ہندوؤں کے حملوں کا دفاع کی بغاوت سے خطرناک تھی اور مغلوں کے حملوں نے اور زیادہ اسے ہولناک بنا دیا تھا۔ لیکن یہ بلبن ہی کا دماغ تھا جس نے بیک وقت ان دونوں کا انسداد کر دیا۔

باغیوں کی سرکوبی | ادھر پنجاب کی طرف شیر خاں اپنے برادر عم زاد کو متعین کر کے مغلوں کی پیش قدمی روک دی اور ادھر اندرون ملک میں باغیوں کی ایسی سخت سرکوبی کی کہ ان کے حوصلے بالکل پست ہو گئے۔ علاوہ اس کے اور ایک مصیبت ترک امراء کی بھی تھی جن کی سازشوں اور بغاوتوں نے سلطنت کی بنیاد کو متزلزل کر رکھا تھا۔ مگر بلبن ان کا بھی حریف غالب ثابت ہوا اور کامل بیس سال تک اس نے ناصر الدین کی سلطنت کو اس قدر حسن انتظام کے ساتھ چلایا کہ تاریخ مشکل سے ایسی دوسری نظیر پیش کر سکتی ہے۔

جب ناصر الدین کے بعد خود اس کا عہد سلطنت شروع ہوا تو حالات بدستور تھے۔ ترک خوانین اب بھی موقع کے منتظر تھے۔ ہندو بغاوتیں کرنے کے لئے صرف ذرا سا بہانہ چاہتے تھے۔ قرب و جوار کے لٹیرے دہلی کے دروازے تک آکر لوگوں کو پریشان کیا کرتے تھے اور سب سے زیادہ یہ کہ مغلوں کی جماعتیں سرحد پر منڈلا

دہی تھیں اس لئے اگر اس نے سختی سے کام لیا تو وہ معذور تھا اور اس کو بحیثیت ایک دانشمند فرمانروا کے ایسا ہی کرنا چاہیئے تھا۔

اس نے اپنی آہنی تدبیروں سے قرب و جوار کی لوٹ مار کا سد باب کیا اور دہلی کے نواح میں جس قدر گھاؤں آباد تھے ان میں عسکر سلطان نے گھس گھس کر قزاقوں کو گرفتار کیا۔ جنگلوں کو صاف کیا اور تقریباً ایک لاکھ آدمیوں کی قربانی کر کے ان غادگروں کی کمین گاہوں کو پرامن قابل زراعت ضلع میں تبدیل کر دیا۔

قلعوں اور ریڑھوں کی تعمیر | اس نے تمام ایسے مقامات میں جہاں فتنہ پردازوں کو فساد پیدا کرنے کا موقع ملتا تھا، قلعے تعمیر کرائے۔ جو کیاں قائم کیں اور اس طرح تمام ان راستوں کو صاف اور پرامن بنا دیا جو بقول ضیاء برنی :-

دو ساٹھ سال سے قزاقوں کا مسکن بنے ہوئے تھے اور لوگوں کی آمد و رفت وہاں مسدود تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ انتظام نرمی و آسانی سے نہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے جب بلبن کو کسی ایسے گروہ کا پتہ چلا تو وہ فوراً شیر کی طرح وہاں پہنچ گیا اور شیر ہی کی طرح دشمنوں اور فتنہ برپا کرنے والوں کو پارہ پارہ کر دیا۔ اس غرض سے اس نے بہت سے جنگل کٹوا کر ٹکڑے بنوادیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ تدبیر اس کی بہت کا دکھ ہوئی۔“

ترک جاگیرداروں کا انتظام | دوسرا مرحلہ ترک جاگیرداروں کا تھا جو جاگیرداروں پر اپنا موروثی حق قائم کئے ہوئے تھے۔

اگرچہ یہ سب بلبن ہی کی قوم و قبیلہ کے تھے اور انہیں ”چندگانی“ امراء سے تعلق رکھتے تھے۔ جن کو ایک فرد خود بلبن بھی تھا۔ لیکن بلبن نے مطلقاً ان کی رعایت نہیں کی اور بڑی حد تک ترک امراء کے خود سرانہ اقتدار کو گھٹا دیا حتیٰ کہ شیر خاں کو بھی جو خود اسی کا بنایا ہوا تھا اس نے فنا کر دینے میں کوئی تاثر نہیں کیا۔

تیسری غلط مغلوں کے حملہ کی تھی۔ چنانچہ بلبن نے اس غرض سے ایک بڑی

زبردست اور مہذب فوج مرتب کی اور اکثر و بیشتر دارالحکومت میں اپنا وقت صرف کیا تاکہ وہ پوری طرح اپنی مرکزی قوت سے مغلوں کا مقابلہ کر سکے۔ اگر وہ کبھی اس طرف کا رخ کریں۔ یہی سبب تھا کہ اپنی ساری حکومت میں اس نے دور دراز مقام کی طرف ایک مہم (بنگال) اختیار کی، جہاں عرصہ سے لوگ آمادہ بغاوت تھے اور حاکموں کا اقتدار قریب قریب اٹھ چکا تھا۔

بختیار خلجی کے بعد سے پندرہ گورنروں نے حکمران رہ چکے تھے لیکن چونکہ دہلی سے بنگال بہت دور واقع تھا۔ اس لئے مرکزی حکومت کا اثر وہاں بہت کمزور تھا۔ جس وقت غیاث الدین بلبن تخت نشین ہوا تو طغرل بلبن کا **بنگال کی مہم** محبوب ترین غلام (بنگال کا گورنر تھا، اس کو اوڈیسہ کی طرف بہت کامیابی ہوئی اس لئے کچھ تو وہاں کی دولت سے بدمست ہو کر اور کچھ یہ خیال کر کے کہ بلبن مغلوں کے خلاف اپنی تدبیروں میں مصروف ہے۔ اس نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

بلبن نے ایک فوج اس طرف روانہ کی لیکن طغرل نے تلوار اور دولت دونوں کی قوت سے کام لے کر کامیابی حاصل کی اور افواج دہلی کے اکثر سپاہی بھاگ نکلے۔

بلبن کی سکندرانہ اولوالعزمی **بلبن جو ان مناظر سے آشنا تھا، یہ خبر سن کر سخت برا فروختہ ہوا اور اس نے فوج کے**

جنرل اتبگین کو اودھ میں سولی دے کر اپنا غصہ فرو کیا۔ اس کے بعد اس نے دوبارہ فوج روانہ کی لیکن وہ بھی کامیاب نہ ہوئی۔ اب بلبن کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ خود وہاں جائے۔ چنانچہ اس نے شہزادہ محمد کو تو مغلوں سے عہدہ برا ہونے کے لئے دہلی میں چھوڑ دیا اور خود اپنے دوسرے بیٹے بغراخان کو ساتھ لے کر باوجود اس کے کہ بارش سخت تھی لکھنؤ کی کا عزم کر دیا۔ کہیں اس نے دریاؤں کو کشتیوں کے ذریعہ سے عبور کیا۔ کہیں کیچڑ پانی میں یونہی گھوڑا ڈال کر وادیوں کو طے کیا۔ الغرض عجیب و غریب سکندرانہ عزم کے ساتھ

اس نے کوچ کیا۔ حتیٰ کہ لکھنؤ کی پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ طغرل مع اپنی فوج اور ذخائر کے جاجنگر بھاگ گیا ہے۔

بلبن اس سے اور زیادہ برہم ہوا اور عہد کیا کہ ”میں دہلی کا اس وقت تک نام بھی نہ لوں گا جب تک کہ باغیوں کا اچھی طرح خون نہ بہا لوں“ چنانچہ طغرل بگ کا تعاقب کیا گیا اور کچھ عرصہ تک مطلق پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں چھپا ہوا ہے۔ چند دن بعد اتفاق سے بلبن کے ایک دستہ فوج کو بنجاروں کا ایک قافلہ ملا جو طغرل کے لشکر سے واپس آ رہا تھا اس سے سارا پتہ معلوم ہوا اور چالیس سپاہیوں کے ”مقدمۃ الجیش“ نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ دشمن کے سپاہی اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں۔ کوئی گاہ بجا رہا ہے، کوئی کپڑے دھو رہا ہے۔ ہاتھی گھوڑے ادھر ادھر چر رہے ہیں۔

اس دستہ نے خیال کیا کہ اگر اصل فوج کو خبر کی گئی تو اس وقت تک طغرل یہاں سے کوچ کر جائے گا اس لئے انہوں نے تلواریں نیام سے نکال لیں اور سیدھے طغرل کے خیمہ میں حملہ کر دیا۔ طغرل یہ ہنگامہ سن کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور بھاگا۔ لیکن دریا عبور کرنے سے پہلے گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔ بعد کو اس کے ساتھی بازا لکھنؤ کی میں تہ تیغ کر دیئے گئے۔

بلبن جب اس سے فارغ ہوا تو اس نے اپنے بیٹے بغراخاں کو بلا کر، یہاں کا گورنر مقرر کیا اور حلف لیا کہ وہ تمام بنگال کو اپنے قبضہ میں لاکر پیشہ اطاعت کرتا رہے گا۔ اس کے بعد اس نے شہزادے سے پوچھا ”کیا تم نے دیکھا؟“ وہ اس سوال کا مطلب نہ سمجھا۔ دوبارہ پھر یہی پوچھا تو وہ اس مرتبہ بھی خاموش و متحیر رہا۔ تیسری بار پھر بلبن نے یہی سوال کیا اور اس کے ساتھ یہ تفصیل بھی بیان کی کہ

”تم نے دیکھا جو سرائیں میں نے باغیوں کو دی ہیں اگر کبھی تم نے حکومت دہلی سے انحراف کیا تو یاد رکھو کہ تمہارا حشر بھی وہی ہو گا جو تم نے ابھی

بازار لکھنؤ میں دیکھا۔“

اس تنبیہ کے بعد بلین تو دہلی واپس چلا آیا اور تقریباً نصف صدی تک بغراخان اور اس کی اولاد نے بنگال میں حکومت کی۔

انتقال بلین کی زندگی اس کے بیٹے محمد کی شہادت سے جو مغلوں کا مقابلہ کر رہا تھا بے لطف ہو گئی تھی اور ہر چند وہ دن بھر انتظام سلطنت میں بغیر کسی اظہارِ تاثر کے مصروف نظر آتا تھا۔ لیکن رات کو وہ مضطرب ہو جاتا تھا اور آخر کار چار سال کے بعد ہی وہ بھی اس دنیا کو خیر باد کہہ گیا۔

بلین نے بہ حیثیت شاہ و وزیر، چالیس سال تک حکومت کی۔ یہ نصف صدی کا زمانہ ہندوستان کی تاریخ میں بہت ہی عروج و اقبال کا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔

معز الدین کی قیاد

بلین نے اپنی اولاد میں جانشین نہ چھوڑا تھا۔ اس کا منشا محمد کو ولیعہد بنانا تھا۔ جب وہ شہید ہو گیا تو اس نے بغراخان کو طلب کیا لیکن اس نے بنگال کی پر تعیش زندگی کو چھوڑنا گوارا نہیں کیا۔ اس لئے بلین نے برہم ہو کر محمد کے بیٹے کیخسر و کو نامزد کر دیا۔

جب بلین کا انتقال ہوا تو امراء نے کیخسر و کو نظر انداز کر دیا اور بغراخان کے بیٹے کی قیاد کو تخت نشین کر دیا۔ یہ ایک اچھے اخلاق کا شہزادہ تھا۔ لیکن اس کی پرورش اس قدر خلوت میں ہوئی تھی کہ وہ سوائے لطف و تفریح کے کسی اور چیز سے واقف ہی نہ تھا۔ چنانچہ تخت نشین ہوتے ہی اس نے

عیش و عشرت کو اپنا مشغلہ قرار دے لیا اور سارا انتظام سلطنت اپنے نائب نظام الدین کے سپرد کر دیا۔

نائب السلطنت کے نظام | نظام الدین بے انتہا ہوشیار شخص تھا اس لئے اُس نے کیتباد کی کمزوریوں سے فائدہ

اٹھا کر خود بادشاہ بن جانے کی تدابیر شروع کیں۔ چنانچہ اس نے سب سے پہلے کینخرو پر ہاتھ صاف کیا اور اس کے بعد نو مسلم مغلوں کا قتل عام کرایا جو دہلی میں آباد تھے۔ اس نے اسی پر کفایت نہیں کی بلکہ باپ بیٹوں میں بھی کشیدگی پیدا کرادی۔ لیکن بعد کو جب اودھ میں دریائے سر جو پر دونوں کی ملاقات ہوئی تو معاملہ صاف ہو گیا اور برہمنی دور ہو گئی یہ

وزیر نظام الدین کا قتل | جب دہلی واپس آیا تو وزیر نظام الدین کو زہر دے کر مروا ڈالا اور اس کے بجائے جلال الدین

علیمی گورنر سامانہ وزیر مقرر ہوا۔ حضرت امیر خسرو نے قرآن السعدین میں لکھا ہے کہ جب سلطان کیتباد ۶۸۲ھ میں تخت نشین ہوا تو پانچ ہزار امراء اس کے دربار میں تھے اور ایک لاکھ فوج اس کی حضوری میں رہتی تھی اور اس کی سلطنت بنگال سے دریائے سندھ تک وسیع تھی۔

اس کو علم و ادب کا فطری ذوق تھا۔ لیکن لہو و لعب کی مشغولیت سے وہ سب محو ہو گیا اور اس کا زمانہ بہ اعتبار ترقی علم و ہنر اور حسن انتظام کے بہت ناکامیاب ثابت ہوا۔ سلطان کیتباد غلام خاندان کا آخری فرمانروا تھا۔

۱۔ حضرت امیر خسرو نے قرآن السعدین میں اس کشیدگی و ملاقات کا حال تفصیل سے درج کیا ہے۔

خاندانِ خلجی

جلال الدین فیروز شاہ

۶۸۹ - ۶۹۵ھ تا ۱۲۹۰ - ۱۲۹۵ع

سلطان کی قبیلہ کے بعد سلطنت خلجی خاندان میں منتقل ہوئی۔ اس خاندان میں کل چھ فرمانروا ہوئے۔ اولین فرمانروا جلال الدین تھا اور آخری نامہ الدین خسرو۔ جلال الدین فیروز شاہ کی تاریخ اورنگ نشینی امیر خسرو نے مفتاح الفتوح میں ۶۸۹ھ تحریر کی ہے اور یہی تاریخ زیادہ قابل اعتبار ہے۔

جلال الدین فیروز شاہ جب تخت نشین ہوا تو بے حد ضعیف تھا۔ عمر ستر سال کی تھی۔ بادشاہ ہونے ہی چھتر شاہی کا رنگ سرخ تھا اس کے بجائے سفید کیا گیا۔ اور بلہنی خاندان کے ساتھ مسلوک ہوا بلکہ بلہنی کے برادر زادہ ملک جھو کو کٹرہ کی ولایت سپرد کی۔ رعایا کے ساتھ مہربانی سے پیش آیا جس سے عوام و خواص سب اس کی طرف مائل ہو گئے اور قہر کیلو کٹرہ میں جا کر اس کی معیت کی۔

غرضیکہ حکومت سنبھالنے کے بعد جلال الدین نے تمام ان عمارات کو جو ناتمام تھیں مکمل کرایا۔ ایک باغ نصب کرا کے اس کے چاروں طرف سنگین حصار کرا دیا۔ مسجد و بانہ کی طرح ڈالی۔ اُمراء کو تاکید کی کہ وہاں اپنے مکانات تعمیر کرائیں اور رفتہ رفتہ پرانی دہلی بگڑ کر نئی دہلی قائم ہو گئی اور بادشاہ نے اپنی سکونت مستقل یہیں اختیار کر لی۔

سلطان جلال الدین بڑا خدا ترس، رحمدل اور خطا پوش بادشاہ تھا۔ اس نے کبھی خونریزی کو روا نہیں رکھا اور بڑے بڑے مجرموں کی خطائیں درگزر کر دیں۔

جلال الدین کی سلامت طبع | جب جلال الدین پرانی دہلی گیا اور قعر کے پاس اترتا تو اس نے نماز شکرانہ ادا کی اور باواز بلند کہا میں کیونکر خدا کا شکر ادا کر سکتا ہوں کہ جس تخت کے سامنے میں نے برسوں سر جھکایا ہے اس پر آج اپنا قدم رکھتا ہوں اس کے بعد وہ کوشک محل میں جو غیاث الدین بلبن کا محل خاص تھا گیا اور وہاں پہنچتے ہی گھوڑے سے اتر پڑا۔ ملک احمد حبیب نے عرض کیا کہ :-

”سواری سے اترنے کی کیا ضرورت ہے جبکہ یہ قعر بھی بادشاہ کی ملکیت ہے“
جلال نے کہا کہ ”یہ میرے آقا نے دلی نعمت کا قعر ہے اور مجھ پر اس کی تعظیم فرض ہے“

پھر ملک حبیب احمد نے کہا کہ ”بادشاہ کو یہیں سکونت اختیار کرنی چاہیے“
جلال الدین نے جواب دیا کہ ”اس عمارت کو شاہ بلبن نے اپنی سرداری کے عہد میں تعمیر کرایا تھا اس لئے یہ اس کے ورثاء کی ملکیت ہے میں صرف عارضی مصلحت کی وجہ سے قواعد اسلام کو ترک نہیں کر سکتا“

جب کوشک محل کے اندر جلال الدین پہنچا تو وہ اس جگہ نہیں بیٹھا جہاں شاہ بلبن بیٹھا کرتا تھا بلکہ امراء کی نشست میں جلوس فرما کر حاضرین سے کہا کہ اتیم کپن اور اتیم مرقہ کا گھر تباہ ہوا کہ انہوں نے میرے مار ڈالنے کا قصد کیا اور میں اپنی جان کے اندیشہ سے اس گناہ کا مرتکب ہوا وہاں کہاں بادشاہی اور کہاں میں؟ دیکھئے مال کا کیا ہوتا ہے اور میری اولاد پر کیا گزرتی ہے“

جلال الدین بے انتہا حلیم و کریم تھا جب وہ کسی کو جاگیر دیتا تو حلیم و کریم | کبھی اس میں تغیر نہ کرتا اور امراء و مقربین سے اگر کوئی جرم سرزد ہو جاتا تو بھی انہیں ذلیل نہ کرتا۔

وہ امراء کے ساتھ مساویانہ سلوک کرتا اور نہایت بے تکلفی کے ساتھ ان سے ملتا۔

علم پروری | وہ علم دوست بھی اسی درجہ کا تھا۔ حضرت امیر خسرو، تاج الدین عراقی، خواجہ حسن، مویذ جاجرمی، مویذ دیوانہ، امیر اسلاں کلائی وغیرہ جو اپنے عہد کے بڑے فاضل و کامل لوگ تھے، جلال الدین کے ندیم تھے۔ امیر خاصہ، حمید راجہ غزل خوانان دربار میں سے تھے اور محمد شاہ چنگی، فتوغاں، نصیر خاں اور بھور جو موسیقی کے بے بدل ماہر تھے اس کے مطرب تھے۔ امیر خسرو وزیر اس کی مجلس میں کوئی نہ کوئی نئی غزل پڑھتے اور شاہانہ انعامات کی بارش ان پر ہوتی۔ جب جلال الدین عہدہ میر جامداری سے ترقی پا کر عارض ممالک کے درجے پر پہنچا تو اسی وقت امیر خسرو کو اپنے پاس بلا لیا اور سفید جامہ و کمر بند عنایت کر کے جو امراء کبار کے لئے مخصوص تھا، ان کو مصحف داری کی خدمت سپرد کر دی اور بہت بڑا منصب مقرر کر دیا۔ جب بادشاہ ہوا تو یہ التفات اور زیادہ بڑھ گیا۔ اور دہلی کے شاہی کتب خانہ کا اہتمام امیر خسرو کے سپرد کر دیا۔

جلال الدین کی شاعری | جلال الدین خود بھی شعر کہتا تھا۔ چنانچہ بدایونی نے اس کے یہ دو شعر نقل کئے ہیں :-

آں زلف پریشان ت ژولیدہ نمی خواہم
واں روئے چو گلنارت تفسیدہ نمی خواہم
بے پیر ہنت خواہم یک شب بہ کنارا نی
ہاں بانگ یلندا ست این پوشیدہ نمی خواہم

اسی طرح جب وہ محاصرہ گوالیار میں مصروف تھا تو وہاں اس نے ایک عمارت مقبرہ تیار کرائی اور یہ رباعی تصنیف کی تاکہ بطور کتبہ کے وہاں درج کی جائے :-

مادہ کہ قدم بر سر گردوں سایید از تو دہ سنگ و گل چہ قدر افزاید
این سنگ شکستہ زان نہادیم درست باشد کہ دل شکستہ اساید

لے فرشتہ منہ و طبقات اکبری ص ۶۱ -

باغیوں کے ساتھ سلوک | غیاث الدین بلبن کے بھتیجے ملک چھجور نے ولایت کٹرہ میں سلطان مغیث الدین کا لقب اختیار کیا۔ اپنے نام کا سکھ اور خطبہ جاری کر دیا اور ایک عظیم لشکر لے کر دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ جب یہ خبر شاہ جلال الدین خلجی کو پہنچی تو اس نے اپنے بیٹے ارکلی خاں کو ہول بنا کر آگے روانہ کیا اور خود بادہ کوس کے فاصلہ سے عقب میں روانہ ہوا۔ ارکلی خاں اور چھجور کا مقابلہ ہوا جس میں چھجور کو شکست ہوئی۔ ارکلی خاں نے امیر علی میر جامدار اور دوسرے باغی امراء کو قید کر کے ان کی گردن میں دو شاخہ ڈال کر اونٹوں پر سوار کر دیا اور اپنے باپ کے پاس اسی حال میں روانہ کیا۔ جب یہ لوگ بادشاہ کے پاس پہنچے تو اس نے فوراً اپنی آنکھوں پر رومال ڈال لیا۔ اور بے اختیار ہو کر چیخ مڑا کہ ”یہ کیا ہے؟“ فوراً ان لوگوں کو اتاروا اور حمام میں لے جاؤ۔“

جب یہ لوگ نہا چکے تو خاص خلعتیں عطا ہوئیں اور دربار میں بلا کر حد درجہ نرمی و محبت سے اُن کے ساتھ پیش آیا۔ اس کے اس طرزِ عمل سے یہ لوگ سخت منفعل ہوئے۔ لیکن بادشاہ اس کو بھی گوارا نہ کر سکا اور کہا کہ آپ لوگوں نے مجھ سے بغاوت کر کے کوئی منک حرامی نہیں کی۔ کیونکہ میں تمہارا بادشاہ نہ تھا کہ مجھ سے مخالفت منک حرامی ہوتی بلکہ تم نے اپنے ولی نعمت کی طرفداری کی اور یہ تمہارا فرض تھا۔“

تخوں ریزی سے احتراز | اتفاق سے چند دن بعد چھجور کو بھی کسی زمیندار نے بڑی عزت کی اور ملتان بھیج کر وہاں کے حاکم کو لکھا کہ ”شاہ بلبن کے برادر زادہ کو نہایت دلجوئی سے رکھا جائے اور اس کے لئے تمام سامانِ عیش و تفریح کا ہتیا کیا جائے گا۔“

لوگوں نے کہا بھی کہ دشمنوں کے ساتھ یہ سلوک مناسب نہیں ہے ان کو

قتل کر دینا چاہیئے۔ لیکن سلطان جلال الدین نے کہا کہ ”میں ضعیف ہو گیا ہوں اور اس وقت تک میں نے کسی کا خون نہیں بہایا۔ اب وقتِ آخر میں مجھے اس پر مجبور نہ کرو۔“

اس واقعہ کو ضیاء الدین برقی نے تاریخ فیروز شاہی میں نہایت تفصیل کیساتھ درج کیا ہے اور لکھا ہے کہ ”خود حضرت امیر خسرو نے اس واقعہ کی روایت اس لئے کی تھی“

نرمی و آشتی پسندی | سلطان جلال الدین کی نرمی و آشتی پسندی سے بعض مفسد مزاج خلجی برہم تھے اور نشہ شراب کے وقت بسا اوقات کہ گزرتے تھے کہ ”ایسے بادشاہ کو قتل کر ڈالنا چاہیئے“

سلطان جلال الدین کو یہ خبریں ملتی تھیں تو وہ ہمیشہ یہ کہہ کر ٹال دیتا کہ ”شراب کے نشہ میں انسان ایسی ہی فضول باتیں کہ دیا کرتا ہے ان پر اعتناء نہ کرنا چاہیئے“

جب سلطان کا رحم و کرم اس حد تک بڑھ گیا تو ایک دن ملک تاج الدین کوچی کے مکان پر یہ لوگ جمع ہوئے اور نشہ کی حالت میں یہ فیصلہ کیا کہ ملک تاج الدین بادشاہ ہونے کے قابل ہے“ ایک نے کہا کہ میں اس نیم شکاری چاقو سے جلال الدین کا فیصلہ کئے دیتا ہوں“

دوسرے نے کہا کہ ”ابھی تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دوں گا“ بادشاہ کو اس کی خبر ہوئی تو سب کو طلب کیا اور برہم ہو کر ایک تلوار ان لوگوں کے سامنے ڈال دی اور کہا کہ ”اگر تم میں کوئی مرد ہے تو اسی وقت نکل آئے اور مجھ سے مردانہ فیصلہ کر لے۔ ورنہ یوں فضول مزخرفات بکنے سے کیا فائدہ ہے؟“

سب لوگ نادام و متفعل کھڑے تھے اور بادشاہ کا غصہ بڑھ رہا تھا۔ آخر ملک ناصر ”دوات مار“ نے جو بادشاہ کا ندیم تھا اور خود بھی اس سازش کرنے والی جماعت میں شریک تھا۔ عرض کیا کہ ”جہاں پناہ کو معلوم ہے کہ نشہ کی حالت

لے فرشتہ مرد ۹ طبقاتِ اکبری ص ۵۸

ناموزوں نہ ہوگا۔ اس لئے اُس نے اپنی بیوی ملکہ جہاں سے کہا کہ :-
 ”جب قضاۃ و علماء اس کے پاس آئیں تو وہ اپنی طرف سے اس کی
 تحریک کرے“

چنانچہ ملکہ جہاں نے ان لوگوں سے تحریک کی اور سب نے بالاتفاق تسلیم کیا
 کہ سلطان کو مجاہد فی سبیل اللہ کہنا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے اور جلال الدین کے
 حضور میں جا کر درخواست پیش کی کہ ”آئندہ سے خطبہ میں سلطان کو مجاہد فی سبیل اللہ
 کے لقب سے یاد کرنے کی اجازت دی جائے“

سلطان جلال الدین یہ سن کر کانپ گیا اور آبدیدہ ہو کر کہا کہ ”میں نے ملکہ
 جہاں کو اس پر آمادہ کیا تھا کہ وہ آپ لوگوں سے اس کی تحریک کرے لیکن حقیقت
 یہ ہے کہ میری یہ تمام نبرد آزمائیاں محض دنیاوی غرض اور ہوس جاہ کی بنا پر تھیں
 اور جہاد مقصود نہ تھا۔ اس لئے میں اس کا اہل نہیں ہوں اور ہرگز اس لقب کو
 اختیار نہیں کر سکتا۔“

جب سلطان جلال الدین نے ۶۸۹ھ میں جھانیں اور مالوہ
امن پسندی فتح کر کے قلعہ تنبھور کا محاصرہ کیا اور تمام مناجیق وغیرہ
 نصب کر دیں تو اس کو صرف اس وجہ سے انجام تک نہ پہنچا سکا کہ اس میں زیادہ
 خونریزی ہوتی اور یہ اُسے پسند نہ تھا۔

جلال الدین کے عہد میں سیدی مولا کے قتل کا واقعہ ایک ایسا واقعہ ہے
 کہ جس میں مؤرخین اسے قابل الزام اور اس کی فطری نرمی کے خلاف خیال
 کرتے ہیں۔ لیکن اگر مصنفانہ نگاہ سے غور کیا جائے تو نہ سیدی مولا کا قتل
 نامناسب فعل قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ جلال الدین کے رحم و سلط پر کوئی
 الزام اس سے عائد ہوتا ہے۔

تمام مؤرخین نے اس واقعہ کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ہم بھی یہاں
 مختصر الفاظ میں اس کا ذکر کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔

ناموزوں نہ ہوگا۔ اس لئے اُس نے اپنی بیوی ملکہ جہاں سے کہا کہ :-
 ”جب قضاۃ و علماء اس کے پاس آئیں تو وہ اپنی طرف سے اس کی
 تحریک کرے“

چنانچہ ملکہ جہاں نے ان لوگوں سے تحریک کی اور سب نے بالاتفاق تسلیم کیا
 کہ سلطان کو مجاہد فی سبیل اللہ کہنا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے اور جلال الدین کے
 حضور میں جا کر درخواست پیش کی کہ ”آئندہ سے خطبہ میں سلطان کو مجاہد فی سبیل اللہ
 کے لقب سے یاد کرنے کی اجازت دی جائے“

سلطان جلال الدین یہ سن کر کانپ گیا اور آبدیدہ ہو کر کہا کہ ”میں نے ملکہ
 جہاں کو اس پر آمادہ کیا تھا کہ وہ آپ لوگوں سے اس کی تحریک کرے لیکن حقیقت
 یہ ہے کہ میری یہ تمام نبرد آزمائیاں محض دنیاوی غرض اور ہوس جاہ کی بنا پر تھیں
 اور جہاد مقصود نہ تھا۔ اس لئے میں اس کا اہل نہیں ہوں اور ہرگز اس لقب کو
 اختیار نہیں کر سکتا۔“

جب سلطان جلال الدین نے ۶۸۹ھ میں جھانیں اور مالوہ
امن پسندی فتح کر کے قلعہ تنبھور کا محاصرہ کیا اور تمام مناجیق وغیرہ
 نصب کر دیں تو اس کو صرف اس وجہ سے انجام تک نہ پہنچا سکا کہ اس میں زیادہ
 خونریزی ہوتی اور یہ اُسے پسند نہ تھا۔

جلال الدین کے عہد میں سیدی مولا کے قتل کا واقعہ ایک ایسا واقعہ ہے
 کہ جس میں مؤرخین اسے قابل الزام اور اس کی فطری نرمی کے خلاف خیال
 کرتے ہیں۔ لیکن اگر مصنفانہ نگاہ سے غور کیا جائے تو نہ سیدی مولا کا قتل
 نامناسب فعل قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ جلال الدین کے رحم و سلط پر کوئی
 الزام اس سے عائد ہوتا ہے۔

تمام مؤرخین نے اس واقعہ کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ہم بھی یہاں
 مختصر الفاظ میں اس کا ذکر کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔

سید مولا کا قتل | سیدی مولا ایک درویش تھا جو "ولایت ملک ہالا" سے عہدِ بلبن میں دہلی آیا تھا۔ ملحقات شیخ عین الدین بجاپوری میں لکھا ہے کہ "یہ جرجان سے حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کی زیارت کو ہندوستان آیا تھا اور حضرت شکر گنج کی اجازت سے عہدِ بلبن میں دہلی آیا تھا۔ یہ ایک بزرگ صورت مو فی منش تھے۔ بہت جلد ان کی شہرت عام ہو گئی اور تمام امراء و خاندان ملوک اس کے پاس آنے جانے لگے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ کسی سے ایک پیسہ نہیں لینا تھا لیکن اس کے مصارف شاہانہ تھے اور اسی وجہ سے لوگ زیادہ معتقد ہو گئے تھے۔ اس نے ذریعہ کثیر صرف کر کے ایک خانقاہ تعمیر کرائی اور نہایت فراخی کے ساتھ لنگر جاری کیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے مطبخ میں روزانہ ایک ہزار دس میدہ، دوسو من قند، دسویں شکر، پانچ سو من گوشت اور اسی قدر گھی کا صرف تھا۔ علاوہ اس کے وہ نہایت دریا دلی سے ایک ایک شخص کو تین تین ہزار اشرفیاں انعام میں دے دیتا تھا۔ الغرض اس کی زندگی ایک معتمد تھی اور مخلوق نے ہر طرف سے اس کو گھیر رکھا تھا۔ جب سلطان جلال الدین کا زمانہ آیا تو بھی اس کی یہی حالت تھی اور تمام امراء وغیرہ وہاں حاضری دیا کرتے تھے۔ ان ہی لوگوں میں ایک شخص قاضی جلال الدین کا شانی بھی تھا۔ یہ شخص بڑا مفسد تھا اور اس نے آہستہ آہستہ اپنا اقتدار قائم کر کے سیدی مولا کے دل میں سلطنت کی ہوس پیدا کر دی اور اب خانقاہ سلطان جلال الدین کے خلاف سازش کا مرکز ہو گئی۔ چند دن بعد سازش مکمل ہو گئی اور یہ قرار پایا کہ آئندہ جمعہ کو جب بادشاہ نماز کے لئے باہر نکلے تو اس کو قتل کر دیا جائے اور سیدی مولا کے دس ہزار مرید جمع ہو کر اپنے پیر کو تخت پر بٹھادیں۔

اتفاق سے ایک شخص اس سازش میں ایسا بھی تھا جو سلطان جلال الدین کا ہی خواہ تھا۔ اس لئے وہ فوراً بادشاہ کے پاس گیا اور تمام حالات مفصل عرض

کر دیئے۔ بادشاہ نے ان سب کو طلب کر کے دریافت کیا کہ سب نے انکار کر دیا۔ اور تحقیقات سے بھی کوئی شہادت ایسی فراہم نہ ہو سکی جو جرم کو ثابت کر دیتی۔ لیکن چونکہ دیگر ذرائع سے اس سازش کا پایا جانا یقینی طور سے ثابت ہو چکا تھا اس لئے قاضی جلال الدین کاشانی کو بدایوں عہدہ قضاہ پر بھیج دیا گیا اور دیگر امراء کو جو سازش میں شریک تھے خارج البلد کر دیا۔

بعدہ سیدی مولادست بستہ قعر کے سامنے لایا گیا۔ بادشاہ اس وقت کوٹھے پر بیٹھا تھا۔ بادشاہ نے مولا سے گفتگو کی۔ اس وقت شیخ ابوبکر بھی جو جلال الدین کا بے انتہا ممنون تھا، اپنے چند مریدوں کے ساتھ یہاں موجود تھا۔ اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ ”دیکھو سیدی مولانے مجھ پر کیسا ظلم کیا ہے۔ کچھ تم ہی انصاف کرو۔“

یہ سنتے ہی طوسی کے ایک مرید نے سیدی مولا پر حملہ کیا اور اس ترہ سے اس کو کئی جگہ زخمی کیا۔ قبل اس کے کہ سلطان کوئی آخری فیصلہ کر تے شہزادہ اعلیٰ خاں نے وہیں بالا خانہ سے ایک فیل بان کو اشارہ کیا اور اس نے دفعۃً اپنے ہاتھی سے سیدی مولا کو کچل دیا۔

جلال الدین کو سازش کا حال بر محل نہ معلوم ہو جاتا تو نتیجہ یہی ہوتا کہ جلال الدین قتل کر دیا جاتا اور سلطنت اگر سیدی مولا کو نہ ملتی تو بھی ملک میں نقص امن اور فساد تو ضرور ہی ہو جاتا۔

حسن اتفاق کہ اس دن آندھی آئی اور اس سال قحط پڑا۔ عوام یہ سمجھے کہ سیدی مولا کے قتل کی وجہ سے یہ صورتیں پیش آئیں مگر یہ باتیں غیر واقع ہیں۔

صفات سلطان جلال الدین اپنی صفات کے لحاظ سے عجیب و غریب بادشاہ تھا اور اس کی زندگی کا کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے جو اس کے فطری

رحم و رافت کے منافی ہو۔

۶۹۰ھ میں جب چھجھو نے بغاوت کی حکومت کٹر علاؤ الدین کے سپرد کی گئی جو جلال الدین کا بھتیجا تھا اور داماد بھی۔ یہ بڑے عزم کا شخص تھا اور چاہتا تھا کہ مقبوضات کو بہت زیادہ وسیع کر لے۔ چنانچہ اس نے چند دن بعد بھلسہ پر لشکر کشی کی اجازت بادشاہ سے طلب کی اور وہاں سے بہت سا مال غنیمت حاصل کر کے دہلی آیا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور اقطاع کٹر کے ساتھ اقطاع اودھ کا اضافہ بھی اس کی حکومت میں کر دیا۔ علاؤ الدین نے بادشاہ سے چندیری پر تاخت کی اجازت طلب کی اور وہ بھی اس کو دی گئی۔ چنانچہ یہ کٹر واپس آیا اور ایک کثیر فوج کے ساتھ روانہ ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ چندیری کا صرف ایک بہانہ تھا۔ مقصود اس کا دکن کی طرف جانے کا تھا تاکہ وہاں اپنی حکومت مستقل قائم کرے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی ساس ملکہ جہاں آراء اور اپنی بی بی سے آزر دہ تھا اس لئے کہیں دور جگہ نہ جانا چاہتا تھا۔ لیکن واقعہ یہی ہے کہ اس کا حوصلہ موجود خدمات کے لحاظ سے بہت زیادہ بلند تھا اور وہ جلال الدین شاہ کی محبت و کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ایک خود مختار نہ فرماں روا کی حیثیت پیدا کرنے کا آرزو مند تھا۔

کٹر میں اس نے کسی سے یہ ظاہر نہیں کیا کہ وہ کہاں جاتا ہے اور سیدھا پلچ پور پہنچا اور ۶۹۳ھ میں یہاں سے چل کر دیوگیر فتح کیا اور بہت سے مال غنیمت لے کر خاندانی ہوتا ہوا مالوہ کا رخ کیا اور یہاں سے کٹر پہنچا۔

سلطان جلال الدین اس وقت گوالیار کے قریب شکار میں مصروف تھا کہ اسے بھی یہ خبر معلوم ہوئی۔ چونکہ وہ علاؤ الدین کی طرف سے مشتبہ ہو گیا تھا۔ اس لئے امرام سے رائے طلب کی کہ کیا کرنا چاہیئے۔ بعض نے یہ رائے دی کہ بادشاہ کو چندیری پہنچ کر ڈوبے ڈال دینا چاہیئے تاکہ جب علاؤ الدین اس طرف سے گزرے تو مجبوراً اسے حاضر ہو کر سارا مال غنیمت پیش کر دینا چاہیئے۔ ورنہ ممکن ہے کہ کثرت دولت سے اس کا

دماغ منحرف ہو جائے اور سرکشی اختیار کر لے بادشاہ کو یہ رائے پسند نہ آئی اور دہلی واپس آگیا۔ چند دن بعد علاؤ الدین کی عرضداشت کٹرہ سے پہنچی کہ میں تمام مال غنیمت پیش کرنے کے لئے آمادہ ہوں۔ لیکن اس خیال سے کہ میں ایک سال سے حاضر نہیں ہوا اور ممکن ہے کہ میرے دشمنوں نے بادشاہ کو بظن کر دیا ہو۔ اس لئے آتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ اگر عفو و تغیر کا فرمان خط مبارک سے لکھ کر بھیج دیا جائے تو میں حاضر ہوتا ہوں۔ اس کے ساتھ علاؤ الدین نے لکھنوتی جانے کی تیاریاں شروع کر دیں کہ اگر بادشاہ مع لشکر کے آئے گا تو وہ لکھنوتی پہنچ کر وہاں اپنی حکومت قائم کرے گا۔

جب علاؤ الدین نے بادشاہ کو یہ عرضداشت روانہ کی تو ایک خط اپنے بھائی الماس بیگ کے پاس بھی روانہ کیا جس میں لکھا تھا کہ بادشاہ میری جان کا مالک ہے اور بخشش نے میری زندگی تلخ کر دی ہے۔ اگر واقعی وہ میرے خون کا پیاسا ہی ہے تو مجھے مطلع کرو تا کہ میں نہر کا کر مر جاؤں یا کسی طرف نکل جاؤں۔ لیکن یہ خط صرف بادشاہ کے دکھلانے کا تھا خفیہ طور سے اس نے اپنے بھائی کو لکھ بھیجا تھا کہ اس خط کو دکھا کر بادشاہ کو اس بات کو آمادہ کرے کہ وہ بغیر لشکر کے کٹرہ چلا آئے۔ چنانچہ الماس بیگ نے ایسے رنگ میں اس کا معاملہ پیش کیا کہ جلال الدین تنہا کٹرہ جانے پر راضی ہو گیا اور الماس بیگ کو پہلے روانہ کر دیا اور ایک ہزار سوار لے کر کیلو گڑھی سے روانہ ہوا جب ڈبائی پہنچا تو خشکی کا سفر چھوڑ کر دریا کا سفر اختیار کیا اور ۱۶۹۶ھ کو کٹرہ پہنچا۔ علاؤ الدین نے الماس بیگ کو بادشاہ کے پاس بھیجنا کہ تنہا بادشاہ جلال الدین کا قتل کوکشی میں بٹھا کر لائے اور فوج ہمراہ نہ آ سکے۔ چنانچہ الماس بیگ اس میں کامیاب ہوا اور عین وقت پر جبکہ آفتاب غروب ہو رہا تھا اور بادشاہ ساحل پر کڑ کر علاؤ الدین کے ساتھ حد درجہ محبت سے گفتگو کر رہا تھا کہ اس کا مرتن سے جدا کر دیا گیا۔ سلطان جلال الدین خلجی نے سات سال اور چند ماہ تک حکومت کی لیے



لے تاریخ ہندوستان جلد ۳ ص ۳۳ شمس العلماء ذکاء اللہ دہلوی۔

سُلطان علاؤ الدین خلجیؒ

۶۹۵ھ، ۷۱۶ھ تا ۱۲۹۵ء - ۱۳۱۶ھ

علاؤ الدین اپنے چچا جلال الدین خلجیؒ کے عہد میں اس کی طرف سے کٹروہ مانگنے کا حکم تھا۔ ۶۹۴ھ میں تخت نشین ہونے کے کچھ سال قبل اس نے مالوہ اور بنڈیکھنڈ کی بغاوتوں کو ختم کیا اور کوہستان و ندھیا کے دشوار گزار دروں کو طے کیا اور، نفوس کو لے کر دیو گڑھ پہنچا اور اس کو فتح کر لیا۔ پھر دکن کی طرف بڑھ کر لچ پور پر قبضہ کیا۔ ان فتوحات سے علاؤ الدین نے بے شمار دولت پائی۔ دکن پر یہ مسلمانوں کا پہلا اقدام تھا۔ تاریخ اسلام کا یہ ناگوار واقعہ ہے کہ علاؤ الدین نے اپنے چچا اور خسر سلطان جلال الدین کو قتل کر کے سلطنت دہلی حاصل کی جو تاریخ اسلام کا بدترین داغ کہا جاسکتا ہے۔ بلکہ یہ فعل اسلام کے خلاف تھا۔ لیکن حیرت ہے کہ وہی شخص جس نے اپنی سلطنت کی ابتداء سفاکی سے کی ہو، باعتبار نظم و نسق، بہ لحاظ فتوحات، بہ حیثیت دولت و اقبال ایسا کامیاب حکمران ثابت ہوا کہ تاریخ میں جس کی نمایاں حیثیت ہے۔

علاؤ الدین کی بیدار مغزی | یہ صحیح ہے کہ علاؤ الدین ظالم و سفاک تھا، جاہل و ناشائستہ تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ تسلیم

۱۔ جلال الدین کے قتل کی خبر اس کی بیوی ملکہ جہاں کو ملی تو اس نے اپنے چھوٹے بیٹے قدر خان ابراہیم کو رکن الدین کا خطاب دیکر تخت نشین کیا۔ بڑے بیٹے ارکلی خاں کا انتظار نہیں کیا وہ ملتان میں تھا اور برہم ہو گیا۔ لیکن الدین عالم الدین کی آمد تک دلی کا حکمران رہا۔
۲۔ تاریخ ہندوستان جلد دوم صفحہ ۲۶ تا ۵۰۔

نہ نہ ٹپڑے گا کہ وہ بے انتہا بیدار مغز اور مستقل ارادوں کا شخص تھا۔

سلطنت کی رونق | علاؤ الدین نے بیس سال تک حکومت کی اور اس زمانے میں سلطنت دہلی کے حدود دکن تک وسیع ہو گئے۔ بڑے بڑے راجاؤں نے سیراطاعت ختم کر دیا۔ دولت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ سینکڑوں عمارتیں بن گئیں۔ علماء و فضلاء سرزمین دہلی میں پیدا ہونے لگے۔ خالقاً ہیں آباد ہو گئیں مساجد کی رونق بڑھ گئی۔ مدارس میں درس و تدریس کا مشغلہ عام ہو گیا۔ بڑے بڑے صاحبانِ دل اصفیاء و اربابِ ذوق مشائخ رونما ہو گئے۔ دربارِ اساتذہ فن کامرکز بن گیا۔ اور رانی حیرت انگیز تک بڑھ گئی اور سلطنت ایسی نظر آنے لگی کہ اس سے پہلے جس کی نظیر نہ تھی۔ یہ تھا نظامِ حکومت اس مسلمان بادشاہ کے عہد کا جس کا شمار حد درجہ کے ظالم لوگوں میں کیا جاتا ہے۔

داد و دہش | جب علاؤ الدین کٹرہ سے دہلی کی طرف تخت نشین ہونے کے لئے چلا تو اس نے حکم دیا کہ آزادی کے ساتھ دو پیم تقسیم کیا جائے۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ دہلی پہنچتے پہنچتے ایک بڑی جماعت اس کے ساتھ شریک ہو جائے۔ چونکہ جلال الدین کے قتل سے لوگوں میں بڑی پید ہو گئی تھی اور یہ بھی خیال تھا کہ شاید دہلی میں جنگ کرنی پڑے۔ اس لئے اس نے اس ذریعہ سے لوگوں کو مالوت کرنا چاہا اور ایک بڑی جماعت اپنے ساتھ کر لی۔

فیاء برنی لکھتا ہے کہ :-

”ہر منزل پر پانچ من وزن ستارے (اختر زرد) ایک سبک سی منجیق میں رکھ کر اڑائے جاتے تھے اور ہزاروں آدمی اُن کے لوٹنے کے لئے جمع ہو جاتے تھے“

تخت نشینی | اسی طرح جب بعض امراء و خواہن دہلی سے علاؤ الدین کے روکنے کے لئے روانہ کئے گئے تو علاؤ الدین نے ان سے جنگ کرنا سب نہ سمجھا بلکہ دولت کے زور سے اُن کا مقابلہ کیا اور اس طرح سلطان جلال الدین (موجود)

کی تمام فوج کو اپنا طرفدار بنالیا۔ حسب روایت تاریخ علائی ۲۲ رذی الحجہ ۶۹۵ھ کو اور حسب روایت بیان تاریخ وصاف ذی قعدہ ۶۹۵ھ میں علاؤ الدین دہلی پہنچا جہاں وہ دوبارہ (صحیح معنوں میں) تخت نشین ہوا۔

علاؤ الدین نے عنانِ حکمرانی ہاتھ میں لے کر خاندانِ و امرائے جلالی میں سے ان لوگوں کو جن کی طرف سے ادعاۓ حکومت و تحریک بغاوت کا شبہ ہو سکتا تھا تہ تیغ کر دیا۔ دوسری طرف دولت تقسیم کرنی شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی طرف سے برہمنی ختم ہو گئی۔ لوگ رام ہو گئے اور اس کے طرفدار بن گئے جس میں منیا دہرنی کے چچا اور باپ بھی تھے۔ برہمنی کے چچا ملک علاء الملک کو ولایت کڑھ پور دیا گیا۔ اس کے باپ مؤید الملک کو قصبہ برہن کی نیابت و خو جگی مرحمت کی۔

عزم و ثبات | سلطان علاؤ الدین بے انتہا سخت اور ظالم ہونے کی حد تک سخت گیر تھا۔ لیکن وہ ایک بے مثل سپاہی اور بڑے زبردست عزم کا بادشاہ تھا۔ جس وقت علاؤ الدین کو معلوم ہوا کہ قلعہ خواجہ پسر دوا خاں (ماوراء النہر کا بادشاہ) دولاکھ مغلوں کی جمعیت سے دریائے سندھ کو عبور کر چکا ہے اور اب تسخیرِ دہلی کے لئے چلا آ رہا ہے اور اس فتنہ مغل سے خائف ہو کر ہزاروں آدمی قرب و جوار کے بھاگ بھاگ کر روانہ دہلی میں پہنچ رہے تھے۔ گلیوں، بازاروں، مسجدوں اور محلات میں کوئی جگہ ایسی نہ تھی جو ان پناہ گزینوں سے نہ بھر گئی ہو۔ غلہ اور تمام اشیاء سخت گراں ہو گئی تھیں۔ چنانچہ علاؤ الدین نے امراء کو جمع کر کے سب کی رائے طلب کی چونکہ دہلی کی حالت اس وقت ایسی نہ تھی کہ مغلوں کی مدافعت آسانی سے ہو سکتی۔ اس لئے اکثر امراء نے یہی رائے دی کہ جہاں تک ممکن ہو صلح و آشتی سے کام لے کر اس فتنہ کو دمع کر دینا چاہیئے۔ علاؤ الدین نے یسین کر کہا کہ :-

تاریخ علائی کا نام خزائن الفتح ہے جو امیر خسرو کی تصنیف ہے۔

۱۔ طبقات اکبری صفحہ ۶۸

”جو کچھ آپ نے کہا ہے وہ صحیح ہے لیکن یہ بتائیے کہ میں دُنیا کو اپنی مورت کیونکہ دکھا سکوں گا۔ کیا منہ لے کر گھر میں جاؤں گا اور میں کیا سلطنت کروں گا۔ نتیجہ جو کچھ ہو میں ان مغلوں سے جنگ کروں گا۔“

چنانچہ اس نے الخ خاں اور ظفر خاں کو سپاہ بیکراں کے ساتھ روانہ کیا اور شہر کا مناسب انتظام کیا۔

مغلوں کی شکست | علاؤی فوج نے لاہور کے حدود میدان کبلی میں مغلوں سے ایسا مردانہ مقابلہ کیا کہ تاریخ میں اس کی دوسری نظیر مشکل سے مل سکتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مغلوں کو سخت شکست ہوئی اور علاؤ الدین تلخ نمندی سر پر رکھے ہوئے دلی واپس آیا اور اپنے نام کے خطبہ میں اور سکوں میں سکندر ثانی کے لقب کا اضافہ کیا۔

مشاورت فی الامر | سلطان علاؤ الدین خود مہم بادشاہ ہوتے ہوئے ہمیشہ تمام امور ملکی سے اپنے امراء سے مشورہ طلب کرتا تھا اور ایک جانب رائے کے مقابلہ میں اپنے بڑے سے بڑے ارادہ کو ترک کر دیتا تھا۔

نئے مسلک کے اجزاء اور فتح عالم کا خیال | سلطان علاؤ الدین نے دو سال دیا اور مسلسل کامیابیوں اور فتوحات نے اس کے حدود سلطنت کو بہت زیادہ وسیع کر دیا اور گجرات وغیرہ پر قابض ہو کر تمام امور سلطنت اس کی مرضی کے مطابق طے ہو گئے تو اس میں اپنی عظمت و جبروت کا پندار پیدا ہو گیا۔ چنانچہ ایک دن سوچا کہ جس طرح نبی آخر الزمان نے اپنے چار اصحاب کی مدد سے ایک دین و شریعت کو رواج دیا۔ اسی طرح اگر میں بھی اپنے چار یار (ا) اس بیگ الخ خاں، ملک ہنر الدین ظفر خاں، ملک نصرت خاں، سنجر الپ خاں، کی مدد سے کوئی شریعت قائم کروں

لہ ہادیونی، ۴ فرشتہ ۱۰۳، ۱۰۴۔ طبقات اکبری ص ۷۔

تو میرا نام قیامت تک قائم رہے گا۔ اسی کے ساتھ دوسرا خیال اس نے یہ قائم کیا کہ جس طرح سکندر رومی نے کشور کشائی اور ملک گیری میں شہرت حاصل کی۔ اسی طرح میں بھی خراساں و ماوراء النہر وغیرہ پر قبضہ کر کے تمام عراق و فارس و عجم و شام و فرنگستان حبش وغیرہ کو مفتوح کروں اور اپنی شریعت کو ذرا و اج دوں۔

جب وہ نشہ کی حالت میں ہوتا تو اکثر اس مسئلہ پر بحث کرتا اور اس کے ائمہ و ندیم خوف کی وجہ سے کچھ نہ کہہ سکتے۔ ایک دن علاء الملک کو تو ال کے سامنے بھی یہی ذکر ہوا۔ اُس نے جرات سے کام لے کر علاؤ الدین کو سمجھایا کہ منصب نبوت خدا کی طرف سے عطا ہوتا ہے اور چونکہ اب سلسلہ نبوت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا ہے۔ اس لئے یہ خیال قائم کرنا سخت نادانی اور خلاف انصاف ہے۔ رہا سکندر کی طرح عزم جہاں کشائی کرنا، سو اس کے لئے دیکھ لیجئے کہ آپ کے پاس کوئی وزیر ادرسا طالیس کی طرح ہے جو آپ کی غیبت میں انتظام سلطنت کو درہم برہم نہ ہونے دے؟

یہ سن کر علاؤ الدین نے کہا کہ پھر اب میں کیا کروں؟ یہ تمام خزاں و دقائن کس کام میں لائے جائیں؟ علاؤ الملک نے کہا کہ ابھی تو ہندوستان کا سارا جنوبی حصہ تسخیر کے لئے پڑا ہوا ہے۔ اتنبھور، چندیری، چوڑ، مالوہ، دھار، اجین فتح کیجئے۔ علاؤ اس کے حدود کا بل کا مستحکم کرنا ضروری ہے تاکہ مغلوں کی طرف سے اطمینان ملی حاصل ہو جائے۔

علاؤ الدین کی حق پسندی | سلطان علاؤ الدین نے یہ سن کر اپنے خیال سے توبہ کی اور اسی وقت علاء الملک کو دس ہزار تنکے، دو آراستہ گھوڑے نہایت قیمتی زریں خلعت، طلائی کمر بند جو وزن میں نصف من تھا اور دو گاؤں انعام میں دیئے۔

سلطان علاؤ الدین راست پسندی کے ساتھ اصول سیاست سے بھی کما حقہ واقف تھا اور نظم و نسق قائم رکھنے کے لئے وہ اپنے تمام ذرائع صرف کر دیا کرتا تھا۔ جب وہ قلعہ اتھنہ کی تسخیر کے لئے آمادہ ہوا اور وہاں توقع سے زیادہ اس کو دیر لگی تو دہلی میں مسلسل تین چار سائشیں اس کے خلاف ہوئیں۔ سب سے پہلے سلیمان شاہ اکت خاں (برادر زادہ علاؤ الدین) نے سازش کی اور اپنے نزدیک سلطان علاؤ الدین کو ہلاک کرنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ لیکن کامیاب نہیں ہوا۔ اس کے بعد عمر خاں اور منگو خاں (علاؤ الدین کے ہمشیر زادگان) نے سلطان کی غیبت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر علم بغاوت بلند کیا۔ لیکن یہ بھی گرفتار ہو کر اپنی منزل کو پہنچے۔ پھر آخر میں حاجی نامی ایک شخص نے زیادہ سنگین بغاوت کی۔ یہ امیر الامراء فخر الدین کو تو ال سابق کا غلام تھا، اس نے دہلی کو خالی پا کر ہنگامہ مچا دیا۔ جو مشکل سے فرو ہو سکا۔ گجرات کے نو مسلموں کی بغاوت اس قبل ظاہر ہو چکی تھی۔

القرن سلطان علاؤ الدین مترد ہوا اور بغاوتوں کے اس سلسلہ کو ختم کر دینے کے لئے اس نے امراء کو جمع کر کے مشورہ طلب کیا۔ ان میں بعض نے کہا کہ بلا منی کے چار اسباب ہوا کرتے ہیں :-

۱۔ خلق کے نیک و بد سے بادشاہ کا لاعلم رہنا۔
۲۔ شراب کا اعلانیہ استعمال، کیونکہ نشہ کی حالت میں لوگ مافی العنیمہ کو آزادی کے ساتھ ظاہر کر دیتے ہیں اور اس طرح باہم دگر فتنہ و فساد پر لوگوں میں اتفاق ہو جاتا ہے۔

۳۔ امراء و اعیان کا ایک دوسرے سے تعلق رشتہ داری اور خلوص و محبت کا بڑھ جانا کہ ایک پر اگر آفت آ جاتی ہے تو سب اس کی مدد کر رہے ہیں۔

۴۔ زرد و مال کی کثرت کہ جب بد اصل آدمی دولت مند ہو جاتے ہیں تو ہمیشہ ان میں خیالات فاسد ہی پیدا ہوتے ہیں۔

محکمہ جاسوسی کا قیام | علاؤ الدین یسین کمر متنبہ ہوا اور سب سے پہلے اس نے اپنی بے خبری دور کرنے کے لئے تمام ملک میں جاسوس مقرر کئے اور خبر سنانی کا ایک ایسا مکمل انتظام کیا کہ امراء وغیرہ جو باتیں رات کو اپنے گھر کے اندر کرتے تھے۔ وہ صبح کے وقت بادشاہ کو معلوم ہو جاتی تھیں اور جب امیر آتا تو بادشاہ ایک پرچہ پر لکھ کر اس کو دکھا دیتا کہ رات کو تم نے یہ یہ باتیں کی ہیں۔ رفتہ رفتہ لوگ اس قدر خائف ہو گئے کہ خلوت و جلوت میں گفتگو کرنا دشوار ہو گیا اور سازش و سرگوشی کا بالکل سد باب ہو گیا۔

سڑکوں کی حفاظت | اس کے ساتھ اس نے اپنے ملک کے تمام راستوں کو سفر کرتے تھے اور رات کو اپنا اسباب بغیر کسی حفاظت کے یوں ہی کھلا چھوڑ دیتے تھے۔ پھر یہ انتظام صرف دہلی ہی کے قرب و جوار میں نہ تھا بلکہ کابل و کشمیر سے لے کر بنگال تک، سندھ و گجرات سے لے کر تلنگانہ و معر تک ہر جگہ راستوں کے پر امن ہونے کی یہی کیفیت تھی اور راہزنی و قزاقی بالکل مفقود ہو گئی تھی۔ اگر کوئی سید یا مسافر گاؤں میں پہنچتا تو مقدم اور اس کے گاؤں کے لوگ اس کو عزت کے ساتھ ٹھہراتے اور کھانے پینے کا بندوبست کرتے۔

میںخواری کا سد باب | دوسرا انتظام شراب خواری کا تھا۔ ہر چند یہ ذرا مشکل لیکن اس نے اپنی طبیعت پر سخت جبر کیا اور سب سے پہلے اپنے ابدار خانہ کو درہم برہم کیا جس قدر چینی کے برتن تھے اُن کو توڑا دیا اور طلائی و نقرئی ظروف کو گھوا کر دار الضرب میں بھیج دیا اور تمام ملک میں اعلان کر دیا کہ بادشاہ نے شراب سے توبہ کر لی ہے اس لئے اب اگر کوئی شراب بنائے گا یا پیتے گا تو قتل کر دیا جائیگا۔

تعلقات ازدواج کی ممانعت | مؤرخین کا بیان ہے کہ اس فرمان کے بعد اس قدر شراب کے قرا بے لوگوں نے

اپنے گھروں سے نکال نکال کر لٹکا دیا جائے کہ تمام راستوں میں کیچڑ ہو گئی۔
 الغرض جب وہ اس انتظام سے بھی فارغ ہوا تو امراء و اعیان کے لئے ایک
 فرمان جاری کیا کہ آئندہ سے بلا حکم سلطانی آپس میں نہ کوئی رشتہ قائم کریں، نہ
 ایک دوسرے کی دعوت کریں۔ اس سے تمام امراء کا ایک دوسرے سے ملنا جلنا اور
 آپس میں تعلقات رشتہ داری پیدا کرنا مسدود ہو گیا۔

مالگذاری کے اصول | اس انتظام سے فارغ ہونے کے بعد وہ دیہات
 کی طرف متوجہ ہوا۔ اس وقت تک انتظام کی
 صورت یہ تھی کہ مقدم اور چودھری سے وصولی مالگذاری کا معاملہ ہوا کرتا تھا
 اور یہ لوگ رعایا کو سخت تباہ کر رہے تھے۔ چنانچہ سلطان نے پیمائش زمین
 کے مطابق مالگذاری فی بسوہ مقرر کی اور حکم دیا کہ نصف پیداوار بلا کسی استثناء
 و کمی کے سب سے وصول کر لی جائے۔

علاوہ اس کے مقدموں سے جو وصول ہو وہ خزانہ میں داخل کیا جائے۔
 اس کے ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ کوئی شخص خواہ مقدم ہو یا معمولی کاشت کار چار
 بیل دو بھینسیں، دو گائیں اور بارہ بکریوں یا بھیتروں سے زیادہ نہیں رکھ سکتا۔
 پھر ہراثی بھی مقرر کی اور آباد گھروں کا کرایہ بھی معین کیا۔ اگر کوئی محرم یا عامل
 بددیانتی کرتا یا ان احکام کی پوری پابندی نہ کرتا تو اس کو سخت سزا دی جاتی۔
 اور اگر سوائے چارہ کے وہ کوئی اور چیز گاؤں سے حاصل کرتا تو پٹواری
 کے کاغذات سے دیکھ کر اس کی قیمت وصول کر لی جاتی۔

اس سختی کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاٹن عمال و محرمات امت سے بیزار ہو کر نوکر یاں
 حرک کرنے لگے اور تمام مقدم و چودھری جو معزز و امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔
 بالکل محتاج ہو گئے اور ان کی عورتیں محنت و مزدوری کرنے لگیں۔

مغلوں کا حملہ روکنے کی تدابیر | یہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ
 علاؤ الدین ایک بار میدان بلی میں

مغلوں کو شکست دے چکا تھا۔ لیکن وہ ان کے فتنہ کی طرف سے بالکل مطمئن نہ تھا۔ اور نہ مغل اپنے حوصلوں کو ترک کر چکے تھے۔ جب انہیں موقع ملتا ہندوستان کی طرف بڑھتے اور دہلی کو فتح کرنے کی تدابیر اختیار کرتے۔ چنانچہ جب علاؤ الدین ^{۱۲۸۶} میں قلعہ چٹوڑ کے محاصرہ میں مصروف تھا تو مارواڑ النہر میں یہ خبر پہنچی کہ میدان خالی ہے اور مغل فوجیں دہلی کی طرف بڑھنے لگیں۔

علاؤ الدین قلعہ چٹوڑ فتح کرنے کے بعد مجبوراً پھر دہلی واپس آیا۔ لیکن چونکہ شاہی افواج کا ایک بڑا حصہ ورنگل کی طرف فتوحات میں مصروف تھا اس لئے یہ بہت متردد ہوا کہ کیا کرے تاہم اُس نے خادہ بندی اور خندقوں سے دہلی کو محفوظ کیا اور اپنی افواج منتشر کو فراہم کرنا چاہا۔ اتفاق سے دو محاصرہ کرنے کے بعد مغلوں میں از خود خوف و ہراس پیدا ہو گیا اور وہ واپس چلے گئے۔ اس کے بعد علاؤ الدین نے مستقلاً ایسے ذرائع اختیار کرنے چاہے جن سے آئندہ کے لئے بھی مغلوں کی طرف سے اطمینان ہو جائے اس کے لئے اس نے حصار دہلی کو اندرون تعمیر کرایا۔ قصر ہزار خاتون اور دوسری عمارات تعمیر کیں لیکن صرف حصار و عمارات بیکار تھیں۔ اس لئے اس نے یہ بھی چاہا کہ عساکر سلطانی کی مقدار و تعداد نہ یادہ کر دی جائے اور یہ اس وقت ممکن تھا جب تنخواہیں کم کر دی جائیں ورنہ یوں تو موجودہ خزانہ صرف ۶ سال کے مصارف کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔

امرا سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ لشکریوں کی تنخواہ اس وقت کم ہو سکتی ہے جب تمام اشیاء ادا ہوں جائیں۔ چنانچہ اس کے لئے علاؤ الدین نے چند قواعد مقرر کئے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ غلہ کپڑا وغیرہ بہت ادا ہوں گیا اور باوجود اس کے کہ پھر قحط بھی رونما ہوا لیکن ادا زانی بدستور باقی رہی۔

کہا جاتا ہے کہ یہ قواعد سلطان علاؤ الدین کی خصوصیات حکومت میں داخل ہیں جس کی طرف اس سے قبل کسی کو توجہ نہیں ہوئی اور نہ اس قدر ادا زانی اس سے پہلے کبھی دیکھی گئی۔ پھر غلط یہ کہ ادا زانی عار مہنی نہ تھی۔ بلکہ علاؤ الدین کے

بقیہ ایام حکمرانی تک بدستور باقی رہی اور اس میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا۔ اور وہ ضوابط و قواعد مجملہ یہاں بیان کئے جاتے ہیں:-

۱۔ اہل بازار کو نرخ مقررہ کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے بلکہ صرف بادشاہ نرخ مقررہ کرے گا۔ چنانچہ تمام مملکت میں حسب تفصیل ذیل نرخ مقرر کیا گیا:-

ایک من گیہوں	۱۲ اجیل	ایک سیر شکر تری	۱۲ اجیل
" " جو	" ۴	" شکر مرخ (رگڑ)	" ۴
" " چاول	" ۵	" ۲ سیر گھی، مکھن	" ۱
" " ماش	" ۵	" ۳ سیر روغن بجنہ	" ۱
" " چنا	" ۵	" ۲ من نمک	" ۵
" " موٹھ	" ۳		

۲۔ ملک قبول الخ خاں (جو انتظامی معاملات میں نہایت فراست رکھتا تھا) منڈی کا داروغہ یا شحنے مقرر کیا گیا۔ جس کا کام صرف یہ تھا کہ مقررہ نرخ میں کوئی تفاوت نہ ہونے دے۔

۳۔ دو آب کے تمام خالصہ دیہات کی مال گزاری غلہ کی صورت میں وصول کی جائے اور سلطنت کی طرف سے غلہ کے ابتداء محفوظ رہیں۔ اگر بازار کا غلہ کم ہو جائے تو شاہی غلہ کو بازار کے نرخ سے فروخت کریں۔

۴۔ عہد علانی کا سن موجودہ فرن کے لحاظ سے ۱۲ سیر کا تھا۔ ایک سیر موجودہ چھ چھٹانک کے برابر اور ایک جیتل تقریباً دو پلیسہ یا ایک ادھتے کی قیمت کا۔ اسلئے اگر حساب لگایا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ موجودہ اندازنی اور سکوں کے لحاظ سے عہد علانی میں ایک من (یعنی موجودہ ۴۰ سیر) گیہوں کی قیمت ۱۲ (۳ روپیہ سکڑ انگریزی) تھی۔

۴۔ سلطنت کے تمام سفری غلہ فروشوں (بجاریوں) کو طلب کر کے ساحل چین پر آباد کیا جائے اور ان سے معاہدہ لیا جائے کہ باہر سے غلہ منگا کر شہر میں مقررہ نرخ سے فروخت کریں گے۔

۵۔ غلہ جمع کرنے کی سخت ممانعت کر دی گئی۔ اگر کوئی شخص غلہ جمع کرے تا تو سختی سلطنت قرق کر لیا جاتا اور سخت تنبیہ کی جاتی۔ ولایت دوآبہ کے افسران مال سے افراد نامہ لیا گیا کہ کوئی شخص ان کے علاقہ میں غلہ جمع نہ کرے۔

۶۔ افسران مال (ریونیو) سے افراد نامہ لیا گیا کہ وہ کھیتوں ہی پر بجاریوں سے قیمت دلا کر غلہ دے دیں اور سوائے اپنے ضروری خرچ کے غلہ کا ایک دانہ بھی کوئی کاشت کار گھر نہ لے جائے۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ بجاریوں کو غلہ آسانی سے ملنے لگا اور بازار میں افراط ہو گئی۔

۷۔ منڈی کے حالات معلوم کرنے کے لئے اس نے تین عہدے دار مقرر کئے۔ ایک شخص منڈی، دوسرے برید منڈی، تیسرے جاسوس منڈی۔ ان میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ بازار کے حال اور منڈی کے نرخ سے روزانہ بادشاہ کو اطلاع دیتا اور اگر ان اطلاعوں میں ذرا بھی تفاوت ہوتا تو شخص سے سخت باز پرس کی جاتی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کوئی شخص مقررہ قواعد سے انحراف کرنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا اور تمام بازار کا بازار ایک مشین کی طرح چل رہا تھا اور حیرت یہ ہے کہ اس کا بازار کے زمانہ میں کبھی غلہ کے نرخ میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔ ایک بار قحط کے زمانہ میں شخص نے صرف جیتل (ایک پسیہ) فی من نرخ بڑھانے کی درخواست کی تو سلطان نے اکیس چوب اس کے ماہرین۔

۸۔ کوئی شخص ایک وقت میں روزانہ خرچ کے علاوہ نصف من سے زیادہ نہیں خرید سکتا۔ اگر قحط کی وجہ سے مساکین کا ہجوم زیادہ ہو جاتا اور ان کا کوئی معقول انتظام نہ ہوتا تو شخص کو سخت سزا دی جاتی۔ شہر کا ہر محل ایک بجارے کے سپرد تھا اور اس کا فرض تھا کہ وہ اس محلہ کے لوگوں کو روزانہ غلہ مہیا کرے۔

۹۔ اسی طرح کپڑے کا نرخ مقرر کیا گیا ۱۰ اعلیٰ درجہ کا سوتی کپڑا ۲۰ گز فی تنکہ (نقرہ) اوسط درجہ کا سوتی کپڑا تیس گز فی تنکہ (نقرہ) فروخت کرنے کا حکم دیا گیا اور اسی مناسبت سے اور تمام قسم کے کپڑوں کی قیمت متعین کی گئی۔ اس کے لئے اس نے ایک مکان سرانے عدل کے نام سے تعمیر کرایا اور حکم دیا کہ یہاں صبح سے لے کر نماز پیشین تک دوکانیں کھلی رہیں۔

۱۰۔ سوداگرانِ شہر و اطراف کے نام دفتر میں درج کئے گئے اور ان سے اقرار نامہ لیا گیا کہ اس قدر کپڑا اور اس قسم کا ہر سال لا کر سرانے عدل میں مقررہ نرخ پر فروخت کیا کریں گے۔

۱۱۔ ملتان (ملتان) کے رہنے والے سوداگروں کو بیس لاکھ تنکہ (نقرہ) خزانہ شاہی سے دیا گیا کہ اطرافِ ممالک سے کپڑا خرید کر کے لائیں اور نرخ مقررہ سے بازار میں فروخت کریں۔

۱۱۔ امراء و غیرہ میں سے جس نفیس اور قیمتی کپڑے کی ضرورت ہو پہلے انہیں بازار کا پروانہ حاصل کرے۔ یہ قید اس لئے لگائی گئی تھی کہ سوداگر یہاں سے نرخِ سلطانی پر انداز کپڑا خرید کر کے باہر گراں قیمت پر فروخت نہ کر سکیں۔

۱۲۔ گھوڑوں کی قیمت ۲۰ تنکہ (نقرہ) سے بارہ تنکہ (نقرہ) تک مقرر کی گئی اور حکم دیا گیا کہ صرف بازار ہی میں نرخ مقررہ کے مطابق گھوڑوں کی خرید و فروخت ہو۔

۱۳۔ لونڈی، غلاموں کی قیمت ۲۰۰ تنکہ (نقرہ) سے پانچ تنکہ (نقرہ) تک مقرر کی گئی۔

الغرض اس نے گائے، بھینس، بکری اور بازار کی تمام چیزوں یعنی ٹوپی سے موزہ

لے فرشتے نے لکھا ہے کہ تنکہ نقرہ ہی ہوا ملائی ایک تولہ چاندی یا سونے کا ہوتا تھا۔ ہر نقرہ تنکہ کی قیمت تبادلہ پچاس جیتل (تانبہ کا پیسہ) ہوتی تھی۔ جیتل کا وزن البتہ مشتبہ ہے بعض کہتے ہیں کہ ایک تولہ تانبہ کا ہوتا تھا۔ یعنی پونے دو تولہ بتاتے ہیں۔

تنگ، شانہ سے سوزن تنگ، نیشکر سے سبزی تنگ، ہر سیہ سے شوربہ تنگ، حلوائے صابونی سے دیوڑی تنگ، بریانی سے روٹی تنگ، پان پھول سے ساگ پات تنگ، الغرض تمام ضروری اشیاء حتیٰ کہ ایک ندیم خاص کے کہنے پر شاہدان بازاری تنگ کا نرخ مقرر کر دیا۔ چنانچہ فرشتہ نے لکھا ہے :-

”عہد علانی میں مصری بحساب فی سیر دو جیتل، شکر تری فی سیر ایک جیتل شکر مرخ فی سیر نصف جیتل، نمک ہ سیر فی جیتل فروخت ہوتا تھا“

۱۴۔ بادشاہ صرف شحمہ وغیرہ کی اطلاع پر کفایت نہ کرتا بلکہ کس لڑکوں کو جنہیں کوئی وقوف نہ ہوتا دام دے کر بازار بھیجتا اور پھر ان چیزوں کو وزن کرتا۔ اگر وزن یا قیمت میں خلافت قاعدہ کوئی فرق ہوتا تو سخت سزا دی جاتی اور کمترین سزا یہ تھی کہ ناک کان کاٹ لئے جاتے یا جس قدر کم اُس نے دیا ہے اتنا ہی گوشت اُس کی ران یا گولے سے کاٹ کر اس کے سامنے ڈال دیا جاتا۔

تحقیق حالات کی کیفیت | الغرض علاؤ الدین نے مستحکم اور عجیب و غریب انتظام بازار کا کیا کہ اس کی حالت میں پھر کوئی تغیر نہیں ہوا اور کبھی کسی نے قانون مقررہ کی خلاف ورزی نہیں کی۔

فوج کی تنخواہ | (۱۵) جب علاؤ الدین بازار کا سارا انتظام کر چکا اُس نے سپاہیوں کی تنخواہیں حسب ذیل مقرر کیں :-

سپاہی درجہ اول : دو سو چونتیس تنکہ (تقریباً ۲۴ پونڈ طلائی موجود انگریزی سکہ کے مطابق) ماہوار۔

سپاہی درجہ دوم : ۱۵۶ تنکہ ماہوار۔

سپاہی درجہ سوم : ۸۷ تنکہ ماہوار۔

جس کے پاس دو گھوڑے ہوتے اس کو ۷۷ تنکہ اور زیادہ ملتا۔

۱۵۔ حسب بیان فرشتہ اس وقت سیر وزن میں ۲۴ تولہ کا ہوتا تھا۔

عارضہ ممالک کی خدمات (۱۶) عارضہ ممالک (جسے موجودہ اصطلاح انگریزی میں MASTER کہہ سکتے ہیں) تمام سپاہ کا معائنہ کرتا اور جو فن تیر اندازی و شمشیر زنی وغیرہ کا ماہر ثابت ہوتا اُسے گھوڑے کی قیمت دیدی جاتی اور گھوڑا داغ دیا جاتا۔

جب علاؤ الدین ان تمام انتظامات سے فارغ ہو گیا اور اس نے فوج کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ صرف سواروں کی تعداد چار لاکھ بہتر نہ رہتی تھی۔

اسی عسکری انتظام کا نتیجہ تھا کہ اسی کے بعد جب مغلوں نے عہدِ علائی میں ہندوستان کا قصد کیا تو ہمیشہ ان کو شکست ہوئی اور نہایت کثیر تعداد میں مقتول و مقید ہوئے۔

علماء کی قدر دانی علاؤ الدین پہلے بالکل ناخواندہ محض تھا اور بعد کو اُس نے صرف معمولی نوشت و خواند سیکھ لی تھی۔

فرشتہ لکھتا ہے کہ جتنے ماہران فن، بزرگانِ دین، علماء کرام، شعراءِ عظام اس کے زمانے میں ہوئے ہیں کسی عہد کو نصیب نہیں ہوئے۔

حضرت شیخ الاسلام شیخ نظام الدین اولیاء، شیخ علاؤ الدین صابر، قطب الاولیاء شیخ لکن الدین بن صدر الدین عارف ملتانى اسی عہد کے بزرگوں میں سے تھے۔

علاوہ ان حضرات کے شیخ صدر الدین جو بے مثل فیاض تھے، تاج الدین ولد صدر الدین جو اپنی جود و سخاوت، علم و حلم کے لحاظ سے بہت مشہور تھے، سید مخیث الدین و سید نجیب الدین، قاضی جلال الدین، قاضی صدر الدین، مولانا ضیاء الدین بیانونی اور حمید الدین ملتانى جو اپنے کمالاتِ ظاہری و باطنی میں مخصوص درجہ رکھتے تھے اسی بادشاہ کے دربار سے متعلق تھے۔

علماء ظاہری میں اس وقت ۴۶ صرف وہ لوگ تھے جو درس و تدریس کے مشغلہ میں مصروف تھے۔ فنِ قرأت کے جاننے والوں میں مولانا ناشاطی، مولانا علاؤ الدین، خواجہ زکی خواہر زادہ شیخ حسن خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

اہلِ وعظ میں سے مولانا حسام الدین، مولوی جلال الدین، مولانا شہاب الدین جلیل

مولانا کریم وہ نفوس تھے جنہیں نوادر روزگار میں جگہ دی جاتی ہے۔

طبقہ شعراء میں صدر الدین عالی، فخر الدین، حمید الدین، مولانا عارف، عبد الحکیم، شہاب الدین جن میں سے ہر ایک شاعری میں ایک خاص طرز کا مالک تھا اور ان سب کے سرتاج حضرت امیر خسرو جو جامع کمالات ظاہری و باطنی ہونے کی حیثیت سے دنیا میں فرو تسلیم کئے جاتے ہیں، اسی دربار کے زلمہ رہا تھے۔

اطباء میں صدر الدین، جولینی طبیب، علیم الدین اور مولانا بدر الدین دمشقی خاص لوگ تھے۔ مولانا بدر الدین کی مسیحائی و خداقت کا یہ عالم تھا کہ اس وقت تک کوئی دوسرا طبیب اس ذہانت و فراست کا پیدا نہیں ہو سکا۔ ان کی نسبت مشہور ہے کہ اگر چند جانوروں کا قارورہ ایک جگہ ملا دیا جاتا تو یہ بتا دیتے کہ فلاں فلاں جانوروں کا بول اس میں شامل ہے۔

علاوہ ان کے دیگر فنون کے ماہرین جن میں مغنی، مطرب، اہل نجوم وغیرہ شامل تھے کثرت سے پائے جاتے تھے اور ان کا شمار مشکل تھا۔

علاؤ الدین کے عہد میں اس قدر مسجدیں، خانقاہیں، حوض، مینار اور حصار تیار ہوئے کہ کسی اور بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئے۔

فرشتہ لکھتا ہے :-

”علاؤ الدین کے شاگرد پیشہ کی تعداد ستر ہزار تھی جن میں سات ہزار صرف معمار و گلکار تھے جو بڑی سے بڑی عمارت کو چند ہفتوں میں تیار کر دیتے تھے۔ تمام سلطنت میں سڑکیں کثرت سے بن گئی تھیں اور نہایت عمدہ حالت میں تھیں۔“

جب سلطان قطب الدین مبارک شاہ (علاؤ الدین کے بیٹے اور جانشین) نے دہلی سے دولت آباد تک کا سفر کیا ہے تو اس وقت کا حال ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ دہلی سے دولت آباد تک ہنگ چالیس دن کا سفر تھا اور ان دونوں شہروں کے درمیان جو سڑک تھی اس کے دونوں جانب بید وغیرہ کے درخت لگے ہوئے

تھے۔ ایک مسافر ایسا محسوس کرتا تھا کہ گویا وہ کسی باغ کی روش پر چل رہا ہے۔ ہر میل پر ڈاک کی چوکی تھی اور راستہ میں ہر جگہ اس کو تمام ضرورت کی چیزیں اس قدر فراوانی سے دستیاب ہوتی تھیں گویا بازار لگا ہوا ہے۔

یہاں سے اور مڑیں ۶ مہینہ، راہ کی معبر اور تلنگانہ تک بنی ہوئی تھیں۔ ہر منزل پر بادشاہ اور دیگر مسافروں کے قیام کے لئے مکانات بنے ہوئے تھے میفلں مسافروں کو تادراہ کی مطلق فکر نہیں ہوتی تھی اور ان کو تمام چیزیں مفت ملتی تھیں۔ سب سے پہلے جو شخص ہاتھی پر عماری رکھ کر سوار ہوا، علاؤ الدین خلجی تھا۔ چنانچہ امیر خسرو فرماتے ہیں :-

کسے در شاہی و انگہ سوار ی جزا و نہاد بر فیلاں عمار ی

عہد علائی کی خصوصیات | سلطان علاؤ الدین اپنے عزم و جہد و اپنی سطوت و سیاست کے لحاظ سے تاریخ ہندوستان میں عجیب و غریب بادشاہ ہوا ہے۔ اس کے عہد کی چند خصوصیات کو ضیاء برنی نے ایک جگہ حسب ذیل جمع کیا ہے :-

۱۔ غلہ، کپڑا اور دیگر اشیاء کی ارزانی۔

۲۔ مسلسل فتوحات اور دولت کا بے شمار انبار۔

۳۔ بڑی فوج کا قیام قلیل خرچ سے۔

۴۔ باغیوں کی سرکوبی اور تمام راجاؤں اور ماتحت فرماں رواؤں کا اطاعت شعار رہنا۔

۵۔ مغلوں کی تباہی۔

۶۔ ملک کے تمام راستوں کی حفاظت۔

۷۔ بازاری لوگوں کا ایسا نثار ہو جانا۔

۸۔ مسجدوں، میناروں، قلعوں اور تالابوں وغیرہ کا کثرت سے تعمیر کیا جانا۔

۹۔ آخری دس سال کے اندر مسلمانوں کا عام طور سے دیانت و امانت، عدل و انصاف پائی۔

کی طرف مائل ہو جانا۔ یہ ہیں اس کے عہد کے برکات۔

افسانوں کی حقیقت | عیدِ علائی کے خاص واقعات میں خضر خاں (اس کے بیٹے) اور دیول رانی (راجہ رائے کی بیٹی) کا واقعہ عشق و محبت ہے۔ لیکن تاریخ فیروز شاہی میں اس واقعہ کا ذکر نہیں۔ اسی طرح خود علاؤ الدین کا راجہ چتوڑ گڑھ کی رانی پدینی کے حسن و جمال کا شہرہ سن کر اس پر عاشق ہونا اور پدینی کا آگ میں جل کر جان دینا بھی کہیں ضیاء برنی نے تحریر نہیں کیا۔ حالانکہ وہ ایک متعصب مزاج مؤرخ تھا اور اس نے تمام وہ باتیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر درج کی ہیں جن سے علاؤ الدین پر کوئی الزام عائد ہو سکتا ہے۔ لیکن اس نے یہ واقعہ درج نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

راجہ خضر خاں اور دیول دیوی کا افسانہ عشق سوا اس کو امیر خسرو نے ضرور ایک مثنوی کی صورت میں درج کیا ہے لیکن اس کی صورت یہ تھی کہ خضر خاں نے امیر صاحب کو طلب کیا اور چند مسودات دے کر کہا کہ ان میں میرے اور دیولی دیوی کے واقعات عشق و محبت درج ہیں ان کو نظم کر دیجئے۔ چنانچہ آپ نے تعمیل ارشاد کر دی۔

جب علاؤ الدین اصلاحات سے فارغ ہوا تو اس نے توسیع سلطنت کی طرف پھر توجہ کی۔ چونکہ تنبھور اور چتوڑ کو وہ اس سے قبل فتح کر چکا تھا اس لئے پھر اس نے دکن کو اپنی تاخت کا جولانگاہ بنانا پسند کیا۔ چنانچہ اس نے ملک کا فورہ ہزار دیناری کو (جو ایک خوب صورت خواجہ سرا اور بادشاہ کا محبوب غلام تھا) بیسپہ میں دیو گڑھ کی جانب روانہ کیا جہاں کے راجہ نے خراج دینا بند کر دیا تھا۔ اس مہم میں ملک کا فورہ کامیاب ہوا اور علاوہ بہت سے مالِ غنیمت کے وہاں کے راجہ رام دیو کو معہ اس کے بیٹوں کے دہلی لے آیا۔ بادشاہ نے راجہ کی بہت عزت کی اور ایک لاکھ تنگہ دے کر پھر حکومت دیو گیر اس کے سپرد کر دی۔ دوسرے سال ملک کا فورہ تلنگانہ کی طرف روانہ کیا گیا۔ لاس سے قبل سندھ

میں بادشاہ نے تلنگانہ پر حملہ کیا تھا لیکن ناکامیاب رہا تھا (اس جنگ میں درنگل مفتوح ہوا اور راجہ نے خراج دینا منظور کیا۔ اس مہم میں ایک سو ہاتھی سات گھوڑے اور بہت سے جواہرات ہاتھ آئے۔

۶۰۹ھ میں ملک کافور ساحل مالابار گیا اور وہاں کے قدیم دار الحکومت، دورسندر کو فتح کر کے میسور تک بڑھ گیا اور معبر کے مشہور مندر کو مسمار کیا۔ اس تاخت میں ۶۱۲ ہاتھی، بیس ہزار گھوڑے، جواہرات کے بہت سے صندوق، ۹۶ ہزار من سونا (جو موجودہ حساب سے ۲۹۴۰۰ ٹن کے برابر ہوا) ہاتھ آیا۔ جس وقت یہ دولت قصر سیری میں بادشاہ کے سامنے پیش کی گئی تو اس نے منوں کے حساب سے سونا لوگوں کو تقسیم کیا۔

ملک کافور نے دکن کے تمام شمالی حصہ کو سلطنت دہلی کا باجگزار بنا دیا اور یہ زمانہ علاؤ الدین کے انتہائی عروج کا سمجھنا چاہیے البتہ آخر وقت میں ملک کافور کے اقتدار کی وجہ سے امراء میں برہمی پھیل گئی تھی۔ اور نظام حکومت میں ترنزل واقع ہو گیا تھا۔ علاؤ الدین اس کو محسوس کرتا تھا لیکن قوی امینجمل ہو جانے کی وجہ سے وہ بے دست و پا ہو رہا تھا۔ حسب روایت فرشتہ، سلطان علاؤ الدین نے ۶۱۲ھ (جنوری ۱۳۱۵ء یا ۱۳۱۶ء) بعارضہ استسقاء انتقال کیا۔ بدایونی امیر خسرو، برنی نے سنہ وفات ۶۱۵ھ تحریر کیا ہے اور یہی درست معلوم ہوتا ہے۔ اس نے بیس سال اور چند ماہ تک سلطنت کی۔

سُلطان شہاب الدین بن علاؤ الدین خلجی

جنوری ۴۱۶ھ تا ۴۱۶ھ
۱۳۱۵ء تا ۱۳۱۶ء

سُلطان قطب الدین مبارک شاہ بن علاؤ الدین خلجی

۴۱۶ھ تا ۴۲۰ھ
۱۳۱۶ء تا ۱۳۲۰ء

ناصر الدین خسرو شاہ

۴۲۰ھ
۱۳۲۰ء

سلطان علاؤ الدین نے وقتِ آخر میں خضر خاں اپنے بڑے بیٹے کو ولی عہد بنانا چاہا جو قلعہ گوالیار میں قید تھا اسے طلب کرنے کا حکم دیا۔ لیکن ملک کا فورے مصالح کا اقتضاء یہ نہ تھا کہ خضر خاں تخت نشین ہو اس لئے وہ مالت رہا۔ حتیٰ کہ علاؤ الدین کا انتقال ہو گیا اور اس کے دوسرے دن ایک نوشتہ سلطانی اس معنوں کا پیش کر کے کہ خضر خاں کی ولی عہدی بادشاہ نے منسوخ کر دی تھی۔

ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ علاؤ الدین کے پانچ بیٹے تھے۔ خضر خاں، شادی خاں، ابوبکر خاں، مبارک خاں، شہاب الدین۔

سلطان علاؤ الدین مبارک خاں کی طرف زیادہ متوجہ نہ تھا۔ اپنے دوسرے بیٹوں

کو اس نے طبل و علم دے کر شاہانہ اعزاز سے سرفراز کر رکھا تھا لیکن اس کی طرف سے بے خبر تھا۔ ایک دن علاؤ الدین نے اس کو بلا کر کہا کہ میں تمہیں بھی وہی عزت دینا چاہتا ہوں جو تمہارے اور بھائیوں کو حاصل ہے۔

اس نے جواب دیا کہ صرف خدا عزت دینے والا ہے۔ اس جواب سے سلطان علاؤ الدین بہت برہم ہو گیا۔ خضر خاں سب سے بڑا بیٹا تھا اور بادشاہ اس سے خوش بھی تھا۔ لیکن اس کے ماموں سحر نے علاؤ الدین کی حیات ہی میں خضر خاں کو تخت نشین کرنے کی سازش کی جس کا پتہ ملک کافور کو لگ گیا اور اس نے بادشاہ کی اجازت سے سحر کو قتل اور خضر خاں کو قلعہ گوالیار میں قید کر دیا۔

سلطان علاؤ الدین کے مرتے ہی ملک کافور نے ابو بکر خاں اور شادی کو اندھا کر کے گوالیار بھیج دیا اور خضر خاں کی آنکھیں نکالوا لیں اور شہاب الدین کو جو سب سے چھوٹا لڑکا تھا اور اس کی عمر اس وقت صرف چھ سال کی تھی تخت نشین کر کے تمام انتظامات اپنے ہاتھ میں لے لئے اور خاندان علاؤ الدین کے تمام افراد کو تباہ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ اب صرف ایک مبارک خاں رہ گیا تھا تو اس کو بھی قید کر لیا اور چند سپاہی مبارک خاں کو قتل کرنے کے لئے روانہ کئے۔ لیکن جب یہ سپاہی مبارک خاں کے پاس پہنچے تو اُس نے مالائے مروا دید ان کے سامنے ڈال دیا اور اپنے باپ کے حقوق یاد دلانے۔ اس سے یہ لوگ متاثر ہو کر واپس آ گئے اور اپنے افسران مبشر و بشیر سے سادہ حال بیان کیا۔ چنانچہ انہوں نے اس رات ملک کافور کو قتل کر دیا اور اس طرح ۸ محرم ۷۱۷ھ کو مبارک شاہ سلطان قطب الدین لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوا۔

عنانِ حکمرانی ہاتھ میں لے کر اس نے حدودِ پنجاب خوش خلقی کا ثبوت پیش کیا اور

۱۷ صاحب طبقات اکبری۔ فرشتہ اور اختیار برنی نے ۷۱۷ھ تحریر کیا ہے لیکن امیر خسرو

مثنوی نہ پہر میں ۷۱۶ھ لکھتے ہیں

www.KitaboSunnat.com

سترہ ہزار قیدی رہا کئے۔ جلاوطنوں کو وطن واپس آنے کی اجازت دی اور فوج کو چھ ماہ کی تنخواہ یک مشت دی گئی۔

امراء و ملوک کی جاگیریں اور منصب بڑھائے گئے۔ تمام سخت معمول منسوخ کر دیئے۔ بازاری کے جو انتظامات علاؤ الدین نے قائم کئے تھے ایک قلم موقوف ہو گئے۔ البتہ علماء و صلحاء کے وظائف میں اضافہ کر دیا۔ انعام و اکرام کی چاروں طرف سے بادشہ ہونے لگی۔ لیکن ظاہر ہے کہ جن اصولوں پر علاؤ الدین نے سلطنت قائم کی تھی ان کا دفعۃً اٹھا دینا سلطنت کے لئے کبھی مفید نہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ رعایا کا طبقہ تباہ ہونے لگا۔ امراء وغیرہ کا اقتدار بڑھ گیا اور رفتہ رفتہ جو نقائص دولت کے بیجا استعمال سے رونما ہونے لگے تھے وہ سلطنت میں ظاہر ہونے لگے۔ جس طرح علاؤ الدین نے ملک کافور کو ادنیٰ درجہ سے وزارت کے عہدہ تک پہنچا دیا۔ قطب الدین مبارک شاہ ناصر الدین خسرو خاں ایک نو مسلم سے مالوت ہو گیا تھا۔ اس کا نام حسن تھا اور پہلوانانِ گجرات تھا۔ مبارک شاہ نے اس کو خسرو کا خطاب دے کر سارے ملکی انتظامات کا محتار بنا دیا۔

”ناصر الدین خسرو خاں از بندگانِ علائی بود در عہدِ طفولیت خسرو خاں و برادر اول از نجب مالوہ بردست لشکر اسلام ابیرکتہ“ (مبارک شاہی ص ۴۸)

”خسرو خاں در میان مسلمانان ظلم و تعدی کردن گرفتند و عورت از درون حرم می بردند و خزان و دقائن کہ از سلطان علاؤ الدین ماندہ بود بتمام پریشان و تلف می کردند“

(تاریخ مبارک شاہی شیخی بن احمد بن عبد اللہ برہنہ ص ۳۲۷ نصف نمودہ)

چونکہ حسن پہلے ہندو تھا جب اس کا اقتدار قائم ہو گیا تو اس نے علانیہ ہندوؤں کو ترقی دینی شروع کی اور مسلمانوں کی ذلت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

آخر کار خسرو خاں نے سن ۶۷۷ھ میں مبارک شاہ اپنے عمن کو قتل کر دیا اور خود تخت نشین ہو گیا۔ اس وقت تمام مسلمان امراء و ملوک سخت پریشان تھے۔ خسرو خاں علاؤ الدین کے تمام افراد کو تہ تیغ کر کے خاتونانِ حرم کی ہر ممکن توہین

کر رہا تھا یہاں تک کہ اُس نے مرحوم بادشاہ کی ملکہ سے بجز شادی بھی کمر لی (علانیہ مذہب اسلام کی توہین شروع کر دی تھی۔ قرآن مجید کی توہین کی مسجدیں منہدم کر دیں اور تمام بڑے بڑے عہدے ہندوؤں کو دیئے جا رہے تھے اور جو چند مسلمان عامل و صوبہ دار رہ گئے تھے ان کو بھی خسرو خاں قتل کر دینا چاہتا تھا۔

اس وقت غازی ملک دہلیاں پور کا حاکم ان حالات کو سُن کر مضطرب و فکر مند ہو رہا تھا۔ بادشاہ اس نے ارادہ کیا کہ خسرو خاں کا مقابلہ کرے۔ لیکن اس کا بیٹا ملک فخر الدین جو ناخاں خسرو خاں کے قبضہ میں تھا اس لئے خاموش رہ جاتا تھا۔ آخر کار جب جو ناخاں حقیقہ طور سے اپنی جان بچا کر دہلی سے بھاگ نکلا اور اپنے باپ کے پاس پہنچ گیا تو غازی ملک نے خسرو خاں کے خلاف فوج کشی کی اور ۱۳۰۲ھ میں خسرو خاں قتل کیا گیا۔

جب غازی ملک اس جنگ سے فارغ ہوا اور خسرو خاں قتل ہوا تو اس نے تمام امراء کو بلا کر کہا کہ خدا کے فضل و کرم سے میں نے اپنے ولی نعمت کا انتقام لے لیا۔ اب تم لوگ جس کو مناسب سمجھو تخت نشین کر دو۔“

چونکہ خاندان خلجی میں اب کوئی شخص باقی نہ رہا تھا اس لئے سب نے بالاتفاق غازی ملک کا ہاتھ پکڑ کر تخت سلطنت پر بٹھادیا اور غیاث الدین تغلق کا خطاب دیا۔ سلطان قطب الدین نے بارہ سال اور چار ماہ تک حکومت کی اور خسرو خاں کچھ دن کم تک پانچ ماہ تک حکمران رہا۔ ۳

۶

۱۔ فرشتہ نے ۱۳۰۲ھ تحریر کیا ہے۔ بدایونی صاحب طبقات اور ضیاء برنی نے ۱۳۰۲ھ درج کیا ہے
۲۔ فرشتہ ۱۳۰۲ھ۔ ۱۳۰۳ھ تاریخ فیروز شاہی ۲۱۱-۲۲۹ بدایونی ۵۲-۵۴ برنی (البیٹ ۲)
طبقات اکبری ۸۶-۹۵ ۳۔ نگار ہندوستان نمبر۔

تغلقیہ خاندان

غیاث الدین تغلق

۷۲۵ھ تا ۷۲۰ھ
۱۳۲۵ء تا ۱۳۲۰ء

تغلق ایک ترک لفظ ہے جس کے معنی پہاڑی کے ہیں۔ یہ پشتو لفظ رہیلہ کے مراد ہے۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ شیخ رکن الدین قریشی ملتانی سے میں نے سنا ہے کہ تغلق ترک قوم کے قبیلہ قرونہ سے تھا اور یہ لوگ ترکستان اور سندھ کے بیچ کے پہاڑوں میں رہتے تھے۔ غیاث الدین کا باپ ملک تغلق تھا۔ غیاث الدین ہی ملک غازی کہلاتا تھا۔ اس کی ماں جاٹ کی لڑکی تھی۔ خراسان سے سندھ آیا کسی سوداگر کا ملازم ہوا۔ پھر الخ خاں خلجی کے لشکر میں سپاہی بن گیا۔ جب کچھ وسعت ہوئی اور گھوڑا بہم پہنچ گیا تو سواروں میں داخل ہوا اور اپنی بہادری سے سب کے دل پر سکھ جالیا اور اس طرح درجہ بدرجہ ترقی کرتے ہوئے میرا خود (دادوغہ اصطبل) ہو گیا جو اس عہد میں بہت بڑا عہدہ تھا اور صرف وفادار امیروں کو اس پر ممانہ کیا جاتا تھا اور اس زمانہ میں چونکہ مغلوں کا بڑا زور تھا اس لئے سرحدی علاقے مخصوص وفادار امیروں کے حوالے کئے جاتے تھے۔ چنانچہ ملک غازی کو بھی دیپال پور کا علاقہ سپرد ہوا۔ جو آج بھی مونٹ گری (پنجاب) کے ضلع میں بیاس نئی کے پرانے شہر پر پاک پٹن سے ۲۰ میل مشرق کی طرف واقع ہے۔ وہ عرصہ تک اسی جگہ رہا اور اس کا بڑا لڑکا محمد جو نا جس کے نام پر شہر جونپور یو۔ پی میں

بسیا گیا ہے۔ پائیہ تخت دہلی میں رہتا تھا۔

قطب الدین کے بعد نور مسلم امیر خسرو خاں گجراتی اپنے آقا کو دھوکہ سے قتل کر کے تخت پر بیٹھ گیا تو جیسا اوپر گنہگار ملک غازی تغلق نے لڑ کر اس سے سلطنت چھین لی اور سلطان غیاث الدین تغلق کے نام سے یکم شعبان ۶۰۲ھ کو تخت پر بیٹھا۔ سلطان غیاث الدین خاندان تغلق کا پہلا بادشاہ تھا۔ اس نے اپنے تدبیر اور اعلیٰ قابلیت و دانشمندی سے حسن انتظام و تلافی مافات میں کوئی دقیقہ کشش کا اٹھانہیں رکھا۔ بہ حیثیت ایک آزمودہ کار افسر ہونے کے جو شہرت صوبہ پنجاب (دیپال پور) میں حاصل کی تھی اور اپنی پامردی سے وہ تانماری فتنہ کوہندوستان سے دور کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔

غیاث سلطنت ہاتھ میں لینے کے بعد اس نے اپنی دیانت و امانت، محنت و جفاکشی، حزم و احتیاط عقل و فراست سے کام لے کر ان تمام خرابیوں کو جو سلاطین خلجی اور خسرو خاں کے عہد حکومت میں پیدا ہو گئی تھی دور کر کے اسلامی مملکت ہند کو اپنی اصلی حالت پر لے آیا جو ملک اور رعایا کے لئے حد درجہ باعث سکون و فلاح ثابت ہوا۔ اس نے عہد علانی کے تمام معزول و تباہ شدہ امراء کو طلب کر کے ان کے مواجیب و انعامات بحال کئے۔

”بقیہ احوال عیال و نسل سلطان علاؤ الدین و سلطان قطب الدین ہر کس

ہر جا بود تفقد احوال نموده بوظیفہ داد و راز خوشدل ساختہ“

خاندان علانی کے بقیہ السیف افراد کی حد درجہ عزت کی اور خواتین خلجیہ کا

۱۔ ابن بطوطہ سے شیخ امام رکن الدین ملتانی نے بیان کیا تھا کہ انہوں نے خود اس مسجد کو دیکھا

تھا جو غازی ملک (غیاث الدین) نے ملتان میں تیار کرائی تھی۔ اس کے ایک کتبہ میں درج تھا کہ ”میں نے ۶۹ بار تاناریوں کا مقابلہ کر کے ان کو شکست دی۔ اسی بناء پر مجھے ملک غازی

کہا جاتا ہے۔“ ابن بطوطہ (البلد، ۳-۶۰۶-۱) ۱۰ طبقات اکبری ص ۹۵۔

احترام کرنے میں اس نے اپنی ساری کوشش صرف کر دی۔ الغرض ملک کا نظام حکومت جو بہت ابتر ہو گیا تھا اس کو ایک ہفتہ کے اندر اصل حالت پر لے آیا۔ مستحقین کے حقوق ادا کئے اور ظالموں کی داد و گیر شروع کی۔

وہ حد درجہ معتدل مزاج تھا۔ افراط و تفریط سے ہٹ کر ایک مناسب رٹے تمام امور میں قائم کیا کرتا تھا۔ کام کرنے والے لوگوں کی اس نے قدر کی اور ناکارہ لوگوں کو اپنے دیار سے خارج کر دیا۔

اس نے خراج کے اصول اندر نو منضبط کئے اور پیداوار کے دسویں یا گیارہویں حصہ سے زیادہ محصول لینے کی سخت ممانعت کر دی۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ ہر سال رقبہ زراعت بڑھتا جائے اور مقدم و چودھری کاشت کاران پر جبر نہ کر سکیں۔ جن امراء و ملوک کے پاس جاگیریں تھیں ان کی انتظامی حالت کی بھی نگرانی کرتا اور جبر و تعدی پر سخت باز پرس کرتا۔ خسرو خاں نے جن لوگوں کو خزانہ شاہی سے بیجا انعامات دیئے تھے وہ سب وصول کر کے خزانہ میں داخل کئے۔

جب کوئی فتح یا کامیابی کی خبر اس کو ملتی، بیٹا پیدا ہوتا، یا شہزادوں کی شادی ہوتی تو تمام اکابر و علماء کو طلب کرتا اور حسب حیثیت انعامات سے سرفراز کرتا۔ جو مشائخ و صوفیہ خلوت نشین ہوتے ان کے پاس تحائف و نذرانے وہیں بھیجتا۔ چاہتا تھا کہ جو سرت مجھے حاصل ہو اس میں ساری رعایا شریک ہو۔ چنانچہ وہ سب کو کچھ نہ کچھ دیتا اور اکثر ایسی داد و دہش کے بہانے پیدا کرتا رہتا۔ اس کا مقصود سلطنت یہ تھا کہ سارا ملک فراغت و اطمینان سے زندگی بسر کرے۔ رعایا خوشحال ہو جائے۔ لوگ گدائی چھوڑ دیں اور حلال کی کمائی حاصل کریں۔ اسی خیال کے زیر اثر اس نے مزدوری و اجرت میں ۲۵ فی صدی اضافہ کر دیا۔ کاشت کاروں اور ہندوؤں کی حالت میں جو تمدنی انحطاط عارضی اسباب کی وجہ سے ہو گیا تھا دور ہو گیا اور پھر وہ آزادی کے ساتھ اپنے اپنے مشاغل میں مصروف ہو گئے۔

جس سپاہ کو خسرو خاں نے موجب سے زیادہ دوپہ تقسیم کر دیا تھا وہ آہستہ

آہستہ اس نے وصول کیا اور فوج کے باب میں جو قواعد علاؤ الدین خلجی نے مقرر کئے تھے (حلیہ و امتحان و داغ اور تعین قیمت وغیرہ) وہ سب بدستور جاری رکھی۔ البتہ اس کی احتیاط ضرور کی کہ کوئی افسر یا امیر سپاہیوں کو ذلیل نہ سمجھے اور ان کو کوڑے نہ مارے۔ مطالبات کے وصول کرنے میں بھی وہ بہت نرمی سے کام لیتا۔ لاکھوں کے مطالبہ میں اگر ہزاروں بھی وصول ہو جاتے تو غنیمت سمجھتا اور حد درجہ نرمی و آشتی سے کام لے کر معاملات کو طے کرتا وہ نہ معمولی باتوں پر کسی کو حد سے زیادہ انعام دیتا اور نہ ضرورت سے زیادہ سختی عمل میں لاتا۔ میانہ روی اس کی خصوصیت تھی اور عدل و انصاف اس کی حکومت کا نصب العین تھا۔

انہی باتوں کے ساتھ اس نے مغلوں کی طرف سے بھی ہندوستان کو مطمئن کر دیا اور ایسی سخت ناکہ بندی کر دی کہ اس کے عہد میں ان کو حدودِ ہند کی طرف آنے کی جرأت ہی نہ ہوئی۔

اس نے نہریں کثرت سے کھدوائیں۔ باغات تعمیر کرائے۔ ویرانوں کو آباد کیا۔ بنجر زمین کو تردد سے قابلِ کاشت کیا اور متعدد عمارات قائم کرا دیں جہاں تعلق آباد اس بادشاہ کی یادگار ہے۔

» نیکذات پسندیدہ اعتقاد بود با و امر و نواہی تقید تمام داشت بیشتر اوقات او صرف عبادت سری و بقیام شب و مواظبت نفل اشغال نمودے اگر مسکرات نکستی و در منع شراب مبالغہ نمودی «

غیاث الدین صوم و صلوة کا بھی پابند تھا۔ وہ ہمیشہ باجماعت نماز ادا کرتا تھا اور تراویح کے ساتھ روزہ رکھتا تھا۔ وہ اکثر با وضو رہتا اور شراب نہ خود پیتا اور نہ کسی کو پینے دیتا۔ کبر و غرور اس میں نام کو نہ تھا۔ مکر و فریب سے وہ بالکل نا آشنا تھا اور سادگی اس کی فطری خصوصیت تھی۔

لہ طبقات اکبری ص ۹۷۔

فتوحات کے لحاظ سے بھی اس کا عہد کامیاب ثابت ہوا اور بنگال و دکن کی طرف عساکرِ سلطانی نے کافی کامیابیاں حاصل کیں۔

۱۲۰ھ میں جب تلنگانہ اور ورنگل کے راجہ نے خراج دینے میں تامل کیا تو غیاث الدین نے اپنے بیٹے جو ناخاں کو (جسے اب الخ خاں کا خطاب عطا ہو گیا تھا) اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا اور ہر چند ایک بار بعض مفسدین کے اغواء سے لشکر میں برہمی پیدا ہو گئی، لیکن دوسری بار کامیابی حاصل ہوئی۔ ورنگل فتح ہوا اور اس کا نام سلطان محمد رکھا گیا۔

اسی طرح جب ۱۲۲ھ میں لکھنوتی (بنگال) اور سنار گاؤں (ڈھاکہ) کی طرف سے جبر و ظلم کی شکایت موصول ہوئی تو غیاث الدین نے اپنے بیٹے کو ورنگل سے طلب کر کے دارالسلطنت کا انتظام سپرد کیا اور خود لشکرِ عظیم لے کر لکھنوتی کی طرف کوچ کیا۔ غیاث الدین کی سطوت و جبروت سے اس وقت سارا ہندوستان آگاہ تھا اس لئے ناصر الدین فرمانروائے لکھنوتی ستائش و غیرہ لے کر خود حاضر ہوا اور بہادر شاہ کو جو سنار گاؤں کا فرمانروا تھا اور بہت متکبر و مغرور ہو گیا تھا۔ گرفتار کر کے حضور میں پیش کیا۔ سلطان غیاث الدین نے ازراہ لطف و عنایت ناصر الدین کو ”چتر و دور باش“ عنایت کر کے نہ صرف لکھنوتی کا فرمانروا تسلیم کیا بلکہ سنار گاؤں کو بھی اُس کے سپرد کر دیا اور قلعہ تہ بہت فتح کرتا ہوا دارالحکومت کی طرف واپس آیا اور ایک اتفاقی حادثہ سے مرگیا۔

جو ناخاں نے تین دن میں ایک قصر تعمیر کرایا اس میں بادشاہ نے قیام کیا۔ بجلی کی کڑک سے وہ مر گیا۔ اس پر چھوٹے قصے مشہور ہوئے وہ قابلِ قبول نہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ وہ بہترین فرمانروا تھا اور اگر وہ چند دن اور حکومت کرتا تو جو اسلوبِ حکمرانی اس نے اختیار کیا تھا وہ زیادہ مستحکم ہو جاتا۔

یہ صحیح ہے کہ اس کے جانشین محمد تغلق کو ابتداء میں کثرت سے کامیابیاں حاصل ہوئیں اور سلطنت بہت زیادہ وسیع ہو گئی، لیکن چونکہ اس کے عہد

میں بغاوتیں شروع ہو کر طوائف الملوکی کی بھی بنیاد پڑ گئی تھی اس لئے سلاطینِ دہلی میں یہ اقیانوسِ غیاث الدین ہی کو حاصل ہے کہ بحیثیت فرمانروائے ہندوستان ہونے کے سب سے زیادہ وسیع مملکت اس کی زیر نگین تھی اور آخر وقت تک وہ اس پر قابض بھی رہا۔

غیاث الدین کا زمانہ حکومت صرف چار سال اور چند ماہ رہا ۶۲۵ھ میں اس نے انتقال کیا اور الغ خاں کو اپنا جانشین چھوڑ گیا۔

سُلطان محمد بن تغلق شاہ

۶۲۵ھ تا ۶۵۲ھ
۶۲۵-۶۴۳ تا ۶۵۲-۶۵۱

غیاث الدین تغلق کی وفات پر شاہزادہ جو ناجسے الغ خاں بھی کہتے ہیں "سلطان المجاہد محمد بن تغلق" کا لقب اختیار کر کے ۶۴۵ھ میں تخت نشین ہوا۔

"سلطان غیاث الدین تغلق شاہ بادشاہِ کریم و عادل بود و در طبیعت او ہمہ فراہی و عبادت و آبادانی و دانائی و ہشیاری و عصمت و پاکی و پاکیزگی مہول و مذکور بود و اٹما خمس اوقات فرائض بجماعت گزار دی۔"

(مبارک شاہی ص ۹۲)

محمد تغلق شیریں بیان اور فصیح مقرر تھا۔ عربی و فارسی میں فی البدیہ علمی شغف | ایسے مراسلات تحریر کر دیتا کہ بڑے بڑے ماہرینِ فن متحیر ہو جاتے تھے۔ اس کی ذہانت و فراست کا یہ عالم تھا کہ ایک شخص کو دیکھتے ہی اس کے تمام محاسن و مصائب سے اس طرح آگاہ ہو جاتا جیسے کہ برسوں کے تجربہ کا

نتیجہ ہو۔ علم تاریخ میں ایسی مہارت تھی کہ مشکل سے اس کے سامنے مورخ تک کو گفتگو کی حُرأت ہوتی۔ حافظہ اس بلا کا پایا تھا کہ جو ایک بار دیکھ یا سُن لیتا پھر وہ نقش کا لُحْر ہو جاتا۔ حکمت، نجوم، ریاضی و منطق میں تبحر کی یہ کیفیت تھی کہ دقیق ترین مسائل علمیہ بات کی بات میں حل کر دیتا۔

» بعلم حکمت و معقولات رغبت نمودی و سعدنطقی و عبید ساغر مولانا
علم الدین کہ اند علمائے فلسفہ بودند در صحبت اُو بودند؟

بدر چایح ضیاء بر فی مولانا ناصر الدین ملک قاضی فقہ رکن عالم نصیر الدین چراغ دہلوی در بار کے روشن ستارے تھے۔ فن شاعری میں بھی اس کی جامعیت مشہور ہے۔ اسے نہ صرف قداماء کے کلام پر عبور حاصل تھا بلکہ خود بھی نہایت پاکیزہ شعر کہتا۔ فن طب کا ایسا مجتہدانہ ذوق رکھتا تھا کہ خود مریضوں کا علاج کرتا۔ فن کتابت میں بھی اُسے ملکہ حاصل تھا۔

اسلام سے دلی لگاؤ | اپنے مذہب کا حد درجہ احترام کرتا۔ فرائض کے علاوہ نوافل و مستحبات بھی کبھی اس سے ترک نہ ہوتے تھے۔

تہذیب کو کبھی منہ نہیں لگایا۔ دیگر مشاغل و امور و سلاطین کے ساتھ مخصوص ہیں کبھی اختیار نہیں کئے۔ بخشش و کرم کی یہ کیفیت تھی کہ اگر کسی درویش کو خزانہ بھی اٹھا کر دے دیتا تو یہی سمجھتا کہ میں نے کچھ نہیں دیا۔ ممکن نہیں تھا کہ کسی بیوہ یا غریب و ضعیف کی قریاد اس تک پہنچ جائے اور وہ اسے مالا مال نہ کر دے۔ عراق و خراسان، ماوراء النہر و ترکستان، روم و عربستان کے علماء و فضلا ماہرین فنون اس کے دربار میں کھینچے ہوئے چلے آ رہے تھے اور وہ دونوں ہاتھوں سے زر و جواہر کی بارش ان پر کر رہا تھا۔

داد و دہش | اتنا ترخان والی سارگاؤں کو جب اُس نے بہرام خاں کا خطاب

لے طبقات کبریٰ و ایضاً و فرشتہ جلد اول حالات محمد تغلق

دیا تو اس کے ساتھ ایک ہی دن میں سو ہاتھی، ہزار گھوڑے اور ایک کروڑ تنکے مرغ (اشترنی) بھی مرحمت فرمائے۔

ملک سنجربد خسانی کو اسی لاکھ تنکے، ملک عماد الدین کو ستر لاکھ تنکے اور مولانا ظفر الدین اپنے استاد کو چالیس لاکھ تنکے ایک دن میں اٹھا کر دیدیئے۔ اسی طرح مولانا ناصر الدین اور ملک غازی کو جو ایک فاضل شاعر تھا سالانہ لاکھوں تنکے انعام میں مرحمت کئے۔

جرات و تدبیر | جرات و بہادری، علوئے حوصلہ، بختگی، عزم، دسوخ تدابیر کی صفات کا بادشاہ تھا۔ یہی وجہ کامیابی کی تھی۔

صاحب مسالک البصار نے سراج الدین ابوالفتح عمرو (جو اودھ کا دہنے والا اور محمد تغلق کے دربار سے عرصہ تک متعلق رہا تھا) اور شیخ مبادک کے بیان سے اس عہد کے مفصل حالات لکھے ہیں کہ محمد تغلق کس شوکت و جبروت کا بادشاہ تھا۔ اس کے دربار کا کیا آئین تھا اور اس کے زمانے میں دہلی اور دیوگر (دولت آباد) کی رونق کا کیا عالم تھا؟ دولت آباد کا نام اس نے قبۃ الاسلام رکھا تھا اور کثرت سے عمارتیں بنوائیں جنہیں جماعتوں کے قیام کے لئے شہر کو وقف کر دیا تھا۔ علماء، فقراء، مشائخ، امراء، ملوک، خوانین، فوج، وزراء، حجار، پیشہ ور لوگ، رنگرینز اور حداد وغیرہ کے لئے الگ الگ محلے مقرر کئے اور وہاں ان کے لئے مسجدیں، باڑا، حمام، بھٹیاں اور ضرورت کی تمام عمارتیں قائم کرادیں۔ ہر محلہ گویا ایک مستقل قصبہ تھا۔

دہلی کا یہ حال تھا کہ یہاں چھوٹے اور بڑے مدارس ایک ہزار کے قریب تھے اور ستردار الشفاء تھے جن میں غرباء کا علاج ہوتا تھا، ۲۰۰۰ مسجدیں تھیں اور خانقاہوں اور حماموں کا کوئی شمار نہ تھا۔ کنوئیں کثرت سے موجود تھے۔

لے صبح الاعشی ۔

افسران حکومت درجہ بدرجہ خان، ملک، امیر، سپہ سالار اور جزر کہلاتے تھے۔ اور سواروں کی تعداد نو لاکھ تھی جن میں ترک، ایرانی اور ہندوستانی لوگ شامل تھے۔ ان کے گھوڑے عمدہ، وردی نفیس اور اسلحہ کی حالت پسندیدہ تھی۔ ایک خان کی ماتحتی میں دس ہزار سوار اور ایک ملک کی ماتحتی میں ایک ہزار سوار ہوتے تھے۔ امیر سواروں کے دستہ کا افسر تھا اور سپہ سالار اس سے کم درجہ کا۔ سپہ سالار بادشاہ کی حضوری میں نہیں جاسکتا تھا۔ ان کی تنخواہوں کی عوض میں جاگیریں مقرر تھیں جن میں کبھی کمی نہ ہوتی تھی۔ ہر خان کو دو لاکھ تنکہ (ہر تنکہ آٹھ درہم کے برابر) ہر ملک کو پچاس اور ساٹھ ہزار تنکہ کے درمیان، ہر امیر کو تیس اور چالیس ہزار تنکہ کے درمیان اور سپہ سالار کے بیس ہزار تنکہ کی جاگیر اس کے ذاتی مصارف کے لئے مقرر تھی۔ سپاہیوں اور مملوکوں کی تنخواہ علاوہ خوراک، لباس اور مصارف اسپ کے ۵۰۰ تنکہ مقرر تھی جو خزانہ شاہی سے نقد ملتی تھی۔

غلاموں کو دس تنکہ ماہوار تنخواہ دی جاتی تھی اور چار جوڑے کپڑے ہر سال مرحمت ہوتے۔ اس کے علاوہ ماہوار دو من گہوں اور چاول اور روزانہ تین سیر گوشت مع ضروری سامان لگی اور سالہ وغیرہ کے ہر غلام کے لئے مقرر تھا۔

کارخانہ جات سلطان کا ایک ذاتی کارخانہ کپڑا بننے کا تھا جس میں چار سو آدمی ہر قسم کا لیشمی کپڑا بناتے تھے۔ اس کارخانہ میں جو کپڑے تیار ہوتے ان سے خلعت وغیرہ بھی تیار کئے جاتے۔ سلطان ہر سال موسم بہار میں ایک لاکھ اور موسم خزاں میں ایک لاکھ خلعت تقسیم کرتا۔ موسم بہار کی خلعتیں اسکندریہ کے لیشمی کپڑوں کی ہوتیں اور موسم خزاں کے خلعت دہلی یا چین و عراق کے کپڑے کی تیار کی جاتیں۔ خلعتیں، خانقاہوں میں مشائخ و علماء وغیرہ کو بھی تقسیم کی جاتی تھیں۔

صرف سلطان کے ذاتی کارخانے نے در دوزی اور کارچوب کے ۵۰۰ تھے جن میں خواتین حرم و دیگر معزز خواتین کے لئے ہر وقت کام ہوتا رہتا تھا۔

سلطان ہر سال دس ہزار عرب گھوڑے نہایت اچھی نسل کے معہ ساز و براق کے امراء کو تقسیم کرتا تھا اور معمولی گھوڑوں کا تو کوئی شمار نہ تھا۔

نائب و ارکان سلطنت | سلطان کا ایک نائب تھا جو خوانین سے منتخب کیا جاتا تھا۔ اس کی جاگیر کا رقبہ صوبہ عراق سے کم نہ تھا۔ اسی طرح ایک وزیر بھی تھا۔ وزیر کی ماتحتی میں چارہ اس کے سکڑٹری ہوتے تھے جن کی جاگیر بیس ہزار اور چالیس ہزار تنکے کے درمیان ہوتی تھی۔ علاوہ ان کے چارہ دیر (میرمنشی) بھی ہوتے تھے۔ ہر دیر کے ماتحت ۳۰۰ محرد۔ یعنی محردوں کی جاگیر بھی تھی اور نقد تنخواہ بھی۔

ارکان عدالت عالیہ | قاضی القضاۃ کا بھی عہدہ ہوتا تھا جسے صدر جہاں اور اسلام بھی کہتے تھے۔ اس کی جاگیر میں دس قصبات ہوتے تھے جن کی آمدنی ساٹھ ہزار تنکے سے کم نہ ہوتی تھی۔ ایک عہدہ شیخ الاسلام کا بھی تھا اور اس کی جاگیر بھی اسی قدر ہوتی تھی۔ صدر جہاں کا کام مقدمات کی سماعت اور احکام سننا وغیرہ دینا تھا اور شیخ الاسلام صرف قاضی تھا جو شریعہ کے مطابق مسائل علمہ طے کیا کرتا تھا۔ ایک عہدہ محتسب (کوٹوال) کا بھی تھا اس کی تنخواہ ۸۰۰ تنکے تھی۔

سلطان کے دربار میں ۱۲۰۰ طبیب تھے اور دس ہزار شکامی جو گھوڑوں پر سوار ہو کر ہاتھوں پر بانڈ اور شاہین بٹھائے ہوئے نکلتے تھے۔ ۳۰۰ ہانکے کرنے والے (سواق) بھی تھے اور علاوہ ان کے تین ہزار ایسے لوگ بھی تھے جو اس شکامہ کی تمام اور ضروریات کو مہیا کرتے تھے۔

دربار سے متعلق ندیم و مصاحب معنی و مغنیات ۱۲۰۰، ان میں ایک ہزار غلام فرین و سبکی میں کمال رکھتے تھے۔ سلطان کے دمتر خوان پر ۵۰۰ امراء کھانے میں شریک

لہ نگار تاریخ ہند نمبر از علامہ نیاز فتح پوری و معارف نمبر جلد -

ہوتے۔ ایک ہزار شاعر بھی دربار سے متعلق تھے جن میں سے بعض عربی، فارسی اور ہندی زبان میں شاعری کرتے۔ ان مغنیوں اور شعراء میں بعض کی بڑی بڑی جاگیریں مقرر تھیں اور بعض نقد خواہیں بیس ہزار سے چالیس ہزار تنکہ تک پاتے تھے۔ انعام و اکرام اس کے علاوہ تھا۔

معمولات | سلطان روزانہ صبح و شام دربار کرتا تھا اور اس کے بعد کھانا ہوتا تھا جس میں بیس ہزار خواہین و ملوک امراء و اداکین شامل ہوتے تھے۔ خاص بادشاہ کے دسترخوان پر بڑے بڑے علماء (جن کی تعداد ۲۰۰۰ تھی) بیٹھتے تھے اور بادشاہ کھانے کے دوران میں ان سے علمی مباحث پر گفتگو کیا کرتا تھا۔ شیخ ابوبکر بن خلّال کا بیان ہے کہ شاہی مطبخ کے لئے روزانہ ۲۵۰۰ میل یا گاٹ اور ۲۰۰ بکریاں ذبح ہوتی تھیں۔ چڑیوں کا تو کوئی شمار نہ تھا۔

فوج اور رعایا کا انتظام نائب السلطان کے سپرد تھا۔ علماء و فقہاء ہندی ہو یا اجنبی سب کا تعلق صدر جہاں سے تھا۔ اسی طرح مشائخ و فقراء کا معاملہ شیخ الاسلام کی وساطت سے طے ہوتا تھا۔ سیاحین و سفراء، شعراء و دیگر اہل کمال دیہوں (سکرٹریوں) سے متعلق تھے۔

جب بادشاہ شکار کو جاتا تو ایک لاکھ سوار اور ۲۰۰ ہاتھی اس کے جلو میں ہوتے۔ لکڑی کے سفری مکان دو دو منزل کے ساتھ ہوتے جنہیں دو سوانٹ کھینچتے۔ خیمے اور قناتیں وغیرہ بھی کثرت سے ساتھ ہوتیں۔

جب بادشاہ ایک مقام سے کسی دوسرے مقام پر کسی غرض سے سفر کرتا تو بیس ہزار سوار ۲۰۰ ہاتھی اور ایک ہزار کوئل گھوڑے جواہر کا سارہ و براق سے آراستہ ہمراہ ہوتے۔

اخلاقی زندگی | سلطان بہت منکسر مزاج تھا۔ ابوالصفاء عمرو بن اسحاق کا بیان ہے کہ خود اُس نے بادشاہ کو ایک فقیر کے جنازہ کو کا نہ دھا دیتے ہوئے دیکھا تھا وہ کلام مجید کا حافظ تھا اور شرع حنفی کی تمام کتابوں پر اس کو پورا عبور تھا۔ وہ علماء کبار سے برابر مسائل علمیہ میں مباحثہ

کہتا۔ شعر و شاعری میں حد درجہ پاکیزہ مذاق رکھتا اور فنِ کتابت کا ذہیر دست ماہر تھا۔ ۱۷

شراب کا رواج کہیں نہ تھا۔ بادشاہ کو اس سے سخت نفرت تھی اور یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی شخص ایک قطرہ شراب کا اپنے مکان میں رکھ لے۔ پان کا رواج عام تھا اور اس کی ممانعت بھی نہ تھی۔

خبر رسانی کا انتظام بھی نہایت مکمل تھا۔ علاوہ جاسوسوں کے ڈاک کی **بریل** آمد و روانگی کے لئے ہر کارے بھی مقرر تھے۔ ہر محکمہ میں شاہی جاسوس حالات معلوم کرتے تھے اور خبریں اپنے افسران کے ذریعہ سے بادشاہ تک پہنچاتے تھے دور دراز مقامات کے حالات ڈاک کے ذریعہ سے پہنچتے تھے۔ ابن بطوطہ نے برید کا طریقہ زیادہ تفصیل کے ساتھ ڈاک کے انتظامی حالات بیان کئے ہیں۔ وہ سفر نامہ میں لکھتا ہے :-

”اس وقت ڈاک دو قسم کی تھی ایک برید الخلیل (گھوڑے کی ڈاک) دوسری برید البحر (بحال) (قاصدوں یا ہرکاروں کی ڈاک) ہر میل کے اندر تین چوکیاں ڈاک کی ہوتی ہیں۔ یہاں ہر کارے متعین ہوتے ہیں جس وقت کسی ہرکارے کے پاس ڈاک پہنچتی ہے وہ فوراً اپنی کمرگتسا ہے اور ایک ہاتھ میں ڈاک اور دوسرے میں گھونگر و دار چابک لئے ہوئے جسے وہ راستہ بھر بجاتا رہتا ہے۔ دوسری چوکی کی طرف روانہ ہوتا ہے۔ اسی طرح وہاں کا ہرکارہ آگے لے جاتا ہے۔ اسی ڈاک کے ذریعہ سے خراسان کے میوے، طباقوں کے اندر سر بھر روزانہ بادشاہ کے پاس پہنچتے تھے اور گنگا کا پانی بھی چالیس دن کے راستہ سے شاہی استعمال کے لئے اسی ذریعہ سے روزانہ پہنچتا تھا۔ ۱۸

۱۷۔ صبح الاغشی جلد ۷ ص ۶۹ از قلعہ شندی فرشتہ جلد ۱ حالات محمد تغلق ۱۷ عجائب الاسفار۔

جب کوئی اجنبی ہندوستان آتا تو انہی ہر کاموں کے ذریعہ سے بادشاہ کو فوراً معلوم ہو جاتا کہ فلاں شخص اس شکل و صلیب، اس صورت و لباس کا فلاں مقام پر آیا ہے اور اس کے متعلق مناسب احکام صادر کئے جاتے۔ خاص خاص قیدی بھی ٹوکا ہی کے ذریعہ سے بادشاہ تک پہنچائے جاتے تھے۔

سکہ اور وزان | ایک درہم ہشت کافی، چار درہم سلطانی کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ جنہیں دو کافی بھی کہتے تھے۔ ایک سکہ نصف درہم سلطانی کا بھی تھا جس کو یکانی کہتے تھے اور اس کی قیمت ایک جیتل تھی۔ ایک درہم کا نام دوازدہ کافی بھی تھا جو ڈیڑھ ہشت کافی کے برابر تھا۔ ایک سکہ شانزدہ کافی بھی تھا جس کی قیمت دو درہم کے برابر تھی۔ کل چھ نقرئی سکے اس وقت رائج تھے۔ شانزدہ کافی، دوازدہ کافی، ہشت کافی، شش کافی، سلطانی اور یکانی درہم سلطانی ۸ فلوس (پیسوں) کے برابر تھا اور جیتل چارہ فلوس کے برابر۔ درہم ہشت کافی کے ۴ فلوس ملتے تھے۔ سیر ستر مثقال کا تھا اور ایک من ۴۰ سیر کا ہوتا تھا۔

غلہ | ایک من گیہوں ڈیڑھ ہشت کافی میں ملتا تھا۔ ایک من جو ایک درہم میں، چاروں ایک درہم میں، پڑ من مٹر اور چنا ایک درہم ہشت کافی میں دو من ملتا تھا۔ گوشت بکری کا ایک درہم سلطانی میں ۶ سیر ملتا تھا۔ بڑی بٹ دو درہم ہشت کافی میں ملتی تھی اور ایک ہشت کافی کی چار مرغیاں فروخت ہوتی تھیں۔ شکر ایک ایک ہشت کافی میں ۵ سیر ملتی تھی اور نہایت نفیس اور قریب بھڑا ایک تنکے میں اسی طرح ایک عمدہ بیل دو تنکے میں فروخت ہوتا تھا۔

ابن بطوطہ نے جو حالات دربار وغیرہ کے لکھے ہیں وہ بھی نہایت دلچسپ ہیں۔ اس لئے مختصر الفاظ میں ان کا اظہار یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔ لکھتا ہے :-
 ”سلطان نے جو قصر دہلی میں تعمیر کرایا ہے اس کا نام دارالسرئی ہے اور اس میں متعدد دروازے ہیں۔ پہلے دروازہ پر محافظ فوج کا ایک دستہ ہر وقت متعین رہتا ہے اور نغارے، نفیریاں اور قرنا وغیرہ

بھی موجود رہتے ہیں جو امراء کبار کی آمد پر بجائے جاتے ہیں۔ یہی حال دوسرے اور تیسرے دروازے کا ہے۔ آخری دروازہ کے بعد قصر ہزار ستون ملتا ہے جہاں بادشاہ لوگوں سے ملاقات کرتا ہے۔ نقیبوں کے سر پر زریں دستار، کمر میں ٹیکا، ہاتھ میں طلائی یا نقرئی دستہ کا کوڑا رکھنا ضروری ہے۔ نقیب اعظم کے ہاتھ میں سونے کی جریب ہوتی ہے اور سر پر زریں کلاہ جس میں جواہر جگمگاتے رہتے ہیں۔

در بار | دربار کی نشست اکثر عصر کے بعد ہوتی ہے۔ ایک جبوترہ پر سفید فرش بچھا کر اس پر شاہی تخت رکھا جاتا ہے۔ جب بادشاہ برآمد ہو کر اپنی نشست پر جاتا ہے تو تمام نقیب اور صاحب باواز بلند بسم اللہ کہتے ہیں اور ملک کبیر چنور لے کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ سلطان کے دائیں جانب اور بائیں جانب سوسو مسلح سپاہی کھڑے ہوتے ہیں۔ جن کے ہاتھوں میں تلواریں اور شانوں پر کمائیں ہوتی ہیں۔ تمام امراء درجہ بدرجہ بٹھائے جلتے ہیں۔ یہاں ساٹھ گھوڑے کوٹ بھی جواہر کار سانہ و براق کے ساتھ رہتے ہیں۔ گھوڑوں کے بعد پچاس ہاتھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ان کی جھولیں حوریر کی ہوتی ہیں جن پر نرد دوزی کا کام ہوتا ہے اور ان کے دانتوں پر لوہے کا غول چڑھا ہوتا ہے۔ ان ہاتھیوں پر ہودہ ہوتا اور ہر ہودہ پر چار علم بھی ہوتے ہیں۔

جلوس عید | عید کی صبح کو ہاتھی آراستہ کئے جاتے ہیں اور ان پر جواہر کار نرد دوزی کی جھولیں ڈالی جاتی ہیں۔ سولہ ہاتھی بادشاہ کی سواری کے لئے مخصوص ہیں جن پر مرصع چتر ہوتے ہیں۔ چتر کی ڈبڈبی خالص سونے کی ہوتی ہے۔ بادشاہ اس ہاتھی پر سوار ہوتا ہے اس کی مستک پر ایک روشن ستارہ جواہرات کا لگا دیا جاتا ہے۔ اس ہاتھی کے آگے غلاموں

۱۰۰ قہر ہزار ستون کا وہر تسمیہ یہ ہے کہ اس میں ایک ہزار چوبی ستون لگے ہوئے تھے اس قہر کی چھت بھی لکڑی کی تھی۔

کی قطار ہوتی ہے جن کے سروں پر سونے کی کلفیاں ہوتی ہیں اور کمر میں جواہر کار پٹھے۔ ان کے آگے ۳۰۰ نقیب ہوتے ہیں جو سر سے پاؤں تک لڑو جواہر سے لدے رہتے ہیں۔ ان کے آگے امراء ہاتھیوں اور گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ اور پھر فوج اور ماہی مراتب عید گاہ کے دروازے پر پہنچ کر ٹھہر جاتا ہے اور جب تمام علماء و امراء اندر چلے جاتے ہیں تو پھر خود ہاتھی سے اتر کر اندر جاتا اور نماز سے فارغ ہو کر اونٹ کی قربانی کرتا ہے۔

عید کے دربار میں حد درجہ تزک و احتشام سے کام لیا جاتا ہے جس کا بیان ابن بطوطہ نے نہایت تفصیل سے کیا ہے۔ لیکن ہم اس کا ذکر یہاں نہیں کرتے۔ بیان ماسبق سے اس کی شان و شوکت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

جب بادشاہ کسی سفر سے واپس آتا تو ہاتھی آراستہ کئے جاتے اور سولہ ہاتھیوں پر جواہر کار ہودے رکھے جاتے۔ ہر ایک کی متک پر ایک ستارہ لگایا جاتا جس میں موتی و الماس ٹنکے ہوتے۔ علاوہ ان کے کئی کئی منزل کے چوبی قبتے بنائے جاتے اور ان پر لیشمی کپڑا لپیٹ کر دیا جاتا۔ ان قبتوں کی ہر منزل میں خوب صورت کنیریں پر تکلف لباس اور قیمتی زیور پہنے ہوئے نغمہ و رقص میں مصروف نظر آتیں۔ راستہ میں تمام لیشمی فرش ہوتا اور اس پر سے سلطان کی سواری گزرتی۔ شہر کے دروازہ سے لے کر قصر کے دروازے تک راستے آراستہ کئے جاتے اور ان پر بھی لیشمی فرش کیا جاتا۔ بادشاہ کے آگے ہزار غلام ہوتے اور پیچھے فوج کے دستے۔ بادشاہ جس وقت شہر کے اندر داخل ہوتا تو دینار و درم کی بارش ہونے لگتی تھی۔ غرباء انہیں لٹوٹے تھے اور سلطان اس حال میں قصر کے اندر داخل ہو جاتا۔

طعام طریق طعام یہ تھا کہ جب مطبخ سے کھانا چلتا تو نقیب باواز بلند بسم اللہ کہتے ہوئے آگے ہوتے۔ جب کھانا بادشاہ کے قریب پہنچ جاتا تو سوائے بادشاہ کے سب کھڑے ہو جاتے اور کھانا فرش پر چٹا جاتا۔

اس کے بعد نقیب اعظم بادشاہ کی مدح و تعریف کرنا اور تمام نقیب بادشاہ کو
مجاہد کے ہٹ جاتے۔ پھر بادشاہ کے سامنے تمام حاضرین کی فہرست پڑھی جاتی
اور اس کے بعد کھانا کھایا جاتا۔ صدر دسترخوان پر فقہاء و علماء یا قضاۃ و مشائخ
ہوتے۔ اس کے بعد بادشاہ کے اقارب و امراء کبار اور پھر تمام آدمی اپنی اپنی
معین جگہ پر بیٹھ جاتے۔ اس کے بعد شراب دار سونے چاندی کے برتن لئے ہوئے
آتے جن میں مصری کا شربت ہوتا۔ پہلے یہ پی لیا جاتا اس کے بعد کھانا شروع
کیا جاتا۔ فراغتِ طعام کے بعد جو اور موز کا افشردہ پینے کو دیا جاتا اور پھر
لشبی تاگہ سے بندھی ہوئی پان کی گلودیاں تقسیم ہوتیں۔

عدل | سلطان عدل و انصاف کے معاملہ میں بہت سخت تھا حتیٰ کہ وہ اپنے
وجود کو بھی اس سے مستثنیٰ نہ سمجھتا تھا۔ ایک بار کسی ہندو امیر نے
قاضی کے ہاں نالش کی کہ سلطان نے اس کے بھائی کو بے سبب قتل کر ڈالا
ہے۔ قاضی نے سلطان کو طلب کیا۔ چنانچہ یہ گیا اور قاضی کو سلام کر کے کھڑا
ہو گیا۔ جب قاضی نے بیٹھنے کی اجازت دی تو بیٹھا اور اس وقت تک عدالت
سے باہر نہ گیا جب تک مدعی راضی نہیں ہو گیا۔

محمد تعلق اپنی صفات کے لحاظ سے ایک بے مثل حکمران تھا۔ عزم و استقلال
سلطوت و جبروت، بذل و کرم، زہد و اتقا، شجاعت و بسالت، اس میں
بدربہ اتم پائی جاتی تھیں۔ وہ خود تمام امور کا انتظام کرتا، قوانین نافذ کرتا،
اور خود اپنے کو بھی اس سے مستثنیٰ نہ سمجھتا۔ خود میدان میں فوج کے ساتھ
جاتا اور دشمن کا مقابلہ کرتا۔

فتوحات | تخت نشین ہوتے ہی وہ ایک سیلاب کی طرح تمام دور دراز
علاقوں پر چھا گیا اور سلسلہ فتوحات شروع ہوا تو گجرات،

لہ ابن بطوطہ (تاریخ ہندوستان مولوی ذکاء اللہ) ۱۴۷-۱۵۶۔

مالوہ، تلنگانہ، جھجھر اور سمندر، کھنوتی، (بنگال) سٹ گاؤں (چنگام) کرناٹک، ورنگل یکے بعد دیگرے اس کے قبضے میں آ گئے۔

بغاوت | اس کی وہی رعایا جس پر وہ اپنی دولت بے دریغ صرف کیا کرتا تھا۔ اس سے متنفر ہو گئی۔ تمام دور دراز کے صوبے ہجرات کے خود مختار ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب ۲۶ سال کے بعد وہ ساحل سندھ پر دم توڑ رہا تھا تو اس کی سادی سلطنت میں شورش برپا تھی اور ہنگامہ و بغاوت سے سارا انتظام حکومت متزلزل ہو رہا تھا۔

اسبابِ ناکامی | جس وقت غیاث الدین تغلق کا انتقال ہوا تو خزانہ شاہی معمور تھا اور سلطنت کی حالت نہایت اچھی تھی۔ لیکن اس میں کلام نہیں کہ محمد تغلق کے عزائم اور جذبات بدل و سنا کو دیکھتے ہوئے خزانہ اور حکومت کی تمام موجودات بہت کم تھیں۔ محمد تغلق نے تخت نشین ہوتے ہی جو نصب العین مقرر کیا وہ یہ تھا کہ ساری دنیا اس کے قبضہ میں چلی آئے اور لوگوں کو اتنی دولت تقسیم کر دے کہ کوئی شخص محتاج و غریب نہ رہے۔

چنانچہ اُس نے بے دریغ دولت لٹائی شروع کر دی اور تسخیر ایران و چین کے لئے کثیر افواج فراہم کر کے اور بھی خزانہ کو خالی کر دیا۔ چونکہ دوہرے برابر صرف ہو رہا تھا اور آمدنی کم تھی اس لئے محمد تغلق نے اس کے لئے دو تدبیریں اختیار کیں۔ ایک یہ کہ دواہرے کے خراج میں ۴، ۵ فیصدی اور اضافہ کر دیا۔ خراج سے رعایا سخت بد دل ہو گئی اور کاشت کاروں نے کاشت چھوڑ دی۔ بادشاہ نے نہایت سختی سے خراج وصول کرنے کا حکم دیا۔ عمال نے تشدد سے کام لے کر خراج وصول کرنا شروع کر دیا اور رعایا بھاگ نکلی۔ گاؤں ویران ہو گئے۔ زراعت بالکل مسدود ہو گئی۔ سارا ملک تباہ ہو گیا۔ اسی وقت نہایت سخت قحط پڑ گیا جس نے ان تباہیوں میں اور اضافہ کر دیا۔

ہر چند محمد تغلق نے انسدادِ گرائی کے لئے پوری کوشش کی اور شاہی ذخیرہ

سے لوگوں کو غلہ تقسیم کیا گیا۔ ان تدابیر سے مصیبت دور نہیں ہو سکی۔ چنانچہ خراج کی تدبیر سخت ناکام ثابت ہوئی۔

پھر سلطان نے اس امر کی کوشش کی کہ ویران گاؤں آباد ہو جائیں۔ کاشت کی حالت بہتر ہو جائے اور اس کے لئے اس نے خزانہ شاہی سے ستر لاکھ تنکے بطور تعاون کے رعایا کو تقسیم کیا۔ لیکن کارکنوں نے بہت کچھ اس میں سے غصب کر لیا۔ تھوڑا بہت جو رعایا کو ملا بھی اس میں سے ہزاروں حصہ بھی خزانہ میں نہ آسکا۔ اب چونکہ خزانہ بالکل خالی ہو چکا تھا اور روپیہ کی ضرورت شدید تھی اس لئے سلطان نے خیال کیا کہ سکے کی قیمت بڑھا دینی چاہیے اور اسی خیال کو پیش نظر رکھ کر اس نے تانبہ کا سکہ بجائے طلائی سکہ کے جاری کیا۔ لیکن اس تدبیر نے اور زیادہ نقصان پہنچایا۔ چونکہ دارالضرب میں سکہ ڈھالنے کا کوئی ایسا مخصوص طریقہ نہ تھا کہ عام طور سے لوگ اس کی نقل کر سکیں۔ اس لئے تمام ملک میں گھر گھر غفیفہ ٹکسالیں قائم ہو گئیں اور لوگوں نے کروڑوں سیکے تانبہ کے بنا کر بازار میں سونے چاندی کے ہم وزن سکوں سے بدلنا شروع کئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام تاجر، زمیندار، گاؤں کے مکھیا اور ہندو راجے دولت مند ہو گئے اور خزانہ شاہی خالی ہونے لگا۔ آخر کار سلطان نے اپنی غلطی کو تسلیم کیا اور مجبوراً اس سکہ کے رواج کو بھی مسدود کرنا پڑا۔ اس سے انکار نہیں کہ سلطان خود رائے تھا اور طبیعت میں سختی تھی۔ بلا مشورہ کے جو کام کئے اس کا ہی یہ نتیجہ تھا جو رونما ہوا۔

جب سلطان کو اپنی ان تدابیر میں ناکامیابی ہوئی تو ایک مطلق العنان بادشاہ کی طرح وہ سخت غضب ناک ہو گیا اور بات بات میں قتل کر دینا اس کے دربار کا معمولی منظر ہو گیا۔ چنانچہ ابن بطوطہ نے اس کے دربار کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر شاہی قہر کے کسی دروازہ پر بادشاہ انعام ہوتی ہوگی تو دو سرے دروازہ پر تم کسی لاش کو بھی ضرور پھڑکتے ہوئے دیکھو گے۔

پھر چونکہ محمد تغلق کی یہ برہمنی، ہرن کا می کے ساتھ دروازہ بڑھتی جا رہی تھی

اور تمام رعایا اس سے متاثر ہو رہی تھی۔ اس لئے رفتہ رفتہ اس کی طرف سے بددلی عام ہو گئی اور اس کے تمام امراء و اراکین میں بغاوت کے جذبات پیدا ہو گئے۔

نیا دارالحکومت | دہلی سے پائے تخت بدل کر دیوگیر (دولت آباد) قائم کرنا بجائے خود ایک عمدہ تجویز تھی۔ کیونکہ دیوگیر درمیان میں

واقع تھا اور یہاں سے مختلف صوبوں پر اقتدار آسانی سے قائم رہ سکتا تھا۔ لیکن اس کا یہ حکم دینا کہ تین دن کے اندر دہلی کی تمام آبادی مع اپنے اسباب کے دیوگیر منتقل ہو جائے اور ایک متنفس بھی یہاں باقی نہ رہے۔ یہ جاہلانہ حکم تھا اور اس میں شک نہیں کہ جہاں اور اسباب امراء و اراکین کی بددلی کے تھے انہی میں سے یہ بھی ایک قوی سبب تھا۔

یہاں ایک امر اور قابل غور ہے کہ جن صوبوں نے اس کے عہد میں بغاوت کی ان میں سے اکثر وہی تھے جو اس کے مقرر کئے ہوئے تھے۔ پھر جو انہوں نے بغاوت کر کے خود سری اختیار کی تو اس کی وجہ کچھ اور بھی تھی۔ وہ یہ کہ غلام خاندان کے زمانہ میں صوبہ کے گورنر جاگیردار ہوتے تھے اور چونکہ وہ خود بھی اپنے بادشاہوں کی طرح ترک نژاد تھے۔ اس لئے سلطنت کی خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ جب ان ترک فرمانرواؤں کے بعد خلیجیوں کا دور شروع ہوا تو ان سے نظام میں کچھ تغیر پیدا ہوا۔ لیکن نہ اس قدر کیونکہ خلیجی سلطنت کے زمانہ میں صوبوں کے گورنر پھر بھی مرکزی حکومت سے قریب کا تعلق رکھتے تھے لیکن جب عہد تغلق شروع ہوا تو یہ تعلقات بالکل ختم ہو گئے۔ اور صوبوں کی حکومت اجنبی سرداروں (ایرانیوں، خراسانیوں، تغلقوں، افغانوں) کے سپرد کی گئی جو بادشاہ سے نہ خون کا تعلق رکھتے تھے نہ قومیت کا۔ بادشاہ جس قدر ان پر انعامات کی بارش کرتا جاتا تھا ان کی طمع بڑھتی جاتی تھی اور یہ خود اپنی خود مختار سلطنتیں قائم کر لینی چاہتے تھے۔

چنانچہ اسی کا نتیجہ تھا کہ محمد تغلق کی وسیع سلطنت ایسی وسیع کہ پھر دو صدی بعد تک ایسی وسعت حاصل نہ ہو سکی، ٹکڑے ٹکڑے ہو کر منتشر ہو گئی۔ ہر چندان بغاوتوں کے

فرو کرنے میں بادشاہ نے پوری کوشش کی اور وہ کامیاب بھی ہوا۔ لیکن ظاہر ہے کہ وہ ہر جگہ نہ پہنچ سکتا تھا اور وہاں حالت یہ تھی کہ آج ملتان باغی ہوا تو کل بنگال کل لاہور میں فتنہ اٹھا تو پریسوں و رنگل میں۔ اس وقت اودھ کی بغاوت کی خبر ملی تو دوسرے وقت گجرات کی۔ بادشاہ کہاں کہاں پہنچ سکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بعض صوبے جن میں بنگال اور دکن بھی شامل تھے بالکل خود مختار ہو گئے اور پھر کبھی تغلق سلطنت میں شامل نہ ہو سکے۔ سلطان محمد تغلق نے ۲۶ سال تک حکومت کی اور اس میں شک نہیں کہ ابتدائی زمانہ باعتبار وضع قوانین نظم سلطنت، کثرت فتوحات، ایک یادگار زمانہ تاج شاہ ہند کا شمار کیا جاتا ہے۔ لیکن بعض اسباب کی وجہ سے جن کا اجمالی بیان ہم نے کیا ہے اس کا درمیانی اور آخری عہد درجہ اضطراب و اضطراب میں بسر ہوا۔ جس سال وہ مرنے والا تھا اسی سال سندھ میں بغاوت رونما ہوئی۔ محرم کا مہینہ تھا کہ اس نے دریائے سندھ کو عبور کیا اور بے شمار افواج لے ہوئے ٹھٹھہ کی طرف بڑھا۔

وفات محرم ۷۵۲ھ (۱۳۵۰ء) کی دسویں تاریخ تھی اور ٹھٹھہ صرف تیس کوس رہ گیا تھا کہ شام کو روزہ افطار کرتے کے بعد اس نے پھلی کھائی۔ طبیعت پہلے سے بھی کچھ خراب تھی۔ اس بد پرہیزی سے بخار بڑھ گیا لیکن سلطان نے سفر کو ملتوی نہیں کیا اور تیسرے دن ٹھٹھہ سے صرف چودہ کوس کا فصل رہ گیا تھا کہ بادشاہ کی حالت زیادہ خراب ہو گئی اور مجبوراً حملہ ملتوی کرنا پڑا۔ ایک ہفتہ تک سلطان اسی حالت میں مبتلا رہا۔ یہاں تک کہ اگر محرم کو دریائے سندھ کے ساحل پر اس نے انتقال کیا اور اس طرح خاندان تغلق کے اس جلیل القدر بادشاہ کا عہد حکومت ختم ہو گیا جس کا مثل تاج شاہ ہندوستان پھر کوئی اور پیدا نہ کر سکی۔

سُلطان فیروز شاہ

۷۵۲ھ تا ۷۹۰ھ
۱۳۵۱ء تا ۱۳۸۸ء

محمد تغلق نے اپنے بعد کوئی اولاد نہ رہنے نہیں چھوڑی تھی اور اپنے آخری وقت میں وہ ”فیروز شاہ“ کی تخت نشینی کے لئے وصیت کر گیا تھا۔ اس لئے ۲۴ محرم ۷۵۲ھ کو وہیں وادی سندھ کے اندر تمام امراء کے انتخاب و اعزاز سے تخت نشین ہوا۔ اور باغیوں کی سرکوبی کے بعد ”دہلی“ کی طرف روانہ ہوا۔ ہر چند اس تخت نشینی پر تغلق شاہ کی لڑکی ”خداوند زادہ“ (دور الملک کی ماں) کی طرف سے اعتراض ہوا کہ بھانجے کے ہوتے ہوئے برادرِ عم زاد کا کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن امراء نے خداوند زادہ کو سمجھایا کہ دور الملک حکومت کا اہل نہیں ہے اور اس وقت جب کہ ہم لوگ دہلی سے بہت بعید فاصلہ پر ہیں اور مغلوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ کسی ہوشیار اور قابلِ دماغ کی ضرورت ہے۔ اس لئے فیروز شاہ کا تخت نشین ہونا ہر طرح مناسب ہے۔ راجا اور الملک تو اس کو نائب بادبک بنا دیا جائے گا۔ یہ سن کر ”خداوند زادہ“ خاموش ہو گئی۔ اور پھر ”فیروز شاہ“ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔ سوائے اس کے کہ ”خواجہ جہاں“ نے دہلی میں ”محمد تغلق شاہ“ کا حال معلوم کر کے اس کا ایک فرضی بیٹا قرار دے کر تخت نشین کر دیا تھا۔ سو اس کے متعلق بھی شمس سراجِ عقیقت نے اپنی تاریخِ فیروز شاہی میں مفصل حالات لکھ کر ثابت کیا کہ اس طرزِ عمل میں خواجہ جہاں کی کوئی بد نیتی شامل نہ تھی (لیکن فیروز شاہ بغیر کسی مقابلہ کے دہلی میں داخل ہوا اور محل میں جا کر خداوند زادہ کے قدموں پر گر پڑا۔ اس نے فیروز کے سر پر تاج لکھا اور اس کے بعد اکیس دن

ملک حبش شاہانہ منایا گیا۔

اخلاقی زندگی | سلطان فیروز درجہ رحیم المزاج نیک نفس، پابند مذہب بادشاہ تھا اور وہ خون ریزی سے بچتا تھا۔ اس نے خود فتوحات ”فیروز شاہی“ میں جا بجا اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے جو رذولہ سے پناہ مانگی ہے اور اس نے اپنا نصب العین یہی بتایا ہے کہ ملک میں ہر طرف امن و سکون نظر آئے خون ریزی منقود ہو جائے۔ رعایا خوشحال رہے اور اس کی طرف سے کسی کو ایذا نہ پہنچے۔

جب فیروز شاہ حبش سے فارغ ہوا تو ”خواجہ فخر شادی“ نے جو سلطنت کا محاسب اعظم تھا۔ ایک فہرست پیش کی کہ خواجہ جہاں نے فلاں فلاں لوگوں کو اس قدر زبرد و جلاہر تقسیم کیا تھا اور محمد شاہ تغلق نے جو دو کروڑ تنکہ تعاوی تقسیم کرنے کی غرض سے دیا تھا اس میں سے فلاں فلاں کو اتنا ملا ہے۔ فیروز شاہ نے قوام الملک خاں جہاں سے لائے طلب کی۔ اس نے کہا کہ جب کوئی نیا بادشاہ تخت نشین ہوتا ہے تو وہ گزشتہ تقصیریں لوگوں کی معاف کر دیتا ہے۔ اگر ”محمد شاہ تغلق“ کی تقسیم کردہ تعاوی اور ”خواجہ جہاں“ کے لائے ہوئے زرد و جواہر کا مطالبہ کیا جائے گا تو لوگ بد دل ہو جائیں گے اور وصول کچھ نہ ہوگا۔ فیروز شاہ نے اس لائے کو پسند کیا اور اسی وقت تمام کاغذات جن میں حساب درج تھا مجمع عام میں جلا کر نیست و نابود کر دیئے اور ہر شخص اپنی جگہ پر مطمئن ہو گیا۔ چنانچہ وہ خود فتوحات فیروز شاہی میں لکھتا ہے :-

۱۔ مجھ سے قبل بہت سے ناجائز اور نامشروع ٹیکس قائم تھے۔ میں نے ان کو یک قلم منسوخ کر دیا اور حکم دیا کہ صرف شرع کے مطابق خراج وصول کیا جائے۔ یعنی زمین مزد و عمر کی پیداوار کا دسواں حصہ، معدنی پیداوار کا ایک خمس اور مسلمانوں کی صدقہ و زکوٰۃ کی رقم خزانہ میں داخل ہونی چاہیئے۔

۲۔ میرے عہد سے پہلے مال غنیمت کا پانچواں حصہ سپاہیوں کو دیا جاتا تھا باقی خزانہ میں

داخل ہوتا تھا۔ میں نے اس کو بھی موقوف کیا۔ کیونکہ حکم شرعی اس کے بالکل غلط تھا۔ چنانچہ میں نے ہمیشہ خزانہ میں مالی غنیمت کا ایک خمس داخل کیا اور باقی سپاہیوں کو تقسیم کر دیا۔

۳۔ شرع کے خلاف مسلمانوں میں عام طور سے یہ رواج ہو گیا تھا کہ ان کی عورتیں شہر کے باہر مزاروں پر جاتی تھیں۔ چونکہ اوباشوں کو بد معاشری کا زیادہ موقع ملتا تھا اس لئے میں نے حکم دیا کہ آئندہ جو عورت مزاروں پر جلائے گی اس کو سخت سزا دی جائے گی۔ چنانچہ یہ دستور بالکل موقوف ہو گیا۔

۴۔ مجھ سے قبل یہ دستور تھا کہ شاہی دسترخوان پر سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا کھایا جاتا تھا اور تلواروں کے قبضے وغیرہ زرد و جواہر سے مرصع ہوتے تھے۔ میں نے ان باتوں کو ممنوع قرار دیا اور حکم دیا کہ ہتھیاروں میں صرف ہڈیوں کے دستے لگائے جائیں اور ظروف نقرئی و طلائی کا استعمال یک قلم موقوف کر دیا جائے۔

۵۔ امراء و زریں لباس پہنا کرتے تھے اور زریں لگام، گلوبند، صراحی، خیمے، پردے، کرسیاں اور تمام چیزیں تصویروں سے آداستہ کی جاتی تھیں۔ میں نے ان ناجائز نقش و نگار کو محو کر کے آئندہ کے لئے ممانعت کر دی۔

۶۔ ریشمین و زربفت کے لباس کا بھی امراء میں عام رواج تھا۔ میں نے اس کی بھی ممانعت کی اور شریعت کے مطابق ایک انگل سے زیادہ عریض ریشمی کپڑے کا استعمال ممنوع قرار دیا۔

۷۔ میرے آقا سلطان محمد تغلق کے عہد میں جو لوگ قتل ہوئے تھے اُن کے وارثوں کو اور جو مغلوں کے اعضاء تھے خود انہیں بلا کر اتنی بخشش کی کہ انہوں نے رضا مندی کا اظہار کر کے اقرار نامے لکھ دیئے کہ ہم کو اب سلطان محمد تغلق پر کوئی دعوئے نہیں ہے۔ میں نے یہ سارے اقرار نامے ایک

صندوق میں بند کر کے محمد تعلق کی قبر کے سر ہانے رکھ دیتے۔ اس اُید کے ساتھ کہ
خدا میرے آقا کے ساتھ مہربانی فرمائے گا۔

۸۔ مجھ سے قبل جو وظائف اور دیہات معافی وغیرہ کے ضبط ہو گئے تھے ان
کے متعلق میں نے عام حکم دے دیا کہ :-

” اندوئے سند جس کا حق ثابت ہو اس کے حق میں تمام وظائف
وغیرہ بحال کر دیئے جائیں “

سراجِ عقیق نے فیروز شاہ کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی
ہے اور اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقتاً فیروز شاہ نہایت اچھے
صفات کا بادشاہ تھا اور محمد تعلق کے بعد ہندوستان کو ایسا فرما زور مل جانا
ایک ایسا مرہم تھا جس نے تمام جراحوں کو مندمل کر دیا۔ فیروز شاہی عہد میں جو
انتظامات ہوئے ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ :-

۱۔ بازارِ نفیس اور عمدہ اسبابِ تجارت سے معمور ہو گئے۔

۲۔ مزدوروں کو پوری اجرت ملنے لگی اور ان کی اقتصادی حالت
بہتر ہو گئی۔

۳۔ پیشہ ور لوگ نہایت اطمینان سے اپنے مشاغل میں مصروف ہو گئے
اور شہر کی رونق بڑھنے لگی۔

۴۔ ایک ایک کوس کے اندر چار چار گاؤں آباد ہو گئے۔

۵۔ رعایا کے پاس غلہ اور تمام ضروری سامان زندگی مہیا ہو گیا اور تمام
سلطنت میں امن و سکون اور مسرت و خوشحالی نظر آنے لگی۔ ہر چندان
ٹیکسوں کے موقوف کر دینے سے سلطنت کی آمدنی کم ہو گئی۔ لیکن اس کے
عوام میں مخلوقِ خدا کو جو راحت و آسانی حاصل ہوئی وہ کافی سے زیادہ معاوضہ
اس کی کمی کا تھا جس پر فیروز شاہ قانع تھا۔“

سلطنت کے امراء و اراکین افسران و معززین علاؤ الدین خلجی سے پہلے جاگیریں رکھتے تھے اور وہی ان کی خدمات کا معاوضہ سمجھی جاتی تھیں۔ لیکن علاؤ الدین خلجی نے اس دستور کو مٹا کر نقد تنخواہیں کر دی تھیں اور تمام جاگیریں وغیرہ خالصہ میں شامل کر لی تھیں۔ لیکن جب فیروز شاہ نے عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لی تو اس نے اپنی فطرتی فیاضی اور نرمی سے مجبور ہو کر جاگیریں پھر بحال کر دیں اور کامل چالیس سال تک اس کے عہد سلطنت میں اس قاعدہ کی پابندی کی گئی اور کسی جاگیردار یا معافی دار کی طرف سے اظہارِ کسرشی و بغاوت نہیں ہوا۔

فوجی ملازمین کے لئے اس نے ایک قانون اور بنایا وہ یہ تھا کہ کوئی فوجی افسر مر جائے یا ضعیف ہو جائے تو اس کے بیٹے کو جگہ دی جائے۔ اگر بیٹا نہ ہو تو داماد کو اگر یہ بھی نہ ہو تو غلام کو اور اس کے بعد اور کسی قریبی رشتہ دار کو جب تک فیروز شاہ زندہ رہا اس قانون پر عمل کیا اور اس طرح فوجی خدمات کی طرف لوگوں کو بہت زیادہ توجہ ہو گئی۔

فیروز شاہ کو چونکہ غلاموں کے جمع کرنے کا بہت شوق تھا اس لئے تھوڑے دنوں میں تحائف اور نذرانوں کی صورت سے اس قدر کثیر تعداد میں غلام جمع ہو گئے کہ سلطان کو مستقلاً ان کا انتظام کرنا پڑا۔ بہت سے غلام تو اس نے مختلف اقطاع ملک میں بھیج دیئے اور وہاں اُن کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا۔ جو غلام شہر میں رہ گئے اُن کا مشاہرہ ۱۰۰ تنکہ سے دس تنکہ تک حسبِ حیثیت مقرر کیا۔ علاوہ اس کے ہر غلام کو اس کی میلانِ طبیعت کے موافق تعلیم بھی دلائی۔ کسی کو حافظ بنایا اور کسی کو فقیہ، کسی کو حدیث کا درس دلایا اور کسی کو علمِ کلام کا کسی کو خوشنویسی کی تعلیم دلائی اور کسی کو سپاہ گری کی۔ اسی طرح دوسرے پیشوں اور حرفوں کی طرف ان کو راغب کیا۔ چنانچہ ایک لاکھ اسی ہزار غلاموں میں بارہ ہزار غلام صرف وہ تھے جو مختلف پیشوں اور صنعتوں کے ماہر تھے۔ بادشاہ نے غلاموں کا محکمہ ہی جدا کر دیا تھا اور اس محکمہ کے دیوان خزانچی، محاسب و وزیر الگ

کر دیئے تھے جن امراء کو غلام دیئے جاتے تھے ان کو سخت تاکید کی جاتی تھی کہ اپنے بچوں کی طرح ان کی پرورش کریں اور تعلیم و تربیت کی خاص نگرانی رکھیں۔

ترقی زراعت | زراعت و آبادی کی ترقی کا یہ عالم تھا کہ دوآبہ کے ۵۲

اور ایک چتہ زمین کاشت سے خالی نہ تھی۔ صوبہ سامانہ میں بھی ایک ایک کوس کے اندر چار چار گاؤں آباد ہو گئے تھے اور تمام رعایا خوشحال نظر آتی تھی۔

اندزانی کی یہ کیفیت تھی کہ خاص دہلی میں ایک من گیہوں ۸ جیتل میں ایک من جو اور جوہم جیتل میں عام طور سے فروخت ہوتا تھا۔ ایک سوار اپنے گھوڑے کے لئے دس سیر ذرا ہوا غلہ جسے سراج عقیف نے ولیدہ یعنی ”ولیدہ“ سے تعبیر کیا ہے ایک جیتل میں خرید لیتا تھا۔ گھی ڈھائی جیتل کا ایک سیر اور شکر ۳ یا ۲ جیتل کی ایک سیر ملتی تھی۔ اگر کبھی اساک باراں ہوتا تو ایک تنکہ فی من سے زیادہ کبھی نرخ نہ بڑھتا۔ چالیس سال تک فیروز شاہ نے حکومت کی اور اس زمانہ میں قوطع عام یا اگرانی کی شکایت کسی کو نہیں ہوئی۔ کپڑے کی اندزانی کا بھی یہی عالم تھا۔

آمدنی | اس کے عہد میں صرف دوآبہ کی آمدنی ۱۰ لاکھ تنکہ اور کل سلطنت کی آمدنی ۶۰ لاکھ تنکہ تھی۔ لیکن یہ سب خزانہ شاہی میں نہ آتی تھی بلکہ مختلف

امراء و اراکین، ملوک و وزراء، ملازمین مال، فوج پر جاگیروں کی صورت میں منقسم تھی۔ خان جہاں وزیر کی ذات خاص کا تیرہ لاکھ تنکہ مقرر تھا۔ اسی طرح کسی کی جاگیر آٹھ لاکھ کی تھی، کسی کی چھ لاکھ کی، کسی کی کم لاکھ تنکہ کی۔ چنانچہ امراء کی دولت کا یہ حال ہو گیا تھا کہ جب ملک شاہین شہجہ (جو مجلس خاص کا نائب امیر بھی تھا) مراہے تو علاوہ قیمتی گھوڑوں اور جواہرات کے بچاس لاکھ تنکہ نقد اس کے گھر سے نکلا تھا۔ اس طرح عماد الملک کی دولت کا کوئی اندازہ نہ ہو سکتا تھا۔

مشہور ہے کہ اُس نے روپیہ رکھنے کے لئے جو تھیلیاں سلوائی تھیں ان میں ہی اڑھائی ہزار تنکہ صرف ہو گیا تھا (حالانکہ اُس وقت ایک ٹاٹ کا تھیلہ چار جیتل

میں آتا تھا، کہا جاتا ہے کہ سترہ کروڑ تنکہ نقد اس کے پاس موجود تھا۔ پھر یہ دولت خوشحالی مخصوص افراد کا حصہ نہ تھی بلکہ تمام امراء و اداکین، ملازمین و توسلین یہاں تک کہ کاشت کار اور مزدور بھی ایک دوسرے سے مستغنی نظر آتے تھے اور مدد و راحت و آرام سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ علماء و مشائخ کے لئے ۳۶ لاکھ تنکہ اور سائلین و فقراء کے لئے ایک لاکھ تنکہ بطور وظائف کے تقسیم کیا جاتا تھا۔

بے روزگاری کا انسداد | فیروز شاہ کے لئے یہ امر بابرِ خاطر تھا کہ کوئی شخص زندگی بسر کرے۔ چنانچہ اس نے حکم دیدیا تھا کہ جب کوئی شخص بیکار نظر آئے تو کو تو ال اہل محلہ سے اس کے حالات تحقیق کر کے بادشاہ کے روبرو پیش کرے۔ پھر بادشاہ ہر بیکار کو اس کی حسب حیثیت مشاغل بتا دیتا۔ کسی کو کارخانہ میں بھیج دیتا، کسی کو وزیر کے پاس بھیج دیتا۔ اگر کوئی کسی جاگیردار کے پاس رہنا چاہتا تو وہاں بھیج دیا جاتا۔ ان لوگوں کے رہنے کے لئے مکان ملے اور ان کی معاش کا پورا انتظام کیا جاتا۔

کارخانہ جات | بادشاہ نے کل ۳۶ کارخانے قائم کر رکھے تھے۔ ان کی دو قسمیں تھیں، معمولی اور غیر معمولی۔ معمولی قسم میں فیل خانہ یا پائے گاہ (اصطبل) مطبخ، شترخانہ، سگ خانہ، آبدار خانہ وغیرہ شامل تھے۔ ان کارخانوں کا خرچ ماہوار ایک لاکھ ساٹھ ہزار تنکہ تھا اور اس قدر صرف ملازمین وغیرہ کے مشاہرہ کا تھا۔

غیر معمولی قسم میں جامدار خانہ، علم خانہ، فراش خانہ، لکاب خانہ وغیرہ داخل تھے۔ ان کارخانوں کے لئے ہر سال نیا سامان خریدا جاتا۔ جامدار خانہ کے لئے ہر سال سرمایہ (بھار و گری کی خریداری علیحدہ تھی) ۶ لاکھ تنکہ کا، علم خانہ کے لئے ہر سال ۸۰ ہزار تنکہ کا اور فراش خانہ کے لئے ہر سال دو لاکھ تنکہ کا اسباب خریدا جاتا تھا ہر کارخانہ ایک امیر کے سپرد تھا اور سب کا حساب جداگانہ مرتب کیا جاتا اور تمام

کادغانوں کی نگرانی خواجہ ابوالحسن کے ذمہ تھی۔

سکہ سلطان محمد تغلق کی طرح فیروز شاہ کو بھی سکنوں کی طرف بہت توجہ تھی اس نے بڑی احتیاط کی کہ سکنے عمرہ اور خالص تیار ہوں۔ اس کے عہد کے خاص سکنے علاوہ طلائی اور نقرئی تنکے کے جو پہلے سے رائج تھے چمیل و ہشت گانی، بست و پنج گانی (یہ سکہ خاص فیروز شاہ کی اختراع تھا) بست و چہاد گانی، دوازہ گانی، دہ گانی، ہشت گانی، شش گانی تھے۔ ان کی قیمتیں علی الترتیب ۴۸ سے لے کر ۶ جیتل تک تھیں۔

ایک بار بادشاہ کو خیال آیا کہ خرید و فروخت کے وقت ایک جیتل سے کم کا حساب ہوتا ہو گا تو بیچنے والا کیونکہ فاضل رقم واپس کرتا ہو گا جبکہ جیتل سے کم سکہ کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے دو سکنے اور رائج سکنے، ایک نصف جیتل کا جسے آدھ کہتے تھے اور دوسرا پاؤ جیتل کا جس کا نام بیکھ دکھا گیا۔

ایک دفعہ بادشاہ کو دو آدمیوں نے خبر دی کہ شش گانی سکہ میں کچھ خفیف سی کھوٹ ہے اور بازار میں اس کا چرچا ہو رہا ہے۔ بادشاہ نے وزراء کو حکم دیا کہ اس کی کامل تحقیقات کی جائے۔ یہ واقعہ ۷۳۱ھ کا ہے۔ خان جہاں زندہ تھا جب اس کو بھی خبر ہوئی تو بادشاہ سے عرض کیا کہ سکہ کی حالت نامتناہی کی سی ہے کہ اگر اس کی عصمت پر جھوٹا الزام بھی لگ جائے تو پھر اسے کوئی نہیں پوچھتا۔ اس لئے اگر اعلانیہ تحقیقات کی گئی اور کھوٹ ثابت ہو گیا تو شاہی سکہ کا اعتبار اٹھ جائے گا اس لئے پہلے خفیہ جانچ مناسب ہے۔

اس وقت کجرشاہ ٹکسال کا مہتمم تھا اس سے خان جہاں نے دونوں مخبروں کو حراست میں لے کر کہا کہ کیا تم اپنی طور پر تحقیق کر کے مجھے اطلاع دو گے؟ چنانچہ اس نے تفتیش کی اور خان جہاں سے کہا کہ واقعی ٹکسال کے بعض شریر آدمیوں نے سکہ میں کچھ کھوٹ ملا دی ہے۔ خان جہاں یہ سن کر غاموش ہو گیا اور پھر کچھ سوچ کر حکم دیا کہ سنا دوں کو بلا کر بادشاہ کے سامنے اس طور سے جانچ

کرائی جائے کہ وہ سکے کے کھرے ہونے کی طرف سے مطمئن ہو جائے۔

کچر شاہ نے ستاروں سے حالات بیان کئے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ ہم لوگ بادشاہ کے سامنے بغیر کسی سامان کے برہنہ طلب کئے جائیں لیکن تھوڑی سی چاندی کسی کوئلہ کے اندر رکھ کر شکاف یا سوراخ کو موم سے بند کر دیا جائے۔ جب ہم سکے گلائیں گے تو اس کوئلہ کو بھی اس میں ڈال دیں گے اور اس کی چاندی سکے کی چاندی سے مل کر وزن کو پورا کر دے گی۔

چنانچہ اس پر عمل کیا گیا اور مجمع عام میں بادشاہ کے سامنے سکے کی جانچ کی گئی۔ چونکہ اس ترکیب سے کسی کو کھوٹ کا پتہ نہ چلا اور سکے کا وزن صحیح نکلا۔ اس لئے بازاروں میں عام اعلان کر دیا گیا کہ جانچ سے سکے ششگانی بالکل کھرا معلوم ہوتا ہے اور اس میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ کچر شاہ کو خلعت دیا گیا اور منجروں کو شہر بدر کر دیا گیا۔ لیکن چند دن بعد خان جہان نے کسی اور بہانے سے کچر شاہ کو علیحدہ کر دیا۔ اس سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ خان جہاں کس قابلیت کا وزیر تھا بلکہ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ معاملات سلطنت میں فیروز شاہ کیسا امین اور متدین تھا۔

جب بادشاہ نے بنگال کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد شہر حصار فیروزہ کی بنیاد ڈالی (جس کا حال آگے آتا ہے) تو اس نے اس نواح کی زمین کو (جس میں فتح آباد اور حصار فیروزہ دونوں داخل تھے) کی پیداوار کو بہت بڑھایا۔

انتظام آب پاشی | بادشاہ کو آبادی املاک کا اس قدر خیال تھا کہ بادشاہ کے زمانے میں وہ خاص خاص سرداروں کو متعین کرتا کہ وہ نہروں کے کنارے پھر کر دیکھیں کہ سیلاب کہاں تک پہنچتا ہے اور وہ بہت خوش ہوتا جب اسے معلوم ہوتا کہ کاشت کار نہروں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ فیروز شاہ کے یہی انتظامات تھے جنہوں نے نہ صرف اس کی جاگیر بلکہ سارے ملک کو آباد و خوشحال بنا دیا تھا۔

فیروز شاہ کے عہد میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہے وہ اس کی تعمیرات ہیں، جنہوں نے ایک طرف ملک کو پُر رونق بنانے میں مدد دی تو دوسری طرف رفاہ عام میں غیر معمولی اضافہ کیا۔

اس کو تعمیرات کا غیر معمولی شوق تھا اور آثارِ قدیمہ کی طرف توجہ کرنے میں اولیت کا فخر اسی بادشاہ کو حاصل ہوا۔

علاوہ فتح آباد و فیروزہ حصار کے اس نے حسب تفصیل ذیل نئے شہروں کی بنیاد اور نئے شہر تعمیر کئے :-

”فیروز آباد، فیروز آباد ہارنی کھیڑا، تغلق پور کا سنہ، تغلق پور ملوک ملکوت اور جونپور۔ اس نے محلات بھی کثرت سے تعمیر کرائے جس میں فیروز کوشک، نزول کوشک، مہندواری، کوشک حصار فیروزہ، کوشک فتح آباد، کوشک جونپور، کوشک شکار (جسے اب فیروز شاہ کا کوٹلہ کہتے ہیں اور جو دیہی سے نظام الدین جاتے ہوئے راستہ میں پڑتا ہے) کوشک بند فتح خاں، کوشک سامورہ خاص شہرت رکھتے تھے“

اس نے پانی کے بند بھی کثرت سے بنوائے۔ ان میں ”بند فتح خاں“ بند لجا، بند مہا پور، بند شکر خاں، بند سالورہ اور بند وزیر آباد بہت مشہور ہیں اور چھوٹے چھوٹے بندوں کا کوئی شمار نہیں ہے۔

خانقاہیں و سرائیں | دہلی اور فیروز آباد میں اس نے ایک سو بیس خانقاہیں اور سرائیں تعمیر کرائیں۔ یہ ہمیشہ مسافروں سے بھری

رہتیں اور بادشاہ کی طرف سے مسافروں اور فقراء سب کو کھانا وغیرہ دیا جاتا۔ تمام معارف خزانہ شاہی سے نقد دیئے جلتے تھے اور ایک امیران کا متولی تھا۔

محلات | فیروز آباد میں اس نے اپنے دربار کے تین محل تیار کئے تھے۔ ایک کا نام ”محل ضمن گلی“ اس کو محل انگور بھی کہتے تھے۔ دوسرے کا نام

”محل چھبہ چوبلیں“ تھا اور تیسرے کو محل انگور بھی کہتے تھے۔ ضمن میانگی اس کا دوسرا

نام تھا، پہلے محل میں صرف خوانین، ملوک، امراء اور خاص خاص اہل قلم سے ملاقات ہوتی تھی۔ دوسرا محل گویا خلوت کہہ تھا اور نہایت ہی مخصوص امراء کے ساتھ وہاں نشست ہوتی تھی۔ تیسرا محل عام دربار کے لئے تھا۔

باغات | فیروز شاہ کو باغوں کا بھی بہت شوق تھا۔ دہلی کے قریب اس نے بارہ سو باغات خود نصب کرائے اور علاؤ الدین کے زمانہ کے میں باغات کو بھی از سر نو آباد کر کے بہت ترقی دی۔ اسی طرح سلورہ کے قریب اس نے آشتی باغ تیار کرائے اور حیتور میں چوالیس تمام باغوں میں علاوہ اور میوؤں اور پھلوں کی آمدنی تھی۔ جب حصار فیروزہ میں نہر کا پانی آنے لگا تو یہاں بھی کثرت سے باغات نصب کرائے۔

نہریں | فیروز شاہ کے تمام کاموں میں جو رنہ عام سے متعلق ہیں سب سے بڑا اور اہم کام نہروں کا اجراء تھا۔ حصار فیروزہ جس جگہ بنایا گیا تھا وہاں پانی کی بہت تکلیف تھی، اس لئے اس نے یہ مصیبت دور کرنے کے لئے اور نیز مزارعین کو فائدہ پہنچانے کے لئے دو نہریں بنوائیں۔ ایک نہر اس نے دریائے جمن سے نکالی جس کا نام اس نے رنجیراہ (رجیواہ) رکھا اور دوسری نہر دہانے ستلج سے جس کا نام الغ خانی تھا۔ یہ دونوں نہریں کرنال کے قریب ہو کر گزرتی تھیں اور آشتی کوس کے بعد دونوں مل کر شہر فیروزہ حصار میں پہنچتی تھیں۔ ہر دو نہریں آج بھی موجود ہیں۔

اس نہر کا ثبوت عہد اکبری کی ایک سند ۹۷۵ھ سے بھی ملتا ہے جس کے شروع میں لکھا ہے کہ دریائے چٹانگ سے ۲۱۰ سال ہوئے سلطان فیروز شاہ نے نہر نکالی تھی۔ نالوں وغیرہ کا پانی بہتا ہوا سادورہ کے قریب ہانسی، حصار کے پہاڑی کے دامن میں پہنچتا ہے۔

علاوہ ان نہروں کے فیروز شاہ نے اور بھی متعدد نہریں جاری کی تھیں جن میں سے ایک کا ذکر تیمور نے اپنے ملفوظات میں قلعہ لونی کا حال لکھتے ہوئے بیان کیا ہے۔

وہ لکھتا ہے کہ :-

”قلعہ لونئی دریائے جمنا اور ہندون کے درمیان واقع ہے۔ ہندون حقیقتاً ایک بڑی نسر ہے جسے فیروز شاہ نے دریائے کالی ندی سے نکال کر فیروز آباد کے محاذ میں جمنا سے ملا دیا تھا“

رفاہ عام | فیروز شاہ کو عمارات اور رفاہ عام کے کاموں کی طرف بہت توجہ تھی اور اس نے کثرت سے اس قسم کی عمارتیں بنوائیں جس سے رعایا کو فائدہ پہنچے۔

آثارِ قدیمہ کا تحفظ | آثارِ قدیمہ کو محفوظ رکھنے کا خیال سب سے پہلے ہندو پاک میں فیروز شاہ کو پیدا ہوا اور اس خیال کے ماتحت جن جن عمارتوں کی اس نے مرمت کرائی ان کا ذکر خود اس نے اپنی فتوحات میں کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ پرانی عمارتیں جو خراب و ویران ہو گئی تھیں میں نے ان کی مرمت کرائی اور ان کی آبادی کو میں نے اپنے محلات میں تعمیر پر مقدم جانا۔ چنانچہ :-

۱۔ دہلی کی جامع مسجد جو سلطان معز الدین سام نے تعمیر کرائی تھی اور کمنگی کے سبب سے خراب ہو گئی تھی۔ میں نے اس کو بالکل نیا کر دیا۔

۲۔ سلطان معز الدین سام کے مقبرہ کی مغربی دیوار بوسیدہ ہو گئی تھی۔ میں نے اسے نو تعمیر کرایا اور نقش محراب میں صندل کی لگوادیں۔ سلطان معز الدین کا مینار بھی بچا۔ سے گر پڑا تھا میں نے اس کو پہلے سے بھی زیادہ بلند بنوا دیا۔

۳۔ حوضِ طمسی (سلطان التمش کے حوض) میں بعض شریر آدمیوں نے پانی آنے کی راہیں بند کر دی تھیں۔ میں نے ان لوگوں کو سزا دی اور پانی کے منبع پھر جاری کر دیئے۔ اسی طرح حوضِ علائی (سلطان علاؤ الدین کا حوض) مٹی سے بھر گیا تھا اور وہاں کھیتی ہونے لگی تھی میں نے اس کو بھی صاف کر دیا۔

۴۔ سلطان التمش کا مدرسہ (جو التمش کے مقبرہ سے ملحق تھا) بالکل خراب ہو گیا تھا میں نے اسے بھی از سر نو بنایا اور صندل کے دروازے اس میں لگوا دیئے۔

جو ستون گرے تھے اُن کو پہلے سے زیادہ اچھا بنوا دیا۔ مقبرہ کا صحن مدور نہ تھا میں نے اُسے مدور کر دیا۔ چاروں برجوں کا پشتہ گر گیا تھا وہ بھی میں نے وسیع کر دیا۔

۵۔ سلطان شمس الدین کے بیٹے معز الدین سام کا مقبرہ جو ملک پور میں تھا بالکل کھنڈر ہو گیا تھا اور قبر کا کہیں نشان نہ تھا میں نے از سر نو برج کی تعمیر کرائی اور احاطہ کی دیوار کھنچوا کر قبر کا چبوترہ بنوا دیا۔

۶۔ سلطان شمس الدین کے بیٹے سلطان رکن الدین کا مقبرہ جو ملک پور میں تھا، بالکل خراب ہو گیا تھا میں نے اس کی دیوار احاطہ کھنچوائی اور نیا گنبد بنوا کر ایک خانقاہ بھی وہیں تعمیر کرا دی۔

۷۔ سلطان علاؤ الدین کے مقبرہ کی مرمت کرائی اور صندلی دروازے اس میں لگوا دیئے۔ آبدار خانہ کی دیوار اور مدرسہ کے اندر جو مسجد تھی اس کی مغربی دیوار بنائی اور چوپر کا فرش تیار کر دیا۔

۸۔ سلطان قطب الدین کا مقبرہ اور سلطان علاؤ الدین کے بیٹوں، غفر خاں شادی خاں، فرید خاں، سلطان شہاب الدین، سکندر خاں، محمد خاں، عثمان اور اس کے پوتوں اور پسرپوتوں کے مقبروں کی مرمت کرائی اور از سر نو تعمیر کرایا۔

۹۔ شیخ الاسلام نظام الدین (اولیا) کے مقبرہ کے دروازے اور قبر کی صندلی جالیاں خراب ہو گئی تھیں ان کی مرمت کرائی اور چاروں محرابوں میں سونے کے جھاڑ طلائی نہ بنیروں سے آویزاں کر دیئے۔ ایک مجلس خانہ بھی بنوا دیا جو اس سے قبل نہیں تھا۔

۱۰۔ سلطان علاؤ الدین کے درمیر اعظم تاج الملک کا فوری کی قبر ہموار ہو گئی تھی اور گنبد گر پڑا تھا۔ میں نے اس کی بھی از سر نو تعمیر کرائی۔

۱۱۔ دارالامان (یہ بڑے بڑے آدمیوں کے دفن ہونے کی جگہ تھی) میں نے دروازے صندل کے لگوائے اور مشور آدمیوں کی قبروں کے غلات اور پردے بنوائے۔

۱۲۔ سلطان محمد تغلق نے ”جہاں پناہ“ کی بنیاد ڈالی تھی میں نے اُسے مکمل کرایا۔

کیونکہ سلطان محمد تغلق میرا مربی اور استاد تھا۔

۱۳۔ دہلی میں اگلے بادشاہوں نے جتنے قلعے اور حصار بنوائے تھے ان سب کی میں نے مرمت کرائی۔

۱۴۔ ان مدرسوں و مقبروں کی تعمیر کا خرچ ان کی قدیم املاک اوقاف کی آمدنی سے کیا گیا۔ بعض عمارتیں ایسی بھی تھیں جن کے فرش، روشنی اور مسافرین و زائرین کی مہمان نوازی کے لئے کوئی آمدنی نہ تھی۔ میں نے ان کے لئے دیہات وقف کئے تاکہ ان کی آمدنی سے مصارف پورے ہوتے رہیں۔

۱۵۔ نامور سلاطین اور اولیاء کے مقابر کے لئے دیہات وقف تھے، میں نے ان کو بدستور قائم رکھا۔

۱۶۔ میں نے دارالشفاء بھی تعمیر کرایا۔ اس میں ادنیٰ و اعلیٰ تمام طباقوں کے مریضوں کا علاج ہوتا ہے۔ اطباء حاذق تشخیص امراض و معالجہ کے لئے مقرر ہیں اور غذا، دوا وغیرہ سب جائداد موقوفہ کی آمدنی سے مہیا کی جاتی ہے۔

مدرسہ فیروز شاہی نے جو مدارس قائم کئے تھے ان میں سے ایک فتح خاں کے مقبرہ کے پاس تھا جسے ”قدم شریف“ کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ایک مسجد بھی تھی اور ایک حوض بھی۔ فتح خاں، فیروز شاہ کا بہت محبوب فرزند تھا اور یہ مدرسہ مع مسجد کے اسی کی یادگار میں تعمیر کیا گیا تھا۔

دوسرا مشہور مدرسہ فیروز آباد میں تھا جو ”فیروز شاہی مدرسہ“ کے نام سے مشہور تھا۔ ضیاء برنی نے لکھا ہے کہ :-

”یہ مدرسہ بہ لحاظ عمارت و تعلیم اپنی نظیر نہ رکھتا تھا۔“

اس مدرسہ کی عمارت بہت وسیع تھی اور اس کے گنبد بڑے شاندار تھے۔ یہ مدرسہ ایک بہت بڑے باغ کے اندر تالاب کے کنارے واقع تھا۔ ہر وقت سینکڑوں طلباء اور کثیر علماء و فضلاء یہاں موجود رہتے تھے اور ارباب

ان کے لئے وقت تھا یہاں ان کی تعلیم و تعلم، درس و تدریس، عبادت و تفریح کے لئے مکانات بنے ہوئے تھے اور وہ نہایت آزادی کے ساتھ تالاب کے کنارے باغ کے کنجوں میں سنگ مرمر کے صقیل کئے ہوئے فرش پر اپنے مشاغل علمیہ میں منہمک نظر آتے تھے۔

اس مدرسہ سے متعلق ایک مہمان خانہ بھی تھا جہاں سیاح آ کر قیام کرتے تھے اور مسجد مدرسہ کے ساتھ ایک لنگر خانہ یا خیرات خانہ بھی تھا جس سے تمام غریب اور مساکین کو امداد ملتی تھی۔

لاٹین فیروز شاہ کے تمام کاموں میں سے سب سے زیادہ اہم اور موجودہ تہذیب کے نقطہ نظر سے بے انتہا قابل قدر کام یہ ہے کہ اس نے قدیم عہد کے دو سنگین مینار میرٹھ اور خضر آباد کے قریب سے اکھڑا کر کو شک شکار میں نصب کرائے۔ یہ دونوں مینار ۳۲۰ سال قبل مسیح کے ہیں۔ جن پر پالی حروف میں اسوکا (بدھ مذہب کے بہت بڑے مبلغ) کے احکامات مذہبی منقوش ہیں۔ جب یہ دونوں مینار دہلی پہنچے تو فیروز شاہ نے تمام پندتوں کو جمع کیا لیکن کوئی منقوش عبارت کو نہ پڑھ سکا۔

ہر چند یہ دونوں مینار ہندو یا بدھ مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن فیروز شاہ نے بے انتہا کاوش و سعی محنت و صرف سے ان دونوں میناروں کو اپنے دالہ الحکومت میں منتقل کرایا۔ صرف اس وجہ سے کہ وہ آثار قدیمہ کی عظمت کا فطری ذوق رکھتا تھا اور اس مسئلہ میں بھی وہ مذہبی تعصب سے کام نہ لیتا تھا۔ اس سے ان مذہبوں کے آثار باقی رہ گئے۔

فرشتہ نے اور صاحب طبقات اکبری نے حسب ذیل فہرست عمارات کی مرتب کی ہے جو یہاں نقل کی جاتی ہے :-

۵۰ بند، جن سے آبپاشی ہوتی تھی۔ ۴۰ مسجدیں۔ ۳۰ مدارس۔

جن کے ساتھ مسجدیں بھی تھیں۔ ۲۰ خانقاہیں۔ ۱۰۰ محل۔ ۵۰ شفاخانے

۱۰۰ مقبرے۔ ۱۰ حمام۔ ۵۰ کنوئیں۔ ۱۰۰ پل۔ ۲۰۰ رباط۔ ۳۰ شہر۔ ۱۰۰ مینارے۔ باغوں وغیرہ کا کوئی شمار نہیں ہے۔ ان میں سے ہر عمارت کے لئے اس نے جائیداد وقف کی تاکہ وہ خراب نہ ہونے پائے اور اس کے مصارف پورے ہوتے رہیں۔

مدارس کے متعلق مورخین کا اختلاف ہے۔ مآثر حمی میں پچاس مدرسے درج ہیں۔ فقیر محمد لکھتے ہیں کہ طبقات اکبری اور تاریخ فرشتہ میں تیس کی تعداد درج ہے۔ اگر ان میں سے کوئی تعداد صحیح نہ ہو تو بھی اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اس نے متعدد مدرسے قائم کئے۔

ان شفا خانوں کا جو انتظام تھا اس کا حال خود فیروز شاہ نے اپنی فتوحات میں لکھ دیا ہے اور جسے ہم درج کر چکے ہیں۔

دیوان خیرات غریب کے فائدہ و سہولت کے لئے اس نے دیوان خیرات بھی قائم کیا تھا۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ جن غریب و سائین کی لڑکیاں جوان ہو گئی ہوں اور بوجہ افلاس ان کی شادی نہ ہو سکتی ہو انہیں مدد دی جائے۔ پچاس سے بیس تن تک ہر شخص کی مدد کی جاتی تھی۔

سراج عقیق لکھتا ہے کہ اس سلسلہ میں ہزاروں آدمیوں کی اعانت کی گئی اور خدا جل نے کتنی تاکتخدا لڑکیوں کی شادی ہو گئی۔

یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ علماء و مشائخ کے لئے اس نے ۳۲ لاکھ تنکہ کے وظائف مقرر کئے (مقابر کے لئے ایک لاکھ تنکہ اس کے علاوہ تھی لیکن اس نے خدمتِ علم صرف اسی حد تک نہیں کی بلکہ تصانیف کی طرف بھی خاص توجہ کی۔ جب سلطان نے نگر کوٹ فتح کرنے کے بعد وہاں کے راجہ کو بدستور حکمران قائم رکھا تو اس نے چند دن وہاں قیام بھی کیا۔ اس دوران میں اس سے لوگوں نے کہا کہ جب سکندر یہاں آیا تھا تو برہمنوں نے نوشتا بہ (سکندر بنی) کا بت تیار کر کے اس کی پرستش شروع کر دی تھی۔ چنانچہ اب بھی یہاں کے لوگ اسی مجسمہ کو پوجتے ہیں۔

دلائل الترجمة و کتب خانہ | فیروز شاہ سے برہمنوں نے یہ کہا کہ مندر میں ۱۰۰ اکتب قدیم زمانہ کی رکھی ہوئی ہیں۔ چنانچہ فیروز شاہ اس بُت خانہ میں جس کو ”بولالا مکھی“ کہتے تھے گیا اور تمام علماء کو وہاں طلب کر کے بعض کتابوں کا ترجمہ کرایا۔ ان ہی کتابوں میں سے ایک کتاب حکمت نظری و عملی کی تھی جس کو اعز الدین خالدی نے (جو اس وقت کے مشہور شعراء میں سے تھا) نظم کر کے دلائل فیروز شاہی نام رکھا۔ ایک کتاب عروض علم موسیقی کی اور ایک فن پٹہ بازی کی بھی سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کی گئی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فیروز شاہ کے عہد میں حاکم و محکوم کے درمیان ایسے تعلق پیدا ہو گئے تھے کہ ایک دوسرے کی زبان کو سیکھتا تھا اور تعصب بڑی حد تک مٹ چکا تھا۔ ضیاء برنی کی تاریخ فیروز شاہی (جس میں عہد فیروز شاہی کے ابتدائی دس سال کے حالات بھی درج ہیں) اس کے عہد میں ختم ہوئی۔ تفسیر تاجہ خانی، فتاویٰ تاجہ خاں (جو فن تفسیر و فن فقہ کی بے مثل کتابیں ہیں) اور عین الملک اس عہد کی مشہور تصانیف ہیں جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

علماء و فضلاء | فیروز شاہ کے عہد میں بڑے بڑے علماء پائے جاتے تھے۔ ان میں سے ایک مولانا جلال الدین رومی تھے جو مدرسہ فیروز شاہی کے پرنسپل تھے۔ دوسرے مولانا عالم آندپتی جن کی نسبت مولانا عبدالحق دہلوی نے لکھا ہے کہ فتاویٰ تاجہ خانی کی ترتیب میں ان ہی کا خاص حصہ تھا۔ علاوہ ان کے مولانا خواجگی (قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے استاد مولانا احمد تھانیسری اور قاضی عبدالمقتدر (جو علاوہ فاضل ہونے کے بے مثل شاعر بھی عربی، فارسی کے تھے اور جنہوں نے لامعۃ العجم کا جواب لکھ کر شہرت دوام حاصل کر لی ہے) ملک احمد ولد امیر خسرو اور مولانا مظہر گڑوی اور قاضی عابدی اپنی اپنی جگہ بے مثل علماء و صاحبانِ کمال میں شمار کئے جاتے تھے۔

فنون کی ترویج | فیروز شاہ کو تمام فنون کے ساتھ دلچسپی تھی۔ چنانچہ استاد

کے ماتحت اُس نے اپنے غلاموں کی بڑی تعداد کو مختلف پیشوں اور حرفوں کی تعلیم دلائی اور لوگوں میں مختلف نئی نئی چیزیں بنانے کا ولولہ پیدا کر دیا۔ اس عہد کے ایک مشہور ایجاد طاس گھڑیاں ہے جس سے نمازوں کے اوقات، روزہ کھولنے کا وقت، سایہ کا حال، شب و روز کے گھٹنے بڑھنے کی کیفیت معلوم ہوتی تھی۔ فیروز آباد میں جہاں یہ گھڑیاں لگا تھا وہاں اُس کے دیکھنے کے لئے ہر وقت لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ اس ایجاد کو خود فیروز شاہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ بہر حال اس موقع پر جو سال میں چار بار (عیدین، نوروز اور شبِ برات) ہوتے تھے اور ہر جمعہ کو نماز کے بعد داستان گو، گویتے، ماہرینِ رقص، پہلوان اور کرب دکانے والے جمع ہو کر اپنا کمال و تماشا دکھایا کرتے تھے اور بادشاہ سب کو انعام و کرم و نصرت کرتا تھا۔

فیروز شاہ کو قدیم اور نادر چیزیں جمع کرنا کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ اشوکا کے سنگین ستونوں کا فیروز آباد میں نصب کرنا بھی اسی ذوق کی بنا پر تھا۔ اس نے ایک خاص مکان اس لئے تعمیر کرایا تاکہ وہاں ایسی عجیب و غریب چیزیں رکھی جائیں۔

سراجِ عقیق نے لکھا ہے کہ اس عجائب خانہ میں ایک پستہ قد شخص ایسا تھا جو صرف ایک گز لمبا تھا۔ لیکن اس کا ستر تین آدمیوں کے برابر تھا۔ دو آدمی دراز قامت تھے۔ یہ اتنے لمبے تھے کہ اس وقت کا طویل سے طویل قدر کھنے والا آدمی ان کی کمر تک پہنچتا تھا۔ دو عورتیں ایسی تھیں جن کی داڑھی بالکل مردوں کی طرح تھی۔ ایک بکری تین پاؤں کی تھی جو خوب دوڑتی تھی۔ ایک سیاہ کوا مرغ چونچ کا ایک سپید طوطی سیاہ منقار کی۔ ایک گائے جس کے سم گھوڑے کی طرح تھے۔

علاوہ ان کے اور بہت سی چیزیں اس عجائب خانہ میں تھیں۔ آدمیوں اور ہاتھیوں کی وہ ہڈیاں بھی اس عجائب خانہ میں رکھی ہوئی تھیں جو مرستی اور سٹلج کے درمیان سے پستہ زمین کھودنے سے برآمد ہوئی تھیں۔ بعض ہڈیاں ایسی تھیں جو نصف پتھر ہو گئی تھیں۔

شکار | فیروز شاہ کو کمپنی اسی سے شکار کا بہت شوق تھا۔ محمد شاہ افغان اسے منع بھی کرتا رہتا۔ لیکن یہ باز نہ آتا۔ جب عنانِ حکومت اس کے ہاتھ میں آئی تو اس شوق نے اور نہ یادہ ترقی کر لی۔

یہ نہ صرف چیتوں اور سیاہ گوش کے ذریعہ سے شکار کھیلتا تھا بلکہ شیر بھی اس غرض سے اس نے پال رکھے تھے۔ شاہین، باز، جرہ، بھری وغیرہ کے ذریعہ سے بھی شکار کسیتا تھا۔

موسم گرما میں دیپال پور اور سرستی کا درمیانی حصہ گورخ کے شکار کے لئے مخصوص تھا۔ اسی طرح موسم سرما میں بدایوں اور آنولہ کے جنگلوں میں نیل گائے کا شکار کیا کرتا تھا۔ اگر کسی جنگل میں شیر آجاتا تو کوئی اس کا شکار نہ کرتا بلکہ بادشاہ کو اس کی خبر دی جاتی اور یہ فوراً وہاں پہنچ کر اس کا شکار کرتا۔

امن و سکون | چونکہ فیروز شاہ فطرتاً حیم المزاج تھا اس لئے فتوحات کے لحاظ سے اس نے کوئی ترقی نہیں کی۔ تاہم اس کی فتوحات میں سب سے بڑی فتح یہی ہے کہ محمد شاہ تغلق کے زمانے میں جو طوائف الملوکی اور بد امنی پھیل گئی تھی وہ اس کے عہد میں مفقود ہو گئی اور سلطنت میں ہر طرف امن و سکون نظر آنے لگا۔ وہ جنگ کرنا نہیں چاہتا تھا اس میں جنگی قابلیت تھی۔ لیکن وہ کشت و خون سے گھبراتا تھا۔

لکن جہاں حسن گنگو نے اپنی خود مختاری حکومت بہمنی سلطنت کے نام سے کوہ وندھیا چل کے جنوب تک قائم کر لی تھی اور جو ۱۸۰ تک قائم ہوئی بدستور مطلق العنان رہا۔ بنگال کی طرف ہر چند فیروز شاہ دو مرتبہ گیا۔ لیکن کشت و خون کے خیال سے لوٹ آیا۔

پہلی دفعہ جب ۱۱۳۳ھ میں وہ بنگال کی طرف گیا تو گیارہ مہینے تک واپس نہیں آیا۔ اس مہم میں اس کو کامیابی حاصل ہوئی اور ایک لاکھ اسی ہزار بنگالی فوج قتل کی گئی۔ لیکن جب فیروز شاہ کو معلوم ہوا کہ اس قدر جانبیں ضائع گئی ہیں تو

اس نے یک ڈلہ کے قلعہ کا محاصرہ (جہاں شاہ بنگال بھاگ کر پناہ گزین ہو گیا تھا) چھوڑ دیا اور دہلی واپس آیا۔

فتوحات | اس کے بعد ۶۷۰ھ، ۱۲۵۹ء میں وہ بنگال گیا۔ اس وقت ستر ہزار سوار اور بے شمار پیدل فوج ساتھ تھی (۷۰۰۰ ہاتھی بھی ہمراہ تھے۔ لیکن اس مہم کا نتیجہ بھی یہ ہوا کہ صلح ہو گئی۔ واپسی میں بادشاہ ہاتھیوں کا شکار کرنے پر مادی (چھوٹا ناگپور) کے جنگل میں پہنچ گیا اور بڑی مشکل سے اپنے ساتھیوں کی جان بچا کر دہلی واپس آسکا۔ اس دفعہ وہ اڑھائی سال کے بعد دہلی آیا اور آخر ۶۸۶ھ میں تو کوئی خبر ہی بادشاہ کی دہلی تک نہ پہنچ سکی۔

اس کے بعد اس نے ٹھٹھہ فتح کرنے کا عزم کیا اور نوے ہزار سوار، ۷۰۰۰ ہاتھی لے کر بمبکر کی طرف روانہ ہوا۔ کچھ فوج ... کشتیوں کے ذریعہ سے دریائے سندھ کو عبور کر کے پہنچی اور کچھ ساحل گئیں۔ اتفاق سے اس زمانہ میں قحط پڑ گیا اور سناو جام (فرمانروا نے سندھ) کے مقابلہ میں شکست ہوئی۔ واپسی میں فیروز شاہ نے گجرات کا قصد کیا لیکن راستہ بتانے والوں نے دھوکہ دے کر کچھ کی دلدلوں میں پھنسا دیا۔ پھر چھ ماہ تک بادشاہ کی کوئی خبر دہلی نہیں پہنچ سکی۔ اس مصیبت سے نجات پانے پر بادشاہ نے پھر گجرات میں فوج مرتب کی اور دہلی سے کمک طلب کر کے سندھ پر حملہ کیا۔ اس مرتبہ بادشاہ کو کامیابی حاصل ہوئی اور وہاں کے فرمانروا کو معزول کر کے اس کے بیٹے کو تخت نشین کیا۔ اس کے بعد نگر کوٹ پر حملہ کیا اور وہاں اسے فتح ہوئی۔

جب فیروز شاہ دہلی آکر انتظام سلطنت میں مصروف ہوا تو خداوند زادہ (سلطان محمد تغلق کی بہن) مع اپنے شوہر کے وہیں ایک محل میں رہتی تھی۔ فیروز شاہ ہر جمعہ اس محل میں جاتا۔ ملک خسرو آگے کھڑا ہوتا اور ملک داور (خداوند زادہ کا بیٹا) ماں کے پیچھے بیٹھتا۔ جب بادشاہ رخصت ہونے لگتا تو خداوند زادہ پان دیتی۔

واقعہ | ہر چند خداوند زادہ فیروز شاہ کی تخت نشینی پر راضی ہو گئی تھی،

لیکن حقیقتاً وہ اس سے خوش نہ تھی۔ ایک بار اُس نے فیروز شاہ کو قتل کر دینے کی سازش کی اور محل کے اندر حجروں میں زرہ پوش سپاہیوں کو چھپا کر تاکہ کر دی کہ جب میں اپنے سر پر دوپٹے کو درست کرنے لگوں تو فیروز شاہ کا کام تمام کر دیں۔

رحم دلی | جب فیروز شاہ حسب معمول آیا تو دار و ملک نے جو اس سازش میں شریک نہ تھا بادشاہ کو چلے جانے کا اشارہ کیا۔ یہ کچھ سمجھ کر فوراً وہاں سے چل دیا۔ خداوند زادہ روکتی رہی مگر یہ کوئی عذر کر کے چلا آیا۔ اس کے بعد جب خداوند زادہ کے محل کا محاصرہ کیا گیا تو زہ پوش سپاہی گمراہ ہوئے اور انہوں نے سارا حال بیان کر دیا۔ بادشاہ نے خداوند زادہ کو صرف یہ سزا دی کہ وہ گوشہ نشین ہو جائے اور اپنا وظیفہ لیتی رہے اور اس کے شوہر خسرو ملک کو جلا وطن کر دیا۔

جب بادشاہ اول مرتبہ بنگال کی مہم پر گیا تو تاتار خاں بھی ساتھ تھا۔ بادشاہ کبھی کبھی شراب کا شغل کیا کرتا تھا۔ ایک دن صبح کو اتفاق سے تاتار خاں اس کے خیمہ میں پہنچ گیا۔ فیروز اس وقت اسی شغل میں مصروف تھا۔ فوراً شراب کا سامان پلنگ کے نیچے چھپا دیا۔ لیکن تاتار خاں نے دیکھ لیا اور بادشاہ کو نہایت سختی سے زہر و توہین کی۔ بادشاہ بہت نادام ہوا اور آئندہ کے لئے عہد کیا کہ میں تمہاری موجودگی میں کبھی شراب نہ پیوؤں گا۔

وقائع | تاتار خاں صرف ایک فوجی افسر تھا۔ لیکن یہ فیروز شاہ کی حد درجہ انصاف پسندی اور سلامت طبع تھی کہ اس نے اپنے ایک معمولی امیر کی جھڑکی سن لی اور جواب میں سوائے انفعال و ندامت کے اظہار کے اور کچھ نہ کہا۔

جب بادشاہ ضعیف ہو گیا تو اس کو ایک سخت صدمہ تو اپنے وزیر خان جہاں کی وفات کا پہنچا اور دوسرا صدمہ بڑے بیٹے فتح خاں (ولی عہد) کا جس کی وفات وزیر کے تین سال بعد وقوع میں آئی۔ فتح خاں نہایت ہوشیار و قابل لڑکا تھا۔ اس لئے اس کی موت نے بادشاہ کی کمر توڑ دی۔

فیروز شاہ نے خان جہاں کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے کو وزیر کر دیا۔ لیکن

فیروز کے دوسرے بیٹے محمد کی سانش سے وزیر کو معزول ہو کر جان کے خوف سے بھاگ جانا پڑا۔ اس کے بعد فیروز شاہ نے ناصر الدین کا خطاب دے کر تمام انتظامات سلطنت محمد کے سپرد کر دیا۔ چونکہ محمد سخت نالائق تھا اس لئے غلاموں میں اس کے طرز عمل سے سخت ہنر گامہ بپا ہو گیا۔ فیروز شاہ کو مجبوراً اپنی غلوت سے نکلنا پڑا۔ اور مشکل اس شورش کو رفع کر کے اپنے پوتے یعنی فتح خاں کے بیٹے کو تخت نشین کیا۔

وفات | چند دن بعد ۱۸ رمضان ۷۱۷ھ کو انتقال کر گیا۔ اس کی عمر ۹۰ سال کی تھی۔ اس نے قریب چالیس سال کے حکومت کی اور اپنے غیر فانی نقوش حسن انتظام کے چھوڑے۔ فیروز شاہ حوض خاص (شمسی) کے پاس مدفون ہے۔ اس کا مقبرہ اب بھی شکستہ حالت میں موجود ہے یہ

علمی دربار | فیروز شاہ تغلق سلطان محمد بن تغلق کی طرح صاحب علم و تقصیف تھا۔ فتوحات فیروزی اس کی مشہور تصنیف ہے۔ کا بڑا قدر دان تھا۔ اس کا دربار علماء و فضلاء شعراء اور دوسرے اصحاب کا مجمع تھا۔ ضیاء برنی اور عقیف جیسے مؤرخ اور ادیب مظہر ہندی جیسے نامور تاتاریاں جیسے عالم اور مفسر علماء سے اس کا دربار آراستہ رہتا تھا۔ اس نے یہ کام پر ذکر کیا ہے بڑی بڑی مساجد مدارس بنوائے۔ ان کے معارف کے لئے ہزاروں روپیہ کے اوقاف مقرر کئے۔ اس نے حکمرانوں کو بھی قائم کیا۔ فرشتہ لکھتا ہے:

دربادشاہ علمائے آن طائفہ را طلب کردہ بعضے ازاں کتب را ترجمہ فرمودہ
ازاں جملہ اعز الدین خالد خانی کہ شعراء اُن کتابے در حکمت طبعی و شوگون
و تفاولات در سلک نظم کشیدہ دلائل فیروز شاہی نام کردہ و اطلق اُن
کتابست متضمن اقسام حکمت عملی و علمی۔ ۲

۱۔ لمعن از طبقات اکبری صفحہ ۱۱۳۔ ۱۲۱ و تاریخ ذی القعدہ اسلامی ہند از علام
نیاز فتح پوری۔ ۲۔ فرشتہ جلد اول صفحہ ۱۳۷ و طبقات اکبری صفحہ ۲۳۳۔

فیروز شاہ کے علمی ذوق کا ہی اثر تھا کہ امرائے سلطنت بھی علم سے شغف رکھتے تھے۔ امراء میں سے امیر تانارخاں تھا جس نے تفسیر کلام پاک کی لکھی جو تفسیر تانارخانی کے نام سے مشہور ہے۔ اسی طرح اس نے درمختار اور شامی کے مثل ایک فتاویٰ کی کتاب ترتیب دی جو تین جلدوں میں ہے۔ دہلی کے تمام فتوؤں کو جمع کر کے ہر مختلف فیہ مسئلہ کو اس کتاب میں درج کیا اور اختلاف والے مفتی کے نام کا حوالہ بھی دیا۔ اس کا نام فتاویٰ تانارخانی رکھا ہے

فیروز شاہ کے عہد میں طب کو فروغ | سراج عقیف لکھتا ہے :-
”چوں سلطان فیروز شاہ

بچدین قید مٹو کلاں آستانہ شفا خانہ وصحت خانہ برائے عامہ
مریضان بنا فرمودہ و اطباء عاقل و حکماء صادق و قدما
مصدق و جراحان و کمالاں دران مقام تعین گردانیدہ و ادویہ و طعمہ
و اثربہ برائے مریضاں از خزانہ مقرر بردہ باب کرم عام بہ شفقت
تمام بر غلائق خاص و عام کشادہ“



تغلق شاہ ثانی

امراء نے تغلق شاہ ثانی، فتح خاں کے بیٹے (اور فیروز شاہ کے پوتے) کو بادشاہ (۷۹۰ھ میں) بنا دیا۔^۱

چونکہ یہ ایک بے وقوف نوجوان تھا اور سوائے لہو و لعب کے اور کوئی مشغلہ نہ رکھتا تھا اس لئے امراء اور محل کے غلاموں نے جبکہ اس کی حکومت کو صرف چھ ماہ اور کچھ دن کا زمانہ گزرا تھا ۷۹۱ھ میں قتل کر دیا۔

اس کے بعد ظفر خاں کے بیٹے ابوبکر کو امراء نے تخت نشین کیا۔
ظفر خاں | دکن الدین چندہ منصب وزارت پر سرفراز ہوا۔ مگر چونکہ اس کا چچا ناصر الدین محمد جسے فیروز شاہ کے عہد میں غلاموں نے نکال دیا تھا پنجاب میں سامانہ سے نگر کوٹ تک اپنا کافی اقتدار پیدا کر چکا تھا اس لئے وہ دہلی کی طرف بڑھا اور کئی بار شکست کھانے کے بعد ۷۹۲ھ میں تخت دہلی پر قابض ہو گیا۔ ہر چند یہ چار سال تک حکمران رہا لیکن اس کے زمانہ حکومت میں ہر جگہ ہندوؤں نے بغاوت شروع کر دی اور کچھ اقتدار سلطنت دہلی کا باقی تھا وہ بھی مٹ گیا۔

سلطان محمد کے بعد اس کا بیٹا ہمایوں (سکندر شاہ کا لقب اختیار کر کے) ۷۹۳ھ میں تخت نشین ہوا اور ڈیڑھ مہینہ کے بعد وہ بھی مر گیا۔ اس کے بعد ہمایوں کا بھائی محمود اٹھارہ سال تک حکمران رہا۔ لیکن اس شان سے کہ تخت سلطنت کبھی قبضہ میں تھا کبھی دہلی میں۔

۱۔ منتخب التواریخ ص ۶۵ لے ایضاً

اودھ دہلی کا بھی یہ حال تھا کہ اودھ محمود اپنے کو بادشاہ کہتا تھا اودھ فیروز آباد میں نصرت شاہ، فتح خاں، بیٹا حکمرانی کر رہا تھا۔ اس طرح گویا دہلی کے تحت پر دو بادشاہ قابض تھے اور ملک میں حدود و جہد بامنی پھیل رہی تھی۔ الغرض یہ تھا ہندوستان کی سلطنت کا حال جب امیر تیمور صاحبقران نے ۹۲ ہزار سواروں کی جمعیت سے دہلی پر حملہ کیا۔ تیمور کے حملے کا مفصل حال ظفر نامہ، ملفوظات تیموری اور مطلع السعدین میں درج ہے۔ لیکن ہم یہاں صرف اس کا ایک خاکہ پیش کریں گے۔ کیونکہ تیمور کا شمار ہندوستان کے بادشاہوں میں نہیں ہے اور اس لئے اس کے حالات سے جداگانہ بحث کرنا ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

تیمور ہندوستان آنے سے قبل تمام عراق و فارس، افغانستان و ایشیائے کوچک کو زیر نگین کر چکا تھا اس لئے ضروری تھا کہ وہ کسی نہ کسی وقت اس طرف بھی متوجہ ہو۔ چنانچہ اس نے اپنے فوجی مشیروں کے سامنے ہندوستان کے مسئلہ کو بھی پیش کیا۔ ان سب میں سے بعض نے کہا کہ پانچ دریاؤں کا عبور کرنا، گھنے جنگلوں سے گزرنا۔ بڑے بڑے راجاؤں کی خونخوار افواج (جو جنگلوں میں وحشی درندوں کی طرح چھپی ہوئی ہے) سے عمدہ براہ ہونا، آہن پوش ہاتھیوں کو شکست دینا ایسا آسان کام نہیں ہے۔

بعض نے محمود غزنوی کی مثال پیش کی کہ اُس نے صرف تیس ہزار سواروں کی مدد سے ہندوستان کو فتح کر لیا تھا اور ہمارے پاس تو ایک لاکھ ہزار فوج موجود ہے۔ اس کے ساتھ شہزادہ شاہ رخ (تیمور کے بیٹے) نے بھی ہندوستان کی دولت اور یہاں کے کفر و بت پرستی کا ذکر کر کے جہاد پر آمادہ کیا۔ مخالفین نے پھر ایک دلیل پیش کی کہ اگر وہاں کامیابی ہو بھی گئی ہو تو ہماری نسل کے لوگ جو وہاں حکمران ہوں گے ان میں بعد کو یقیناً انحطاط پیدا ہو جائے گا اور وہاں کی آب و ہوا ان کو آدم طلب، عیش پسند اور غیر جنگجو بنا دے گی۔ اس پر تیمور نے کہا کہ میرا مقصد قیام کرنا نہیں ہے۔

اس سے قبل پیر محمد جہانگیر (تیمور کا پوتا جو کابل کا گورنر تھا) تمام حدودِ افغانستان کو زیر کر کے ہندوستان کے اندر پہنچ چکا تھا اور دریائے سندھ کو عبور کر کے ملتان کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔

اتفاق سے اس وقت جبکہ تیمور حملہ ہندوستان کی تیاریاں کر رہا تھا پیر محمد کی تحریر پہنچی جس میں سلطنتِ دہلی کی بد نظمی اور طوائف الملوکی وغیرہ کا مفصل حال درج تھا۔

اس تحریر کو دیکھتے ہی تیمور نے جب ۸۸۷ھ مارچ ۱۴۹۸ء میں اپنے دارالسلطنت سمرقند سے ہندوستان کی طرف کوچ کر دیا اور ۸ محرم کو سہمد کی سنگلاخ زمینوں، کوہستانوں کی چوٹیوں اور وادیوں کو طے کرتا ہوا اس دریائے سندھ پر پہنچ گیا جسے ہذال الدین خواجہ زم نے چنگیز خاں تیمور کے مورث اعلیٰ کے تعاقب سے خوفزدہ ہو کر عبور کیا تھا۔ یہاں پہنچ کر اس نے کشتیوں کا ایک پل دودن کے اندر تیار کرایا اور ۱۲ محرم کو دریا عبور کر کے اپنے پوتے پیر محمد سے مل گیا جس نے اب ملتان پر قبضہ کر لیا تھا۔

پنجاب کی حالت اس وقت یہ تھی کہ تیموری حملہ کی داستانیں عام ہو گئی تھیں اور دہلی پور کے لوگ بھاگ بھاگ کر بھٹنیر کے قلعہ میں پناہ لے رہے تھے۔ تیمور بھٹنیر پہنچا اور وہاں قتل عام کر کے آگے بڑھا۔ اب فتح آباد بھی ویران تھا۔ برستی کے لوگ بھی شہر چھوڑ کر جنگلوں میں چلے گئے تھے اور تیمور جس طرف سے گزرتا تھا نصرت و کامیابی اس کے ساتھ دے رہی تھی۔ آخر کار ۲۲ ربیع الاول کو پانی پت کے مشہور میدان میں پہنچ گیا۔ یہاں کوئی اس کا مقابلہ نہ تھا اس لئے وہ آگے بڑھا اور ۲ ربیع الثانی کو دہلی پہنچ گیا جہاں محمود شاہ کی فوج اس کے مقابلہ کے لئے آمادہ تھی۔

امیر تیمور نے اپنی فوج اس طرح مرتب کی کہ پیر محمد اور امیر یادگار وغیرہ کو مینمہ سپرد کیا۔ سلطان حسین اور خلیل سلطان وغیرہ کو میسرہ میں رکھا اور

خود قلب میں رہا۔

محمود شاہ کی فوج میں بارہ ہزار سوار اور چالیس ہزار پیادہ تھے۔ علاوہ اس کے ایک سو بیس ہاتھی بھی تھے۔ یہ بالکل آہن پوش تھے اور ان کے دانتوں میں نہ ہرلی کٹا رہی ہوئی تھیں اور ان کے اوپر ہودوں میں تیرانداز اور آتش باز بیٹھے تھے۔

تیمور جب فوج کی ترتیب سے فاسخ ہو گیا تو اس نے ایک بندی پر چڑھ کر فوج کے مواقع دیکھ کر اپنی فتح کے لئے دُعا مانگی اور پھر حملہ کا حکم دیا۔ تیمور کی مہم نے ہندی فوج کی میسرہ پر تیروں کی بارش شروع کی اور اسے پیچھے ہٹا دیا۔ اسی طرح ترکیوں کے میسرہ نے دہلی فوج کے مہم کو پسپا کر دیا۔ قلب میں چونکہ اقبال خاں اور خود محمود شاہ موجود تھے۔ اسی لئے اس حصہ نے تھوڑی دیر تک سخت مقابلہ کیا مگر اسے بھی شکست ہوئی۔ اور یہ دونوں بھاگ کر شہر میں داخل ہوئے اور وہاں سے بھی رات کو چھپ کر پہاڑوں میں چھپ گئے۔

۸ ربیع الثانی کو فتح کے بعد تیمور نے حوض خاص پر اپنا خیمہ نصب کیا۔ تمام امراء و اداکین حاضر ہو کر قدم بوس ہوئے اور علماء و فضلاء بھی آئے جن کی خواہش کے مطابق اس نے قتل عام کا حکم نہیں دیا اور نہ رندہ لے کر سب کو امان دینے کا وعدہ کر لیا۔ دہلی کی جامع مسجد میں امیر تیمور کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور جشنِ فتح مندی شروع ہو گیا۔

ایک ہفتہ بعد ۱۲ ربیع الثانی کو نہ رندہ کی وصولی میں تیمور کے سپاہیوں کی طرف سے کچھ سختی ہوئی تو اس پر لوگوں میں کچھ ہنگامہ ہوا حتیٰ کہ تیموری فوج جو پہلے ہی سے غارت گردی کے لئے کوئی بہانہ تلاش کر رہی تھی برہم ہو کر لوٹ مار پر آمادہ ہو گئی۔

تیمور نے بہت کوشش کی کہ خونریزی نہ ہو لیکن وہ اپنی فوج کے بڑے

ہوئے جوش کونہ روک سکا اور پھر مسلسل ۱۹ ربیع الثانی تک سوائے ان مقامات کے جہاں علماء و فقہاء وغیرہ رہتے تھے سری جہاں پناہ اور دہلی کہنہ خون ریزی اور غارت گری کا نہایت ہولناک منظر بنے رہے۔

اس ٹوٹ میں اس قدر زبرد و جواہر نقرئی و طلائی برتن، زیورات اور قیمتی کپڑے ہاتھ آئے کہ شاید اس سے قبل کبھی تیموری فوج کو نصیب نہ ہوئے تھے۔ علاوہ اس کے قیدیوں کی تعداد اتنی تھی کہ ہر شخص کو بیس سے لیکر ایک سو غلام تقسیم ہوئے۔ تیمور نے دہلی کے بہت سے پیشہ وردست کار اور حرفہ جاننے والے لوگوں کو سمرقند روانہ کر دیا تاکہ وہاں کے لوگوں کو ان فنون کی تعلیم دی جائے۔

تیمور کو پندرہ دن دہلی میں قیام کئے ہوئے ہو گئے تو اسے خیال آیا کہ وہ یہاں ٹھہرنے نہیں آیا تھا۔ بلکہ اس کا مقصود تو صرف جہاد تھا اس لئے وہ ۲۲ ربیع الثانی ۸۱۰ھ کو دہلی سے روانہ ہوا اور قلعہ فیروز آباد میں نماز پڑھ کر میرٹھ گیا۔ اس کو تباہ و برباد کر کے ہر دواہ پہنچا اور یہاں بھی اسے فتح حاصل ہوئی۔

اس کے بعد دریائے گنگ کو عبور کر کے مسوری کے نیچے کوہ سواک میں نشاناتِ فتح چھوڑنا ہوا اس نے نگر کوٹ اور جموں کو فتح کیا اور ۱۹ جمادی کو افغانستان کی وادیوں میں غائب ہو گیا۔

خدا کا قہر ختم ہو چکا تھا اور اب لوگوں کو اپنی پوشیدہ جگہوں سے نکلنے شروع ہو گئے تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی حالت اب تک وہی تھی اور ہر جگہ قحط و تباہی و غارتھی۔ جب تیمور نے اس کو چھوڑ دیا تو اقبال خاں نے زمر شاہ کو الگ کر کے تخت پر خود قبضہ کر لیا

www.KitaboSunnat.com

لے تا۔ یخ ہند ذکا و اللہ و اسلامی ہند۔

اور اٹا وہ وگوا یا اور غیرہ کے ہندو راجاؤں کو جو خود مختار ہو گئے تھے، زیر کرنے کی سخت کوشش کی۔

محمود شاہ نے قنوج میں اپنی حکومت قائم کی اور ۱۰۰۰ھ میں اقبال خاں خضر خاں گورنر ملتان کے مقابلہ میں مارا گیا۔ اس کے بعد چھ، سات سال تک پھر وہی طوائف الملوکی، گورنروں کی باہم خونریزی قائم رہی۔ یہاں تک کہ جب محمود شاہ نے ۱۱۵۱ھ میں انتقال کیا تو تخت دہلی پر بیٹھنے کے لئے کوئی نام کا بھی فرمانروا موجود نہ تھا۔

آخر کار لوگوں نے مجبوراً امیر دولت خاں لودی کو فرما دیا۔ لیکن اس نے کبھی اپنے کو بادشاہ نہیں سمجھا۔ چند ماہ بعد خضر خاں (گورنر دیل پور) نے دہلی کا محاصرہ کیا اور ۸ ربیع الاول ۱۱۵۱ھ (۲۳ مئی ۱۷۳۸ء) کے دن دولت خاں نے قلعہ سیری اس کے سپرد کر دیا۔ جس سے حکومت ہندوستان سید خاندان میں منتقل ہو گئی۔

محمود شاہ کے عہد کا مشہور شاعر قاضی ظہیر دہلوی تھا جو صاحب دیوان ہے۔ اس نے محمود شاہ کی تعریف میں بہت سے قصائد لکھے ہیں۔
ملائے بدایونی کا بیان ہے کہ ”قاضی ظہیر کے بعد کوئی شاعر اس پائے کا نہیں گزرا۔“



۱۔ تاریخ مبارک شاہی۔

سید خاندان

۸۱۶ھ تا ۸۵۵ھ
۱۴۱۴ء تا ۱۴۵۱ء

حضرت خاں، ملک الشرق ملک سلیمان کا بیٹا تھا۔ ناصر الملک مروان دولہ (گورنر ملتان) کا مقبضے فرزند تھا۔ اس کے مرنے پر ملک شیخ اس کا بیٹا جانشین ہوا۔ لیکن فضل نے اس کو بھی چند دن بعد اپنے باپ سے ملا دیا۔ اس لئے فیروز شاہ ملک سلیمان کو قطع ملتان کا مالک بنا دیا۔ مگر یہ بھی چند روز زندہ رہا اس لئے اس کے بعد اس کا بیٹا حضرت خاں یہاں کا فرمانروا مقرر کیا گیا۔ چونکہ ملک سلیمان سید تھا اور حضرت خاں اس کا بیٹا تھا اس لئے جو عہد حکومت حضرت خاں سے شروع ہوتا ہے اسے سید خاندان کی سلطنت سے تعبیر کرتے ہیں۔ حضرت خاں کو کسی مؤرخ نے سلطان کے لقب سے یاد نہیں کیا۔ مبارک شاہی میں تخت نشینی کے بعد اس کو ”ہندو رایت عالی“ اور تخت نشینی سے پہلے ”مسند عالی“ لکھا ہے۔ طبقات اکبری میں رایت عالی درج ہے اور ملاٹے بدایون نے مسند عالی تحریر کیا ہے۔

فرشتہ نے صرف ”سید حضرت خاں“ کو ترجیح دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت خاں نے باوجود تخت نشین ہو جانے کے ہمیشہ اپنے کو تیمور کا ماتحت سمجھا اور کبھی بادشاہ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے بھی اپنی تصنیف میں صرف اس بیان پر کفایت کی ہے کہ :-

”اسم بادشاہی بر خود تجویز نہ کرد و رایات اعلیٰ خطاب یافت“

لے منتخب التواریخ مرقع مطبوعہ نوکشمور لے ایسٹ

سکہ | خضر خاں نے فیروز شاہ یا اس کی اولاد کا نام سکوں میں درج کر لیا چونکہ وہ خود بادشاہ کہلائے جانے کی آرزو نہ رکھتا تھا اس لئے اس کو پرواہ نہ ہو سکتی تھی کہ سکوں پر کس کا نام ہے؟ البتہ وہ سند ضرور درج کرتا تھا جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ فلاں شخص کے عہد حکومت میں یہ سکہ مضروب ہوا۔

خضر خاں سب سے پہلے تالیک ہند میں بہ حیثیت گورنر ملتان نمودار ہوا۔ لے جب فیروز شاہ مر گیا اور اس کے بعد حکومت میں طوائف الملوک پھیل گئی تو پھر وہ اس وقت نظر آیا جب سارنگ خاں ملا اقبال خاں کے بھائی نے قلعہ ملتان کا محاصرہ کر کے اس کو قید کر لیا (۱۳۹۸ھ) اس کے بعد خضر خاں کسی طرح قید سے اپنی جان بچا کر بیانہ چلا گیا اور پھر جب تیمور نے حملہ کیا تو اس نے اپنی امیدوں کو اس کے ساتھ وابستہ کر دیا اور آخر کار امیر تیمور کی واپسی پر اس نے ۱۴۱۱ھ میں دولت خاں لودھی کو زیر کر کے دہلی پر قبضہ حاصل کیا۔

اس نے سات سال تک حکومت کی اور ہمیشہ اس کوشش میں رہا کہ کسی طرح سلطنت دہلی کا اگلا اقتدار چھرقائم ہو جائے۔ لیکن وہ اس میں صرف اسی قدر کامیاب ہوا کہ قرب وجوار کے راجہ ایک حد تک مطیع ہو گئے لیکن بغاوت و شورش بدستور باقی رہی اور جواہر سلطنت منتشر ہو گئے تھے وہ فراہم نہ ہو سکے۔

۱۴۱۸ھ میں تخت نشین ہوتے ہی اپنے وزیر تاج الملک (ملک الشرق) کو بدایوں اور کٹیڑ کی طرف روانہ کیا۔ یہاں کا راجہ ہر سنگ کو ہتائے انولہ میں بھاگ گیا اور پھر مطیع ہو گیا۔ اسی طرح حیات خاں امیر بدایونی نے بھی اطاعت اختیار کی۔ اس کے بعد اس نے کالی ندی اور گنگا کو عبور کر کے شمس آباد اور کبل (کملہ) کے باغیوں سے خراج وصول کیا اور دہلی واپس آیا لیکن چونکہ راجاؤں اور باغیوں کی یہ اطاعت بالکل عارضی تھی اس لئے پھر شورش و انحراف کی شکایت رہی اور ۱۴۱۹ھ میں دوبارہ تاج الملک کو بیانہ اور

گوالیار جانا پڑا۔ خود خضر خاں کو بھی قلعہ ناگور کی طرف سفر کرنا پڑا۔ کیونکہ سلطان احمد شاہ گجراتی نے وہاں محاصرہ کر رکھا تھا۔ اس سے فارغ ہو کر یہ گوالیار گیا۔ قلعہ توفیق نہ ہوا۔ لیکن وہاں کے راجہ سے خراج وصول کر کے بیانہ گیا اور یہاں کے حاکم شمس خاں اوحدی کو بھی زیر کیا۔

۱۱۱۴ھ میں ملک طغانی اور ترکوں کی جماعت نے بغاوت کی اور ہند کا محاصرہ کر لیا۔ خضر خاں نے دیرک خاں حاکم سمانہ کو اس بغاوت کے فرد کرنے کے لئے مامور کیا۔ ملک طغانی نے اطاعت قبول کی اور جالندھر اس کے سپرد کیا گیا۔

۱۱۱۸ھ میں راجہ کیٹھرنے بغاوت کی۔ تلج الملک نے اسے زیر کیا اور ٹاڈہ کو ماتحت کرتے ہوئے دہلی واپس آیا۔ ۱۱۲۲ھ میں خود خضر خاں کو کیٹھن کی طرف جانا پڑا۔ اور اس نواح کے باغیوں کو زیر کر کے بدایوں کی طرف متوجہ ہوا۔ مہابت خاں حاکم بدایوں قلعہ بند ہو گیا۔ خضر خاں نے محاصرہ کیا اور چھ ماہ تک یہیں پڑا رہا۔ قلعہ فتح ہونے کے قریب تھا کہ دہلی میں شورش ہونے کی خبر معلوم ہوئی اور مجبوراً واپس جانا پڑا۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ ایک شخص نے جو اپنے کوسارنگ خاں کہتا ہے خروج کر کے قلعہ جالندھر میں شورش برپا کر رکھی ہے۔ بمشکل تمام اس کا فتنہ بھی فرو ہوا۔

۱۱۲۵ھ میں خضر خاں نے میوات کو زیر کیا اور گوالیار کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں سے خراج لے کر ٹاڈہ پہنچا اور یہیں بیمار پڑ گیا۔ چنانچہ اسی حال میں دہلی واپس آیا اور ۱۱۲۷ھ میں ۱۱۲۱ھ کو مر گیا۔ تاج الملک کا انتقال اس سے قبل چار ماہ محرم میں ہو چکا تھا۔

اثار الصنادید کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ۱۱۲۱ھ میں دریائے کنارے ایک شہر بھی آباد کیا تھا اور وہاں قلعہ و محلات تعمیر کرائے تھے لیکن اب اس قلعہ کا پتہ نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ اب جس موضع کا نام خضر آباد ہے وہی جگہ خضر خاں کا آباد کیا ہوا شہر ہو۔

خضر خاں نے اپنی وفات سے تین دن پہلے اپنے بیٹے کو جانشین مقرر کیا تھا۔ چنانچہ وہ ۱۹ جمادی الاول ۸۲۴ھ کو (یعنی وفات خضر خاں کے تین دن بعد) تخت نشین ہوا۔

اسی سال شیخ کھوکھر کے بھائی جسرت اور طغاندیس نے بغاوت کی اور یہ شورش اس حد تک بڑھی کہ خود مبارک شاہ کو سفر کرنا پڑا۔ اس جنگ میں جسرت کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ گیا۔ لاہور بالکل دیران ہو گیا تھا۔ اس لئے چند دن قیام کر کے اس کو آباد کیا۔ عمارات بنوائیں اور پھر دہلی واپس آیا۔

۸۲۶ھ میں کیشورہ (روہیلکھنڈ) کی طرف فوج کشی کی اور خراج وصول کیا۔ ۱۴۲۳ھ میں خاں ساکم بدایوں نے بھی حاضر ہو کر معافی چاہی۔ اسی سال بیانہ میں بدامتی پھیلی اور مبارک شاہ نے اسے فرو کیا۔

۸۲۹ھ میں میواتیوں نے شورش برپا کی اور لشکر شاہی اس طرف روانہ کیا گیا۔ ابراہیم شاہ شرقی اور مبارک شاہ سے برہان آباد ضلع اٹاواہ کے میدان میں جنگ ہوئی۔ لیکن ابراہیم شاہ شرقی جو نیوہر خائف ہو کر چلا گیا اور ۸۳۱ھ میں مبارک شاہ کامیاب دہلی واپس آیا۔

۸۳۳ھ میں فولاد غلام نے سرہند میں سر اٹھایا اور مسلسل چار سال تک مبارک شاہ اس کے پیچھے سرگرداں رہا۔ آخر کار رجب ۸۳۳ھ میں جو مبارک شاہ کا آخری سال تھا فولاد غلام مارا گیا اور مشکل تمام پنجاب کی شورش عارضی صورت سے رفع ہوئی۔ مبارک شاہ اپنے خصائل کے لحاظ سے نیک طینت اور کریم النفس شخص تھا۔ وہ اکثر و بیشتر خود اپنی فوج کے ساتھ جا کر دشمنوں سے جنگ کرتا تھا اور حد درجہ دلیر و شجاع تھا۔ جو بدامنی اور خرابی پہلے سے چلی آ رہی تھی وہی اس کے عہد میں بھی قائم رہی۔ جو نیوہر اور مالوہ کے صوبوں کی جو سیاسی اہمیت قائم ہو چکی تھی۔ اس نے مبارک شاہ کو اس قدر تکلیف نہیں پہنچائی جس قدر اقطاع پنجاب نے جہاں اس کا باپ خضر خاں سلطنت دہلی حاصل کرنے کے لئے دولت خاں لودھی کے خلاف روانہ ہوا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ محمد بن سام کے جانشینوں کا متبرک پائے تخت پہلے ہی ہندوستان میں

اپنا اقتدار کھو چکا تھا اور تیمور کے حملے نے تو ایسی کاہری ضرب لگائی کہ گجپتی بادشاہوں کی جو عزت ہندوستانی آبادی کے دل میں منقسم تھی وہ دفعۃً نازل ہو گئی۔

کیٹھر کے ہندو زمینداروں نے اس کے عہد میں بغاوت کی۔ دہلی کے جنوب میں جو ایک قبضہ ملک نصف دائرہ کی صورت میں مختلف جاگیرداروں، راجاؤں اور امراء کے قبضہ میں تھا اس نے سر اٹھایا۔ مہاراجا شاہ نے ان کو دبا یا خراج وصول کیا۔ عارضی طور سے وہ مطیع ہو گئے اور پھر سرکشی اختیار کی۔

الغرض یہی مدوجزر قائم رہا۔ لیکن سب سے زیادہ تکلیف پنجاب کے کھکروں یا کھوکروں سے پہنچی جن پر حقیقت یہ ہے کہ تیمور کو بھی برائے نام فتح حاصل ہوئی تھی۔ اور ان تانہاری حملوں سے جو شاہ رخ کے گوند نہ کابل کی امداد سے فولاد نے پے در پے پنجاب میں جاہری رکھے اور ان کی سازشوں سے خود دہلی بھی محفوظ نہ رہ سکا۔

مہاراجا شاہ اپنے نئے شہر مبارک آباد کی مسجد میں تھا کہ خود اس کے وزیر سرور الملک کے اشارہ سے ہندوؤں نے اسے قتل کر ڈالا۔ تاریخ وفات معصفت مبارک شاہی نے ۹ رجب ۷۳۴ھ (۱۹ جنوری ۱۳۳۲ء) تحریر کی ہے۔

مہاراجا شاہ کے قتل ہوتے ہی چند گھنٹے بعد مہاراجا وزیر (سرور الملک) نے محمد شاہ کو جو حضرات کا پوتا، فرید خاں کا بیٹا اور مہاراجا شاہ کا متبنی فرزند تھا۔ تخت نشین کر دیا اور چونکہ یہ تخت نشینی بالکل برائے نام تھی اور وزیر خود بادشاہ بننا چاہتا تھا اس لئے اس نے خزانہ و جیل خانہ پر قبضہ کر لیا اور بڑی بڑی جاگیریں اپنے ہی آدمیوں کو راجن میں سد مال اور سد ہارن کھتری قاتل مہاراجا شاہ بھی شامل تھے، تقسیم کیں اور امراء مہاراجا شاہ میں سے بعض کو قتل اور بعض کو مقید کر دیا۔

چونکہ سرور الملک (جسے اب خان جہاں کا خطاب مل گیا تھا، کی دغا بازی اور مکاری کا حال سب کو معلوم ہو گیا تھا اس لئے ان امراء نے جو حضرات کے منون تھے (مثلاً الداد، کالودی، امیر سنبھل، اہار میاں، حاکم بدایوں، امیر علی گجراتی، امیر کبیل، ترک بچہ) سرور الملک کی مخالفت شروع کر دی۔ اس نے اپنے خاص سرداروں کو مخالف امراء

کے مقابلہ میں روانہ کیا۔ انہی میں ایک کمال الملک بھی تھا جو درپردہ سرور الملک کا سخت دشمن تھا اور مبارک شاہ اپنے آقا کے خون کا بدلہ اس سے لینا چاہتا تھا۔ یہ لوگ برن (بلند شہر) پہنچے تو کمال الملک کے ساتھی امراء کو معلوم ہوا کہ یہ خود ہمارا ہی دشمن ہے۔ اس لئے انہوں نے سرور الملک کو اس کی اطلاع کی۔ سرور الملک نے اس کا انسداد کر لیا ہوا تھا۔ مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہوا اور اسی اثنا میں کمال الملک نے ملک الہ واد وغیرہ موافق امراء کو ساتھ لے کر دہلی کا رخ کیا اور قلعہ سری کو محصور کر لیا۔ یہ محاصرہ تین ماہ تک قائم رہا۔

بادشاہ کو بھی سارے حالات معلوم ہو چکے تھے اس لئے اس نے سرور الملک کو جبکہ وہ خود بادشاہ کے قتل کی فکر میں تھا ہلاک کر دیا اور اس کے ساتھیوں کو بھی عبرت ناک سزائیں دیں۔ اب محمد شاہ کے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے اپنے تین خود مختار بادشاہ سمجھا۔ اس کے بعد ^{۱۵۵۶ء} میں بادشاہ سامانہ گیا اور وہاں کے گھکروں کے خلاف ایک فوج روانہ کی جو تاخت و تاراج کے بعد واپس آئی۔

محمد شاہ نے ان جھگڑوں سے فادغ ہو کر کچھ دنوں تک انتظام سلطنت کی طرف توجہ کی۔ لیکن پھر عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں پھر وہی بد امنی شروع ہو گئی اور قرب و جوار کے خود مختار فرماں رواؤں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ ابراہیم شاہ شرفی (جو نمپور) نے بہت سے اضلاع کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ مالوہ کے فرماں روا محمود خلجی کی عبرت تو اس حد تک بڑھ گئی کہ اس نے خود دہلی پر حملہ کیا۔ ان مصائب سے آزاد ہونے کے لئے محمد شاہ نے بہلول لودی کو طلب کیا جو لاہور اور سرہند کا گورنر (لیکن حقیقتاً وہاں کا حکمران) تھا اس کی مدد سے یہ خطرات اس وقت دور ہو گئے۔ بادشاہ نے بہلول لودی کو اپنا بیٹا بنایا اور خان خانان کا خطاب دیا۔ ہر چند اس کے بعد اسی بہلول نے خود محمد شاہ کو معزول کرنے کی غرض سے دہلی پر حملہ کیا لیکن کامیاب نہیں ہوا۔

محمد شاہ بن فرید خاں ^{۱۵۵۶ء} میں اپنی طبعی موت سے مرا۔ محمد شاہ کے بعد

تمام امراء نے سوائے بھلول لودھی کے علاؤ الدین کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسے دہلی کا حکمران تسلیم کیا۔ لیکن اس نے تخت نشین ہوتے ہی اپنی عادت و اطوار سے ظاہر کر دیا کہ اس میں حکمرانی کی اہلیت بالکل نہیں ہے۔ اس وقت سلطنت دہلی کی تفریق و انتشار کی یہ حالت تھی کہ :-

۱۔ دکن، گجرات، مالوہ، جونپور، بنگال کے گورنر خود مختار بادشاہ تھے اور اپنے نام کا سکہ و خطبہ انہوں نے جاری کر رہا تھا۔

۲۔ پنجاب میں پانی پت سے لاہور، دیبل پور اور سرہند تک بھلول لودھی کی حکومت تھی۔

۳۔ مہولی اور میوات میں (دلی سے سات کوس تک) احمد خاں میواتی قابض تھا۔

۴۔ سنبھل سے حدود دہلی تک دریا خاں لودھی کی فرمانروائی تھی۔

۵۔ کمپلا اور ٹپپالی میں پرتاپ سنگھ کی حکومت تھی۔

۶۔ بیانہ میں داؤد خاں لودھی کا تصرف تھا۔

۷۔ گوالیار و دھولپور مجددورائیں جدا جدا راجہ فرمانروا تھے۔

۸۔ لاہری اور اس کے مضافات میں قطب خاں افغان حکمران تھا۔

چنانچہ تاریخ خان جہاں لودھی میں لکھا ہے کہ اس وقت علاؤ الدین کی سلطنت کے متعلق عام طور سے یہ فقرہ ضرب المثل ہو گیا تھا کہ ”بادشاہی شاہ عالم از دہلی تا پالم“ الغرض سلطنت دہلی کے حدود یہ رہ گئے تھے کہ ایک جانب صرف ایک میل اور باقی اطراف میں ۱۲ میل سے زائد زمین نہ تھی۔

پھر اس کے ساتھ طرہ یہ ہوا کہ بادشاہ کو بدالیوں کی آب و ہوا زیادہ اچھی معلوم ہوئی اور دار الحکومت اس کو بنانا چاہا۔ ہر چند امراء نے منع کیا لیکن وہ باز نہ آیا۔ اور باوجود اس کے کہ اس اثناء میں دو بار بھلول لودھی حملہ کر چکا تھا (ہر چند وہ حملے کامیاب نہ ہوئے) بادشاہ نے اپنا عزم پورا کیا اور دہلی میں اپنے دو سالوں کو حکومت سپرد کر کے بدالیوں چلا گیا۔ یہ پہلی غلطی علاؤ الدین کی تھی۔ دوسری حماقت

یہ ہوئی کہ اُس نے اپنے وزیر حمید خاں کو دشمنوں کے کہنے سے مقید کر لیا جو بعد میں بدلیوں سے بھاگ کر دہلی آگیا۔ اس نے علاؤ الدین سے انتقام لینے کے لئے بھول لو دھئی کو دہلی میں آنے کی دعوت دی۔ یہ پہلے ہی سے تیار تھا فوراً دہلی آگیا اور قبضہ کر لیا۔

لیکن علاؤ الدین کا نام خطبہ اور سکہ میں بدستور جاری رکھا۔ بعد کو جب اس کا پورا اقتدار قائم ہو گیا تو اس نے حمید خاں کو قید کر کے علاؤ الدین کو اطلاع دی۔ بادشاہ نے لکھ بھیجا کہ میرے باپ نے تمہیں بیٹا بنایا تھا اس لئے تم میرے بھائی ہو۔ دہلی کی سلطنت میں تمہیں دیتا ہوں اور خود بدالیوں پر قناعت کرتا ہوں۔

اس کے بعد ۸۵۵ھ میں اس نے خطبہ سے علاؤ الدین کا نام خارج کر دیا اور حیدر شاہی سر پر رکھ کر دہلی کا بادشاہ ہو گیا۔

علاؤ الدین بدالیوں میں ۸۸۳ھ تک زندہ رہا۔ اس نے دہلی میں سات سال چھ ماہ تک حکومت کی اور بدالیوں ۲۸ سال تک۔ اس کے ساتھ ہی سیہ خاندان کی حکومت کا بھی خاتمہ ہو گیا اور بھلول لو دھئی کے وقت سے دہلی کے تخت پر ایک اور جدید خاندان نظر آنے لگا جسے خاندان لو دھئی کہتے ہیں۔

۶

۱۔ یہ بیان فرشتہ کا ہے، بدایونی اور طبقات میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔
(اسلامی ہند)

لودھی خاندان

۸۵۵ھ تا ۹۳۲ھ
۱۳۵۱ء تا ۱۵۲۶ء

فرشتہ نے بہلول کے خاندانی حالات کی صراحت کرتے ہوئے ظاہر کیا ہے کہ لودھی، افغانوں کی ایک جماعت تھی جو ہندوستان میں یہ سلسلہ تجارت آمد رفت رکھتی تھی۔ بہلول کا دادا ملک بہرام، فیروز شاہ کے عہد میں ملتان آیا۔ اور یہاں کے حاکم مردان دولت کا ملازم ہو گیا۔ اس کے پانچ بیٹے ملک سلطان شہ، ملک کالا، ملک فیروز، ملک محمد، ملک خواجہ بھی اس کے ہمراہ تھے۔

جب ملتان کا حاکم خضر خاں ہوا تو ملک شہ اس کا ملازم ہو گیا۔ اس نے خضر خاں کی طرف سے ملو اقبال سے جنگ کی اور اس کو قتل کر دیا۔ اس صلہ میں خضر خاں نے اسلام خاں کا خطاب دے کر سرہند کی حکومت اس کے سپرد کر دی۔

ملک شہ کا بڑا بھائی ملک کالا جو دور الہ کا حاکم تھا ایک جنگ میں مارا گیا۔ لیکن اس کی بیوی حاملہ تھی۔ وضع کے دن قریب تھے کہ اتفاق سے ایک مکان کی چھت گرنے لگی۔ وہ تو مر گئی لیکن جنین زندہ رہا جو اس وقت ماں کا پیٹ چاک کر کے نکالا گیا۔ یہی تھا وہ یتیم فرزند (ملو) جس کی قسمت میں آئندہ بہلول لودھی ہونا لکھا تھا۔

اس بچہ کی تربیت اس کے چچا اسلام خاں نے کی۔ جب بہلول جوان ہوا تو اسلام خاں اس کی خدمات سے اس قدر خوش ہوا کہ اپنی بیٹی اس سے منسوب کر دی اور اپنے بعد اس کو جانشین کر گیا۔ اسلام خاں کا اقتدار اس قدر بڑھ گیا تھا کہ بارہ ہزار افغانی سپاہیوں کو وہ اپنے پاس سے تنخواہ دیتا

تھا۔ ہر چند اسلام خاں کے بعد اس کے بھائی (ملک فیروز) اور بیٹے (قطب خاں) نے بہلول کا مقابلہ کیا لیکن کامیاب نہیں ہوئے اور بہلول کا اقتدار بڑھتا گیا۔
یہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ بہلول لودھی سلطنت دہلی حاصل کرنے کے لئے عرصہ سے بے تاب تھا اور متواتر حملے بھی اس نے کئے تھے۔ چنانچہ جب حمید خاں وزیر نے اس کو بلایا تو وہ فوراً چلا گیا اور وہاں حمید خاں کو قید کر کے ۱۱۹۱ھ میں خود مختار بادشاہ بن بیٹھا۔

بہلول لودھی کو سلطنت دہلی جس حال میں ملی تھی اس کا حال ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ کس طرح تمام صوبے خود مختار ہو گئے تھے اور حکومت دہلی گویا صرف شہر دہلی سے تعبیر کی جاتی تھی۔ لیکن باوجود اس بدامنی و انتشار کے بہلول لودھی نے جس قابلیت اور عزم و ثبات سے ایک مٹی ہوئی سلطنت کا اقتدار دوبارہ قائم کیا۔ وہ تاریخ کا حیرت ناک واقعہ ہے۔

بہلول لودھی نے ۳۸ سال تک حکومت کی اور اس طویل زمانہ میں ایک بار بھی اس نے کسی ایسے طرزِ عمل کو پیش نہیں کیا جو شاہانہ عزائم و ملوکانہ خصائل کے منافی ہوتا۔ تخت نشین ہوتے ہی اس نے سب سے پہلے پنجاب کی طرف توجہ کی اور دہلی کا انتظام اپنے بیٹے بایزید اور دیگر امراء کے سپرد کر کے دیبل پور کی طرف روانہ ہوا۔ محمود شاہ فرماں روا لڑے جو نپور نے اس فرصت کو غنیمت جان کر اپنی بیوی کے امراء سے (جو علاؤ الدین، سید خاندان کے آخری حکمران کی بیٹی تھی) دہلی پر حملہ کر دیا۔ بہلول یہ خبر سن کر پنجاب سے دہلی آیا اور افغانوں کی ایک بڑی جماعت اپنے ساتھ اطرافِ پنجاب سے فراہم کر لایا۔ ہر چند اس مقابلہ میں محمود شاہ کو شکست ہوئی اور وہ جو نپور چلا گیا۔ لیکن بعد کو مسلسل ۲۶ سال تک بہلول لودھی اور فرمانروایانِ جو نپور کے درمیان آتشِ جنگ مشتعل رہی اور آخر کار بہلول لودھی نے

۸۹۳ھ میں سلطنت جو نپور کی جداگانہ ہستی کو ہمیشہ کے لئے مٹا کر سلطنت دہلی میں شامل کر لیا اور حسین شاہ شرقی کو (جو سلطنت جو نپور کا آخری فرمانروا تھا) ایسی سخت شکست دی کہ پھر وہ سر نہ اٹھا سکا۔

پھر چند جو نپور کے لئے اسے بہت کوشش کرنی پڑی اور تمام وقت اسی میں صرف ہو گیا۔ لیکن وہ سلطنت کے دیگر اقطاع سے بھی غافل نہیں رہا۔ اس نے تمام ملک کا دورہ کیا اور اپنے حُسن تدبیر سے سلطنت دہلی میں پھر وسعت پیدا کر دی۔

میوات جا کر اس نے احمد خاں حاکم میوات کو اطاعت پر مجبور کیا اور سات پرگنے اس سے نکال کر دہلی میں شامل کر لئے۔ اسی طرح بلند شہر میں جا کر دخال لودھی حاکم سنبھل سے سات پرگنے لے لئے۔ یہاں سے فادخ ہو کر سلطان کول میں آیا اور عیسیٰ خاں سابق حاکم کو اپنی جگہ بحال کر کے برہان آباد میں اپنا اقتدار قائم کیا۔ پھر راجہ پرتاپ سنگھ کو ذریعہ کر کے صرف بھوگاؤں اس کی جاگیر میں لے کھا اور باقی سب مقامات سلطنت دہلی میں شامل کر لئے۔ یہاں سے چل کر قلعہ رابری اور چندواہ کو فتح کیا اور اٹاواہ کے حاکم کو بھی مطیع بنالیا۔

علاوہ اس کے حسب روایت تاریخ سلاطین افغانہ اس نے رانا اود پور کو بھی شکست دے کر تمام اقطاع اجمیر پر قبضہ کر لیا اور سندھ میں احمد خاں کو شکست دے کر حدود سلطنت کوہ ہان تک وسیع کر لیا۔

الغرض ۳۸ سال کے اندر اندر بھلول لودھی نے کٹھہ، بہرائچ، لکھنؤ، کالپی بدایوں، دوآبہ کا تمام حصہ، اٹاواہ، گوالیار، سندھ، اودے پور، سنبھل، میوات کول (علی گڑھ)، برہان آباد کو پھر سلطنت دہلی میں شامل کر لیا اور پنجاب میں بھی وہی اقتدار قائم کر دیا جو اس سے قبل کسی وقت پایا جاتا تھا۔

۱۰ بدایونی ۸۹۳ھ تحریر کرتا ہے۔

یقیناً یہ امر حیرت ناک معلوم ہوتا ہے کہ ایسی مُردہ سلطنت میں کیونکر بھلول لودھی پھر نئی روح پھونک سکا۔ لیکن اس کا جواب صرف اس کے خصائل کے بیان سے دیا جاسکتا ہے۔ جنہیں صاحبِ تاریخ داؤدی نے تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ :-

”بھلول لودھی مذہب کا سخت پابند اور بے انتہا سخی و شجاع بادشاہ تھا۔ رحم و رافت اس کی فطرت تھی اور احکامِ شرع کی پابندی اس کا تنہا نصب العین۔ وہ اکثر علماء و مشائخ کو اپنی صحبت میں لے لکھتا اور غریب و مساکین کے حالات ہمیشہ تحقیق کرتا رہتا۔ اس نے کبھی کسی سائل کو محروم نہیں کیا۔“

وہ پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرتا اور لوگوں کی شکایتیں خود سن کر فیصلہ کیا کرتا تھا۔ وہ بے انتہا دانشمند تھا اور حد درجہ غور و تامل لطف و مہربانی سے کام لے کر انصاف کرتا تھا (جو کچھ اسباب وغیرہ) اُسے ملتا وہ سب فوج کو تقسیم کر دیتا تھا اور خود صرف خشک روٹی پر زندگی بسر کرتا تھا۔ دوستانہ محبتوں میں وہ کبھی تخت پر نہ بیٹھتا اور نہ لڑو سا کو اپنے سامنے کھڑا ہونے دیتا۔ وہ سب کو اپنے برابر جگہ دیتا اور اگر کوئی امیر ناراض ہو جاتا تو اس کے خوش کرنے کے لئے بعض اوقات یہاں تک ایثار سے کام لیتا کہ اس کے قدموں پر گپڑی تک ڈال دیتا۔“

اس کی تخت نشینی سے پہلے دہلی کے پٹھانوں میں یہ رسم تھی کہ مُردہ کے سویم میں میٹھاٹی، شربت اور پان وغیرہ تقسیم کیا جاتا تھا۔ اس نے اس رسم کو بالکل ممنوع قرار دیا۔ کیونکہ اس رسم میں فضولِ مصارف ہوتے تھے۔

اس کے ضبط کی عجیب و غریب شان وہ تھی کہ جب ایک دن جامع مسجد کے اندر ایک مُلّا نے اس کو اور اس کے خاندان والوں کو صاف طور

پھر ذریعہ شیطان سے تعبیر کیا اور اس نے ہنس کر صرف یہ کہا -
 ”ملا صاحب! ہم سب بندگانِ خدا ہیں۔“

تعبیرات کا بھی اُسے شوق تھا۔ لیکن اس طرف توجہ کرنے کی فرصت نہیں ملی۔
 تاہم اگر یہ جدید تحقیق صحیح ہے کہ اگرہ کی بنیاد اُس نے رکھی تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس
 لحاظ سے بھی اس نے اپنے کو غیر فانی بنا دیا۔ لیکن تمام مؤرخین اگرہ کی بنیاد کو
 سکندر لودھی سے منسوب کرتے ہیں۔

ماثرہ جیسی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے متعدد مدارس بھی قائم کئے۔
 بہلولی سنگھ جو پسیہ کے قائم مقام راج ہوا اسی کی یادگار ہے۔

اٹا وہ کی مہم سے فارغ ہو کر دہلی آ رہا تھا کہ راستہ میں بیمار ہوا۔ اور
 بھداولی ر ضلع سیکت میں پہنچ کر ۱۹۴۰ء میں مر گیا۔ اس نے آٹھ سال آٹھ
 ماہ آٹھ روز حکومت کی۔

بہلول لودھی نے اپنی وفات سے پہلے ہی نظامِ خاں کو اپنا جانشین نامزد
 کر دیا تھا اس لئے وہ تھوڑی سی مخالفت کے بعد سلطان سکندر کا لقب اختیار
 کر کے تخت نشین ہو گیا۔



سلطان سکندر بن سلطان سکندر

۱۹۴ھ تا ۹۲۳ھ

جب سلطان بہلول نے ۱۲۸ھ میں ملک کے مختلف صوبوں پر گورنروں کا تقرر کیا تو اسی سلسلہ میں جونپور کی حکومت اپنے بیٹے باربک کو سپرد کر دی تھی۔

جب سکندر تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے بھائی (باربک) سے کہا کہ خطبہ میں اس کا نام پڑھا جائے لیکن باربک نے انکار کیا۔ مجبوراً سکندر کو اس کے خلاف فوج بھیجی گئی اور باربک کو مغلوب کرنے کے بعد پھر بدستور اسی عہدہ پر بحال رکھا گیا۔ سکندر کا سارا عہد حکومت یاغیوں اور برکشتوں کی سرکوبی میں صرف ہو گیا۔ ان میں بیانہ، جونپور اور اودھ کی مہمیں خاص طور سے اہمیت رکھتی ہیں جن میں سکندر کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ بیانہ کے قلعہ پر قبضہ کر لیا گیا اور جونپور و اودھ کی بغاوتیں بھی پوری طرح فرو کر دی گئیں۔

۱۲۹۱ھ میں سکندر نے سلطان حسین کو (جو جونپور کی سلطنت کا آخری فرماں روا اور زیر حمایت علاؤ الدین شاہ بنگال تھا) اس پناہ گزین تھا، مفتوح و معزول کر کے بہار تک اپنی سلطنت وسیع کر لی اور سلطان علاؤ الدین فرماں روا نے بنگال سے حدود سلطنت و حقوق حکمرانی کے متعلق باہمی مفاہمت ہو گئی۔

علاوہ اس کے دھول پور، چندیری اور گوالیار کے راجپوتوں نے بھی اس کی اطاعت اختیار کر لی اور تمام پنجاب، دوآب، جونپور، اودھ، بہار، ترہٹ اور ملک ماہین شلج و بندیکھنڈ اس کے قبضہ میں آ گیا۔

محمد تغلق اور فیروز شاہ کے بعد جو تغلق سلطنت دہلی کے تمام اجزاء میں

پیدا ہو گئی تھی۔ اس کا حال آپ کو علاؤ الدین بن محمد شاہ سید خاندان کے آخری فرمانروا کے ذکر کے سلسلہ میں معلوم ہو گیا ہو گا۔ اور کون کہہ سکتا تھا کہ پھر یہ تمام اجزاء یکجا ہو جائیں گے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ سلطان بہلول لودھی نے اپنے عزم و ثبات و دیگر ملوکانہ خصائل سے دہلی کی مژدہ سلطنت میں از سر نو جان ڈالنی شروع کی اور سکندر کے عہد میں قریب قریب وہی اقتدار چھڑ قائم ہو گیا جو اس سے قبل کسی وقت عہد تغلق میں پایا جاتا تھا۔ اس کا سبب سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ بہلول لودھی کے تمام خصائل معہ شے زائد اس کے اندر پائے جاتے تھے۔ اور اس نے اپنی محنت و جانفشانی، انصاف اور بیدار مغزی، اخلاق و عادات کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ اس کا تمام ماحول متاثر ہو گیا اور اس کے علوی صفات کے سامنے تمام قوتیں جو سلطنت سے منحرف ہو گئی تھیں جھک گئیں۔

سلطان سکندر کے تمام فتوحات نہایت شرح و بسط کے ساتھ تمام کتب تاریخ میں درج کئے گئے ہیں۔ لیکن ہم ان کی تفصیل کو غیر ضروری اور غیر دلچسپ خیال کرتے ہوئے صرف اپنے موضوع کے لحاظ سے سکندر کے خصائل و عادات آئین عدل و حکمرانی، تہذیب و شائستگی، علم پروری و ہنر شناسی کو واضح طور پر دکھانا چاہتے ہیں جو حقیقی اسباب تھے اس کے کامیابی کے۔

سلطان سکندر اپنی ظاہری صورت کے لحاظ سے جس قدر حسین و جمیل تھا۔ اسی قدر اس کا باطن پاکیزہ تھا۔ وہ اپنے باپ کی طرح حد درجہ سادگی پسند تھا اور کبھی شاہانہ تکلفات میں اپنا وقت ضائع نہ کرتا تھا۔ اس کی فطرت نہایت سلیم اور اس کی طبیعت رافت و عطوفت کی طرف از بس مائل تھی۔ وہ خدا سے ڈرتا تھا۔ اور بندگان خدا پر ہمیشہ رحم کرتا تھا۔

اچھے مصنف تاریخ داؤدی نے لکھا ہے کہ اس کے سن کا یہ عالم تھا کہ جو شخص دیکھتا تھا متحیر رہ جاتا۔

جیسا وہ شجاع تھا ویسا ہی عادل بھی تھا۔ انتظامِ سلطنت، تصفیہ معاملات میں وہ ہندو مسلمان، قوی و ضعیف کو برابر سمجھتا تھا اور چاہتا تھا کہ سرِ مو انصاف سے احترام نہ ہو۔

بادشاہ ضبط اوقات کا بے انتہا پابند تھا اور جو معمول اُس نے اپنے یا کسی اور کے لئے مقرر کر دیا اس میں کبھی تبدیلی پیدا نہیں کی۔

بادشاہ کا معمول تھا کہ وہ نمازِ ظہر ادا کر کے مجلسِ علماء میں جاتا اور قرآن مجید کی تلاوت کرتا۔ مغرب کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کر کے حرمِ سرا میں جاتا اور ایک گھنٹہ وہاں قیام کر کے خلوتِ خاص میں جاتا اور وہاں لوگوں کے استغاثے سنتا امورِ سلطنت کی اصلاح کرتا۔ فرامین تحریر کرتا اور سلاطین ہم عصر کے نام خطوط لکھتا۔ بات کو بہت کم سوتا۔ بڑے جید اور زبردست سترہ عالمِ خلوتِ خاص میں اس کے پاس رہتے اور نصف شب تک مذہبی احکام وغیرہ ان سے دریافت کرتا رہتا۔ اس کے بعد کھانا چُنا جاتا۔ اس کی ساری عمر گزار گئی لیکن یہ معمول کبھی ترک نہیں ہوا۔

اس کی وضع داری اور نچنگی انتظام کی دوسری مثال یہ ہے کہ ایک بار گرمی کے موسم میں شیخ عبدالغنی جونپوری بادشاہ سے ملنے آئے۔ ان کے لئے جو کھانا آیا اس میں موسمِ گرمی کی وجہ سے شربت کے چھ شیشے بھی موجود تھے۔ اس کے بعد اتفاق سے شیخ صاحب جاڑوں میں آئے۔ لیکن شربت کے قرا بے اب بھی پیش کئے گئے۔ ایک بار وہ جین طرح ایک آدمی سے ملتا پھر عمر گزر جاتی اسی طرح پیش آتا اور اس میں سرِ مو تفاوت نہ ہوتا۔

اس کی عدالت و بیدار مغزی کا یہ عالم تھا کہ متدین شخص سلطنت کا اپنی جگہ پر مطمئن اور ہر خائن شخص ہر وقت لہزاں رہتا تھا۔ اس طرح اس کی دیانت و حیثیت کی یہ کیفیت تھی کہ اگر دنیا کی ساری دولت اس کے سامنے رکھ دی جاتی تو وہ خلافِ احکامِ مذہب اس پر نگاہ نہ کرتا۔

جب لشکر کو وہ کسی جنگ پر روانہ کرتا تو روزانہ دو فرمانِ لشکر کے نام

پہنچتے۔ ایک نماز صبح کے وقت جس میں اور ہدایتیں درج ہوتیں ہزاروں میں گھوڑوں کی ڈاک ہر وقت تیار رہتی۔ اگر لشکر ۵۰ کوس پر بھی ہوتا تو بھی اس معمول میں فرق نہ آتا۔ روز اس کے سامنے کل اشیاء کا نرخ نامہ اور سلطنت کے تمام حالات و واقعات کی رپورٹ پیش ہوتی اور وہ فوراً تحقیقات کا حکم دیتا۔ اگر کوئی نامناسب بات اُسے نظر آتی۔ یہی انتظام تھا کہ اس کے عہد میں غلہ اور تمام زندگی کی ضروری چیزیں بہت ادراں مقیم اور قلیل آمدنی رکھنے والا بھی فراغت سے زندگی بسر کرتا تھا۔

اس نے ایک قامنی کے علاوہ بارہ علماء بھی صرف مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے مقرر کئے تھے اور جاسوس متعین تھے جو عدالت کی تمام خبریں روزانہ بادشاہ تک پہنچاتے تھے۔ دریا خاں وکیل کو حکم دیا تھا کہ عدالت کے اندر پہرہ رات گئے تک بیٹھا رہے۔ کیونکہ ممکن ہے اس وقت کوئی مستغیث آجائے۔ علاوہ اس کے وہ بعض اہم مقدمات کی خود تحقیقات کرتا اور سلطنت کے انتظام پر آپ توجہ کر کے آئین مقرر کرتا۔

اس غرض کے لئے اس نے کثرت سے مخبر و جاسوس مقرر کر رکھے تھے جو رعایا و حکام کے تمام حالات اس تک پہنچاتے تھے اور یہ انتظام اس قدر مکمل تھا کہ بسا اوقات لوگوں کا خیال تھا کہ سلطان کے قابو میں کوئی جن ہے جو اسے تمام باتوں سے آگاہ کر دیتا ہے بلکہ

وہ انصاف کرنے میں حد درجہ کاوش کرتا اور خاص فراست و دانائی سے کام لے کر حقیقت تک پہنچتا۔ چنانچہ صاحب طبقات اکبری نے ایک دفعہ بیان کیا ہے :-
 ”گوایا رکے دو غریب آدمی جو بھائی بھائی تھے مفلسی سے تنگ آکر قریب میں شامل ہو گئے۔ ایک لڑائی میں انہیں غارت کے سلسلہ میں دولعل بھی مل گئے۔ ایک اس دولت پر قانع ہو کر واپس جانا چاہتا تھا اور دوسرا

لہ طبقات اکبری صفحہ ۱۷۱ -

اس کے بعد بھی قسمت آزمائی پر مصر تھا۔ جب ایک بھائی گھر جانے لگا تو دوسرے بھائی نے لعل سپرد کئے۔ کہا کہ میری بیوی کو دے دینا۔ جب یہ گواہ لایا واپس آیا تو اس نے اور چیزیں تو دے دیں لیکن لعل نہ دیا۔ جب مالک واپس آیا تو اس نے اپنی بیوی سے استفسار کیا۔ اس نے انکار کیا۔ الغرض یہ معاملہ میاں بھگورا تک پہنچا جو دربار سکندر لودھی کے امراء کبار میں سے تھے اور وہاں کے میر عدل بھی تھے۔ انہوں نے گواہ طلب کئے۔ خائن بھائی نے ایک قمار خانہ سے دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے اور میاں بھورا نے ان گواہوں پر اعتبار کر کے فیصلہ کر دیا کہ ”لعل بیوی سے وصول کر لینا چاہیئے“

یہ غریب بہت پریشان ہوئی اور سیدھی آگرہ جا کر بادشاہ کی خدمت میں پہنچی۔ بادشاہ نے فریقین اور گواہوں کو طلب کیا۔ یہاں بھی وی صورت پیش آئی۔ بادشاہ کو یقین تھا کہ لعل اس عورت کو نہیں دیا گیا لیکن گواہوں کی موجودگی میں وہ کوئی خلاف حکم نہ دے سکتا تھا۔ آخر کار اس نے سوچ کر گواہوں سے پوچھا کہ جب تمہارے سامنے اس عورت کو لعل دیا گیا ہے تو تم نے اسے ضرور دیکھا ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ ہاں ہم نے دیکھا تھا۔ مگر بادشاہ نے موم کا ایک ٹکڑا ان دونوں کو دیا اور کہا کہ جاؤ الگ الگ اس لعل کی صورت و مقدار موم کے ذریعہ سے ظاہر کرو۔ جب یہ دونوں بنا کر لائے تو ایک کا بتایا ہوا نمونہ دوسرے کے نمونہ سے بالکل مختلف تھا اور لعل کی ہئیت و صورت سے کوئی بھی مناسبت نہ تھی بادشاہ نے گواہوں کو دھمکایا اور انہوں نے سارا حال بیان کر دیا جس سے حقیقت واضح ہو گئی۔“

۱۶۲
۱۸۹
۱۹۰
۱۹۱
۱۹۲
۱۹۳
۱۹۴
۱۹۵
۱۹۶
۱۹۷
۱۹۸
۱۹۹
۲۰۰
۲۰۱
۲۰۲
۲۰۳
۲۰۴
۲۰۵
۲۰۶
۲۰۷
۲۰۸
۲۰۹
۲۱۰
۲۱۱
۲۱۲
۲۱۳
۲۱۴
۲۱۵
۲۱۶
۲۱۷
۲۱۸
۲۱۹
۲۲۰
۲۲۱
۲۲۲
۲۲۳
۲۲۴
۲۲۵
۲۲۶
۲۲۷
۲۲۸
۲۲۹
۲۳۰
۲۳۱
۲۳۲
۲۳۳
۲۳۴
۲۳۵
۲۳۶
۲۳۷
۲۳۸
۲۳۹
۲۴۰
۲۴۱
۲۴۲
۲۴۳
۲۴۴
۲۴۵
۲۴۶
۲۴۷
۲۴۸
۲۴۹
۲۵۰
۲۵۱
۲۵۲
۲۵۳
۲۵۴
۲۵۵
۲۵۶
۲۵۷
۲۵۸
۲۵۹
۲۶۰
۲۶۱
۲۶۲
۲۶۳
۲۶۴
۲۶۵
۲۶۶
۲۶۷
۲۶۸
۲۶۹
۲۷۰
۲۷۱
۲۷۲
۲۷۳
۲۷۴
۲۷۵
۲۷۶
۲۷۷
۲۷۸
۲۷۹
۲۸۰
۲۸۱
۲۸۲
۲۸۳
۲۸۴
۲۸۵
۲۸۶
۲۸۷
۲۸۸
۲۸۹
۲۹۰
۲۹۱
۲۹۲
۲۹۳
۲۹۴
۲۹۵
۲۹۶
۲۹۷
۲۹۸
۲۹۹
۳۰۰
۳۰۱
۳۰۲
۳۰۳
۳۰۴
۳۰۵
۳۰۶
۳۰۷
۳۰۸
۳۰۹
۳۱۰
۳۱۱
۳۱۲
۳۱۳
۳۱۴
۳۱۵
۳۱۶
۳۱۷
۳۱۸
۳۱۹
۳۲۰
۳۲۱
۳۲۲
۳۲۳
۳۲۴
۳۲۵
۳۲۶
۳۲۷
۳۲۸
۳۲۹
۳۳۰
۳۳۱
۳۳۲
۳۳۳
۳۳۴
۳۳۵
۳۳۶
۳۳۷
۳۳۸
۳۳۹
۳۴۰
۳۴۱
۳۴۲
۳۴۳
۳۴۴
۳۴۵
۳۴۶
۳۴۷
۳۴۸
۳۴۹
۳۵۰
۳۵۱
۳۵۲
۳۵۳
۳۵۴
۳۵۵
۳۵۶
۳۵۷
۳۵۸
۳۵۹
۳۶۰
۳۶۱
۳۶۲
۳۶۳
۳۶۴
۳۶۵
۳۶۶
۳۶۷
۳۶۸
۳۶۹
۳۷۰
۳۷۱
۳۷۲
۳۷۳
۳۷۴
۳۷۵
۳۷۶
۳۷۷
۳۷۸
۳۷۹
۳۸۰
۳۸۱
۳۸۲
۳۸۳
۳۸۴
۳۸۵
۳۸۶
۳۸۷
۳۸۸
۳۸۹
۳۹۰
۳۹۱
۳۹۲
۳۹۳
۳۹۴
۳۹۵
۳۹۶
۳۹۷
۳۹۸
۳۹۹
۴۰۰
۴۰۱
۴۰۲
۴۰۳
۴۰۴
۴۰۵
۴۰۶
۴۰۷
۴۰۸
۴۰۹
۴۱۰
۴۱۱
۴۱۲
۴۱۳
۴۱۴
۴۱۵
۴۱۶
۴۱۷
۴۱۸
۴۱۹
۴۲۰
۴۲۱
۴۲۲
۴۲۳
۴۲۴
۴۲۵
۴۲۶
۴۲۷
۴۲۸
۴۲۹
۴۳۰
۴۳۱
۴۳۲
۴۳۳
۴۳۴
۴۳۵
۴۳۶
۴۳۷
۴۳۸
۴۳۹
۴۴۰
۴۴۱
۴۴۲
۴۴۳
۴۴۴
۴۴۵
۴۴۶
۴۴۷
۴۴۸
۴۴۹
۴۵۰
۴۵۱
۴۵۲
۴۵۳
۴۵۴
۴۵۵
۴۵۶
۴۵۷
۴۵۸
۴۵۹
۴۶۰
۴۶۱
۴۶۲
۴۶۳
۴۶۴
۴۶۵
۴۶۶
۴۶۷
۴۶۸
۴۶۹
۴۷۰
۴۷۱
۴۷۲
۴۷۳
۴۷۴
۴۷۵
۴۷۶
۴۷۷
۴۷۸
۴۷۹
۴۸۰
۴۸۱
۴۸۲
۴۸۳
۴۸۴
۴۸۵
۴۸۶
۴۸۷
۴۸۸
۴۸۹
۴۹۰
۴۹۱
۴۹۲
۴۹۳
۴۹۴
۴۹۵
۴۹۶
۴۹۷
۴۹۸
۴۹۹
۵۰۰
۵۰۱
۵۰۲
۵۰۳
۵۰۴
۵۰۵
۵۰۶
۵۰۷
۵۰۸
۵۰۹
۵۱۰
۵۱۱
۵۱۲
۵۱۳
۵۱۴
۵۱۵
۵۱۶
۵۱۷
۵۱۸
۵۱۹
۵۲۰
۵۲۱
۵۲۲
۵۲۳
۵۲۴
۵۲۵
۵۲۶
۵۲۷
۵۲۸
۵۲۹
۵۳۰
۵۳۱
۵۳۲
۵۳۳
۵۳۴
۵۳۵
۵۳۶
۵۳۷
۵۳۸
۵۳۹
۵۴۰
۵۴۱
۵۴۲
۵۴۳
۵۴۴
۵۴۵
۵۴۶
۵۴۷
۵۴۸
۵۴۹
۵۵۰
۵۵۱
۵۵۲
۵۵۳
۵۵۴
۵۵۵
۵۵۶
۵۵۷
۵۵۸
۵۵۹
۵۶۰
۵۶۱
۵۶۲
۵۶۳
۵۶۴
۵۶۵
۵۶۶
۵۶۷
۵۶۸
۵۶۹
۵۷۰
۵۷۱
۵۷۲
۵۷۳
۵۷۴
۵۷۵
۵۷۶
۵۷۷
۵۷۸
۵۷۹
۵۸۰
۵۸۱
۵۸۲
۵۸۳
۵۸۴
۵۸۵
۵۸۶
۵۸۷
۵۸۸
۵۸۹
۵۹۰
۵۹۱
۵۹۲
۵۹۳
۵۹۴
۵۹۵
۵۹۶
۵۹۷
۵۹۸
۵۹۹
۶۰۰
۶۰۱
۶۰۲
۶۰۳
۶۰۴
۶۰۵
۶۰۶
۶۰۷
۶۰۸
۶۰۹
۶۱۰
۶۱۱
۶۱۲
۶۱۳
۶۱۴
۶۱۵
۶۱۶
۶۱۷
۶۱۸
۶۱۹
۶۲۰
۶۲۱
۶۲۲
۶۲۳
۶۲۴
۶۲۵
۶۲۶
۶۲۷
۶۲۸
۶۲۹
۶۳۰
۶۳۱
۶۳۲
۶۳۳
۶۳۴
۶۳۵
۶۳۶
۶۳۷
۶۳۸
۶۳۹
۶۴۰
۶۴۱
۶۴۲
۶۴۳
۶۴۴
۶۴۵
۶۴۶
۶۴۷
۶۴۸
۶۴۹
۶۵۰
۶۵۱
۶۵۲
۶۵۳
۶۵۴
۶۵۵
۶۵۶
۶۵۷
۶۵۸
۶۵۹
۶۶۰
۶۶۱
۶۶۲
۶۶۳
۶۶۴
۶۶۵
۶۶۶
۶۶۷
۶۶۸
۶۶۹
۶۷۰
۶۷۱
۶۷۲
۶۷۳
۶۷۴
۶۷۵
۶۷۶
۶۷۷
۶۷۸
۶۷۹
۶۸۰
۶۸۱
۶۸۲
۶۸۳
۶۸۴
۶۸۵
۶۸۶
۶۸۷
۶۸۸
۶۸۹
۶۹۰
۶۹۱
۶۹۲
۶۹۳
۶۹۴
۶۹۵
۶۹۶
۶۹۷
۶۹۸
۶۹۹
۷۰۰
۷۰۱
۷۰۲
۷۰۳
۷۰۴
۷۰۵
۷۰۶
۷۰۷
۷۰۸
۷۰۹
۷۱۰
۷۱۱
۷۱۲
۷۱۳
۷۱۴
۷۱۵
۷۱۶
۷۱۷
۷۱۸
۷۱۹
۷۲۰
۷۲۱
۷۲۲
۷۲۳
۷۲۴
۷۲۵
۷۲۶
۷۲۷
۷۲۸
۷۲۹
۷۳۰
۷۳۱
۷۳۲
۷۳۳
۷۳۴
۷۳۵
۷۳۶
۷۳۷
۷۳۸
۷۳۹
۷۴۰
۷۴۱
۷۴۲
۷۴۳
۷۴۴
۷۴۵
۷۴۶
۷۴۷
۷۴۸
۷۴۹
۷۵۰
۷۵۱
۷۵۲
۷۵۳
۷۵۴
۷۵۵
۷۵۶
۷۵۷
۷۵۸
۷۵۹
۷۶۰
۷۶۱
۷۶۲
۷۶۳
۷۶۴
۷۶۵
۷۶۶
۷۶۷
۷۶۸
۷۶۹
۷۷۰
۷۷۱
۷۷۲
۷۷۳
۷۷۴
۷۷۵
۷۷۶
۷۷۷
۷۷۸
۷۷۹
۷۸۰
۷۸۱
۷۸۲
۷۸۳
۷۸۴
۷۸۵
۷۸۶
۷۸۷
۷۸۸
۷۸۹
۷۹۰
۷۹۱
۷۹۲
۷۹۳
۷۹۴
۷۹۵
۷۹۶
۷۹۷
۷۹۸
۷۹۹
۸۰۰
۸۰۱
۸۰۲
۸۰۳
۸۰۴
۸۰۵
۸۰۶
۸۰۷
۸۰۸
۸۰۹
۸۱۰
۸۱۱
۸۱۲
۸۱۳
۸۱۴
۸۱۵
۸۱۶
۸۱۷
۸۱۸
۸۱۹
۸۲۰
۸۲۱
۸۲۲
۸۲۳
۸۲۴
۸۲۵
۸۲۶
۸۲۷
۸۲۸
۸۲۹
۸۳۰
۸۳۱
۸۳۲
۸۳۳
۸۳۴
۸۳۵
۸۳۶
۸۳۷
۸۳۸
۸۳۹
۸۴۰
۸۴۱
۸۴۲
۸۴۳
۸۴۴
۸۴۵
۸۴۶
۸۴۷
۸۴۸
۸۴۹
۸۵۰
۸۵۱
۸۵۲
۸۵۳
۸۵۴
۸۵۵
۸۵۶
۸۵۷
۸۵۸
۸۵۹
۸۶۰
۸۶۱
۸۶۲
۸۶۳
۸۶۴
۸۶۵
۸۶۶
۸۶۷
۸۶۸
۸۶۹
۸۷۰
۸۷۱
۸۷۲
۸۷۳
۸۷۴
۸۷۵
۸۷۶
۸۷۷
۸۷۸
۸۷۹
۸۸۰
۸۸۱
۸۸۲
۸۸۳
۸۸۴
۸۸۵
۸۸۶
۸۸۷
۸۸۸
۸۸۹
۸۹۰
۸۹۱
۸۹۲
۸۹۳
۸۹۴
۸۹۵
۸۹۶
۸۹۷
۸۹۸
۸۹۹
۹۰۰
۹۰۱
۹۰۲
۹۰۳
۹۰۴
۹۰۵
۹۰۶
۹۰۷
۹۰۸
۹۰۹
۹۱۰
۹۱۱
۹۱۲
۹۱۳
۹۱۴
۹۱۵
۹۱۶
۹۱۷
۹۱۸
۹۱۹
۹۲۰
۹۲۱
۹۲۲
۹۲۳
۹۲۴
۹۲۵
۹۲۶
۹۲۷
۹۲۸
۹۲۹
۹۳۰
۹۳۱
۹۳۲
۹۳۳
۹۳۴
۹۳۵
۹۳۶
۹۳۷
۹۳۸
۹۳۹
۹۴۰
۹۴۱
۹۴۲
۹۴۳
۹۴۴
۹۴۵
۹۴۶
۹۴۷
۹۴۸
۹۴۹
۹۵۰
۹۵۱
۹۵۲
۹۵۳
۹۵۴
۹۵۵
۹۵۶
۹۵۷
۹۵۸
۹۵۹
۹۶۰
۹۶۱
۹۶۲
۹۶۳
۹۶۴
۹۶۵
۹۶۶
۹۶۷
۹۶۸
۹۶۹
۹۷۰
۹۷۱
۹۷۲
۹۷۳
۹۷۴
۹۷۵
۹۷۶
۹۷۷
۹۷۸
۹۷۹
۹۸۰
۹۸۱
۹۸۲
۹۸۳
۹۸۴
۹۸۵
۹۸۶
۹۸۷
۹۸۸
۹۸۹
۹۹۰
۹۹۱
۹۹۲
۹۹۳
۹۹۴
۹۹۵
۹۹۶
۹۹۷
۹۹۸
۹۹۹
۱۰۰۰

انصاف کے باب میں وہ ضعیف اور قوی کو بالکل برابر سمجھتا اور کسی کی رعایت نہ کرتا۔ ایک بار کسی سید نے شکایت پیش کی کہ میاں ملک جاگیر دار نے اس سے زمین چھین لی ہے۔ بادشاہ نے میاں بھورہ کو تحقیقات کا حکم دیا۔ لیکن اس مسئلہ میں کچھ ایسے نزاعات پیش آئے کہ دو ماہ تک فیصلہ نہ ہو سکا۔ بادشاہ نے میاں بھورہ کو بلا کر کہا کہ کیوں اب تک فیصلہ نہیں ہو سکا؟ آج اس وقت تک عدالت گاہ سے کوئی نہ جائے جب تک یہ معاملہ طے نہ ہو جائے۔ چنانچہ علماء تین پہر رات گئے۔ تک بیٹھے رہے اور اسی وقت بادشاہ کو نتیجہ سے اطلاع دی گئی جو مستغیث سید کے حق میں تھا۔

بادشاہ نے میاں ملک جاگیر دار کو بلا کر دریافت کیا کہ کیوں تم میرے خلاف حکم ظلم کیا اور وظائف و املاک کی زمین تم نے کیوں چھینی۔ میاں ملک نے منفعل ہو کر اعتراف جرم کیا۔ بادشاہ نے اس سے تین بار سب کے سامنے اعتراف جرم کر کے نادام کیا اور پھر کبھی اس کو کوئی جاگیر نہ دی۔

وہ فطرتاً بے انتہا سیر چشم واقع ہوا تھا۔ ایک بار سنبھل کے ضلع میں کسی شخص کو زمین سے ۵۰۰۰ اشرفیوں کا دھینہ مل گیا۔ لیکن میاں قاسم حاکم سنبھل تھا اس نے لے لیا۔ اس نے بادشاہ کی خدمت میں درخواست روانہ کی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ دھینہ پانے والے کو واپس دیا جائے۔

حاکم سنبھل نے عرضداشت روانہ کی کہ اتنی بڑی رقم پانے کا یہ شخص مستحق نہیں ہے۔

بادشاہ نے ایک فرمان اس کے پاس بھیجا کہ ”اے بیوقوف جس نے اس کو یہ دھینہ عطا کیا ہے وہ بہتر جاننے والا ہے۔ اگر یہ شخص مستحق نہ ہوتا تو وہ کیوں دیتا۔ ہم لوگ سب خدا کے بندے ہیں اور وہی بہتر جانتا ہے کہ ہم میں سے کون کس چیز کا مستحق ہے۔“

اسی طرح ایک بار اجودھن میں ایک درویش شیخ محمد کے کھیت میں بہت

بڑا دفتینہ برآمد ہوا۔ اس میں کچھ طلائی برتن ایسے بھی تھے جن پر سکندر کی مہر ثبت تھی۔ علی خاں حاکم لاہور و دہلی پور نے شیخ کو لکھا کہ یہ دفتینہ میرے حدودِ حکومت کے اندر سے برآمد ہو ا ہے اس لئے میرے پاس بھیج دو۔ شیخ نے انکار کیا۔ اس پر علی خاں نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ :-

”جو دھن میں شیخ محمد کو شاہی خزانہ دستیاب ہوا ہے :-

بادشاہ نے اس کے جواب میں صرف یہ لکھ دیا کہ :-

”تم کو اس سے کیا واسطہ ہے اور تم کیوں شیخ محمد کے حالات سے اعتناء کرتے ہو؟“
اس کے بعد شیخ محمد نے کچھ طلائی برتن بادشاہ کی خدمت میں روانہ کئے لیکن اس نے واپس کر دیئے اور کہا کہ :-

”تمہی رکھو، ہمیں تمہیں سب کو خدا کے سامنے اپنے اپنے اعمال کی

جواب دہی کرنا ہے“

یہ واقعہ تاریخِ سلطینِ افغانہ اور واقعاتِ مشتاقی میں بھی درج ہے۔ اگر وہ کسی کو جاگیر عطا کرویتا اور پھر کسی سبب سے اس کی آمدنی بڑھ جاتی تو مطلقاً پرواہ نہ کرتا۔ ایک بار اس نے ملک بدر الدین کا وظیفہ سات لاکھ تنکہ مقرر کر کے ایک پرگنہ تفویض کر دیا۔ پہلے ہی سال اس کی آمدنی ۹ لاکھ تنکہ ہو گئی۔ اس نے بادشاہ سے عرض کیا کہ ”نہ اند دو لاکھ کی بابت کیا حکم ہوتا ہے“

بادشاہ نے کہا کہ ”تم رکھ لو“ دوسرے سال گیارہ لاکھ آمدنی ہوئی اور بادشاہ نے پھر یہی حکم دیا۔ تیسرے سال آمدنی پندرہ لاکھ ہو گئی۔ اس نے پھر عرض کیا۔ بادشاہ نے کہا ”جاگیر تمہاری ہے۔ اس لئے اس کی آمدنی بھی صرف تمہاری ہی ہو سکتی ہے مجھ سے کیوں بار بار ذکر کرتے ہو؟“ ملے

چونکہ خود بادشاہ کی نیت ایسی اچھی تھی اس لئے تمام امراء و جاگیردار بھی ایسے

ہی دیانت وادو امین تھے۔

جاگیر مقرر کرنے کے بعد وہ کبھی اس میں تغیر نہ کرتا لیکن اس وقت کہ اگر کسی جاگیردار پر کوئی قصور ثابت ہو جائے تو اس صورت میں اس کی جاگیر لے لیتا۔ لیکن اس کی توقیر و عزت میں کمی نہ کرتا۔

وہ حرص و طمع کے جذبات سے بالکل ناواقف تھا اور ہمیشہ جرموں میں جن کا تعلق سلطنت کی آمدنی سے، ہوتا بہت نرمی سے کام لیتا۔ جشنِ عید اور ۲ ربیع الاول کو قیدیوں کی فہرست اس کے سامنے پیش کی جاتی اور بقایا بٹے مالگداری کے سبب سے جتنے لوگ قید ہوتے سب کو رہا کر دیتا۔

مذہب کی طرف بہت غلو تھا اور چاہتا تھا کہ کوئی کام خلافِ شریعت اس کی سلطنت میں نظر نہ آئے۔ چنانچہ اس نے اسی سلسلہ میں حکم نافذ کر دیا کہ مزادوں پر عورتوں کا جانا اور سالانہ سالار مسعود کی چھڑیاں نکالنا ممنوع قرار دیا جائے۔ مولانا مشتاق کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تعزیرِ داری اور سیٹلا کی پوجا کو بھی اُس نے روک دیا تھا۔

اس نے کثرت سے مساجد تعمیر کرائیں اور ہر مسجد میں ایک واعظ، ایک قاری اور ایک جادو بکش مقرر کیا جن کو ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ موسمِ سرما میں محتاجوں کو کثرت سے کپڑے اور شالیں تقسیم کی جاتیں اور ہر جمعہ کو ایک مقررہ تم غراباء کو تقسیم کی جاتی۔ رمضان اور ربیع الاول کے مہینوں میں مساکین و مستحقین کو بے دریغ روپیہ دیتا۔

اس نے حکم دے رکھا تھا کہ ہر شہر پر سلطنت کے تمام غراباء و مساکین کی فہرست پیش کی جائے۔ جب یہ فہرست پیش ہوتی تو وہ ان کو اس قدر روپیہ دیتا کہ ۶ ماہ کے لئے کافی ہو جاتا۔ علاوہ اس کے مختلف شہروں میں مدِ خیرات کے متعلق بہت سے مہتمم مقرر تھے جو غریبوں اور محتاجوں کا حال معلوم کر کے بادشاہ تک خبر پہنچاتے

لے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخِ رحلت۔

اور خزانہ شاہی سے روپیہ لے کر انہیں تقسیم کرتے۔^{۱۰}

چونکہ بادشاہ کو اس طرف بہت توجہ تھی اس لئے تمام امراء و اراکین خوانین و ملوک نے بھی غرباء و مساکین کے وظائف مقرر کر رکھے تھے۔ چنانچہ واقعات مشرقی میں لکھا ہے کہ اس داد و دہش کا نتیجہ تھا کہ اگر کوئی فقیر مر جاتا تو اس کے پاس سے کافی دولت نکلتی جو اس کے اعزہ کو دی جاتی اور اگر کوئی عزیز نہ ہوتا تو پھر فقراء کو تقسیم کر دی جاتی۔

اس کے عہد میں زراعت کثرت سے ہوتی تھی۔ چیزیں بہت اداں تھیں۔ تاہم بہت خوش حال تھے اور تمام اہل پیشہ اپنے اپنے مشاغل میں نہایت اطمینان کے ساتھ مصروف نظر آتے تھے۔ سلطنت میں کہیں چوروں اور راہزنوں کا پتہ نہ تھا اور قافلے نہایت امن و سکون کے ساتھ رات دن سفر کیا کرتے تھے۔ سکندر شاہ کو مغربی مؤرخین نے عام طور سے مدد رحمت عصب ظاہر کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ مذہب اسلام کا پابند تھا لیکن اس سے یہ نتیجہ نہ نکالنا کہ وہ ہندوؤں کی مدد داری نہیں کرتا تھا بالکل غلط ہے۔ اس کا مقصود یہ تھا کہ جو عند اللہ حق ہے وہی کیا جائے۔ چنانچہ جس زمانہ میں وہ اپنے بھائی باربک شاہ سے لڑ رہا تھا، ایک قلندر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے کہا: ”فتح تیری ہے“

بادشاہ نے تجھ جھلا کر ہاتھ الگ کر لیا اور جواب دیا کہ ”دعا یہ کرنی چاہیے کہ اللہ اس کو فتح دے جو حق پر ہے اور وہی ظہور میں آئے جو بہتر و مناسب ہو۔“ قبل تخت نشینی کے ایک بار سکندر کو معلوم ہوا کہ تھانیسٹر میں ایک گاؤں ہے وہاں کے ایک تالاب میں ہندو جمع ہو کر اشران کرتے ہیں۔ اس نے علامہ سے استفسار کیا۔ میاں عبداللہ اجودھنی نے جو بڑے جید عالم تھے کہا:-

”ہندوؤں کے کسی قدیم معبود کو غارت کرنا یا ان کی کسی مذہبی رسم سے تعزین کرنا مناسب نہیں۔“ سکندر نے یہ سن کر کچھ نہیں کہا اور اپنے خیال سے باز آ گیا۔^{۱۱} وہ ان تمام صفات کے

^{۱۰} تاریخ داؤدی ایٹ ۴۷-۴۸، تاریخ فرشتہ، ۱۰، تاریخ داؤدی (ایٹ) ۴-۴۳ -

ساتھ علم دوست بھی اس درجہ کا تھا کہ اس کے عہد میں اگر وہ (جو اس کا دار الحکومت تھا) علماء و فضلاء مشائخ و صوفیاء شعراء و ادباء کامر نہ ہو گیا تھا۔

فارس و عرب، ہند و بخارا کے تمام صاحبانِ کمال کچھ کچھ اگر وہ چلے آ رہے تھے اور بادشاہ کی قیاضیوں سے مالا مال نظر آتے تھے۔

مذہبی مباحث کا اُسے بہت شوق تھا اور اکثر علماء کو جمع کر کے وہ ان کی گفتگو سناتا تھا۔ ایک بار جب بودھن نامی ایک برہمن نے یہ دعویٰ کیا کہ تمام مذاہب برابر ہیں تو سکندر شاہ نے بہت سے مقتدر علماء کو حکم دیا کہ وہ اس سے بحث کریں۔ شعر و سخن کا بھی اسے ذوق تھا۔ گل رخ اُس کا تخلص تھا۔ کبھی کبھی شعر کہتا تھا۔ اور شیخ جمال کنبوٹلے سے جو بڑے پایہ کا شاعر تھا اصلاح لیا کرتا تھا۔

اس کی صحبت میں علماء کے ساتھ شعراء بھی رہا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک ڈوگر برہمن بھی تھا جو عربی و فارسی کا عالم ہونے کے علاوہ شاعر بھی اچھا تھا۔ ملائے بدایونی عہد سکندری کے بعض مقتدر علماء کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ :-

”شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ بڑے پایہ کے فاضل تھے۔ جب ملتان منہا ہوا تو دہلی کی طرف آئے اور چالیس علماء (مثلاً جمال خاں دہلوی، شیخ لودھی سید جلال الدین بدایونی وغیرہ) شیخ عبداللہ کی درسگاہ سے نکل کر اشاعتِ علوم کا باعث ہوئے۔ ہندوستان میں علوم معقولی کا رواج شیخ عبداللہ کے وقت سے ہوا اور نہ اس سے قبل علم منطوق و کلام میں صرف شرح شمسہ اور شرح صحائف پڑھائی جاتی تھیں۔“

۱۔ ان علماء کی فرست حسب روایت فرشتہ

۲۔ ملائے بدایونی نے یہ غزل اس کی منتخب التواریخ میں درج کی ہے۔

۳۔ عہد سکندر شاہ میں شیخ جمال بڑا مشہور شاعر تھا اور بادشاہ اس سے بہت بانوس تھا۔ اور شورہ بھی لیا کرتا تھا۔ شیخ جمال کا یہ ایک شعر فرشتہ اور ملائے بدایونی نے نقل کیا ہے۔

سکندر شاہ مولانا شیخ عبداللہ کا حد درجہ احترام کرتا تھا۔ جب کبھی درس کے وقت پہنچتا تو پوشیدہ طور سے کسی کونہ میں جا کر بیٹھ جاتا تاکہ درس و تدریس میں ہرج واقع نہ ہو۔ جب وہ فانی ہو جاتے تو بادشاہ سلام علیک کہہ کر سامنے آجاتا۔ شیخ عزیز اللہ کے استحضار علوم کا یہ حال تھا کہ مشکل سے مشکل کتاب زبانی پڑھاتے تھے انہی کے شاگردوں میں میاں قائم منجھلی تھے۔

اسی عصر کے ایک اور زبردست عالم الہ دیا بھی تھے جنہوں نے ہدایہ کی شرح کئی جلدوں میں تحریر کی ہے۔ علاوہ اس کے تفسیر مدارک پران کا حواشی اور شرح کافیہ کافی شہرت رکھتے ہیں۔ اس زمانہ میں ان کی یہ کتابیں کتابیں درسیات میں داخل تھیں۔

ایک بار سلطان سکندر نے تمام علماء کو جمع کر کے ایک جانب شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز کو، دوسری جانب شیخ الہ دیا اور ان کے بیٹے بھکاری کو کر کے مباحثہ سنا اور آخر کار یہ فیصلہ ہوا کہ وہ دونوں تقریر میں اور یہ دونوں تحریر میں اپنا جواب نہیں رکھتے یہ

الغرض سکندر شاہ کے دربار میں ہر وقت علمی چرچہ ہوا کرتا تھا اور یہ فخر اس بادشاہ کو حاصل ہے کہ اس کے عہد میں سب سے پہلے ہندوؤں نے فارسی کی طرف توجہ کی اور مسلمانوں کے علوم حاصل کرنے شروع کئے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مسلمانوں کے درمیان کافی تعلقات قائم ہو گئے تھے اور وہ ایک دوسرے کی زبان کو نہایت شوق سے حاصل کرتے تھے۔ مگر ہلاک بین کلکتہ دیویلیو میں ظاہر کرتے ہیں کہ ۱۔

”ہندوؤں نے سولہویں صدی عیسوی سے فارسی کی طرف ایسی توجہ کی کہ ایک صدی گزرنے سے قبل وہ اس زبان میں مسلمانوں کے برابر ہو گئے۔“

اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ ہندو مسلمانوں کے تعلقات میں زیادہ اتحاد

۱۔ شیخ عبداللہ کا انتقال ۹۲۲ھ میں ہوا ہے ۱۵ منتخب التواریخ، ۸۶۔

پیدا ہو گیا تھا اور دوسرے یہ کہ سکندر لڑھی نے قصداً ہندوؤں میں یہ مذاق پیدا کیا تاکہ انہیں سلطنت میں انتظامی عہدے دیئے جائیں۔

چنانچہ جب فارسی خواہ ہندوؤں کی ضرورت ہوئی تو اس نے پلارہمنوں سے درخواست کی کہ فارسی سیکھیں۔ انہوں نے انکار کیا تو چھتریوں سے کہا گیا۔

انہوں نے جواب دیا کہ ہم اہل سیف، اہل قلم بننا پسند نہیں کرتے۔ اس کے بعد ویش طبقہ کو توجہ دلائی گئی۔ لیکن اس نے تجارت پیشہ ہونے کی وجہ سے عذر کیا۔ آخر کار کالسیتھوں نے اسے قبول کیا اور قلیل زمانے میں ایسی دستگاہ حاصل کر دی۔ وہ مسلمانوں کے علوم کا درس دینے لگے اور سلطنت میں بڑے بڑے عہدے ان کو ملے۔

سلطان سکندر کے عہد میں تعانیت کثرت سے ہوئی جن میں خود بادشاہ اور اس کے امراء کا ذوق علمی بہت بچھ شامل تھا۔
تاریخ داؤدی میں لکھا ہے کہ اگرکہ ماہدیک جو فن طب کے متعلق سنسکرت کی مشہور کتاب تھی۔ فارسی زبان میں طب سکندری کے نام سے ترجمہ کی گئی۔
اور بعد کو اطباء ہند نے اس سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔

بادشاہ کو دیگر فنون و صناعات کے علاوہ جن کے کارخانہ کثرت سے قائم تھے موسیقی کا بھی بہت ذوق تھا۔ وہ دربار عام میں تو کبھی گانا سننا پسند نہ کرتا تھا لیکن تنہائی میں اہل موسیقی کو اپنا کمال ظاہر کرنے کی اجازت دیتا۔ اس وقت صرف سید روح الشہ اور سید ابن رسول جو مقربان خصوصی میں سے تھے اس کے خیمہ کے قریب ہوتے۔

اُسے مُرتا اور شہنائی کا بھی شوق تھا جو دربار میں ۹ بجے شب تک بجائی جاتی تھی۔ بادشاہ کا حکم تھا کہ صرف چار راگنیاں مالی کوثر (غالباً مالکوس) کلیان، کارآ اور حسینی بجائی جائیں۔

عمارات کی طرف بھی اسے خاص توجہ تھی۔ چنانچہ جب وہ مہم بلکھات سے

کامیاب واپس آیا تو اس نے حکم دیا کہ دارالحکومت آگرہ سے لے کر دھولپور تک جا بجا باغات اور مکانات تعمیر کرائے جائیں تاکہ شکار سے واپس آنے کے بعد یہاں توقف کیا جائے یہ

پھر علاوہ اس کے خود آگرہ کی رونق و ترقی جس کو اس نے ایک معمولی گاؤں سے بڑے شہر میں تبدیل کر دیا تھا۔ اس کے ذوقِ تعمیر آرائشِ شہر و امورِ رفاهِ عام کا کافی ثبوت ہے۔

یہ خصوصیت بھی اسی بادشاہ کو حاصل ہوئی کہ اس کے عہد میں ایسے امراء گزرے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے خصائل و عادات اپنے اخلاق و شائستگی، اپنے علم پرستی و ہنر پروری کے لحاظ سے ایک مستقل تصنیف چاہتا ہے۔ چنانچہ تاریخ داؤدی اور واقعات مشرقی میں بعض امراء کے مفصل حالات درج ہیں۔

ان میں سے خاص امراء یہ تھے :-

۱۔ اسد خاں ابن مبارک خاں -

۲۔ یوسف خلیل

۳۔ خان جہان لودھی، جسے مسند علی حسین خاں کہتے تھے۔

۴۔ میاں زین الدین -

۵۔ خواص خاں اور

۶۔ میاں معروف قرلی -

ان کے حالات دیکھنے سے (جو مختصراً ہم نے فٹ نوٹ میں درج کر دیے ہیں) ایک شخص اچھی طرح معلوم کر سکتا ہے کہ سکندر لودھی کا عہد کیسا عجیب و غریب عہد تھا اور امراء و اہلکین سلطنت پر خود اس کی سیرت کا کیسا

لہ منتخب التواریخ صفحہ -

زبردست اثر پڑا تھا۔

عہد سلطان سکندر کے خاص واقعات میں زلزلہ اگرہ کا بھی شمار کیا جاتا ہے۔ یہ زلزلہ ۹۱۱ھ میں ہوا۔ اس وقت ہندوستان میں آیا تھا۔ یہ اس قدر شدت کے ساتھ محسوس ہوا کہ لوگوں نے سمجھ لیا کہ قیامت آگئی ہے اس میں جان و مال کا سخت نقصان ہوا۔ تمام مؤرخین نے اس کا ذکر کیا ہے۔

جب بادشاہ بیمار ہوا اور اس نے خیال کیا کہ شاید وہ زندہ نہ رہے گا تو اس نے اپنے مشیر مذہبی شیخ لاون دانشمند سے پوچھا کہ قصائے نماز، ترک صیام اور شرب خوری وغیرہ کا کفارہ کیا ہو سکتا ہے؟

شیخ نے تفصیل لکھ کر بھیج دی۔ سلطان نے وقائع نگار سے دریافت کیا کہ اس قسم کے گناہ مجھ سے کتنی مرتبہ سرزد ہوئے ہیں۔ جب اس نے بھی تفصیل لکھ دی تو بادشاہ نے حساب لگا کر حکم دیا کہ اس قدر سونا غریب کو دیا جائے۔ لیکن خزانہ شاہی سے ایک پلیمہ نہ لیا جائے۔ علماء کو اس پر حیرت ہوئی۔ بادشاہ کے پاس سلاطین و امراء کی طرف سے جو تحائف آتے تھے وہ علیحدہ رکھے جاتے تھے اور ان کا سالانہ حساب تیار ہوتا تھا۔

بادشاہ کا مرض بڑھتا جاتا تھا۔ لیکن وہ امور سلطنت سے غافل نہ رہتا۔ اور برابر اپنے فرائض انجام دیتا جاتا تھا۔ آخر کار ۹۲۳ھ (نومبر ۱۵۱۰ء) کو اس نے انتقال کیا۔

تاریخ خان جہاں لودھی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد اس کا جنازہ دہلی گیا اور وہاں ایک باغ میں مدفون ہوا۔

سلطان ابراہیم

۹۲۳ھ تا ۹۳۲ھ
۱۵۱۴ء تا ۱۵۲۶ء

سعدان سکندر لودھی نے اپنے دو بیٹے چھوڑے جو حقیقی بھائی ایک ہی ماں سے تھے۔ بڑے کا نام ابراہیم تھا اور چھوٹے کا نام جلال خاں تھا۔ چونکہ ابراہیم اپنی حسن صفات کی وجہ سے امراء کے طبقہ میں بہت مقبول تھا اور یوں بھی وہ بڑا بیٹا تھا اس نے راجا کا فرماں رد و ابنا کے ۹۲۳ھ میں ہندوستان کی سلطنت چغتائیہ تیموریہ خاندان میں منتقل کر دی۔

سلطان ابراہیم نے کل ۹ سال تک سلطنت کی جس کو فرشتہ نے خداجانے کس حساب سے بیس سال تحریر کیا ہے، اور اس کے دوران حکومت میں اگر کوئی خاص بات نظر آتی ہے تو وہ غیر معمولی ادرازی ہے۔

مصنف تاریخ داؤدی کا بیان ہے کہ سلطان بہرام کے عہد میں غلہ کپڑا اور تمام چیزیں ایسی ادرازی تھیں کہ اس سے قبل کبھی نظر نہ آئیں۔ سلطان علاؤ الدین خلجی کے عہد میں جو ادرازی تھی وہ جبر و سختی سے پیدا ہوئی تھی لیکن ابراہیم کے زمانہ میں پیداوار اس قدر کثرت سے ہوتی تھی کہ لوگ خود ادرازی فروخت کرنے پر مجبور تھے۔

سکندر لودھی کے وقت میں بھی ادرازی بہت تھی لیکن نہ اس قدر۔ اس کے عہد میں ایک بھلوئی سکہ کا دس من غلہ آتا تھا۔ پانچ سیر گھی اور دس گز کپڑے کی قیمت بھی ایک بھلوئی تھی۔

علاوہ ان کے اور تمام اشیاء کی ادرازی کا بھی یہی عالم تھا۔ اس کا سبب

۱۔ تانبہ کا سکہ تقریباً پونے دو تولہ کے برابر۔

یہ تھا کہ بارش کی موزونی سے وہ چند غلہ پیدا ہونے لگا اور بادشاہ نے حکم دے دیا کہ لگان میں بجانے روپیہ کے غلہ وصول کیا جائے جس نے سکہ کی قیمت کو گھٹا دیا اور امراء و جاگیرداروں کو مجبور کر دیا کہ اپنے اپنے اقطاع کا غلہ نہایت ارزاں قیمت پر فروخت کریں۔

ایک معزز آدمی مع اپنے خاندان کے پانچ تنکے ماہوار کی آمدنی میں نہایت امن و راحت سے زندگی بسر کرتا تھا اور اگر کوئی سوار دہلی سے آگرہ تک کا سفر کرتا تو صرف ایک بھولی سکہ اُس کے، اُس کے گھوڑے اور سائیس کے مصارف کے لئے کافی ہوتا تھا۔

عہدِ سکندر لودھی کا دورِ علمی

فیروز شاہ تغلق کے بعد تیموری یلغار نے اسلامی حکمرانی کی جو حالت کر دی تھی وہ ظاہر ہے۔ اس کے ساتھ ہی علمی احادوں پر بھی اس کا اثر پڑے بغیر نہ رہا۔ مگر ستیوں کے دور میں کچھ سازگار حالات رونما ہوئے۔ سیاسی حالات نے بھی تبدیلی اختیار کی۔ نئے سرے سے عدل و انصاف کا دور شروع ہوا۔ رعایا قادرِ اقبال نظر آنے لگی۔ سکندر نے جو تیموری تہذیب طوفان سے نقصان ملک کو پہنچا تھا اس کی تلافی کی طرف توجہ کی۔

اس کی علمی سرپرستی اور شاہانہ فیاضی سے علم و ادب کے مُردہ قالب میں از سر نو روح چھونک کر اس وقت کے محوشہ علوم و فنون کو اس قدر فروغ دیا کہ علم و ادب کا جابجا چرچا ہونے لگا۔ مسلمانوں کے علاوہ ہندو بھی اسلامی

۱۔ اس زمانہ میں سوار کی تنخواہ بیس سے تیس تنکے تک تھی اور اس سے اس عہد کی خوش حالی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

۲۔ تاجیک داؤدی (الیٹ) اسلامی ہند، ۴ - ۲۵، ۲۶ -

لسانیات و ادبیات میں دلچسپی لینے لگا۔

طبقات اکبری میں ہے :-

”در عہد فرخندہ او علم رواج یافت و امرا نادگان دولت و سپاہیان
بکسب فضل اشغال نمودند و ہندوان بخواندن و نوشتن خط فارسی
کہ تا آن زمان در میان ایشان معمیل نبود پرداختند“

(طبقات اکبر شاہی صفحہ ۱۷۱)

حتیٰ کہ ہندوؤں میں فارسی زبان سے اتنا لگاؤ ہو گیا کہ فارسی میں شعر کہنے
لگے۔ چنانچہ منتخب التواریخ میں ہے کہ ایک برہمن جس کا نام ڈونگر مل تھا، نے
کہا ہے کہ میں

دل نغون نشدے چشم تو خنجر نشدے گم

وہ گم نشدے زلف تو ابتر نشدے گم

سکندر طبعاً شاعر تھا۔ گلرخ تخلص کہتا تھا۔ منتخب میں ہے کہ :-

”خود ہم صاحب طبع بود و گاہ گاہ ہے نظم بہ تخلص گلرخ زبان روش

قدیم ہندوستان یا نہ می گفت و صحبت اوشیخ جمال الدین رہگذر

خوش برآمدہ بود“ ۱۷

سرویکہ سخن پیرہن و گل بدستش

روحیست مجسم کہ وراں پیرہنیش

گلرخ چہ کند جو ہر دندان ترا و صف

۱۸ ہم چو در سیراب سخن درد ہنیش

سکندر علماء و فضلاء کی حوصلہ افزائی میں دریغ نہ کرتا تھا۔ مصنف تاریخ

داؤدی لکھتا ہے :-

۱۹ منتخب ص ۸۶ مطبوعہ نول کشور ۲۰ منتخب التواریخ ص ۸۶

”در زمان سلطنت او اکابر و مشائخ و علماء از ولایت عرب و عجم و
از اطراف ہند بہ جاذبہ عنایت او بدہلی و اگرہ آمدہ توطن مے کردند“

اخبار الانبیاء میں ہے :-

”و زمان دولت سکندر زمان صلاح و تقویٰ دیانت و امانت و علم و
وقار داد اور با علماء و صلحاء و اکابر و اشراف میلے عظم شد و لهذا
از انکاف عالم از عرب و عجم بعضے بسابقہ استدعا و طلب و بعضے بے
آن در عمد دولت او تشریف آوردہ و توطن ایں دیار اختیار کردند
بالحقیقت محامد زمان سلطنت آں سلطان سعادت نشان از حد
تقریر و تحریر خارج است“

علمائے عصر

شیخ جمال حامد بن فضل اللہ خاں اصلی نام جلال خاں کنویشیخ سماء الدین کے
مرید تھے۔ صاحب تصانیف ہیں۔ ۹۴۳ھ میں وفات پائی۔ سیر العارفین، ثنوی
مہر و ماہ، دیوان، یادگار سے ہیں۔

شیخ اللہ دیا جو نمپوری، ان کے فرزند شیخ بھکاری، شیخ عبداللہ طلبی اور عزیز اللہ
یہ دربار سکندر سے تعلق رکھتے تھے۔ باہمی سکندر ان سے علمی مناظرہ کرتا تھا۔
شیخ عبداللہ طلبی بن شیخ اللہ زاد عثمانی معقول شخص تھا۔ یہ طلبہ (ملتان)
میں اصحاب درس تھا۔ اس نے ولی آکر علم معقول کو فروغ دیا۔ میاں لادن،
جمال خاں میاں شیخ میراں، سید جلال الدین بدایونی ارشد تلامذہ سے تھے۔ یہ
۹۲۲ھ میں انتقال کیا۔

۱۔ تاریخ داؤدی صفحہ ۳۸ -

۲۔ تذکرہ علمائے ہند۔ بدیع المزان شرح میزان منطق تصنیف سے ہیں۔

شاہ جلال شیرازی مصنف گلشن راز، شیخ رزق اللہ دہلوی، شیخ عبدالحق دہلوی کے چچا فاضل خدا شناس بزرگ تھے۔ ہندی میں راجن ۱۸۹۷ء میں وصال ہوا۔ ہندی میں دور سالہ پیما آہن اور جوت نرنجن مشہور ہیں۔

شیخ عبد الوہاب بن سید احمد بخاری سید جلال بخاری کی اولاد میں سے تھے۔ ملتان سے حجاز حج بیت اللہ کے لئے گئے۔ واپس دہلی ہوئے۔ سکندران کا معتقد ہو گیا۔ ۱۸۳۲ء میں وفات پائی۔ ایک تفسیر "دقائق عشق" یادگار سے ہے۔

شیخ حسن طاہر راجی حامد شاہ کے مرید تھے۔ ملتان سے بہار ان کے والد چلے گئے۔ وہاں یہ پیدا ہوئے۔ پھر جونپور گئے۔ علوم حاصل کئے۔ پھر سکندر کی استدعا پر آگرہ آگئے۔ ۱۸۹۹ء میں انتقال کیا۔ مفتاح الغیض تصنیف ہے۔

میاں بہو خواص خاں کے فرزند امراء سکندری میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ میر عدل، صحاب خاص بھی رہے۔ سکندران کو بہت چاہتا تھا۔ فاضل حامل تھے معدن الشفاء (طب سکندری) تصنیف کی۔ ابراہیم نے مروا ڈالا۔

محمد بن شیخ ضیاء، تحفۃ السعادت یا فرہنگ سکندری تصنیف ہے۔ یہ کتاب ۱۹۱۶ء میں مکمل ہوئی۔



(۱۱)

سلاطینِ ہند

(جلد دوم)

جس میں سلاطینِ کشمیر، شایانِ گجرات، سلاطینِ بہمنیہ، عماد شاہی
سلاطینِ قطب شاہی، عادل شاہی وغیرہ کے حالات کے ساتھ
شایانِ مغلیہ، ظہیر الدین بابر سے لے کر بہادر شاہ ثانی کے دور تک
کے واقعات اختصار اور جامعیت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

سلاطین کشمیر، گجرات و دکن

بابراعظم کی آمد پر کشمیر، گجرات اور دکن میں چھوٹی چھوٹی اسلامی حکومتیں قائم تھیں جن کا حال اس جگہ بیان کیا جاتا ہے۔ مغلیہ حکمرانوں کی ان سے معرکہ آرائیاں رہیں۔ آخرش وہ زیر نگیں ہو گئیں۔

محمد بن تغلق کی سلطنت میں نہ صرف سارا
عہد تغلق میں انتشار حکومت
 ہندوستان بلکہ تنگناہ اور دکن کے اضلاع

بھی شامل تھے۔ لیکن اس کی موت سے قبل ہی دور دراز کے صوبے خود مختار ہونے لگے اور دسویں صدی ہجری شروع ہونے سے قبل اس کے ملک کا بہت بڑا حصہ متعدد خود مختار خاندانوں کی حکومت میں منتقل ہو گیا۔ جن کی تفصیل یہ ہے :-

- ۱۔ گورنران و شاہان بنگال ۵۹۹ھ تا ۹۸۴ھ
- ۲۔ مشرقی شاہان جونپور ۷۹۶ھ - ۱۳۹۴ھ
- ۳۔ شاہان مالوہ ۸۰۴ھ - ۱۵۳۰ھ
- ۴۔ شاہان گجرات ۷۹۹ھ - ۱۳۹۶ھ
- ۵۔ شاہان کشمیر ۷۳۵ھ - ۱۳۳۴ھ
- ۶۔ فاروقی شاہان خاندانیں ۸۰۱ھ - ۱۳۹۹ھ
- ۷۔ بہمنی شاہان گلبرگہ ۷۴۸ھ - ۱۳۶۶ھ

جب بہنی خاندان کو زوال ہوا تو حسب ذیل پانچ خاندانوں میں حکومت تقسیم ہو گئی۔

- ۱۔ عماد شاہی (برار) $\frac{5890}{1384}$ - $\frac{980}{1542}$
- ۲۔ نظام شاہی (احمد نگر) $\frac{5892}{1390}$ - $\frac{1003}{1595}$
- ۳۔ برید شاہی (بدر) $\frac{5896}{1392}$ - $\frac{1018}{1609}$
- ۴۔ عادل شاہی (بیجا پور) $\frac{5895}{1389}$ - $\frac{1094}{1684}$
- ۵۔ قطب شاہی (گولکنڈہ) $\frac{5918}{1512}$ - $\frac{1099}{1684}$

بعد کو جب مغلوں کا عہد شروع ہوا تو ہندوستان کی حکومتیں عہد اکبر میں اور دکن کی ریاستیں عہد اورنگ زیب میں سلطنت مغلیہ کا جزو بن گئیں۔

بنگالہ | ہندوستان کے مشرقی گوشہ میں بنگالہ ہے۔ بنگال کو تختیار خلجی نے فتح کر کے اسلامی ممالک میں داخل کیا اور مدت تک وہ دلی کے اسلامی مرکز سے وابستہ رہا لیکن ۱۵۱۹ء میں اس نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔

بنگالہ کا مشہور حکمران حاجی الیاس شمس الدین بھنگرہ کا خاندان عرصہ تک وہاں حکمران رہا۔ ۱۵۵۷ء میں بادشاہ کے وفات پا جانے پر اس کا لڑکا شمس الدین تخت نشین ہوا لیکن کنس نے اس قدر اقتدار پیدا کر لیا تھا کہ تمام لوگ اس سے سبنے لگے تھے۔ اس سے اُس نے یہ فائدہ اٹھایا کہ سلطان شمس الدین کے خلاف بغاوت کر کے ۱۵۵۷ء میں وہ خود تخت نشین ہوا۔ ابتداء میں اُس نے مسلمانوں کے ساتھ بڑے مظالم کئے لیکن حضرت نور قطب عالم کے اشارہ سے جب جونپور کا بادشاہ ابراہیم مشرقی بنگال کی سرحد پر نمودار ہوا تو راجہ کنس کی آنکھیں کھلیں اور اپنے بیٹے کو حضرت نور قطب عالم کے قدموں میں ڈال کر معافی چاہی۔

راجہ بہت سال کے بعد چل بسا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا جیت مل جو شیخ نور کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا ۱۵۹۳ء میں جلال الدین کے نام سے تخت پر بیٹھا۔ اُس نے عدل و انصاف کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ لوگ اس کو نوشیرواں ثانی کہنے لگے۔ اس کے عہد میں لوگ

لوگ بڑے فارغ البال رہے۔ شہر نیڑے آبادی کی کثرت سے اتنا بڑا ہو گیا کہ اس کے اطراف میں کوئی اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ گورنر میں بکثرت حوض تالاب، مراٹھے، مسجدیں، تیار کر آئیں اور دوبارہ گورنر کو بڑے پیمانہ پر آباد کیا۔ علماء کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا انہیں دُور دور سے بلا کر آباد کیا۔ تبلیغ الاسلام میں بھی اُس نے بڑی کوشش کی۔ سترہ سال حکومت کر کے ۱۸۱۲ء میں وفات پا گیا۔ اُس کا لڑکا احمد شاہ اُس کا جانشین ہوا۔ اس نے بھی اپنے باپ کی روش پر چل کر ملک کو خوشحال بنانے میں کافی حصہ لیا۔ اُس نے سولہ برس حکومت کی۔ ۱۸۳۷ء میں وفات پا گیا۔ اس کے بعد پھر حکومت حاجی الیاس کے خاندان میں منتقل ہو گئی۔ اس نو مسلم خاندان نے ۴۴ برس حکومت کی۔ اس قلیل مدت میں اُس نے بنگالہ کو آباد کرنے اور ملک میں تمدن کو ترقی دینے میں بہت کوشش کی۔

بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت کی وجہ یہ بھی ہے کہ راجہ کے مسلمان ہو جانے سے رعایا پر بھی اثر پڑا اور کثرت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔

بنگال کا دار الحکومت ۱۸۴۶ء تک فیروز آباد (پانڈو) اس صوبہ کا دار الحکومت رہا۔ اس کے بعد پھر لکھنؤ دار الخلافہ ہو گیا۔ جسے اس سے قبل گورنر کہتے تھے۔ اس کے بعد یہ فخر طائرہ کو حاصل ہوا۔ بعض گورنران بنگال نے بہار، چٹگام اور اڑیسہ پر بھی اپنا قبضہ کر لیا تھا۔

گورنران بنگال کی خود مختاری جب شاہانِ دہلی کمزور ہو گئے تو گورنران بنگال خود مختار ہو گئے اور کئی خاندان ایسے ہوئے جنہوں نے شاہانہ اختیارات حاصل کر لئے جسکی تفصیل پہلے آچکی ہے۔

گورنران بنگال

۱۔ محمد سختار خاں خلجی

۱۷ ریاض السلاطین، کلکتہ ص ۱۱۷ و تاریخ فرشتہ جلد چہارم حیدر آباد۔

- ۲۔ عزیز الدین محمد شیر خاں
 ۳۔ علاء الدین مردان
 ۴۔ غیاث الدین غوث
 ۵۔ ناصر الدین محمود
 ۶۔ سیف الدین ایبک
 ۷۔ علاء الدین جانی
 ۸۔ عزیز الدین طغرل طرغاخان
 ۹۔ قمر الدین تمرخاں قراں
 ۱۰۔ اختیار الدین (مغیث الدین) یوزبک
 ۱۱۔ جلال الدین مسعود ملک جانی
 ۱۲۔ عز الدین بلبن
 ۱۳۔ شیر خاں
 ۱۴۔ مغیث الدین طغرل
 ۱۵۔ امین خاں
 ۱۶۔ ناصر الدین بغراخان
 ۱۷۔ رکن الدین کیاکوس
 ۱۸۔ شمس الدین فیروز خاں
 ۱۹۔ شہاب الدین بغراخان (مغربی بنگال)
 ۲۰۔ غیاث الدین بہادر شاہ (مشرقی بنگال)
 ۲۱۔ ایبک (تمام بنگال)
 ۲۲۔ ناصر الدین
 ۲۳۔ بہادر شاہ و بہرام
 ۲۴۔ بہرام شاہ
 ۲۵۔ قدر خاں
 ۲۶۔ عزیز الدین اعظم الملک (ساتا گاؤں)

شاہانِ بنگال

فخر الدین مبارک شاہ $\frac{۷۴۹}{۱۳۳۸}$ (مشرقی بنگال)
 اختیار الدین غازی خاں $\frac{۷۵۲}{۱۳۴۱}$ - $\frac{۷۵۳}{۱۳۵۴}$ (مشرقی بنگال)
 علاء الدین شاہ $\frac{۷۶۰}{۱۳۶۹}$ - $\frac{۷۶۶}{۱۳۷۵}$ (مغربی بنگال)

خاندانِ الیاس

شمس الدین الیاس شاہ $\frac{۷۶۰}{۱۳۶۹}$ - $\frac{۷۶۶}{۱۳۷۵}$ (مغربی بنگال)
 میں معروف پیکار رہا۔

۱۳۷۵ء میں بنگال پر $\frac{۷۶۶}{۱۳۷۵}$ سے $\frac{۷۶۶}{۱۳۷۵}$ تک قابض مغلوں کا اثر بنگال میں رہا لیکن جب $\frac{۷۶۶}{۱۳۷۵}$ میں شیر شاہ نے مغلوں کو شکست دی تو پھر یہاں خود مختار حکومتیں قائم ہو گئیں اور یہ حالت اُس وقت تک قائم رہی جب تک $\frac{۷۸۲}{۱۳۹۱}$ میں بہار کو اکبر نے فتح نہیں کر لیا اور $\frac{۷۸۲}{۱۳۹۱}$ میں مغلوں کا اثر بنگال میں عام نہیں ہو گیا۔

شمس الدین الیاس شاہ $\frac{۷۶۶}{۱۳۷۵}$ (مغربی بنگال)
 ایضاً $\frac{۷۵۲}{۱۳۵۴}$ - $\frac{۷۵۹}{۱۳۵۸}$ (تمام بنگال)

سکندر شاہ بن الیاس $\frac{۷۵۹}{۱۳۵۸}$ - $\frac{۷۹۲}{۱۳۸۹}$

غیاث الدین اعظم شاہ بن سکندر شاہ $\frac{۷۹۲}{۱۳۸۹}$ میں سکونت پر قابض ہو گیا۔

سلیف الدین حمزہ شاہ بن اعظم شاہ $\frac{۷۹۹}{۱۳۹۶}$

شمس الدین حمزہ $\frac{۸۰۹}{۱۴۰۶}$

خاندانِ راجہ کنس

شہاب الدین بایزید شاہ (راجہ کنس) $\frac{۸۱۲}{۱۴۰۹}$

جلال الدین محمد شاہ بن راجہ کنس	۸۱۶ھ ۱۴۱۴ء
شمس الدین احمد شاہ بن محمد	۸۲۵ھ ۱۴۲۱ء
سیف الدین فیروز شاہ اول	۸۹۲ھ ۱۴۸۶ء
ناصر الدین محمود شاہ ثانی بن فتح شاہ (خاندان الیاس)	۸۹۵ھ ۱۴۸۹ء
شمس الدین ابوالنسر مظفر شاہ	۸۹۶ھ ۱۴۹۰ء

خاندان حسین شاہ

علماء الدین حسین

۸۹۹ھ
۱۴۹۳ء

کشمیر ۱۵۰۰ھ میں کشمیر کا راجہ سینھ دیو تھا جو پشت در پشت کشمیر پر حکومت کرتا آتا تھا۔ اس کے عہد میں ایک شخص شاہ میزنای فقیروں کے لباس میں وارد کشمیر ہوا جس کا باپ طاہر نو مسلم تھا۔ وہ اپنا حسب نامہ راجن تک ملاتا تھا جو مہابھارت کا مشہور ہیرو ہے۔ شاہ میر نے راجہ کی ملازمت کر لی۔ راجہ کے مرنے پر اُس کا لڑکا "راجن" راجہ ہوا۔ اس نے شاہ میر کو وزیر بنالیا۔ پھر راجن کے مرنے پر راجہ اودن جو اُس کا لڑکا تھا قندھار سے آکر کشمیر پر قابض ہو گیا۔ ۱۵۰۰ھ میں وہ بھی چل بسا۔

اس عرصہ میں وزیر اور اُس کا خاندان طاقت ور ہو گیا تھا۔ رانی نے چاہا کہ حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے۔ اس لئے وزیر سے اختیارات واپس لینے کے لئے اس کو جنگ کرنی پڑی۔ لیکن وہ شکست کھا کر قید ہو گئی اور اس نو مسلم وزیر نے اُس سے شادی کر لی اور وہ شمس الدین کے نام سے کشمیر کا بادشاہ ہو گیا۔ محمد اعظم نے واقعات کشمیر میں جو ۱۵۰۰ھ میں لکھی گئی ہے ایک اور روایت بیان کی ہے کہ کشمیر کا ہندو راجہ "راجو" دین حق کا جو یا تھا۔ اُس نے ایک مرتبہ ایک مسلمان بزرگ میل شاہ کو دست بدعا اور سر بسجود دیکھا اور اُن کا عقیدت مند ہو کر مع اہل و عیال اور امراء و وزراء کے مسلمان ہو گیا۔ یہ واقعہ ۱۵۰۰ھ میں پیش آیا۔ اُس نے

مسلمان ہو کر اپنا لقب صدر الدین اختیار کیا۔ اس کے خاندان میں کئی بادشاہ وارث تخت ہوئے۔ ۸۲۶ھ میں علی کے انتقال کرنے پر شاہی خان نے سلطان زین العابدین کے نام سے اپنے سر پر تاج شاہی رکھا۔ کیشمیر کا سب سے ہر دل عزیز بادشاہ ہوا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اُس نے نو مسلموں کو جو زبردستی مسلمان بنائے گئے تھے اجازت دے دی کہ جو چاہے اپنے پرانے مذہب میں واپس آ سکتا ہے۔ چنانچہ بعضوں نے اس اجازت سے فائدہ اٹھایا اور اکثر نئے دین پر قائم رہے، اس کے قوانین، اس کا تدبیر، اس کی سیاست اس عہد کے لئے ایک نمونہ تھی۔ علم و فن اور صنعت و حرفت کو اس نے بڑی ترقی دی۔ بہت سے نئے گاؤں اور شہر آباد کئے۔ بہت سی نئی عمارتیں بنائیں۔ اس کے انصاف کے سبب رعایا امن سے سوتی تھی۔

کشمیر پر ان نو مسلم خود مختار بادشاہوں نے دو سو برس سے زیادہ حکومت کی۔ اس عرصہ میں انہوں نے ملک کو ترقی دینے میں جو کوشش کی تاریخ زبان حال سے اُس کو آج تک دہرا رہا ہے۔ انہوں نے زراعت کے لئے زمینداروں کے ساتھ جو رعایت کی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چپہ بھر بھی زمین خالی نہ رہی اور کاشتکار خوشحال ہو گئے۔ باغوں پر بھی انہوں نے کافی توجہ دی اور بکثرت باغ لگائے۔ عمارتیں کافی تیار کرائیں۔ ڈل پر جو عمارت تیار کی گئی وہ عجائبات میں شمار ہونے کے قابل ہے۔ قوانین بھی اچھے اچھے جاری کئے۔ دوسرے ملکوں کے سفیر بھی آتے رہتے تھے۔ مثلاً سمرقند، خراسان، مکہ معظمہ، مصر اور گیلان کے علاوہ ہندوستان کے بادشاہوں سے بھی مراسم دوستانہ تھے۔

سلاطین کشمیر

شاہ حسین

شمس الدین

لے تاریخ فرشتہ و طبقات اسلام جلد سوم -

شاہ جمشید	محمد شاہ
علاء الدین	فتح شاہ
شہاب الدین	ابراہیم شاہ
قطب الدین	ناذک شاہ
سکندر	شمس الدین محمد شاہ
علی شاہ	اسماعیل شاہ
سلطان زین العابدین	حبیب شاہ
شاہ حیدر حاجی خاں	حسین شاہ
یوسف شاہ	علی شاہ
غازی شاہ	حکومت مغلیہ ۹۹ھ تا ۹۸۰ھ

گجرات

نومسلم سلاطین کے سب سے نامور خاندان نے گجرات پر حکمرانی کی ہے ان کا نام آل مظفر تھا۔ اُن کی تاریخ یہ ہے کہ ۷۶۱ھ میں فیروز شاہ تغلق گجرات میں شکاہ کھیل رہا تھا کہ اچانک اپنے لشکر سے جدا ہو کر رات کے وقت تھنیر ضلع ٹھاسرہ پہنچا۔ وہاں کے پٹیل سہارن نامی نے شب باشی کا انتظام کیا۔ بادشاہ صبح کو حسن خدمت کے عوض میں سہارن اور اس کے بھائی سادھو دونوں کو ساتھ لے کر جب دہلی پہنچا تو سہارن کو آبداری کے عہدہ پر ممتا نہ کیا۔

فیروز شاہ کے بعد محمد شاہ نے ۷۹۳ھ میں سہارن کے لڑکے ظفر خاں کو گجرات کا ناظم بنا کر بھیجا۔ اُس نے بد امنی کو دور کر کے چند سال میں اپنی حکومت مضبوط کر لی۔ ۸۰۶ھ میں اس کے لڑکے محمد شاہ تانہ خاں نے دہلی فتح کرنا چاہا لیکن راستہ ہی میں مر گیا۔ ۸۱۷ھ میں ظفر خاں نے مظفر شاہ لقب سے گجرات کا خود مختار بادشاہ بن کر دہلی سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ ۸۱۳ھ میں اُس کے مرنے پر

احمد شاہ اس کا پوتا بادشاہ ہوا۔ اس نے پٹن کو چھوڑ کر احمد آباد کی بنیاد رکھی اور اسی کو پایہ تخت بنایا۔ قلعہ اور محلات کے علاوہ ایک عظیم الشان جامع مسجد تیار کی جو آج تک موجود ہے۔ ۱۵۰۰ء میں اس کا لڑکا محمد شاہ ثانی تخت نشین ہوا۔ یہ بڑا فیاض تھا اسی لئے اس کو ”نہ بخش“ کہتے تھے۔ اسی نے احمد شاہ اور شیخ احمد کھٹو کے مقبرے تیار کرائے۔ گجرات میں ایک ہی خاندان کی حکومت پونے دو برس رہی۔ اس عرصہ میں گجرات نے ہر صورت سے ترقی کی۔ اُن کا پایہ تخت احمد آباد اور جاپانیر رہا۔ ان بادشاہوں نے بہت سے گاؤں اور شہر بسائے۔ سلطان پور، احمد نگر، محمود آباد، مظفر آباد (کیتانیہ) دولت آباد (بڑودہ) اس زمانہ میں آباد ہوئے۔ احمد آباد میں پتھر کی عمارتیں بکثرت بنائی گئیں۔ خاص کر بعض مسجدیں اس کا رنگیری سے تیار ہوئیں کہ اُس کے ایک مینار کو ہلانے سے دوسرا مینار بھی ہلنے لگتا ہے۔ میں نے اس مینار کو خود دیکھا ہے۔ اسی طرح کھجور یا مسجد بھی عجائبات میں شمار کی جاتی ہے۔ مقبرے، مدرسے، حمام اور ہرائیں کثرت سے بنیں جن کے آثار آج بھی موجود ہیں۔

سلاطین گجرات عالموں اور صوفیوں کی بڑی قدر کرتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ دوسرے ملکوں سے بڑے محدثین اور فقہاء، مشائخ اور علماء باکمال گجرات میں آکر آباد ہو گئے اور تمام عمر توسیع علوم و فنون میں رہ کر اسی جگہ پیوندِ خاک ہوئے محمود اول کے زمانے میں قاضی اور محتسب بر ملا بادشاہ کو ٹوکتے اور اُن کا احتساب کرتے۔ مظفر عظیم مدعی کے ساتھ عدالت میں کھڑا ہوتا۔

مولانا دکن الدین شکر گنج، شیخ کھٹوی، قطب عالم شاہ عالم ماہ عالم، شمع بربانی جیسے مشائخ کبار اسی زمانہ میں تھے۔ علامہ محمد طاہر پٹنی، شاہ وجیہ الدین گجراتی، عماد الدین طاری اس زمانہ کے بہترین علماء میں سے تھے۔

اس عہد میں بے شمار کتابیں ہر علم و فن کی تصنیف اور ترجمہ کی گئیں۔ زراعت کے لئے بڑی تعداد میں تالاب کھدوائے گئے جن میں سے اکثر اب بھی موجود ہیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مظفر شاہ ثانی کے عہد میں کوئی جگہ خالی پڑی نہیں ملتی تھی۔ آم

اور کھرنی کے کئی لاکھ درخت لگائے۔ درختوں کی کثرت سے احمد آباد کا شہر باغ ہی باغ نظر آتا تھا۔ احمد آباد کے پاس جو کئی میل کا باغ لگایا تھا اُس کا نام ”باغ فردوس“ رکھا۔ ایرانی طرز کی چمن بندی گجرات میں بہت عام ہو گئی تھی۔ عام طور پر بادشاہ سخی ہوتے تھے۔ اُن کی سخاوت سے خاص کر قحط کے زمانہ میں بڑا فائدہ ہوتا تھا۔ اکثر سلاطین گجرات کو عدل و انصاف کا بڑا خیال رہتا تھا۔ ضرورت کے وقت بادشاہ خود بھی تحقیقات کرتا۔ غیر ممالک سے اُن کے تعلقات خوشگوار رہے۔ جونپور، دہلی، بنگالہ، کشمیر، ایران، روم، مہر اور یورپ کے سفیر تحفے لے کر اُن کے دربار میں حاضر ہوتے۔

مہر میں جب تک عباسی خلافت قائم رہی سفیر کئی بار آئے اور گئے۔ آصف خاں افضل خاں، عماد الملک، ملک شعبان، خداوند خاں جیسے لائق وزیر اسی زمانہ میں تھے۔ فوجی قابلیت یہاں کی خاص قوتوں میں فطری تھی۔ اسی سبب سے یہاں کی فوجی طاقت ہمہ سایہ سلطنتوں سے زیادہ رہی۔ ہندوؤں کو فوجی اور ملکی عہدے ملتے تھے۔ احمد شاہ اول کے دور میں نائب وزیر محمد شاہ ثانی کے عہد میں وزیر مال محمود اول کے زمانے میں رائے رایان امیر، بہادر شاہ کی فوج میں سپہ سالار اور قلعہ دار ہندو تھے۔ دکن کے بعد توپ کا استعمال بھی سب سے پہلے گجرات ہی میں ہوا۔ فوجی بھرتی کا قاعدہ موروثی تھا۔ ابتداء میں تنخواہ نقد ملتی تھی لیکن احمد شاہ نے نصف نقد اور نصف جاگیر (زمین) مقرر کی۔

مظفر دوم کے عہد میں زراعت کو اس قدر ترقی ہو گئی تھی کہ جانوروں کا چرنا بھی مشکل ہو گیا۔ ناچار گاؤں میں چرائی کے لئے چراگاہیں الگ بنانی پڑیں۔ بحری تجارت کو اس قدر ترقی ہو گئی تھی کہ ۸۴ بندرگاہیں گجرات کے ماتحت تھیں۔ یہاں ہریم میں ملکی اور غیر ملکی جہاز کھڑے رہتے تھے۔ ایران، عراق، یمن، حبش، عرب اور مصر کے تاجر موجود تھے۔ بہادر شاہ کے عہد میں گجرات کا بحری بیڑہ اس قدر مضبوط تھا کہ اس وقت ہندوستان میں کسی کے پاس نہ تھا۔

لہ درجۃ سکندری بیہی۔ تاریخ فرشتہ جلد چہارم۔ حیدر آباد و طبقات اکبری سوم کلکتہ)

شہابان گجرات

۹۳۲ھ	ناصر خان محمود دوم	۸۹۹ھ	ظفر خان مظفر شاہ اول
۹۳۲ھ	بہادر شاہ	۸۱۴ھ	احمد شاہ اول
۹۴۳ھ	میران محمد شاہ فاروقی	۸۱۶ھ	محمد شاہ
۹۴۴ھ	محمود شاہ سوم	۸۵۵ھ	قطب الدین
۹۶۱ھ	احمد شاہ دوم	۸۶۳ھ	داؤد شاہ
۹۶۹ھ	جلیب مظفر شاہ سوم	۸۶۳ھ	محمد شاہ اول بیکہ
۹۸۰ھ	سلاطین مغلیہ	۹۱۷ھ	مظفر شاہ دوم
		۹۳۲ھ	سکندر شاہ

دکن کے بہمنی | دکن کی سب سے بڑی اور پہلی سلطنت کا نام بہمنیہ ہے۔ بہمنیہ کیوں کہلاتے ہیں؟ مؤرخوں نے اس کی کوئی معقول توجیہ اب تک پیش نہیں کی۔ بہمنی سلاطین کے درباری مؤرخوں نے اس بات میں اس خصوصیت کا اظہار کیا ہے جو عجمی مؤرخوں کا خاصہ ہے۔ یعنی اپنے مہر و حوں کو اعلیٰ نسب اور پُرانے ایرانی سلاطین کی نسل ظاہر کر کے اُن کے لئے سلطنت کا پیدا نشی حق ثابت کرنا۔ انہوں نے لفظ بہمن کے شاعرانہ ضلع جگت اور مناسبات کی بناء پر ان کو بہمن بن اسفندیار کی نسل بتلا کر کلاہ کیا فی اُن کے سروں پر رکھا اور کبھی جام جم سے اُن کی محفلوں کو سجا یا ہے۔ یہ اس قسم کی لفظی غلطی ہے جیسے سندھ اور کچھ کے جام لقب کے راجاؤں کو عبید ایران سے نسبت دینے کی گئی ہے۔ علامہ سید سلمان ندویؒ نے جو تحقیق کی ہے اور سلاطین بہمنیہ کی اصلیت کی تلاش کی کوشش کی اس کا خلاصہ پیش ہے۔

”سلطنت بہمنیہ کے بانی کا نام قبل از سلطنت اُس کے ہم عصر دہلوی مؤرخین سراج عقیق اور ضیاء برنی نے ہر جگہ حسن کا نلو لکھا ہے (ملاحظہ ہو فیروز شاہی

بہ سیرت فریدوں وہمیں ہنسنا م
میرنی تحقیق میں حسن کا دوسرا نام بہن کبھی نہ تھا بلکہ وہ یہ لقب ہے جس کو سلطنت
کے بعد اُس نے اختیار کیا تھا۔ حالانکہ اس قسم کے فادسی ناموں کا رواج اس زمانہ
میں بھی تھا جیسا کہ خود حسن کے داماد کا نام بہرام خاں تھا مگر صحیح یہی ہے کہ یہ لقب
اُس نے سلطنت کے بعد اختیار کیا ہے اور اس کی صحیح صورت وہی ہے جو اُس کے
کتبوں اور سکوں پر ہے۔ اُس کے سکوں اور کتبوں پر یہ خطابات کندہ ملے ہیں جیسا
کہ یاغ عامر حیدر آباد کن کے عجائب خانہ میں ایک پتھر بھی نظر آتا ہے :-
» سکندر ثانی بہمن الخلفاء ناصر امیر المؤمنین السلطان الاعظم علاء الدین
والدین ابوالمظفر بہمن شاہ السلطان حسن «

اس کا اصلی نام ہونا یقینی ہے جس کی نسبت سے محلہ کہ کا حسن آباد نام رکھا گیا ہے
گانگو یا گانگو اس کے نام کا دوسرا جزو بھی اس کے ہم عصر مؤرخین کے بیان سے
ثابت ہے اور بہمن نہیں بلکہ بہمن شاہ کی صورت میں اس کا یہ لقب سکوں اور کتبوں
میں موجود ہے اس لئے اس کا پورا لقب ”حسن گانگو بہمن شاہ“ تھا جیسا کہ فرشتہ نے
بینوں کو یکجا کر کے لکھا ہے۔ ان میں سے گانگو اسلامی نام نہیں۔ پھر حسن کے ساتھ گانگو کا
جوڑ کیا ہے؟ فرشتہ کا بیان ہے کہ گانگو پنڈت اصل میں ایک کھنی برہمن کا نام تھا۔ یہ
پہلا برہمن ہے جس نے کسی مسلمان کی نوکری اختیار کی۔ یہ علم نجوم اور جوتش میں ماہر تھا۔
اس نے دکن سے دلی آکر شہزادہ محمد تغلق کی نوکری اختیار کی اور جاہ و منصب پیدا کیا
اُسی زمانہ میں حسن نام ایک غریب و بد حال شخص دلی آکر گنگو برہمن کے پاس پہنچا۔
برہمن نے اُسے ہل بیل دے کر دلی کے پاس کسی کھیت کے جوتے پر نوکر رکھ لیا۔
حسن نے کھیت میں ہل چلایا تو ہل کسی بھاری چیز سے ٹکرایا۔ اُس نے اس کو نکالا تو
ایک بڑا خزانہ پایا۔ حسن نے یہ پورا خزانہ جوں کا توں گنگو برہمن کے سامنے لا کر

پیش کر دیا۔ برہمن کو اس کی دیانت داری اور ایمان داری پر بہت تعجب ہوا اور اس کا ذکر اس نے شہزادہ محمد تغلق سے کیا۔ شہزادہ نے اس کی تعریف بادشاہ وقت غیاث الدین تغلق سے کی۔ غیاث نے خوش ہو کر اس کو اپنے امیرانِ مدہ میں شامل کر لیا۔ گانگو برہمن کو حسن کے زائچہ سے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ یہ ایک دن بادشاہ ہو گا۔ چنانچہ اُس نے حسن سے یہ شرط منظور کرائی کہ جب اللہ تم کو سلطنت دے تو میرا نام اپنے نام کا جزو بنانا اور سرکاری دفاتر کا سارا اہتمام مجھ کو اور میری اولاد کو نسلًا بعد نسل سپرد کرنا۔ حسن نے دونوں شرطیں قبول کیں۔ چنانچہ اسی وقت سے اُس نے اپنا نام حریگنگو بہمنی قرار دیا اور سلطنت کے بعد اپنے تمام سرکاری دفاتر کا کام گنگو برہمن کے سپرد کر دیا۔

اب اس کے بہمن نام کی توجیہ سنئے۔ اس کے مداح مؤرخوں نے اس بہمن کو بہمن بن اسفندیار سے ملایا ہے۔ جیسا کہ تحفۃ السلاطین یا فتوح السلاطین، مراجع التواریخ اور بہمن نامہ میں مذکور ہے۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ مجھے خود بھی بہمن سلاطین کے حسب نسب کی بڑی تلاش تھی۔ اتفاقاً احمد نگر کے کتب خانہ میں ایک قلمی رسالہ اس بحث پر ملا۔ جس میں بہمن سلاطین کا پورا نسب نامہ درج تھا جو حسب ذیل ہے :-

حسن بن کیکاؤس بن محمد بن علی بن حسن بن سیام بن سیمون بن سلام بن ابراہیم بن شیلور بن فرخ بن شہریار بن عاد بن سپید بن ملک داؤد بن ہوشنگ بن نیک کرداد بن فیروز بخت بن نوح بن صانع اور صانع چند واسطوں سے بہرام گور کی اولاد تھا اور بہرام گور ساسان کی نسل سے تھا اور ساسان بہمن بن اسفندیار کی نسل سے تھا۔

یہ نسب جیسا کہ اس کی ترتیب سے ظاہر ہے مراثر جعلی ہے۔ یہ نہ عربی نہ فارسی نہ ترکی ہے بلکہ بے جوڑ ناموں کا انمیل سلسلہ ہے۔ خود فرشتہ بھی اس کی محنت کا قائل نہیں اور اس نے اپنے اسی نظریہ کو جو گنگو برہمن کی حکایت پر مبنی ہے ترجیح دی ہے۔

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ حسن کی قومیت اور قبیلہ کے باب میں تمام مؤرخین خاموش ہیں۔ لیکن فرشتہ کے قلم سے ایک جگہ ایک فقرہ نکل گیا ہے جو یہ ہے :-

”علی شاہ خواہر زادہ منظر خاں علاقے کے اندامیران صدمہ بود و اند دولت آباد جہت تحصیل مال سلطانی بنگلہ گہ رفتہ بود چوں اُس حدود اندعمال خالی دید برادران خود دیکھ کے اندانہا حسن گانگوی بودیکجا جمع کردہ“
(صفحہ ۱۲۸/۱ انولکشور)

اس فقرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظفر خاں جو سلطان علاء الدین خلجی کا مشہور سپاہی تھا اس کا بھائی علی شاہ تھا اور اُس کے بھائیوں میں سے حسن گانگو تھا۔
۱۔ لیکن اس فقرہ میں کسی غلطی کا واقع ہونا مجھے نظر آتا ہے۔ اگر فرشتہ کو واقعہ اس کے اس خاندان کا علم تھا تو اُس کے نسب کی تحقیق کے موقع پر اس کا ذکر کیوں نہیں کیا۔

۲۔ اس کے نہ ماننے کا دوسرا سبب یہ ہے کہ اس کے بعد ہی یہ ہے کہ علی شاہ مع برادران قید ہو کر سزائے قتل کو پہنچے۔

اب اگر حسن اُس کے بھائیوں میں سے ہوتا تو وہ بھی قتل ہو چکا ہوتا۔ فرشتہ کا یہ بیان اس وقت اور بھی مشتبہ ہو جاتا ہے جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ کے اس بیان کا ماخذ برنی کی فیروز شاہی ہے۔ لیکن اس واقعہ کے ذکر میں یہ فقرہ کہ حسن گانگو علی شاہ کا بھائی تھا اس میں مطلقاً موجود نہیں۔ عبارت یہ ہے :-

رفتہ علی شاہ کہ خواہر زادہ ظفر خاں علاقے کے امیر صدمہ قلعہ خاں بود ظاہر شد۔ علی شاہ مذکور از دیوگیر بہ تحصیل گلبرگہ رفتہ بود۔ اُس طرف را از سوارہ و پیادہ و مقطعان و والیان خالی دید۔ برادران خود را با خود یاد کردہ سلطان علی شاہ باغی غدار را با برادر اُس دست راست دادہ از حصار فرود آوردہ سلطان محمد علی شہر برادران اورادرغزمین فرستاد و ایشان از آبخا باند آمدند و ہر دو برادر را در پیش و انخول سیاست نمودہ“ (ص ۱۶۹)

مجھے خیال ہوا فرشتہ کی عبارت میں کچھ کتابت کی غلطی ہے ”برادران خود را“ کی جگہ

سروران خود را ہوگا۔ اس غرض کے لئے میں نے فرشتہ مطبوعہ بمبئی کا قدیم نسخہ اور کتب خانہ ندوۃ العلماء میں ایک قلمی نسخہ دیکھا سب میں برادران ہی لکھا پایا۔ اس تفصیل سے ظاہر ہوگا کہ حسن کے ساتھ گانگو نام اور بہمن شاہ لقب کی کوئی صحیح (توضیح) توجیہ تک اب تک میری رسائی نہیں ہوئی ہے۔

بہمن شاہ لقب اور دکن کے برہمنوں کے ساتھ اتحاد سے یہ خیال ہوتا ہے کہ اُس نے کسی طور سے نہیں تو سیاسی طور سے دکنی برہمنوں کو منور اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور یہی اس کی کامیابی کا راز تھا اور اسی کی علامت کے طور پر اُن کے خوش کرنے کے لئے اس نے اپنا خطاب بہمن شاہ یعنی برہمنوں کا بادشاہ مقرر کیا تھا جیسا کہ اس کے کتبوں اور سکوں میں کندہ ملتا ہے۔

لفظ بہمن وہی مشہور لفظ برہمن ہے، شمالی ہند میں اس کا تلفظ ہمہ بن برہمن ہے اور اس کی جمع براہمہ اور دکن میں اس کا عام لفظ بہمن ہے اور اس کی جمع بہامنہ بولی جاتی ہے۔ چنانچہ فرشتہ میں لفظ کی یہ دونوں شکلیں ایک ساتھ ملتی ہیں۔

”اول کہے کہ از فرقہ براہمہ در دور اسلام نوکری قبول کرد۔ گانگو پڈت بود

تاحال کہ ۱۶۷۸ء است بخلاف ساثر ممالک ہند خصوصاً دفتر بادشاہان

دکن ونوسیندگی ولایات ایشاں بہ بہامنہ مرجوع است“

(صفحہ ۲۷۸ نوکلشور)

اس عبارت میں شمالی ہند کے تعلق سے براہمہ کہا گیا ہے اور جنوبی ہند کے تعلق سے

بہامنہ۔ بہمن شاہ یعنی برہمن شاہ ویسی ہی ترکیب ہے جیسے کابل شاہ ہندو شاہ، شیروان شاہ، خوارزم شاہ جو مشہور بادشاہوں کے خاندانی نام ہیں۔ یہ تو بہمن شاہ کی ایک لگی ہوئی توجیہ ہے مگر گانگو نام کی توجیہ کا جو شروع ہی میں اس کے نام کا جز ہے جیسا کہ سراج عقیق اور ضیاء برنی کے حوالوں سے ثابت ہے ابھی تک حل نہ لکل سکا۔

بہر حال بہمن شاہیہ اگر نسل سے ہندو نہ ہوں تاہم انہوں نے وجے نگر کے ہندو لاجاؤں کی بیٹیوں کو قبول کیا تھا مگر اُن سے نسل کا چلنا ثابت نہیں ہوتا۔ بہمنیہ سلطنت

کے ختم ہونے پر اس کی خاک سے پانچ چھوٹی بڑی سلطنتیں پیدا ہوئیں جن میں تین نظام شاہی، عماد شاہی اور برید شاہی ہیں۔

سلاطین ہمنیہ

۸۳۸	علاء الدین احمد شاہ دوم	۷۲۸	حسن گانگو علاء الدین ظفر خاں
۸۶۲	عبدالدین ہمایوں شاہ	۷۵۹	محمد شاہ اول
۸۶۵	نظام شاہ	۷۷۶	مجاہد شاہ
۸۸۷	محمد شاہ دوم	۷۸۰	داؤد شاہ
۹۲۴	احمد شاہ سوم	۷۸۰	محمود شاہ اول
۹۲۷	علاء الدین شاہ	۷۹۹	غیاث الدین
۹۲۹	ولی اللہ شاہ	۷۹۹	شمس الدین
۹۳۲	حکم اللہ شاہ	۸۰۰	تاج الدین فیروز شاہ
۹۳۳	خاندان دکن	۸۲۵	احمد شاہ اول

نظام شاہی | نظام شاہی سلطنت کا بانی نظام الملک بحری تھا۔ خالص دکنی ہندو نسل سے تھا۔ فرشتہ کا بیان ہے کہ اس کا ہندو نام تیماجٹ اور باپ کا نام بھرو تھا۔ اس کا اسلامی نام حسن رکھا گیا اور بعد کو بھرو بحری بنایا گیا اور حسن بحری کے نام سے مشہور ہوا۔ (فرشتہ ۲ ص ۱۸) و طبقات اکبری ۳ ص ۶) فرشتہ کا بیان ہے :-

رد انہما منہ معتبر دولت خانہ نظام شاہیہ شنیدم کہ پیش از سلطنت نظام شاہ بحری بہ چندین سال اجداد نظام شاہیہ از براہمیہ پرگنہ پاتری در قدیم الایام تعلق بابا و اجداد داشتہ بودند بہ تقریب تغیر مکان کردہ بولایت بیجا نگر رفتہ بودند در آن حدود بسری بردند۔“ اسی تعلق کی بناء پر برہان نظام شاہ نے اس پرگنہ پر قبضہ کر کے اپنے خاص گاؤں

کو اپنے ہندو برہمن عزیزوں کے سپرد کر دیا تھا۔ فرشتہ کی شہادت ہے :-
 ”برہان نظام شاہ آں پر گنہ را بقبض خویش در آورده موضع مورش
 بہ بھامنہ خویش و قرابت خود کہ رئیس کفرہ بودند بطریق انعام
 عنایت فرمودہ“

اس سے معلوم ہوا کہ اس کا اصل وطن موضع پاتری تھا جہاں اس کا خاندان
 آباد تھا۔

یہ بیجا نگر کے ایک برہمن کالڑ کا تھا۔ سلطان احمد شاہ بہمن نے اس کو دہلی
 دانشمند اور حساب کتاب میں ماہر پایا اس لئے اس کو بھی شہزادوں کے ساتھ مکتب
 میں بٹھادیا اور فارسی کی تعلیم دلوائی پہلے وہ مشیر شکار کے عہدہ پر فائز ہوا۔ پھر
 نائب وزیر بنایا گیا۔ سلطان محمود بہمنی کے عہد میں خواجہ جہان محمود گادوان کے
 مرنے کے بعد وزیر کل ہوا۔ اس کالڑ کا احمد باپ کی جاگیر کا انتظام کرتا تھا۔
 نظام الملک کے مرنے پر اُس نے سلطنت کو اس خوبی سے چلایا کہ اس کی کوئی کل
 ڈھیلی نہ رہتے دی۔

محمود بہمنی کے وزیر کو شکست دے کر ۹۱۵ھ میں ایک باغ اس فتح کی یادگار
 میں لگایا اور اپنا نام نظام شاہ رکھا۔ ۹۲۰ھ میں دولت آباد کے مقابل ایک نیا
 شہر احمد نگر کے نام سے بسا کر اُس کو بنایا۔ اس سے قبل جنیر اُن کی راجدہانی تھی۔
 چند ہی سال میں یہ شہر بڑا آباد اور باد و نوب بن گیا۔ باغ نظام کو قلعہ بناتیا کر لایا
 اور مختلف محلوں کو رنگین کا پچ کے ذریعے دلکش تصویروں سے آراستہ کر لیا۔ دولت آباد
 فتح کر کے کالہ اور بکالہ کو مطیع کیا۔ ۹۱۴ھ میں اس نے وفات پائی۔

اس کالڑ کا برہان نظام شاہ کم سن تھا اس لئے سارے اختیارات پر اُس کے
 وزیر کل خاں کا قبضہ ہو گیا۔ ۹۲۲ھ میں اس نے پاتری کو جو اُس کے باپ دادوں
 کا اصلی وطن تھا فتح کر لیا۔ ۹۲۸ھ میں ایک شیعہ بزرگ شاہ طاہر کے اثر سے
 اُس نے شیعہ مذہب اختیار کیا اور اسی کو سرکاری مذہب قرار دیا گیا۔ ۹۳۵ھ میں

بہادر شاہ گجراتی سے جنگ میں شکست کھا کر خراج دینے کی شرط پر صلح کر لی۔ اس طرف سے مغلین ہو کر اُس کے وزیر کنور سین نے مرہٹوں سے لڑ کر ۳۲ قلعے چھین لئے۔ ۹۶۱ء میں سلطان دنیا سے کوچ کر گیا۔

حسین شاہ نے تخت نشین ہو کر پہلے تو خانہ جنگی کا خاتمہ کیا۔ پھر پرتگیزیوں کو اپنا مطیع بنایا۔ ۹۷۲ء میں نظام شاہ کی بیٹی چاند بی بی سے عادل شاہ (بیجا پور) کا نکاح ہوا۔ ۹۷۲ء میں دکنی فوجوں کے ساتھ نالی کوٹ کی جنگ میں شریک ہوا اور وجیانگرہ کا راجہ رام راج، "کا خاتمہ کہہ کے جیب واپس آیا تو خود بھی دنیا سے کوچ کر گیا۔ نظام شاہی سلطنت کی عمر صرف ڈیڑھ سو برس رہی۔ اُن کا پایہ تخت احمد نگر تھا۔ انہوں نے بڑے بڑے محل بنائے۔ ان میں شیش محل خاص شہرت رکھتا تھا۔

باغ بکثرت لگائے۔ باغوں کی کثرت کے باعث ملک بہشت کا نمونہ معلوم ہوتا تھا۔ صلابت خاں اور خواجہ جہان دکنی جیسے وزیر اسی زمانہ میں تھے اُن کا علمی دربار بھی بڑا بادوق تھا۔ ملا پیر محمد طاہر شاہ، ملا ظہوری، ملک قمری جیسے اہل علم اور شاعر اسی دربار سے تعلق رکھتے تھے۔ دعایا کا مذہب سنی مہدوی تھا اور حکمران شیعہ تھے۔

غیر ملکیوں سے بھی اُن کے تعلقات اچھے تھے اور ایک دوسرے کے سفیر اچھے تحفوں کے ساتھ آمد و رفت رکھتے تھے۔ ہمایوں بادشاہ ایران سے اسی عہد میں واپس آیا اور ملکی و غیر ملکی جھگڑے البتہ اکثر ہوتے جس نے سلطنت کو کمزور کر دیا۔

عورتیں بھی سیاست میں حصہ لیتی تھیں۔ دکن کی مشہور ملکہ چاند بی بی سلطانہ اسی خاندان سے تھی۔ اس کی فوجی طاقت بھی کسی سے کم نہ تھی۔ یہ سلاطین بڑے جنگجو تھے۔ عادل شاہی اور برادر کے ساتھ ہمیشہ جنگ کرتے رہتے۔

احمد شاہ نظام کو کشتی کا بڑا شوق تھا۔ یہی مذاق دعایا کا ہو گیا تھا اسی لئے یہاں بک بک (ڈوئل) کا بڑا رواج تھا۔ علماء تک اس سے محفوظ نہ تھے۔ آخر زمانہ میں ملک عنبر حبشی نے جنگ کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا جس کو جنگ کریر یا (قزاقانہ جنگ) کہتے ہیں یعنی گولہ بار۔ اُس فوج میں مرہٹے زیادہ تھے۔ اسی سبب سے

مرہٹوں کو اس لڑائی کی بڑی مہارت ہو گئی۔ سیوا جی کو تو یہ طریقہ اس قدر پسند آیا کہ عمر بھر اسی طریقہ پر لڑتا رہا۔ صلابت خاں کے وقت میں تجارت کو بھی اچھی ترقی ہوئی۔ مگر جنگ اور خانہ جنگی کے سبب زراعت و صنعت پر کافی توجہ نہ ہو سکی۔

عماد شاہی | دکن کی دوسری سلطنت جو بہمنیہ کے ایک گوشہ میں قائم ہوئی تھی عماد شاہی ہے۔ عماد شاہی سلطنت کا بانی فتح اللہ عماد الملک ہے۔ یہ بیجا نگر کے ہندو کا لڑکا تھا۔ بچپن میں گرفتار ہو کر سپہ سالار خان جہان کے غلاموں میں داخل ہوا۔ اُس کی وفات پر سلاطین بہمن شاہی کے غلاموں میں داخل کر لیا گیا۔ محمود بہمن شاہ کے عہد میں خواجہ محمود گاواں وزیر مملکت کی عنایت سے اس کو عماد الملک کا خطاب ملا اور برابر کا صوبہ دار مقرر ہوا۔ سن ۱۳۵۵ھ میں وہ خود مختار ہو گیا۔ اس کے مرنے پر اس کا لڑکا علاء الدین عماد شاہ تخت کا وارث ہوا۔ اُس نے اسماعیل عادل شاہ کی لڑکی سے شادی کر کے اپنی قوت کو ترقی دی۔

برہان نظام شاہ نے اُس کے دو قلعے دہائے تھے اُس کے لئے بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ شکست پا جانے پر خاندیس کے حاکم کے ذریعہ مدد کے لئے سلطان بہادر بھارتی کو بلا یا جس نے برابر اور نظام شاہ دونوں کو اپنا باج گزار بنالیا۔ اس کے مرنے پر اس کا لڑکا دریا عماد الملک حاکم ہوا۔ اُس نے اپنی لڑکی کی شادی حسین نظام شاہ سے کر دی۔ عرصہ تک حکومت کر کے دنیا ئے فانی کو خیر باد کہا اور اب اس کا چھوٹا کم عمر لڑکا برہان عماد شاہ مالک تخت ہوا۔ لیکن تفاؤل خاں دکنی نے برابر پر قبضہ کر کے اس سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور خود تفاؤل خاں کو مر تھنی شاہ نے شکست دے کر قتل کر دیا۔ برابر کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

اس سلطنت کا پایہ تخت کاویل تھا۔ یہ ایک چھوٹی سی ریاست تھی اور ہمیشہ لڑنے پھرنے کے سبب اس کو اس کا موقع نہیں ملا کہ امن و امان قائم کر کے ملک کو ترقی

لے مآثر نظام شاہی مطبوعہ دہلی، فرشتہ جلد چہارم حیدر آباد

دے۔ اس کی فوجی طاقت بھی معمولی تھی۔

سلاطین عمادشاہیہ

فتح اللہ عماد الملک ————— ۸۷۶

دریا عماد شاہ ————— ۹۳۷

تقاویٰ خاں ————— ۹۶۹

علاء الدین ————— ۹۱۶

برہان عماد شاہ ————— ۹۶۹

برید شاہی | بہمنیہ کی تباہی کے بعد برید شاہی خاندان دکن کی ایک چھوٹی سی سلطنت تھی جس کا پایہ تخت بیدرتھا۔ اس کا بانی قاسم برید المتوفی ۱۱۰۷ھ کو ترک تھا۔ مگر اُس نے اپنے لڑکے کی شادی جس کا نام امیر علی برید تھا، سا باجی ایک مرہٹہ سردار کی لڑکی سے کرادی تھی اور اسی تعلق سے چار سو مرہٹہ بہادروں نے اس کی نوکری کی اور سب رفتہ رفتہ مسلمان ہو گئے اور ان ہی کی فوجی طاقت سے اس سلطنت کی بنیاد مستحکم ہوئی۔

افسوس ہے کہ کسی مؤرخ نے اُس کا حال نہیں لکھا۔ فرشتہ نے اُن کے سات بادشاہوں میں سے صرف تین کا حال لکھا ہے اور معذرت کی ہے کہ ان کے حالات کسی کتاب سے معلوم نہیں ہوئے اور جو لکھا ہے وہ بھی بزرگوں کی زبانی سُن کر لیا۔

سلاطین بریدشاہیہ

برید الممالک قاسم برید ————— ۸۹۵

۱۔ فرشتہ جلد چہارم، حیدرآباد -

۲۔ تاریخ و سیاست مضمون علامہ شبیر سلیمان ندوی -

۹۴۹ ————— علی برید

۹۹۴ ————— قاسم برید دوم

۱۰۱۰ ————— امیر برید دوم

۹۱۰ ————— امیر برید اول

۹۸۷ ————— امیر برید

۹۸۸ ————— علی برید دوم

قطب شاہیہ سلطنت قطب شاہی کا بانی قطب الملک سلطان قلی ترکوں کی قوم لہاریوں سے تھا اس کا باپ اولس قلی آذر بایجان کا حاکم تھا۔ محمد شاہ بہمنی کے عہد میں دکن میں آیا۔ محمود شاہ کے زمانے میں گول کنڈہ کی نظامت پر مامور ہوا۔ انیس سال تک مطیع رہ کر ۹۱۰ھ میں خود سری اختیار کی اور قطب شاہ لقب مقرر کر کے اپنے نام کا سکہ و خطبہ جاری کیا۔ اس کے خاندان میں آٹھ فرمانروا ہوئے جو بڑے مرتبہ اور اہل علم کے قدردان تھے۔

سلاطین قطب شاہیہ

۱۔ سلطان قلی قطب الملک ————— ۹۲۲

۲۔ جمشید قلی ————— ۹۵۰

۳۔ سبحان قلی ————— ۹۵۷

۴۔ ابراہیم قطب شاہ ————— ۹۵۷

۵۔ محمد قلی قطب شاہ ————— ۹۸۸

۶۔ محمد قطب شاہ ————— ۱۰۲۰

۷۔ عبداللہ قطب شاہ ————— ۱۰۳۵

۸۔ ابوالحسن تانا شاہ ————— ۱۰۸۳

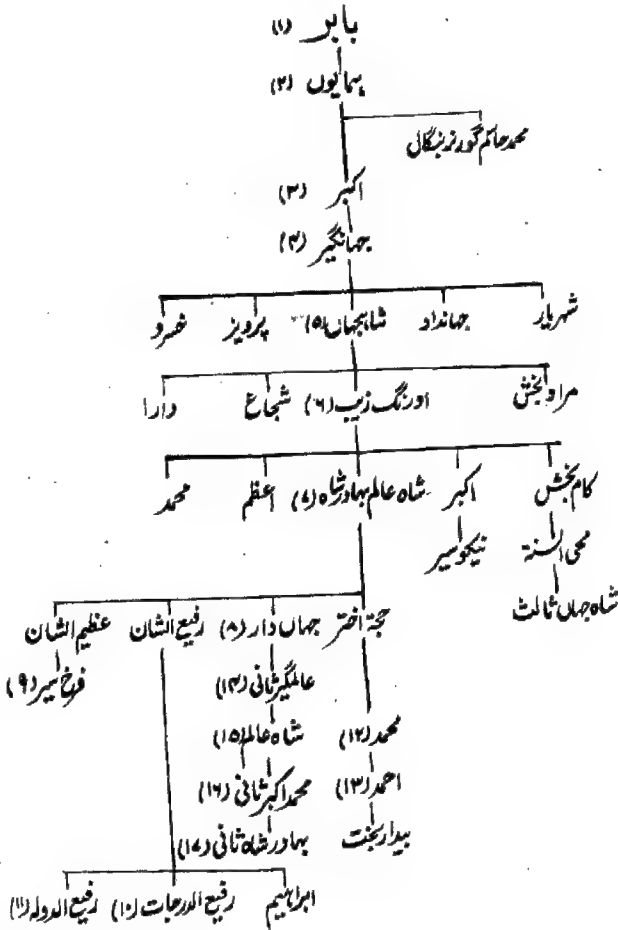
عادل شاہیہ | عادل شاہی کا مورث اعلیٰ یوسف عادل شاہ سلطان دوم محمد ثانی
 فاتح قسطنطنیہ کا بھائی تھا۔ جب سلطان محمد نے اُس کے قتل
 کی فکر کی تو دشمن کی شمشیر سے محفوظ رہنے کے لئے دکن چلا آیا اور یہاں محمد شاہی بہمنی
 کے ملازموں میں داخل ہوا۔ تھوڑے عرصہ میں بیجاپور کا ناظم مقرر ہو گیا۔
 عرصہ تک مطیع رہا اور ۱۸۹۵ء میں عماد الملک کی تحریک سے اپنی مستقل
 حکومت قائم کر لی۔ اس خاندان کے حکمران عالمی دل چسپی رکھتے تھے۔ آثار الکرام میں
 مفصل حال دیکھئے۔

سلاطین عادل شاہیہ

- ۱۔ یوسف عادل شاہ ————— ۸۹۵
- ۲۔ ملو عادل شاہ ————— ۹۴۱
- ۳۔ علی عادل شاہ ————— ۹۶۵
- ۴۔ محمد عادل شاہ ————— ۱۰۳۷
- ۵۔ سکندر عادل شاہ ————— ۱۰۷۰
- ۶۔ اسماعیل عادل شاہ ————— ۹۱۶
- ۷۔ ابراہیم عادل شاہ ————— ۹۴۱
- ۸۔ ابراہیم عادل شاہ دوم ————— ۹۸۸
- ۹۔ علی عادل شاہ سوم ————— ۱۰۶۷

بابر اعظم

شجرہ خاندانِ مغلیہ



شہانِ مغلیہ

ظہیر الدین بابر	۹۳۲ھ	۱۵۲۶ء
نصیر الدین ہمایوں	۹۳۶ھ	۱۵۳۰ء
جلال الدین اکبر	۹۶۲ھ	۱۵۵۶ء
نور الدین جہانگیر	۱۰۱۴ھ	۱۶۰۵ء
داد رنجش	۱۰۳۴ھ	۱۶۲۸-۲۸ء (غاصب و باغی)
شہاب الدین شاہجہاں	۱۰۳۴ھ	۱۶۲۸ء
مرد بخش (گجرات)	۱۰۶۸ھ	۱۶۵۸ء (غاصب و باغی)
شجاع (بنگال)	۱۰۶۸ھ	۱۰۶۰ھ
اورنگ زیب محی الدین عالمگیر	۱۰۶۹ھ	۱۶۵۸-۵۹ء
محمد ناصر الدین احمد	۱۱۳۱ھ	۱۷۱۹ء
عزیز الدین عالمگیر ثانی	۱۱۶۷ھ	۱۷۵۴ء
شاہ جہاں ثالث	۱۱۷۳ھ	۱۱۷۵ھ
اعظم شاہ	۱۱۸۸ھ	۱۶۰۹ء
کام بخش	۱۱۹۰-۹۱ھ	۱۶۰۴ء
قطب الدین شاہ عالم بہادر شاہ اول	۱۱۹۰-۹۱ھ	۱۶۰۸ء
معز الدین جہاندار	۱۱۹۲ھ	۱۱۱۹ھ
فرخ سیر	۱۱۹۲ھ	۱۶۱۲ء
شمس الدین رفیع الدرجات	۱۱۹۳ھ	۱۶۱۹ء
رفیع الدولہ شاہجہاں ثانی	۱۱۹۳ھ	۱۶۱۹ء
نیکوسیر	۱۱۹۳ھ	۱۶۱۹ء
ابراہیم	۱۱۹۳ھ	۱۶۳۰ء (غاصب)

جلال الدین شاہ عالم	۱۱۶۳ھ ، ۱۶۵۹ء
بیدار بخت	۱۲۰۳-۳۳ھ ، ۱۶۸۸-۸۹ء (غاصب)
محمد اکبر ثانی	۱۲۲۱ھ ، ۱۸۰۶ء
بہادر شاہ ثانی	۱۲۵۳ھ ، ۱۸۳۷ء

مغلیہ خاندان مغلوں کی تاریخ عملاً چنگیز خاں کے عہد سے شروع ہے۔ اسی نسل سے تیمور لنگ تھا۔ تیمور ۳۶ھ میں پیدا ہوا۔ تھمبور کی جانب سے کش کی گورنری پر مامور ہوا۔ بعدہ چغتائی خاں سیور غاتمش کا وزیر ہو گیا اور اس کی حکومت پر ۳۶۹ھ میں قابض ہوا۔ برائے نام اس کے لڑکے محمود کو بادشاہ کہنے دیا۔ تیمور عرصے تک ایران میں مصروف پیکار رہا۔ سات سال میں خراسان، جرجان، مازندران، سجستان، افغانستان، قازس، آخذ بائی جان، اور کردستان فتح کئے۔ پھر ۳۹۳ھ میں خاندان جلائر سے بغداد لیا۔ اس کے بعد الجزائر پر بھی قبضہ کر لیا۔ ۳۹۶ھ میں شمالی ہند میں داخل ہوا اور دوسرے سال کشمیر و دہلی پر یورش کی۔ ۳۹۷ھ میں ترکوں سے مقابلہ کیا۔ سلطان بایزید گرفتار ہوا۔ مالک عثمانیہ زیروز بر ہوئے۔ مصر، حلب، دمشق قلمرو نے تیموری میں داخل ہو گئے۔ تسخیر چین کے لئے جا رہا تھا کہ راہ میں بمقابلہ انرا ۳۹۵ھ مطابق ۱۰۰۰ھ میں قضا کی اور سمرقند میں دفن ہوا۔

ابوالکارم جلال الدین محمد میراں شاہ بادشاہ باپ کا جانشین ہوا۔ صرف دو برس سلطنت کر کے ہم زلیقہ ۱۰۰۰ھ میں بعمر ۲۴ سال انتقال کیا۔ ان کے بعد ابوالمنظر سلطان محمد مرزا باپ کے بھائے تخت نشین ہوئے۔ ۳۵ برس سلطنت کی۔ ۱۰۰۵ھ میں انتقال کیا۔ ترمذ میں دفن ہوئے۔ سلطان ابوسعید مرزا ذی الحجہ ۸۲۰ھ میں بخارا میں پیدا ہوئے۔ باپ کے مرنے کے بعد غزنی میں تخت نشین ہو کر اٹھارہ برس حکومت کی۔ سمرقند میں انتقال کیا۔

ان کا جانشین سلطان ابوالنصر عمر شیخ مرزا بہادر ہوا۔ ۱۶ برس حکمرانی کی۔ ۸۹۱ھ میں انتقال کیا۔

پیدائش بابر | بابر ۱۴ فروری ۱۴۹۳ء میں پیدا ہوا۔ بابر کا اصلی نام ظہیر الدین تھا۔ لیکن منغل اس کے نام کا تلفظ ٹھیک ٹھیک ادا نہیں کر سکتے تھے اس لئے اس کو بابر یعنی شیر کہتے تھے۔

تعلیم و تربیت | وہ ابھی گیارہ برس کا تھا کہ اُس کے باپ کا انتقال ہو گیا۔ ایک دن بادشاہ دھلوان چٹان کے اوپر ایک مکان میں کبوتروں کو چمکنے لگا کہ یکا یک اس کا پیر بھسلا اور مر گیا۔ بابر اس کا جانشین ہوا۔

بابر کو برسوں کی خاندانی تمنا پوری کرنے کی توقع ہوئی۔ اُس نے سمرقند فتح کر لیا جو اُس کے خاندان کا دارالسلطنت رہ چکا تھا۔ مگر وہ اس پر تھوڑے عرصہ تک قابض رہا۔ وہ بیمار ہو گیا اور شہر سے جلد نکال دیا گیا۔ اس سے ابتر حالت یہ پیش آئی کہ جب وہ سمرقند سے غیر حاضر تھا اس کی سلطنت اس سے چھین لی گئی۔ کچھ عرصہ تک وہ بے خانماں اور جلاوطن رہا لیکن وہ ہمت نہ ہارا۔ اُس نے اپنے رشتہ داروں سے امداد لینے کی تجویز کی اور ایک چھوٹی سی فوج جمع کی۔ اس فوج کی مدد سے اُس نے اپنی سلطنت کا ایک حصہ بحال کر لیا۔ سمرقند دوبارہ فتح کرنے کا اُسے موقع مل گیا۔ اس شہر کے فتح کرنے کی آرزو بابر کو بہت تھی۔ کیونکہ وہ محلات اور باغات کا عالی شان شہر تھا۔ علاوہ بریں وہ بابر کے خاندان کے قدیم وطن تھا۔

اس راج سے جب بابر کو چند باشندوں نے مدد کیا جو اپنے زمانہ کے فرمانرواؤں سے ناراض تھے۔ بابر نے اُن کی دعوت منظور کرنے میں سرعت سے کام لیا۔ اس کو ناکامی دی۔ لیکن کسی طرح وہ ناامید نہ ہوا۔ اس نے دوسری مرتبہ کوشش کی۔ اس مرتبہ کیا رگی کوشش کی۔ وہ خود لکھتا ہے کہ سمرقند ایک سو چالیس سال سے میرے خاندان کا دارالخلافہ رہا تھا۔ ایک اجنبی تراق خدا جانے کہاں سے آگیا اور اُس نے ہمارے شاہی عہد پر دست آہن کر لیا۔ جو ہمارے ہاتھوں سے چھوٹ گیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے اب بحال کر دیا اور مجھے تمہارا شہر واپس دلادیا۔

۱۔ تزکِ بابر ص ۱۰

سمرقند میں بابر کو بہت عرصہ تک چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ اُس کے بڑے دشمن ازبک تھے جو ایک طاقت ور مغل قوم تھی۔ انہوں نے ایک ہزار فوج جمع کی۔ بابر کو جنگ میں شکست دی اور اُسے سمرقند میں قید کر دیا۔ سات مہینے تک محاصرہ جاری رہا۔ آخر کار شہر میں خود اک ختم ہو گئی۔ بابر کو متابعت کرنے کی پٹری اور چند ہمراہیوں کے ساتھ سمرقند چھوڑنا پڑا۔ لیکن اُس نے جلد ہمت باندھ لی۔ بہت سے فاقوں کے بعد وہ ایک جگہ آیا جہاں کثرت سے خوراک تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ یہاں ہمیں اچھے آٹے کی خوب پکی روٹیاں ملیں، شیریں خربوزے ملے اور بڑی کثرت سے اعلیٰ درجہ کے انگور ملے۔ تمام زندگی میں مجھے ایسا لطف نہیں آیا اور مجھے فارغ البالی اور صلح کی خوشی اس قدر ہوئی تھی۔ تکلیف کے بعد لطف، افلاس کے بعد افراط نہایت خوشی کا باعث تھا۔

ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ بابر کا دل مضبوط تھا جو شکست کے زمانہ میں موصول نہ چھوڑتا تھا اور زندگی کی نیک چیزوں کی قدر کر سکتا تھا۔ نہ اُس کی سلطنت رہی اور نہ اُس کے ہمراہی رہے۔ وہ کچھ عرصے تک غریب گاؤں میں رہتا رہا۔ خود بھی ایسا غریب تھا جیسا کہ وہ تھے۔ پھر کچھ عرصہ اپنے چچاؤں کے پاس پناہ گزین ہوا۔ انہوں نے اس پر ہربانی کی لیکن اس کا کچھ بھلا نہ کیا۔ سوائے اس بات کے کہ وہ اسے اپنی جنگ میں مصروف رکھتے تھے۔ اس کی زندگی کے اگلے چند سال سرگزشتوں سے بھر پور ہیں۔ بار بار اسے ایسی دقت پیش آئی کہ وہ قید ہو گیا ہوتا۔ ایک مرتبہ اس کے دشمن اس کے ایسے نزدیک تھے کہ اسے یقین ہو گیا کہ سب کچھ اُس کے ہاتھ سے جاتا رہا اور وہ موت کے لئے تیار ہو گیا۔ عین وقت پر اُس کے وفادار ہمراہیوں نے اس کو بچالیا۔

آخر کار اُس نے اپنی سلطنت کی بحالی کی تمام امیدیں ترک کر دیں اور کابل میں اپنی قسمت آزمائی کے لئے ارادہ کر لیا۔ کابل کی سلطنت اس کے خاندان کی تھی۔ اُس نے اپنی ولایت سے پیٹھ موڑی اور کابل میں اپنی سلطنت قائم کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس میں اُسے کوئی دقت نہ ہوئی، کیونکہ کابل نے اس کی چھوٹی سی فوج کے سامنے جلد ہتھیار

ڈال دیئے۔ بابر اپنے نئے گھر میں مقیم ہوا اور وہ اس کا بہت شائق تھے۔ اُس کی ولایت کی طرح وہاں چل بکثرت تھے۔ اُس نے باغات لگائے۔ لیکن ان مقبوضات پر آدم سے نہ بیٹھ سکا۔ چاروں طرف سے دشمنوں نے گھیر لیا اور اُسے اُن کے مقابلہ پر فوراً معرکہ آرائی کرنی پڑی۔ اپنی کتاب میں اُس کا قدرے حال لکھتا ہے۔

اس مہم سے لوٹ کر بابر نے ہرات کی طرف دور دراز کا سفر کیا۔ ہرات عظیم الشان اور دولت مند شہر تھا جس کے باشندے عیش و عشرت میں زندگی بسر کرتے تھے۔ ہرات کے حاکم بابر کے خاندان کے تھے اور وہ اُن کے ساتھ رفاقت رکھنا چاہتا تھا۔ اور اُن کی مدد بھی چاہتا تھا اگر اس پر دشمن حملہ کرے۔ چنانچہ وہ کچھ عرصے شہر میں مقیم رہا۔ اُس کے دل پر شہر کے سامان عشرت کا بڑا اثر ہوا جو اُس کی سیدھی سادی زندگی کے مقابلہ میں بہت بڑھ چڑھ کر تھے۔ ہرات کی سیر کے زمانہ میں اولاً بابر شہر کے عیب کا شکار ہوا جیسا کہ وہ خود بالکل آزادانہ بیان کرتا ہے کہ وہ اس عیب کا عرصہ دراز تک شکار رہا۔ خوش نصیبی سے وہ بعد ازاں اس عیب کو چھوڑنے کی قوت رکھتا تھا۔ کابل کی واپسی میں اُسے سخت ایام دیکھنے پڑے۔ وہ اور اُس کی فوج برف میں تباہ ہو گئی اور ایک موقع پر ایک غلہ کے ملنے سے بچے جس میں رات کو انہوں نے پناہ لی۔ کابل پہنچ کر اُس نے جلد معلوم کیا کہ اس کے دشمن ازبک حملہ کرنے ولے ہیں۔ خوف و ہراس اس قدر طاری ہوا کہ بابر نے نتیجہ نکال لیا کہ کابل پر تصرف کرنا ناممکن ہے۔ اس لئے ہند کو فوج سمیت روانہ ہو گیا۔ راستہ میں اُسے معلوم ہوا کہ ازبک لوٹ گئے ہیں وہ پھر کابل لوٹ گیا۔ یہاں اُس نے چچا زاد بھائی کی سرکشی رفع کی اور اپنے بھائی کو معاف کر دیا۔ اگرچہ بابر کابل میں حکومت کرتا تھا لیکن وہ سمرقند کا فرمان روا ہونے کی قدیم آرزو نہ بھولا۔ جونہی اُسے اپنی آرزو کے پورا کرنے کا موقع ملا وہ موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتا۔ اُس کے قدیم دشمن ازبک کو شکست ہوئی اور پسپا کئے گئے۔ بابر نے اُن کے خلاف ایک فوج کے ساتھ معرکہ آرائی کی جن کو اُس نے چھوڑا تھا اور اُن پر ایک کامل فتح حاصل کی۔ اس کے بعد وہ سمرقند میں بڑے جلوس سے

داخل ہوا۔ یہ شہر اُس نے تین مرتبہ لیا لیکن اس کی حکومت دیر تک نہ رہی۔ دشمنوں کا اتفاق اس قدر بڑھا کہ وہ اُن پر فتح حاصل نہ کر سکا۔ صرف اٹھ مہینہ تک سمرقند میں رہ کر اُسے شہر ترک کرنا پڑا۔ اپنے آبائی دار الخلافہ پر حکومت کا خواب جاتا رہا۔ بہت سی سرگذشتوں کے بعد وہ کابل پہنچا۔ اس وقت سے اُس نے اپنی سلطنت کے حاصل کرنے کا خواب ترک کر دیا اور وہ ہند کی طرف نظر ڈالنے لگا لیکن پانچ سال تک وہ ہند کی فتوحات شروع نہ کر سکا۔ ان پانچ سال تک وہ کابل کی سلطنت کے انتظام اور اپنی فوج کی تیاری میں مصروف رہا۔ بالآخر کے الفاظ میں ہند کا مختصر حال ترک سے بیان کرتے ہیں :-

”ہندوستان نہایت خوبصورت مشہور معروف ملک ہے۔ ہمارے ملکوں سے مقابلہ کریں تو بالکل بڑی دنیا ہے۔ اس کی پہاڑی اور دریا، اس کے جنگل اور بیابان، اس کے جانور اور نباتات، اس کے باشندے اور اُن کی زبان، اس کی ہوا اور بارش، مختلف خاصیت کی ہیں۔ اگرچہ کابل کے قلمرو میں گرم اضلاع ہندوستان سے بہت مشابہت رکھتے ہیں لیکن دیگر حالات میں وہ مختلف ہیں۔ تاہم اب جب دریا نے سندھ عبور کریں تو ملک، درخت، پتھر، خانہ بدوش تو میں لوگوں کے احوال زندگی ہندوستان کے بالکل مشابہ ہیں۔ ہند کے دیہات اور قصبے بہت غلیظ ہیں۔ سارے شہروں کی ایک صورت ہے۔ یہاں کے باغات کی فصیلیں نہیں ہوتی۔ سارا ملک ہموار سطح رکھتا ہے۔ دریاؤں اور ندیوں کے کنارے سیلاب کی سخت روانی کی وجہ سے جو کہ بارش کے موسم میں اُترتے ہیں گہرے غار بن جاتے ہیں جن کا عبور کرنا دشوار گزار اور تکلیف دہ ہے۔ بہت سی جگہوں میں میدان اس قدر کانٹے دار جھاڑیوں سے ڈھکا ہوتا ہے کہ لوگ جو ان ہی پر منحصر ہیں ان میں پناہ لیتے اور اُن کے ناقابل پہنچ مقامات پر بھروسہ کرتے ہیں، اکثر کشتی کہتے رہتے ہیں اور ٹیکس ادا کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

ہند میں سوائے دریاؤں کے کسی جگہ بہتا پانی نہ ملے گا۔ کبھی کبھی کھڑا پانی ملتا ہے۔ تمام شہر اور دیہات کنوئیں یا تالابوں سے پانی لیتے ہیں جس میں بارش کے دنوں میں پانی جمع ہو جاتا ہے۔ ہند میں گاؤں کی آبادی، زوال، کامل تباہی بلکہ شہروں کی بھی

یکدم ہو جاتی ہے۔ بڑے بڑے شہر جو سالہا سال میں آباد ہوئے اگر باشندے خوف کھائیں تو بھاگ جلتے ہیں۔ ایک دن یا ڈیڑھ دن میں ایسے ترک کر دیئے جاتے ہیں کہ آپ آبادی کا نام و نشان تک مشکل سے پاسکیں گے۔

ہندوستان ایسا ملک ہے جہاں سامانِ تفریح کوئی نہیں۔ لوگ خوب صورت نہیں وہ دوستانہ مجلس کی تفریح کا خیال نہیں رکھتے۔ یا ہم آذادانہ نہیں ملتے یا باہمی ارتباط نہیں رکھتے۔ وہ صنعت کی تجویز اور ساخت ایجاد و اختراع ذہنی فطرۃ نہیں رکھتے۔ وہ فنِ تعمیر اور علمِ ایجاد میں علم و ہنر نہیں رکھتے۔ ان کے گھر خوب صورت نہیں ہوتے۔ نہ گوشت اچھا ہوتا ہے نہ انگور نہ تر بوڑ نہ عمدہ میوے۔ نہ برف نہ سرد پانی نہ خوراک نہ روٹی نہ حمام، نہ دارالعلوم نہ بتی نہ شعل نہ موم بتی ہوتی ہے۔
اس طولانی اور کما حقہ نعرین سے ظاہر ہوتا ہے کہ بابر نے ہند میں کوئی خوبی نہ دیکھی۔ لیکن وہ تصور یہ کہادوسرا پہلو دیکھتا ہے اور وہ آگے لکھتا ہے کہ :-

”دہندوستان کی سب سے اعلیٰ خوبی یہ ہے کہ بڑا وسیع ملک ہے۔ سونا اور چاندی بکثرت رکھتا ہے۔ موسمِ برسات میں آب و ہوا بہت اچھی ہوتی ہے کسی دن دس پندرہ یا بیس دفعہ بھی برساتا ہے۔ برسات میں ایک دم سیداب آجاتے ہیں۔ دریا بناتے ہیں۔ ان جگہوں میں بھی جہاں اور وقت پانی نہیں ہوتا، جب بارش ہوتی ہے ہوا نہایت خوشگوار ہوتی ہے کہ اُس کے نرم اور خوشگوار موسم سے کوئی سبقت نہیں لے جاتا۔ اس کا نقص یہ ہے کہ ہوا تر اور سسلی ہوتی ہے۔ موسمِ برسات میں شکار نہیں کر سکتے اور ہمارے ملک کی کمان سے شکار نہیں کر سکتے اور وہ بالکل ناکارہ ہو جاتی ہے صرف کمان ہی ناکارہ نہیں ہو جاتی زدہ بکتر، کتابیں، پارچہ، اسبابِ سب تری کے بُرے اثر کو محسوس کرتے ہیں۔ گھر بھی بہت نقصان اٹھاتے ہیں کیونکہ پختہ نہیں بنے ہوتے۔ موسمِ گرما اور سرما میں بلکہ برسات میں بھی کافی خوشگوار ہوتا ہے۔ جب شمالی ہوا چلتی ہے تو نہایت گرم اور غبار آلود ہوتا ہے۔ جب

برسات نزدیک ہو یا جب بادش ہونے والی ہوتی ہے تو ہوا نہایت نور شور سے پانچ مرتبہ چلتی ہے اور اس قدر گرد اُڑتی ہے کہ آپ ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے۔ اس کو وہ آندھی کہتے ہیں بیٹی اور بچوں میں گرمی ہو جاتی ہے لیکن موسم اس قدر گرم نہیں ہوتا ہے کہ برداشت نہ ہو سکے۔ ہند کی گرمی کی طرح قندھار میں ہوتی ہے۔

ہندوستان میں ایک اور آرام ہے کہ ہر ایک پیشہ اور تجارت کے آدمی پشمار ہیں اور لاتعداد ہیں کسی کام یا ضرورت کے لئے فرقہ کا فرقہ تیار ہے جو وہی پیشہ مدتِ مدید سے نسلاً بعد نسل کرتے آ رہے ہیں۔ اکیلے آگرہ میں ۶۸۰ سنگ تراش اپنے محلات میں لگاتار تھا اور دوسری جگہوں میں ۱۴۱۱ سنگتراش میری علامتوں میں لگے ہوتے تھے۔ اسی طرح ہندوستان میں ہر ایک تجارت اور کام کے کاریگر لاتعداد ہیں۔“

اس نے پانچ مرتبہ ہند پر حملہ کیا پہلے حملہ میں وہ اٹھک کے راستہ پنجاب میں حملہ آور ہوا۔ یہ فروری ۱۵۱۹ء میں ہوا۔ فوج کی تعداد کو دیکھ کر اس کے آدمی ہراساں تھے۔ میرے بہت سے وفادار دوستوں نے مجھے صلاح دی کہ اگرچہ ہم ہندوستان جائیں گے تو ہمیں کمالِ مضبوطی اور کافی فوج کے ساتھ حملہ کرنا چاہیئے۔ گو مشورہ نہایت موزوں تھا مگر باوجود ان اعتراضات کے ہم نے حملہ کیا۔ بابر کو راستہ میں شکاک کرنے کا بہت موقع ملا۔ دریا کی طرف فوج کو روانہ کر کے میں خود گینڈے کے شکاک کے لئے روانہ ہوا۔ ہم نے بہت سے گینڈے روانہ کئے لیکن ملک میں جھاڑیوں کی وجہ سے ہم اُن تک نہ پہنچ سکے۔ شمالی پنجاب میں اُس کے کوچ میں کوئی مقابلہ نہ آیا۔ لوگ بالعموم چپ چاپ مطیع ہو گئے اور بابر نے جس قدر خراج طلب کیا، ادا کر دیا۔

بابر نے خیال کیا کہ پنجاب میراثِ اُتی ملک ہے۔ کیونکہ اس کے بزرگ اعلیٰ تیمور نے فتح کیا تھا۔ چونکہ ہند کے فتح کرنے کی ہمیشہ تمنا رہتی تھی اور وہ قلمرو جہاں اب میں تھا ترک کے قبضہ میں مدتِ مدید سے تھا۔ میں نے اُن کو اپنے ہی مقبوضات سمجھا اور

صلح اور جنگ سے اُن پر قبضہ کرنے کا مقصد ارادہ کر لیا۔ اس وجہ سے واجب اور لازم تھا کہ رعیت سے نیک سلوک کرتا۔ اس لئے میں نے احکام جاری کر دیئے کہ کوئی رعیت سے سُوتی اور دھاگے تک لینے یا اُن کے مویشیوں کے گلے یا غول چھیننے کا روادار نہ ہو۔ بابر چاہتا تھا کہ اُس کے فرمان کی تعمیل کی جائے۔ چنانچہ وہ آئندہ کہتا ہے :-

”جب مجھے معلوم ہوا کہ فوجیوں نے باشندوں کے ساتھ سختیاں اور ظلم کئے ہیں۔

میں نے ایک دُجمنٹ روانہ کی اور جب اُنہوں نے چند سپاہیوں کو پکڑ لیا جو دیلاتیوں کے مرتکب تھے تو میں نے بعضوں کو موت کی سزا دی۔ کیونکہ میں ترکوں کے مقبوضات کو اپنے مقبوضات سمجھتا تھا اس لئے میں نے لوٹ کھسوٹ کی

اجازت نہ دی۔“

ان مقبوضات پر دعویٰ قائم کرنے کے لئے بابر نے دہلی کے سلطان کے پاس سفیر

دوانہ کیا اور خود نتیجہ تحریر کرتا ہے :-

”و لوگ ہمیشہ کہتے تھے کہ اگر سفیروں کو دوستانہ اور امن کے طریقے سے اُن ملکوں میں جن کو ترکوں نے دستِ تصرف میں کر رکھا ہے، بھیجا جائے تو کچھ نقصان

نہ ہوگا۔ اس لئے میں نے جلد ملامرشد کو سلطان ابراہیم کے پاس بھیجا جس

کا باپ سلطان سکندر پانچ چھ ماہ پیشتر انتقال کر گیا تھا اور سلطنت ہند

پر اپنے باپ کی جگہ جانشین ہوا تھا اور اس کو سفیر کا نام و خطاب دے کر

اس امر کی خواہش ظاہر کی کہ وہ مالک جو قدیم سے ترکوں کی ملکیت میں

مجھے دیدیئے جائیں۔ سلطان ابراہیم کے مراسلات کے علاوہ میں نے ملامرشد کے

ساتھ دولت خاں حاکم لاہور کو بھی مراسلات دیکر اور اُس کو زبانی ہدایات دے کر

اس رسالت پر روانہ کیا۔ ہندوستان کے لوگ بالخصوص افغان عجب احمق اور

نا سمجھ ہیں اور ذرا بھی دورانِ نشی اور سمجھ نہیں رکھتے۔ نہ تو مستقل رہتے ہیں

اور نہ جنگ کو نبھا سکتے ہیں۔ نہ وہ دوستی اور رفاقت میں برقرار رہ سکتے ہیں۔

دولت خاں نے اس میرے فرستادہ کو لاہور میں کچھ عرصہ تک مقیم رکھا۔ نہ

خود ملاقات کی نہ اُسے سلطان ابراہیم کے طرف جانے دیا چنانچہ پانچ ماہ کے بعد وہ کابل بغیر جواب لئے آیا۔

اس عرصہ میں بابر نے شمالی پنجاب کے بہت سے حصہ میں اپنی فتوحات بڑھالیں اور ان نئے مقبوضات پر گورنر مقرر کئے لیکن اُن کی حکومت بہت دیر تک نہ رہی۔ کیونکہ جونہی بابر نے ملک چھوڑا اُن کا خاتمہ ہو گیا۔ کابل کی واپسی میں اُسے نمک کی پہاڑیوں کے گنگھروں کی سرکوبی کے لئے ٹھہرنا پڑا۔ بابر سے رپورٹ کی گئی کہ گنگھروں کا سردار بہت سے ظلم و ستم کا گناہگار ہے اور باشندوں پر نہایت جبر کرتا ہے اس لئے اس کی تیغ کشی لازمی ہو گئی یا اس کو قبیلہ سزادینی واجب ہو گئی۔ اس لئے بابر نے گنگھروں کے دار الخلافہ کی طرف کوچ کیا جس کو پرغلہ نامی قلعہ کہتے تھے۔ اس پر حملہ دشوار امر تھا۔ کیونکہ وہاں صرف دو تنگ راستوں کے ذریعہ جاسکتے تھے۔ وہاں داخل ہونے سے پیشتر بابر کو سخت جنگ کمرنی پڑی۔ تب گنگھروں کے سردار نے تابعدار کی اور آئندہ نیک چلنی کا اقرار کیا۔ بابر پھر کابل چلا گیا۔ کہتے ہیں کہ یہ مہم کوئی چھ ہفتہ نہ رہی۔ اس حملہ کا کوئی دیر پا اثر نہ ہوا۔ بابر کو بڑا فائدہ اوپر کا ہوا جو اس نے لوگوں سے بطور خراج لیا تھا۔ اگلے کئی سال تک بابر اپنے ملک میں اس قدر مصروف رہا کہ وہ ہند کی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔ وہ اپنی حالت مضبوط کرتا رہا اور پختہ کر کے جب اُس نے ہند پر حملہ کیا تو اُسے اپنی غیر حاضری کے ایام میں تکلیف کا کوئی دغدغہ نہ رہا۔ تاہم ہند میں اس زمانہ میں بڑی ابتری تھی۔ لودھی خاندان دہلی میں حکمران تھا، باہمی خانہ جنگی میں مصروف تھا۔ دولت خاں گورنر پنجاب سرکش ہو گیا تھا۔ جنوب کی طرف جنگجو راجپوت دہلی کے سلطان سے خود مختار ہو گئے تھے جس ملک میں اس طرح پھوٹ ہو وہ اغلباً ضرور حملے کا شکار ہو جاتا ہے ایسا ہی ثابت ہوا۔

بابر کے حملے کا اصلی باعث ایک لودھی شہزادہ کی جانب سے امداد کے لئے اپیل تھی۔ یہ شہزادہ علاء الدین ابراہیم کا چچا سلطان ابراہیم تھا جو کابل آیا اور بابر سے تخت دہلی کے حاصل کرنے میں امداد کا خواہاں ہوا۔ ساتھ ہی دولت خاں نے بابر کو پنجاب

میں آنے کے لئے مدعو کیا۔ بابر نے فوراً دعوت منظور کر لی اور فوج جرار کے ساتھ جس سے زیادہ پہلے کسی حملہ میں نہ تھی۔ پنجاب کو روانہ ہوا اُس نے جلدی لاہور پر قبضہ کر لیا۔ لیکن دولت خاں کی بد اخلاقی کی وجہ سے جس نے بابر سے اب اعتمادی تعلق قطع کر لیا تھا۔ بابر کی بچاؤ دیز کو درہم برہم کر دیا اور وہ بابر سے بالکل کٹناہ کش ہو گیا اور اس کے خلاف فوج جمع کرنا شروع کر دی۔ اس لئے بابر کے لئے ضروری ہو گیا کہ وہ زیادہ فوج بھرتی کرے۔ اس لئے دوحی مددگار کو پنجاب میں حاکم بنا کر کابل کو لوٹ گیا۔ اب بابر نے آخری حملے کے لئے اپنی فوج جمع کی۔ یہ بارہ ہزار جوان تھے جو ہندو جیسے غظیم الشان ملک کے فتح کرنے کی غرض سے بڑی فوج نہ تھی۔ درحقیقت بابر کے بعض سپاہی کامیابی کے موقع کی بات بہت سخت غلط بیانی کرتے تھے۔ لیکن اس کی ہنرمندی اور شجاعت نے تمام مشکلات پر غلبہ کر لیا۔ ۱۰ نومبر ۱۵۱۹ء بروز جمعہ ہند کی طرف روانہ ہوا۔ اولاً بابر کو دولت خاں کے ساتھ مدد بھیڑ کرنی پڑی۔ عام خبر یہ تھی کہ اُس نے تیس یا چالیس ہزار فوج جمع کر لی ہے۔ وہ ضعیف العمر تھا اس لئے جو نبی بابر دریائے راوی پر پہنچا دولت خاں اور اس کی فوج پریشان دل ہو کر بھاگ گئی۔ بابر نے اور کچھ آدمی دولت خاں کے تعاقب میں روانہ کی۔ تب وہ مطیع ہونے کے لئے تیار ہو گیا۔ اُس نے ایک قدیم افسر کو اپنے حضور میں لانے کے لئے اس ضعیف العمر کے پاس بھیجا۔

بابر کہتا ہے کہ پیر فوتوت کی حماقت اور گستاخی ظاہر کرنے کی غرض سے میں نے اس کو ہدایت کی کہ وہ اس امر کی احتیاط کرے کہ دولت خاں وہی دونوں تلواریں اپنی گردن میں ڈالی کہ حاضر خدمت ہو جو اُس نے میرے ساتھ مقابلہ کے لئے اپنی کمر میں باندھی تھیں۔ جب معاملہ نے اس حد تک طول کھینچا تو اُس نے پھر دیر کرنے کے لئے یہودہ عذرات بنائے۔ لیکن وہ آخر کار میرے سامنے لایا گیا۔ میں نے حکم دیا کہ اس کی گردن سے دونوں تلواروں کو اتار دیں اور میں نے اُسے اپنے سامنے بیٹھنے کے لئے حکم دیا۔ بابر نے پھر اُس کی دھوکہ بازی پر سخت لعنت ملامت کی۔ میں نے تمہارے ساتھ کیا گناہ کیا تھا کہ تم میرے سامنے اس طرز سے پیش ہوئے ہو۔ آخر کار بابر نے

اس کو جانے کی اجازت دے دی اور یہ فیصلہ ہوا کہ وہ اور اُس کا خاندان قوموں پر کل اختیار رکھیں اور ان کے دیہات کے مقبوضات بلکہ باقی کل اثاثہ بھی ضبط کر لیا جائے۔ بابر کی فیاضی کی یہ ایک اور مثال ہے جو اُس نے اپنے مفتوحہ دشمن پر ظاہر کی۔ بابر اب دہلی کی طرف بڑھا۔ چونکہ اس کی فوج سلطان ابراہیم کے مقابلے میں بہت کم تھی۔ اُس نے اپنی چھوٹی فوج سے پورا فائدہ اٹھانے کا کمال انتظام کیا۔

بابر کہتا ہے میں نے ہدایت کی کہ تو یوں کی گاڑیاں بیلوں کی مروڑ دار کھالوں کے ساتھ ذخیر کی طرح جوڑی جائیں۔ ہر ایک دو توپ گاڑیوں کے درمیان چھ یا سات لوہے کے توڑے تھے۔ گولہ انداز ان توپ گاڑیوں یا لوہے کے توڑے کے عقب میں کھڑے تھے اور گولہ اندازی کرتے تھے۔ میں پانچ چھ روز تک ان تیاریوں کو مکمل کرنے کی غرض سے قیام پذیر رہا۔ تب اپنے فوجی افسروں کی اصلاح کے بعد وہ پانی پت کی طرف بڑھا جو دہلی سے چند میل ہے۔ یہ ضلع ہند کی تاریخی میں کئی مشہور جنگوں کا منظر رہا ہے۔ کیونکہ یہ قدرتی جگہ ہے جہاں سے شمالی حملے کا بہترین مقابلہ ہو سکتا ہے۔ ایک ہفتہ کے التواء کے بعد ۱۲ اپریل ۱۵۱۹ء میں جنگ ہوئی۔ بابر کے مقابلہ میں سلطان ابراہیم ایک لاکھ فوج سے زیادہ لکھتا تھا۔ گویا دس گنا۔

بابر کہتا ہے کہ میری بہت سی فوج خوف و ہراس میں تھی۔ اگرچہ میں ان کو بہت الزام نہیں دے سکتا۔ اس کی کچھ وجہ نہ تھی۔ کیونکہ وہ اپنے ملک سے دو تین مہینے کے سفر کر کے آئے تھے اور ہمیں ایک عجیب قوم کے ساتھ جنگ کرنی پڑ گئی جن کی زبان ہم نہیں سمجھ سکتے اور جو ہماری زبان نہیں سمجھ سکتے تھے۔ بابر نے اپنے مخالفین کی طرف بہت دھیان نہ دیا۔ وہ ناجائز تجربہ کار جوان آدمی تھا۔ اس نے اپنی تمام حرکات میں غفلت کی۔ وہ بغیر انتظام کئے روانہ ہو گیا۔ ٹھہرنے اور روانگی کے انتظام اور دور اندیشی کئے بغیر جنگ چھیڑ لی۔ دہلی کی فوج صبح کو جنگ آ رہی ہوئی اور دوپہر سے بیشتر بیکس جھگڑوں کی طرح تتر بتر ہو گئی۔

اپنی فوج کا پورے طور سے انتظام کر کے بابر نے چاروں طرف سے اپنے

دشمن کو گھیر لیا۔ جمع ہو کر ان کی کثیر فوج فائدے کی نسبت نقصان دہ ثابت ہوئی۔
بابر کے سخت جنگجو سپاہیوں کے مقابلہ میں وہ بھیلویوں کے گروہ کے سامنے بھیلویوں
کی طرح پریشان ہو گئے۔

بابر کہتا ہے۔ جب جنگ کا آغاز ہوا سورج صرف ایک نیزہ ہی بلند ہوا تھا۔
لڑائی دوپہر تک رہی لیکن دشمن بالکل ہار گیا اور بھاگ گیا۔ میرے دوست فتح مند ہوئے
اور خوشی کے مارے اپنے بدن میں نہ سمائے۔ خداوند عالم کے رحم و فضل سے یہ سخت
مہم میرے لئے آسان ہو گئی اور عظیم الشان فوج آدھے دن کے عرصہ میں زیر ہو گئی۔
ہم نے شمار کیا کہ مقتولین کی تعداد میدان جنگ کے مختلف حصوں میں پندرہ سولہ ہزار
تک پہنچ گئی تھی۔ دشمن کے فرار ہونے کے بعد ہم نے تعاقب جاری رکھا۔ قتل کیا اور
قید کیا۔ سلطان ابراہیم میدان جنگ میں مارا گیا اور اس کا سر بابر کے دربار لایا گیا۔
اس طرح پانی پت کی جنگ کا خاتمہ ہوا۔

بابر پانی پت کی فتوحات کے بعد دہلی پر قبضہ کرنے کے لئے اپنے افسروں میں سے
ایک کوشہر کا چارج دے کر آگے بڑھا۔ تب اس نے بہت سی دلچسپ عمارتوں اور
یادگاروں کی سیر کی جو دہلی کے گرد و نواح میں ملتی ہیں۔ وہ آگرہ گیا اور سلطان ابراہیم
کے محل میں قیام کیا۔ اب بابر کی فوج ہند کی گرمی سے جس کی وہ عادی نہ تھی بہت تنگ
آگئی۔ بہت سے سرسام سے مر گئے۔ اس وجہ سے بہت سے سرداروں اور امرائے
جی چھوڑ دیا اور ہند میں رہنے سے معترض ہوئے اور اپنے لوٹنے کی تیاری کی۔
بابر کہتا ہے :-

”جب میں نے فوج میں یہ شکایت سنی تو اپنے سرداروں کی کونسل کی بنیوں نے
اُن سے کہا کہ خدا کے فضل سے میں نے اپنے عظیم الشان دشمن کو پسپا کیا
اور بہت سے صوبوں اور سلطنتوں کو فتح کیا جو اب ہمارے دست تصرف میں
ہیں اور اب ہم کو کونسا امر مجبور کرتا ہے اور کون سی سختی جھیلنی پڑی
ہے کہ بغیر کسی سبب کے ہم اپنی فتوحات کو چھوڑ دیں اور کابل کی طرف

بلایمید کے شانوں کے چلے جائیں۔ اس لئے جو شخص میری دوستی کا دم بھرتا ہے
ایسی تجویز کو ترک کر دے۔ لیکن اگر تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو نہیں ٹھہر
سکتا اور واپسی کے ارادہ کو ترک نہیں کر سکتا وہ چلا جائے۔“

ان الفاظ کا حسب منشاء اثر ہوا اور بابر کے آدمیوں نے ہند میں ٹھہرنے کے
لئے اقرار کیا۔ لیکن اس کی حالت نہایت دشوار تھی اس نے درہل دہلی کی سلطنت فتح
کی تھی لیکن ابھی ہند میں اور بھی طاقت ور حکمران تھے اور اب وہ بابر کے خلاف معرکہ لڑائی
کرنے لگے۔ منجملہ اُن کے نہایت طاقت ور اور دے پور کا مشہور راجہ سنگرام سنگھ تھا
اور وہ سلطان ابراہیم کی طرح کوئی نا تجربہ کار اور کم فہم نہ تھا وہ پیرانہ سال جنگجو
تھا جس نے بہت سی جنگیں کی تھیں اور جو اپنے بدن پر سخت جنگوں کے نشانات رکھتا
تھا۔ دلاور راجپوت اس کے چھوٹے تلے جمع ہو گئے۔ بابر نے اپنے دشمن کے
مقابلہ کے لئے نہایت غور سے تیاری کی۔ اس موقع پر اس نے عہد کیا کہ میں شراب خوری کی
برمی عادت کو ترک کرنے کا عزم ارادہ کرتا ہوں جس میں وہ چند سال سے مستغرق تھا۔
اُس نے سونے اور چاندی کے پیالوں کو بمعہ دیگر ظروف کے جن کو شراب کی انجمن میں
استعمال کرتا تھا توڑ ڈالنے کا حکم دیا اور شراب کا استعمال ترک کر دیا۔ جوں جوں ایام
جنگ نزدیک آنے لگے بابر کے لوگ خوف و ہراس کی علامت ظاہر کرنے لگے۔ وہ چند
ہی آدمی تھے جو اپنے ملک سے دُور تھے۔ اُن کو معلوم تھا کہ راجپوتوں کی جرات و فوج
کے سامنے فتح مند ہونا ناممکن ہے۔ بابر نے ان سے حوصلہ افزائی کے الفاظ کہنے شروع
کئے۔ وہ کہتا ہے :-

وہیں نے کل افسروں کی اور عہدہ داروں کی کونسل بلائی اور اُن سے مخاطب ہوا۔ شرعاً او
سپاہی ہر ایک آدمی جو اس دُنیا میں آتا ہے فنا ہو جاتا ہے۔ بدنامی کی زندگی
سے رہنے کی نسبت نامور موت بہتر ہے اس لئے ہم ایک دُئے ہو کر خدا کی قسم
کھائیں کہ ہم میں سے کوئی اس جنگ سے منہ موڑنے کا خیال نہ کرے گا اور نہ میدان
جنگ سے پیٹھ دکھائے گا جب تک اُس کے بدن میں رُوح ہے۔“

ان الفاظ نے فوج میں حوصلہ پیدا کر دیا۔ سب نے قرآن کی قسم کھائی کہ وہ اپنے بادشاہ کا ساتھ اخیر دم تک دیں گے۔ ۱۶ مارچ ۱۵۲۶ء کو دونوں فوجوں میں کنواکے مقام پر جہاز آگرہ سے دور نہیں تھا مقابلہ ہوا۔ ایک دفعہ اور بابر کی جنگی ہنرمندی اور اس کے آدمیوں کی شجاعت نے فتح کا دن دیکھا۔ اس نے بڑی فتح پائی اور راجپوت فوج تباہ ہو گئی۔ رانا سنگرام سنگھ جان لے کر بھاگا۔ لیکن وہ بابر کا پھر مقابلہ نہ کر سکا۔ جنگ میں راجپوتوں کو شکست دے کر بابر نے راجپوتانہ میں بڑھنے اور ان کو مزید سزا دینے کا ارادہ کیا اس لئے وہ ملک میں بڑھا اور چند پری کے مضبوط قلعہ پر حملہ آور ہوا اور فوراً قلعہ کے ایک حصہ پر قابض ہو گیا۔ تب راجپوتوں نے اس پر جان توڑ حملہ کیا۔ بابر کہتا ہے:-

”تھوڑے عرصہ میں راجپوت ہم پر حملہ کرنے کے لئے باہر نکلے اور میرے بے شمار آدمیوں کو بھاگادیا اور فاصلے سے گولہ پڑے۔ ہماری بعض فوجوں پر سختی سے حملہ ہوا اور تہ تیغ کیا۔ ان کے جان توڑ حملہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ میدان میں ہانسنے کی امید کر کے انہوں نے اپنے بیوی اور بچوں کو قتل کر دیا اور خود تباہ ہونے کا خیال کر کے جنگ کے لئے نکل آئے تھے۔ دوستوں سوا آدمی اپنے افسر کے مکان میں داخل ہو گئے جہاں بیشمار آدمیوں کو مفصلہ ذیل طریق سے قتل کیا۔ ایک شخص نے اپنے ہاتھ میں تلوار لی اور پھر ایک ایک کر کے جمع ہوئے اور اپنی گردن قتل کی خواہش میں دراز کر دی۔“

اس فتح کے بعد بابر بہار کی طرف بڑھا جہاں کچھ افغان افسر سرکش ہو گئے دشمن تک پہنچنے کے لئے دریائے گنگا پر پل باندھنا ضروری تھا۔ چند کشتیوں کو جوڑ کر پل باندھا گیا۔ فوج کا ایک حصہ دشمن کے ساتھ لڑنے کے لئے پل پر سے بھیج دیا۔ جنگ عصر کی نماز تک خوب ہوتی رہی۔ تب بابر نے کسی عجیب وجہ پر اپنی فوج کو واپس ہٹا لیا۔

بابر کہتا ہے۔ اگر اسی سنجہ کی شام کو میں باقی ماندہ فوج دوسری بانے جاتا۔ اغلب تھا کہ بہت سے دشمن میرے آدمیوں کے ہاتھ آجاتے۔ لیکن میرے دماغ میں یہ آیا کہ اگلے سال میں نئے سال کے دن رانا سنگرام سنگھ کو اگر ہم اتوار کے روز شکست دیں

تو نہایت مشہور واقعہ ہو گا۔ اس واسطے میں نے اپنی فوج کا کوچ نہ کیا۔ جب اس نے کوچ کیا تو بہت دیر ہو گئی تھی۔ دشمن بہت جنگ کر چکا تھا اور سب معدوم ہو گئے۔ بابر اگرے کو واپس آنے کے لئے آزاد ہو گیا اور اس قدر سخت مہائب اور کوچ کے بعد اُسے آرام کا قدرے موقعہ دستیاب ہوا۔

تمام جنگوں کے بعد اب بابر کو ذرا فرصت ملی اور یہ اُس کے لئے بہتر ہوا۔ اس کی صحت ہند کی آب و ہوا کی وجہ سے متاثر ہونا شروع ہو گئی تھی اور بخاروں کے حملوں سے اُس نے بہت تکلیف اٹھائی۔ لیکن اس میں اب بھی بہت طاقت تھی۔ دریائے گنگا میں لمبی ترائی اور دودرازی کی سواری جو معمولی آدمی کو تھکا ماتیں اسکی روزانہ زندگی کے کام تھے۔

قیام اگرہ اب وہ اگرہ میں مستقل طور پر قیام پذیر ہوا جہاں اُس نے بڑی شان سے دربار کیا تھا۔ ہندوستان کے فرمانروا کو بہت سے اصحاب آداب بجالانے کے لئے آتے تھے۔ اُن کا بڑے تپاک سے استقبال کیا جاتا اور خلعت عطا ہوتے۔ بابر نے اپنے قدیم سپاہیوں کو فراموش نہ کیا۔ اُس کے وفادار ہمراہی جو اُس کے وطن سے ساتھ آئے تھے اور جن کی امداد سے اُسے تخت نصیب ہوا تھا اُن کو بڑے بڑے سخاوت اور جاگیریں عطا ہوئیں۔

مغل شہنشاہوں کی طرح بابر کو عمارتوں اور باغات بنانے کا شوق تھا۔ نئی عمارتوں اور باغات سے اگرہ کو خوب صورت بنانے میں ہمہ تن مصروف ہوا۔ باغوں کی خصوصیت یہ تھی کہ پانی اور فوارے افراط سے مہیا تھے۔ ٹھنڈے پانی اور خوبصورت پھولوں میں شہنشاہ اور اُس کے درباری بیٹھ کر ہند کی گرمی کو بھول جاتے۔ یہ ضلع دامن کا زمانہ دیگر جنگ و جدل سے جلد منسل ہو گیا۔ بہار کے افغانوں نے سرکشی اختیار کی اور بابر کو اُن کے خلاف معرکہ آرائی کرنی پڑی۔ اُس نے اُن کو شکست دی لیکن ازاں بعد بنگال کی سلطنت کے ساتھ جنگ میں پھنس گیا۔ آج تک بابر اور بنگال کی سلطنت کے درمیان دوستی تھی۔ لیکن اب مؤخر الذکر نے دریائے گنگا تک اپنی فوجوں کو متحرک کیا اور عین بابر کی راہ میں حائل ہو گئی اور غالباً وہ بہار کے سرکشوں کی معاونت کرتی معلوم ہوتی تھی۔ بابر کے

ساتھ بنگال کا سفیر تھا اور شہنشاہ معاملات کا فیصلہ صلح سے کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے سفیر سے کہا اگر اس کا آقا دراصل صلح اور دوستی کا منشاء رکھتا ہے تو اُسے اُس کے ظاہر کر دینے میں کوئی دقت نہیں اور وہ فی الفور کر دے گا۔

جواب باصواب نہ مل کر بابر نے اُسے بنگال واپس کر دیا۔ ساتھ ہی اُس کو یہ بھی مطلع کر دیا کہ میں اپنی مرضی کا پابند ہوں خواہ آگے جاؤں خواہ واپس آؤں میرکشیوں کو دبانے کی غرض سے جو نہایت مناسب ہو گا کروں گا خواہ وہ کسی جگہ ہوں لیکن اُس کے آقا کی سلطنت خشکی یا تہری سے کسی جگہ نقصان پذیر نہ ہوگی لیکن بابر نے بنگال کی فوجوں کو اس کے راہ سے ہٹنے اور سرکنے کے لئے اصرار کیا اور سفیر کو اپنے مالک کو ذیل کا پیغام دینے کے لئے ہدایت فرمائی۔ اگر وہ راستہ کو ٹھکڑا چھوڑنے سے انکار کرے گا اور اُس کی فہمائش کے سننے سے غفلت کرے گا جو کہ اُس نے کی ہیں تو جو کچھ عذاب اُس کے سر پر پڑے گا اُسے اپنے افعال کا نتیجہ سمجھنا چاہئے اور جو کچھ ناگوار واقعات پیش آئیں اُن کے لئے خود کو ہی الزام دینا ہوگا۔ چونکہ بنگال کی فوجیں راہ میں حائل نہ ہیں۔ بابر نے جنگ کا ارادہ کر لیا۔ اُس نے اپنی افواج کو دو حصوں میں تقسیم کیا جنہوں نے دریائے گنگا عبور کیا اور بنگالیوں کو شکست فاش دی۔ اور صلح کی درخواست کرنے پر مجبور کیا۔ بعد ازاں بابر آگرے کو فتح کے نشان اُڑاتا ہوا لوٹا اور باقی ماندہ ایام میں اُس کے دشمنوں نے اُس کو تکلیف نہ دی۔

بابر کی زندگی کی کہانی بنگال کی فوج پر فتوحات کے حالات سے ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے باقی ماندہ سالوں کی چند پریشان باتیں ہیں اور بس۔ باقی باتیں اس کے خاندان کے متعلق ہیں جن کا اب تک بہت کم ذکر کیا ہے۔ بابر کے چار بیٹے تھے۔ ہمایوں، اکبر، ہندال اور عسکری۔ اُن میں سے ہمایوں سب سے بڑا اُس کا عزیز بیٹا تھا۔ اس کے کئی بیٹیاں بھی تھیں۔ دشمنوں سے آزاد منش اور عفو کن ہونے کے علاوہ بابر اپنے خاندان کے ساتھ بھی رفاقت رکھتا تھا۔ اس کے بہت سے رشتہ دار تھے اور بابر ان میں سے بہت سے رشتہ داروں کو ہند میں اپنے ہمراہ لایا جہاں اُن کے ساتھ

فیاضی کا سلوک کیا اور اُن کو محلات اور خزانہ عطا کیا۔ اس کی عزیز بیوی جس کو وہ (چاندنی بنی) کہتا تھا۔ بڑی پیاری اور اور اُس کے ساتھ اُلفت سے پیش آتا تھا۔
 القصد بابر نہایت نیک باپ اور وفادار خاوند تھا۔ اگرچہ شہنشاہ ہند میں مقیم ہو گیا تھا مگر وہ اپنے وطن اور کابل کی اپنی پرانی سلطنت کو نہ بھولا جس کو اس نے اپنے بیٹے ہمایوں کو حکمرانی کے لئے دی تھی۔ بابر اپنے قدیم مقبوضات کی غیریں منہنے کے لئے ہمیشہ متفکر رہتا تھا اور درحقیقت اُن کو جاننے کے آرزو رکھتا تھا۔ اگر اُس کو زندگی موقع دیتی تو ہندوستان کے حالات کسی قدر زیر اہتمام ہو چکے ہوتے۔

وہ کہتا ہے: ”اور مجھے خدا تعالیٰ پر بھروسہ ہے کہ وقت نزدیک ہے جب اُس کے فضل سے ہر ایک معاملہ بالکل درست ہو جائے گا۔ جو بھی یہ ہو جائے گا وہ ان ممالک کی خوشیوں کو کس طرح دل سے بھلا دیتا کس طرح میرے جیسا شخص جس نے پرہیزگاری اور نیک زندگی کی قسم کھائی وہ اس خوش علاقے کے لذیذ انگوروں اور دوسروں کو بھول سکتا ہے۔ ایک دن کوئی شخص اُس کے پاس سردوں کا تحفہ لایا۔ جب میں نے اُس کو تراشا میرے دل میں وطن کی تمنا بڑے زور سے اٹھی اور وطن سے جلا وطنی کا احساس موجزن ہوا اور میں ناز زار رونے کے سوا کچھ نہ کر سکا۔ بابر نے اس طرح اپنے قدیم دوست کو لکھا اور صاف ظاہر ہے کہ اگرچہ وہ ہند کے بڑے حقہ کا شہنشاہ تھا مگر ابھی تک وہ خود کو جلا وطن سمجھتا تھا۔ دراصل ہند کے بڑے نقطہ نگاہ سے بابر اس کا بیٹا اور جانشین ہمایوں غیر ملک کے فرمانروا سمجھنے چاہئیں۔

ہمایوں بابر کا سب سے بڑا بیٹا شمال میں حکومت کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ بابر کی زندگی کے اخیر سالوں میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر ممکن ہو تو وہ اپنی سلطنت شمال میں اور وسیع کرے اور شہر سمرقند کو پھر دست تصرف میں لے آئے بابر کو اس بات کا بڑا شوق تھا لیکن تجویز ناکادہ ہوئی۔ بعد ازاں ہمایوں ہند کو اپنے باپ سے ملنے کی خاطر کوٹا۔ اس کے لوٹنے سے تھوڑے ہی دنوں بعد اُسے بخارا چڑھ آیا اور ایسا نازک حال ہو گیا کہ حکیموں کو اُمید نہایت نہ رہی جو ان شہزادہ کی جان بخشی بڑی قربانی پر منحصر

تھی۔ بابر کو اپنا بیٹا بڑا پیارا تھا اور جب اُس سے یہ بات کہی گئی تو اُس نے سب سے بڑی قربانی کا ارادہ کر لیا۔ یعنی اپنی جان کا تصدق کرنے کا ارادہ کر لیا۔ وہ بیٹے کے پلنگ کے گرد گیا اُس کے چاروں طرف تین مرتبہ طواف کیا اور کمال سنجیدگی سے دُعا مانگی کہ بیماری بیٹے کے بجائے اس کو لگ جائے۔ باپ کی دُعا قبول ہوئی اور ہمایوں ٹھیک ہو گیا۔ لیکن بابر نے اپنی جان بیٹے کی صحت یا باپ کی قیمت میں ادا کی۔ وہ کچھ عرصہ سے اچھا نہ رہتا تھا۔ ہند کی آب و ہوا ظاہراً اس کے موافق نہ آئی کیونکہ اس کی یاد میں اکثر وہ بخار کی شکایت کرتا رہا۔ اب اس کی صحت جاتی رہی۔

ہمایوں کی جانشینی | بڑے بڑے آدمیوں کو بلا کر قریب المرگ شہنشاہ نے وفاداری کے لئے عہد کرنے پر مجبور کیا۔

وفات | ۳۵ دسمبر ۱۵۳۰ء مطابق ۱۹۴۳ھ کو بابر اڑتالیس برس کی عمر میں اُگرے میں جاں بحق ہو گیا۔ ہمایوں گیارہ برس کی عمر میں باپ کے تخت پر متمکن ہوا اور اُسے ایک لحظے کی فرصت نہ ملی۔ بہت تھوڑے آدمیوں کو اتنی خورد سالی میں اس قدر مصائب کا زمانہ بھیلنے کا اتفاق ہوتا ہے۔

بابر کی خواہش کے مطابق اس کی نعش کا بل لے گئے اور باغ نور افشاں میں دفن کیا جس سے اسے بہت انس تھا۔

سیرت | بابر تمام مغل بادشاہوں میں نہایت نمایاں شخصیت رکھتا ہے۔ زیادہ تر اُس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں اس کے صاف صاف حالات اس کی اپنی کتاب سے ملتے ہیں۔ دوسرے مغل بادشاہوں کے عہد حکومت کے واقعات موجود ہیں لیکن ان میں قدر تا ذاتی خیالات کی کمی ہے۔ بابر ہر ایک معاملہ میں اپنے لفظوں کی بابت بھی نہایت آزا د ہے اگر وہ بہت شراب پیتا ہے تو اس کا بھی ذکر کر دیتا ہے۔ اگر اُسے کوئی نیا سھول یا عجیب جانور مل جاتا ہے تو وہ اُس کا بیان توجہ سے لکھتا ہے اُس کی جنگی زندگی کو مد نظر رکھیں۔ وحشیانہ زندگی گزارنے کے خیال سے اس کی عملی قابلیت

بہت بڑھی ہوئی تھی اور وہ صرف نشر کا مصنف نہ تھا۔ اُس نے نظم بھی لکھنے کی کوشش کی اور بہت سے نفیس شعر تصنیف کئے ہیں۔ بااخلاق اور رحمدل تھا اور اپنے دشمنوں کو معاف کر دیتا تھا۔ وہ خوش اخلاق تھا اور اپنے خاندان کے لوگوں پر مہربان تھا۔ خاص کر عورتوں پر جن کے ساتھ وہ ہمیشہ عزت کا برتاؤ کرتا تھا۔ وہ وفادار شوہر اور محبت کرنے والا باپ تھا۔ ہمایوں کے بچانے میں اس کی ذاتی قربانی کا ثبوت ہے۔ مہتر ایس پول لکھتا ہے :-

”وہ خوش نصیب سپاہی تھا اور نہ کہ سلطنت کا بانی۔ تاہم اُس نے اس شاندار محل کی بنیاد ڈالی تھی جس کو اُس کے پوتے اکبر نے پہلے پہل پورا کیا۔ تواریخیں اس کی جگہ اس کی ہندوستانی فتوحات پر قائم ہے جس نے ایک شاہی قطار کے لئے راستہ کھول دیا۔ لیکن اس کی تواریخی اور علی قابلیت زیادہ تر اُس کے شروع زمانہ کی دلیرانہ مہمات اور ثابت قدمی کی کوششوں اور خوش طبع یادداشت سے سمجھ میں آئی ہے جن میں اُن کو اُس نے بیان کیا ہے۔“

حلیہ | ابا بر قوی الجبٹہ اور اوسط قد کا آدمی تھا۔ اس کی شکل خوش وضع تھی اور عموماً وہ حلیم و بامروت تھا۔ وہ نہایت جسمانی قوت اور برداشت رکھتا تھا۔ وہ مورچوں پر دو آدمیوں کو ایک ایک بغل میں ماد کر لے جاتا تھا۔ وہ دلیر شہسوار اور عمدہ پیراک تھا۔ وہ اکثر اپنی تنزک میں موخر الذکر ورزش کے اشتیاق کا ذکر کرتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بابوں میں درج ہو چکا ہے۔ وہ شراب نوشی کا عادی تھا اس کو نہیں چھپاتا اور اپنے دوستوں کی مجلس میں شراب نوشی کے دور کا اکثر ذکر کرتا ہے۔ لیکن جیسا کہ دیکھا گیا ہے کہ اس میں بدعادات کو چھوڑنے کی بھی قوت ادا دی تھی بہر صورت وہ اچھی صحت رکھتا تھا۔ اس کی زندگی کا آخری حصہ تھا کہ ہند کی آب و ہوا اور نہایت سخت محنت نے اس کی صحت کو کمزور کر دیا اور بخار کے حملوں کا مزہ اوار کر دیا۔ اسکی وجہ سے اُس نے افیون شروع کر دی۔

مذہب | مذہبی خیالات کے بارے میں ایک مصنف لکھتا ہے اگرچہ وہ پکا حنفی تھا لیکن وہ معقول پرستش کو فراموش نہ کرتا تھا صوم و صلوة کا

پابند تھا جو کہ اللہ اکبر کہنے والے کو واجب ہے۔ نہ ان قوانین اور رسومات سے متنفر تھا جو کہ کمال حکمت عملی پر مبنی ہیں جو کہ بیرونی محققین کے مفاد کے لئے ہیں۔ اس کی علمی قابلیت بڑی تھی۔ تنزک بابری خود اس امر کی شاہد ہے۔ ترکی زبان میں نہایت فصیح کلام اس کا ہے۔ مولف تالیفیں رشیدی کہتا ہے۔ میر علی شیر بیگ نوائی کے بعد بابر کے مرتبہ کا کوئی ترکی شاعر نہ تھا۔ لیکن بابر فارسی کا عالم بھی تھا۔

”در علم موسیقی و انشاء و املا نظیر نہ داشت“ ۱۷

بابر کم لیاقت کا مصنف نہ تھا۔ ہر دو نظم میں اس کی تحریر درجہ کمال تک پہنچ گئی۔ اکبر نامہ میں ہے :-

”اں حضرت دادِ نظم و نثر پایہ عالی بود خصوصاً در نظم ترکی و دیوان ترکی اں حضرت در نہایت فصاحت و عذوبت واقع شد و مضامین

تامہ در اں مندرجست“ ۱۸

مسٹر لین پول فرماتے ہیں چونکہ وہ صاحب نصیب سپاہی تھا لیکن اس کا علمی مذاق اور نکتہ خیالی کم درجہ کی نہ تھی۔ یہ قدرتی امر ہے کہ ایسے علمی مذاق کے شخص کو دوسرے مصنفوں کی مجلس پسند ہو۔ اس کا دربار عالموں سے بھرا ہوتا تھا جو کہ تمام حصص سے آئے تھے۔ درحقیقت وہ مجلس جس کے ساتھ بابر گھرا رہتا تھا بہت سی صورت میں اس کے پوتے اکبر کی مجلس کے مشابہ تھی۔ علمی مذاق کے علاوہ بابر کو علم موسیقی سے بھی بڑا شوق تھا۔ اُس کے مذاق کے لئے اُس کے خاندان کا کوئی شخص بعد از ازل معروف نہ ہوا۔ بابر اپنے ہم محضوں میں انصاف کے لئے نہایت معروف تھا۔ چونکہ پاس عزت رکھتا تھا، اس کا وعدہ غلامی سے زیادہ کوئی چیز غصہ نہیں دلاتی تھی۔ وہ قصور معاف کر دیتا تھا۔ جو کچھ ملتا وہ کشادہ دلی سے خیرات کر دیتا۔ ہمیں دہلی کے خزانہ کی تقسیم کا حال یاد ہے اور ان بے شمار تحائف کا حال معلوم

۱۷ فرشتہ جلد ۱ صفحہ ۲۱۱ ۱۸ اکبر نامہ جلد ۱ صفحہ ۱۱۸

ہے جو اُس نے کابل اور دیگر مقامات پر اپنے قدیم دوستوں کو بھیجے تاکہ اُن کو اس امر کا یقین ہو جائے۔ اس کی فیاضی اور فراخ دلی مغلوب دشمنوں کے ساتھ نیک سلوک میں بھی ظاہر ہے۔ بابر بار اس کے زمانہ کے درجہ کے خلاف وہ اپنے مغلوب دشمنوں کے ساتھ نہایت رحمدلی سے پیش آتا تھا۔ اپنے خاندان کے ساتھ اس کی الفت اور رعایت کے ساتھ لحاظ داری کا ذکر ایک اور جگہ بھی آیا ہے۔

مغل فرمانرواؤں میں بابر کا درجہ اعلیٰ ہے۔ اگرچہ سب سے اعلیٰ ترین نہیں۔ وہ سرکردہ تھا جس کی محنت کا پھل اوروں نے کھایا۔ اس کے مختصر عہد حکومت میں بطور شہنشاہ کے اُسے اپنی نئی سلطنت کا انتظام کرنے اور فروغ دینے کا موقع ملا۔ اگر وہ کچھ عرصہ اور زندہ رہتا تو وہ انتظام سلطنت کی قابلیت ضرور ظاہر کرتا جو اکبر سے کسی طور بھی کمتر نہ ہوتی۔

تصانیف | بابر کی تصنیف تنک بابری جس سے اُس کے حالات ہم نے اخذ کئے ہیں ایک دیوانِ ترک کی جوشا ہی کتب خانہ رام پور میں موجود ہے ایک مثنوی، فقہی اور اخلاقی مسائل پر دو ہزار اشعار ہیں، اس کا نام فقہ بابری بھی ہے۔ حضرت خواجہ عبید اللہ امرات کی کتاب والد ہیہ جس کا ترکی منظوم ترجمہ بابر نے ۹۲۵ھ میں کیا۔ بابر نے رسائلِ عروض کے نام سے ترکی شاعری عروض پر ۹۲۵ھ میں ایک کتاب لکھی۔ فارسی میں بھی گا ہے اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔

ابوالفضل اکبر نامہ میں لکھا ہے :-

ہم چنیں بزبانِ فارسی اشعارِ دلپذیر دارند

شدہ جمع و بود جمع پریشاں
گرفتار توئے وقوئے عجائب

تذکرہ مرآۃ البہال میں بابر کی غزل منقول ہے ۔

۱۔ اکبر نامہ جلد ۱۱ ص ۱۱۱

بابر نے اپنی جودت طبع سے ایک خاص قسم کا خط اختراع کیا تھا اور اس خط میں کلام پاک لکھ کر مکہ معظمہ بھیجا۔
منتخب التواریخ میں ہے :-

«و از جمله غرائب و اختراعات آن شاه مغفرت پناہی خط بابریست
کہ معھفی ہاں خط نوشتہ و مکہ معظمہ فرستادہ» ۱

بابر کے عہد کے علماء | شیخ الاسلام سیف الدین احمد میر، ملا سعد الدین
تفازانی، شیخ حسن متکلم میر جمال الدین محدث، عطا اللہ
مشہدی، شیخ زین الدین جوہر کے عہد پر فائز تھے، واقعات بابری کا فارسی
ترجمہ اُن کا مشہور ہے۔ اکبر آباد میں ۹۹۹ھ میں فوت ہوئے۔ مولانا شہاب الدین
معانی متوفی ۱۰۴۲ھ۔

شعراء میں شیخ ابوالواجد فادغی، سلطان محمد کوسہ سرخ و داعی، شیخ
جمالی کہنہ مشق تھے۔

اطباء میں میر ابوالبقا، مولا یوسفی، خواجہ نظام الدین علی خلفہ اپنے علم
کے لئے مشہور تھے۔
یہ تمام ادب کمال بابری کی علم نوازی کی بدولت خراسان اور ہرات سے
اگرہ آگئے۔

کُتب خانہ | بابر سفر و حضر دونوں میں اپنا کُتب خانہ ساتھ
لے لکھتا تھا۔ ۲

۱۔ منتخب جلد ۱ صفحہ ۳۴۳ ایضاً صفحہ ۴۱، ۲۔ صحیح گلشن صفحہ ۵۶۶
۳۔ تذکر بابری اردو صفحہ ۳۳۶ -

نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ

بابر کے بیٹے بیٹے ہمایوں کی عمر اس وقت ۲۴ سال کی تھی کہ باپ کے بجائے ۹ جمادی الاول ۹۳۷ھ میں تخت نشین ہوا۔ بابر کے زمانہ میں اکثر جنگوں میں شریک ہوا تھا۔ انتظام سلطنت سے واقف تھا اور تعلیم یافتہ بھی تھا مگر اس کو ناکامی کا منہ اکثر دیکھنا پڑا۔ بابر نے بھائیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت کی تھی۔ چنانچہ اُس نے بھائیوں کو بڑی جاگیریں اور عہدے دیئے۔ مرزا کامران کو کابل اور قندھار عطا کئے۔ عسکری کے حصہ میں سنہل آیا اور الور مرزا ہندال کو دیالیا۔

افغانوں کی طاقت پورے طور سے ختم نہیں ہوئی تھی۔ مغلوں سے حکومت واپس لینے کے متمنی تھے۔ ہمایوں کا مخالف گجرات کا بادشاہ بہادر شاہ تھا۔ اُس نے سلطنت بہت بڑھائی تھی اور راجپوتانہ کو فتح کرنا چاہتا تھا۔ ادھر ہمایوں کا خزانہ خالی تھا اور فوج بھی کم تھی۔ ہمایوں کو جو نپور کے قریب چند افغان سرداروں کی بغاوت فرو کرنی پڑی۔ پھر کانہر فتح کر کے بہار کی طرف گیا۔ شیر خاں نے اطاعت قبول کر لی۔ پھر گجرات کا بادشاہ جو طاقت ور تھا۔ اس کے پاس ہمایوں کے درباری امراء چلے گئے تھے اور مشورہ ہو رہا تھا کہ مغلوں سے حکومت لے لی جائے۔ چنانچہ بہادر شاہ نے چتوڑ فتح کیا اور مندر سوڑ آیا۔ ہمایوں شیر خاں سے صلح کر کے گجرات کی طرف روانہ ہوا۔ بہادر شاہ سے مقابلہ ہوا۔ بہادر شاہ شکست کھا کر ماندو پہنچا۔ ہمایوں نے پیچھا کیا۔ پرتگیزیوں کے پاس ڈیو چلا گیا اور ۱۵۳۷ء میں سمندر میں گر کر مر گیا۔ مغل گجرات پر قابض ہو گئے۔ مرزا عسکری وہاں کا حاکم مقرر ہوا۔ ہمایوں نے جہانپور کا قلعہ فتح کرنا چاہا اور بڑی بہادری کا ثبوت دیا۔ مگر گجرات میں بغاوت ہو گئی۔ مرزا عسکری احمد آباد چھوڑ کر اگرہ چلا آیا۔ یہی زمانہ تھا کہ فرید خاں شیر شاہ بن چکا تھا۔

شیرشاہ سُوری

شیرخاں کا اصلی نام فرید تھا۔ میاں حسن جاگیر والد ہسرام کا بڑا لڑکا تھا۔ ۹۴۴ھ میں جونپور گیا۔ عربی، فارسی، تادیخ و فقہ میں مہارت حاصل کی۔ تادیخ سے اس کو دلچسپی تھی۔ بہادری اور فاستحانہ مہر گرمیوں کو گریہ میں باندھتا رہتا تھا۔ اس زمانہ میں جب حسن خاں جونپور آیا اور شیرخاں کو گھر واپس لے گیا اور جاگیر کا انتظام سپرد کیا۔ اُس نے بہترین حالت اس چھوٹی سی جاگیر کی کر دی۔ مگر اس کی سوتیلی ماں نے وہ صورت پیدا کر دی کہ شیرخاں گھر سے نکل گیا۔ پہلے سلطان ابراہیم لودھی کے دربار میں پہنچا۔ ابراہیم اور بابر میں پانی پت کے میدان میں مقابلہ ہوا۔ ابراہیم لودھی کا خاتمہ ہوا زبا بربہلی کے تخت کا مالک بن گیا۔

شیرخاں بابر کی دربار تک پہنچا۔ ایک سال رہا۔ بابر کے دسترخوان پر شریک تھا۔ وہ بار بار شیرخاں کو دیکھتا۔ کھانا کھا کہ شیرخاں چلتا ہوا۔ بابر نے ہستم سے کہا شیرخاں کو بلاؤ۔ اس نے تلاش کیا تو اس کا پتہ نہ لگا۔ بابر نے کہا افسوس! خطرناک شخص دام سے نکل گیا۔ یہاں سے شیرخاں بہانہ پہنچا اور بہادر خاں المصطفیٰ سلطان محمد کے پاس پہنچا اور چند روزیں مقرب بادشاہ ہو گیا۔ شیر کے مارنے پر شیرخاں کا خطاب پایا اور اُس کے نابالغ لڑکے عبدالخال کا اتالیق مقرر ہوا۔

سلطان محمد کے مرنے کے بعد جلال خاں تختِ حکومت پر بیٹھا اور سلطان محمد کی حرم درود نے عنانِ حکومت سنبھالی۔ شیرخاں نائب بنایا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ملکہ درود انتقال کر گئی تو شیرخاں اکیلا مختار کل ملک بہادر ہو گیا۔ مگر سردارانِ لوحانی نے جلال خاں کو اپنا ہمنوا بنالیا۔ شیرخاں وطن چلے آئے۔ لوحانی، جلال خاں کو شاہِ بنگال کے پاس بہکا کر لے گئے۔ یہ شیرخاں نے فوج بھرتی کرنی شروع کر دی۔ ادھر شاہ

بنگال سلطان محمود نے بہار پر قبضہ کرنے کے لئے ابراہیم پسر قطب شاہ کو لشکر دیکر بھیجا۔ شیر خاں فوج لے کر مقابل ہوا۔ آخرش ابراہیم کام آیا۔ لودھانہ بہت سے کھیت رہے۔ جلال خاں بھی ابراہیم کے ساتھ تھا۔ وہ بنگالہ چلتا ہوا۔ خزانہ وہاں ہی سب شیر خاں کے ہاتھ لگے۔ ملک بہار کا شیر خاں مالک ہوا۔ اُس نے تھوڑے دنوں میں اپنے علاقہ کی حالت سدھار لی اور رعایا امن و امان سے رہنے لگی۔

ہمایوں نے شیر خاں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے کی کوشش کی۔ لیکن شیر خاں نے صلح کر لی۔ ہمایوں گجرات گیا۔ شیر خاں نے بہار کی سلطنت پر قبضہ کر لیا اور بنگال کے کچھ حصہ پر بھی عمل دخل کیا۔ ہمایوں گجرات سے لوٹا۔ پوری فوج ساتھ تھی۔ چنار پر حملہ کر کے قلعہ کو مستحضر کیا۔ چنار کا قلعہ نکل جانے کی خبر سن کر شیر خاں نے اپنے خاندان کے لوگوں کو اتھاس کے قلعہ میں بھیج دیا اور خود وہاں سے چل دیا۔ ہمایوں چنار سے روانہ ہو کر غور پہنچا اور اس کو فتح کر لیا۔ اس عرصہ میں شیر خاں نے موقع پا کر چنار اور جونپور کا محاصرہ کر لیا اور جب ہمایوں واپس ہوا گنگا کے قریب اُس کو پٹھانوں نے روکا۔ چونہ کے میدان میں لڑائی ہوئی جس میں مغلوں کو شکست ہوئی اور ہمایوں جان بچا کر بھاگا۔ جب وہ گنگا عبور کر رہا تھا نظام سقہ نے مدد کی تو ہمایوں ڈوبنے سے بچا۔ اس کے صلیے میں چند گھنٹوں کی بادشاہت اُسے ملی۔

چونہ کی لڑائی کے بعد شیر خاں نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا اور شیر خاں کا لقب اختیار کیا۔ ہمایوں دوبارہ فوج ٹھیک کر کے افغانوں کے مقابلہ کے لئے آیا۔ قنوج کے میدان میں دونوں فریق بڑی بہادری سے لڑے لیکن پھر مغلوں کو شکست ہوئی وہ بھاگ نکلے اور ہمایوں کو سلطنت چھوڑ کر جانا پڑا۔ شیر شاہ نے پنجاب تک ہمایوں کا پیچھا کیا اور کوکھروں کو شکست دے کر شمالی پنجاب اور سرحدی ضلعوں پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد اس نے مالوہ، سندھ اور رائے سین کو اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ پھر راجہ جو دھپور سے مقابلہ کر کے اس کو شکست دی اور راجپوتانہ کے اکثر حصے سوری سلطنت میں شامل کر لئے۔ پھر شیر شاہ نے کالنجر کا محاصرہ کیا۔ بارود میں آگ لگ جانے سے شیر شاہ

زمخمی ہوا۔ قلعہ توفیح ہوا لیکن ۲۲ مئی ۱۵۴۵ء کو یہ لائق فائق بادشاہ پانچ سال کی مختصر حکومت کے بعد مر گیا۔ اس وقت اس کی حکومت تمام شمالی برصغیر میں قائم ہو چکی تھی۔ یہ کوئی معمولی کام نہ تھا لیکن شیرشاہ کا سب سے بڑا کارنامہ اُس کا وہ نظام حکومت تھا جس کی بنیادوں پر مغلوں نے اپنی مضبوط اور پائدار سلطنت قائم کی۔

شیرشاہ کا نظام حکومت اور اصلاحات

شیرشاہ نے اپنی سلطنت کو، بہ حقوں میں تقسیم کیا تھا جو سرکار کہلاتے تھے۔ ہر سرکار میں کئی پرگنے ہوتے تھے اور ہر پرگنہ میں ایک شہدار۔ ایک امین، ایک منصف۔ ایک خزانہ دار اور چھوٹے سرکاری افسر کام کرتے تھے۔ ان کے علاوہ ٹپواری، مقدم اور چودھری بھی ہوتے تھے جو مالگذاری جمع کرتے تھے شیرشاہ نے زمین کی پیمائش کرائی۔ اس کے بعد پیداوار کا ایک چوتھائی حصہ حکومت وصول کر لیتی تھی۔ سرکاری مالگذاری نقد بھی دی جاسکتی تھی اور جنس کی شکل میں بھی۔ کسان اس طرح سے خوشحالی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ خشک سالی کے موقع پر ان کی مدد ہوتی۔ اسی طرح فوجی انتظام میں اصلاحیں کیں۔ اُس نے علاء الدین خلجی کے فوجی انتظام کو نہیں اپنایا۔ یعنی گھوڑوں پر دلخ لگانا شیرشاہ کی فوج میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ سوار اور پچپن ہزار پیادے تھے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آتا تھا رعایا پر ظلم نہیں کرتا تھا جو فوجی رعایا پر تشدد کرتا اس کو سخت سزا دیتا تھا۔

شیرشاہ نے رفاہ عام کے بہت سے کام کئے ایک سڑک بنگال سے پنجاب تک اگرہ سے راجپوتانہ دوسری بڑی پور جاتی ہوئی لاہور سے ملتان تک نکالی۔ ہر منزل پر سرائیں، مسجد، کنواں تعمیر کرایا۔ سڑک کے دونوں طرف درخت لگوائے۔ ہندو مسلمانوں کے لئے مراں میں کھانے پینے کا انتظام رہتا۔

پانچ سال کے اندر اُس نے سلطنت کا ایسا انتظام کیا کہ پیش رو نہ کر سکے۔ سلطنت کے ہر معاملہ کو خود دیکھتا اور اُس کا انتظام کرتا۔

معمولات صبح کو بہت سویرے اٹھتا۔ نماز فجر کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کرتا۔ وظائف سے فارغ ہو کر سلطنت کے کام میں لگ جاتا۔ دوپہر کو کھانا کھا کر کچھ آرام کرتا۔ پھر انتظام سلطنت میں مشغول ہو جاتا۔ نماز کا بڑا پابند تھا۔ اسلام کا متوالا تھا احکام اسلامی کا سختی سے قبیح تھا۔ رعایا کو بھی پابند بنانا چاہتا تھا۔ علما و صوفیاء کا احترام کرتا تھا۔ مختصر یہ کہ شیر شاہ کی ہستی تاریخ میں مایہ ناز ہستی ہے۔

ہمایوں کی دوسری تخت نشینی

ہمایوں قنوج کی لڑائی کے بعد پنجاب، سندھ اور راجپوتانہ کے ریگستان میں مارا مارا پھرا۔ اس زمانہ میں امر کوٹ کے قلعہ میں ۱۵۴۲ء میں اکبر پیدا ہوا۔ ہمایوں نے قندھار کا رخ کیا۔ اس کا بھائی عسکری حکمران تھا۔ اُس نے ہمایوں کی مدد بھی کی۔ آخر کار ایران چلا گیا۔ یہاں شاہ طہماسپ نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور جب ۱۵۴۶ء میں قندھار پر ہمایوں نے حملہ کیا تو شاہ نے مدد کی۔ ہمایوں کامیاب ہوا مگر پھر بھائی کو ہی دے دیہ پھر کابل پر یلغار کی اور قبضہ کر لیا۔ پھر اپنی سلطنت افغانوں سے واپس لے لی۔ شیر شاہ کے جانشین کمزور تھے۔ پنجاب پر سکندر لودھی کا قبضہ تھا۔ ہمایوں نومبر ۱۵۵۵ء میں پندرہ ہزار سوار لے کر کابل سے روانہ ہوا اور لاہور پر قبضہ کر لیا اور سرہند کے نزدیک ماچیواڑ میں سکندر لودھی کو شکست دی اور ۱۵۵۵ء میں ہمایوں ایک فاتح کی حیثیت سے دہلی میں داخل ہوا۔ اُس نے شہنشاہ اکبر اور بیر ظم کو سکندر کا بیچھا کرنے کے لئے پنجاب ہی میں چھوڑ دیا تھا۔ ہمایوں کی بد قسمتی سامنے آئی۔ اس کامیابی کے چھ مہینے بعد ہی وہ سیڑھیوں سے پھسل کر گر گیا۔ تین دن تک بیہوش رہ کر ۱۵۵۶ء ۹۴۳ھ میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔ تاریخ سے

ہمایوں بادشاہ ازبام اُفتاد

اُس کی موت کی خبر فوراً بیرم خاں کو بھیجی گئی۔ بیرم خاں سمجھا ر آدمی تھا اُس نے بہت جلد انتظام کر کے اکبر کی تخت نشینی کا اعلان کیا اور کلانور ضلع گورداسپور میں

رسم تاجپوشی ادا کی۔

ہمایوں بہادر اور اعلیٰ قابلیت رکھتا تھا۔ پھر وہ علمی اقدام اٹھانے میں دیر کر دیتا تھا جس کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑا۔ اہل علم کا قدر دان تھا، اسطراب ہمایوں اس کی علمی یادگار ہے۔ شاعر بھی تھا وہ احسان فراموش نہ تھا۔ ہمایوں کی یہ قابلیت کبھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی۔ اپنی کھوئی ہوئی سلطنت پھر قائم کی اور دوبارہ مغلیہ حکومت کی بنیادیں استوار کر گیا۔

ہمایوں کے عہد کی تعلیمی ترقیاں

مغل سلاطین صاحب علم و فضل تھے اور ان کے درباروں سے علماء وابستہ رہے اور وہ ملک میں علم و تعلیم کا فیض پہنچاتے تھے۔ مختلف شہروں میں مدرسے قائم تھے اور پچھلے فرماں رواؤں کے طرز پر ان کے معارف شاہی خزانے سے ادا ہوتے تھے۔ نیز ملک میں مہاجر علماء کے وجود سے مدرسے جاری تھے۔ ہمایوں کو علم ہنریت و ہندسہ کا شوق تھا۔ اس عہد کے بالکمال ہنریت دان مولانا نور الدین ترخان اس کے دربار سے وابستہ تھے۔ وہ کبھی خود ان سے درس لیتا اور کبھی ان کی فنی مشکلات حل کرتا۔ ہمایوں کے عہد میں دو نئے اہم مدرسے لائق ذکر ہیں۔ ایک زمین الدین نوافی کا مدرسہ آگرہ میں جہاں وہ مدفون ہوئے تھے اور دوسرا دلی کا ایک مدرسہ جس میں شیخ حسین مدرس تھے۔ ۳۳

اکبر اعظم

اکبر کا نام و لقب | ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر۔

پیدائش | امرکوٹ میں ۵ رجب ۹۷۹ھ میں ملکہ حمیدہ بانو کے بطن سے پیدا ہوا۔

تعلیم و تربیت | ابتدائی دو سال اپنے چچا مرزا عسکری کے آغوش میں کاٹے۔ پھر آپ کے ساتھ میں نشوونما پائی۔ سوا چار برس کی عمر میں بسم اللہ ہوئی۔

ملہ عصام الدین کو اخوندی کا اعزاز ملا۔ ملا بابا یزید، ملا عبدالقادر اخوند، ملا پیر محمد، میر عبداللطیف قزوینی سے دیوان حافظ وغیرہ پڑھا۔ شیخ مبارک کی شاگردی بھی کی۔ مگر سلاطین زادہ تھے، شکار میں جی لگتا تھا اس طرف سے طبیعت اچاٹ ہو گئی۔

ابتدائی سوانح | سکندر کے مقابلے کے لئے ۹۸۱ھ میں ہمایوں نے بیرم خاں کے ساتھ اکبر کو جن کی عمر بارہ سال تھی بھیجا۔ سرہند پر اکبر نے

ایسی دادرشجاعت دی کہ یہ معرکہ اس کے نام فتح ہوا۔ ہمایوں نے ملک پنجاب اکبر کے نام کر دیا۔ بیرم خاں کو اس کا اتالیق کر کے ادھر روانہ ہوا۔ سکندر قلعہ بند تھا۔ برسات کی وجہ سے جنگ ملتوی ہو گئی۔ ہوشیار پور کے میدان میں شکار ہونے لگے۔ ادھر ہمایوں بھی کتب خانہ کی چھت سے نیچے آ رہے۔ اس کے سات روز بعد ہمایوں عالم قدس سدھار گئے۔

تخت نشینی | ۹۸۲ھ میں ہمایوں کے انتقال کی خبر پا کر بیرم خاں نے مقام کلا نور ضلع گورداسپور کی عید گاہ میں تمام امراء کو جمع کر کے باضابطہ تاج

پہنا کر ابوالمنظر جلال الدین محمد اکبر کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ اکبر نے بعد تخت نشینی بیرم خاں کو جو کہ خاندانوں کے لقب سے مشہور تھا، خان بابا کا خطاب عطا کیا اور دہلی مراجعت کی۔

راہ میں خبر ملی کہ ہیموں بقال وزیر محمد شاہ عدل محمد خاں سواد کو قتل کر کے انگرہ دہلی پر متصرف ہو گیا اور تیس ہزار کی جمعیت سے لاہور کی جانب بڑھتا چلا آتا ہے۔ اکبر نے پانی پت کے میدان میں نبرد آزمائی کی۔ ہیموں زخمی ہوا۔ اکبر کے سامنے گرفتار کر کے لایا گیا اور بیرم خاں کے ہاتھ سے دار کو پہنچا۔ اس فتح سے دہلی و انگرہ پھر خاندان مغلیہ کے زیر نگیں ہو گیا۔ اکبر نے دار الخلافہ میں آکر اپنی تخت نشینی کا دوبارہ جشن کیا۔ اس کے بعد خبر ملی کہ سکندر پہاڑوں سے نکل کر پنجاب میں غدر برپا کر رہا ہے۔ اکبر نے اس پر فوج کشی کی۔ سکندر نے اطاعت قبول کر لی۔ پٹنہ کی مہم پر فوج بھیجی جا رہی تھی اس کا سردار مقرر ہوا جہاں سکندر نے دو سال بعد انتقال کیا۔

خود مختاری | بیرم خاں غازی خان بابا ہمایوں کا متاثرہ باری تھا۔ اکبر بھی نہایت ادب کرتا تھا۔ یہاں تک کہ امور سلطنت اس کے ہاتھ میں تھے۔ اس کی خود رانی اور بے اعتدالی سے اکبر پریشان ہو گیا۔ امراء کے مشورہ سے ۹۶۹ھ میں شکار کے بہانے دہلی گیا۔ وہاں سے بیرم خاں کے نام فرمان بھیجا کہ تمام انتظام سلطنت آج سے مابعد دولت بلا شرکت غیرے انجام دیں گے۔

بیرم خاں کی آنکھیں کھل گئیں اور حج کے ارادے سے روانہ ہو گیا۔ راہ میں خیال گزرا کہ ہند میں تیموری سلطنت کا قیام میری ذات سے ہے۔ کچھ فوج جمع کر کے پنجاب پر حملہ آور ہوا شاہی فوج سے شکست کھائی۔ اکبر نے سابقہ رفاقت کا خیال کر کے معاف کر دیا اور کہا کہ چاہو تو اولیٰ درجہ کی درباری سردار یا بڑے صوبہ کا جاگیردار کروں یا پینشن لیکر حج کو چلے جاؤ۔ بیرم خاں نے شرمندگی سے تیسری شرط منظور کر لی اور مکہ معظمہ کو روانہ ہوا۔ گجرات پہنچا ہی تھا کہ چٹانوں نے اپنے باپ کے بدلہ میں قتل کر دیا۔

اکبر مستقل خود مختار ہونے کے بعد سے صوبوں کا بندوبست اور رعایا کی خوشحالی کا انتظام کرنے لگا۔ رعایا میں اخلاقی برتاؤ نے گھر کر لیا۔ راجہ، دانا، سردار اور ٹھاکروں کو حسب مراتب عائد رہا ہونے کی اجازت بخشی۔ ملک کے صاحب کمال علماء فضلہ قدر وانی سے کچھ کر چلے آئے۔ بلا خیال قوم و ملت اپنا معاصب بنایا۔ انہی میں سے وزراء کی کونسل

قائم کی۔ نورتن نام رکھا۔ تمام ملکی جنگی انتظام اُس کے تحت کر دیئے۔

اکبری نورتن | خان اعظم عزیز مرزا کو کلتاش ہفت ہزاری و مرزا عبدالرحیم خان غاٹا

خلف، بیرم خاں خاں خاں ۹۶۴ھ لاہور میں پیدا ہوا سیاح اکبری

میں تعلیم و تربیت ہوئی۔ عربی، فارسی، ترکی اور ہندی میں مہارت تمام رکھتا تھا۔

احمد آباد میں مظفر کے مقابلے میں دس ہزار فوج سے چالیس ہزار پر فتح پائی۔ پنج ہزاری

خان خاں عطا ہوا۔ ۹۹۸ھ میں ٹوڈر مل کے بعد وکیل منطق کا منصب عنایت ہوا احمد

احمد آباد کے عوم جو منپور جاگیر میں ملا۔

۹۹۹ھ میں ملتان اور بھکر جاگیر میں ملے۔ ۱۰۳۶ھ میں دہلی میں انتقال ہوا۔ مسیح الدین

حکیم میر ابو الفتح گیلانی ۹۹۶ھ میں وفات ہوئی۔

۹۵۴ھ میں پیدا ہوئے۔ باپ کے سائے میں علم و فضل کی تکمیل

ابوالفیض فیض فیاضی | کی شعر و شاعری میں کمال حاصل کیا۔ ۹۹۶ھ میں دربار اکبری

سے ملک الشعراء کا خطاب ملا۔ شہزادگان کے اتالیق تھے۔ ۱۰ صفر ۱۰۳۶ھ میں بعد از

ضیق النفس انتقال کیا۔ روضہ لاڈلی بیگم میں دفن ہوئے۔

علامی ابو الفضل | اسلام شاہ کے عہد میں آگرے میں پیدا ہوئے۔ اپنے باپ

میرنشی مصاحب خاص و وقائع نگار و واضع قوانین ۱۰۳۶ھ میں پنجرازی منصب عطا ہوا۔

شہزادے سلیم کی سازش سے یکم ربیع الاول ۱۰۳۶ھ قصبہ آنتہری میں قتل کر دیئے گئے۔ لاش

وہیں دفن ہوئی۔ آئین اکبری، اکبر نام، مکتیب علامی یادگار چھوڑے۔

حکیم ہمام | حکیم ابو الفتح گیلانی کے چھوٹے بھائی تھے۔ علم و فضل میں یگانہ روزگار تھی

تھے۔ دربار اکبری سے منصب ششہدی تھا۔ دسترخوانہ کا اہتمام ان

ہی کے سپرد تھا۔ لاہور میں ۱۰۳۶ھ میں انتقال کیا۔

راجہ بیربل | ۱۰۵۴ھ میں موضع مہران میں پیدا ہوا۔ اس کے باپ کالی داس کا

سایہ اُس کے سر سے بچپن ہی میں اُٹھ گیا تھا۔ کنبے کے ٹکڑوں پر گزرا ہوا۔ حاضر جواب اور ظریف تھا۔ ہندی شعراء میں دربار اکبری سے ملک الشعراء کا خطاب ملا اور مصاحب اکبری میں داخل ہوا۔ راجہ کا بھی خطاب ملا۔

راجہ ٹوڈر مل | یہ وہی راجہ ٹوڈر مل ہے کہ جس کے نام سے مالی قوانین اکبری کی شہرت ہے جو ایک تانہ سنجی غلطی ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ٹوڈر مل لاہور کے بے حیثیت کم سواد نوکری پیشہ سوریہ کی ادنیٰ درجہ کا متصدی تھا۔ بعد کو اعتبار خاں خواجہ سرا اور مظفر خاں اکبری کے پاس کام کیا۔ پھر شاہی متصدیوں میں داخل ہو گیا۔ خواجہ منصور سے کام دان و محاسب کی ترقی منصب میں سنگ راہ دیکھ کر اُس کے قتل کی سازش میں شریک ہوا اور تلوار کے گھاٹ اُتارا۔ اکبری کی ہندو پروری اور ہندو نوازی کے طفیل وزارتِ مال پر سرفرازی نصیب ہوئی، باغیانہ خود کام کے لائق نہ تھا اس لئے باوجود دیوانِ مال ہونے کے اہل کار اکبری امین الملک علامہ فتح اللہ شیرازی کی ماتحتی میں کام کرتا تھا۔

”حکم شد کہ راجہ ٹوڈر مل ہمارے ملکی و مالی بصواب دید امیر و بروکند و کھن معلما کہ از زبان مظفر خاں تشخص نیافتہ با بنجام لسان امیر نصیح چند کہ متضمن کفایت مرکا و رفاه دعا یا بود سرگزاد و پزیرفتہ شد۔“

جب معمولی خدمات منصبی کا یہ حال تھا کہ بغیر نگرانی بجانہ لاسکتا تھا تو مالی قوانین جو ٹوڈر مل کے نام سے مشہور ہیں بھلا کیا خاک اختراع کرتا وہ حقیقتاً آئین شیر شاہی کا صدقہ اور مظفر خاں و خواجہ منصور و میر فتح اللہ وغیرہ کی ترمیم و تصرف کا نتیجہ تھے۔ جن کا سہرا تانہ سنجی مسامحت سے ٹوڈر مل کے سر ہو گیا۔ تغیر و تناسخ کے بعد اسلامی قوانین آئین اکبری کے بدن میں ظہور میں آئے جس کے انتساب سے اکبر اکبر اعظم ہوا۔ جب اکبر قوانین کا مخترع اور موجد نہ تھا تو بے چارے ٹوڈر مل کی کیا حقیقت تھی کہ وہ بجائے خود آئین کو منضبط کرتے۔ ٹوڈر مل کے نام سے جو قوانین منسوب تھے ان کی حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تک اسلامی حکومتوں میں مالیات کا کام عموماً مسلمانوں

کے سپرد تھا۔ اس محکمہ میں پہلی بار غیر مسلم کا دخل ایک انوکھی بات تھی۔ اکبر کی خانماں سوز پالیسی نے مسلمانوں کو دبا یا اور دوسروں کو بڑھایا اس لئے ٹوڈر مل کا نام اُچھل گیا جس کا وہ کسی طرح متحقی نہ تھا۔

فتمو حات اکبری | اکبر کی عادت تھی کہ جس سردار کو باغی دیکھتا خود بغاوت فرو کرنے جاتا۔ باغی رہا تو مرزا پائی معافی چاہی تو عفو تقصیر کیا۔ ادہم خاں اور عبداللہ خاں اور آصف خاں یہ اکبر کے امراء میں سے تھے۔ ایک وقت میں سب نے علم بغاوت بلند کیا۔ ۹۷۴ھ، ۹۷۵ھ میں اکبر نے سب کو مطیع کر لیا جس نے خود سری کی جان سے مار لیا جس نے عفو چاہی خطا معاف ہوئی۔

راجگان جے پور جو دھپور اور جتوڑ پانچ سال تک اکبر سے لڑتے رہے۔ آخر کار اُن پر ۹۸۰ھ میں کامل فتح حاصل کی۔ عزیز مرزا اکبر کا کوکے جس کی ماں کا دودھ اکبر نے پیا تھا گجرات کا صوبہ دار تھا۔ ۹۸۱ھ میں یہ خبر ملی کہ دکن کے باغیوں نے حسین مرزا اور اختیار الملک دکن کو اپنی جمعیت میں شریک کر لیا ہے اور گجرات پر قبضہ کر کے عزیز مرزا کو قلعہ بند کر دیا ہے۔ اکبر نے صرف تین سو جانشین منصب داروں کو ہمراہ لے کر ستائیس منزلیں ۹ روز میں طے کر کے دشمنوں کے جاسوسوں سے پہلے احمد آباد و گجرات میں جاگسا اور دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ حسین مرزا گرفتار ہوا اور اختیار الملک بھاگتا ہوا قتل ہوا۔ عزیز مرزا کو قلعہ سے نکال کر اکبر نے پھروہن کا حاکم کر دیا۔ اور خود واپس آیا اس میں صرف چالیس روز لگے۔ اس طرح اکبر نے ۹۸۲ھ میں بنگال، بہار، اڑیسہ کو جہاں تک پٹھانوں کا قبضہ تھا فتح کیا۔ ۹۹۴ھ میں خطہ کشمیر کا ہندوستان سے تعلق کر لیا۔ تھم میں سندھ پر فتح پائی اور ۹۸۲ھ میں قندھار اپنے تصرف میں لایا۔

تسخیر دکن | اکبر کے عہد میں دکن کی سلطنت تین حصوں میں منقسم تھی۔ احمد نگر، گولکنڈہ، بیجاپور کی بادشاہت جدا جدا حکمرانوں کے قبضہ میں تھی۔ احمد نگر میں اتفاق سے نا اتفاقی پیدا ہوئی اور سلطنت کے چارہ دعوے دار پیدا ہو گئے۔ ان میں سے ایک نے اکبر سے مدد چاہی۔ یہ منتظر تھے ہی اپنے منجیلے بیٹے مراد کو مرزا عبدالرحیم خانانا

کے ساتھ فوج لے کر دکن جانے کا حکم دے دیا۔ شاہی فوج پہنچی بھی نہ تھی کہ شیر خواہ دعویٰ دار بہادر نظام شاہ کے نام احمد نگر فتح ہو چکا تھا۔ بسبب خود رسالی سلطنت کا انتظام اس کی بھوپھی چاند بی بی کرتی تھی۔ جس وقت اکبر کی فوج قلعہ پر حملہ آور ہوئی، چاند بی بی خود منہ پر نقاب ڈال کر تلوار ہاتھ میں لے کر فوج کو کمان کرتی ہوئی مقابلہ میں آئی۔ زمانہ جرات نے مردوں میں بہادری پیدا کر دی۔ مغلوں کا پہلا حملہ بیکامہ گیا۔ شاہی فوج کو بجز اس کے اور کوئی چارہ نہ ہوا۔ برابر کا علاقہ لیکر واپس دارالخلافہ لوٹ پڑے۔ دوسری مرتبہ اکبر نے اپنے چھوٹے بھائی دانیال کو خانخاناں کے ساتھ فوج دے کر بھیجا اور برہان پور تک خود آیا۔ اس مرتبہ یہ تک حرام ذریعہ کے نوکروں کے ہاتھوں قتل ہو چکی تھی۔ اکبر کی فوج نے بلا وقت قلعہ میں گھس کر تمام فوج کو قتل کیا اور بہادر نظام شاہ کو گرفتار کر کے قلعہ گوالیار کو روانہ ہوا اور اکبر نے سنہ ۱۵۹۹ء میں خاندیس کو احمد نگر سے ملا کر اس پر اپنے وزیر ابوالفضل کو صوبیدار مقرر کیا۔

وسعت سلطنت

اکبر نے ہمایوں سے وراثت میں منجھتری سلطنت پائی تھی جس میں پنجاب اور آگرہ دہلی کے ادگرد کے اضلاع داخل تھے لیکن اکبر نے اس کو وہ ترقی دی کہ شمال کی جانب کابل، کشمیر، قندھار، سے لے کر جنوب میں احمد نگر تک اور مشرق میں اٹلیسہ تک پھیل گئی۔

صوبہ و نظام سلطنت

اکبر نے کل قلمرو کو اٹھارہ صوبوں پر تقسیم کیا اور ہر صوبہ پر ایک نائب السلطنت مقرر کیا اور اس کے تین صیغوں کے پورے اختیار دیدیئے۔ ایک صیغہ نظامت قائم کیا جس میں سررشتہ پولیس بھی شامل تھا۔ صیغہ مذکور کے متعلق عدالتیں دیوانی و فوجداری کے دادخواہوں کی داد دے کے واسطے مقرر تھیں۔ جس کا اعلیٰ افسر میر عدلی ہوتا تھا اور اس کے ماتحت قاضی ہر بڑی جگہ متعین ہوتے تھے۔

صیغہ مال

صیغہ مال میں اکبر نے زمین کی پیمائش کرائی اور ہر جگہ کی پیداوار کا انداز نقد مطابق سرکاری قرار دیا اور ہر سال کی جمع بندی کے قرضے دُور محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

کرنے کے لئے دس برسی کا مبعادی بندوبست کیا۔ عہد اکبر میں خزانہ میں بیالیس کروڑ روپیہ جمع تھا۔ اکبر نے رعایا کی خوشحالی اور فادغ البالی کے وہ آئین و قوانین ایجاد کئے جو اُس سے پہلی دنیا کیلئے نصب العین اور پچھلی دنیا کے لئے دستور العمل قرار پائے ایک قوانینِ عمدہ جاری کئے تھے جن کا نام ”آئین اکبری“ ہے۔

اصلاحاتِ ملکی | اکبر نے ہندوؤں کو کمسنی میں شادی کرنے، بیوہ کو نہ بردستی بٹھائے رکھنے، بیوی کو خاوند کے ساتھ سستی ہونے پر مجبور کئے جانے، قسم کھاتے وقت گرم گولہ اٹھانے اور جلنے تیل میں ہاتھ ڈالنے وغیرہ کی ممانعت کی۔ بزیہ ملتوی کیا۔ جاتریوں پر جو محصول تھا وہ معاف کیا۔

امورِ سلطنت | امورِ سلطنت کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ (۱) سرکارِ آتش کے ماتحت، توپ خانہ، تربیت، اسلحو

آلاتِ حرب وغیرہ۔

(۲) سرکارِ ہوائی کے تحت میں باورچی خانہ، اصطبل، فیلیخانہ، شیرخانہ وغیرہ تھے۔

(۳) سرکارِ آبی کے تحت میں شہریت خانہ، نہروں کا انتظام تھا۔

(۴) سرکارِ خاکی کے تحت ذراعت کا انتظام و عمارت و قواعدِ خالصہ وغیرہ تھے۔ ہر ایک افسر کی وردی رنگ کے اعتبار سے تھی۔

سیرت | اکبر رحمدل، نیک مزاج اور دیندار تھا۔ فقراء کی خدمت کرتا۔ لاکھوں روپیہ درگاہوں پر چڑھاتا۔ ہمیشہ باجماعت نماز پڑھتا۔ ہر سال حج کے

لئے قافلے روانہ کرتا۔ کبھی خود بھی دو چادروں کا لباس پہن کر ننگے سر ننگے پیر لبتیک کتا ہوا دُور تک قافلے کے ساتھ جاتا۔ فقیہ، محدث، علماء کا بہت ادب کرتا اور ہر امر میں اُن کے ارشادات کی تعمیل کرتا۔ مگر علماء کی باہمی خانہ جنگی سے اکبر میں بدخیالی پیدا ہو گئی۔ دینِ طلبی کے بجائے دنیا طلبی اُس کا شیلوہ ہوا۔ قیامِ حکومت کے لئے باپ دادا کا رنگ دیکھ اور سُن چکا تھا کہ اپنوں کے ہاتھ تمام عمر پریشان رہے۔ پست قوم کی دستگیری کی۔ ہم قوم کو گرایا دیمروں کو اُبھارا۔ یہ ترکیب اُسے اس آئی عرصہ تک دولتِ دنیا نے اخلاق کے پیر تھکے رکھے۔

سیاسی تدبیر

اکبر نے حاکم و محکوم میں اتحاد کا سلسلہ قائم کرنے کے لئے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ عقلمند سے عقلمند دام میں پھنسنے لگے۔ اپنا طرز زندگی وہ اختیار کیا کہ جس قوم اور مذہب کا آدمی اس سے ملے تو اس کو فوراٰ یقین آجائے کہ بادشاہ ہمارے مذہب کا متوالا اور شیدا ہے۔ چنانچہ نو ساری گجرات کے آتش پرست شاہ اکبر تک پہنچے تو حکم ہوا کہ پادسیوں کے عقیدے کے مطابق آتشکدہ بنایا جائے اور نہایت احتیاط رہے کہ اس کی آگ کسی وقت بجھنے نہ پائے۔ روم کا پوپ اکبر کے پاس آیا اور بائبل کے معنایں اور مطالب سنائے۔ جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر پیش کی اکبر دوزخ لوکھا ہوا گیا اور اس قدر ظاہری شوق دکھایا کہ ابوالفضل تورات اور انجیل کے ترجمے پر مقرر ہوئے۔ چنانچہ ابوالفضل نے یہ مصرعہ کہا:

اے نائے تُو زہر کہ کہہ سستو

دوسرا مصرعہ سوچ رہا تھا کہ ملک الشعراء فیضی برابر سے بولے :

سبحانک لا شریک یا ہو

ہندوؤں سے تعلقات و صحبت پر نسبت پادسیوں اور نصاریٰ کے بدرجہا زیادہ تھی اس لئے اُن کے ساتھ جو برتاؤ تھا وہ سب سے بالاتر تھا۔ ظاہری وضع بالکل ہنود کی سی تھی۔ بعض رسوم بھی اختیار کیں۔ ہندوؤں نے اکبر کی نظر التفات جو اُن کی طرف دیکھی تو ایسے پیسجے کہ ایک مسلمان کو اپنے یہاں کا پدمشیراؤ تالاہ قرار دے دیتا اور مثل دیوتاؤں کے اُن کے بھی ہزاروں سہسہ قائم کر دیئے اور خاطر اُرد وید مقدس میں مذہب اسلام کی تصدیق کے اشلوک دکھانے لگے۔

اکبر نے رعایا کو مطلع کرنے کے لئے ایک اور ترکیب نکالی اور علامہ سے دین الہی فتویٰ لیا ”اولی الامر منکم“ کے موافق بادشاہ صاحب اجتہاد بن گئے۔

اس اجتہاد کا نام ”دین الہی“ رکھا۔ بندگی، مجر کا، تسلیمات کے عوض ایک شخص اللہ اکبر کہتا اور دوسرا جواب میں جل جلالہ کہتا اور دین الہی میں ہر مذہب کے لوگ داخل

ہو کہ بادشاہ کے مریدوں میں داخل ہونے لگے۔ چیلوں کو شجرے کے عوض اپنی تصویر عطا ہوئی اور ہمیشہ اللہ اکبر کا وظیفہ لٹٹنے کی ہدایت کی گئی۔ امیر مسلمانوں کا شامل ہونا منقول تھا مگر ان کی دیکھا دیکھی بڑے بڑے راجہ مہاراجہ اس پھندے میں پھنسنے لگے اور جو بیگانگی مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں میں تھی وہ اس ترکیب سے جاتی رہی۔ اب ہندو مسلمان پہلو بہ پہلو عزیز و اقارب کی طرح زندگی بسر کرنے لگے۔ اکبر اعظم ہندوستان کے مختلف المذہب لوگوں کا نہ صرف حکمران بلکہ پیر بنا ہوا تھا۔ دین الہی اکبر شاہی مذہب وہ نہ تھا جس کو مؤرخین یورپ نے آفتاب پرستی کا مراد قرار دیا ہے مصلحت ملکی سے اکبر نے یہ دین قائم کیا تھا۔ دین الہی حقیقتاً سیاسی اور اخلاقی کھیل تھا۔ اس کا حال خود جہانگیر نے ”تزک“ میں یوں تحریر کیا ہے :-

”در وقت ارادت آوردن مریدان چند کلمہ بطریق نصیحت مذکور می گردود باید کہ در وقت خود را بدشمنی ملتے از ملتنا تیرہ مکر سازند و با جمیع ارباب عمل طریق صلح کل مدعی وارند بیچ جان داری را بدست خود نہ کشند و سلاخ طبیعت نہ باشند مگر در جنگها و شکار ہا۔

مباش در پئے بیجان نمودن جانند مگر بعرشے پیکار یا بوقت شکار تعظیم بذات را کہ بظاہر نور الہی اند بقدر درجات ہر ایک باید نمود و موثر، موجد حقیقی در جمیع ادوار و ادوار خدا کے تعالیٰ را باید داشت بلکہ فکر باید کرد تا در خلوت و کثرت خاطر لمحہ از فکر و اندیشہ او خالی نہ باشد۔

لنگ و پوپ خفشتہ شکل و بے ادب سوئی اومی غنچ و داری طلب والد بزرگوارم ملکہ این معنی بہم رسانیدہ۔ در کم وقتے ازین اوقات۔

ازین فکر خالی بودند یہ ہے دین الہی اکبر شاہی

شاہزادہ سلیم کی بغاوت | اکبر جس زمانے میں برہان پور گیا تھا وہاں اُسے اپنے بڑے بیٹے سلیم کے باغی ہونے کی خبر پہنچی۔ سلیم کا سن ۳۰ سال کا تھا۔ عقیل و دانا ہونے کے ساتھ شراب اور افیون کے استعمال سے

دماغی قوت صحیح نہیں رہی تھی۔ سلیم نے الہ آباد لے کر صوبہ اودھ اور بہار پر قبضہ کر لیا۔ زمانہ سادہ اکبر نے بجائے کسی سختی کے نہایت نرمی سے ایک فہمائش تحریر کی اور آپ آگرہ میں جاد داخل ہوا۔ سلیم نے باپ کو عاجزانہ جواب لکھا اور قدم بوسی حاصل کرنے کی غرض سے روانہ ہوا۔ جب اٹاواے تک پہنچا تو اکبر کو خبر ملی کہ سلیم کے ساتھ فوج کثیر ہے۔ فوراً حکم دیا کہ اگر تم صفائی قلب رکھتے ہو تو آؤ ورنہ جہاں سے آئے ہو وہیں واپس جاؤ۔ چنانچہ سلیم الہ آباد کو لوٹ گیا۔ اکبر نے مصلحتِ وقت کی بناء پر تھوڑے دنوں کے بعد صوبہ بنگال اور اڑیسہ اُس کے حوالے کر دیئے۔

اکبر کی شادی بیاہ | اکبر کے اخلاق نے راجگانِ ہند کو ایسا گر ویدہ کر لیا کہ انہوں نے اپنی بیٹیاں نذر میں دے دیں۔ دخترِ راجہ بہار لال کھموا بردائی، بے پور، دخترِ کلیان مل والی، بیکانیر، دخترِ راجہ دو نگر پور ہندو دانیال اکبر کے عقد میں آئیں۔ تارا بھائی اور من بھاؤتی رانی اور تھیں۔ راجہ بہار لال کی لڑکی سے جہانگیر پیدا ہوئے۔ اس خاتون کو اکبر نے مریم زہمانی کا خطاب دیا۔

اولاد | جہانگیر ۲۲ ربیع الاول ۹۷۷ھ میں پیدا ہوا۔ شہزادہ مراد ۱۰ محرم ۹۷۷ھ میں فتحپور میں پیدا ہوا۔ ۳۰ برس کی عمر میں ۹۷۷ھ میں جہانگیر دنیا سے گیا۔ شہزادہ دانیال تبیسر لڑ کا تھا۔ اس کا بھی ۳۳ برس کی عمر میں ۹۷۷ھ میں انتقال ہوا۔

اکبر کی آخری زندگی | اکبر کی ابتدائی اور وسطی زندگی جس خوبی اور عمرگی سے

کے ارکان کا بچھڑنا، حکیم ابوالفتح گیلانی راجہ ٹوڈرمل کا مرنا، بیربل کا یوسف زئیوں کی جنگ میں مارا جانا۔ ابوالفضل کا دغا سے پہاڑا شادہ سلیم قتل ہونا، شہزادہ دانیال و مراد کی موت کا منہج، دوسری طرف شہزادہ سلیم کی باغیانہ زندگی کا قلق ان سب واقعات نے اکبر کو گھلا دیا۔ انتظامِ سلطنت اور تکلفاتِ شاہی سے جی اُپاٹ ہونے لگا۔ سلیم کی سوتیلی ماں سلطانہ بیگم نے باپ بیٹے کے درمیان صلح کرادی۔ مگر اکبر کی دوزخِ رز حالت خراب ہونے لگی۔ بیماری آگلی۔ جسم نحیف ہونے لگا۔ غذا چھوٹ گئی اور

بحر پینک پر پڑے رہنے کی اور کسی کام کی طاقت نہ رہی۔ لیکن اپنے سب امراء کو طلب کیا۔ بہت کچھ نصیحت کی اور سب سے اپنی خطا معاف کر لئی اور اپنے سامنے شہزادے سلیم کو بلا کر کمرے سے تلواریں بندھوا کر وصیت کی کہ خاندان شاہی کی عورتوں کی خبر گیری کرنا اور میرے دوستوں کو فراموش نہ کرنا۔ اس کے بعد توبہ کی۔

وفات ۱۰۳۰ھ ۱۳ جمادی الآخر کو ابو الفتح جلال الدین محمد اکبر نے اس عالم افانی سے عالم جاودانی کی راہ لی۔ باغ سکندری میں دفن ہوئے۔

عہد اکبری میں علمی ترقی

بابر و ہمایوں کے زمانہ میں جو طریقہ تعلیم تھا اکبر کے ابتدائی عہد میں قائم رہا۔ حکومت کی طرف سے کم مگر ذاتی طور سے درس و تدریس کا سلسلہ قائم تھا شاہ فیض الدین انجوی کا مدرسہ مخدوم نظام الدین بنگلی لکھنؤ کی درس گاہ شیخ آدم گوپالوی کا مدرسہ، ملابادک ناگپوری کا درس و تدریس اپنی جگہ اپنی (اپنی جامعات (یونیورسٹیاں) تھیں۔ اکبر کے ذہنی انقلاب نے قدیم تعلیم کے خلاف ایک نئی صورت اختیار کی۔ ۹۹۵ھ میں عربی و اسلامی علوم کی تعلیم کے روکنے کا فرمان صادر کیا اور دوسرے عقلی علوم نجوم، حساب، طب، فلسفہ مدرسوں میں لایٹج کئے۔

نصاب تعلیم کی اس تبدیلی کو ابو الفضل نے آئین اکبری میں تفصیل سے بیان کیا ہے جسے ہم آگے دکھائیں گے۔ لیکن یہاں یہ اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ اس شاہی فرمان کی رو سے نئے علوم تو ضرور نصاب میں داخل ہو گئے لیکن عربی و اسلامی علوم خارج نہیں ہوئے۔ چنانچہ اس زمانے میں بھی جابجا اسلامی مدرسے قائم رہے جس میں مذہبی تعلیم دی جاتی تھی۔ قلیج خاں کے متعلق جو دربار اکبری کے امراء میں سے تھا۔ مآثر الامراء میں ہے :-

۱۔ منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۲۲۳ (عہد اسلامی کا ہندوستان ص ۲۶۹)

”قلج خاں صلاح و تقویٰ بسیار داشت و در سخن متعصب بود۔ ہمیشہ

بدریس علوم و افادہ طلب استعجال نمود گویند در صوبہ داری لاہوری

کپاس؛ بدریس فقہ و تفسیر و حدیث در مدرسہ قیام می درزید و باقصی

غایت در ترویج علوم شرعیہ می کوشید۔“

عہد اکبری کا ایک مشہور مدرسہ مدرسہ ماہم بیگم تھا۔ جس کی عمارت خیر المنازل کے نام سے مشہور تھی۔ یہ یاد ایونی نے اس مدرسہ کو مدرسہ بیگم کے نام سے یاد کیا ہے

فیراگرہ و فتح پور سیکری میں خود اس نے متعدد عربی مدرسے قائم کئے۔ اکبری دور میں کشمیر و بجاپور میں غیر معمولی تعلیمی انقلاب ہوا۔ اس وقت تک یہاں علوم متعارفہ کا

در فادسی رسم الخط کا رواج ہوا۔ بادشاہ نامہ میں لکھا ہے :-

”د اگرچہ در آن چندے کہ اکثر علوم متعارفہ درس گویند بودند آیا علوم متداولہ

شیوع تمام نہ داشت خط نستعلیق نیکی نوشتند و بندے زبان شعراء داشتند

بعلازاں کہ در عہد و دولت حضرت آشیانی نشاکش یا کتب اکثر ساکنان شہر

اکتب مرام اہلیت و موازم آدمیت نمودہ شائستگی جوہر کما ساختند و فادسی

گفتن و خط خوش نوشتن و نغمہ فادسی سرائیدن رواج تمام یافت“

اسی طرح بجاپور میں عادل شاہ نے چند خاص تعلیمی انقلاب بھی برپا کئے تھے۔

یاد اقامتہ کے بڑکوں اور استادوں کے لئے نفیس غذائیں اور بڑکوں کے سالانہ امتحان کے

لئے انعامات دینے جلنے کے قواعد مقرر کئے تھے۔

مگر اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عہد اکبری میں تعلیم کا چلن عام تھا۔ ہر کادری مدرسے

ممالک محروسہ میں جاری تھے۔ اگرچہ میں عالی شان مدرسہ تھا۔ فتح پور سیکری میں مدرسہ

ابوالفضل جس کی عمارت موجود ہے۔ مولانا علاء الدین لادھی کا مدرسہ مدرسہ حسن تھا مفتی

۱۔ مآثر الامراء جلد ۳ صفحہ ۱۱ ۲۔ ہندوستان کی اسلامی درس گاہیں۔

۳۔ بادشاہ نامہ حصہ دوم صفحہ ۵۵۔

ابوالفتح تھانیسری معقول و منقول کا درس شاہ رفیع الدین کے مدرسے میں دیتے تھے۔
 اجیر میں مدرسہ خواجہ معین کے نام سے تھا جس کے مدرس اعلیٰ میر زادہ مفسس سمرقندی تھے۔
 ملا الداد، منکر جانی مدرس مکان حاتم سنہلی دار کلاں آگرہ، امام الدین لاہوری، ملا
 عثمان، ملا قاسم قندھاری، ملا جمال ملتان۔ ان سب بزرگوں کی درس گاہیں تھیں،
 جہاں صد ہا طالبانِ علم کا جھگڑا رہتا تھا۔

کُتب خانہ اکبر کا سرکاری کتب خانہ عظیم الشان تھا۔ عبدالرحیم خانخاناں کا حال
 ملا عبدالباقی نے مآثر حمی میں لکھا ہے فیضی کے کتب خانہ میں چار ہزار
 صد سو کتبائیں تھیں ایسے ہی امراء کے کتب خانہ قلم و حکومتِ مغلیہ میں پھیلے ہوئے تھے۔

مکتب خانہ اکبر نے دارالترجمہ قائم کیا جہاں سنسکرت کی کتابوں کے ترجمے کرائے۔
 اس کے ناظم میر جمال الدین حسین الخوجوی چار ہزار ماہانہ کے جائیداد تھے۔
 اُس نے فارسی لغت مرتب کی۔ ہمیش، مہماند، ملا نفری، ابوالفضل ملا عبدالقادر مسیح سلطان
 تھانیسری، محمد خاں گجراتی جیسے حضرات اس دارالترجمہ سے منسلک تھے۔

مہم میر فتح اللہ شیرازی

ملا عبدالقادر بدایونی

تاریخ جدید مرزا الخ بیگ

سنگھاس پتی سنسکرت

کتاب الاحادیث

تاریخ النبی

لہ مائن

جامع رشیدی

بحر الہام

حیوة الحیوان

اتھرن بید

تزک بابری

تاریخ

عربی

سنسکرت

ترہ کی

ملا مبارک ناگپوری

فیضی شیخ بہاؤن حاجی البرہم

عبدالرحیم خانخاناں

کبر اعظم ص ۳

ملاشاہ محمد شاہ آبادی	سنسکرت	تاریخ کشمیر
حکیم ہمام	عربی	معجم البلاد
نظام الدین بخشیشی		بغات الرشید
علامہ فیعی		طبقات اکبر شاہی
		سواطع الالہام
		مورد الکلم
	سنسکرت	لیلاوتی
		مرکز ادوار
علامہ ابو الفضل		اکبر نامہ و آئین اکبری
		عیار دانش
		کشاو
محمد خاں گجراتی	نجوم	ناجک
ملا شہری		ہنری ہنس
خان خاناں		جوش
عبدالستار بن قائم		ثمرۃ الفلاسفہ
نقیب خاں وغیرہ	ترجمہ مہاجرات	درزم نامہ

ہندی کی ترقی اکبر نے ہندوستانی تہذیب و تمدن و معاشرت اور ادب و انشا کی توسیع و ترقی میں جس ہندو کی کاشتوت دیا اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ اکبر کو ہندی سے ایسا تعلق تھا کہ خود اکبر لٹے اپنا تعلق دکھا اور ہندی میں موزوں کر لیا کرتا تھا۔ فارسی شعراء اور ہندی شعراء کو یکساں نوازتے تھے بلکہ صلہ گسٹری اور انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا کرتا تھا۔

ابوالمظفر نور الدین جہانگیر

ولادت اکبر کو فرزند سعادت پیوند کی ضرورت تھی۔ بیویاں اگرچہ حاملہ ہوتی تھیں۔ لیکن اسقاط ہو جاتا تھا اور اگر پیدا بھی ہوتا تو چند ہی روز میں مر جاتا تھا اس لئے وہ شیخ سلیم چشتی کی خدمت میں جو اس زمانہ میں مشہور بزرگ تھے، حاضر ہو کر دُعا کا طالب ہوا۔ شیخ فتح پور سیکری میں مقیم تھے، وہاں اُن کے فرمانے سے شاہانہ عاتق بنوائیں اور اُن کا نام فتح پور رکھ کر باد السلطنت قرار دیا۔ اُن کی دُعا سے ۹۹۴ھ میں راجا جہاٹراہل کچھواہہ کی دُتر کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا جس کا نام سلطان سلیم رکھا۔

تعلیم و تربیت فیضی مولانا میر کلاں ہروی سلیم کی تعلیم پر مامور ہوئے قطب الدین اتلک اور خانخاناں اتالیق مقرر ہوئے مولانا علی احمد سے بھی پڑھا۔ چہل حدیث سید صدر جہاں سے پڑھی جس کا نتیجہ تھا کہ وہ مطلع علم کا متاب تھا۔ جہانگیر ۹۹۵ھ میں منصب دہ ہزاری ذات سوار پر متنازع ہوئے اور اجمیر کے صوبہ دار کر دیئے گئے۔

شہزادہ سلیم کی بغاوت جس زمانہ میں اکبر دکن کی تسخیر میں لگا ہوا تھا کنورمان ولد راجہ مان سنگھ نے امرائے بنگال کی شورش کی

خبر پا کر شہزادہ سے جو اس وقت اجمیر میں انا کی مرکوبی کی خدمت میں سپہ سالاری پر مامور تھا التماس کیا کہ اگر شہزادہ بھالے اجمیر کے الہ آباد میں آجائے تو شورش بنگال دب جائے گی۔ شہزادہ نے یہ بات مان لی اور الہ آباد آ گیا۔ اپنے ملازموں کی جاگیریں جو اگرہ کے نواح میں تھیں چھوڑ کر الہ آباد آ گیا اور صوبہ الہ آباد کی محال کو جو آصف خاں جعفر کی جاگیر سے تعلق رکھتا تھا اپنی جاگیر میں شامل کر لیا اور ۳ لاکھ دو پیہ صوبہ بہار کا جو کنوہ داس نے فراہم کیا تھا سمرکند ہی فوج بھیج کر طلب کر لیا۔ اس قسم کی حرکتوں سے بغاوت کے آثار ظاہر ہوئے۔ بادشاہ نے نصائح محمد ثریف ولد عبدالصمد کے ہمراہ صادر کئے۔

گھمبے نمود۔ اکبر جب اکبر آباد آیا تو شہزادہ تیس ہزار سوار لے کر الہ آباد سے پندرہ روز کے طے آیا۔ لہذا شہزادے کو فرمان صادر کیا کہ اس شان و شوکت کے ساتھ آنا، ہمدردی مرنے کے خلاف ہے اور اکیلے حاضر ہوا اور اگر تم کو شک و شبہ ہے تو فوراً الہ آباد واپس ہو جاؤ۔ شہزادہ نے ایک عرصے بہت عاجزی کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں روانہ کی اور الہ آباد روانہ ہو گیا۔ شہزادہ کو صوبہ بنگال اور اڈیسہ جاگیر میں دیا اور فوراً وہاں چلے جانے کی ہدایت کی۔ شہزادہ نے وہاں جا کر منظور نہیں کیا اس وجہ سے بادشاہ بہت ناخوش ہوا اور سلیم سلطان بیگم کو شہزادہ کے دلجوئی کے لئے بھیجا۔ بیگم نے الہ آباد پہنچ کر شہزادے کی دلچسپی کی اور اس کو اپنے ساتھ لے آئی۔ مگر جب اکبر آباد ایک منزل رہ گیا تو شہزادہ کی درخواست پر بادشاہ کی والدہ مریم مکتا فی خود جا کر شہزادہ کو اپنے محل میں لائی اور مریم مکتا فی کے حکم سے اکبر بادشاہ بھی اُس مکان میں گیا۔ شہزادہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا سر باپ کے قدموں پر رکھ دیا اور ایک ہزار اثاثیاں اور ۹۰ ہاتھی بطور نذر پیش کئے۔ بادشاہ نے شہزادے کو گلے لگایا اور بہت لذیذہ خوش ہوا اور اپنے سر سے پگڑی اتار کر شہزادے کے سر پر رکھ دی۔ یہ واقعہ اکبری جلوس کے ۲۸ ویں سال میں پیش آیا۔ چند روز کے بعد شہزادہ کو دانا کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ مگر وہ پھر سرکشی کر کے الہ آباد چلا گیا۔ اس سے اکبر کو بہت صدمہ ہوا۔ جب اکبر بادشاہ کی والدہ مریم مکتا فی کا انتقال ہوا تو شہزادہ سلیم الہ آباد سے باپ کی خدمت میں آیا اور باپ کی قدم بوسی کی۔

تخت نشینی اکبر کا انتقال ۲۵ سال کی عمر میں ہوا اور اُس نے ۱۵ سال دو مہینے اور نو دن حکومت کی اور اُس کا لڑکا شہزادہ سلیم، ۳ سال کی عمر میں جمعرات کے دن ۱۲ جمادی الثانی ۱۵۷۵ء میں تخت نشین ہوا۔ اس موقع پر محمد شریف ولد عبدالصمد شیر قلم کو امیر الامراء کا خطاب عطا کیا اور مدد المہم کے بلند تہ پر مرفراز کیا اور شاہی مہر بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے اس کی گردن میں پہنائی۔ اعما والدہ کا خطاب مرزا غیاث بیگ کو اور وزیر الامراء کا خطاب مرزا خان بیگ کو جو شہزادگی کے زمانہ میں دیوان تھا، عطا کیا اور ان دونوں کو دیوانی کے کام پر مشترکہ طور پر مامور کیا۔ زمانہ بیگ کو مہابت خان کا خطاب اور پیر خاں لودھی کو ملاہب خاں کا

خطاب عطا کیا۔ شیخ فرید بخاری کو بیچ ہزاری ذات کے منصب اور میر بخشی کے عہد سے پر سرفراز کیا۔ راجہ مان سنگھ کو بنگالے کی صوبہ داری پر مقرر کیا۔ اپنے دودھ شریک بھائی خان عظام مرزا اور آصف خاں جعفر کو شاہی نوازشات سے سرفراز فرمایا۔ (سیر المتاخرین)

کابل کی سیر | دوسرے سال کے شروع میں جہانگیر کابل سیر و شکار کے لئے روانہ ہوا۔ شہر ابرا کے متصل جو بابر بادشاہ کا بنایا ہوا تھا ایک دلکش باغ "بارغ جہاں آمد" بنایا اور ایک نہر اس کی کیادی میں سے جاری کی۔

نور جہاں | نور جہاں غیاث بیگ مخاطب یہ اعتماد الدولہ کی بیٹی تھی اور وہ خواجہ محمد شریف طہرانی کا بیٹا تھا۔ ابتدا میں محمد لنکو حاکم ہرات کا دیوان تھا۔ جس نے شیر شاہ سے شکست کھا کر ہمایوں کے عراق جانے کے وقت شاہ طہما سپ کے حکم کے بموجب خدمات کی تحقیر۔ محمد خاں کی وفات کے بعد خواجہ محمد شریف شاہ طہما سپ کے پاس پہنچ کر وزارت سے سرفراز ہوا۔ جب فوت ہو گیا تو اس کے دونوں بیٹے غیاث بیگ اور محمد طاہر بیگ ہندوستان آ گئے۔ غیاث بیگ کے ساتھ دو لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ قندھار میں پہنچنے کے بعد دوسری لڑکی یعنی نور جہاں پیدا ہوئی اور وہاں سے روانہ ہو کر فتح پور سیکری میں اکبر بادشاہ کی ملازمت کر لی اور اپنی قابلیت کی وجہ سے تھوڑے ہی عرصہ میں دیوان بیوگان ہو گیا۔

اسی زمانہ میں نور جہاں کی شادی شیرانگل خاں سے کر دی۔ جہانگیر نے تخت پر بیٹھے ہی قطب الدین کو کلتاش کو جو شیخ سلیم حشتی کا پوتا تھا بنگالہ کا صوبیدار مقرر کر دیا۔ قطب الدین بنگالہ پہنچ کر کچھ عرصہ بعد بردوان روانہ ہوا اور شیرانگل سے مطلب کیا۔ شیرانگل غلام و جودہ عایا پر کر رہا تھا۔ قطب الدین سے آ کر ملا اور دھوکے سے قطب الدین خاں کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ قطب الدین خاں کے آدمی اس پر ٹوٹ پڑے۔ اس نے چند آدمیوں کو زخمی کر دیا اور خود زخمی ہو کر بھاگ نکلا اور گھر کا راستہ لیا۔ یہاں تک کہ قطب الدین کے آدمیوں نے پہنچ کر اس کا کام تمام کر دیا۔ الغرض اس عمل نے جو بنگال میں تھا نور جہاں کو دار السلطنت روانہ کر دیا اور وہ جلوس کے چھٹے سال حرم میں داخل ہو گئی۔ (تکملہ تری جہانگیری از محمد ہادی)

پہلے نور محل اور بعد ازاں نور جہاں کا خطاب پایا۔ نور جہاں بیگم عورتوں میں ممتاز اور
التر صفات میں بے نظیر اور بے مثل تھی۔ اس کی طبیعت موزوں تھی اور اسکے اشعار زبان زد
ہیں۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہی حکومت کرتی تھی۔ بادشاہ برائے نام تھا۔

کانگرہ کی فتح | تخت نشینی کے تیرہویں سال کی ابتداء میں شیخ فرید میر تقی خاں میر بخشی
کو بہت بھاری فوج کی سرکردگی میں کانگرہ کے قلعہ کو فتح کرنے پر
مقرر کیا اور راجہ سورج کو بھی جو درہزادی منصب پر سرفراز تھا، اس کے ہمراہ اس مہم پر
مامور کیا۔ راجہ سورج شیخ مذکور کی مخالفت پر آمادہ ہو گیا اور اس سے لڑ پڑا۔ شیخ نے اس
کی شکایت بادشاہ سے کی اور راجہ نے شہزادہ خرم سے اس کی شکایت کی۔ اسی دوران
شیخ میر تقی کا انتقال ہو گیا۔ راجہ سورج مل کو دربار میں بلا کر شہزادہ کی زیر سرکردگی دکن کی
مہم پر مقرر کر دیا اور کانگرہ کی مہم کو ملتوی کر دیا۔ دکن کی فتح کے بعد راجہ سورج مل نے
شہزادہ سے کہا کہ قلعہ کانگرہ کی مہم کو ملتوی کر دیا۔ دکن کی فتح کے بعد راجہ سورج مل نے
اجازت لے کر ایک بڑی فوج اس کام کیلئے مقرر کر دی اور اپنے بخشی مرزا محمد تقی کو بھی
اس کے ہمراہ روانہ کر دیا۔ پہاڑوں میں پہنچنے پر اس کا مرزا محمد تقی سے بھی جھگڑا ہو گیا۔
شہزادہ نے محمد تقی کو بلالیا اور اس کی جگہ بکر ماجیت کو روانہ کیا۔ اس موقعہ کو غنیمت
جان کر راجہ سورج مل نے بغاوت کر دی اور شہزادہ کی فوج سے لڑ کر سید تقی بابہ کو
جو متحدہ میں سے تھا معہ اس کے بھائیوں کے قتل کر دیا۔ اور پٹیلہ اور کلانور کے
پہاڑوں کو لوٹ لیا۔ اتنے میں جب بکر ماجیت اُس کے قریب پہنچا تو سورج مل بھاگ کر
پہاڑوں میں روپوش ہو گیا۔ شہزادہ نے بکر ماجیت کی تجویز سے راجہ سورج مل کے چھوٹے
بھائی جگت سنگھ کو جو بنگال پر چارہ صدی منصب پر تعینات تھا بلا لیا۔ آنے پر اس کو
ہزاری خلعت اور پانچ سو سواروں کا منصب اور راجہ کا خطاب عطا کیا اور اُس کے
موروثی ملک کی طرف روانہ کیا۔ بعد ازاں اس کو راجہ بکر ماجیت کے ہمراہ کانگرہ کی مہم پر
روانہ کیا۔ یہ بہت پرانا قلعہ ہے اور لاہور کے شمال کی جانب پہاڑوں کے درمیان واقع
ہے اس میں ۲۳ برج اور ۶ دروازے ہیں۔ اس کا اندرونی حصہ ایک کوس اورہ اجڑا

ہے۔ بلندی دو کوس دو جریب ہے اور چوڑائی ایک سو چار گز ہے۔ اس کے اندر دو حوض تالاب ہیں۔ اکبر بادشاہ کے وقت تک کوئی بادشاہ اس کو فتح نہ کر سکا۔ الغرض راجہ بکرماجیت نے اس کا محاصرہ کر لیا اور اسد وغیرہ بند کر دی۔ چار ماہ کے بعد جب بہت زیادہ تنگی ہوئی تو راجہ تلوک چند نے پناہ مانگی اور قلعہ کی کنجیاں حوالے کر دیں۔ شاہی جلوس کے پندرہویں سال مطابق یکم محرم ۱۰۳۱ھ سچر کے دن قلعہ فتح ہو گیا۔

شاہجہاں کی بغاوت | شہزادہ خرم ملقب بہ شاہجہاں ۱۰۳۱ھ جلوس جہانگیر

بادشاہ میں منصب ہشت ہزاری ذات اور چار ہزار سوار پر سرفراز ہوا۔ اس کے بعد جب ۱۰۳۱ھ جلوس میں شہزادہ کا عقد مرزا ابوالحسن مخاطب آصف خاں سپہر اعتماد الدولہ کی بیٹی سے ہوا اور محتانہ محل کا لقب ہوا تو منصب دہ ہزاری ذات اور چھ ہزار سوار عطا ہوا۔ کچھ عرصہ بعد منصب پانزدہ ہزار ذات اور آٹھ ہزار سوار عطا ہوا اور جب مہم ولایت کو فتح کر کے اپنے بیٹے کو حضور میں لایا۔ منصب بست ہزاری ذات اور دس ہزار سوار اور خرم شاہ کا خطاب عطا ہوا۔ پھر جب مہم دکن پرتعین ہوا تو شاہجہاں خطاب اور منصب سی ہزاری اور بیس ہزار سوار پا کر ہمیشہ مورد عنایت پدر ہا۔ نورجہاں بیگم بادشاہ کی خاطر سے اور اپنے بھائی آصف خاں کی دلجوئی کے لئے جس کا داماد شاہجہاں تھا مدارج کی زیادتی میں کوشش کرتی رہی۔ اس کے بعد نورجہاں کی لڑکی کی جو شہر افگن کے نطفہ سے بھئی جہانگیر بادشاہ کے بھتیجے اور شہزادہ دانیال کے بیٹے سلطان شہریار کے ساتھ شادی ہو گئی اور نورجہاں اس کی طرف دلاری کرنے لگی۔ دکن کی مہم کو مہم کرنے کے بعد جب شہزادہ شاہجہاں واپس ہوا اور ماندون پہنچا تو اس نے دھولپور کو اپنی جاگیر میں لینے کی خواہش ظاہر کی اور وہاں پر اپنا کادکن تعینات کر دیا۔ اتفاق سے شاہجہاں کی درخواست پہنچنے سے قبل نورجہاں نے اس پر گئے کو سلطان شہریار کی تنخواہ میں جاگیر کے طور پر عنایت کر کے سلطان شہریار کے کادکن خریف الملک نامی کو اس پر گنہ پر مقرر کر دیا۔ دونوں کے کادکن وہاں پہنچے اور لڑ پڑے۔ شریف الملک بیرنگنے کی وجہ سے کانا ہو گیا۔ اس واقعہ سے محل میں ہنگامہ

برپا ہوگا اور بڑے فساد کی صورت اختیار کر لی۔ شہزادہ نے ایک عرضی جس میں بہت زیادہ انکساری اور عاجزی کا اظہار کیا تھا۔ اپنے دیوان افضل خاں کے ہاتھ روانہ کی تاکہ یہ فتنہ اور فساد ختم ہو جائے۔ بدخواہوں نے نور جہاں بیگم کو طرح طرح کی باتیں کر کے آصف خاں سے بےخبر کر دیا اور اس پر یہ تہمت لگائی کہ شاہجہاں کی حمایت کرتا ہے اور اس پر آمادہ کیا کہ مہابت خاں کو جو آصف خاں کا دشمن ہے اور شاہجہاں سے بھی خوش نہیں ہے کابل سے بلا کر ان دونوں کو ذلیل کر دیا جائے۔ مہابت خاں کو شاہی فرمان جاری ہوئے اور ہر دفعہ کوئی نہ کوئی عذر پیش کر دیا۔ آخر میں اُس نے صاف لکھ دیا کہ میرا حاضر خدمت ہونا ناممکن ہے۔ اگر درحقیقت شاہجہاں کو ذلیل ہی کرنا منظور ہے تو آصف خاں کو صوبہ بنگال پر تعینات کر دیا جائے تاکہ حضور میں پہنچ کر شاہی حکم کی تعمیل کروں۔ بادشاہ نے آصف خاں کے لڑکے امان اللہ کو تین ہزار سی ذات اور دو ہزار سوار کے منصب پر سرفراز کر کے مہابت کو حکم دیا کہ اس کو کابل میں چھوڑ کر حاضر ہو۔ مہابت خاں حاضر ہو گیا اور شہزادہ شاہجہاں کی جاگیر کے دو آبدے وغیرہ کے اخلاص نکال کر سلطان شہریار کی تنخواہ میں بطور جاگیر کے مقرر کر دیئے۔ شاہجہاں اس خبر کے ملتے ہی ماندون سے باپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوا۔

بادشاہ کو جب معلوم ہوا تو وہ لاہور سے اکبر آباد چل دیا اور ناعاقبت لوگوں کی فتنہ پر دازی اور نور جہاں کے ورغلانے سے اپنے اطاعت شعار اور فرماں بردار لڑکے سے لڑنے کو آمادہ ہو گیا۔ اس عرصہ میں وہ امراء جو شاہجہاں سے خط و کتابت کرتے تھے گرفتار کر لئے گئے اور ان کے منصب اور جاگیریں چھین لی گئیں۔ اس ہمہ کابند سبب مہابت کے ہاتھ میں تھا۔ لاہور سے روانگی کے بعد فوجیں شاہجہاں کے مقابلے کے لئے مقرر ہوئیں۔ شاہجہاں اکبر آباد پہنچ کر بادشاہ کے بہت جلد پہنچنے کی خبر پا کر کٹھن مروت روانہ ہو گیا اور وہاں سے خانساناں کے لڑکے اور راجہ بکراجیت اور ان کے علاوہ اپنے دوسرے امراء کو شاہی فوج کے مقابلہ کے لئے روانہ کر کے خود بھی مقابلہ کے تیار ہو گیا۔ دونوں فوجوں کی گھسان کی لڑائی ہوئی۔ شہزادہ کی فوج کو ناکامی ہوئی اور

بکرماجیت اس میں کام آیا۔ شاہجہان مجبوراً واپس ہوا اور ماندون کی طرف چلا گیا۔ بادشاہ اس فتح کی خبر سن کر اجیر چل دیا اور سلطان پرویز مہابت خاں ماجہ نرسنگھ دیوبند میں ماجہ گنج سنگھ لاٹھور، ماجہ جے سنگھ اور دوسرے امراء کو جو چاہہاں سوار اور فوج پر مشتمل تھے۔ شاہجہان کے مقابلہ پر روانہ کیا اور اس مہم کا بندوبست مہابت خاں کے ہاتھ میں تھا۔ جب شاہی فوج ماندون پہنچی تو شاہجہان نے دستم خاں کو اپنی فوج کے ساتھ مقابلہ میں روانہ کیا مگر دستم خاں مہابت خاں سے مل گیا۔ انتظام دہم بہم ہو گیا۔ اور شہزادہ دیا نے نرہدا کو عبور کر کے آسیر پہنچا۔ اس وقت معلوم ہوا کہ خانخاناں مہابت خاں سے خط و کتابت لکھتا ہے اور بھگان چاہتا ہے۔ چنانچہ شہزادہ نے اس کو مع اس کے لڑکے دادب خاں کے قید کر دیا اور سامان وغیرہ چھوڑ کر خود برہان پور روانہ ہوا۔ شاہجہان مجبوراً برہان پور سے روانہ ہو کر گوکندہ اور بندرگاہ مچھلی پٹن کے راستہ سے اٹھ گیا اور بنگال کی طرف چل دیا۔ جب بادشاہ کو شہزادہ کے بنگال جانے کا حال معلوم ہوا تو اس نے سلطان پرویز اور مہابت خاں کو پٹنہ کی طرف روانہ کیا۔ بادشاہ خود خانخاناں کو اکبر آباد میں مقرر کر کے کشمیر روانہ ہوا۔ شاہجہان نے اٹھیا اور ان اطراف میں پہنچنے کے بعد معمولی سی جنگ میں بردوان کا قلعہ فتح کر لیا اور اس کے بعد اکبر نگر کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور اچھی طرح لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں ابراہیم خاں صوبہ دار اور دیوانہ اور دیگر امراء مارے گئے۔ شاہجہان اس قلعہ کو بھی فتح کر کے ٹوٹا کر چلا گیا۔ یہاں پر بہت سا سامان اور نقد ۳ لاکھ روپیہ اس کے ہاتھ لگا۔

ابراہیم خاں کا بھتیجا احمد بیگ جوڈھاکہ میں تھا مجبور ہو کر شاہجہان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خانخاناں کا لڑکا دادب خاں ابھی مقید تھا۔ شاہجہان نے اس سے قسم کھلائی اور قید سے آزاد کر کے اس کو بنگال کا صوبہ دار کر دیا اور خود پٹنہ پہنچا۔ وہاں سے عبداللہ خاں اور دریا خاں کو الہ آباد روانہ کیا۔ عبداللہ خاں وہاں پر قابض ہو گیا۔ بنگال کے زمیندار شاہجہان کو ایک کشتی میں لائے تھے مگر پٹنہ پہنچ کر غائب ہو گئے۔ اس واسطے شاہجہان نے ایک مٹی کا قلعہ جنگل میں بنایا۔ شہزادہ پرویز اور مہابت خاں لشکر کے ساتھ پہنچ گئے اور

کئی دفعہ جنگ ہوئی۔ راجہ بھیمن سنگھ جو شاہجہاں کی فوج کا سردار تھا کام آگیا۔ شہزادے کی فوج پسپا ہو گئی۔ اسلحہ خانہ کے دلاو غہ اور عبداللہ کے علاوہ کوئی شخص شہزادہ کے ساتھ نہ رہا۔ شہزادہ نے مرنے پر کمر باندھ کر گھوڑا اٹھایا۔ جب یہ زخمی ہوا تو عبداللہ خاں شہزادے کو گھوڑے کی باگ پکڑ کر نکال لیا اور پٹنہ کی طرف لے گیا۔ جب شاہی فوج پٹنہ کے قریب پہنچی، شاہجہاں اکبر آباد آگیا۔ جب شہزادہ جلوس بادشاہ تھا تو مراد بخش پیدا ہوا۔ یہ اس کو اس کی ماں کے ساتھ چھوڑ کر بنارس روانہ ہوا۔ داراب خاں کے لڑکے کو قتل کر دیا اور بنگالہ سے دکن چلا گیا۔ بادشاہ نے شہزادہ پر وزیر اور داراب خاں کو دکن بھیجا۔

داراب خاں جو بادشاہی لشکر سے مل گیا تھا اُس نے اس کو قتل کر دیا اور خانخانان مقید ہو گیا۔ شاہجہاں امیر چلا گیا اور وہاں توقف کر کے ٹھٹھہ کی طرف آکر ایران کا امدادہ کیا چونکہ ٹھٹھہ میں شریف الملک کا شہزادہ شہر باد کا نوکر مقیم تھا۔ وہ اس کی خبر سن کر قلعہ میں بند ہو گیا۔ شہزادہ نے قلعہ گفیر کر چند روز لڑائی لڑی۔ اسی اثناء میں شہزادہ پر ویز میر گیا۔ مہابت خاں حضور میں چلا گیا۔ فقط شاہجہاں لودھی دکن میں قیام رکھتا تھا۔ پھر دکن گیا مگر راستہ میں ناسک ٹرنیک میں قیام کیا اور خان جہاں لودھی کے دکن سے خارج کرنے کا امدادہ کیا۔

مہابت خاں کی گستاخی اور
مہابت خاں جو نور جہاں اور آصف خاں کے التماس کے بموجب مورد عتاب ہو گیا اور فدائی خاں حضور سے مامور ہوا کہ مہابت خاں کو شاہ پرویز سے جدا

کر کے بنگالہ کی طرف روانہ کر دے۔ مہابت خاں اگر راضی نہ ہو تو تنہا حضور میں حاضر ہو اور گجرات سے واپس آکر شہزادہ پرویز کی اتالیقی کے فرائض انجام دے۔ اور جو کچھ روپیہ اور سامان اُس کے متہ سے اس کا مطالبہ کرے۔ مہابت خاں رخصت ہو کر بادشاہ کے حضور میں روانہ ہوا۔ ادھر خان جہاں لودھی گجرات سے شہزادہ پرویز کی خدمت میں پہنچ گیا۔ بادشاہ دریا ئے سندھ کے کنارے کابل کے سیر و سکار میں مشغول تھا۔ مہابت خاں وہاں پہنچا اور شاہی فوج کے قریب قیام کیا۔ بادشاہ نے غرور قبضندی کو جو مہابت خاں کا داماد تھا۔ کوڑے لگوائے اور نینگے سر ہاتھ باندھ کر ذلیل کر دیا

اور سب کچھ چھین لیا۔ مہابت خاں کے سائے محمد حسن کو گرفتار کر لیا اور اس سے بھی کافی رقم وصول کی۔ مہابت خاں یہ خبریں سن کر اپنی عزت بچانے کی غرض سے پانچ ہزار سواہ جمع کر کے آیا۔ بادشاہ نے اس کو معذور کر کے پیغام بھیجا کہ جب تک شاہی مطالبات نہ پورے کرے تو سلام کی اجازت نہ ملے گی اور آصف خاں بادشاہ کو تنہا چھوڑ کر دریا کے اُس پار خود اہل و عیال اور فوج وغیرہ لے کر کشتیوں کے پُل سے گزر گیا۔ وہاں خیمہ وغیرہ گاڑے۔ بادشاہ کے خیمہ کے گرد سوائے نوکروں کے کوئی نہیں رہا۔ مہابت خاں چار ہزار سواہ لے کر وہاں پہنچا اور پُل کو آگ لگا دی تاکہ لوگ آجائے سکیں اور خود دولت خانہ کے دروازہ پر پہنچ کر گھوڑے سے پیادہ پا ہو گیا اور عزل خانہ میں مع سواروں کے پہنچ گیا اور تختہ کو توڑ کر اندر چلا گیا۔ بادشاہ کو جب معلوم ہوا تو بالکی میں بیٹھا۔ مہابت خاں نے بالکی گھیر لی۔ بادشاہ نے دوسرے تہذیب کے قبضہ پر ہاتھ لگایا مگر حاضرین نے عرض کیا کہ چڑھ کر آزمائی کا وقت نہیں ہے۔ مہابت خاں نے عرض کیا کہ خود بدولت گھوڑے پر سوار ہو جائیں اور غلام دہکاب والا میں رہے۔ جب سلطان تھوڑے فاصلہ پر نکل گیا تو مہابت خاں نے عرض کیا کہ ایسی شورش پر ہاتھ پڑنا سوار ہونا صلاح دولت ہے مجبوراً ہاتھ پڑنا پڑا ہی گیا۔ یہاں تک کہ وہ خیمہ میں داخل ہوا۔ نور جہاں بیگم دریا کے اُس پار چلی گئی تھی اور لڑائی کی تیاری کر رہی تھی۔ بادشاہ نے پیغام بھیجا کہ جنگ کرنا مصلحت نہیں ہے۔ مگر دوسرے روز آصف خاں اور ابو الحسن نے فوجیں آراستہ کیں اور جنگ کا ارادہ کیا۔ پُل کو مہابت خاں نے جلوا دیا تھا۔ آصف خاں کا بیٹا چند لوگوں کے ساتھ دریا عبور کر گیا۔ آصف خاں دریا کے درمیان میں پہنچا تھا کہ شکست کھا کر واپس ہوا۔ آصف خاں بھی دریا کے نیچے سے بھاگ آیا۔ بیگم دریا سے پار ہو کر خیمہ میں اُتری۔ آصف خاں مع اپنے بیٹے اور دوسو آدمیوں کے قلعہ اٹک بنارس میں پہنچا اور قلعہ بند ہو گیا۔ تین دن بعد نور جہاں بیگم بادشاہ کے حضور میں پہنچی۔ بادشاہ مہابت خاں کے ساتھ کابل چلا گیا۔

مہابت خاں جوں ہی اٹک بنارس پہنچا قلعہ کے اندر جا کر آصف خاں وغیرہ کو قید کر دیا۔ لاجپوت باغی ہو گئے۔ بادشاہ نے مہابت خاں کو حکم بھیجا کہ شاہجہاں جو ٹھٹھہ کی

طرف چلا گیا ہے اس کا تعاقب کرے۔ اس اثناء میں شاہجہان ٹھٹھہ سے کوچ کر کے دکن کی طرف لوٹ گیا۔ مہابت خاں بغیر حکم شاہی کے ہندوستان کو چلا۔ اس سے بغاوت کے آثار ظاہر ہوئے تو بادشاہ نے عبدالرحیم خانخانا کو اس پر مقرر کیا۔ خانخاناں (جمیر پنچا اور مہابت خاں جو اجمیر پنچا تھا) جنگ کی تاب نہ لاسکا اور ملک رانا کے پہاڑوں میں جا چھپا۔

خانخاناں سے جلوس شاہی کو فوت ہو گیا۔ مہابت خاں شاہجہاں سے ملا اور جب یہ خبر بادشاہ کو پہنچی خانجہاں لودھی کو دکن کا صوبیدار مقرر کیا جہاں شاہجہاں سے ایک مدت تک لڑائی رہی۔

بیگمات | شہزادہ سلیم کی شادی راجہ بھگوانداس کی لڑکی سے ہوئی۔ شاہ بیگم خطاب تھا۔ راجہ ادوے سنگھ کی بیٹی جو دہ بائی عرف جگت گوسائیں اور نہت خواجہ حسن (صاحب جال) سے شادی ہوئی۔ راجہ کیشو داس راہور، راجہ رائے سنگھ راول بہیم والی جیسلمیر کی صاحبزادیاں جہانگیر سے منسک ہوئیں۔ آخر میں جیسا کہ اوپر بیان ہوا نور جہاں حرم میں داخل ہوئی۔

اولاد | بادشاہ بیگم سے خسرو اور سلطان النساء اور صاحب جہال سے پرویز کوئی بیگم سے بہادر بیگم اور سلطان شاہ بیگم ہوئیں۔ جو دہ بائی سے شہزادہ خرم تولد ہوئے۔ دو خواصوں سے جہاندار شاہ اور شہر یار تھے۔

وفات | جمعہ ۱۳۶ھ بعارضہ دمہ جہانگیر نے وفات پائی اور لاہور میں دریائے راوی کے کنارے دفن ہوئے۔

نظام سلطنت | تخت حکمرانی پر بیٹھ کر پہلا حکم جو صادر کیا وہ نہ بخیر عدالت کا ویزا کرنا تھا جو کہ عدل جہانگیری مشہور ہے۔ باپ کے عہد کا جو نظام حکمرانی تھا اس کو برقرار رکھا۔ دین الہی کی خرافات ختم کی گئیں۔

جہانگیر کے دور میں تعلیمی ترقیاں

جہانگیر نے عربی مدرسوں پر نئے سرے سے توجہ کی۔ اس کے عہد حکومت میں

بہت سے دیران مدرسے آباد ہو گئے۔ اُس نے تعلیمی ترقی کے لئے یہ قانون نافذ کیا کہ جو تاجر کسی غیر دیار میں فوت ہو جائے اور اُس کے وارثوں کا پتہ نہ چل سکے یا شہری کا کوئی ایسا دولت مند وفات پائے جس کے ورثاء موجود نہ ہوں تو اُس کے مال و متاع کو شاہی خزانہ میں جمع کرنے کے بجائے اُن سے مدرسے اور دوسری مفید عمارتیں تعمیر کر دی جائیں۔ خوانی خاں نے اس فرمان کو نقل کیا ہے :-

”در حکم شد کہ ہر جا کہ مسافر تاجر و مقیم مالدار فوت شود و وارث او حاضر نہ باشد مال او امانت نگاہ دارند در صورت مفقودا لثربودن وارث مال ترکہ میت را صرف تعمیر و احداث مساجد و پل۔ مدرسہ و سرائے نمایند۔“

ہندوستان میں اس فرمان سے بہ کثرت مدارس قائم ہوئے۔ چنانچہ مصنف تاریخ جام جہاں کا بیان ہے کہ جہانگیر نے پُرانے مدرسے جو چڑیوں کے گھونسلے اور درندوں کے مان بن گئے تھے نئے سرے سے آباد کئے اور اکبر آباد، اگرہ کو اکبر کے زمانہ سے جو تعلیمی اہمیت حاصل ہوئی تھی وہ اس دور میں باقی رہی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی طالب علمی کا زمانہ جہانگیر کے دور حکومت میں گزرا ہے۔ انہوں نے اپنی تصنیف اخبار الایثار میں اپنے تحصیل علم کی مفصل حالت بیان کی ہے۔ ان کی تحریر سے اس عہد میں دہلی کے ایک اور مدرسے کا پتہ چلتا ہے جس میں وہ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کی تحصیل کے لئے داخل ہوئے تھے۔ اس مدرسہ کو انہوں نے ”مدرسہ دہلی“ کے نام سے یاد کیا ہے۔



ابو المظفر شہاب الدین محمد شاہجہان ثانی

ولادت | شاہزادہ خرم (شاہجہاں) ۳۰ ربیع الاول ۸۰۰ھ بروز جمعہ بمقام لاہور پیدا ہوا۔ اکبر نے خوشیاں منائیں۔ پوتے کو محل سرا میں خدیجۃ الزمانی رقیہ بیگم کی سپردگی میں دیا۔

شاہزادہ عالی نژاد بلند اقبال محمد خرم کلام بود نظر بر عنایات و توجہات
جد بزرگوار و پدر نامدار کہ نسبت بخسود و در حق آں ثمرہ جاہ و جلال زیادہ
بعد دل می برو (منتخب الباب جلد ۱ ص ۲۲)

تعلیم و تربیت | اکبر نے اپنی نگرانی میں تعلیم کا انتظام کیا۔ جب چار برس چار
مہینے اور چار روز کا ہوا تو پڑھنے کے لئے بٹھایا گیا۔ قاسم بیگ
تبریزی، حکیم ودائی گیلانی شیخ ابوالخیر (سردار ابوالفضل) اور وجیہ الدین گجراتی
تعلیم کے لئے مقرر کئے گئے۔ ان باکمال استادوں کی زیر نگرانی خرم نے علوم و فنون کی
تکمیل کی۔ خطاطی میں بھی مہارت تامہ تھی۔
در جمع فنون و فضائل و قائل لکنتہ فہمی را با علی درجات کمال رسانیدہ۔

جہانگیر کے مرنے کے بعد آصف خاں نے بنارس داس کو شاہجہان کے پاس
بھیجا اور باپ کے مرنے سے آگاہ کر دیا اور نور جہاں کو نظر بند کر کے نگرانی کی کہ اس
کے پاس کوئی شخص آمد و رفت نہ لکھنے پائے۔

شہر یار کی نافرمانی | نور جہاں اپنے داماد شہر یار کو بادشاہ بنوانا چاہتی تھی۔
ادھر شہر یار نے اپنی بیوی کے کہنے پر شاہی خزانوں پر

۱۔ عمل صلح جلد ۱ صفحہ ۳۱۔

دست اندازی کر کے تمام کالہ خانوں پر قبضہ کر لیا (خزانہ ہاتھی خانہ اسلحہ خانہ وغیرہ جولاہوں میں تھے) شہر یار نے بایسغند سپہر سلطان دانیال کو سردار بنا کر لشکر کو دریائے لاوی کے پار آمادہ دیا۔ طرفین میں مقابلہ ہوا اور پہلے ہی حملہ میں ہار گیا۔ شہر یار اپنے دو ہزار سواروں کے ساتھ لاہور سے پلٹ کر قلعہ میں آیا۔ رات کے وقت اداوت خاں نے قلعہ میں پہنچ کر اس کو اپنے قابو میں کر لیا۔ صبح ہوتے ہی بڑے بڑے امراء نے داور بخش کو بناوٹی طور پر تخت پر بٹھادیا اور شہر یار کی مشکیں کس کر خدمت میں حاضر کیا جس کو دو روز بعد اندھا کر دیا۔ کچھ دن بعد شہزادہ دانیال کے بیٹے طہومرث اور ہوشنگ بھی گرفتار کر لئے گئے۔

ادعمر شاہجہاں جو نظام الملک (دکن) کے سرحدی مقام خیبر میں تھا۔ بناہسی کی زبانی خبر سنتے ہی گجرات کے راستہ دار الخلافہ آگرہ کی طرف روانہ ہوا اور جانا نادر خاں کو فرمان کے جواب میں واپس کر دیا۔ احمد آباد پہنچ کر شاہجہاں نے ماہر خاں کو گجرات کی موبیداری عنایت کی اور مرزا بیخی خاں کو ٹھٹھہ کی گورنری عطا کی۔

شہر یار اور دیگر باغیوں کے متعلق فرمان | خدمت پرست خاں کو آصف خاں کے پاس لاہور بھیجا اور فرمان بھیجا کہ اگر خسرو کے بیٹے داور بخش اور اس کے بھائی شہر یار اور دانیال کو ہلاک کر دیں تو یہ امر ملک کی اصلاح کے لئے بہتر ہوگا۔ اس حکم کے بعد شاہجہاں کا نام خطبہ میں پڑھا گیا۔ داور بخش کو قید کر دیا اور بدھ کی شب ۳۷ھ میں داور بخش اور اس کے بھائی گرتاپ شہر یار اور طہومرث و ہوشنگ سپہران دانیال کو ہلاک کر دیا۔

تخت نشینی | اس وقت شاہجہاں کے سوا ملک دانا کی حدود میں تھے۔ اس نے سپہ سالار مہابت خاں کی معیت میں اجمیر کے راستے ہو کر اکبر آباد کے باہر باغ نور میں پڑاؤ ڈالا۔ اگلے روز ہاتھی پر سوار ہو کر اس جوبلی میں پہنچا جہاں شہزادگی کے زمانے میں رہتا تھا۔ ۸ جمادی الثانی ۳۷ھ پیر کے روز ۳۷ سال دو ماہ کی عمر میں آگرہ میں تخت نشین ہوا۔ ۱۵۷۷ قلعہ میں ادا ہوئی اور نور جہاں بیگم کے بھائی آصف خاں

کے نام فرمان جادی کیا کہ فوراً مع شہزادوں کے لاہور سے حاضر ہو۔

فرمانبرداروں پر عنایات | آصف خاں کو منصب ہشت ہزاری ذات اور دو دو تین تین گھوڑے ولے سوار عنایت فرمائے

اور بندرگاہ لاہری کو عنایت فرمایا۔ مہابت خاں کو خانخانان سپہ سالار کا خطاب عطا کیا۔ ہفت ہزاری منصب ملا اور سات ہزار سوار دیئے گئے۔ اجمیر کا صوبیدار بنایا۔ خانبہاں نوری کو باوجود سرکشی کے ہفت ہزاری منصب اور دکن کی صوبہ داری پر بحال رکھا۔

پہلا حکم | اہم سجدہ تعظیم کی ممانعت کی۔ مہابت خاں طرفی کی عرض پر سجدے کی بجائے زمین بوسی کی رسم قرار پائی۔ ملاقات کے وقت سلام کرنے اور چلتے وقت فاتحہ اور دُعا کا حکم دیا۔ سلام یعنی ہیئت رکوع اس کی جگہ قرار پایا۔

مشاغل ذاتی | صبح صادق سے ایک گھنٹہ پیشتر ضروریات سے فارغ ہوتا اور وضو کر کے نفل اور فریق ادا کرتا۔ فن موسیقی میں کامل مہارت تھی۔ ہمیشہ با وضو رہتا تھا۔

مشاغل ملکی | امام قلی خاں نے پہلے ہی سال کابل پر لشکر کشی کر دی۔ مقابلہ میں مہابت خاں کو مامور کیا۔ ۳۰ سالہ بین نذر محمد خاں نے قلعہ کابل کا دو تین ماہ تک محاصرہ کئے رکھا مگر ناکام واپس ہونا پڑا۔ مہابت خاں یہ خبر سن کر مرہند میں رُک گیا۔

آصف خاں | آصف خاں کو مختلف خلعتیں دے کر وکیل السلطنت کا عہدہ سپرد کیا۔ اُس کے بڑے بیٹے شائستہ خاں کو بھی خلعت وغیرہ عنایت کئے۔

۳۰ سالہ | دریا خاں کو معافی دی گئی۔ مرزا اہم صفوی کو بیس ہزار روپیہ پنشن سالانہ عطا کی۔ مہابت خاں کو دکن اور خاندیش کا صوبیدار مقرر کیا۔ اُس کے بیٹے خان زمان کو دکن کے انتظام پر مقرر کیا اور خان جہان لودھی کو مالوہ کی صوبیداری عطا کی۔

قاتل ابوالفضل کا حال | اسی سال چچا سنگھ سپر نرسنگھ دیوبندلیہ شیخ ابوالفضل کا قاتل (ان مقام کے خطوہ کے) وہم میں پڑ کر بھاگ گیا۔

مہابت خاں کو اس کی سرکوبی کے لئے مقرر کیا گیا۔ چچا سنگھ جو لڑنے کی طاقت نہ رکھتا

تھا، بہاوت خاں کے ذریعہ اپنی خطا کی معافی کا خواست گاہ ہوا جو منظور کی گئی۔ اُس نے ایک ہزار اتر فی پندرہ لاکھ روپیہ مع چالیس ہاتھیوں کے بطور جبرانہ ادا کئے۔ نظام الملک نے بالا کوٹ کے علاقے ممالک محروسہ میں شامل کر دیئے۔

سال دوم مطابقت ۱۰۳۸ھ

- بادشاہ کو ایک بار سونے چاندی میں اور چھ بار اجناس غلہ سے تولایا اور فقراء کو تقسیم کیا گیا۔
- چھبیس گھنٹہ کے دوبارہ شرف آداب بجا آوری حاصل کیا۔
- بہاوت خاں دہلی کا صوبیدار ہوا۔
- عید نوروز پر ممتاز محل کا سالانہ دس لاکھ روپیہ مقرر ہوا۔
- امداد خاں کو دکن کی طرف داری عطا ہوئی۔
- افضل خاں شیرازی کو وزارت سونپ دی گئی۔

خانجہاں کی پھر بغاوت | خانجہاں لودھی جو اپنی ناشائستہ سابقہ حرکت کی بنیاد پر خائف رہتا تھا اور خدمت سے علیحدگی اختیار

کر لی تھی۔ بادشاہ نے اسلام خاں کو اُس کے پاس بھیجا اور حالات دریافت کئے۔ اُس نے امان کا پروانہ بادشاہ کے قلم کا لکھا ہوا مانگا تا کہ خوف و ہراس دور ہو جائے۔ چنانچہ بادشاہ نے یہ دیدیا۔ مگر پھر بھی وہ بدگمان رہا۔ ایک رات بغیر اطلاع اکبر آباد سے نکل بھاگا۔ خواجہ ابوالحسن خان زمان اور دوسرے امراء کو اس کا تعاقب کرنے پر مامور کیا۔ اُن میں سے چند نے بڑی عجلت سے اُس کا پیچھا کیا اور دھوپور کے اُس پاس اس کو گھیر لیا اور جنگ ہوئی۔ خدمت پرست خان مارا گیا اور دوسری جانب حسین و عظمت سپران خانجہاں اس کا داماد اور اُس کے کافی بھروسے کے آدمی مارے گئے۔ خان جہاں اپنے بچے کچھ چند ساتھی اور دو بیٹوں کے ساتھ گھٹے جنگل میں گھس گیا۔ وہاں سے براہ ہوتا ہوا نظام الملک کی ولایت میں چلا گیا جو اس کے ساتھ دوا داری برت رہا تھا۔ بہلول اور سکندر افغان بھاگ کر خانجہاں سے ملے۔ بادشاہ نے نظام الملک کے خلاف لشکر روانہ کیا۔

تیسرے سال کے حالات مطابق ۱۰۳۹ھ

شعبان ۱۰۳۹ھ جو جشن نوروز کا دن تھا نواب ممتاز محل کا جیب خرچ بارہ لاکھ مقرر ہوا۔

نظام الملک و خانبھان کی سرکوبی کے لئے روانگی | بادشاہ نے خان جہان لودھی اور نظام الملک کی گوشمالی

کے لئے کوچ کیا۔ وہاں پہنچ کر فوج کے تین حصے کر دیئے۔ اول اداوت خاں صوبہ دکن دوم راجہ گنچ سنگھ، سوم، آصف خاں شائستہ خاں کا بڑا بیٹا اداوت خاں کو اعظم ثانی کا خطاب عطا کیا اور سب کو حکم دیا کہ اداوت خاں کی داسے کے خلاف نہ کریں۔ ۲۲ رجب کو شہر برہان پور میں سب جمع ہوئے اور دربار دوہیلہ بھاگ کر خانبھان لودھی سے جا ملا۔ شائستہ خاں کی جگہ عبداللہ خاں بہادر کو روانہ کیا۔ اسی دوران میں اعظم خاں کی خانبھان سے جھڑپ ہو گئی۔ خانبھان بھاگا۔ اس کی تلاش میں اعظم خاں کا بیٹا مسفت خاں دو کوس کے فاصلہ پر رہ گیا۔ خانبھان بھلول اور مقرب خاں نے اس کو آن لیا اور لڑائی ہوئی جس میں کافی مغل اور راجپوت کام آئے۔ اس دوران جادو داسے مع اپنے خاندان کے نظام الملک کے پاس چلا گیا۔ نظام الملک نے اس کو قید کرنا چاہا مگر اُس نے بچنے کی کوشش کی اور دو بیٹوں اور ایک پوتے کے ساتھ مالہ گیا۔ باقی رشتہ داروں نے درگاہ شاہجہان میں پناہ لی اور اعظم خاں کی سفارش پر منصب حاصل کئے اور ایک لاکھ تیس ہزار روپیہ مدد معاش کے طور پر اُن کو عنایت ہوا۔

کمال الدین دوہیلہ کی بغاوت | کمال الدین خانبھان کے لکھنے پر پشاور میں آمادہ بغاوت ہوا۔ اور سعید خاں کے ہاتھوں مارا گیا۔ جشن وزن قمری منایا گیا۔

اعظم خاں کی کامیاب جنگ | جب مقرب خاں اور بھلول نے جلنا پور سے پاتھری کی طرف رخ کیا تو اعظم خاں نے اُن کے

بھاگنے کی اطلاع پاکر اُن کا تعاقب کیا۔ خانبجھاں مہاگاؤں میں اُن کا منتظر تھا کہ یکایک بادشاہی لشکر اُن پہنچا۔ خانبجھاں لڑا۔ بہادر خاں زخمی ہوا۔ ہر داس جھالا مارا گیا۔ اس وقت اعظم خان آپہنچا۔ خانبجھاں بھاگا۔ اس کا بھتیجا گولی سے مارا گیا۔ راجہ پہاڑ سنگھ مارا گیا۔ خانبجھاں پہاڑوں میں بھاگ گیا۔ شاہی امراء اس کو ڈھونڈھ کر واپس آ گئے۔ خان اعظم نے پہلے دولت آباد کا رخ کیا مگر بوجہ قحط کے دہاؤ کی طرف گیا تاکہ بیلوں اور مقرب خاں کی جڑیں اکھاڑے۔ اسی دوران میں ساہو جی بھوسلہ جو نظام الملک کی ہندو فوج کا سالار تھا شاہی لشکر سے آملا اور سید مظفر اور میر جگہ کو بھی منصبوں پر فائز کیا۔ قلعہ منصور گڑھ باقر خاں صوبیدار دہلیہ کی کوشش سے فتح ہو گیا۔

چوتھے سال کی حالت مطابق سنہ ۱۰۳۰ھ

خانبجھاں کا انجام | خانبجھاں کو نظام الملک کی دوستی پر اعتماد نہ رہا۔ اس لئے مالوہ کا رخ کیا اور عبداللہ خان بہادر نے جو بھالا گھاٹ میں تھا اُس کا بیچھا کیا۔ ادھر شاہی فوج سید مظفر خاں بارہ عبداللہ خاں سے آ ملی۔ مہروج پینچ کہ پتہ چلا کہ عین شہر سے پچاس ہاتھی سرکادی آدمی چھین کر لے گئے ہیں اور خواجہ عبدالباری پسر صفدر خاں شہر کی حفاظت کر رہا ہے۔ غرض خانبجھاں بوندیوں کے ملک میں گھس گیا اور کا بھی سے مراٹھا یا۔

بکرماجیت پسر چچا سنگھ اُن کے تعاقب میں نکلا اور دریا دھیلہ کے پاس جو خانبجھاں کے پیچھے دستہ پر تھا جا پہنچا۔ لڑائی ہوئی اور دریا کا کام تمام ہوا اور خانبجھاں بھاگ نکلا۔ اس صلہ میں بکرماجیت کو جگر کا خطاب ملا۔ اس سال میں اعظم خاں کی کوشش سے قلعہ دھاروت فتح ہوا اور نظام الملک کی نانی ملک بدن کے چچا ستم اور سلوا کنبہ چھاؤنی اور قلعہ قبضہ میں آیا جس کا نام فتح آباد رکھا۔ خان بھما دریا کے مارے جانے پر فرادہ ہو رہا تھا تو شاہی فوج نے اس کا بیچھا کیا۔ ادھر سے سید مظفر بارہ خانبجھاں لودھی کے پاس جا پہنچا اور مقابلہ کیا۔ بہت سے آدمی مرے۔ بادشاہی فوج کی جانب سے عالم خاں کے داماد اور رائسیال کے پوتے درگاہ نے جان دی اور صفدر خاں،

دو ہیلہ خانبجھاں کے دونوں بیٹوں سمیت مع رفیقوں کے مارا گیا۔ خانبجھاں پھر بھاگ گیا۔ اس کا گزند کالنجر کی طرف ہوا۔ وہاں کے حاکم نیاز خاں نے اس کا مقابلہ کیا اور خود اس کا بیٹا حسن خاں گرفتار ہو گیا۔ یہاں سے بھی خانبجھاں بھاگ نکلا اور ایک تالاب پر پڑاؤ کیا۔ جب سید مظفر آپہنچا اور اپنے بیٹے عزیز خاں کے ساتھ مقابلہ کیا اور خود اس کا بیٹا اور لائے مل ہلاک ہو گیا۔ اتنے میں عبداللہ خاں فیروز جنگ بھی آپہنچا اور ان تینوں کے مر بادشاہ کے حضور میں پہنچے۔

دکن میں قحط | اس سال بادشہ نہ ہونے کی وجہ سے دکن گجرات وغیرہ میں قحط پڑ گیا۔ بادشاہ نے ستر لاکھ روپیہ بانٹا اور جاگیرات کا محصول اتنی کر ڈر معاف کر دیا۔

سفیر ایران کی آمد | اشعбан کو محمد علی بیگ سفیر ایران بمرہان پور میں شرف حضور سے شرف ہوا اور تین لاکھ کے تحفے پیش کئے اور اپنی طرف سے ۵۰ ہزار کے تحفے پیش کئے۔ بادشاہ نے سفیر کو ۳ لاکھ ۱۶ ہزار نقد اور ایک لاکھ روپیہ کی فیس ادا کی۔

نظام الملک کا انجام | اعظم خاں نے نظام الملکی اور جاول خانی فوجوں کا پیچھا کرنے اور قلعہ سرہند کی فتح کے لئے بہت کوششیں کیں۔ اور اسی کی ذرہ خواست پر نظام الملک کے ترک غلام مقرب خاں کو جو اس کے لشکر کا کمانڈر تھا اور نامناسب سلوک سے برگشتہ تھا شاہجہاں کی اطاعت کا امدادہ کیا اور وہاں پہنچ کر الطاف شاہی کا مستحق ہوا۔ اس سال ملک عنبر کا بیٹا فتح خاں سپہ سالار نظام الملک رہا۔ اس نے نظام الملک کو قید کیا اور درگاہ شاہی میں اطلاع دی۔ شاہجہاں کو یہ بات ناگوار نہ گزری اور حکم دیا کہ اس کو چھوڑ دے۔

فتح خاں نے اس حکم کا پتہ چلا کہ نظام الملک کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا اور شہرہ کر دیا کہ اپنی موت مر گیا ہے اور اس کی جگہ اس کے دس سال کے لڑکے حسین نانی کو تخت پر بٹھایا۔

دیگر فتح نصیر خاں کی سعی سے قلعہ قندھار جو تلمشا کے مشہور قلعوں میں سے ہے فتح ہو گیا۔

ممتاز محل کی وفات اسی سال نواب ممتاز محل کا انتقال ہو گیا اور باغ زین آباد (برہان پور میں) بطور امانت دفن کر دیا۔ کچھ دن بعد اس کی لاش آگرہ میں لائی گئی اور دیائے جہنا کے کنارے سپرد خاک کر دیا اور اس پر بہت بلند مقبرہ تاج محل تعمیر کرایا۔ اس صدمہ میں بادشاہ نے دو سال تک تمام لذتوں خصوصاً ساز و نغمہ سننے اور بیش قیمت لباس پہننے سے پرہیز رکھا۔ اس سے چودہ بچے پیدا ہوئے۔ آٹھ لڑکے چھ لڑکیاں۔

پانچویں سال کے حالات مطابق ۱۰۸۵ھ
اسی سال جشن وزن شمس بھی ترتیب دیا گیا۔

قلعہ بیجا پور پر حملہ اسی سال عین الدولہ آصف خاں محمد عادل شاہ والی بیجا پور کو راہ راست پر لانے کے لئے آصف خاں کی ہمراہی میں فوج عظیم بھیجی۔ آصف خاں نے پہلے قلعہ پالکی کا محاصرہ کیا۔ سید خانبھاں کند کے ذریعہ قلعہ میں داخل ہوا اور ایک تخت پر بیٹھ گیا۔ اُس کے نیچے بارود وغیرہ تھی جس میں آگ لگ گئی اور تخت اوپر اڑا اور ایک کھلیاں پر آگرہ سید مذکور اگرچہ زخمی ہوا مگر بچ گیا۔ اس کے بعد جب قلعہ بیجا پور میں پہنچا تو عادل شاہیوں نے قلعہ میں پناہ لی اور بوجہ کمی غلہ وغیرہ صلح کی درخواست کی۔ مصطفیٰ خاں آصف خاں کے پاس آیا اور یہ طے ہوا کہ عادل شاہ ۴۰ لاکھ روپیہ جواہرات مرصع آلات بھیج کر اطاعت قبول کر لے۔ اس کے بعد عہد نامہ لکھا جس پر عادل شاہ کی مہر لگوانے کے لئے شاہی سپاہیوں میں سے ایک کے ہمراہ قلعہ کے اندر گئے تو اہل قلعہ نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد آصف خاں نے محاصرہ ترک کر دیا۔ بیجا پور شہر اور قصبات کو لوٹا دیا۔ عین الدولہ بہت ساز و سامان لوٹ کر خاندیس واپس چلا گیا۔ بادشاہ برہان پور سے آگرہ لوٹ آیا۔ ملٹفت خاں کو برہان پور کا موبیدار بنادیا۔ مہابت خاں دکن میں مقرر ہوا اور آصف خاں کو بموجب حکم دربار میں حاضر ہونا پڑا اور اُس نے شرفِ حضوری حاصل کیا۔

متفرق احوال سال رواں | نذر محمد خاں والی بلخ کا اپنی حاجی وقاص دربار میں پہنچا اور گھوڑے اونٹ اور بلخ کا دوسرا سامان نذر

یکم۔ متانہ محل کی وفات کے ایک سال بعد سالانہ عرس منعقد کیا اور بہت خیرات کی۔
بندر گاہ ہنگلی پر ٹکیزئیوں سے قاسم خاں صوبیدار نے لڑائی کے بعد واپس لی اور اس قوم کے چار ہزار مرد و عورت اسیر ہوئے۔

چھٹے سال کے حالات مطابق ۱۲۸۱ھ

- قلعہ گھٹا کھڑی صوبہ مالوہ کے مصافات میں فتح ہوا۔
- شہزادہ داراشکوہ کی شادی نادرہ بانو بیگم سے ہوئی۔ یہ جہاں آباد بیگم کی بیٹی سلطان مراد کی لڑکی اور سلطان پرویز کی بیوی تھی۔ اس کے ۳۲ روز بعد شہزادہ شجاع کی شادی مرزا اسم صفوی کی لڑکی سے ہوئی۔
- اسی سال میں ۶۶ ہجرت خانے بنارس میں منہدم ہوئے۔
- تہرت خاں کو ہندوستان کے تحفے لے کر بلخ کی سفارت پر بھیجا۔
- فتح خاں پسر ملک عنبر حبشی سپہ سالار دکن طالب امان ہوا۔
- نظام الملک قلعہ گوالیار میں قید کر دیا گیا۔
- فتح خاں کو دو لاکھ روپیہ سالانہ اور خلعت سے سرفراز فرمایا۔
- شہزادہ اورنگ زیب نے مست ہاتھی کے ساتھ جنگ کی۔
- شہزادہ شجاع کو موعہ لشکر کے دکن روانہ کیا۔
- عین الدولہ آصف خاں کے بہنوئی صادق خاں نے دنیا سے کوچ کیا۔

ساتواں سال کے حالات مطابق ۱۲۸۲ھ

- ۳ شعبان ۱۲۸۲ھ کو دارالسلطنت آگرہ سے پنجاب کی طرف کوچ کیا اور ۶ رشتوال کولہ پور کے دولت خانہ شاہی میں قیام ہوا۔
- ۷ رشتوال کو میانمیر کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ تسبیح اور سفید عمامہ نذر کیا۔
- ۱۴ رشتوال کولہ پور سے کشمیر روانہ ہوئے۔

۸۔ ربیع الثانی کو کشمیر سے لاہور واپس ہوئے۔

آٹھویں سال کے حالات ۱۲۴۴ھ

۵۔ جمادی الثانیہ ۱۲۴۴ھ کو دارالسلطنت لاہور میں پہنچے۔

۶۔ بالاگھاٹ کی صوبیداری خان زماں پسر خانخانان کے سپرد ہوئی جس کے علاقے یہ ہیں: دولت آباد، احمد نگر، ٹٹن، مر، جالنا پور، چنیر، سنگمیر اور فتح آباد مع مضافات اور متصل علاقوں کے۔ کچھ حصہ برار کا اور پورا تلنگانہ۔

۷۔ پاپان گھاٹ کی صوبیداری خان دوراں کے سپرد کی۔

۸۔ اشدرودی خاں قراول بیگی صوبہ مالوہ کا صوبیدار ہوا۔

۹۔ جمادی الثانی کو شاہ شجاع نے دکن سے آکر باپ کی قدیموسی کا شرف پایا اور نسخہ قرآن قلمی ملک شاہ خانم کا لکھا ہوا پیش کیا۔

۱۰۔ شعیان کو اگرہ کی طرف روانہ ہوا۔

۲۶۔ ماہ رمضان کو دارالاشکوہ کے گھر فرزند پیدا ہوا اور سلیمان شکوہ نام رکھا۔

۲۸۔ شوال کو اگرہ میں نزول اجلال فرمایا۔ جشن نوروز میں تخت طاؤس پر تشریف فرما ہوئے۔

۳۔ بجاہت خاں نے ولایت مری نگر کشمیر کے سرحدی قلعہ شیر گڑھ کو فتح کیا۔ نیز قلعہ کاپی

اور ساتور پر قبضہ کیا اور جیب ہر دوار سے گزر رہا تھا تو سنا کہ ایک گروہ نے اس

ملک میں داخلہ کا راستہ روک دیا ہے فوراً اس پر حملہ کر دیا اور ان میں سے بہت سوں کو

قید کر لیا۔ مگر گروہ نے اپنا نمائندہ بھیجا اور دس لاکھ روپیہ نذرانہ شاہی اور ایک لاکھ

بجاہت کے لئے دینا منظور کیا۔ مگر اس شرط پر کہ رقم کے حصول تک وہاں ہی قیام رکھا جائے۔

اس میں یہ چال تھی کہ قیام کی مدت طویل ہو جائے سے لشکر کا سردگھٹ جائے گا اور

برسات ہونے سے حمل و نقل میں وقت پیدا ہو جائے گی اور شاہی لشکر ٹھہرنے سکے گا۔

ایسا ہی ہوا اور بہت فوج کٹی اور کچھ بھوکے مرے۔ جب یہ واقعہ بادشاہ نے سنا

تو بجاہت خاں کو تنزل کر دیا۔

عبدالرحیم خانخانان کے پوتے مرزا خاں کو اس کی جگہ سپہ سالارہ کر دیا۔

- اس سال جھار سنگھ بندیلہ اور اس کے بیٹے بکر ماجیت نے دوبارہ بغاوت کر دی۔
- شہزادہ اورنگ زیب کو فوج کا سپہ سالار بنا کر بھیجا۔
- ۱۷ مارچ الماؤل کو بادشاہ دولت آباد روانہ ہوا اور ۵ رجمادی الماؤلی کو بادشاہ موضع بادی سے دکن کی طرف روانہ ہوا۔

نویں سال کے حالات ۱۰۴۵ھ

- ۲۵ رجمادی الماؤلی شاہی لشکر نے جھار سنگھ قاتل شیخ ابو الفضل کے باپ بکر ماجیت کے دادا انر سنگھ دیو کے بت خانے منہدم کر دیئے۔
- قلعہ چنیر سنگیر ناشک اور ترمک فتح ہوئے۔ ملک گوکلندہ میں خطبہ و سکہ بادشاہ شاہجہاں کے نام کا جاری ہوا۔
- دکن کی حکومت شہزادہ اورنگ زیب کے سپرد کی گئی۔
- قلعہ اوسہ اور اودے گڑھ فتح ہوئے۔

دسواں سال کے حالات ۱۰۴۶ھ

- بادشاہ اجمیر گیا اور تالاب انامار کے کنارے محل شاہی میں قیام فرمایا۔
- موسم زیارت ادا کیں۔
- مسجد روضہ کے پیچھے تعمیر کرائی
- اس کے بعد آگرہ واپس آیا
- حسینی ایران کی سفارت پر روانہ ہوا۔
- شہزادہ اورنگ زیب کی شادی شاہنواز کی لڑکی سے ہوئی۔
- قلعہ جھوچور اس سال میں فتح ہوا اور تربت کے قلعہ بھی فتح ہوئے۔
- گیارہویں سال کے حالات ۱۰۴۷ھ
- ولایت قندھار کے تمام قلعے فتح ہو گئے۔
- ۱۷ مارچ الشانی کو اکبر آباد (آگرہ) سے دار الحکومت لاہور کی طرف کوچ ہوا۔

بامرہویں سال کے حالات ۱۰۴۸ھ

- علی مردان کو صوبہ کشمیر کی صوبیداری عنایت ہوئی۔
- شائستہ خاں کو پٹنہ کا صوبیدار مقرر کیا۔
- افضل خاں کا ۱۲ رمضان المبارک کو انتقال ہو گیا۔
- شہزادہ شجاع کی شادی اعظم خاں کی لڑکی سے ہوئی۔
- کابل کی طرف کوچ فرمایا۔ ۲۵ ربیع الثانی کو کابل سے لاہور واپس ہوا۔

تیسرے ہویں سال کے حالات ۱۰۴۹ھ

- علی مردان خاں کشمیر اور لاہور کا صوبیدار ہو گیا۔
- ممتاز محل (زوجه شہجہاں) نے انہی دنوں پردہ کیا۔
- اسلام خاں عہدہ وزارت پر فائز ہوا۔
- یکم شعبان کو شاہ شجاع کے ہاں اکبر نگر (بنگال) میں لڑکا پیدا ہوا۔ نام سلطان زین الدین رکھا گیا۔

چودھویں سال کے حالات ۱۰۵۰ھ

- بادشاہ نے سیر کے لئے کشمیر کی طرف اور وہاں سے لاہور کی طرف رخ کیا۔
- ممتاز محل کی بیٹی بانوی بیگم نے انتقال کیا۔
- قلعہ تارا گڑھ فتح ہوا۔

- علی مردان خاں کو کابل کی صوبیداری پر مقرر کیا۔
- کشمیر کا صوبہ شاہ قلی خاں کے سپرد ہوا۔

پندرہویں سال کے سالانہ مطابق ۱۰۵۱ھ

- عین الدولہ آصف خاں خاننشاہاں سپہ سالار اعظم نے استعفا کی بیماری میں مفراختر اختیار کیا۔ مقبرہ دریائے لاوی کے کنارے شہر لاہور کے بالکل سامنے واقع ہے۔
- کشمیر میں قحط پڑ گیا۔
- شہزادہ مراد بخش کی شادی شاہنواز صفدی کی نیک بخت لڑکی سے ہوئی۔

سولہویں سال کے واقعات ۱۰۵۲ھ

• ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کو روپوؤں میں تلوایا۔

• شالامہ باغ اور نراس سال تکمیل کو پہنچی۔

• اسی سال ممتاز محل کا مقبرہ تاج محل پایہ تکمیل کو پہنچی جو تقریباً بارہ سال سے مکرمٹ خاں اور میر عبدالحکیم کے زیر اہتمام تعمیر ہو رہا تھا۔ اس پر ۵۰ لاکھ روپیہ صرف ہوا اور پرگنہ حویلی اکبر آباد اور نگر چند کے مضافات میں سے ۳۰ گاؤں جن کی آمدنی ایک لاکھ سالانہ تھی مقبرہ کے لئے وقف کر دیئے۔

ستوہویں سال کے احوال ۱۰۵۳ھ

• شہزادہ اورنگ زیب کا لڑکا جس کا نام معظم خاں رکھا گیا پیدا ہوا۔ انہی دنوں شہزادہ مراد بخش کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام زینت النساء بیگم رکھا۔

• آگرہ میں وباد پھیلی ہوئی تھی اس لئے بادشاہ نے فتح پور سیکری کے محل میں قیام کیا۔

• شہزادہ داراشکوہ بیمار ہو گیا اور اس کو صحت ہوئی۔

• شیخ عبدالعزیز سفیر شریف مکہ معظمہ کو طلائی پاندان، عطر دان، پیالہ اور طلائی سرلوٹس مع چار ہزار روپیہ نقد عنایت کیا۔

• بادشاہ کی بڑی بیٹی بیگم صاحبہ کے کپڑوں میں آگ لگ گئی۔ حکیم داؤد جو ایران سے آیا تھا اس کو حکیم یحیٰ الزمان کے ساتھ شریک کر کے علاج کے لئے مقرر کیا اور بہت خیرات وغیرہ کی۔

• اورنگ زیب نے گوشہ نشینی اختیار کی اور خان دوراں بہادر نصرت جنگ کو مالوہ سے دکن بھیجا۔

• راجہ گئے سنگھ راہٹور کا بیٹا امر سنگھ بارہ ماہ میں حاضر ہوا اور شام کو جبکہ صلابت خاں نوکران شاہی میں سے کسی سے بات کر رہا تھا تو اچانک امر سنگھ نے کٹاڑس کے سینہ میں ماری جس سے اُس کا کام تمام ہو گیا۔ خلیل اللہ خاں اور ابن ولد راجہ بٹل

داس گورو اور سید سال سالاباد وغیرہ دوڑے اور اس کو مار ڈالا۔

اٹھارہویں سال کے حالات ۱۵۴۷ھ

- اسی سال شاہی علم آگرہ سے لاہور اور وہاں سے کشمیر کی طرف بلند ہوئے۔
- داراشکوہ کے محل میں سلطان پرویز کی لڑکی کے شکم سے بیٹا پیدا ہوا جس کا نام سپہر شکوہ رکھا گیا۔

راجہ جے سنگھ دکن کی حفاظت پر مامور ہوا۔

- بادشاہ کی بڑی بیٹی بیگم صاحبہ کی صحت یابی کا جشن منایا گیا اور اُسی کی درخواست پر بادشاہ نے اورنگ زیب کو مناکر گوشہ نشینی سے نکالا۔

انیسویں سال کے حالات ۱۵۴۸ھ

اس سال قلعہ گھمرو فتح ہوا۔

- جاں نثار خاں پسر نہ بردست خاں کو شاہ صفی کی تعزیت اور شاہ عباس ثانی کی تخت نشینی کی مبارک باد کے لئے ایران بھیجا۔
- دو ماہ بعد کشمیر سے لاہور واپس ہوا۔

- ۲۹ رمضان کو نور جہاں بیگم کا انتقال ہو گیا۔ لاہور میں اپنے بھائی آصف خاں کی قبر کے پاس دفن ہوئی۔

شہزادہ شجاع کے یہاں فرزند پیدا ہوا جس کا نام زمین العابدین تجوئزہ ہوا۔

- چونکہ بادشاہ کو قندھار اور سمرقند کے فتح کرنے کی بہت آرزو تھی اس لئے کابل کی طرف کوچ کیا۔

بیسویں سال کے واقعات ۱۵۴۹ھ

اس سال بادشاہ لاہور واپس آیا۔

- شہزادہ مراد بخش کی خطائیں معاف فرما کر سابق منصب عطا کئے۔
- شہزادہ اورنگ زیب کو بدخشاں اور بلخ کی فتح پر مامور کیا۔
- سعید خاں کو شہزادہ اورنگ زیب کی جگہ گجرات میں تعینات کیا۔

سنی خانم نے انتقال کیا۔ یہ طالب امین کی بہن تھی۔ یہ تقرب اور دیرینہ خدمت گاری کے اصول خوب جانتی تھی اور علم قرأت سے بھی واقف تھی بلکہ جہاں بیگم نے اُس سے پڑھا تھا۔

اورنگ زیب بیگم جمادی الاولیٰ کو بلخ پہنچا اور وہاں پر اُس کو لڑنے کے بعد کامیابی حاصل ہوئی۔

اکیسویں سال کے واقعات ۱۰۵۷ھ مطابق

مراد بخش صوبہ کشمیر کے انتظام کے لئے روانہ ہوا۔

اسلام خاں ناظم چاند صوبہ دکن نے ۱۴ شوال ۱۰۵۷ھ کو انتقال کیا اور اورنگ آباد میں مدفون ہوا۔

اورنگ زیب ہندوستان واپس آیا اور بلخ نذر محمد خاں کے پوتے قاسم ولد خسرو کے سپرد کیا۔

بادشاہ کابل سے لاہور آگئے اور اُس کے بعد آگرہ واپس ہوئے۔

شہزادہ شجاع کابل سے آگرہ آیا اور صوبہ بنگال کی جاگیر اس کو عطا ہوئی۔

شہزادہ اورنگ زیب کو ملتان جانے کا حکم دیا۔

قلعہ شاہ جہان آباد مکمل ہوا اس لئے بادشاہ دہلی کی طرف روانہ ہوا اور ۲۴ ربیع الاول ۱۰۵۷ھ کو بادشاہ دریائے جمنا کے کنارے والے دروازے سے

جوشاہ نشین محل کی طرف جاتا ہے داخل ہوا۔

ایک قندیل سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک پر سید احمد سعید کے ہمراہ بھیجا اور مال تجارت گجرات سے بھی بھیجا جو ٹر لیت مکہ، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے مستحقین میں تقسیم کیا گیا۔

بائیسویں سال کے واقعات ۱۰۵۶ھ مطابق

صوبہ گجرات شہزادہ دارا شکوہ کو مرحمت ہوا۔

باقی بیگ گجرات کا حاکم مقرر ہوا۔

- اڈیسیہ کا صوبہ جان بیگ بردی کو دے دیا گیا۔
- شیخ ابو الفضل کے شاگرد شیخ عبد المجید لاہوری نے دس سال کے تادمی واقعات مدون کئے۔
- اس سال بادشاہ لاہور گئے۔
- مگر وہ اعیان سلطنت اعظم خاں نے ۶۷ برس کی عمر میں وفات پائی۔
- شاہ عباس ثانی حاکم ایران نے قلعہ قندھار کا محاصرہ کیا۔ بادشاہ نے کابل کا رخ کیا۔ جو ایرانیوں نے فتح کر لیا۔
- تیسویں سال کے حالات ^{مطابق ۱۰۵۹ھ}
- شہزادہ اورنگ زیب نے سید اللہ خاں وزیر کے ہمراہ قندھار پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ کیا اور لڑائیاں ہونے کے بعد شہزادہ اورنگ زیب واپس ہو جاتا ہے۔
- چوبیسویں سال کے حالات ^{مطابق ۱۰۶۰ھ}
- اس سال بیگ اکبر آبادی محل کی ٹوٹی ہوئی مسجد کی تکمیل ہوئی۔
- رمضان کے روزے افطار کئے (مذکر کے) اور ساٹھ ہزار روپیہ فدیہ دیا۔
- عبدالرحمن جو ولایت غور کا حکمران تھا سبحان قلی خاں (مردار قلم) نے اس کو قید کر دیا اور بادشاہ شاہجہانی میں پہنچایا۔ یہاں اُس نے ملازمت اختیار کر لی۔
- پچیسویں سال کے حالات ^{مطابق ۱۰۶۱ھ}
- سلطان روم کا سفیر مخی الدین جو شیخ عبدالقادر جیلانی کی نسل سے تھا آیا۔
- سعید خاں بہادر شاہی خانہ زاد غلام کا انتقال ہو گیا۔ اس کی جگہ لہراسپ کو مقرر کیا اور کابل کی صوبے داری پر مقرر کیا۔
- لاہور سے کابل کی طرف قندھار واپس لینے کے خیال سے کوچ کرنے کا ارادہ کیا۔ اورنگ زیب کو حکم ملا کہ ملتان سے قندھار روانہ ہو۔
- چھیسیں سال کے حالات ^{مطابق ۱۰۶۲ھ}
- شہزادہ اورنگ زیب نے قندھار پہنچ کر آٹھ دن تک قلعہ فتح کرنے کے

لئے اپنی اسکانی کوشش کی۔

شاہ عباس نے بھی لشکر جمع کیا اور کوچ کیا۔ شہزادہ اورنگ زیب نے یہ خبر پا کر واپسی کا تقارہ بجا دیا۔

ستائیسویں سال کے حالات ^{مطابق ۱۰۶۳ھ}

راج سنگھ ولد رانا جگت سنگھ شہزادہ داراشکوہ سے وعدہ کے مطابق بہت سی فوج لے کر قندھار پہنچا اور قلعہ کے فتح کرنے میں بہت کوشش کی۔ دولت خاں افغان ہندوستانی فوج سے مل گیا۔ شاہ ایران نے بھی اپنی فوجیں بھیجیں مگر ہندوستانی فوج کو کامیابی نہیں ہوئی۔

شہزادہ اورنگ زیب کے یہاں لڑ کا پیدا ہوا اور اُس کا نام محمد اعظم رکھا۔ اس سال ایک مسجد سنگ مرمر کی مکمل ہوئی۔

سلطان روم کا سفیر دربار میں آیا۔

اٹھائیسویں سال کے حالات ^{مطابق ۱۰۶۴ھ}

اس سال فیض آباد اور اجمیر کی طرف بادشاہ گیا۔

شہزادہ دلاشکوہ کو خاص خلعت بخشا۔

انیسویں سال کے حالات ^{مطابق ۱۰۶۵ھ}

سید محمد سعید اردستانی جس کا خطاب میر جملہ تھا اور عبداللہ شاہ قطب والی گوکنڈہ (دکن) کا دلا المہام تھا۔ چغل خوروں نے قطب شاہ مذکور کا دل اس کی طرف سے مخوف کر دیا۔ مجبور ہو کر شہزادہ اورنگ زیب کے وسیلہ سے آستانہ شاہجہاں کو اپنا ٹھکانا بنایا۔ اُس نے ایک حکمنامہ قاضی عارف کشمیری کے ہمراہ صادر کیا کہ میر جملہ کو آنے سے نہ روکے۔

تیسویں سال کے حالات ^{مطابق ۱۰۶۶ھ}

۱۲ جمادی الثانی کو سید اللہ خاں وزیر درو قونچ کی بیماری میں بعمر ۷۰ سال قضا کر گیا۔ اس کے بیٹے لطف خاں کو سات سو ذات ایک سو سوار کا منصب عطا فرمایا۔

قاضی عارف کے پہنچنے سے پہلے قطب شاہ میر جملہ کے بیٹے محمد امین کو قید کر چکا تھا اور اس کا مال و اسباب ضبط کر لیا تھا۔ اس لئے دوسرا فرمان محمد امین کی رہائی کے لئے جاری کیا اور اورنگ زیب کو حکم دیا کہ اگر قطب شاہ اطاعت قبول نہ کرے تو اُس کو سزا دینے کے لئے خود جائے اور شائستہ خاں صوبیدار مالوہ اور دوسرے دکن پر تعینات امیروں کو لکھا کہ سب شہزادہ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اورنگ زیب نے اپنے بڑے لڑکے سلطان محمد کو اس جانب روانہ کیا اور خود بھی اُس کے پیچھے پیچھے چل کھڑا ہوا۔ قطب شاہ محمد امین اور لواحقین کو سلطان محمد کی خدمت میں بھیجا۔ چونکہ اس کا مال واپس نہیں کیا تھا اس لئے سلطان محمد نے حیدر آباد کا رخ کیا۔ قطب شاہ خوف سے قلعہ میں بند ہو گیا اور محمد نادر کو جو امرات کا صندوقچہ دے کر بھیج دیا۔ اُس نے کچھ گستاخی سلطان محمد کے حق میں کی۔ جس کی بنا پر اس کو قید کر لیا اور حیدر آباد میں داخل ہو گئے۔ بہت سا سامان لوٹ کر جمع کیا۔

ادھر سے شہزادہ اورنگ زیب قلعہ گوکنڈہ کی طرف روانہ ہوا اور قلعہ سے ایک میل فاصلہ پر پہنچ گیا۔ دشمن کی فوج بھی آپہنچی اور لڑائی ہوئی جس میں بہت سے دکنی مارے گئے۔ قطب شاہ نے گزشتہ سالوں اور سال رواں کی رقوم نذرانہ ادا کیں اور سلطان محمد سے اپنی بیٹی کے رشتہ کی بات چیت شروع کی اور اسی سال عقد نکاح ہو گیا۔

• اسی سال جامع مسجد دہلی جس کی بنیاد ۶۷۰ھ میں رکھی گئی تھی پائے تکمیل کو پہنچی اس پر دس لاکھ روپیہ صرف ہوا۔

• معظم خاں کا بیٹا میر محمد امین جو بادشاہ زیادہ ہونے کی وجہ سے بڑا پنور میں لڑکا ہوا تھا، آستانہ سلطنت پہنچا اور خلعت اور خان کے خطاب سے سرفراز ہوا۔

• عادل شاہ والی بیجا پور کا ۲۶ محرم کو انتقال ہو گیا اور غلام نے اپنے متبئی کو گدی پر بٹھا دیا۔ اورنگ زیب اور دیگر امراء کو حکم ہوا کہ ان مقامات

پر قبضہ کر لیں۔

دہلی میں طاعون پھیلنے کی وجہ سے بادشاہ نے ۴ ربیع الاول کو گنگا کے کنارہ پر گڑھ سکیتھر میں سیر و شکار کھیلنے کی طرف توجہ فرمائی اور ۲۵ ماہ مذکور کو دہلی واپس آیا۔

رستم خاں بہادر جنگ کو صوبہ کابل کے انتظامات پر لگایا۔

اکتیسویں سال کے حالات

اس سال بادشاہ ہی لشکر شہر فیض آباد (کشمیر) کی طرف روانہ ہوا اور اس کے بسنے اور تعمیر کا کام حسن بیگ خاں کے اہتمام سے پانچ لاکھ روپیہ سے انجام پایا۔ اور سید مظفر بادشاہ اس کی نگرانی کے لئے مقرر ہوا جو پہلے سری نگر کے زمیندار کے متعلق تھا اور کچھ عرصہ سے ممالک محروسہ میں شامل ہو گیا تھا۔ زمیندار نے ڈک کر نذرانہ ادا کر کے اپنی عزت بچائی۔ جموں کا لدا بہ بھی حاضر ہوا۔ بادشاہ ایک مہینہ وہاں رہ کر دہلی واپس ۳ رجب کو آئے۔

علی مروان خاں معتمد سلطنت کا انتقال ہو گیا۔ اُس کے بڑے بیٹے ابراہیم خاں اس کے بھائیوں اور رفیقوں کو درجہ کے موافق منصب عطا کیا۔ اس زمانے میں قلعہ بیدر کی فتح، حبشیوں کی تنبیہ اور قلعہ کلیان کی تسخیر عمل میں آئی۔

ولایات بیدر مع اس کے مضافاتی علاقوں کے اور قلعہ لام گڑھ اور نگ زیب کو بطور انعام مرحمت فرمایا اور تنخواہ سالانہ تین کروڑ روپیہ ہو گئی۔

بیدر کا نام مظفر آباد رکھا۔ جب عادل شاہ اور دوسرے سرکشوں کو یقین ہو گیا کہ سوائے اطاعت کے کچھ چارہ نہیں تو یہ طے کیا کہ قلعہ بربندہ مع تمام متعلقات اور ملک دکن کے قلعے اور دیگر متعلقہ مقامات قبضہ میں دیدیں۔

اس سال بادشاہ کو پیشاب رک جانے کی بیماری لاحق ہوئی۔ تمام ممالک محروسہ میں اس سال زکوٰۃ معاف کر دی۔

• شہزادہ داراشکوہ کا منصب زیادہ ہوا اور تنخواہ میں بھی اضافہ ہوا۔

• ۱۲ رزی الحجہ کے اورنگ زیب کے یہاں شہزادہ محمد اکبر پیدا ہوا۔

• معظم خاں کو شہزادہ اورنگ زیب سے تعلق نہ رکھنے کی وجہ سے وزارت سے معزول کیا۔

• رائے لایان کو امور وزارت پر مامور کر دیا۔

• شہزادہ داراشکوہ نے بادشاہ کی بیماری کی وجہ سے کاہ و یاہ سلطنت کیا اور اگر تشریف لے جانے کی بادشاہ کو تحریک کی۔

• ۸ محرم ۱۰۶۷ھ بذی قعہ شتی (برہہ جنتا) اگرہ روانہ ہوا۔ ۸ صفر کو گھاٹ سامی کی عمارت میں پہنچ کر نوروز تک یہاں قیام کیا۔ یہاں پہنچ کر بیماری میں تخفیف ہو گئی۔ دو مہینے نو دن میں بغیر دوا کے کھل کر پیشاب آنے لگا۔

• ۱۹ ربیع الاول کو شہزادہ داراشکوہ کے مکان میں تشریف لائے۔

• دل ریس بانو بیگم جو شہزادہ اورنگ زیب کے نکاح میں تھی انتقال کر گئی۔

• داراشکوہ کو صوبہ بہار مرحمت ہوا اور منصب اور روپیہ کے انعام مرحمت ہوئے۔

• جعفر خاں وزارت عظمیٰ کی خدمت سے سرفراز ہوا۔

• ملا عبدالحکیم سیالکوٹی نے سفر آخرت اختیار کیا۔

• شہزادہ شجاع بنگال سے ایک بھادی لشکر کے ساتھ اکبر آباد پر چڑھائی کے اداہ

سے روانہ ہوا اس لئے سلیمان شکوہ راجہ جے سنگھ اور بہادر خاں کے ساتھ لشکر روانہ

کیا تاکہ اُس کو مزادی جائے۔

• مہاراجہ جسونت سنگھ راٹھور کو منصب بڑھاکر اور انعام وغیرہ دے کر مالوہ کی بیداری

پر لگایا اور شہزادہ اورنگ زیب کی مخالفت سے روک دیا۔

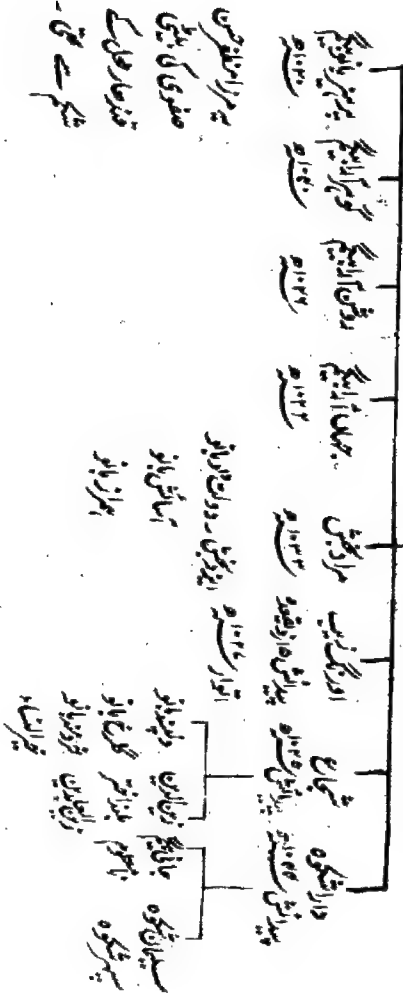
• یکم ربیع الثانی کو بادشاہ قلعہ اگرہ میں اپنے محل میں تشریف لے آئے۔

• گجرات میں شہزادہ مراد بخش نے بادشاہ کی بیماری کا حال سن کر سکہ اور خطبہ

اپنے نام کا جہادی کر دیا اور شاہی دیوان سید علی نقی کو قتل کر دیا۔

شجاع کے بھائے قاسم خاں کو احمد آباد کا گورنر بنا کر روانہ کیا ۔

شاہجہاں ممتاز کے بطور چاروں کے تین اولیاں)



شاہجہاں کے دور کی تعلیمی ترقیاں

شاہجہاں کے عہد میں لاہور احمد آباد، دہلی اور جون پور علم و تعلیم کے ایسے مرکز تھے کہ ہندوستان کے باہر ہرات اور بدخشاں سے لوگ تعلیم و تحصیل کے لئے ہندوستان آتے تھے اس عہد میں بالکانوں کی مسند درس کو شہرت عام حاصل تھی۔ ان کے مدرسے علم و فن کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ایشیا میں مشہور تھے۔ لاہور میں ملا محمد یوسف اور ملا جمال لاہوری کو شہرت حاصل تھی۔ ملا محمد فاضل بدخشاں نو عمری میں تحصیل علم کے لئے کابل آئے اور ملا صادق حلوانی سے تعلیم حاصل کی۔ پھر وہاں سے توران پہنچے اور ملا مرزا اجمان شیرازی کے درس میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد علم کی مزید تکمیل کے لئے لاہور آئے اور یہاں عقلی علوم کی تحصیل ملا محمد یوسف سے کی جنہیں عبدالحمید مصنف بادشاہ نامہ نے ”سرآمدہ آساتذہ زمان“ کے لقب سے یاد کیا ہے اور نقلی و شرعی علوم و تفسیر و اصول کی تعلیم ملا جمال لاہوری سے جنہیں عربیت میں ”یگانہ دوزگار“ کہا گیا ہے، حاصل کی۔ اسی طرح ملا عبداللطیف سلطانپوری ملا جمال لاہوری کے شاگرد تھے اور عقلی و نقلی دونوں علوم میں دستگاہ رکھتے تھے اور خصوصاً پڑھانے کا طرز نہایت پسندیدہ اور دلنشین تھا۔

اس زمانہ میں لاہور کے ایک دوسرے مشہور استاد ملا عبدالسلام دیوی تھے انہیں معقول و معقول و ادب سب میں دسترس حاصل تھی۔ تقریباً ساٹھ سال درس و تدریس کی خدمت میں مصروف رہے۔ شاہجہاں نے ان کا تعلیمی وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ ملا میرک غفوان شباب میں ہرات سے ہندوستان آئے اور ملا عبدالسلام کے شاگردوں کے ذمے میں شامل ہو گئے۔ ملا خواجہ بہادی بھی غفوان شباب میں اپنے والد ملا سعد پٹنوی سے علوم کی تحصیل کرنے کے بعد مزید تکمیل کے لئے لاہور آئے اور تحصیل علوم سے فارغ ہو کر دربار سلطانی سے وابستہ ہوئے۔

سیالکوٹ میں ملا کمال کشمیری کی مسند درس قائم تھی معقولات کے مشہور فاضل ملا عبدالحکیم سیالکوٹی انہی کے دامن فیض کے تربیت یافتہ تھے۔ شاہجہاں نے ان کی مدد و معاش

کا معقول انتظام کیا اور انہوں نے اپنی مشہور تصانیف اُس کے نام سے معنون کیں۔

ملا عبد الحکیم کے بعد اُن کے صاحبزادے اپنے والد کی مسندِ درس پر بیٹھے۔ ملا محمد فضل جن کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے لاہور سے عقلی و نقلی علوم کی تحصیل کے بعد دارالسلطنت دلی پہنچے۔ ابتداءً عمدہ قضا پر مامور رہے۔ پھر دلی میں درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔ شاہجہانی دربار سے اُن کا بھی معقول و وظیفہ جاری تھا۔

تھانیسر (پنجاب) میں ایک مدرسہ شیخ چلی کے نام سے مشہور تھا۔ اُسے داراشکوہ نے سنہ ۶۵۰ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ سکھوں کے زمانہ میں اس عمارت میں گرنیوہ کھا گیا اور اُس کے قریب جو شیخ چلی کی درسگاہ تھی اُسے گروارہ بنادیا گیا۔

ملا عبد اللہ کی مسندِ درس اسی زمانہ میں شہر بہار میں بچھی ہوئی تھی۔ اُن کے صاحبزادے ملا محی الدین معروف بہ ملاموہن بہاری نے اس مدرسہ میں ۹ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور سترہ سال کی عمر میں علوم متداولہ سے فراغت پائی اور اسی مدرسہ میں درس و تدریس کی تعلیم کی خدمت انجام دیتے رہے۔ پھر شاہجہان کی ملازمت کر لی۔ شہزادہ اورنگ زیب کی تعلیم کی خدمت اُن کے سپرد ہوئی۔ پھر وطن میں قیام اختیار کیا اور ۸۴ سال کی عمر میں سنہ ۶۵۰ھ میں وفات پائی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مسندِ درس شاہجہان کے ہی عہد میں قائم ہوئی احمد آباد گجرات میں میر محمد ہاشم درس و تدریس میں مشغول تھے۔ خصوصاً علم طب میں شہرت حاصل کی۔ شاہجہان نے اُن کا وظیفہ جاری کیا۔ پھر شہزادہ اورنگ زیب کی تعلیم کے لئے دلی بلائے گئے۔ شاہجہان نے ”مسجد اکبر آبادی“ کے نام سے ایک مسجد سنہ ۱۰۲۰ھ میں تعمیر کرائی اور اُس سے متعلق ایک مدرسہ بھی قائم کیا جس میں طالب علموں کے وظیفہ بھی مقرر کئے گئے۔ مرہوم نے اس شکتہ حال مسجد کا کتبہ نقل کیا ہے جس میں یہ عبارت بھی ہے :-

”اگر بہ مرمت ایں اکنتہ احتیاج افتد آنچہ از حاصل ایں موقوف بعد الترمیم باقی ماند بہ خدمت مسجد و محام طالب علم رساند والا تمام داطماعہ سطور بہ دہند“

لے عبداللہ کا ہندوستان۔

شاہجہانی عہد میں ملا عبدالوہاب بن برہان الدین بنیرہ خواجہ یعقوب چرخمی جو بڑے صاحب فضل و کمال تھے۔ زبدۃ الفقہاء جن کی تصنیف ہے انہوں نے قلعہ دلاور مضائقہ ملتان میں مدرسہ قائم کیا اور خود درس دیتے تھے۔ یہ

نومسلموں کی تعلیم کا انتظام

اکبری دور میں ہندو مسلموں کی باہمی شادی کا زیادہ رواج ہو گیا تھا۔ مسلمان لڑکیاں ہندوؤں کے عقد میں چلی گئی تھیں۔ اسلامی شریعت کی رو سے ایسے نکاح صحیح نہ سمجھے جاتے تھے۔ اس لئے شاہجہاں نے ان کے شوہروں کو حکم دیا کہ اپنی بیویوں سے بے تعلق ہو جائیں یا تبدیل مذہب کر لیں۔ ایسے بہت سے شوہروں نے تبدیل مذہب کو ترجیح دی۔ اس طرح نومسلموں کی خاصی تعداد اکٹھی ہو گئی۔ اس تحریک کا بابائی جو کھونا نام کا ایک زمیندار تھا۔ وہ خود بھی مسلمان ہو گیا تھا۔ شاہجہاں نے ایسے نومسلموں کی تعلیم کے لئے خاص طور پر اہتمام کیا اور ان کے لئے معلم مقرر کر دیئے تھے۔ یہ نیز فوج میں مختلف ملکوں کے ارباب کمال جمع ہو گئے تھے۔ ان سے ملک کے گوشہ گوشہ میں علم و تعلیم کی روشنی پھیلی۔

شہنشاہ ابوالنظر محی الدین محمد اورنگزیب عالمگیر

حضرت اورنگ زیب صاحب قرآن اعظم شہاب الدین شاہ جہاں کے تیسرے لڑکے تھے جو ۱۵ ذیقعدہ ۱۰۲۶ھ دوحہ (مالوہ) میں ممتاز محل دختر آصف جہاہ مشہور ملکہ نور جہاں کی چھٹی بیٹی کے بطن سے تولد ہوئے۔

جہانگیر نے شاہ جہاں کی بے عنوانی پر بطور یرغمال داراشکوہ اور اُس کے چار برس کے بچے کو اپنے پاس رکھا۔ ذریعہ نگرانی نور جہاں ان دونوں کی تربیت ہوئی۔ ۱۶۲۶ء میں جہانگیر خلد بریں کو سدھارے۔ شاہ جہاں تخت سلطنت پر بیٹھے۔ یہ دونوں پانچ سال بعد اپنے ماموں آصف جہاہ کے ہمراہ لاہور سے آگرہ باپ کے پاس آ گئے۔

بقول مولانا فضل امام خیر آبادی ملا ابوالواعظ ہرگامی سے ابتدائی تعلیم تعلیم کے منازل طے کئے۔ علم و ادب مولوی سید محمد قنوجی سے حاصل کیا۔ مولانا عبداللطیف سلطان پوری، ملا محی الدین بہاری، ملا جیوں، شیخ عبدالقوی، دشمن خاں اور علامہ سعد اللہ خاں کی شاگردی کی۔ بعد تحصیل علم ہر قسم کے عیش و آرام کو ترک کر کے کتب خانہ میں وقت صرف ہوتا تھا۔ کتب بینی سے تمام علوم میں کامل دستگاہ حاصل ہو گئی تھی۔ مآثر عالمگیری میں ہے :-

» قبلہ عالم کے کمالات کسبہ کا عظیم الشان کا نام علوم دینیہ یعنی فقہ و تفسیر و حدیث کی تحصیل ہے۔ جہاں پناہ کو حضرت امام غزالی کی تصنیفات شیخ شرف الدین منیری کے منظومات اور شیخ شمس الدین و قطب الدین محی الدین

۱۔ آمد نامہ میگزین، ہوشیار پور سوسائٹی ۲۔ مآثر عالمگیری ص ۱۴

۳۔ تذکرہ علماء ہند ص ۵۵ ۴۔ مآثر الامراء جلد ۲ ص ۳۲ -

شیرازی کے رسائل۔ سے خاص شوق تھا اور یہ کتابیں اکثر مطالعہ میں رہتی تھیں۔“

اورنگ زیب حافظ قرآن بھی تھے۔ ۵۰ سال کی عمر میں کلام پاک ایک سال میں حفظ کر لیا۔ فن خطاطی سید علی خاں حسینی جواہر رقم اور عبدالباقی حداد سے سیکھا۔

مرآۃ العالم میں ہے :-

”در نوشتن اقسام خطوط مہارت اندوختہ“

عہد شہزادگی | عہد شہزادگی میں یہ حالت تھی کہ اپنے ہر ایک کام کی خود نگرانی رکھتے تھے۔ شہر کی خبروں سے باخبر۔ باہر کے آنے جانے والوں پر جاسوس لگائے رہتے تھے۔ بازا کی ہر جنس کا نرخ نامہ روزانہ اپنے پاس منگواتے۔ مختلف اوضاع کے لوگوں کے مذاق دریافت کرتے افسران فوج کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اپنے عادات و اطوار اور نیز قیافہ ظاہری کے باعث خواہ مخواہ ایک بڑے اونچے درجے کے آدمی معلوم ہوتے تھے عقل، دور اندیش، جری، مستقل مزاج اور سب سے زیادہ یہ کہ بڑے محنتی اور بیحد جفاکش تھے۔

بہاگوری | چودہ سال کی عمر تھی۔ شاہجہاں قلعہ آگرہ کے جھروکے سے مست ہاتھیوں اسی لڑائی دیکھ رہے تھے۔ شہزادے گھوڑوں پر معروف نظامہ تھے۔ اورنگ زیب محویت کے عالم میں ہاتھیوں کے پاس پہنچ گئے۔ اُن پر ایک ہاتھی حملہ آور ہوا۔ شہزادے نے پیچھے ہٹنے کی بجائے نیزے سے ہاتھی کی پیشانی کو زخمی کیا۔ بادشاہ مع تماشا میوں کے بے قرار ہو گئے۔ آتش بازی چھوڑی گئی مگر وہ ہٹنے کی بجائے اور خشمناک ہو کر شہزادے پر گرا۔ وہ گھوڑے سے نیچے آ رہے۔ مگر مردانہ وار اُٹھ کر تلوار سے مقابلہ کیا۔ شہزادہ شجاع بھائی کے بچانے کے لئے بڑھا مگر اس کا گھوڑا بدک گیا اور وہ بھی نیچے آ رہا۔ اس اثناء میں ہاتھی اپنے مد مقابل کی طرف متوجہ ہوا۔ اس طرح اُن کی جان بچی۔ بادشاہ نے فرط محبت سے سینے سے لپٹ لیا۔ اُن دنوں کو اشرافیوں سے تولا اور غرباء میں تقسیم کی گئیں۔

۳۸۸ -

قدر دانی علماء عالمگیر علماء و فضلاء کے قدر دان تھے۔ ملا عبد اللہ سیالکوٹی کے علم و عقل کا شہرہ سن کر بادشاہ نے اُن کو دورانِ اقامت اجمیر خود خط لکھ کر خدمتِ صدارت تفویض کرنے کے لئے بلایا۔ اُنہوں نے لکھا اب فراق کا وقت ہے نہ کہ تحصیلِ شہرت کا۔ بہر حال حکم کی تعمیل میں حاضر ہوں۔ چنانچہ اجمیر پہنچے۔ بادشاہ چند روز اُن کے ساتھ صحبت گزیر رہے۔ حضرت خواجہ کی زیادت سے مستفیض ہو چکنے کے بعد وطن جانے کی رخصت حاصل کی اور راہ میں اصلی وطن رخصت ہو گئے۔ بادشاہ نے اُن کے چادروں بیٹوں اور اہلیہ کے وظائف مقرر کر دیئے۔

ایک دفعہ عالمگیر میاں عبداللطیف کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند سو موافق آپ کی خانقاہ کے مصارف کے لئے مقرر کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا: ۵۰ شاہ مارادہ و لامنت نہد ملاذق مازق بے منت دہد عالمگیر نے عرض کیا آپ کا فرمانا الجواب ہے مگر اہل اللہ کی خدمت خیر و برکت کے اذیاد کے لئے کی جاتی ہے۔ میاں صاحب نے کہانیت بنجیر ہے تو جو کچھ رعایا سے غلہ لیتے ہو اُس سے نصف کم لو۔ محنت کش مزدوروں سے اس سے بھی کم وصول کرو اور متوکل لوگوں کو وظیفے دو مظلوموں کی داد رسی کرو کسی کا حق تلف نہ ہونے دو۔ پھر دیکھو کہ دولت اور نعمت میں کیسی ترقی ہوتی ہے۔

بزرگانِ دین سے عقیدت عالمگیر علماء اور صوفیاء سے بڑی حسنِ عقیدت رکھتے تھے۔ ۱۳ محرم ۱۰۵۰ھ کو ایک پہر رات گزریے یاغِ حیات بخش کی راہ میں جہاں شیخ سیف الدین سرہندی کا مسکن تھا۔ ان کے مکان پر اورنگ زیب پہنچے اور ایک گھڑی اُن سے سلوک و معرفت کی باتیں کیں اور شیخ کے اقرباء کی معاونت کی اور اُن کو دربار سے منسلک کیا اور مکان لوٹ آئے۔

مزادات پر حاضری ہمایوں اور شیخ نظام الدین اولیاء و خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزادات پر حاضری دی۔ ہر سہ مقامات کے خدام کو انعام و اکرام سے نوازا۔ دلی سے آگرہ ۱۷ رجب ۱۰۵۰ھ کو گئے۔ تاج محل میں

حاضر ہو کر ماں باپ کے مزارات کی زیارت کی اور ۴۴ ہزار روپیہ خادموں کو عطا کیا۔ آگرہ سے دلی رخصت ہوئے۔ شکار کھلتے ہوئے یکم شعبان ۱۰۸۲ھ کو کنھڑا پہنچے اور ۴ مارچ کو خواجہ بختیار کالی اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے مزار پر حاضر ہوئے۔ طویل کر کے خدام کو ڈیڑھ ہزار روپیہ انعام دیا۔ پھر دولت سر میں داخل ہوئے۔

جنگ میں شرکت | اس کے بعد بندیلیوں کی جنگ میں شرکت کرنے کے خوب دلائل و ثبوت ملے۔ پھر پنجاب میں صوبیدار بنا۔ قنڈھار اور بدخشاں میں جوہر مردانگی دکھائے۔

اورنگ زیب بدخشاں میں ازبکوں سے لڑ رہے تھے۔ پتھروں کی بارش ہو رہی تھی، تلواریں چمک رہی تھیں۔ عین اُس کشت و خون میں نماز کا وقت آ گیا۔ میدان جنگ میں نیت باندھ کر خدا کی عبادت میں لگ گئے۔ ازبکوں کے سردار عبدالعزیز خاں نے پچیس چھبیس سال کے جوان کی یہ شانِ اسلامیّت دیکھی تو وہ مبہوت ہو گیا۔ اُسی وقت اپنے سپاہیوں کو لڑائی بند کرنے کا حکم دیدیا اور کہا کہ ایسے شخص سے جنگ کرنا تقدیر سے جنگ کرنا ہے۔ اس کے بعد سیاسی جنگ کچھ دن کے لئے ترک کر دی تھی بعد میں دکن کے صوبہ دار بن گئے۔

سوانحیات | ۱۰۶۷ھ میں شاہجہاں عمر ۶۷ سال سنحت علیل ہوا۔ لوگوں کو زندگی سے مایوسی ہو گئی۔ اس وقت بسبب و یعدی کے داراشکوہ اس کے پاس تھا اور شجاع بنگالہ کا، داور بخش گجرات کا اور اورنگ زیب دکن کا صوبہ دار تھا۔ باوجودیکہ داراشکوہ نے خبر علالتِ بادشاہ کو چھپانا چاہا مگر سب کے پاس پہنچ گئی۔ شجاع بنگالہ سے چل پڑا۔ مگر بادشہ کے پاس داراشکوہ کے فرزند سلیمان شکوہ سے شکست کھا کر واپس گیا۔ اورنگ زیب نے نقل و حرکت شروع کی۔ داور بخش کو بھی ساتھ لیا۔ ادھر سے داراشکوہ کے لشکر نے اُجین میں جا کر روکا۔ مگر سردار فوج ماجہ جیونت سنگھ کے شکست کھانے سے شہزادوں کا لشکر آگے بڑھ گیا۔ حتیٰ کہ آگرہ ایک منزل کے تفاوت سے رہ گیا۔ اسی جگہ داراشکوہ ایک لاکھ سوار جہاز اپنے ساتھ لے کر خود میدان جنگ میں

آیا اور مقابلہ کیا۔

ادھر راجپوت جانیں توڑ کر لڑ رہے تھے اور ادھر اورنگ زیب اپنے سپاہیوں کی جرات کو ”اللہ معکوم“ کے نعرے مار مار کر بڑھا رہا تھا۔ ادھر سے راجہ جسونت سنگھ نے مراد پر حملہ کیا۔ مراد نے اُس کا بھال تلوار پر روک کر ایک ہی تیر سے مار ڈالا۔ راجہ روپ سنگھ اورنگ زیب کے ہاتھی کا ہودج کا رستہ کاٹنے میں قتل ہوا۔

ہاتھی کے زخمی ہونے کے باعث داراشکوہ کو نیچے اترنا پڑا۔ راجپوت ایک جانب کھیت ہو رہے تھے۔ داراشکوہ کی نظر سے غائب ہوتے ہی سب کے قدم اکھڑ گئے اور لڑائی کا نتیجہ برعکس نکلا۔ یہ رنگ دیکھ کر داراشکوہ فرار ہو گیا اور شرم سے باپ کے سامنے نہ گیا۔ بیگم اور لڑکوں کو لے کر سیدھا لاہور روانہ ہو گیا اور پھر تاپچرا۔ اورنگ زیب نے اگرہ پر تسلط کیا۔ باپ معزول ہو کر نظر بند ہوئے۔ خود ۶۸ سالہ اورنگ زیب تخت نشین ہوا۔ ۶۹ء میں رسم تخت نشینی ادا کی خطبہ وسکتہ اپنے نام کا جادی کیا۔ جشن نوروزی ماہ رمضان میں مقرر کیا اور ”جشن نشاط افروز“ نام رکھا۔ محصول راہداری اور تمام اجناس کا ہمیشہ کے لئے معاف کیا۔ ۲۵ لاکھ روپیہ خیرات کے لئے، ۶ لاکھ ۳ ہزار کے تحفے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ ارسال کئے۔ ایک لاکھ ساٹھ ہزار کی لاگت سے قلعہ میں شگ مرم کی مسجد تعمیر کرائی۔ قلمرو میں غرباء کے لئے لنگر خانے کھلوائے گئے۔

ادھر داراشکوہ شکست خوردہ اپنے خادم اجودھن کے حاکم ملک جیون خاں کے پاس پہنچا۔ اس نمک حرام نے دھوکے سے گرفتار کیا اور دہلی لایا گیا۔ مجرم قراہ دے کر قتل کیا گیا اور اس کا بیٹا سپہر شکوہ گرفتار کر کے قلعہ گوالیار بھیج دیا گیا۔ اس کے بعد مراد بخش بھی تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ عالمگیر کی تخت نشینی کے بعد آٹھ سال نظر بند رہ کر ۱۶۷۷ء میں شاہجہاں نے دنیا کو خیر باد کہا۔ ۱۶۸۱ء سے دکن کی طول و طویل لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ جس سے عالمگیر کو بقیہ عمر کے چھبیس سالوں میں مطلق فرصت نہ ملی۔ بجاپور کو ۱۶۸۶ء میں گوکنڈہ کو ۱۶۸۷ء میں فتح کر کے عادل و قطب شاہ سلطنتوں

کوزیر نگین لے آئے لیکن مرہٹہ طاقت زیر سرکہ دگی سیواجی جس کا پیشہ دہنری تھا۔ ابوالحسن
تانا شاہ کی اعانت سے دو روز بروز عروج ہونے لگی۔

عالمگیر کا اکبر سے زیادہ تمام ہندوستان پر کامل تسلط ہو گیا۔ سلطنت نہایت
عروج پر تھی۔ مشرق میں تمام بنگال مع گردونواح کے داخل عملداری تھا اور مغرب میں
پنجاب اور افغانستان کے علاوہ شیمیر کے اس پار چھوٹا بھت تک شامل ہند تھا۔

اصلاحاتِ ملکی | محکمہ احتساب بسر کردگی ملا عیوض وجہ اور شہنشاہ میاں گواپوری محتسب
انجمن وغیرہ قائم کیا گیا۔ مسکرات کا استعمال موقوف ہوا۔ اور
اُس کی آمدنی ناجائز قرار دی گئی۔ شرعی وکیل ممالک محروسہ میں شامل کئے گئے۔ پیرچہ نویسی
کا باضابطہ اعلیٰ پیمانہ پر انتظام کیا گیا۔ دقص و سرود خلاف شرع رسوم وغیرہ قطعاً
بند کر دی گئیں۔ راستہ و سڑکیں محفوظ کی گئیں کہ دہنری مسافروں کو پریشان نہ کر سکیں۔
ایک لاکھ چالیس ہزار روپے محتاجوں کو مقرر کیا گیا۔ ہیجر بنانے کی رسم حکماً بند کر دی
گئی۔ شیونامہ کے مندر کا شہی میں جو براہم کی غلط کاری کا مرکز بنائے گئے تھے وہ
منہدم کئے گئے۔ اس کے بعد عالمگیر نے اپنے میزبانی دئے چند رجحان کی سفارش
سے بعد حکم دینے انہدام مندر بنادس کے یہ فرمان جاری کیا کہ ہم اپنا حکم منسوخ کرتے
ہیں کہ آئندہ کے لئے ممانعت ہے کہ کوئی بت خانہ توڑ کر بجائے اس کے مسجد تعمیر نہ ہو۔
بنادس کے مندر کے بجا دیوں کے متعلق فرمان اور نگ زیب :-

فرمان

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

منشور لامع النور اور نگ زیب شاہ بہادر غازی محمد اور نگ زیب شاہ
بہادر غازی ابن صاحب قرآن ثانی لائق العناۃ والرحمۃ ابوالحسن بالغات
شاہانہ امیدوار بودہ بدانکہ چوں بمقتضائے مراحم ذاتی و مکارم جملی ہمت
والانصت و تمایست حق طوبت مابراہمیت جمہور انام و انتظام
احوال طبقات خواص و عوام معروفیت و ازروئے شرع شریف و ملت

منیف مقررہ جنس است کہ دید با و برہمن برانداخت نشود و بیکدہ ہاتھ
 بنایا بدوریں ایام معدلت انتظام بعرض اثرات اقدس الفع اعلیٰ رسید
 کہ بعض مردم از راہ عفت و تعدی بہ ہنود سکنتہ قصبہ بنارس و بر خے
 امکانہ دیگر کہ نواحی آن واقعیت و جماعت برہمنان سدنہ آن محال کہ
 سدانست بہت خانہ ہائے قدیم کہ آبخا بانہا تعلق دار و مزاحم و مقرض می
 شوند و می خواہند کہ ایناں را از سدانست آن کہ از مدت مرید باینہاں
 متعلق است باز دارند و این معنی باعث پریشانی و تفرقہ حال این گروہ
 می گیرد و لہذا حکم والا صادر شود کہ بعد از دور سٹے این منشور لامع النور
 مقرر کنند کہ من بعد احدے بے حساب تعرض و تشویش باحوال برہمنان
 و دیگر ہنود متوطنہ آن محال نہ رساند تا آنہا بدستور ایام بیش بجا و مقام
 خود بودہ بہ جمعیت خاطر بدعاء بقلے دولت خدا داد ابد مدت اذل
 بنیاد قیام نمایند۔ دریں باب تاریخ دارند۔
 تاریخ ۱۵ شہر جمادی الثانیہ ۱۲۹۰ھ۔

مقاد منشور

البحن کو جو نوازشات و عنایات کا مستحق ہے ہماری شاہانہ التفات
 کے امیدوار کو جاننا چاہیے کہ اپنے مراحم ذاتی اور مکالمہ جبلی کے
 اقتضا سے مابہ دولت و اقبال کے سبب سے بڑی مصروفیت ہی ہے کہ خلق
 آسودہ رہے اور رعایا کے چھوٹے بڑے سب طبقوں کی حالت درست ہے۔
 یہ بھی واضح ہو کہ شریعت غرا کے مقدس قانون کے لحاظ سے اگرچہ نئے
 بتکدوں کی تعمیر کی اجازت نہیں دی جاسکتی لیکن جو پورے مندر ہیں
 وہ ڈھائے بھی نہیں جاسکتے۔ ان ایام عدالت انتظام میں یہ خبر ہمارے
 گوش زد ہوتی ہے کہ بعض عمال از راہ جبر و تعدی قصبہ بنارس اور
 اُس کے نواح کے بعض دوسرے مقامات کے ہندوؤں اور اس علاقہ

کے برہمنوں پر جو وہاں کے قدیم بُت خانوں کے پروہت ہیں تشدد کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان برہمنوں کو ان کی پروہتی سے الگ کر دیں جس کا نتیجہ بحر اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ یہ بیچارے پریشان ہوں اور مصیبت میں مبتلا ہو جائیں۔ لہذا انہیں حکم دیا جاتا ہے کہ اس منشور لامع النور کے پہنچنے ہی ایسا انتظام کر دو کہ کوئی شخص تمہارے علاقے کے برہمنوں اور دوسرے ہندوؤں کے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہ کرے اور ان کی تشویش کا باعث نہ ہوتا کہ یہ جماعت بدستور سابق اپنی اپنی جگہ اور اپنے اپنے منصبوں پر قائم رہ کر اطمینان قلب کے ساتھ ہماری دولت خداداد ابد مدت وازل بنیاد کے حق میں مشغول دُعا رہیں۔ اس باب میں تاکید مزید کی جاتی ہے۔

معافی | تیس لاکھ روپیہ سالانہ کا زائد محصول سائرمعاف کیا گیا۔

وسعتِ سلطنت | کہ اچی بندر سے لے کر آسام کی مشرقی حدود کوہ ہمالیہ سے لے کر بحر ہند کی سطح تک سلطنت کی وسعت پہنچ گئی تھی۔
عالمگیر کے عہد میں صوبجات ہند کا رقبہ برطانیہ کے رقبہ کے مساوی تھا۔
محاصل | ۱۶۹۵ء میں کل مالگزاری اسی کروڑ روپیہ تھی۔

صنعت و حرفت | صنعت و حرفت و تجارت کو بھی فروغ تھا۔ صرف ایک پارچہ بانی کو اس قدر ترقی تھی کہ تمام ہندوستان کے لئے کافی ہونے کے بعد ممالک غیر کو بھی جاتا تھا۔

ہندوستان کی تجارت کا مقابلہ یورپ کے بڑے بڑے ملک بھی نہیں کر سکتے تھے اسی تجارت و مال کی درآمد و برآمد کا یہ نتیجہ تھا کہ صرف ایک شہر سورت میں چنگی کی آمدنی تیرہ لاکھ روپیہ سالانہ ہوتی تھی اور احمد آباد میں ایک کروڑ تیس لاکھ روپیہ سالانہ چنگی کی آمدنی تھی۔ سورت کے ایک تاجر عبدالغفور نامی جس کا سرمایہ تجارت الیٹ انڈیا کمپنی کے برابر تھا۔

معافی محصول عالمگیر نے محصول راہداری کا تمام غلوں سے حاصل کل اجناس کا افادہ عام کے واسطے دواخی معاف کر دیا تھا۔

پیمائش اکبر کے عہد میں جو اراضیات پیمائش ہونے سے بچ رہی تھیں اُس کی پیمائش کرائی۔ خلاقی خاں لکھتا ہے کہ ۱۶۶۷ء سے بیس برس کے زمانے میں مالک دکن کی پیمائش ختم ہوئی اور اُس کی جمع بندی اکبری اصولوں پر مقرر کی گئی۔

ٹیکس خانہ جنگیوں سے خزانہ خالی ہو گیا تھا۔ محاصل برباد ہو گئے تھے سلطنت کے کاروبار چلانے کے لئے دقت تھی۔ اورنگ زیب نے جہاں تک ہوسکا کوشش کی۔ مگر آخر مجبور ہو کر ہندو مسلمان دونوں پر ٹیکس جاری کر کے مسلمانوں سے زکوٰۃ اور ہندوؤں سے جزیہ وصول کیا۔ یہ عام ٹیکس جو آجکل کے ٹیکسوں کے مقابلہ میں آٹا میں نمک کی حیثیت رکھتے تھے صرف مالی مشکلات میں پھنس کر بادشاہ نے عائد کئے تھے۔ مذہبی رواداری احمد عالمگیری کی مذہبی رواداری کا ذکر کپتان ہملٹن اپنے سفر نامے میں شہر ٹھٹھہ کے حالات کے بیان میں لکھتا ہے :-

”ریاست کا مسلم مذہب اسلام ہے لیکن تعداد میں اگر دس ہندو ہیں تو ایک مسلمان ہے۔ ہندوؤں کے ساتھ مذہبی رواداری پورے طور سے برتی جاتی ہے۔ وہ اپنے بُت رکھتے ہیں اور تہواروں کو اسی طرح کرتے ہیں جیسے کہ اگلے زمانے میں کرتے تھے جبکہ خود بادشاہت بھی ہندوؤں کی تھی وہ اپنے مُردوں کو جلاتے ہیں لیکن اُن کی بیویوں کو اجازت نہیں ہے کہ شوہروں کے ساتھ سستی ہوں۔“

تعصبی ہندو اور عیسائی ہندوستان میں امن و آزادی سے زندگی بسر کرتے تھے اور اپنے مذہبی رسوم ادا کرنے کی کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ حتیٰ کہ شراب خواری وغیرہ صرف مسلمانوں کے لئے ممنوع تھی اور دوسروں کے لئے منع نہ تھی۔ عیسائیوں کے معبود اور الحلافہ میں تھے اور بے روک ٹوک مذہبی فرائض ادا کرتے

تھے۔ ہندو اپنے مندروں میں چاہے جو کریں کوئی پُرسش نہ کی جاتی تھی اُن کے توہما اور وساوس میں مطلق دخل اندازی نہ کی جاتی تھی۔ برنیز فرانسیسی سیاح اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے :-

”اورنگ زیب خاندان تیموریہ میں سب سے زیادہ دانا بادشاہ تھا بڑا معاملہ فہم اور تدبیرِ ملکی میں نہایت ہوشیار تھا دلجوئی میں اُس نے کسی طرح کوتاہی نہ کی اور نہ اکبر جیسی قابلِ اعتراض دلجوئی“

صرف اوقات عالمگیرِ عظم اپنی حکومت کی مصروفیتوں میں اپنے باپ دادا سے سبقت لے گیا تھا۔ ڈاکٹر جلی کراری عالمگیر کے پیرانہ سالی عہد کا ذکر لکھتا ہے :-

”وہ صاف سفید مٹل کی پوشاک پہنے ہوئے عصائے پیری کے سہارے امیروں کے جھرمٹ میں کھڑا تھا۔ اُس کی پگڑی میں زمرہ کا ایک بڑا ٹکڑا لگا ہوا تھا۔ دادخواہوں کی عرضیاں لیتا تھا اور انہیں بلا عینک پڑھ کر خاص اپنے ہاتھ سے دستخط کرتا جاتا تھا۔ اُس کے ہتاش بشاش چہرے سے صاف مترشح ہوتا تھا کہ وہ اپنی مصروفیتوں سے نہایت شاداں و فرحاں ہے۔“

صبح عالمگیر صبح صادق سے پہلے بیدار ہوتے۔ خواجہ ضروریہ سے فارغ ہو کر وضو غسل کر کے نوافل ادا کرتے۔ دیوان خاص کی مسجد میں حاضر ہو کر قبلہ رو بیٹھ کر متناظرِ صلوٰۃ فجر پڑھتے۔ مؤذن کی اذان پر سنتِ موکدہ ادا کرتے۔ محلات کے خواجہ سرا مسجد میں جمع ہو جاتے اور سب مل کر نماز باجماعت ادا کرتے۔

خلوت گاہ اس کے بعد تلاوتِ قرآن مجید بعد ازاں حدیث کے مطالعہ میں مشغول ہو جاتے۔ بعد نماز چاشت مسجد سے خلوت گاہ میں آتے۔

”تا چاشت گاہ بایں دستِ مشغولی باشند و بعد از فراغِ قرینِ بخت و سعادت و کامیاب فیضِ عبادت ازاں معبد ہمایوں برآمدہ بخلوت گاہ عز و جاہ کہ نشین خاص اں مذیوآ گاہ است شرفِ قدوم می بخشند“

طریقت سے لگاؤ | عالمگیری نے سلوک و طریقت کی بھی تعلیم پائی حضرت محمد مصوم کے ارشاد و ہدایت سے مستفید ہوتے تھے۔

ماثر عالمگیری میں ہے :-

وہ حضرت خلد مکان ہمیشہ با وضو رہتے تھے اور کلمہ طیبہ اور نیز دیگر اوراد و وظائف ہر وقت زبان پر جاری رہتے۔ ایام بعین کے روزوں کے بعد پابند تھے اور ہفتہ میں دو شنبہ پنجشنبہ اور جمعہ کو صائم رہتے۔

ذکوۃ کے ادا کرنے میں خاص اہتمام فرماتے۔ ماہ صیام میں دو پہر رات گزرنے پر بیدار اور علماء و اولیاء کے ساتھ ذکر و عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ عشرۃ آخر میں معتکف رہتے۔ خانہ کعبہ ہر سال رقم وافر سال فرماتے۔

عدل | امراء خاص و مقربان معتبر حاضر حضور معلیٰ ہو کر مجرا بجالاتے ہیں۔ بادشاہ عدل پر ورجوہ گستر ہوتا۔ عدالت کے داد و غے مظلوموں اور دادخواہوں کو ایک ایک کر کے پیش کرتے۔ مقدمات کا انفصال بروئے شریعت امیر و غریب، آقا و غلام سب کے لئے مساوی تھا۔ ڈاکٹر لین پول اپنی تصنیف اور رنگ زیب میں لکھتا ہے:-
”دماغ اعظم اور رنگ زیب اعظم ہے۔ چچے تلے انصاف سے عموماً فیصلے بخویر کرتا ہے اُس کے حضور میں سفارش اور امارت کی کوئی پیش نہیں جاتی اور ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کی بات اسی مستعدی سے سنتا ہے جس طرح بڑے بڑے امیروں کی۔“

اربابِ ظلم و استغاثہ کہ جمیع دلائل مسکنت و اضطرار و شامل احتیاج و افتخار از حیرہ احوال بیان نمودار باشند از خزائن احسان بیکراں دامن و اُمید بہ نقد مقصود آزمودہ فیض اندر و فضل و کرم می گردند۔“
دربارِ عالمگیری میں روک ٹوک نہ تھی ہر کہ و مرہ اپنا حال بادشاہ کے حضور میں عرض کر

سکتا تھا اور عالمگیر نہایت توجہ سے سنتا تھا۔ صدا ہا افسانے عدل عالمگیری کے مشہور ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مرزا کام بخش کے کوکے پر قتل کا الزام عائد ہوا۔ عالمگیر نے حکم دیا کہ عدالت میں اس کی تحقیق کی جائے اور دورانِ تفتیش میں اسے حراست میں رکھا جائے۔ مرزا کام بخش جو عالمگیر کا چھینٹا بیٹا تھا، کو پتہ چلا تو اس کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہوا۔ عالمگیر کو بھی اس کا علم ہوا اس نے مرزا کام بخش کو دربار میں طلب کیا۔ کام بخش اپنے کوکے کو بھی ساتھ لایا اور اس نے صاف طور پر کہہ دیا کہ وہ اس کو ایک منٹ کے لئے بھی جدا نہیں کر سکتا۔ عالمگیر نے حکم دیا کہ دونوں کو حراست میں لے لیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ڈاکٹر لین پول لکھتا ہے :-

”اس کی پنجاہ سالہ حکومت کے طول و طویل عرصے میں اس سے ایک بھی ظالمانہ فعل سرزد نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ ہندوؤں کے خلاف انصاف رو پذیر نہ ہوا۔“

جھروکہ درشن | درشن ایک دیرینہ رسم تھی۔ عالمگیر نے سنہ ۱۰۷۰ھ تک اس پر عمل کیا۔ اس کے بعد حکماً بند کر دیا کہ عوام ہند و خوش اعتقادی کے خوش ہیں درشن کو مثل پو جا سمجھنے لگے تھے۔

”در زمان بادشاہان سلف بغایت آس سال جھروکہ درشن مقرر بود کہ بادشاہ با وجود عارضہ بدنی برائے جنائے اکبر آباد شاہجہاں آباد ساختہ بودند سر از جھروکہ کہ بدی آورد سوائے امرائے بحرئی اُس وقت چندے یک آدم از زن و مردے ہمہ قوم پائے جھروکہ فراہم آمدہ و عادتاً بجائی آوردند و بسیارے از قوم ہنود بودند۔ بد درشن مشہور یعنی تا صورت بادشاہ مادر پائے جھروکہ درشن نہی دیدند۔ بہ ہیچ چیز از ماکولات در دہن نمی انداختند۔ خبر و دین پرور اُس را نیز از جملہ ممنوعات و مانع ثمرع دانستہ در پائے جھروکہ نشستند و خوف نمودہ حکم منع فراہم آمدن اُس از دہام فرمودند۔“

معائنہ فوج | بادشاہ فوج کا معائنہ کرتا اور جماعت کی بھی دیکھ بھال کرتا جو نماز

جمعہ کے جلوس میں اُس کے ہمراہ ہوتی تھی۔ عالمگیر کے لشکر میں دس لاکھ فوج بہت ہی تھی۔
جنگ پیلاں | دادو وغنیل خانہ نوگر فٹا رہا تھی حضورِ ی میں معائنہ کے لئے لاتا۔
 اور ہاتھیوں کی قواعد دکھلاتا اور بعض اوقات بادشاہ کے
 اشارے پر ہاتھیوں کی کشتی کرائی جاتی۔

”و بعضے اوقات بہ اشادہ معلیٰ فیلان کوہ تماش فلک شکوہ سیاہ مستے بارادہ
 جنگجوئی و عربہ غولی البخشہ باشند۔ اندیک نہ بخیر تا پنج زنجیر بقدر خواہش طبع
 اقدس درآں میدان وسیع جنگ اندازند“

دیوان عام | معائنہ فوج وغیرہ کے بعد بادشاہ دیوان عام میں آتا اور تخت پر
 جلوہ افروز ہوتا۔ امراء اور وزراء اپنے اپنے مراتب کے لحاظ سے
 صفت بستہ کھڑے ہو جاتے۔ مہکب شاہی اور گرد اور علم بردار بائیں جانب ایستادہ
 ہوتے۔ بخشی بادشاہ کے حضور میں افسران فوج اور دیگر عمدہ داران لشکر کو درجہ بدرجہ
 پیش کرتا۔ سلطنت کے بڑے منصب داروں کی تقریب بھی بخشی کے ذریعہ ہوتی۔ اس
 کے بعد درخواستیں پیش ہوتیں خود محلے کی تفتیش کر کے حکم نافذ کرتا۔ میر آتش توپ خانہ
 متعلقہ امور ات فوج وزیر اعظم کے ذریعہ حضورِ ی میں پیش کرتا۔ اُس کے بعد صدر کل
 ممالک محروسہ ایک مکمل اور محفل رپورٹ دربار شاہی میں پڑھتا۔ رعایا کی بہبودی کا لحاظ
 زیادہ لکھا جاتا۔ جاگیریں عطا ہوتیں۔ علماء اور فضلاء کے حقوق کی پاسداری کی جاتی۔
 تمام امور عامہ اور ترقی منزل کے مجملہ مراتب طے ہوتے۔ دو گھنٹے کے اندر اندر یہ
 کام اختتام پذیر ہوتے۔

دیوان خاص | بادشاہ گیارہ بجے کے قریب دیوان خاص میں تشریف لاتا۔ یہاں
 سلطنت کے خاص امور دینی و دنیاوی سرانجام پاتے۔ امراء،
 وزراء خدام و حشم ایک ایک کر کے بارہ یابی کا شرف حاصل کرتے۔ وزیر اعظم مہلوں کی
 رپورٹوں کا خلاصہ پیش کرتا۔ عالمگیران سب پر احکام جاری کرتا۔ بعض معاملات میں وزراء
 کو ہدایت دیتا اور وہ اس کے بموجب فرمان تیار کر کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتے

وہ پڑھتا اور مناسب ترمیم کے بعد انہیں صاف کرتا اور پھر اپنے ہاتھ سے مہربت کرتا۔ اکثر فرامین خود لکھتا "فیاض القوانين" میں بیشتر فرمان خود عالمگیر کے لکھے ہوئے ہیں۔

مرحوم خسروانہ عموماً بادشاہ دربارہ خاص میں امراء جو عتاب شاہی میں مبتلا ہو کر آتے۔ اُن پر نوازشات کرتا۔ سیواجی بادشاہی گوشمالی سے مجبور ہو کر بذریعہ راجہ جے سنگھ اپنی سفارش لے کر حاضر ہوا اور تمام پچھلی خطائیں معاف کرانی چاہیں اور اپنے بیٹے سنبھاجی کو بھی قدم بوسی کے لئے لایا۔ بادشاہ نے حسبِ قرعہ اُس پر مرحام کئے مگر وہ اپنے زعم باطل میں اپنے کو کچھ چیز سمجھتا تھا۔ جیلے سے جلتا نا۔ راجہ پیڈنایک راجہ شودرا پور نے اپنے قصور کی معافی چاہی حسبِ فرمان ذیل عفو تعمیر کیا۔

فرمان

رد اورنگ زیب بادشاہ غازی۔ بنام پیڈنایک راجہ شودرا پور۔ زبدۃ الامثال والاقران لائق العنایت والاحسان پیڈنایک بعنایت بادشاہانہ مفتخر و مباہمی بودند بدانکہ دریں والاریش گاہ خلافت و جہاں بانی ازراہ و فضل و کرم تفصیلات من زبدۃ الامثال والاقران عفو شدہ۔ نعت آباد

بدستور شہر فرمان حضرت بان زبدۃ الاقران بحال حکم شود کہ امیدوار عنایت بادشاہانہ بودہ ام تانایک پسر خود را بہ طمانیت خاطر برکاب ظفر انتساب بہ فرستد کہ نوازشات پادشاہانہ و عطائے منصب سر بلند یابد۔ چہام شہر رمضان المبارک سنہ احد جلوس والاقلمی گشت۔

حرم سرا دوپہر کے وقت حرم سرا میں داخل ہوتا۔ کچھ عرصہ آرام کرنے کے بعد طعام تناول کرتا۔ پھر ایک گھنٹہ کے لئے استراحت گزیرا ہوتا۔

نماز ظہر بیدار ہو کر غسل کرتا۔ پھر وضو کر کے مسجد میں نماز کے انتظام میں جا بیٹھتا۔ عین وقت پر علماء فضلاء، صلحاء، فقراء، امراء کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرتا۔

کسبِ معاش | بادشاہ اپنے ذاتی اخراجات کے لئے خزانہ شاہی سے ایک جہتہ لیتا۔ نماز کے بعد ٹوپیاں سیا کرتے اور کلام اللہ لکھا کرتے۔ اُن کی فروخت اور ہدیہ سے جو رقم آتی تھی نجی اخراجات میں وہی صرف ہوتی تھی۔ مآثر عالمگیری میں ہے۔ دو مصحف مدینہ منورہ بھیجے۔

غسل خانہ | اپنے ذاتی کام سے فارغ ہو کر غسل خانہ میں جلوہ افروز ہوتا یہ مقام حرم سرا اور دیوان خاص کے درمیان واقع تھا۔ یہاں سلطنت کے اہم ترین اور پُر بیج معاملات طے ہوتے تھے۔ اُن سے فارغ ہو چکنے کے بعد مطالعہ میں مشغول ہو جاتا۔ لشکریوں کی درخواستوں کا انفعال فوج کا بندوبست اور مہات کے نقشے بھی اُسی وقت تیار ہوتے تھے۔ غروب آفتاب سے نصف گھنٹہ پیشتر وہ دیوان خاص میں جا کر تخت شاہی پر متمکن ہونے کے بعد سلطنت کے دخل و خرچ پر بحث و مباحثہ ہوتا۔ اسی وقت باہر سے آئے ہوئے صوبہ دار اور عال بھی پیش ہوتے۔

نمازِ مغرب | اذان پر جمعہ تمام خدام و حشم کے مسجد میں جا کر نماز باجماعت ادا کرتے۔

خواب گاہ | عشاء کی نماز کے بعد عالمگیر خواب گاہ میں آتے اور کتب سیر و تہذیب، حدیث و فقہ کے مطالعہ میں مشغول ہو جاتے۔ کچھ دیر کے بعد کھانا کھاتے اور عبادت و نوافل میں مشغول ہو جاتے۔ جب آدھی رات گزرجاتی تو استراحت پذیر ہوتے۔

» در شبان روزے آسائش خواب آں بادشاہ مالک آقاب زیادہ از یک پاس شب نیست «

بدھ کار و فقط دربارِ عدل کے لئے وقف تھا۔ اس دن مفتی اور فضلاء نہایت شان و شوکت سے حاضر دربار ہوتے تھے۔ بادشاہ خود مقدمات سنتا اور اپنے قلم سے اُن کے فیصلے لکھتا تھا۔ جمعرات کو نصف دن کی تعطیل ہوتی۔ جمعہ کو دن بھر عام تعطیل

مرتبہ تھی۔ اس دن دن بھر عبادت کرتے۔

تالیف فتاویٰ عالمگیری عالمگیر کو علوم شرعیہ سے خاص لگاؤ تھی اور یہ ضرورت محسوس کر کے کہ اہل اسلام مستند مسائل حنفیہ پر عمل پیرا ہوں۔ نیز شرعی مقدمات میں بھی مفتی بہ مسائل پر فیصلہ کیا جائے مگر اختلافات قصات و مفتیان باہدات کی وجہ سے ایسی کوئی کتاب موجود نہ تھی جو تمام مسائل پر حاوی ہو اور اس کے مطالعہ سے ہر شخص بلا وسعت نظر و استحضار کافی و دستگاہ وافی استنباط مسائل کر سکے۔ اپنے متوسلین دربارہ کے علماء و فضلاء کے اجتماع سے ایک مستقل محکمہ تالیف فتاویٰ بسر کردی ملا نظام قائم کیا گیا اور شاہی کتب خانہ جس میں بیشمار کتب تھیں اسی ضرورت کے لئے وقف کر دیا اور تقریباً دو لاکھ روپیہ نقد صرف کر کے کتاب تیار ہوئی جو فتاویٰ عالمگیر شاہی کے نام سے موسوم ہے۔ اسی باوقار جماعت علماء میں ملا وجیہ الدین سہروردی حنفی گو پاموی بھی تھے۔

”و ترتیب تالیف فتاویٰ ربیع از فتاویٰ عالمگیر شاہی معمور شدہ وہ کس دیگر از فضلاء مجدد و اشاعت او مقرر شدند و او در آن کار ساعی جمیلہ بکار بردہ۔“

ان دس علماء میں ملا شیخ احمد بن عبد المنصور خطیب فاروقی گوپاموی بھی تھے۔

منشور عالمگیری کہ بتاریخ روز دوشنبہ یا نہدہم شہر ذیقعدہ ۱۱۰۰ جلوس مینت مانوس مطابق شش ماہ الہی بر سالہ سیادت و نقابت

پناہ شرافت دستگاہ سزاوار عنایت شاہی قابل مرحمت شاہنشاہی صدر رفیع القدر رضوی خاں و نوبت واقع نویسی کترین بندگان درگاہ خلافت پناہ محمد رفیع قلمی می گرد کہ حکم جہاں متاع صادر کش کہ یک روپیہ و سہ پاؤ پلا و قصور ہر دو جلس معاف یومیہ از خزانہ دہکاب سعادت بشر طمع فتاویٰ عالمگیری بمعاونت مشیخت و فضائل پناہ ملا شیخ وجیہ الدین گوپاموی در وجہ مدد معاش شیخ احمد ولد شیخ عبد المنصور خطیب مرحمت فرمودیم و اگر در محل دیگر چیزے داشتہ باشد آن را اعتبار نہ گیرند واقع ۱۱۰۰ جلوس بمنصب پروانگی بھر

فضیلت و معانی مرتبت شیخ نظام تصدیق قلمی شد مطابق تصدیق
یادداشت مرقوم گشت :

مستودہ فتاویٰ پر بادشاہ خود بھی نظر ثانی فرمایا تصحیح کرتا تھا اور حسب ضرورت علماء
مباحثہ کر کے تشفی بخش مسئلہ اندراج فتاویٰ کراتا تھا۔

مؤلفین فتاویٰ ملا محمد جمیل جونپوری، قاضی محمد حسین جونپوری، ملا حامد جونپوری،
ان کے معاون شاہ عبدالرحیم دہلوی تھے۔ شیخ رضی الدین بھگل پوری
سید علی اکبر سید اللہ خاں، جلال الدین محمد، سید نظام الدین ٹھٹھوی، محمد شفیع، ملا وجیہ الدین
محمد فائق، محمد اکرم، محمد غوث، سید معدن، غلام محمد، عنایت اللہ۔ یہ تمام حضرات
فضلائے عصر تھے۔

عالمگیر نے مولانا چلپی عبداللہ رومی سے اس کا فارسی میں ترجمہ کرایا۔

موزوں طبع عالمگیر کو ہر قسم کے لہو و لعب سے یہاں تک کہ شعر و سخن سے بھی بالکل
بے رغبت نہ تھی۔ چنانچہ دیوان حافظ کا درس مکتبوں سے موقوف کر دیا
تھا۔ مگر دیوان حافظ اور گلستان اپنے سر ہانے رکھتے تھے۔ بعض مصاحبوں نے اس
کا سبب پوچھا۔ جواب دیا کہ لوگوں کی طبیعتیں خام ہیں۔ حافظ کے اہل معنی پر خیال نہیں
کرتے۔ ناحق شراب گلناہ اور معشوق گل رخسار کے نام سن کر مست ہو جاتے ہیں۔ اس
لئے اس کا دیکھنا جائز نہیں۔ شعراء کا بازاں مرد تھا مگر دربار میں اکثر امیر موزوں طبع تھے۔
بعض مرتبہ قصیدے پیش کرتے، سن لیتے۔ داد حسب موقع دیتے۔ مگر فراموش یہ ہوتی کہ آئندہ
بے فائدہ وقت منائع نہ کرو۔ بایں ہمہ کبھی کبھی خود بھی شعر کہتے تھے۔

غم عالم فرد نیست و من یک غنچہ دل دارم
چساں در شیشہ ساعت کنم یک بیاباں را

سلطنت منلیہ کا قدیم سے دستور تھا کہ جب کوئی بادشاہ تخت پر بیٹھتا تو سب شعرائے
پایہ تخت اس کا سکہ کہہ کر لاتے جس کا پسند ہوتا اسے ایک لاکھ روپیہ انعام ملتا۔ عالمگیر کے لئے
بھی سکہ کہہ کر لائے۔ عالمگیر نے فرمایا ہم نے بھی سکہ کہا ہے تم سب دیکھو وراپنی رائے ظاہر کرو۔

۵۔ سکندر در جہاں چو بدر منیر شاہ اور نگ زیب عالمگیر
سب کو متفق الالفاظ اقرار کرنا پڑا کہ حقیقت میں اس سے بہتر و مرا کوئی نہ
نہیں ہو سکتا۔

سیرت | عالمگیر کی ابتدائی زندگی سے ہی طبیعت میں پار سائی اور اتقا تھا۔ خوفِ خدا
رکھتے تھے۔ اولاد اور افسرانِ ملک کو خوفِ الہی سے ڈراتے رہتے تھے
اور ہر قسم کے لہو و لعب سے قدرتی تفریق تھا۔ حالات اور اسباب کے لحاظ سے جس کامیابی
کے ساتھ سلطنت کی وہ تاریخ ہند میں بے نظیر ہے شہسواری، تیر اندازی، نیزہ بازی
نشانہ بازی اور شکار وغیرہ۔ غرضیکہ تمام فنونِ حرب میں غایتِ درجہ کے چیت و چالاک
اور ہوشیار تھے۔ فقیروں کا دوست، دیباکاروں کا دشمن، علماء کا قدر دان، غرباء و
مساکین کے لئے برسرِ عدالت نقدی اپنے پاس رکھتے اور دیتے تھے۔ نرمی اور عفو کا
مادہ حد سے زیادہ تھا۔ لوگوں نے اکثر ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر ان کو معاف کر
دیا اور روزِ مہر مقرر کیا۔

مزارئے موت کا شاذ ہی حکم دیا کرتے تھے۔ اپنے آپ کو رعایا اور ملک کا محافظ اور
سلطنت کا امین سمجھتے تھے۔ ڈاکٹر برنیز اپنے سفر نامہ میں عالمگیر کی مستعدی اور بیدار مغزی
کا واقعہ لکھتا ہے۔

ایک امیر نے عرض کیا کہ حضور جو کام میں اس قدر مصروف رہتے ہیں اس سے اندیشہ
ہے مبادا صحتِ جسمانی بلکہ قوائے دماغی کے اعتدال اور طاقت کو کچھ نقصان پہنچے۔ بادشاہ
نے نامح کی طرف سے منہ پھیر لیا اور دوسرے امراء کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ خدا نے
مجھے بادشاہت اپنی مخلوق کی خدمت کے لئے دی ہے کہ میں رعایا کی آرام و آسائش کا کام
لحاظ رکھوں۔ اپنی راحت سے زیادہ ان کی راحت کا خیال کروں نہ کہ فضولِ صلاح کاروں کی رائے
پر کار بند ہوں۔ عوام کیساتھ منصفانہ برتاؤ تھا۔ مگر ملکی مخالفوں کے حق میں بہت ہی سخت تھا۔

دار الخلافہ | دار الخلافت دہلی بقول ڈاکٹر ہنٹر اپنی عظمت و شان میں روئے زمین کے
دار الخلافوں سے عہدِ عالمگیر میں گوئے سبقت لے گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ

اُس کی بیس لاکھ کے قریب آبادی ہوگئی تھی۔

وفات عالمگیر آخر عمر میں دکن کے ملکوں کا انتظام کر رہا تھا۔ بڑھاپے کے سبب بیمار ہو گیا۔ پچاس سال ۱۲ سال ۱۲ روز جمعہ ۲۸ رذی قعدہ ۱۱۸۸ھ کو وفات ہوئی۔ دولت آباد کے قریب شیخ بُرہان الدین اور شاہ ذری زرنخش کے مزاروں کے درمیان دفن کئے گئے۔ پچاس سال دو ماہ ستائیس روز سلطنت کی۔

تاریخ وفات ”دخل الجنة“ ہے۔

علماء و شعراء عہدِ عالمگیری

مفسرین شیخ غلام نقشبندی لکھنوی متوفی ۱۱۲۶ھ ملا شیخ احمد جیون ایٹھوی متوفی ۱۲۸۸ھ مولانا نور الدین متوفی ۱۱۵۵ھ، اصغر قنوجی متوفی ۱۱۴۰ھ۔

محدثین شیخ نور الحق بن شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۱۶۳ھ حاجی صبغت اللہ نبیرہ شیخ اللہ دیا الرضوی خیر آبادی متوفی ۱۱۵۵ھ۔

فقہاء افضل المعال ملا وجیہ الدین مفتی شیخ عیسیٰ محدث شہابی گوپاموی اتالیق شہزادہ داراشکوہ و صدر صوبہ اودھ والہ آباد و منصب الرہنہ نزاری و مولف ربع حصہ فتاویٰ عالمگیری شاہی ۵ جمادی الثانی ۱۱۸۳ھ کو وفات پائی۔ ملا شیخ نظام بُرہانپوری ملا لطیف سلطانپوری۔ ملا عبد الغفور بُرہان پوری۔

قاضی قاضی عبدالوہاب متوفی ۱۱۸۴ھ قاضی شیخ الاسلام قاضی صدر الدین ہرگامی۔ قاضی محمد حسین جونپوری۔ قاضی شہاب الدین گوپاموی متوفی ۱۱۳۰ھ۔

مفتی قاضی احمد بہاری مفتی عسکر شاہی، مفتی عبداللہ شہابی گوپاموی متوفی ۱۱۶۵ھ۔ مفتی علم اللہ گوپاموی متوفی ۱۱۲۳ھ۔

حکماء قاضی محب اللہ بہاری، ملا محمود فاروقی جونپوری متوفی ۱۱۶۲ھ۔

علماء ملا عبدالرشید، ملا زاہد کابلی، محمد اسلم ہروی، شیخ عبدالعزیز اکبر آبادی، ملا عبداللہ رومی مترجم فتاویٰ عالمگیری، ملا عبداللہ سیالکوٹی، شیخ عبدالباقی

جونپوری، شیخ قطب برہانپوری اتالیق شہزادہ محمد اعظم، محمد اکرم لاہوری اتالیق شہزادہ محمد کام بخش قادری حافظ ابراہیم -

عبدالحمید - عاقل خاں رازی - محمد ساقی مستعد خاں - مرزا محمد کاظم متوفی ۱۱۰۹ھ
مؤرخین | نعمت خاں عالی متوفی ۱۱۲۱ھ بختا و ر خاں متوفی ۱۰۹۵ھ -

شعرا | آشن، ناظم ہروی، بیدل - مہر اکبر آبادی، افسری، اعجاز اکبر آبادی، سعید مفتی ابو سعید
 گوپاموی متوفی ۱۱۲۱ھ ضمیر - طاہر - خالص - ملا شفیعائیز دی، اشرف مازندرانی
 رازی خونی، ملا فرائے مشہدی پنڈت چندر بھان، برہمن اکبر آبادی متوفی ۱۱۳۱ھ
 مرزا محمد رفیع قزونی -

عالمگیر کے عہد کی تعلیمی ترقیاں

عالمگیر کے عہد کی علمی و تعلیمی ترقیاں برصغیر ہند و پاکستان میں یہاں کے شاہانِ سلطنت سے بڑھ کر تھیں۔ مرکزی شہروں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے شہروں اور قصبات اور شرفاء کی بستیوں میں بھی تعلیم پھیلانے کے لئے منجانب حکومت اور امراء مدرسے قائم کئے گئے۔ یہ مدارس علماء کے مدرسوں کے علاوہ تھے۔ طالب علموں کے لئے وظیفہ جادی کئے اور ذاتی مدرسے جن علماء کے تھے اُن کو اور سرکاری مدارس کے مدرسین کو معیشت کی طرف سے فارغ البال کیا۔ جاگیریں عطا کیں۔ چنانچہ مفتی عبید اللہ گوپاموی جو شیخ عیسیٰ محدث کے مدرسہ کے صدر مدرس اور ملا وجیہ الدین گوپاموی مؤلف فتاویٰ عالمگیری کے بھائی تھے۔ فرمانِ ذیل کے ذریعہ زمین داری عطا کی۔ غرضیکہ ہر صوبہ اور شہر و قصبہ میں علم و تعلیم کی اشاعت عام ہو گئی۔ عالمگیر نامہ میں ہے :-

» و انماں جاتوجہ خاطر دانش مآثر بہ ترویج مراتب فضل و تاسیس معالم علم درجہ
 قصویٰ دارد و در بلیغ بلاد و قصبات این کشور وسیع و فضلاء مدرساں را بہ
 وظائف دائرہ از روزیانہ و اہلک وقف ساختہ بہ شغل تدریس و تعلیم مصلدان
 علوم گمشدہ اند و برائے طلباء علم در ہر معمولی و ناصیبہ وجہ معیشت درخور تہ و

حالت واستعداد مقرر داشتہ و ہر سال بدیں وجہ نیز از خزان احسان بادشاہانہ مبلغاً معتد بہ صرف می شود از فیض و مکرمت و افعال شہنشاہ ابرکیت دریائوال طالبان علم و کمال سمت افزونی پذیرفتہ منشرح البال و مرفذ الحال بکسب و تحصیل علوم اشغال می ورزند“

عالمگیر کے عہد میں دونوں قسم کے مدرسے قائم تھے۔ شاہی مدرسے جن کے پورے معارف حکومت کے طرف سے ادا ہوتے تھے اور جن کا انتظام و انصرام بھی حکومت کے متعلق تھا۔ دوسرے وہ مدرسے جو ادب باب خیر اور علمائے دین خود اپنی طرف سے جاری کرتے تھے۔ عالمگیر نے پہلی قسم کے مدرسوں کے لئے ہر صوبہ میں یہ انتظام کر دیا تھا کہ مدرسین اور طالب علموں کی تنخواہیں اور وظیفے اسی صوبے کے خزانے سے ادا کئے جائیں اور صوبہ دار مدرسین سے تنخواہوں کی وصولی کا سیاہہ حاصل کر کے خزانہ میں داخل کر لیا کرے اور غیر سرکاری مدرسوں کو وقتاً فوقتاً شاہی خزانہ سے امداد دیا کرتا تھا۔ چنانچہ مرآت احمدی میں شاہی مدرسوں کے متعلق ہے :-

و چون حکم مقدس اعلیٰ در جمیع صوبہ جات ممالک محروسہ شرف نفاذ یافت کہ در ہر صوبہ مدرس تعین نماید و طلب علم از میزان کثافت خواں باستصواب صدر صوبہ موافق تصدیق بہر مدرساں وجہ عطف از تحویل خزانہ آں صوبہ می دادہ باشند دریں ولایت سہ نفر مدرس در احمد آباد و پٹن و سورت و جہل و پنج نفر طلبا علم اضافہ در صوبہ احمد آباد مقرر شد۔“

اسی طرح غیر سرکاری مدرسوں کی امداد ملاحظہ ہو۔ جو بادشاہ وقتاً فوقتاً کرتا رہتا تھا۔ ایک موقع پر مدرسہ سیف خاں کو ۱۵۸۰ روپے بھیجنے کا ذکر آیا ہے۔ اسی طرح مدرسہ ہدایت بخش و مسجد تعمیر کردہ شیخ محمد اکرام الدین کی تعمیری تجدید و اصلاح کے لئے اُس نے ایک لاکھ ۲۴ ہزار روپے منظور کئے۔ اسی طرح موضع سوندرہ پر گنہ سانولی اور موضع سلیمہ پر گنہ کٹرا کے مدرسوں کے لئے یومیہ مقرر کیا تھا۔

عالمگیر کے دور حکومت سے پہلے ابتدائی مکاتب میں ہندو اور مسلمان طلباء یک جا تعلیم

حاصل کرتے تھے اور مکتبوں میں غیر مذہبی تعلیم ہوتی تھی۔ یہاں سے فارغ ہو کر اعلیٰ مدرسوں میں چلے جاتے تھے اور ہندو طلباء اپنے مذہبی مدرسوں میں جلتے تھے۔ جہاں شاستر کے علاوہ طب اور نجوم وغیرہ کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ ہندوؤں کے مدارس عالمگیر کے زمانہ میں بھی قائم رہے اور ان کا اہم مرکز بنارس تھا۔ خاقانی خاں لکھتا ہے :-

”در ایامی کہ محمد سوانح در بندر سورت بود بانہا نام زندادار طبیب پیشہ نقل می نمود کہ چون در قوم ہاضابطہ است کہ برائے تحصیل علم نجوم و طبابت و شاستر بر مہاں آسجاء استاد خود قرار می دہند و نزد او درس می خوانند و صبح و شام از طرف استاد خود کلام آب گنگ رفته موافق و ابے کہ مقدار است مردمی لاکہ برائے غسل می آیند دستور و آئین مقرر دی خدمت می نمایند و ہر چہ ازاں ہم رسد بلا تصرف و ضیافت نزد استاد خود دی برند و خرچ خود کی و پوشاک شاگردان بر ذمہ استاد است کہ بقدر کفالت ضروری چیزے گیرند“

ولی کا سرچشمہ علم و عرفان جس کے فیوض و برکات سے سارے ہندوستان کی علمی تشنگی دور ہوئی۔ وہ عالمگیری کے عہد میں قائم ہوا۔ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی ابن شیخ وجیہ الدین شہید نے جو شہنشاہ میں پیدا ہوئے اپنے بھائی شیخ ابوالرضا اور علامہ میرزا ہد ہروی سے علوم معقول کی تحصیل کی۔ فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب میں شریک رہے۔ عہد اورنگ زیب میں مدرسہ رحیمہ قائم کیا۔ خود درس دیتے تھے۔ **رحمۃ اللہ علیہ**

میر محمد زاہد ابن اسلم ہروی جنہوں نے مرزا فاضل سے تلمذ کیا۔ مرزا فاضل نے ملا یوسف سے اور انہوں نے مرزا شیخ جان انجرو سے۔ انہوں نے اپنے والد اسعد سے جو علامہ نفاذانی اور علامہ ملا ثریف جرجانی کے شاگرد تھے۔

حدیث حاجی محمد فضل سے جو اس سلسلہ میں شیخ عبدالاحد کے تلامذہ سے تھے انہوں نے اپنے والد شیخ محمد سعید سے جن کو اپنے دادا شیخ طریقت شیخ احمد سرہندی سے تلمذ تھا۔

ملازاہد ابن اسلم ہروی کا درس آگرہ میں | ملازاہد علم از پربزرگوار و دیگر علماء روزگار

رحمۃ اللہ علیہ العارفين از شاہ ولی اللہ ذکر علماء از مولوی اکرام اللہ -

اخذ کرد اما بہ قوت ادراک خدا داد قدم از استادان پیش گذاشت درایت

فوقیت در مستعدان زمان برافراشت ۱۱۰۵ھ

درس شاہ غلام نقشبند لکھنوی | میر محمد شفیع و شیخ پیر محمد لکھنوی سے علوم عربیہ کی تحصیل کی سلسلہ اکثر فضلاء نے عصر بہ آفتاب منتهی

می شود شاہ عالم بہادر شاہ ایشاں رام کلف ملاقات کرد۔ ۱۱۲۶ھ وفات

شیخ احمد معروف بہ ملا جیون امیٹھوی | وفات فتح فرخ از ملا لطف اللہ گوری گرفت آخر کش طالع اور بہ خدمت مکان رسانید و

سلطان بہ خدمت اولمذ کرد۔ وایام زندگانی بہ شغل درس و تحریر تصانیف صرف یافت۔

وفات ۱۱۳۰ھ

سید قطب الدین | در عین شباب تہجد و عدم تامل آمادہ۔ بعلم نقلی و عقلی شناسا و با قادت طلبہ توجہ فرما با کثرت ملاقات رضیہ آراستہ بسیما بتواضع و

حسن خلق بیش از بیش پیوستہ۔ در خدمت مکان بدیوانی برہان پور مرفراز یافتہ۔

(تاثر الامراء ج اول ص ۷۵)

وتمام عمر در تدریس گزرانید۔

(خزینۃ الامنیۃ جلد دوم ص ۳) ۱۱۰۵ھ

سید مبارک بلگرامی | شاگرد شیخ نور الحق فرزند و تلمیذ شیخ المحدثین شیخ عبدالحق دہلوی بود عمر عزیز در افادہ علوم دینی خاصہ فن حدیث و درس طلبہ صرف نمود۔ وفات ۱۱۱۵ھ

شیخ محمد فضل الہ آبادی | در اوائل حال بچہ پور آمدہ از ملا نور الدین تحصیل علوم متعارفہ را با انجام رسانید تا شش ماہ بدرس و تدریس علوم اشتغال داشت۔ وفات ۱۱۲۴ھ

۶

۱۔ تاثر الکرام صفحہ ۲۰۹ ۲۔ ایضاً ص ۲۱۳ ۳۔ تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۱۸۱

۴۔ تذکرہ علماء ہند ص ۱۸۱۔

شاہ عالم بہادر شاہ

شہزادہ معظم بہادر شاہ بطن ممتاز محل سے تھے۔
 تعلیم و تربیت | اورنگ زیب نے اپنی اولاد کو تعلیم اپنی نگرانی میں دلوائی۔
 بہادر شاہ نے ایام طفلی میں کلام اللہ حفظ کیا۔ عربی کی تعلیم معقول
 حاصل کی۔ حدیث اور فقہ میں استعداد بہم پہنچائی۔ حدیث سے خاص دلچسپی تھی اور فقہی
 مسائل بلا تکلف قرآن و حدیث سے استنباط کرتے تھے۔

غرضیکہ عربی زبان میں عرب عربا اور فارسی و ترکی زبانوں میں بہترین اہل زبان
 کے ہم پلہ تھے۔ فن خوش نویسی میں یکتائے زمانہ تھے۔ مختلف خطوط میں کمال حاصل تھا۔
 مطالعہ کتب کا شوق تھا۔ خلاصۃ التواریخ میں ہے۔

”لاتوں کو اکثر نوافل درود و وظائف، تلاوت قرآن اور حدیث و تفسیر

فقہ اور سلوک کی کتابیں مطالعہ کیا کرتے تھے“۔

شعر و شاعری سے بھی شوق تھا۔

وقائع | اورنگ زیب نے اپنے لڑکوں کو خود آداب حکمرانی سکھائے۔ جنگوں پر بھیجا اور
 آخر عمر میں بہت کچھ نصیحتیں کیں۔ ملاقات عالمگیری گواہ ہے۔ عالمگیر نے اپنے
 بیٹوں کو ملک کے صوبے دیدیئے تھے۔ محمد اعظم شاہ مالوہ کی صوبہ داری پر مقرر کئے گئے۔ یہ
 بادشاہ سے رخصت لے کر بیس کوس پہنچے تھے کہ اورنگ زیب کے وصال کی خبر لگی۔ وہ راتوں
 رات لشکر میں آئے۔ امراء نے مراسم تہنیت و تعزیت ادا کئے۔ کفن و دفن سے فراغت
 حاصل کی۔ دہم ذی الحجہ ۱۱۰۸ھ کو ملبوس کی تاریخ مقرر کی۔ شہزادہ بیدار رنجت جو احمد آباد میں

۱۰۰ ماثر عالمگیری ۲۹۰ بزم تیموریہ ص ۲۹۰ خلاصۃ التواریخ از سبحان رب نے تمبر بھولی ظفر حسن مراد آبادی۔

تھا اس کو اپنا نائب مقرر کیا۔ ادھر کام بخش باپ سے رخصت ہو کر قلعہ پر نیندہ کہ چالیس پچاس کوس کی مسافت پر تھا، پہنچا کہ بادشاہ کے واقعہ کی خبر ہوئی تو اس نے قلعہ بیجاپور پر تصرف کیا۔ احسن خاں کی کمانداری کو اس میں زیادہ دخل ہے۔ کام بخش نے ان کو پنجنزاری کا منصب عطا کیا۔ حکیم محمد محسن کو قلمدان وزارت عطا کیا اور تقرب خاں کا خطاب دیا اور جشن جلوس کیا۔ خطبہ میں اپنا لقب دین پناہ پڑھوایا۔ پھر آٹھ ہزار کی فوج لے کر قلعہ دانکنہرہ کی تسخیر کو روانہ ہوا۔ گلبرگہ پر قبضہ کر کے دانکنہرہ کو تسخیر کر لیا اور آگے بڑھنے کی تدبیر کر رہا تھا۔ باقی حال کام بخش کا اپنے محل پر بیان ہو گا۔ اعظم شاہ نے تخت پر جلوس کیا اور سگہ کو اس شعر سے رونق دی۔

سگہ زد در جہاں بدولت و جاہ بادشاہ ممالک اعظم شاہ

وسط ذی الحجۃ میں اسد خاں و ذوالفقار کو اعظم شاہ ہمراہ لے کر شاہ عالم کے مقابلہ کے قصد سے چلا۔ محمد امین خاں اور جنہیں قلعہ خاں مخاطب بہ خان دوراں خاں نے اعظم شاہ سے ترک رفاقت کی اور اورنگ آباد آکر اکثر پرگنات پر قابض و متصرف ہوئے۔ اورنگ زیب نے شاہ عالم کے پاس منعم خاں کو بھیجا۔ اُس نے لاہور میں اپنی جاگیرات کی دیوانی اس کو دی۔ حبیب عالمگیر کی علالت کی خبر ہوئی منعم خاں نے اسباب جنگ خفیہ طور سے فراہم کر لیا۔ پشاور میں ۲۴ رذی الحجہ کے بادشاہ کے مرنے کی خبر شاہ عالم کو معلوم ہوئی اُس نے روانگی کا ارادہ کیا۔ لاہور پہنچا تو منعم خاں چالیس ہزار لاکھ روپیہ لے کر بادشاہ کی خدمت میں آیا۔ بادشاہ نے وزارت کی مبارک باد دی۔ سلخ محرم یا غرہ صفر کو نواح لاہور میں مقام کر کے اپنے نام کا خطبہ اور سگہ کا حکم دیا۔ امراء نے نذریں گزاریں۔ اس کا بیٹا محمد معز الدین جلو دار ملتان آگیا اور اُس کو بیست و پنج ہزار سوار کا منصب عنایت ہوا۔ اور محمد اعظم کو، ہیچدہ ہزاری پانزدہ سوار کا منصب عطا کیا اور اس کو حکم دیا کہ وہ اکبر آباد میں بنگالہ سے آئے۔ وہ اسی روز روانہ ہو کر سرسند پہنچا۔

وزیر خاں صاحب مدار نے ۲۸ لاکھ روپیہ نذر کیا۔ اور آخر صفر میں حوالی شاہجہان آباد میں قیام پذیر ہوا۔ شہزادہ محمد عظیم الشان بیس ہزار سوار لے کر محمد بیدار نجات سے پہلے

اکبر آباد آگیا اور اکبر آباد پر قبضہ کیا۔ بہادر شاہ آگرہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اگرچہ پہنچ تو قلعہ دار باقی خاں نے قلعہ اور خزانہ کی کنجیاں بادشاہ کے نذر کیں۔ نوکر و ژرو پیہ ہاتھ لگا چار کروڑ امراء و اعیان دولت کو عطا کئے اور فوج بندی کا انتظام شروع کر دیا۔

محمد اعظم شاہ ۸۰ ہزار سوار ہمراہ لے کر بھائی سے دو دو ہاتھ کرنے روانہ کیا۔ گولیار پہنچ کر اس کو اطلاع ملی کہ شاہ عالم اور محمد اعظم بڑے لشکر کے ساتھ اکبر آباد میں موجود ہیں۔ اپنی سگی بہن زیب النساء بیگم اور فاضل سامان کو قلعہ گوالیار میں چھوڑا۔ بیدار بخت کو فوج کا ہراول کیا۔ پچیس ہزار سوار لے کر اکبر آباد کا رخ کیا۔ شاہ عالم نے بھائی کو معالمت کا خط لکھا۔ محمد اعظم نے استدعا کو ٹھکرا دیا۔ جب چنبیل کے قریب پہنچا بہادر شاہ کو خبر لگی، اُس نے خانہ زاد خاں و صف شکن خاں داووغہ توپ خانہ اور انگریز خاں قراول کو بھیجا کہ دشمن کی فوج دریا سے نہ اتر سکے۔

محمد اعظم شاہ نے سموگڑھ کا رخ کیا۔ شاہ عالم نے مراٹے باجو کے نزدیک پیش خیمہ کھڑا کر ایا اور خود شکا کو چل دیا۔ عظیم الشان مقدمہ الجیش شاہ عالم کی فوج کا تھا۔ بیدار بخت نے سبقت کر کے پیش خانہ بہادر شاہی پر حملہ کیا اور آگ لگا دی۔ آخر معرکہ کا دھڑا گرم ہوا کہ آندھی آئی جو محمد اعظم شاہ کی فوج کے سامنے تھی۔ آخرش بیدار بخت مارا گیا اور والا جاہ بھی کام آیا۔ اعظم شاہ نے بڑی داؤد شجاعت دی لیکن قسمت میں ہار تھی۔ اعظم شاہ کا سر ستم علی خاں بہادر شاہ کے پاس لایا گیا اور شاہ عالم کے ہاتھ کے پاؤں تلے ڈال دیا۔ بیٹوں اور امراء نے مبارکباد دی۔ شاہ عالم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اصف الدولہ، اسد خاں اور ذوالفقار خاں امراء اعظم شاہی ہاتھ باندھ کر حاضر ہوئے خود بہادر شاہ اور شہزادہ معز الدین نے کھولے۔ پیر اور سپر کی تسلی کی منصوب نہ ہزاری ہفت ہزار سوار عطا کیا۔ منعم خاں جلالت الملک وزیر اعظم بنائے گئے۔ شہزادہ عالی تبار ابن محمد اعظم شاہ کو بیٹا بنایا۔ خیمہ استادہ کر کے دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی۔ تمام بھائی اور برادران کی لاشوں کو غسل و کفن کے بعد ہمایوں کے مقبرہ میں مدفون کیا۔ دوسرے روز غانچا ناں کی عیادت کو شاہ عالم گیا۔ نغز جنگ خطاب دیا اور ایک کروڑ روپیہ انعام دیا۔ معز الدین کو ملہ تاریخ ہندوستان جلد ۲۰ ص ۲۰۰۔

جہاندار شاہ اور محمد عظیم کو عظیم الشان بہادر رفیع القدر کو رفیع الشان اور حجتہ اخر کو جہاں شاہ خطاب عطا کئے۔

قاضی خاں لکھتا ہے کہ بادشاہ نے حکم دیا کہ سیکھ میں شاہ عالم بادشاہ اور نام بلکہ لکھا جائے اور خطبہ میں شاہ عالم کے ساتھ لفظ سید کا اضافہ کیا جائے۔ کیونکہ اُن کی ماں سیدانی تھی۔ ۱۱۹ھ میں راجپوتوں کی بغاوت فرو کرنے اور دے پور اور جودھ پور گیا۔ وہ پائمال ہو کر حاضر حضوری ہوئے۔ اجیت سنگھ ودر گا داس کے قصور معاف ہوئے اور خلعت سے نوازے گئے۔ جلوس کے سال دوم میں محمد کام بخش کو نائبہ محبت لکھا۔ وہ سوداوی مزاج تھا۔ حیدر آباد میں اس سے اس کے ساتھی بنی رہے۔ ایچی کو قید کیا۔ اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا۔ جواب میں کلمات خصومت لکھے۔ اس پر شاہ عالم حیدر آباد مع لشکر کے پہنچا۔ محمد کام بخش معمولی فوج لے کر مقابل ہوا۔ معرکہ جنگ میں زخمی ہوا۔ بھائی مزاج پر سی کرنے گیا۔ آپے سے باہر ہو گیا۔ اس میں ہی جاں بحق ہوا۔ کام بخش عالم اور خوش سحر میٹھی تھا۔ ظاہری کمالات اعلیٰ درجہ کے لکھتا تھا۔ مزاج میں وہم و دوسہ تھا۔ شاہ عالم نے اپنے قلم و کا انتظام کرنا شروع کیا۔

ادارت خاں لکھتا ہے شاہ عالم سخی، رحم دل، عالی دماغ، خوش اخلاق اور جوہر شناس تھا۔ خود بہادر تھا۔ بہادر دشمن کی قدر کرتا تھا۔ اس کا دربار شاہ جہاں کے دربار سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ سترہ شہزادے جن میں بیٹے پوتے برادر زادے اُس کے تحت کے اور گرد بیٹھے تھے۔ چاندی کے کٹھروں میں ہفت ہزاری سے سہ ہزاری تک امراد کھڑے رہتے تھے۔ عیدین اور جشنوں میں بادشاہ امراد کو خود عطر دیا کرتا تھا۔

سیرت | عالم تو تھا ہی دربار میں شاہانہ انداز رکھتا۔ گھر میں سادہ لباس پہنتا۔ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتا۔ قضاۃ کرتا۔ سفر کے اندر اکثر تعطیلات اور جمعوں میں وہ خود نماز دربار کے خیمہ میں پڑھاتا اور قرآن کی سورتیں ایسی خوش الحانی سے

پڑھتا کہ اہل عرب اس پر فریفتہ ہو جاتے اور آخر شب کی عبادت کو کبھی ترک نہ کرتا۔ بعض دفعہ ساری رات نمازیں پڑھتا اور دعائیں مانگتا۔ اول شب میں اُس کے پاس فضلہ و علماء جمع ہوتے خود حدیثیں بیان کرتا۔ فقہ سے خوب واقفیت تھی۔ فرقہ اسلامیہ کے عقائد سے آگاہ تھا مگر متعصب دینداروں نے اس کو بدعتی قرار دے رکھا تھا۔ اہل شیعہ مٹور خین اس کو شیعہ سمجھتے ہیں۔

اس کے عہد میں سکھوں کا زور بندھا۔ اُن کے ظلم و ستم لوٹ مار ہندو مسلمانوں پر برابر تھے۔ آخر شہنشاہی لشکر نے مقابلہ کر کے اُن کو اُن کے اصلی علاقہ میں پہنچا دیا۔ لاجپوتوں نے مرآتیا، نقصان اٹھا کر بادشاہ کے قدموں پر آگرے۔ قصور معاف ہوئے۔ انعام و اکرام سے نوازے گئے۔ آخر عمر میں نہایت الخرابات ہو گئے تھے۔ ۵ سال دو ماہ حکومت کر کے بعمر ۷۰ سال ۱۹ محرم ۱۱۲۳ھ کو اس جہان سے رخصت ہو گئے۔ نعش شاہجہاں آباد لاکر قطب صاحب میں دفن کی گئی۔

بہادر شاہ

بہادر شاہ اول کے عہد ۱۱۱۸-۱۱۳۳ھ میں دارالسلطنت دلی میں ایک نیا مدرسہ امیر غازی الدین خاں فیروز جنگ نے جو سلطنت آصفیہ کے بانی آصف جاہ اول کے والد نذر گوار تھے۔ اجمیری دروازہ کے قریب قائم کیا۔ اس مدرسہ کے لئے ایک مسجد بھی تعمیر کرائی گئی تھی۔ امیر موصوت اسی مدرسہ میں مدفون ہوئے۔

اس مدرسہ میں صدر مدرس شیخ جبار تھے جن کے پاس ملا نور محمد مباردی درس حاصل کرنے آئے۔ قطبیہ تک پڑھا کہ رخصت ہو گئے۔ جب ملا فخر الدین دکن سے ۱۱۲۰ھ میں اس مدرسہ سے منسلک ہو گئے تو علوم معقول کے ساتھ حقائق و معارف کے دریا بہا دیئے۔ ۱۱۲۲ھ میں مدفون ہوئے۔ مولانا فخر الدین سے پھر مولانا نور محمد نے درس کی تکمیل کی۔ ملا سید احمد میر علی الدین شاہ عبدالرحمن اللوی الدشد تلامذہ سے تھے۔ شاہ صاحب کے بعد مولانا سید احمد صدر مدرس اس مدرسہ

۱۱۲۰ھ تاریخ ہندوستان جلد نہم صفحہ ۴۰۔

کے ہوئے۔ غرضیکہ یہ مدرسہ مدتوں تک جاری رہا۔
 دلی پرائمری سکولاری ہو جانے کے بعد انگریزوں نے بھی اس کو تعلیم گاہ کے طور
 پر استعمال کیا۔ پھر نواب اعتماد الدولہ فضل علی خاں وزیر اودھ نے جو یہاں کے تعلیم یافتہ تھے
 اس مدرسہ کے اخراجات کے لئے ایک لاکھ ستر ہزار روپے کی گراں قدر رقم انگریزی
 کمپنی کے حوالے کی۔ چنانچہ کمپنی کی طرف سے غازی الدین خاں کے مقبرہ پر حسب ذیل
 عبارت کندہ کی گئی۔

کتبہ مقبرہ غازی الدین خاں

نہر لوح نقشے بہ ماند و لیک
 جزائے عمل ماند و نیک نام

بیاد حسنات نواب اعتماد الدولہ ضیاء الملک سید فضل خاں بہادر
 سہراب جنگ کہ یک لک و ہفتاد ہزار روپیہ برائے ترقی علوم و
 مدرسہ ہذا واقع دہلی خاص مولود وطن خویش بہ صاحبان کمپنی انگریز بہادر
 تفویض نمودہ اند مقوش گردیدہ ۱۲۵۵ھ۔ ۱۸۳۵ء

ملا نظام الدین بہاولوی

استاد جہاں و تحریر زمان بود وہم در کنور حل اقامت افگند
 و تمام عمر بہ تدریس و تصنیف اشتغال و زہد و اعتقاد و اشتہار بہ عظیم فیت
 امروز علماء اکثر قطر ہندوستان نسبت تلمذ بہ مولوی دارند و کلاہ گوشہ
 تغاخری شنید و کسے کہ سلسلہ تلمذ باومی رساند بین الفضل علم امتیازی
 افرازد۔ ۱۲۱۱ھ

۱۔ ہندوستان کی قدیم درس گاہیں ص ۲۲۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ دہلوی ^{۱۱۷۷ھ} میں پیدا ہوئے۔ دس سال کی عمر میں عربی کی تعلیم سے فارغ ہو گئے۔ تلمذ باپ سے تھا۔ علوم معقول شیخ محمد افضل سیالکوٹی سے حاصل کئے۔ ۱۲ سال کی عمر میں باپ کے سامنے درس دینے لگے۔ ^{۱۱۸۳ھ} میں حج کو گئے۔ شیخ ابوطاہر کردی مدنی شیخ و خدا اللہ مکی شیخ تاج الدین ملعی مکی سے سند حدیث حاصل کی اور وطن لوٹے اور سلسلہ درس شروع کر دیا۔

تفسیر وحدیث پر زیادہ توجہ تھی۔ تصانیف کا سلسلہ جاری تھا۔ علوم دینیہ میں امام اور مجتہد مطلق تھے۔

^{۱۱۷۶ھ} میں دارِ آخرت کا سفر اختیار کیا۔

تلامذہ

شاہ رفیع الدین - شاہ عبدالغنی - شاہ عبدالقادر - شاہ عبدالعزیز - شیخ محمد عاشق دہلوی
شیخ محمد امین کشمیری - سید مرتضیٰ بلگرامی - شیخ جبار اللہ بن عبدالرحیم لاہوری - شیخ محمد
ابوسعید بریلوی - شیخ رفیع الدین مراد آبادی - شیخ محمد بن ابوالفتح بلگرامی - شیخ محمد مفتی سندھی
قاضی ثناء اللہ پانی پتی -

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد سے تفسیر، حدیث، فقہ عقائد صرف و نحو علم کلام اصول معقول کا اکتساب کیا۔ ابتدائی طب بھائی سے پڑھی۔ بڑی کتب میرزاہد سے تحصیل کیں۔

جہاندار شاہ بن بہادر شاہ

شاہ عالم کی وفات کے ایک ہفتہ کے بعد چاروں بھائیوں کے درمیان ملک و مال کے باب میں پیغام چلنے لگے۔ ذوالفقار خاں جہاندار شاہ کا خیر خواہ تھا۔ اول یہ قرار پایا کہ دکن جہاں شاہ کو اور رفیع الشان کو ملتان ٹھٹھہ و کشمیر دیا جائے اور باقی صوبے عظیم الشان اور جہاندار شاہ کے درمیان تقسیم ہوں۔ مگر ملک و خزانہ کی تقسیم نہ ہوسکی اور آپس میں بھائیوں میں نزاع شروع ہو گئی۔ پہلے عظیم الشان سے تینوں بھائی تبردا آندا ہوئے وہ تاب مقابلہ نہ لاکر دریا میں کود پڑا۔ تینوں بھائی نقادہ بجاتے ہوئے لوٹے۔ ایک سو دس ارب بے خزانہ کے ہاتھ لگے جو مال ہاتھ لگائینوں میں اس کی تقسیم پر جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ معز الدین اور جہاں شاہ میں بات کی بات میں معرکہ کاہ زارہ گرم ہوا۔ رفیع الشان تماشہ دیکھ رہا تھا جہاں شاہ کام آیا تو رفیع الشان سے دودو ہاتھ ہوئے۔ معز الدین اس کو ٹھکانہ لگا کر جہاں دار شاہ کے لقب سے ہندوستان کا تاجدار بنا۔

جہاں دار شاہ

۱۱۳۷ھ سے ۱۱۴۱ھ تک اس کی حکمرانی رہی۔ لال کنور کے عاشق زار تھے۔ ذوالفقار خاں حکومت چلاتا رہا اور ان کو عیش کی راہ پر گائے ہوئے تھا کہ فرخ میر اٹھ کھڑا ہوا۔



فرخ سیر

نام و نسب و خاندانی حالات | اورنگ زیب کے صاحبزادے محمد معظم کے فرزند محمد عظیم الشان جو ۲۸ جمادی الاول ۱۰۷۷ھ کو

جمیداجہ روپ سنگھ راجپوت کے بطن سے پیدا ہوئے اور ۱۰۸۸ھ میں جمیدراجہ کسیر سنگھ کے ساتھ نکاح ہوا۔ اورنگ زیب نے صوبہ بنگال، بہار اور اڑیسہ کا صوبہ دار کر دیا تھا۔ عظیم آباد اُس کے نام پر قائم کیا گیا۔ معظم شاہ کی وفات کے وقت موجود تھا۔ جہاندار شاہ کے مقابلہ میں محرم ۱۱۲۳ھ کو میدان جنگ میں کام آیا۔ اس کی فرخ سیر یادگار سے تھا۔

تعلیم و تربیت | عظیم الشان نے فرخ سیر کو کلام مجید حفظ کرایا۔ اُس نے علوم رسمیت فضلاء نے عصر سے حاصل کئے۔ شعر گوئی سے شوق تھا۔ مرآت آفتاب نامیں اُس کے اشعار درج ہیں۔

سوانح | بہادر شاہ کے انتقال کے بعد شہزادہ فرخ سیر بنگالہ میں تھا اُس نے یہ خبر پاتے ہی اپنے والد معظم الشان کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اُن کے نام کا سکہ بھی جاری کر دیا اور خطبے میں نام پڑھنے کا حکم دیا مگر جب عظیم الشان کے مارے جلنے کی اطلاع ملی تو اُس نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ سکہ بھی جاری کیا اور خطبے میں اپنا نام پڑھے جانے کا حکم دیا۔

فرخ سیر معز الدین جہاندار شاہ کی عیش پرستی اور ذوالفقار خاں کے طریقہ کار سے آگاہ تھا کہ اس نے لال کنور اور معز الدین کے معاشرے کو شہ دے رکھی ہے۔

اس وقت فرخ سیر بنگالہ میں اکبر آباد معروف بہ راج محل میں مقیم تھا کہ جہاندار شاہ کی جانب سے صوبیدار جعفر خاں کو فرخ سیر کی گرفتاری کے احکام پہنچے مگر جعفر نے حقوق عظیم الشان کا پاس رکھتے ہوئے فرخ سیر سے کہا کہ کہیں بھی چلے جاؤ ورنہ گرفتار

ہو جاؤ گے۔“

چنانچہ فرخ سیر معاہل و عیال عظیم آباد پہنچا اور سید حسین علی خاں صوبہ دار سے امداد چاہی۔ اُس نے کہا :-

”حکم بادشاہ تمہارے متعلق تو کچھ اور ہی ہے لیکن تمہارے والد کے احسانات کے باعث نہیں چاہتا کہ تم کو میرے ہاتھ سے کوئی تکلیف پہنچے۔ مناسب یہ ہے کہ کسی طرف چلے جاؤ تاکہ کوئی عذر کر کے غنیمت و غضب سلطانی سے بچ جاؤں۔“

مگر فرخ سیر نے حسن علی کو راضی کر لیا۔ اُس کی ماں نے بھی حسن علی کو معاونت کا پیغام بھیجا۔ فرخ سیر کی صغیر السن لڑکی ملکہ زمانی باہر آئی اور اُس نے بھی اپنے باپ کی مدد کے لئے کہا۔

”اگر دست گیری پدر من نمودہ انچہ شایان سیادت و شجاعت بعزل آمدید۔“
حسن علی معاونت کے لئے تیار ہو گیا اور اپنے بھائی عبداللہ خاں کو آلہ آبا لکھ دیا کہ ہم دونوں کو پوری پوری مدد فرخ سیر کو دینی چاہیئے۔ چنانچہ یہ فرخ سیر کو لے کر مع لشکر کے آگرہ روانہ ہوئے۔

جہاندار شاہ کو فرخ سیر کی آمد کا حال معلوم ہوا تو اور ذیقعدہ ۱۱۲۲ھ مطابق ۱۷۱۰ء کو شاہجہاں آباد سے ذوالفقار خاں کو کلکتہ شاہ خاں، جانی خاں اور محمد الدین خاں (نظام الملک کا برادر عم زاد) سردار ایرانی و تورانی کو ہمراہ لے کر تقریباً ایک لاکھ سپاہ کے ساتھ جانب آگرہ روانہ ہوا۔ اس سے قبل جہاندار شاہ نے اپنے لڑکے شہزادہ اعز الدین کو احسن خاں کے ساتھ بچاس ہزار سپاہ دے کر روانہ کیا۔ ذوالفقار خاں نے نظام الملک کو آگرہ بھیجا تاکہ اُس کا تحفظ کیا جائے۔ شہزادہ اعز الدین کجواہ میں پہنچا۔ یہ وہ جگہ تھی کہ جہاں اورنگ زیب کو شجاع کے خلاف کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اعز الدین

۱۔ سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۳۷۷۔

کو شکست نصیب ہوئی اور اگر وہ واپس آگیا۔ جہاندار سے اور فرخ سیر سے مقابلہ ہوا
گھمسان کی جنگ ہوئی حسن علی اور عبداللہ نے جان کی بازی لگادی بلکہ حسن علی زخمی ہو
گیا اور میدان جنگ میں بے ہوش ہو کر گر گیا۔ مگر فرخ سیر کی فوج نے شاہی فوج کے
مُتہ پھیر دیئے۔ جہاں دار شاہ نے ماہ فرار اختیار کی اور ذوالفقار خاں بھی
میدان چھوڑ گئے۔ سیر المتاخرین میں جہان دار کی شکست کے اسباب یہ لکھے ہیں :-
”اگرچہ نسبت باقتدار معز الدین را امید فتح و ظفر فرخ سیر ہو دو لیکن عمدہ
ادکان دولت معز الدین کہ عبارت از کوکلتاش خاں و ذوالفقار خاں
باشد با ہم نہایت منافق و معاند بودند و بسبب نفاق اینہا۔ کاہائے
بادشاہی بسیار ضائع و تدبیرات ہمہ در ہمی و برہمی داشتند ازین
جہت نقش بہتر بہ درست نمی نشست“ ۱

فرخ سیر نے حسن منایا۔ سید عبداللہ کو قطب الملک کا خطاب دیا اور وزارت
کے عہدہ پر مرفوع کیا۔ سید حسن علی خاں کو امیر الامراء کے منصب پر فائز کیا اور بخشی اولی کی
خدمت پر رکھ گئے۔ قاضی عبداللہ کو میر جملہ کا خطاب دیا گیا۔ نظام الملک کو دکن کی
صوبیداری عنایت کی۔ ذوالفقار خاں قتل کیا گیا۔ اسد خاں قید کئے گئے۔

بغاوت | اوجہ اجیت سنگھ نے بغاوت پر کمر باندھی مساجد کی بے حرمتی کی۔ اس
پر حسن علی اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کئے گئے۔ چنانچہ اوجہ کو مقابلہ
پیشکشٹ اٹھانا پڑی۔ حسن علی کے کہنے پر اپنی دختر کو فرخ سیر کے حوالہ عقد میں دیا۔
یہ شادی بڑے تزک و احتشام سے انجام پذیر ہوئی۔ حسن علی کا انتظام تھا۔ اس تقریب
کی روداد علامہ عبدالحلیل بلگرامی نے مثنوی طغریٰ کے نام سے لکھی۔ عبداللہ خاں وزارت کو
سنہالتے ہی عیش و عشرت میں مبتلا ہو گئے۔ طباطبائی لکھتا ہے :-
”قطب الملک ہم بنا بر میل بسیار بنسوان و شوق و عیش و طرب آدام

طلب گشتہ زمام اختیار خود را جہ دتن چند کہ دیوان او و بقال و لٹش بود سرودہ
و مطلق العنانش کردہ بود و اوقات تمشیت بہام وزارت نہداشت روز بروز
عداوت با افزودہ ہم سلطنت خاندان چار صد سالہ تہویر بر باد رفت و ہم
بدنامی عظیم عائد روزگار سادات بادہہ گردید علی اذین نفاق و شقاق متاصل
و نظام مملکت ہندوستان بختل گردید۔

فرخ سیر کا قتل | فرخ سیر نے سات سال حکمرانی کی جس علی اور عبداللہ سے چٹخ گئی۔ ایک
دونوں کا ہاتھ اُس پر پڑا۔ فرخ سیر کو گرفتار کر لیا اور اندرون قلعہ ترپولہ کے بالائی حصہ
میں قیدی بنا کر رکھا اور پھر قتل کر دیا۔

”کنیزان حبشیہ و ترکہ گرجیہ را کہ بر سر دروازہ بمدافعہ استادہ بودند و در نمودہ
بعد جستجو و تھصن از زمینہا کہ بہ زہر و تویخ بسیار نشان دادند۔ فرخ سیر را بہ
بیجہرمتی تمام بر آوردند۔ والدہ و زوجہ و حبشیہ او دیگر بیگمات اطراف اورا گرفتہ
منت و الحاح می نمود۔ در میان انہوہ زنان بہ نہایت مذلت و خواری کشاں
کشاں آوردہ بالا لٹے ترپولہ اندرون قلعہ کو جائے بس تنگ و تاریک
بود محصور گردید۔“

فرخ سیر کے قتل سے تمام شہر میں کھرام مچا حتیٰ کہ فقراء سیدوں کے ہاتھ سے بھیک تک
لینے سے انکار کر دیتے تھے۔ شہر کے لوگ فرخ سیر کے جنازے کے ساتھ ہو گئے۔ تمام شہر ان
ہر دو ظالم بھائیوں کا دشمن بن گیا۔ سادات نے شمس الدین ابوالبرکات رفیع الدرجات کو
۹ ربیع الثانی ۸۲۱ھ کو تخت نشین کیا۔ سیر المتاخرین ص ۱۸۴

اعتماد الدولہ محمد امین خان کو بخشی موم اور نظام الملک کو مالوہ کی صوبہ داری دی گئی۔
اور مراد آباد کی فوجداری سیف الدین علی خاں (برادر حسین علی) کے نام کی گئی۔ راجا جیت سنگھ

کے نام صحبہ داری احمد آباد بحال کی گئی۔ رفیع الدرجات جلوس سے تیسرے مہینے انتقال کر گیا۔ پھر شنبہ ۲۱ رجب ۱۳۱۸ھ کو اس کے بھائی رفیع الدولہ کو تخت نشین کیا گیا۔ اتفاق سے شہزادہ نیکوسیر ولد اصغر محمد اکبر خلف اورنگ زیب قلعہ اورنگ آباد میں نظر بند تھا۔ اُس نے آزادی حاصل کر کے تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔ سادات رفیع الدولہ کو ساتھ لیکر اکبر آباد روانہ ہوئے۔ راہ میں اس کا انتقال ہو گیا۔

سادات نے شہزادہ روشن اختر (محمد شاہ بادشاہ) کو تخت نشین کیا اور اگر ملے گئے۔ نیکوسیر کی گرفتاری کے بعد قلعہ و محل سے چند بیش بہا چیزیں حاصل لیں اور قدیم زمانہ کی اشرفیاں بھی طیس تقسیم دولت پر دونوں بھائیوں میں جگڑا ہو گیا تو رتن چند نے معالحت کرائی۔ عبداللہ کو تقریباً ۲۸ لاکھ روپیہ حاصل ہوا۔ اس ذخیرہ میں نور جہاں کی شال ہیروں کی ٹکی ہوئی تھی۔ جہانگیر کی مرصع تلوار ممتاز محل کے مزار کی موتیوں کی چادر بھی اس کے ہاتھ لگی۔ یہ دونوں بھائیوں کا کردار تھا۔ غانی خاں (صد ۸۲) خوشحال چند لکھتا ہے :-

دو عبداللہ خاں نے رفیع الدرجات کی بیگم عنایت بانو کو پیغام محبت بھیجا اور گونگھریاے بالوں کی تعریف کی۔ بانو نے اپنے بال تراش کر صدر النساء منظم

حرم کے ذریعے بھجوا دیئے۔ صد ۸۵

مولوی غلام فرید لاہوری الاعظماء و فضلاء لاہور جامع کمالات عالم و علما پر ہنر گاہ بود تمام عمر خویش در درس طلبائے علم گزرا نید۔ لہ

مولوی غلام رسول فاضل لاہوری

”فاضل کبیر ہزار ہا کس از وجود بے خود دے فوائد علمی حاصل کر دند براتب فضیلت رسیدند علمائے وقت و فضلاء عمدہ حلقہ غلامی و شاگردی دے آمدند۔“

درس کلیم اللہ حضرت کلیم اللہ جہان ارادی اول در دہلی بہ تحصیل علوم ظاہری پر داخ و دستار فضیلت بہت بعد ازاں بحرین شریف بردہ در مدینہ مرید شیخ یحیی مدنی گردید و باز بہ شاہ جہان آباد آمد و فیما بین قلعہ جامع مسجد و ساخت و ذر تدیس و تلیقن

لہ خزینۃ الاصفاء جلد ۲ صفحہ ۳۸۵۔

خلق معصوم گشت۔

ایک مکان تھا جس کا کراہہ دور و پیہ ماہوار تھا اس میں خود رہتے تھے اور طلباء کو علوم عربیہ کا درس دیتے بقیہ وقت میں کتابوں کی تصنیف کرتے۔
و کتاب در علوم حقائق و معارف تصنیف کرد۔ ۱۱۴۲ھ وفات یافت۔^۱
شجرہ انوار میں ہے :-

بسیارے طلبائے علم آمدہ سکونت می نمودند و سبق کتب می خواندند و نان پارچہ
نیز از سرکاری یافتند۔^۲

مدرسہ قدیمہ حاجی صفت اللہ خیر آبادی | حاجی صفت اللہ محدث پورب میں حدیث شریف
کی اشاعت آپ کے ذریعہ سے ہوئی۔

”از مشائخ کبابہ بود فزون درسی در خدمت علماء عصر خود تحصیل کردہ برائے
اداء فریضہ حج بہ بیت اللہ رفت و علم حدیث از مشائخ ابراہیم کردی کہ مرگزہ
اہل زمان خود در حدیث بود و در سائر علوم مہارت داشت از لدنہ اشکی بہند مراجعت
کردہ در بلاد پورب یعنی مشرق علم حدیث را رواج داد۔“

آپ نے ۱۲۸۸ھ میں یہ مدرسہ قائم کیا۔ عمارت کی تعمیر کی۔ خود درس دیتے تھے۔
سالانہ تدریس آداست۔ فضلاء کثیر از گوشہ دامن او برخاستند۔^۳
۱۲۸۵ھ میں انتقال ہوا۔ ان کے صاحبزادے مولوی احمد اللہ نے درس سنبھالا۔

در علم ظاہری و باطنی تلمذ پر بزرگوار خویش دونوں کمال الدین سہامی است۔

حسین بخش، نبی بخش مدرس رہے۔ یہاں سے قاضی مبارک گوپاموی وغیرہ حضرات نے
فراغت حاصل کی۔^۴



۱ خزینۃ الاصغیا جلد اول ص ۹۵ ۲ تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۳۸۶

۳ الشفا الکتاب ۴ آذر نامہ قلمی

ناصر الدین محمد شاہ

مرزا دوش اختر ابو الفتح ناصر الدین محمد شاہ ابن خجستہ اختر جہاں شاہ نبیرہ بہادر شاہ -
تدسیر بیگم کے بطن سے ۱۵ رزی قعدہ ۱۱۱۳ھ میں پیدا ہوا۔ ۱۸ برس کی عمر تک سلیم گڑھ
کے قلعہ میں محبوس رہا۔ ماں زندان میں ساتھ ہی۔ عبداللہ خاں نے غلام علی خاں کو بھیج
کر قلعہ سلیم گڑھ سے اُن کو بلایا۔

تخت نشینی ۱۵ رزی قعدہ ۱۱۱۳ھ کو دوش اختر فتح پور میں تخت نشین ہوا۔ ابو الفتح
ناصر الدین محمد شاہ اپنا لقب دکھا۔

۷ روضن اختر بود اکفوں ماہ شد

یوسف از زندان برآمد شاہ شد

شاہ کی شاہ شہر نج سے زیادہ کوئی حیثیت نہ تھی۔ تدسیر بیگم امور ملکی کے دقائق اور معاملات
کے غوامض میں اس نے صائب اور فہم دسار کھتی تھی۔ وہ حسب صلاح وقت سرشتہ محرم و احتیاط
کو ہاتھ سے نہیں دیتی تھی۔ سیدوں کے خلاف کوئی کام نہ ہونے دیتی۔ پندرہ ہزار روپیہ
ماہوار اس بیگم کو ملتا تھا۔

میر جملہ صدارت کل کی خدمت پر مامور کئے گئے۔ رتن چند کل امور ملکی و مالی کا نگران
کیا گیا۔ سادات بارہ کے اعزاء بڑے عہدوں پر ممتاز کئے گئے۔ شاہ نے بنت فرخ نسیر
سے عقد کیا۔ جشن منایا گیا۔

سیدوں کے اقتدار سے دوسرے امراء ان سے عداوت رکھنے لگے اور یہ بھی خفیف الحکمت
تھے۔ فرخ نسیر کے طرفدار جھیلارام ناگر نے ۱۱۴۹ھ میں صوبہ الہ آباد میں بغاوت کر دی۔ اس کا
بھتیجا گروہر بہادر بھی اس کے ساتھ ہو گیا۔ دونوں حکومت کے مخالف ہو گئے۔
جھیلارام نے یکا یک نومبر ۱۱۴۹ھ بعد از فوج انتقال کیا۔ گروہر سے صلح کرنا چاہی لیکن

وہ راضی نہ ہوا تو سیدوں نے اودھ کی صوبہ داری اور عطا کی۔ نظام الملک کی طلبی ہوئی۔ وہ سیدوں کی وجہ سے ادھر نہیں آیا بلکہ اُن سے اسیر گڑھ کا قلعہ فتح کر لیا۔ حسین علی عاجز بادشاہ کو ہمراہ لے کر نظام سے مقابلہ کرنے روانہ ہوا۔

محمد امین المناط بہ سعادت خاں عرصہ سے سید برادران کی قوت کو توڑنا چاہتا تھا۔ میر حیدر علی کو حسن علی کے پیچھے لگا دیا۔ اُس نے راہ میں پالکی میں درخواست حسین علی کو دی وہ پڑھنے میں مشغول ہوا۔ میر صاحب نے پیٹ میں ٹھہرا گھونپ دیا۔ سید عبداللہ دلی میں تھے وہ فوج لے کر بادشاہ کے مقابل آئے۔ شکست کھا کر گرفتار ہوئے۔ قید میں قید ہستی سے آزاد ہوئے۔ اول الذکر ۱۲۱۸ء میں فرخ میر کے انتقام میں اپنے کئے کو پہنچے۔ دوسرے بجائی ۱۲۲۰ء میں بجائی کے پہلو میں اجمیر میں جاسوئے۔ اہل علم کے قدردان سخی مشہور تھے۔ علامہ عبدالجلیل بلگرامی اُن کے بڑے ملاح تھے۔ اُن کے بعد نظام الملک دکن سے آگیا اور وزارت پر مرفراز ہوا۔ یہ عقل اور دانا شخص تھا اُس نے مملکت کا انتظام کرنا چاہا۔ مگر دیگر امراء اُڑے آتے رہے۔ ناجبر جے سنگھ نے جزیہ بند کر دیا۔ آخرش دربار کی بدتر حالت ہو گئی اور شہر میں بلامنی پھیلنے لگی تو نظام الملک دکن لوٹ گیا اور خود مختار حکمران بن گیا۔

قوم مرہٹہ | سیواجی نے اپنی قوم کو قابلِ توجہ بنایا۔ عالمگیر نے اپنے زمانہ میں اس طاقت کو ابھرنے نہ دیا۔ سیواجی ۱۶۷۴ء میں فوت ہوا۔ شاہانہ حملوں کی صدات سے یہ قوم ریزہ ریزہ ہو کر غبار بن چکی تھی۔ پھر بہادر شاہ کی کوتاہ نظری اور غفلت شہادی نے سرے سے اُن میں زندگی کے آثار پیدا کر دیئے۔ دوبارہ قوت عود کر آئی۔ سکھ جو دیشیوں کے جرگہ سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے تھے وہ بھی طاقت ور ہو کر شاہی مردادوں سے ٹکریں بنھانے کے لئے میدان میں نکل آئے۔ فرخ میر اور عہد محمد شاہ میں سکھ اور مرہٹے پوری قوت کے حامل تھے حسن علی اور نظام الملک نے اُن کی پشت پناہی کی۔ اپنے اقتدار کے لئے ان کو مغلیہ سلطنت سے بھڑکنے کی شہ دی بلکہ حسن علی نے محمد شاہ سے اُن کو فرمان صوبہ داری بھی عطا کر لیا

مگر اُن کی سرشت بے دفا تھی۔ موقعہ پا کر مرہٹوں نے دلی پر حملہ کر دیا۔ مگر اہل دلی نے مقابلہ کر کے عزت سے پسپا کر دیا۔ اس زمانہ میں نادر نے ہندوستان پر حملہ کی ٹھانی۔

نادر شاہ

نادر شاہ نے اشرف شاہ کے عہد میں عروج پایا کہ پہلے خراسان سے ابدالیوں کو نکال دیا۔ اشرف شاہؒ میں کرمان اور قندہار کے درمیان مارا گیا۔ ترکوں نے ایرانیوں کی حدود پر قبضہ کر لیا۔ یہ اُن سے لڑنے چلا تھا کہ خراسان میں کچھ شور مچا ہو گئی۔ واپس آ کر خراسان فتح کیا۔ پھر ہرات لیا۔ یہاں سے شاہ طہاسب کو معزول کر کے اُس کے نابالغ لڑکے کو برائے نام تخت پر بٹھایا۔ پھر قندہار کو فتح کر لیا۔ تب اُس کی نظریں ہندوستان پر اُٹھنے لگیں۔ نادر شاہ نے ایک قاصد محمد شاہ کے پاس بھیجا۔ یہاں سے نوشی سے فرصت کہاں تھی کہ قاصد باد یاب دربار کیا جاتا۔ آخرش نادر شاہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ انڈس عبور کر کے پنجاب کی طرف بڑھا۔

لاہور پہنچتے ہی گورنر صوبہ سے مقابلہ ہوا۔ وہ تاب مقابلہ نہ لاسکا۔ نادر شاہ دہلی سے سومیل قریب پہنچ گیا۔ سلاٹے محمد شاہی فوج بھی آگئی۔ خان دوراں خان کانڈر انجیفت سمخت مقابلہ کے بعد زخمی ہو گیا۔ جانبیری کی امید نہ رہی۔ میدان سے پڑاؤ پر لایا گیا۔ آصف جاہ عیادت کو پہنچے۔ تھوڑی دیر میں خان دوراں نے آنکھ کھولی اور آہستہ سے اتنا کہا کہ خیر ہم تو اپنا کام کر چکے اب تم لوگ جانو اور تمہارا کام۔ مگر اتنا کہہ دیتے ہیں کہ بادشاہ کو نادر کے پاس اور نادر کو شہر میں نہ لے جانا۔ جس طرح ہو سکے اس بلا کو یہیں سے ٹال دینا۔ محمد امین خاں برہان الملک اودھ سے آگئے تھے اور میدان جنگ میں دادِ شجاعت دیتے رہے تھے۔ ہاتھی پر بیٹھ کر قزلباشوں کی فوج پر تیر برباد رہے تھے کہ قزلباش چاروں طرف سے گھرائے۔ ایک جوان نیشاپوری اُن کا ہمنوا اور یار تھا۔ گھوڑا اُڑا کر اُن کے پاس پہنچا اور آواز دی کہ :-
محمد امین دیوانہ شدہ کہ جنگ می کنی و بچہ اعما د جنگ می کنی ۔

برہان الملک نے بادشاہ کی نمک خواری کا بھی خیال نہ کیا۔ قزلباشوں کے ساتھ نادر شاہ کے پاس حاضر ہوئے۔ نادر شاہ نے جرم بخشی کر کے عنایت فرمائی۔ برہان الملک کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھایا۔ چنانچہ اُس نے مصلحت آمیز باتیں کر کے نادر شاہ کو اس بات پر راضی کر لیا کہ حضور ایک معقول نذرانہ لیں اور ہمیں سے وطن واپس تشریف لے جائیں۔ نادر شاہ اس بات پر راضی ہو گیا۔ برہان الملک نے ایک عریضہ میں یہ سب حال بادشاہ کو لکھ بھیجا۔ محمد شاہ نے آصف جاہ بہادر کو روانہ کیا۔ اُس نے برہان الملک کے ذریعہ نادر شاہ سے ملاقات کی۔ بعد گفتگو کے پھر آیا کہ دو کروڑ روپیہ لعل بے بہا لیجئے اور یہاں سے اپنے وطن بخیر و خوبی مراجعت کر جائیے۔

شاہ نادر نے آصف جاہ اور برہان الملک کی بات منظور کر لی۔ آصف جاہ عہد پیمان کر کے وہاں سے رخصت ہو کر محمد شاہ کے حضور آیا۔ اس کا رگداری کو اس عنوان سے بیان کیا کہ محمد شاہ آصف جاہ کی دولت خواہی سمجھے۔ برہان الملک کی حسن خدمت کا کوئی ذکر ہی درمیان میں نہ آیا۔ محمد شاہ نے خان دوراں اور امیر اللمرائی کا خطاب اور خلعت بے بہا آصف جاہ کو عنایت کیا۔

برہان الملک وہاں امیر اللمرائی کے منصب کو اپنا حق سمجھے بیٹھا تھا۔ اُس نے جب آصف جاہ کے خطاب و خلعت کا حال سنا تو بہت بگڑا اور بیچ و تاب کھایا اور نادر شاہ سے کہا کہ حضور نے کیا غضب کیا جو ہندوستانی کے قادیانی خزانہ کو چھوڑ کر دو کروڑ روپیہ پر رضا مند ہو گئے۔ یہ بدمقام فقط غلام ادا کر سکتا ہے۔ بادشاہی خزانے اور امراء و مہاجنوں کے گھرانوں کے کیا ٹھکانے ہیں؟ شہر یہاں سے صرف چالیس کوس ہے حضور وہاں تکلیف فرمائیں۔ نادر شاہ نے اپنے ارادے کو بدل دیا اور دلی چل کھڑا ہوا۔ آخر کار ہر دو بادشاہ نے ملاقات کی۔ مارچ ۱۷۳۹ء کو دونوں بادشاہ لال قلعہ کی طرف بڑھے۔

میل ملاپ کی باتیں ہو رہی تھیں دہلیویں اور مغلوں سے چل گئی۔ نادر شاہ نے قتل عام کا حکم دیا۔ کوئی تیس ہزار مقتول کہتا ہے کوئی چالیس ہزار۔ آصف جاہ کے عرض

معروض پر نادر نے تلوار میان میں کی۔ تخت طاؤس لیا۔ بقول مسٹر اسکاٹ توڑے لاکھ پونڈ کی لاگت کا تخت طاؤس تھا۔ مگر چہل نصائح شاہجہانی نے سات کروڑ قیمت تخت کی لکھی ہے اور نادر جو جواہر شاہجہانی خزانہ سے لے گیا وہ بیس پچیس کروڑ سے کم نہ تھے۔ غرضیکہ نادر شاہ صد ہا ہاتھی اور شاہی سواری کے گھوڑے بیسیوں ہر قسم کے کاگیر اور علوی خاں طبیب کو لے کر اپنے ملک واپس پھرا۔ حکومت مغلیہ کی اس واقعہ سے رہی سہی آبرو جاتی نہ ہی۔ لشکر تباہ ہوا، خزانہ خالی ہو گیا۔ نادر شاہ کا آنا اور مغلیہ سلطنت کا ڈھانچے کو توڑ مروڑ کر چلے جانا سردار باجے راؤ کے حق میں مفید ثابت ہوا۔ اور اس کو اپنی حوصلہ آزمائی کا پورا موقع ہاتھ لگا۔

غرضیکہ نادر شاہ نے محمد شاہ کو تاج و تخت بخش دیا۔ اب سلطنت کا خزانہ خالی ہو گیا اور دریائے سندھ کے مغربی صوبے بھی ایرانیوں کو دیدینے پڑے۔

مرکز کے کمزور ہونے سے سکھوں اور راجاؤں نے مل کر سر ہند پر حملہ کیا اور اپنا ایک سردار مقرر کیا۔ مراٹھوں نے دکنی اور مغربی صوبوں میں اپنی حکومت قائم کر لی اور بہار، بنگال اور اڑیسہ پر دھاوے کرنے لگے۔

گنگا کے دو آب میں علی محمد خاں روہیلہ نے ملک کو کما کوں کی پہاڑی تک اپنے قبضہ میں کر لیا۔ سعادت علی خاں اودھ میں، علی وردی خاں بنگال میں، آصف جاہ نظام الملک دکن میں خود مختار ہو گئے۔ غرضیکہ ۱۷۰۷ء میں محمد شاہ فوت ہوا۔

محمد شاہ کا علمی دور

محمد شاہ (۱۱۳۱ھ - ۱۱۶۱ھ) کے زمانہ میں نواب ثمر الدولہ ارادت خاں نے دلی کے بازار دربار میں سردار ایک مدرسہ ۱۱۲۵ھ میں تعمیر کرایا۔ اس مدرسہ سے ملحق ایک مسجد بھی ہے۔ اس کی پیشانی پر یہ ایک منظوم کتبہ کندہ ہے جس کے آخری شعر سے تاریخ نکلتی ہے۔

سال تادیخ بنا گفت خرد قبل حج ارادت کیشاں

ایسی طرح احمد آباد گجرات میں اسی زمانہ میں مولانا نور الدین احمد آبادی متوفی ۱۱۵۰ھ

نے ایک عالی شان مدرسہ تعمیر کرایا اور اس میں ان کی مسند درس بھی ہوئی تھی اور درس و تدریس کا فیض جاری تھا۔

بہادر شاہ اول کے زمانے میں ایک مدرسہ فرخ آباد میں فخر المربع کے نام سے قائم تھا۔ اس کے بانی ایک صاحب علم مولوی ولی اللہ نامی تھے۔ مولوی علیم الدین اور مولوی نعیم الدین نے اس مدرسہ میں تعلیم پائی تھی۔ اسی طرح اس دور کے چند دیگر مدارس کے تذکرے ملتے ہیں جن کے نام گنانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ لیکن اسلامی سلطنت کے دورِ انحلال میں ہونے کی وجہ سے ان مدرسوں کا کوئی تعلق حکومت سے نہیں تھا۔ کیونکہ جاہ پسند امراء مختلف صوبوں کی ولایتوں اور بڑے عہدوں پر قابض تھے۔ ان کے پیش نظر سب سے زیادہ ان کی ذاتی سیاسی مصلحتیں تھیں۔ ان مدارس کا سارا بار دیندار باب ثروت اپنے اوپر اٹھائے ہوئے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ سلطنت کی ابتری کا اثر ملک کے تعلیمی نظام پر بھی طاری ہوا۔

چنانچہ سلطنت کے دورِ زوال کے شروع ہونے کے کچھ دنوں بعد عمومی طور سے ہندوستان کے تعلیمی نظام اور اسلامی مدرسوں میں اختلال پیدا ہوا اور اس دور میں اگر کسی فرمانروا کے زمانہ میں کہیں کوئی مدرسہ تعمیر پایا یا تعلیمی وظیفے جاری ہوئے تو عمال سلطنت نے بڑے بڑے تعلیمی اوقات بھی ضبط کر لئے۔ چنانچہ مولانا غلام علی آزاد نے اس دور کی تعلیمی رفتار کا نقشہ مؤثر انداز میں کھینچا ہے اور اسی سے سامنے ہندوستان کے تعلیمی حالات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

”تا آن کہ برہان الملک سعادت خاں نیشاپوری در آغاز جلوس محمد شاہ حاکم صوبہ اودھ شہر و اکثر بلاد عمدہ صوبہ الہ آباد نیز مثل دارالطینور جون پور۔ بنارس۔ غازی پور۔ کٹڑہ۔ مانک پور۔ کوڑہ جہان آباد وغیرہا ضمیمہ حکومت گردید و طاقت و سیور غالات خاں داد ہائے قدیم و جدید یک قلم ضبط شدہ و کار شرفاء بر پریشانی کشید و اضطرار معاش مردم آں جابجا از کسب علم بازداشتہ در پیشہ سپہ گری انداخت و رواج تدریس

و تحصیل برآں درجہ نہ ماند مدرسے کہ از عہد قدیم معدن علم و فضل بود یک علم
خراب افتاد و انجمن ارباب کمال بیشتر بر ہم خورد
إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

بعد از تاحال برہان الملک نوبت حکومت بہ خواہر زادہ ادواہ المنصور خان صفدر
جنگ رسید و ظائف و اقطاع بہ دستور زیر ضبط ماند و در اواخر محمد شاہ
۱۱۵۹ھ صوبہ داری الہ آباد نیز بہ صفدر جنگ مقرر شد۔ و نتیجہ و ظائف
آں صوبہ کہ تاحال از آفت ضبط محفوظ ماندہ بود بہ ضبط درآمد و در عہد
احمد شاہ صفدر جنگ بہ پایہ وزارت اعلیٰ صعود نمود نائب صوبہ اکابر ارباب
و ظائف تنگ تر گرفت و تاحین تحریر کتاب ایں دیار پامال حوادث
روزگار است " لہ

بایں ہمہ ہندوستان کے دیندار علماء اپنے دینی اخلاص، اصلاح و تقویٰ اور
ایجاد سے ہندوستان کے قدیم اسلامی نظام کی عمارت کو اپنے ہاتھوں سے سنبھالے
رہے۔ مدرسوں کی بوسیدہ عمارتوں میں قال اللہ و قال الرسول کا درس جاری رکھا۔ پھر
اس دور سے اس زمانہ تک ایسے ارباب خیر بھی رہے جو مدرسوں کو چلاتے۔ نئی عمارتیں
بنواتے اور طلباء کے لئے معارف کا بادل اٹھاتے رہے۔ بڑا ہم اثر

شاہ ولی اللہ صاحب کا درس و تدریس

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے اپنے والد ماجد شاہ عبدالرحیم سے علوم کی تحصیل
کی اور پھر اپنے والد کے مدرسہ کی مسند درس پر بیٹھے۔ پھر حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت شاہ
محمد اسحاق، حضرت عبدالقادر اعلیٰ اللہ مقام باری باری جلوہ افروز ہوئے اور اس سرچشمہ فیض سے
خاص طور پر علم حدیث ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہنچ گیا۔

لہ آثار الکرام

فرنگی محل

ہندوستان کے مشہور دارالعلم فرنگی محل لکھنؤ کے مدرسہ نظامیہ کی ابتداء بھی عالمگیر ہی کے عہد میں ہوئی ہے۔ قصبہ (سہالی (اودھ) کے مشہور صاحبِ دین ملا قطب الدین کی شہادت کے بعد عالمگیر نے اُن کے صاحبزادوں کو لکھنؤ کے فرنگی محل میں ایک قطعہ مکان مع متعلقہ عمارتوں کے ساتھ میں عنایت کیا۔

ملا قطب الدین سہالوی کے چھوٹے صاحبزادے ملا نظام الدین نے جوانی میں ۱۷ سال کے تھے اسی عہد میں مسندِ درس قائم کی جسے مدرسہ نظامیہ کا مشہور لقب حاصل ہوا اور اس کا مرتب کیا ہوا نصابِ تعلیم دو صدیوں تک بلا اختلاف ہندوستان میں رائج رہا اور آج بھی ہندوستان کے قدیم عربی مدرسے نصابِ تعلیم میں بہت کچھ تبدیلیاں قبول کر لینے کے باوجود اسی نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ آج فرنگی محل کے مدرسہ نظامیہ پر تقریباً اڑھائی سو برس گزر چکے ہیں۔ اس مدت میں سینکڑوں علماء اور فضلاء اس خانہ میں پیدا ہوئے اور اس مدرسہ کی مسندِ تعلیم کو مسلسل قائم کر رہے اور ان کے دامنِ تعلیم و تربیت سے ہزاروں علماء پیدا ہوئے جنہوں نے ہندوستان کے چہ چہ کو علم و تعلیم کی روشنی سے منور کیا۔

فرنگی محل کے ان اکابر علماء میں جو درس و تدریس میں اپنے وقتوں میں فن کے امام اور مسلم استاد تھے، ملا نظام الدین، مولانا بحر العلوم عبدالعلی، مولانا عبدالوالی، مولانا عبدالکیم، ملا حسن، ملا حسین اور مولانا عبداللہ فرنگی محلی وغیرہ ہیں۔

مغلوں کے دورِ حکومت کے آغاز سے عالمگیر کے زمانہ تک میں تعلیم کی اشاعت پر سلاطینِ امراء اور ہر عہد کے علماء و فضلاء کی جو توجہ رہی اس کا اثر یہ تھا کہ ہندوستان کے مختلف صوبے، گجرات، پنجاب، دہلی، آگرہ، سندھ، دکن، بنگال، بہار، جونپور،

۱۔ مقالاتِ شبلی۔

اودھ اور الہ آباد مختلف ادوار میں تعلیم کے مرکز رہے اور ان کی تعلیمی خدمات عالمگیر کے عہد تک خصوصیت کے ساتھ جاری رہیں۔ مولانا غلام علی آزاد نے مائثر اکرام میں مشرقی ہندوستان کی عمومی اور اودھ الہ آباد کی خاص طور پر تعلیمی حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔ لکھتے ہیں :-

دوسرے میں پورب انڈیم الایام علم و علماء است۔ اگرچہ جمیع صوبجات ہند یہ وجود حاملان علوم تغاخر دارند سیما حصار ہائے تخت خلافت کہ بہ واسطہ مرجعیت صاحب کمالان ہر قسم دریاں جافراہم می آیند و از تراکم افکار و اجتماع عقول اہل ہر عصر کمالات نفس ناطقہ را چہ علم عقلی و نقلی و بیہ غیر آن با پایہ بالا بالاتر می رسانند اما صوبہ اودھ و الہ آباد خصوصیتہ دارد کہ در تیج صوبہ نہ توں یافت چہ تمام صوبہ اودھ و اکثر صوبہ الہ آباد بقاصلہ پنج کردہ نہایت ذہ کردہ تخمیناً آدمی شرفاء و بیش بہا است کہ از سلاطین و حکام و ظالفت و زمین مدد معاش داشتہ اند، مساجد و مدارس و خانقاہات بنا نہاد و مدرسان عصر ہر جا ابواب علم بر روی دانش پردازان کشادہ و صدرائے اطلباو العلم در دادہ و طلبہ علم شیل غیل از شہرے بہ شہرے می روند و ہر جا موافقت دست بہم داد و بہ تحصیل مشغول می شوند و صاحب توفیقاں ہر محورہ طلبہ علم را نگاہ می دارند و خدمت این جماعہ را سعادت عظمی می دانند صاحبقران ثانی شاہجہاں انار اشراف را نہ می گفت پورب شیراز مملکت ما است و تا حد و دست ۳۰ ہنگام علم و علما درین کل زمین گہ می داشت ”

مدرسہ شہاب بیہ

قاسمی شہاب الدین بن محمد حسن ادہمی نے اپنی نشست گاہ کو مدرسہ کی تشکیل دی۔
”از علمائے وقت بود کہ سب کمال از خدمت مولوی عبدالرحیم را و آبادی تلمیذ مولوی عبدالکیم سیالکوٹی نمود و در جمیع علوم سمانیتہ و ہندسہ عدیم المثل بود“۔

۱۔ عبدالسلامی کا ہندوستان ۲۔ مائثر اکرام۔

حکیم عبدالحکیم نرہۃ العواطر میں لکھتے ہیں :-

”وقرأ لعلم علی شیخ قطب الدین بن عبدالحکیم النصارى السہالوی وقرأ علیہ ولد القاضی قطب الدین گوپاموی ومولانا محمد صالح بنگالی ومولانا محمد اشرف شارح سلم وقاضی مبادک کمانی رسالۃ القطبیۃ وفاتش در عشرہ ثالث بعد مائۃ الف واقع شد سنہ ۱۱۳۰ھ -

آپ کے انتقال کے بعد ملا قطب الدین گوپاموی نے اس مدرسہ کی مسند تدریس سنبھالی۔ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں :-

”ملا قطب الدین عالم متبحر و مشہور مدرس بودند او شاگرد پدر بزرگوار در علم معلوم و منقول و سراسر روزگار بود بحکم ارشاد در فنون ریاضی رایت مہارت با اسامی افرخت و اہلہ مستفیدان را بہ اششہ کمال لبریزی ساخت“

مولوی مصطفیٰ علی خاں تذکرہ انساب میں آپ کے متعلق رقمطراز ہیں :-

در خدمت ایشان زیادہ از چار صد کس فارغ التحصیل شدند و از بنگالہ تا پنجاب شاگردان ایشان درمی گویند بہت و پنجم رمضان ۱۱۳۰ھ در آغوش بہشت امید ہے مولوی محمد سعید جعفری القادری بدایونی، قاضی محمد عظیم بن شیخ کفایت اللہ گوپاموی شارح سلم العلوم بہادریؒ ملا صاحب کی مسند درس پر ملا واج الدین میر فراز مہوٹے صاحب ذہن رہاتھے۔ منطق میں یدِ طولی تھا۔ مولانا فضل امام خیر آبادی آمدنامہ میں لکھتے ہیں :-

صاحب ذہن ثاقب صاحب وطور دقیق بودند طبع دقائن علی غوب می رسید در علوم اصول نظیر خود داشتہ در ہدایہ دانی مشہور بود خلق کثیر و حلقہ درس او حاضر شدہ استفادہ علوم می کردند۔ ۱۱۳۰ھ

مولانا عبدالمجید کرمانی خیر آبادی مولوی دیدار علی جاسی مجتہدی لکھنوی ارشد تلامذہ سے تھے۔ سنہ ۱۱۳۰ھ میں انتقال کیا۔

۱۔ تذکرہ انساب مولوی مصطفیٰ علی خاں گوپاموی ۱۱۳۰ھ مآثر اکرام ۳۔ تذکرہ الواصلین ص ۲۲
۲۔ ارغمان یادِ صغیر ۱۱۳۰ھ آمدنامہ قلمی ملک انتظام الشہرہابی کراچی۔

وہاج الدین بحق فرمود لیے

اس کے بعد ملا قطب ثانی نے درس سنبھالا۔ پھر صاحب درس عماد الدین ہوئے۔ ان کے بھائی فرید الدین چکلا دار تھے۔ اُن کے وقتوں میں مدرسہ کی عمارت گیر گئی۔ درس و تدریس کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

حمد اللہ سندیلوی کا مدرسہ

حمد اللہ شاگرد ملا نظام الدین کے تھے۔

» در قصبہ سندیلوی من مضافات لکھنؤ مدرسہ کلاں بنا تھا۔ بھمت مصارف مدرسہ چند دیر از پیشگاہ بادشاہ وقت (محمد شاہ) دہلی مخاطب بہ فضل اللہ خاں بودنوالیہ صوبہ دار ادوہ ہوئے۔ ستارہ بدل برادرانہ داشت۔ بیاسے علماء و فضلاء نامدار اندسائیہ و امن تربیتش سربرا آوردہ اند دہلی ۱۱۶۰ھ «

اقاضی احمد علی سندیلوی، ملا باب اللہ جونپوری۔ محمد اعظم، مولوی عبداللہ تھنیفات قلا ملہ میں شرح تصدیقات سلم العلوم معروف سجد اللہ حاشیہ شمس بازغہ و حاشیہ صدر او شرح زبدۃ الامول عالمی معروف و مشہور ہیں۔ مدرسہ شیخ حامد قادری لاہور میں انہی کی خانقاہ میں تھا جہاں شیخ حامد خود درس دیتے تھے۔ ان کا انتقال ۱۱۶۶ھ میں ہوا۔

عالم باعلیٰ فقیر کامل شیخ مقدس تھے۔ اس مدرسہ کے لئے محمد شاہ نے پچاس بیگہ زمین نزروم واسطے مصارف عطا کی تھی۔ اس کا فرمان مصنف تحقیقات حقیقہ کے گھرانہ میں موجود ہے۔ حامد قادری کے بعد مولوی خان محمد مدرس رہے۔ مسجد کی امامت بھی کرتے تھے۔ پھر حافظ رحمت اللہ قائم مقام ہوئے۔ ان کے شاگرد حافظ دائم تھے۔

درس میاں وڈا (حافظ محمد اسماعیل) بادشاہ نے دیہہ جاہان مزروعہ گردونواح خانقاہ معافی عطا کی۔ اسماعیل کے بعد محمد صالح ان کے بعد حافظ محمود درس دیتے تھے۔ مدرسہ میاں تیمور اس کے شاگرد خان محمد جو علم فقہ اور حدیث میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔

۱۔ مواقیت الفوائد از قاضی نجفی علی خاں بہادر گوباموی قلمی (ملک کتب خانہ باوریدہ گوبامو) ۲۔ اولیٰ ہند ۳۔ ص ۱۱۰
۳۔ تحقیقات حقیقیہ صفحہ ۳۰۹ و ۳۱۰ ۴۔ ایضاً ص ۳۹، ۳۹۸ ۵۔ ایضاً ص ۴۰۔

مدرسہ قاضی مبارک دہلی

قاضی مبارک بن دائم اہم ہی ذہن رسا و طبیعت عالی داشت۔ و فضائل و کمالات
بسیار می داشتہ۔ چنانچہ مردمان شاہ جہان آباد ایشان را امام اعظم ثانی می گفتند۔
قاضی شاگرد مطلقہ الدین گویا موی است و بعضے کتب از شاہ حاجی صفت اللہ
خیر آبادی اخذ کردہ۔

مولوی عبدالحیٰ نرہتہ الخواطر میں لکھتے ہیں۔

”و تلقی العلم فی عصرہ عن القاضی شہاب الدین گویا موی۔“

قاضی نے اگرچہ جاکر سید زاہد بن اسلم ہروی سے علوم معقول کی تحصیل کی۔ وہاں سے ہی
اگر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آپ کے مدرسہ سے مولوی محمد علی بدایونی۔ حکیم سید
امام الدین دہلوی، مولوی محمد میرانی کشمیری ملا نور محمد کشمیری قاضی محمد امیر جیسے حضرات فارغ
التحصیل ہو کر تھکت ہوئے۔

۱۲۲۰ھ میں جہد احمد شاہ وفات پائی حسن خاتمہ مادہ تاریخ ہے۔

شیخ غلام مصطفیٰ مراد آبادی :-

”انسان کامل بود در احاطہ علوم عقلی و نقلی متاز اماثل تحصیل معقولات بیشتر از ملا
قطب الدین شہید ہالوی نمود و بندے در حدیث شیخ غلام نقشبند لکھنوی تلمذ کرد۔“

لاہور پور میں مولانا شاہ محمد رکن الدین قلندر نے درس گاہ قائم کی۔ خود درس دیتے
تھے۔ اُن کے بعد صاحبزادے شاہ محمد اسماعیل نے اس مدرسہ کو ترقی دی اور خود جملہ معارف
برداشت کرتے تھے۔

۶

۱۔ آمدنامہ قلمی ۲۔ تذکرۃ الانساب للمولوی مصطفیٰ علی خاں گویا موی قلمی ۳۔ مرد آزاد ص ۶
۴۔ سیر العلماء ص ۶۔

احمد شاہ بادشاہ

غزوہ بیع الثانی ۱۶۱ھ میں احمد شاہ تخت سلطنت پر بیٹھا۔ عمر بیس سال کی تھی۔ اُس کے دربار میں لائق اہل کار جمع ہو گئے۔ آصف جاہ نظام دکن کو وزارت کے لئے طلب کیا مگر سال جلوس ہی میں وہ فوت ہو گیا تو ابوالمنصور خاں کو وزارت دی۔ عمدۃ الملک مدارالمہام کو برہان الملک کا خطاب عنایت ہوا۔ آصف جاہ کے چہرے بیٹھے تھے میر محمد شاہ ملقب غازی الدین خاں فیروز جنگ۔ دوسرے میر احمد ملقب ناصر جنگ جو باپ کی جگہ قائم مقام تھے۔ تیسرے پیر محمد ملقب صلابت جنگ۔ چوتھا میر محمد شریف خطاب برہان الملک تھا۔ پانچواں نظام علی خاں، چھٹا میر مغل، اس کا لقب ناصر الملک تھا۔ بادشاہ نے فیروز جنگ کو مشرف دیوان خاص اور بخشی گیری رسالہ عطا کی۔ ناصر جنگ کو احمد شاہ درانی کی آمد کے خوف سے طلب کیا تھا۔ درانی اپنی شمالی مہمات میں مصروف تھا۔ ناصر جنگ کو برہان پور سے واپس جانے کا حکم بھیج دیا۔ غرضیکہ سلطنت کا انتظام کر کے عیش و عشرت میں لگ گیا۔

وزیر الملک صفدر جنگ کی بن آئی۔ انہوں نے اپنے ہمسایہ روہیلوں کو پائمال کرنے کی ٹھانی۔

نواب علی محمد خاں مرے تو صفدر جنگ قائم خاں پسر محمد خاں بنگش کو آمادہ کیا کہ یہ موقع ہے سعد اللہ خاں پسر علی محمد خاں روہیلہ سے ملک چھین لے۔ وہ طمع میں آکر پٹھہ دوڑا اور بدایوں کے قلعہ میں اسے گھیر لیا۔ سعد اللہ خاں نے نکل کر مقابلہ کیا۔ قائم خاں مارے گئے۔ صفدر جنگ بادشاہ احمد شاہ کو لے کر کوئل آیا اور خود فرخ آباد پہنچا اور بیوہ قائم خاں سے ملک چھین کر قبضہ میں کیا۔ چند مواضعات اولاد کو بخشے۔ بادشاہ ۱۱۲۳ھ کو دہلی چلا آیا۔ نولہ رائے کو صفدر جنگ نے اس علاقہ پر اپنا نائب مقرر کیا۔

فرخ آباد گیا۔ اس زمانہ میں چکلمراد آباد میں حافظ رحمت خاں اور دوندے خاں نے ایک فتح حاصل کی تھی۔ احمد خاں نے دو ہیلوں کو ساتھ لے کر ۱۲۳۱ھ میں نول رائے پر حملہ کیا۔ اور جان سے مار ڈالا۔

صفر جنگ کو اس کا علم ہوا تو راجہ سورج مل جاٹ کو لے کر پٹھانوں سے ٹپٹنے آیا۔ مادہرہ پر مقابلہ ہوا۔ صفر جنگ زخمی ہوا اور شکست کھا کر دلی آیا اور وندارت جاتی ہوئی رشوت سے سنبھالی۔ احمد خاں نے اودھ اور الہ آباد لینا چاہا۔ الہ آباد پر حملہ کیا اور محاصرہ کر لیا۔ مگر صفر جنگ نے مرہٹوں سے مدد چاہی۔ ملہار راؤ ہلکر اور جی اپاسندھیا سے جن کو بالاجی نے ابھی مالوے بھیجا تھا اعانت کی درخواست کی اور سورج مل کو ہمارے لے کر اول جمادی الثانی ۱۲۴۱ھ کو کوچ کیا۔ جالیسر اور سعد آباد میں احمد خاں کی طرف سے شاد خاں حاکم تھا اُس کے مقابل آکر شکست دی۔ احمد خاں الہ آباد کا محاصرہ چھوڑ کر فرخ آباد آیا۔ بعد ازاں خاں دروہیلہ بھی مدد کو آگیا۔ ۱۲۴۱ھ میں حسین پور میں لڑائی ہوئی۔ دس ہزار افغان مارے گئے۔ احمد خاں اور سعد اللہ خاں زندہ نکل گئے اور کرہ کامیوں میں جا کر پناہ لی۔ صفر جنگ کی غایت سے مرحد کوٹل اور جالیسر سے لے کر کوہ ہمالیہ تک مرہٹوں کا تصرف تھا اور اُن کو اجازت تھی کہ جو تھائی وصول کریں۔ افغان بھی مرہٹوں کے ہاتھ سے تنگ تھے اُن کے توسط سے صفر جنگ سے صلح کر لی۔

یکایک خبر کوئی کہ احمد شاہ درانی لاہور کے قریب آ پہنچا ہے۔ معین الملک ناظم صوبہ نے چار ماہ تک مقابلہ کر لیا پھر میل کر لیا۔ بادشاہ کے خطوط صفر جنگ کی طلبی کے لئے اُس نے درانی کے خون سے ملہار راؤ کو معادنت کے لئے ذیہ خطیر کے وعدہ پر بلایا اور دلی کی طرف روانہ ہوا اور اُس سے ملے ہوئے کہ شاہ درانی کو شکست دے کر لاہور اور ملتان کا خود انتظام کرے۔ ابھی یہ دلی تک نہ پہنچے تھے کہ وہاں جاوید خواجہ جو بادشاہ کا منہ چڑھا ہوا تھا اور نواب بہادر اس کا خطاب تھا۔ اُس نے شاہ درانی کو صلح کا پیغام دیا اور لاہور اور ملتان دونوں متوبے دے کر صلح کر لی۔ احمد شاہ درانی ہر دو صوبے معین الملک کو دے کر چلا گیا۔ صفر جنگ دلی آیا اور بادشاہ سے کہا ملہار راؤ کو کیا منہ دکھاؤں؟ اور ذیہ خطیر

کہاں سے لاؤں؟

اس پر امیر لاکھنؤ فیروز جنگ خلف آصف الدولہ جو ناصر جنگ کے مرنے کے بعد دکن کے چھ مہلوؤں کے لئے بادشاہ سے درخواست کرتا تھا اور بادشاہ اُن سے بھاری نذرانے مانگتا تھا اُس نے کہا کہ اگر یہ مہلوے مجھے عنایت ہوں تو میں ملہار راؤ کو اپنے ساتھ لے جاتا ہوں اور جو روپیہ ٹھہرا ہے وہ دلادیتا ہوں۔ یہ درخواست منظور ہو گئی۔ ملہار راؤ دکن فیروز جنگ کے ساتھ رخصت ہوا۔ وزیر الملک نے خواجہ سرا کو اپنے مکان بلا کر مروا ڈالا جس پر بادشاہ صفدر جنگ سے بیزار ہو گیا۔ فیروز جنگ اپنے بیٹے شہاب الدین محمد خاں کو نیا بہت میں بخشی گیری پر چھوڑ گیا۔ فیروز جنگ اور نگ آباد پہنچا تو بھائی اُس سے لڑنے کے لئے آیا۔ مگر جنگ سے پہلے اجل کا حکم نامہ پہنچا۔

شہاب الدین کو باپ کا مال ہاتھ لگا۔ اگرچہ سولہ برس کا تھا۔ مگر آفت روزگار تھا۔ صفدر جنگ کی خوشامد میں لگا۔ اُس نے بادشاہ سے غازی الدین خاں عماد الملک کا خطاب اس کو دلادیا۔ اور بظاہر بیٹے کی طرح سمجھنے لگا اور اس فراق میں تھا کہ انتظام الدولہ خاں خانان کو جو قمر الدین خاں وزیر کا داماد تھا اور غازی الدین خاں اس کا بھانجا تھا ٹھکانے لگائے۔ مگر صفدر جنگ سے بادشاہ کو دلی نفرت ہو گئی تھی۔ اُس نے صوبہ اودھ جلنے کی اجازت لی، منظور ہو گئی۔ اہل شہر اس کا چلا جانا اچھا سمجھتے تھے مگر ہر روز شہر کے ارد گرد چکر لگاتا رہا کہ بادشاہ بلالے۔ سامنے شہر پر انتظام الدولہ اور غازی الدین خاں کا انتظام تھا اور شہر کے بُرجوں پر مورچے لگ گئے۔ فوج جمع ہونے لگی۔

صفدر جنگ نے یہ رنگ دیکھ کر سورج مل جاٹ اور اندر گائیں فوجدار یا دلی محال سہارن پور کو بلایا۔ اب طرفین سے مورچے قائم ہو گئے۔ دو ہیلہ مردان کو صفدر جنگ نے اپنی مدد کے لئے بلایا۔ بادشاہ کا شقہ بھیجا گیا۔ حافظ رحمت خاں اور نواب دو ندے خاں میرپوش ہوئے۔ سالدار نجیب خاں داماد دو ندے خاں میر مناقب شاہی سے ملے اور وعدہ کیا کہ بادشاہ کے ارشاد کی تعمیل کی جائے گی۔ اور کئی ہزار نفوس بسولی سے لے کر نجیب خاں دلی روانہ ہو گئے جب وہاں پہنچے ہیں ہزار کا مجمع ساتھ تھا شعبان ۱۱۶۶ھ

کو دربار شاہی میں اطلاع ہوئی۔ بسولی کا رسالہ درجانیساری کو حاضر ہے۔ غازی الدین خاں اکبر طے اور شجاع تہور دیکھ کر خوش ہوئے۔ نجیب خاں نے دہلی کی شہر پناہ کے نیچے خیمے لگا دیئے۔

مہمدر جنگ اپنے ولی نعمت کے مقابل دلی سے دو میل کے فاصلہ پر مورچے جھٹے پڑے تھے۔ نجیب خاں نے مقابلہ کیا۔ کشائیں مارا گیا۔ پھر مقابلہ پر سورج مل اور مہمدر جنگ میدان سے پسپا ہوئے۔ بادشاہ اس کا رگڑا دی پر بہت خوش ہوئے اور شرف باریابی بخشا اور نوبت معہ خلعت اور نوابی کا علم عطا ہوا۔ چھ ماہ یہ جنگ رہی۔ مہاراجہ رادھو سنگھ کچھواہر نے درمیان میں پڑ کر بادشاہ سے صلح کرادی۔ مہمدر جنگ مغلوب ہو گیا تھا۔ اودھ اور الہ آباد کی صوبہ داری پر قناعت پذیر ہو گیا اور دلی سے چلتا ہوا۔

خان خاناں وزیر اور غازی الدین خاں امیر الامراء مدار المہام سلطنت ٹھہرے۔ مگر اقتدار کی کمی بیشی سے باہمی لفاق پیدا ہوا۔ اعتماد الملک سورج مل سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ خان خاناں پچاس لاکھ پرسودا کر رہا تھا۔ عماد الملک نے مرہٹوں کی امداد پر بیروسہ کر کے سورج مل پر حملہ کر دیا۔ وہ قلعہ میں محصور ہو گیا۔ کئی ماہ گزر گئے۔ عاقبت محمود خاں کو دلی توپ خانہ لینے بھیجا خان خاناں نے مدد کی۔

انہی ایام میں عماد الملک نے نجیب خاں کو باون محال سہانہ پور پر قبضہ کرنے بھیجا۔ اس نے قبضہ کر لیا۔ عماد الملک محاصرہ کئے پڑا ہوا تھا۔ اس نے ملہار راؤ کو دلی بھیجا۔ اس نے لشکر پر حملہ کر دیا۔ بادشاہ قلعہ میں محصور ہو گئے۔ خان خاناں وزارت سے معزول کر دیئے گئے۔ عاقبت محمود وزیر مقرر ہوئے جس نے علماء کے مشورہ سے احمد شاہ کو تخت سے اتار دیا۔ ۱۱۶۷ھ کو قید خانہ میں بھیج دیا اور سلطان عز الدین بن معز الدین جہاندار شاہ کو تخت پر بٹھایا۔ لقب عالمگیر ثانی رکھا گیا۔ احمد شاہ نے چھ سال دس مہینے سلطنت کی۔

عالمگیر ثانی

عالمگیر ثانی کی حدود مملکت میں دو آبہ کے چند ضلع اور جنوب میں تلچ کے کئی ایک ضلع رہ گئے تھے۔ گجرات مرہٹوں کی پائمالی میں تھا۔ بنگال بہار اور اڑیسہ میں علی وردی خاں کے جانشین متصرف تھے۔ اودھ میں صفدر جنگ کا دور دورہ تھا۔ وسط دو آب میں بنگش حکمران تھے۔ روہیل کھنڈ میں حافظ الملک حافظہ رحمت خاں، نواب دوندے خاں نواب نجیب الدولہ، نواب محمد علی خاں کی جاگیریں تھیں۔ پنجاب احمد شاہ درانی کے حوالہ تھا۔ دکن میں نظام کی اولاد دست بگر بہاں تھی۔ انگریزی سوداگر بھی موقعہ کی تلاش میں گئے ہوئے تھے۔ اس وقت کا حال یہ تھا جو تحریر کیا گیا۔

کوائف سلطنت | آغازی الدین وزیر عالمگیر ثانی کے مقرر ہوئے۔ عاقبت محمد خلیفہ نے احمد شاہ کو اندھا کیا۔ خاں خانان کو ٹھکانہ لگایا۔ ۱۷۵۷ء

میں صفدر جنگ نے انتقال کیا۔ شجاع الدولہ جانشین ہوا۔ شاہ ابدلی کا ملتان و لاہور پر قبضہ تھا اُس نے معین الملک پسر قمر الدین خاں کو صوبہ داد کر دیا تھا۔ وہ گھوڑے پر سے گر کر مر گیا تو میر مومن خاں صوبہ داد ہوا۔ اس کی ماں مغلائی بیگم نگرانی پر مقرر ہوئی۔ مومن خاں کا بھی انتقال ہوا۔ پھر خواجہ موسیٰ دلا داد معین الملک صوبہ داد مقرر ہوا۔

بھکاری خاں بہتم جنگ کو مدارالمہام مقرر کیا مگر مغلائی بیگم نے اس کو غروا ڈالا۔ آدینہ بیگ نے ابدالی سے نائب صوبہ دادی حاصل کر لی۔ عماد الملک لاہور روانہ ہوا۔ اپنی ممانی کو خط لکھا کہ اپنی لڑکی کو جس کی نسبت اُس کے ساتھ ٹھہری تھی بھیج دیجئے۔ اُس نے معہ جہیز کے بھیج دیا۔ آدینہ بیگ سے میل کر کے ممانی کو گرفتار کر کر لہرہیمانہ بلایا اور عذر و معذرت کر لی۔ لاہور اور ملتان کی صوبہ داد سی تیس لاکھ روپیہ پیش کش لیکر مرزا آدینہ بیگ کو دیدی اور دی آگیا۔ اس کی خبر شاہ ابدالی کو لگی وہ قندھار سے ہو کر

لاہور پہنچا۔ عماد الملک نجیب خاں کو لے کر مقابلہ کو چلا۔ مگرولی دادخاں نے وزیر ابدالی سے مل کر شاہ سے قصور معاف کرایا۔

۱۷۷۱ء میں ابدالی دلی میں آیا۔ بادشاہ سے ملاقات کی اور شاہانہ اختیارات ہاتھ میں لے لئے۔ یہ وزیر کو بھی روپیہ وصول کر کے لائے۔ یہ دلی سے چلتا بنا اور فرخ آباد گیا۔ احمد خاں بنگش سے نذرانہ لیا۔ پھر شجاع الدولہ نے پانچ لاکھ روپے وصول کئے اور فرخ آباد لوٹ کر شاہ ابدالی کی حرکت کا منتظر رہا۔ شاہ ابدالی نے خاں بنگش کو مع فرج کے جاٹوں سے نذرانہ وصول کرنے بھیجا۔ انہوں نے مقابلہ کیا تو اگرہ کا رخ کیا۔ قلعہ دار سیف اللہ نے بھی دو دو ہاتھ کئے اور کئی لاکھ روپیہ نذرانہ دے کر بلا کوٹوالا۔ یہ درانی شہر متھرا پر جا کر رہے وہاں میلہ تھا اس کو ٹوٹا اور شہر کو ۱۷۷۱ء میں برباد کیا۔ اس کے بعد دلی کی کٹائی خوب دل کھول کر احمد شاہ نے کرائی۔ دو ماہ تک دلی ٹٹی۔ نادر گردی کو لوگ بھول گئے۔ پھر انوپ شہر گیا اور ملک کو تقسیم کر کے ۱۷۷۱ء کو اپنے ملک چلا گیا۔ نجیب خاں کو بادشاہ کا امیر الامراء مقرر کیا گیا۔

جانے سے پہلے احمد شاہ نے محمد شاہ کی بیٹی سے شادی کی اور اپنے بیٹے تیمور شاہ کی شادی عالمگیر ثانی کی بھتیجی سے کی۔ تیمور کو لاہور، ملتان، ٹھٹھہ کا ناظم مقرر کیا اور خان جہاں کو اُس کا سپہ سالار مقرر کیا۔

غازی الدین خاں عماد الملک فرخ آباد میں بیٹھا ہوا یہ سب حالات دیکھ رہا تھا۔ ابدالی کے جانے کے بعد عماد الملک نے احمد خاں بنگش کو امیر الامراء مقرر کیا اور دلی چلا اور رگھوناتھ داؤ اور ملہار داؤ ہلکر کو دکن سے بلایا اور دلی کا محاصرہ کیا۔ عالمگیر ثانی اور نجیب الدولہ محصور ہو گئے۔ ۱۷۷۱ء وز جنگ یہی۔ ہلکر کو بادشاہ نے رشوت دی۔ جب محاصرہ سے نجات ملی نجیب الدولہ اپنی جاگیر پر چلتے ہوئے عالمگیر ثانی نے ولی عہد عالی گرو کو اپنے پاس سے رخصت کر دیا۔ جو نجیب الدولہ کے پاس چلا گیا۔

تیمور شاہ سے آدینہ بیگ کی پھر گئی۔ آدینہ بیگ نے سکھوں کے جرگہ کو ہنوا کر کے دوا بہ بھیج دیا۔ انہوں نے خوب ٹوٹا۔ اس کے بعد اُس نے لگھناتھ ڈاڈا اور شمیر بہادر کو دکن سے بلایا۔ وہ شعبان ۱۰۱۱ھ میں پنجاب روانہ ہو گئے اور سر ہند اگر عبد الصمد خاں جو درانیوں کا نمائندہ تھا اُس کو لڑ کر مارا۔ لاہور اور پنجاب پر مرہٹے قابض ہو گئے۔ دُرانی بھاگ گئے اور اٹک پار ہو گئے، مرہٹوں نے آدینہ بیگ سے پچھتر لاکھ روپیہ لیکر صوبہ لدی دی اور دکن چلتے ہوئے اور جنگو جی کورا چوتوں سے لڑنے کے لئے دہلی چھوڑ دی۔ ۱۰۱۲ھ میں دیتاجی سندھیانے غازی الدین کے کہنے سے ہندوستان کو فتح کرنے کی ٹھانی۔ پنجاب قبضہ میں تھا۔ روہیل کھنڈ اور ادھ صرف لینا تھا۔ نجیب الدولہ پر حملہ بول دیا وہ سکرتال میں مقیم ہوا۔ نواب سعد اللہ خاں، نواب رحمت خاں حافظ الملک، نواب دوندے خاں نجیب الدولہ کی معاونت کے لئے آگئے۔ شجاع الدولہ بھی لکھنؤ سے چلے آیا۔ دیتاجی سندھیانے گوبند رام بندلیہ کو بیس ہزار کالشکر دے کر روہیل کھنڈ تالاج کہنے بھیج دیا۔ نجیب الدولہ گھر گئے۔ شجاع الدولہ کو وقت پر بلاوا پہنچا اور گوبند رام کی پٹائی اچھی طرح پٹھانوں نے کر دی تو ۱۰۱۳ھ میں شجاع الدولہ سے مرہٹوں نے صلح کر کے جان بچائی۔

لگھناتھ کو دے دکن لوٹے۔ سدا شیور اڈا نے احمد نگر پر قبضہ کیا تو اس کو غرور ہو گیا۔ اُس نے اُن سے کہا تم دکن سنبھالو میں ہندوستان پر قبضہ کرنے جاتا ہوں۔ ادھر دیتاجی سندھیانے مارا گیا اور ہلکر کی فوج تباہ ہوئی۔ اس خبر نے اُس کے ادادہ کو بچتہ کر دیا۔ سدا شیور اڈا عرف بھاؤ اور بالاجی راؤ سپر بسواس راؤ کو لے کر بڑے لاؤ لشکر سے دلی روانہ ہوا۔ ابراہیم گار دی افسر توپ خانہ تھا۔ جب عظیم الشان لشکر آگرا پہنچا تو وہ سورج کل جاٹ ہلکر کی وساطت سے بیس ہزار فوج کے ساتھ اس لشکر میں آ ملا۔

ادھر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے احمد شاہ ابدالی کو صورت حال لکھی اور نجیب الدولہ کو خطوط لکھے کہ ابدالی کو بلا کر مرہٹوں کی گوشمالی ایسی کرادو کہ یہ خدشہ ہی

جاتا ہے فتح مسلمانوں کی ہے یہ بشارت دی۔ ادھر خطوط احمد شاہ کو پہنچے اور تیمور کی بے دخلی کا علم ہوا تو وہ دس ہزار فوج لے کر روانہ ہوا اور جلد گنگا جمن کے دو آبہ میں آگیا۔ یہاں سعد اللہ خاں نجیب الدولہ احمد خاں بگلش حافظ رحمت خاں دوندے خاں، سرداران دوہیلہ سب حاضر خدمت ہوئے۔ اس وقت مرہٹوں کا لشکر بیس ہزار کے قریب اس ملک میں پھیلا ہوا تھا۔ دیتا سندھیا اور ہلکر سرگروہ تھے۔ احمد شاہ نے شاہ جہان آباد کے قریب باؤلی پر دیتا جی سندھیا کے گروہ پر حملہ کر دیا جس میں سندھیا مارا گیا۔ جنکو بقیہ فوج کو لے کر دکن چلتا ہوا۔

ہلکر کے لشکر پر شاہ پسند خاں اور شاہ قلندر خاں کو حملہ کرنے کے لئے شاہ درانی نے بھیجا۔ اُس کی ایسی پٹائی ہوئی کہ تین سو سوار لے کر بھاگ گیا۔ باقی لشکر مارا گیا یا قید ہوا پھر موسم برسات کا آگیا۔ شاہ جہاں آباد پر احمد شاہ تھوڑے درانی چھوڑ کر انوپ شہر چلا گیا اور شجاع الدولہ کو بلانے نجیب الدولہ کو بھیجا۔ یہ ان کو سمجھا کر لے آئے۔ دس ہزار فوج کے ساتھ ابدلی کے جھنڈے کے نیچے یہ بھی جمع ہو گئے مگر اُن کی خط و کتابت بھاؤ سے قائم تھی۔ بھاؤ مع مرہٹہ فوج کے اکبر آباد سے دلی روانہ ہوا۔ علاء الملک مستہرا میں اُن سے ملا۔ ہلکر بھی تیس ہزار سوار لے کر بھاؤ کے ساتھ ہو گیا۔ ۹ رزی الحجہ ۱۱۳۳ھ کو دلی میں بھاؤ داخل ہوا۔ سعد اللہ خاں کی حویلی میں آترا۔ قلعہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ یعقوب علی خاں بہمن زئی نے احمد شاہ کو مطلع کیا۔ کہلا بھیجا کہ دلی چھوڑ کر کجاو۔ بھائی نے دلی پر تصرف کیا۔ اُس نے جواہرات پر قبضہ کیا اور شہر کو لوٹا۔ مسجدیں گرا دیں۔ اس کے ساتھ بشواس راؤ، بلونت سنگھ، شمشیر بہادر، سورج مل، غازی الدین، راجہ کاشیواڑ، ہلکر، مہاجی سندھیا، ابراہیم خاں گادری، فتح خاں گادری، جنگوجی اور دوسرے سرداران راہزن تھے۔ باہمی مشورہ ہوا کہ بیٹشوا کے بیٹے بشواس راؤ کو دہلی کے تخت پر بٹھایا جائے اور وزیر اعظم شجاع الدولہ کو کیا جائے مگر چند روز کے لئے ابراہیم تاجپوشی ملتوی ہوئی۔ بھاؤ ساتھیوں کو لیکر مع لشکر بولبول کاشی رائے پانچ لاکھ تھے۔ درانی فوج ۱۰ ہزار تھی۔ ۱۱ جمادی الاول ۱۱۳۳ھ

لے تاریخ احمد ص ۱۲ -

کو کچ پورہ پہنچا۔ عبدالصمد خاں محمد زئی اور میاں قطب شاہ سرداران شاہ درانی فراہمی
 رسد کے لئے مقیم تھے۔ اُن پر حملہ کیا وہ شہید ہو گئے۔ یہاں سے آگے بڑھ کر پانی پت کے
 میدان میں فوج آجی اور مقابلہ پر شاہ درانی مع ہمایوں کے آگئے۔ پہلے چھیر چھاڑ دی
 پھر ہنگامہ کا زلزلہ گرم ہو گیا۔ اشرف الوزرا کی فوج بہت کام آئی اور نجیب الدولہ بھی
 دادِ شجاعت دے رہا تھا مگر غلبہ مرہٹوں کا تھا۔

شاہ درانی سرخ خیمہ سے نکل کر ایک اُدبھی جگہ پر کھڑا ہوا۔ میدان جنگ کا جائزہ
 لیا۔ شجاع الدولہ کی فوج سردہری دکھا رہی تھی۔ بھاؤ اور لبواس راؤ اپنی فوج کو خوب
 لڑا رہے ہیں اور اُن کا ہاتھی اکثر شجاع کی فوج میں آجاتا ہے۔ اپنی فوج کی طرف نظر
 ڈالی۔ شاہ ولی خاں جو قلب لشکر کا محافظ تھا اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر مرہٹوں سے
 نبٹ رہا ہے۔ مگر نازک وقت آچکا ہے۔ شاہ نے اپنے محافظ دستے طلب کئے اور اُن
 کو حکم دیا کہ توپ لے کر شجاع الدولہ کی فوج میں سے گزر کر لبواس راؤ کے ہاتھی کو توپ
 کے گولوں پر لہر لہو اور سرداران مرہٹہ لگھنا تھراؤ شمشیر بہادر جنگجو جو بھاؤ کے ارد گرد
 ہیں اُن پر ایک ساتھ ٹوٹ پڑو۔

غلاموں کے دستے رخصت کئے اور خود ٹی پچھا کر خدا سے گڑ گڑا کر دعائے فتح و
 نصرت مانگنے لگا۔ یکا یک توپ کی آواز آئی۔ سمجھ رہے تھے مراٹھا میدان کا زلزلہ پر
 نظر ڈالی۔ نقشہ جنگ بگڑ چکا تھا۔ توپ کا گولہ پشت سے ہاتھی پر لگا۔ لبواس اور خود
 زخمی ہوئے۔ بھاؤ کی آنکھوں میں جہان تاریک ہو گیا۔ وہ اس کو اولاد سے زیادہ چاہتا
 تھا۔ لبواس کی جان پر زبرد پڑنے سے بھاؤ کی گویا کمر ٹوٹ گئی۔ اُس نے دوسرے ہاتھی
 کے ہودے میں لٹنے کا حکم دیا۔ لٹتے ہی وہ مری گیا۔ بھاؤ خود ایک عربی گھوڑے پر
 سوار ہوا اور لڑائی کے بھنور میں آکودا۔

شاہ ابدالی کی اس حربی ترکیب سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ بھاؤ دادِ شجاعت دے
 رہا تھا۔ روہیلہ سردار نواب عنایت خاں خلف حافظ الملک تیغ زنی کرتے ہوئے بھاؤ
 کی طرف آنکلیے۔ ہردو میں نیزہ بازی ہوئی۔ عنایت خاں ایک مرد شجاع اور بہادر شخص

تھاس کا وار نہ جھیل سکا۔ گھوڑے سے نیزہ کے ساتھ نیچے آ رہا۔ عنایت خاں نے گھوڑے سے کود کر تلوار سے بھاؤ کا سر آٹا لیا۔ ۷۷

ذمہ شیر عنایت خاں دریاں جنگ اہل گستا سر بہاؤ تراش دے
سردار ان مرہٹہ نے بھاؤ کا گہوارہ نہ دیکھا۔ اُن کے اوسان خطا ہو گئے۔ ادھر بٹھالوں
اور روہیلوں نے جوش و خروش سے مرہٹوں پر تیغ زنی شروع کر دی اور تمام سمتوں سے
اُن کو گھیرتے ہوئے چلے۔ حتیٰ کہ شام کے چار بجے سادہ امیدان مرہٹہ جنگ جوڑوں سے
خالی ہو گیا اور ہر طرف لاشوں کے انبار نظر آنے لگے۔ گمراہ ڈنک کے بقول دو لاکھ
مرہٹے اور دکنی میدان پانی پت میں قتل و ہلاک ہوئے۔

جو مرہٹے میدان جنگ سے بھاگے افغانیوں نے دس بارہ کوس تک ان کو تہ تیغ
کیا جو جان بچالے گئے وہ پانی پت پہنچے۔ رقت سے خندق کو طے کر کے دمدمہ پر
چڑھ کر حصہ کے اندر داخل ہو گئے۔ مگر خندق میں گہر کر بہت سے کام آئے۔ افغانوں
نے شب ہی میں قصبہ کے ارد گرد پہرے لگا دیئے اور علی الصبح قصبہ میں داخل ہو کر حسن
قدرد، عورت بچے حصہ میں ملے سب کو گرفتار کر لیا۔ عورتیں اور بچے اپنے ملک میں
لے جانے کے لئے علیحدہ کر لئے اور بقیہ مردوں کو ذلت و مہیبت اور فاقہ زدگی سے
بچانے کے لئے قید ہستی سے انہیں چھڑا کر ہمدردانہ سلوک کیا اُن کے پچھلے مظالم کا یہ
بدلہ لیا۔ اب افغانی پھر چپکا تھا۔ ان سے ان کے سروں کے کلہ منار ہٹائے جس سے
جوش غضب کچھ سرد پڑا۔

کاشی رائے لکھتا ہے کہ لڑائی ختم ہونے کے بعد تمام بڑے بڑے سرداروں نے
شاہ ابدالی کو تہنیت فتح کی نذریں پیش کیں اور شاہ نے میدان جنگ کا سرسری معائنہ کر کے جس
میں کشتوں کے پستے اور لاشوں کے انبار لگے ہوئے تھے اپنے خیمہ کو واپس ہو گیا اور تمام
افسران بھی اپنے اپنے ڈیمروں میں چلے گئے۔ عام سپاہی لوٹ میں لگا ہوا تھا۔ مرہٹہ لشکر میں

لے نقش سلیمانی ۷۷ پانی پت کا خونی میدان معصفت ۷۷

غلہ نہ تھا۔ روپیہ بھی توڑا تھا۔ عورتوں کے زیورات گھوا کر روپیہ و اشرفیاں بنوائی تھیں۔
کاشی رائے لکھتا ہے :-

”ایک افغانی سوار آٹھ آٹھ دس دس اونٹ قیمتی سامان سے لدے ہوئے لاتا دیکھا
جاتا تھا۔ گھوڑے بکریوں کے دیوڑکی طرح ہانکے جا رہے تھے اور ہاتھیوں کی بھی
بڑی تعداد پکڑی گئی تھی“

مالِ غنیمت | علی ابراہیم خاں نے لکھا ہے کہ پانسو ہاتھی، پانچ ہزار گھوڑے، دو لاکھ بیل (مویشی)
بہت سا جواہر و زہ نقد اور بے شمار اسلحہ و ظروف کثیر المقدار اسباب اور
ہزار ہا خیمے مو سامان، آرائش وغیرہ لشکرِ ابدالی کے ہاتھ آئے یہ

تعداد افواج بہاؤ | فارسی تادمِ بخوں میں بہاؤ کے لشکر کے آدمیوں کی تعداد پانچ لاکھ
تین سے آٹھ تک لگایا گیا ہے۔ لیکن گرائٹ ڈف کے نزدیک تین لاکھ نفوس بمقام
پانی پت لشکر بہاؤ میں موجود تھے۔ منجملہ ان کے جنگجوؤں میں سے بہ حقہ اپنی جان سلامت
لے جا سکا اور افغانی مقتول بیس ہزار سے کم نہ تھے۔

مولوی سید مدد علی تپیش اکبر آبادی نے جنگِ پانی پت میں بہاؤ کے لشکر کی تعداد
چار لاکھ لکھی ہے۔ اٹھائی لاکھ میدانِ جنگ میں کام آئے۔ پچاس ہزار دکن تک پہنچتے پہنچتے اہل دیہات
نے قتل کر دیئے کہ ان مرہٹوں نے اُن کے دیہات لوٹے اور جلائے اور دیہاتیوں کو مارا پیٹا
تھا۔ گوجروں نے پورا پورا اُن سے بدلہ لیا تھا۔ البتہ مسلمانوں نے اپنے دیہات میں اُن کی
مردکی اور دکن کے سفر کے لئے خرچ دیا۔ سورج مل نے مرہٹوں کا ساتھ دیا اور دس لاکھ روپیہ
سے مدد دی اور ایک لاکھ مرہٹے بحالتِ تباہ پٹے پٹائے وطن مالوں لوٹے۔

مرہٹہ سردار جوہنچ رہے | ملہا داؤ ہلکر، وینیل شید یو اور دتا جی گائی کوٹ، معرکہ
پانی پت سے بچ نکلے۔ اٹنا منگیس میدان سے بھاگا۔

۱۔ ۲۔ پانی پت کا تختی میدان از سید جالب دہلوی معنیٰ اپریل ۱۸۵۸ء صفحہ ۲۸
۳۔ جنگِ پانی پت از مولوی سید مدد علی تپیش اکبر آبادی معلمِ العلیمہ ۱۸۵۷ء۔

فرخ نگر کے جاٹوں نے اُس کا کام تمام کر دیا۔ باجی راؤ پیشوا کا لڑکا شمشیر بہادر زخمی تھا وہ سورج مل جاٹ کے قلعہ ڈیگ میں پناہ گیر ہوا۔ دہنی پادرتی بانی زوج بھاؤ بھی معہ اپنے چند مجروحوں کے ابراہیم گاردی کے ساتھی مسلمان سپاہیوں کی معاونت سے ڈیگ پہنچ گئی۔ دہنی نے تین روز ٹھہر کر اپنے خاوند کی مراسم تعزیت ادا کیں۔ بعد ازاں سورج مل نے معقول بدرقہ و محافظین کے ساتھ اس کو دکن کی طرف رخصت کیا۔ شمشیر ڈیگ ہی میں مر گیا۔ مادھو نہیا کو بھی ایک مسلمان عورت نے اپنے یہاں جگہ دی۔ اس کے بیٹوں نے زخموں کا علاج کر لیا۔ جب کچھ آرام ہوا تو گوالیار پہنچا۔ کچھ عرصہ بعد اکبر ماں بیٹوں کو لے گیا اور عزت سے اپنے پاس رکھا۔ آج تک وہ خاندان موجود ہے۔

ابراہیم گاردی گرفتار ہوا اور زخموں کی تکلیف سے چند روز بعد مر گیا۔ شمشیر بہادر بھاگتا ہوا مارا گیا۔ جنگجو سندھیا بھی قتل کیا گیا۔ ملہار راؤ جان بچا کر نکل گیا۔ اپاجی سندھیا لنگڑا ہوا دکن پہنچا۔ مرہٹوں کو سخت شکست ہوئی۔ اس صدمہ سے بالاجی تھوڑے دن بعد مر گیا۔ تمام مہاراشٹر میں صعت ماتم بچھ گئی۔

فتح کے بعد احمد شاہ پانی پت سے نواح دہلی میں آیا اور چند روز قیام کر کے بادشاہ ولی عالی گھر کو مقرر کیا اور شجاع کو وزیر اور نجیب الدولہ کو امیر الامراء جواں بخت کو بادشاہ کا نائب مقرر کیا۔

شہزادہ جواں بخت راوی عہد شاہ عالم نمود و شہر را با اختیار نجیب الدولہ گذاشتہ۔^۱
سروا دان رو ہیلہ کو رخصت کیا۔ شجاع کو اودھ والہ آباد روانہ کیا۔ نجیب الدولہ کو دہلی کا منتظم کر کے خود قندھار چلا گیا۔^۲

۴

۱۔ سیر المتاخرین ص ۳۲ ۲۔ تاریخ ہندوستان جلد ۹ ص ۳۹۔

ابوالنظر جلال الدین محمد شاہ عالم ثانی

نام | امیرزا عبداللہ نام تھا۔ ار باب خاندان عالی گوہر سے خطاب کرتے تھے۔ عزیز الدین عالمگیر ثانی کے خلف اور معزز الدین جہاندار شاہ کے پوتے تھے۔ ماں کا نام لالہ کنور تھا۔ بادشاہ ہو کر ابوالنظر جلال الدین محمد شاہ عالم ثانی لقب اختیار کیا۔ والدہ کا سایہ بہت کم عمری میں سر سے اٹھ گیا تو سوتیلی والدہ نواب زمینت محل نے سچی ماں سے بڑھ کر پرورش کی۔ ارذیقہ سلسلہ میں پیدا ہوئے تھے۔

تعلیم و تربیت | علم سے طبعی لگاؤ تھا۔ عربی، ترکی، فارسی، سنسکرت، ہندی میں استعداد معقول بہم پہنچائی۔ خطاطی میں بھی درک تھا۔ تصوف سے تعلق رکھتے تھے۔ سید محمد درویش کے مرید ہوئے۔ مولانا فخر الدین سے بھی استفادہ کرتے رہتے تھے۔ تھوڑا بہت موسیقی میں بھی دخل تھا۔

دلی عہدی | عالی گوہر کو عالمگیر ثانی نے دلی عہد قرار دے لیا تھا۔ عماد الملک غازی الدین کے فتنہ سے دلی عہد کو بچانے کے لئے جہجہر اور ہانسی کے پرگنے جاگیر میں دے کر دہلی سے چلے جانے کی اجازت دے دی تھی۔

عالی گوہر نے تال کٹورے پہنچ کر سلطنت کو زیر عماد الملک کے دست تنظیم سے نجات دینے کے لئے فوج بھرتی کرنی شروع کر دی۔ اس خبر نے وزیر کو متفکر کر دیا اور اُس نے زبردستی سے بادشاہ سے شیعہ بھجوائے۔ عالی گوہر باپ کے بلانے پر دہلی گئے مگر جنائے کناک علی مردان خاں کی حویلی میں قیام کیا۔ عماد الملک نے بدعہدی کی اور دلی عہد کے مسکن کو محاصرہ میں لے لیا۔ یہ بدقت جتنا پار ہو کر ہانسی حصار پہنچے وہاں سے نواب نجیب الدولہ

لے واقعات عالم شاہی نے شاہ عالم نامہ ص ۱۷۷ سے مجموعہ نغشر سے نادر شاہی ص ۲۰ -

کی دعوت پر کچھ پورے کے رستے میران پور پہنچے۔ نواب نے ولی عہد بہادر کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور پچاس ہزار روپے ماہوار اخراجات کے لئے نذر کرنا شروع کئے۔ نجیب الدولہ نے بہت ہاتھ پیرا دے۔ دوا میلوں کو تیار کیا۔ جاٹوں سے مدد لینا چاہی کہ ولی عہد کو سامنے لکھ کر عہد الملک سے انتقام لے۔ ایک سال تک عالی گوہر ان کے پاس مقیم رہے۔ آخر شرمیں کوئی صورت بنتے ہوئے نہ دیکھی گھنٹہ روانہ ہو گئے۔ ۹ جمادی الاول ۱۱۶۲ھ کو شجاع الدولہ نے شایان شان استقبال کیا اور ہاتھ گھوڑے غیمے ڈیرے سارا سامان امارت ہتیا کر کے پچاس ہزار روپیہ کی نذر پیش کی اور اپنے پاس رکھا۔

بنگال کا قضیہ | بنگال میں نواب سراج الدولہ کی جگہ انگریزوں نے میر جعفر کو ناظم بنا دیا تھا۔ ابھی کچھ ہی دن نظامت کو گزرے تھے کہ سارا ملک اُس کے ہاتھوں تنگ آ گیا۔ محمد قلی خاں آباد کے صوبہ دار نے اس موقع سے یہ فائدہ اٹھانا چاہا کہ بنگال پر خود قبضہ کرے۔ چنانچہ ولی عہد کی تاک میں تھا۔ نجیب الدولہ کے قیام کے دوران میں خطوط لکھے تھے کہ آپ الہ آباد آجائیے۔ چنانچہ عالی گوہر اور شجاع الدولہ میں مشورے ہوئے اور الہ آباد پہنچے۔ یہاں محمد قلی خاں نے لشکر تیار کر رکھا تھا۔ رجب ۱۱۶۲ھ کو ولی عہد بہادر بنگال کی فتح کے لئے روانہ ہو گئے۔ ”کرم ناسا“ ندی کو پار کیا۔ ابتدائی لڑائیوں میں اُن کا پلہ بھاری رہا۔ لیکن انگریزوں کی فوج کی آمد کی خبر نے محمد قلی خاں کو دل برداشتہ کر دیا۔

عالی گوہر اس سے بے خبر تھا کہ میرا لڑنا درحقیقت اب جعفر سے نہیں ہے بلکہ ایک نئی اور بالکل اجنبی قوم سے ہے جس کی قوت عقلی اور حکمت فوجی کا کبھی اندازہ نہیں کیا گیا تھا۔ اس غلط فہمی کے باعث حبیب شاہی لشکر اور جعفر کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو موقع کی نزاکت دیکھ کر عالی گوہر نے محاصرہ اٹھایا اور ۲ ذیقعدہ ۱۱۶۲ھ کو دیوان مکندپور میں فروکش ہو گئے۔

لے شاہ عالم نامہ ۔

ایسٹ انڈیا کمپنی

انگریزی اقتدار | فرخ سیر کے عہد میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو بنگالہ میں اڑتیس گاؤں کی زمینداری خریدنے کی پروانگی مل چکی تھی اور کلکتہ کے پرنسپل کی دستخط سے جو مال روانہ ہوا کرتا تھا محصول کی غرض سے اس کی تلاش موقوف ہو چکی تھی۔ اس کے بعد سے ارباب کمپنی نے مال منگوانا اور بلا محصول روانہ کرنا شروع کر دیا اور ساتھ ہی اُس کے سادھی طور پر غیروں کا مال بھی اپنی دستخط سے بھیجنے لگے۔ اس حرکت سے ناظم بنگالہ کی آمدنی میں نقصان کثیر واقع ہوا۔ اُس نے نااہل ہموکر زمینداروں کو اشارہ کیا کہ کوئی شخص انگریزوں کے ہاتھ زمینداری فروخت نہ کرے۔ اس وجہ سے ایک عرصہ تک انگریزوں کو اپنی ذہنی مطلب برآری میں ناکامی رہی۔ جبکہ نواب الہ وردی خاں ناظم بنگالہ نے قصا کی اور سبب نہ ہونے اور لاڈ کو رکھ کر اُس کے بھتیجے کا بیٹا نواب سراج الدولہ اٹھارہ برس کی عمر میں ناظم قرار پایا تو اُس کی انگریزوں سے اس بنا پر بگڑہمی کہ اُس کے چچا کا دیوان اُس سے ٹوٹ کر انگریزوں سے جا ملے اور جب سراج الدولہ نے مانگا تو واپس نہ ملنے پر جنگ چھڑ گئی۔ انگریزوں کو شکست ہوئی بہت سے مارے گئے۔ مدارس میں بھی انگریزی اقتدار بڑھ رہا تھا۔ وہاں سے ملک آئی مگر انگریزی فوج کے ساتھ نواب کرناٹک کی فوج بھی تھی۔ پھر بھی سراج الدولہ نے انگریزوں کو شکست دی۔ مگر سراج الدولہ کے فوج کے آدمی اس قدر مارے گئے کہ فتح کی خوشی میسر نہ آئی۔ بعد اس کے ان شرائط پر صلح ہوئی کہ موافق عہد نامہ شاہی کے انگریز اڑتیس گاؤں کی زمینداری خریدیں اور مال بھی اپنی دستخط سے روانہ کریں۔ مگر وہ مال صرف اپنا ہی مال ہو۔

چند روز گزرے تھے کہ اور سادھی شروع ہوئی۔ الہ وردی خاں کا داماد میر جعفر خاں معہ دیوان لائے و لہجہ لائے اور جگت سیٹھ مہتاب لائے کے انگریزوں سے مل گیا۔ انگریزوں نے اس کو ناظم بنگالہ بنادینے کے وعدہ پر اُس سے ایک خفیہ عہد نامہ

کر لیا جس میں سراج الدولہ کے عہد نامہ پر اس قدر اور اضافہ کیا گیا کہ :-
 ” کلکتہ سے دکن چکی تک کمپنی کی زمینداری سمجھی جائے۔ فرانسیسی بنگال سے
 نکال دیئے جائیں اور دو کروڑ ۲۵ لاکھ روپیہ بطور نقصان کے کمپنی
 کو دیا جائے۔“

اس عہد نامہ کی سراج الدولہ کو خبر نہ ہوئی اور وہ جعفر سے دل میں صاف رہا۔ اس
 عرصہ میں انگریزوں نے پھر جنگ شروع کی۔ مگر جب عین لڑائی میں جعفر کی بے وفائی کھلی
 تو سراج الدولہ کے ہوش جاتے رہے اور ساتھ ہی اس کے پیر اکھر گئے۔ اس لڑائی میں
 سراج الدولہ کو ناکامیابی ہوئی اور وہ ختم کر دیا گیا۔ اس کے بعد سے انگریزوں کے قدم
 بالکل جم گئے اور حکمرانی کے خواب دیکھنے لگے۔

میر جعفر کے ایک بیٹا تھا جو اسی زمانہ میں بھلی گرنے سے مر گیا۔ اب جعفر کے داماد
 قاسم علی خاں نے وہ کارروائی شروع کی جو سراج الدولہ کے خلاف اس کے خسر میر جعفر نے
 کی تھی۔ انگریزوں سے اندر ہی اندر سازشیں ہونے لگیں اور وہی پراٹھا طریقہ کام میں
 لایا گیا کہ عہد نامہ سابق پر ۲۵ لاکھ روپیہ نقد اور بردوان، میدنی پور اور چٹ گاؤں
 کی زمینداری کا اضافہ کرنے کے بعد انگریز جعفر کو چھوڑ کر قاسم کے معاون و مددگار
 بن گئے۔ اس میں لارڈ کلائیو کی کارفرمائی کو بڑا دخل ہے۔ جعفر کو اصل حال سے خبر نہ تھی۔
 قاسم کی نظر پھری دیکھ کر انگریزوں کے پاس مشورہ لینے گیا۔ وہاں جعفر توقید کر لیا گیا اور
 قاسم علی خاں ناظم بنگالہ مشہر کر دیا گیا۔ میر قاسم نے اپنے عہد حکومت میں عہد نامہ کی تمام
 دفعات پر عمل کیا مگر کمپنی کی ضرورتیں دن بدن بڑھ رہی تھیں۔

عالی گوہر کی تخت نشینی | عالی گوہر نے ۲۷ محرم ۱۱۷۳ھ کو دوبارہ بہار کی طرف رخ کیا۔
 سون دریا کو عبور کر کے کھٹولی میں قیام کیا۔ چار ماہ بعد دہلی
 سے خبر ملی کہ عماد الملک نے ۸ ربیع الاول ۱۱۷۳ھ کو عالمگیر ثانی کو شہید کر دیا۔ تھے دولت خواہوں

۱۔ شاہ عالم نامہ ۲۔ انوار الدین نامہ ۳۔ شاہ عالم نامہ ص ۹۔

کے مشورہ سے ۴ جمادی الاول کو عالی گوہر نے کھٹولی میں شاہ عالم کے لقب سے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

تاریخ جلوس

زہے شاہ عالی گرجا گستر باوتاج و تخت و نگین شد مسلم
 بروں آں سال جلوس ہمایوں زسلطان ہندوستان شاہ عالم
 (اولاد علی ذکا)

نجیب الدولہ اور شجاع الدولہ کو غیر خواہی کے صلے میں پہلے کو امیر اللمرائی اور دوسرے کو وزارت کا خلعت ارسال کیا اور میر الدولہ احمد شاہ ابدالی کے دربار میں سفیر کے بھیجا۔ رسومات جشن جلوس سے فراغت پاکر لشکر نے حرکت کی۔ رام نرائن نے آگے بڑھ کر روکا مگر اس کو شکست اٹھانا پڑی اور زخمی ہو کر پٹنہ میں محصور ہونا پڑا۔ بادشاہی فوج نے پٹنہ کا محاصرہ کر لیا۔

کمپنی نے اپنی فوج راجہ کی مدد کے لئے بھیج دی۔ سال بھر تک جمع ہوئے رہے۔ آخر میں کامیابی انگریزوں کو ہوئی۔ جمادی الآخر ۱۱۱۱ھ میں بادشاہ نے موسیولا فرانسسی کی معاونت سے انگریزوں کا مقابلہ کیا اور بڑے کشت و خون کے بعد اپنے کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ انگریز سردار انہیں لے کر پٹنہ چلے آئے اور قلعہ میں ٹھہرایا۔

بادشاہ پچھلی جنگ کی تیاری کر رہے تھے۔ ۱۰ ربیع الاول ۱۱۱۲ھ کو میر جعفر کا داماد میر قاسم جو بنگال کا ناظم مقرر ہو چکا تھا وہ بادشاہ کے پاس پٹنہ آیا اور ۲۲ لاکھ روپیہ سالانہ خراج ادا کرنے کی شرط پر بادشاہ سے نظامت کی شرط حاصل کر لی مگر انگریزوں نے اپنی دستخط سے اپنا اور گماشتوں اور دیگر قوم کے تاجروں کا مال روانہ کرنا شروع کر دیا جس سے قاسم کی آمدنی کا ایک بہت بڑا حصہ بر باد ہونے لگا۔ پہلے تو اس نے انگریزوں سے شکایت کی۔ مگر جب کسی نے نہ سنی تو اس نے سرے سے اس محمول ہی

۱۔ مفتاح التواریخ صفحہ ۴۴۳ ۲۔ شاہ عالم نامہ

کے بند کر دینے کا اعلان کر دیا۔ جب تمام اقوام کے تاجدار کو محصول کی معافی ہو گئی تو انگریزوں کی دوسروں سے اندرونی طور پر محصول کر سنے والی دستبرد جاتی رہی میر قاسم کو بے بسی سے دیکھا اور دمکھایا کہ سحر ہماری قوم کے دوسری قوموں پر محصول معاف نہ ہونے پائے۔

الہ آباد کا قیام | منیر الدولہ احمد شاہ درانی کے پاس سے واپس آیا اور سلطنت کی بحالی کا مژدہ سنایا۔ شجاع الدولہ اور شجاع الدولہ نے استدعا کی کہ الہ آباد آکر مقیم ہوں۔ بادشاہ خود انگریزوں کی نگرانی سے بچنا چاہتے تھے۔ آخر شوال ۱۱۷۷ھ کو ٹپٹنے سے روانہ ہو گئے۔ ۱۶ رزی قعدہ کو شجاع الدولہ استقبال کے لئے حاضر ہوئے شرفِ قدم بھی حاصل کیا اور ہر ذی الحجہ کو الہ آباد لے آئے اور یہاں شجاع الدولہ اُن پر مسلط ہو گیا۔

دواڑھائی سال شجاع الدولہ شاہ عالم کو لئے پھرا۔ مرہٹوں سے بندیل کھڈ میں ٹپھٹ ہوئی۔ وہ ۱۱۷۵ھ میں شکست پائے۔ بادشاہ وزیر کی ترقی کی بہادری دیکھ رہے تھے۔ خلعت وزارت شجاع الدولہ کو مرحمت کیا۔ جہانسی کا قلعہ فتح کر کے الہ آباد آ گئے۔

بلکسر کی جنگ | میر قاسم کی انگریزوں سے چل گئی تھی۔ ہر دو میں آخر خس مقابلہ ہوا۔ شکست پاکر شجاع الدولہ کے پاس الہ آباد آیا۔ وزیر بظاہر استعانت اور باطن بنگال پر اپنا قبضہ جما چاہتا تھا۔ بادشاہ کے پرچم کے نیچے عظیم الشان لشکر اکٹھا کیا اور بنارس کی طرف انگریزوں سے لڑنے کے لئے روانہ ہوئے۔

۲۶ ربیع الثانی ۱۱۷۷ھ کو بلکسر میں قاسم اور شجاع الدولہ کی فوج نے مل کر انگریزوں سے جنگ کی جس میں کثرت سے انگریز کام آئے۔ یہ ملک جو اودھ سے آئی تھی اس میں بسبب اُس کے کہ بنارس ماتحت اودھ تھا مہاراجہ بنارس بھی شریک تھا۔ جب موقع جنگ میں انگریزوں کی حالت ابتر ہونے لگی تو انہوں نے مہاراجہ بنارس کو توڑ لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے اپنے آقا کی فوج میں بے لڑے انگریزوں کو گھس آنے

دیا اور یہی جنگ بکسر کی جنگ کے خاتمہ کا باعث ہوئی۔

شجاع الدولہ جان بچا کر نوابانِ روہیل کھنڈ کی خدمت میں آ گیا۔ یہاں اُن کی بڑی خاطر و مدارت ہوئی۔ اب بادشاہ بے یار و مددگار تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو انگریزوں کی حفاظت میں دیدیا اور آلہ آباد واپس چلے آئے۔

بکسر کی لڑائی ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کر گئی۔ اب تک انگریز ہندوستان میں تجارت کرتے تھے۔ اس فتح کے بعد تین بڑے صوبوں کے حاکم بن گئے۔

شجاع الدولہ اور انگریز شجاع الدولہ سے پچاس لاکھ اور ۴ لاکھ روپے سالانہ آمدنی کے دو صوبے آلہ آباد اور کوٹہ شاہجہان آباد شاہ عالم کی جاگیر میں دیئے جانے پر صلح کر لی۔ بادشاہ کا قیام آلہ آباد میں برقرار رکھا گیا۔ اس عرصہ میں میر قاسم کے بجائے میر جعفر دینا سے چل بسا۔ انگریزوں نے اُس کے بیٹے نجم الدولہ کو مستنشین کیا۔

اب گذشتہ عہد ناموں پر اس قدر اور اضافہ کیا گیا کہ نائب صوبہ انگریز کے مشورہ سے مقرر ہوا کرے گا اور بلا اجازت اُن کے موقوف نہ ہو سکے گا۔

غرضیکہ چند روز تک انگریزوں نے اپنا آوردہ نائب صوبہ بنا کر اس جھگڑے کو بھی الگ کیا۔ صرف نجم الدولہ برائے نام ناظم رہے۔ ۲۶ لاکھ سالانہ میر جعفر کی طرف سے شاہ دہلی کو جاتا تھا خود برابر اور بدستور وعدہ پر بہار، اڑیسہ، بنگال کی دیوانی کا فرمان ۲۴ صفر ۱۱۷۹ھ کو حاصل کر کے نظامت کا جھگڑا بھی ختم کر دیا۔

شاہ عالم آلہ آباد میں سلطنت کر رہے تھے۔ نگرانِ انگریز تھے۔ اور اٹھارہ سو روپیہ ماہوار کھانے کے شجاع الدولہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔

سات برس بادشاہ آلہ آباد میں رونق افروز رہے۔ امراء نے لنگ دلیوں میں لگا کر حبی بہلانے کا سامان مہیا کر دیا۔

۱۔ سیر المتاخرین ص ۷

بادشاہ کی دہلی میں تشریف آوری

عیش و عشرت کی بالمری الہ آباد میں بج رہی تھی۔ کچھ دن بعد دل گھبرا گیا۔ دلی جانا چاہتے تھے۔ نجیب الدولہ نے مرہٹوں سے دوآبے کے کچھ اضلاع دے کر صلح کر لی تھی۔ کیونکہ مادھوراؤ پیشوا ۸۰ ہزار فوج سے جاٹوں پر آگرا۔ جواہر سنگھ راجہ بھرت پور مرچکا تھا کچھ دن ہوئے تھے نول سنگھ گدی نشین ہوا تھا اس کو شکست دیتا ہوا ۱۸۸۳ء میں دہلی آیا اور مرہٹوں سے صلح کر لی وہ فرخ آباد چلے گئے۔ تھوڑا عرصہ نہ گزرا تھا۔ رجب ۱۲۸۴ھ کو نجیب الدولہ انتقال کر گئے۔ مرہٹوں نے پورے ملک پر حکومت کرنے کا پھر منصوبہ باندھا۔ تجویز یہ تھی کہ فی الحال شاہ عالم کو ہاتھ میں لیا جائے اور درخواستیں آنے لگیں کہ آپ اپنی موروثی راجدھانی کو چھوڑتے ہوئے کیوں الہ آباد پڑے ہیں۔ منابط خاں خلف نجیب الدولہ مرہٹوں کے ساتھ فرخ آباد جاتے ہوئے اپنے علاقہ کو چلے گئے۔ بادشاہ کے منہ میں پانی بھر آیا۔ انگریزوں اور شجاع الدولہ دونوں کی مرضی کے خلاف دلی روانہ ہو گئے۔ فرخ آباد آکر مقیم ہوئے۔ یہاں مرہٹہ سردار آکر قدم بوس ہوئے۔ نواب فرخ آباد نے نذرانہ پیش کیا۔ وہ منظور کرتے ہوئے ۲۹ رمضان ۱۲۸۵ھ بمطابق ۱۸۶۹ء کو دہلی میں تشریف لائے۔

مرہٹوں کی راہ میں منابط خاں ایک زبردست کانٹا تھا۔
نواب منابط خاں سمجھتے تھے کہ یہ روہیلوں کا بڑا سردار بھی ہے لہذا انہوں نے شاہ عالم کو ابھارا کہ منابط خاں پر حملہ کر دینے کی ضرورت ہے۔ بادشاہ اُن کے ہاتھ میں کھیل رہا تھا تو اس کو اس کی پرواہ تھی کہ یہ جماعت حکومت مغلیہ کی درپے ہے اور اس سے زیادہ نجیب الدولہ کے جواہرات تھے وہ سب بالائے طاق رکھ کر سوال ۱۸۵۶ء میں روہیلوں کے تباہ کر دینے کے ارادے سے اپنی فوج لے کر روانہ ہو گئے۔ اس

۱۔ وقائع عالم شاہی و ایسٹ انڈیا کمپنی کا ریکارڈ۔

فوج کشی کا مضابطہ خاں مقابلہ نہ کر سکا۔ سکھ تال میں قلعہ بند ہوا۔ اس کے بعد شجاع الدولہ کی پناہ میں گیا۔ مرہٹوں نے خاندان نجیب الدولہ کی جملہ افراد بچوں، عورتوں تک کو پکڑ کر قید کیا۔ مال اسباب لوٹا۔ شاعلم اپنے سامنے مندرات دوہیلہ کو ذلیل و خوار ہوتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ ۱۷

غوث گڑھ کے علاوہ پورا سہانپور کا علاقہ بادشاہی قبضہ میں چلا گیا۔ بادشاہ ماہ ربیع الاول ۱۱۸۶ھ میں فتح دھامرائی کا پرچم اٹاتے ہوئے شہر میں رونق افروز ہوئے۔ یہ مرہٹہ کامیاب ہوئے مگر انہوں نے مال میں سے بادشاہ کو کچھ حصہ نہ دیا۔ آخر کار بادشاہ نے کچھ سوچ کر نول سنگھ جاٹ کی سرکوبی کے لئے ان مرہٹوں کو روانہ کیا اور مرزا نجف خاں ایرانی جو اپنے بھائی دوہیلوں کو تباہ کرنے میں مرہٹوں سے زیادہ بازی لے گیا تھا اس کو بخشی فوج مقرر کیا۔ مرہٹوں سے نجات کی صورت بادشاہ نے یہ نکالی تھی۔ مرزا نجف خاں نے مغل فوج کی بھرتی شروع کی۔ مرہٹے تارگئے۔ انہوں نے فوراً ہی مضابطہ خاں سے سالہ باز کر کے معقول تاوان کے بدلے میں امیرالامرائی دلانے کا وعدہ کر لیا۔ ٹکوجی جاٹوں کو نظر انداز کر کے دہلی آیا اور بادشاہ سے خواہش کی کہ مضابطہ خاں کو امیرالامراء بنایا جائے۔ بادشاہ ٹال مٹول کرنے لگے۔ بزورِ شمشیر مرہٹوں نے مضابطہ خاں کا قصور بھی معاف کرایا

۱۷ نجیب التوابع قلمی (ملک بیت المصنعت علی گڑھ) ۱۷ جام جہاں نما صفحہ ۷۹، جلد ۲
۱۸ مضابطہ خاں بڑا بہادر شخص تھا مگر بادشاہ کی تلون مزاجی اور امرائے سلطنت کے ساز باز سے وہ حکومت مغلیہ کو قائمہ پہنچانے کے بجائے نقصان دہ ثابت ہوا۔ اپنے والد کے ہم خیال ہوتے ہوئے اُس نے چاہا پھر مرہٹہ اقتدار نہ بڑھے مگر اس کی تدابیر بروئے کار نہ آئیں۔ ذی علم اور اہل اللہ کا گرویدہ تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے صاحب زادگان کی خدمت ہر طرح سے کرتا رہتا تھا اور حضرت شاہ فخر الدین دہلوی کا معتقد ہی نہیں بلکہ مریدِ خاص تھا۔ مناقبِ فخریہ میں ہے :-

”اودر حسن اعتقاد مردے بود بے نظیر در سعادت از لی یکتائے روزگار بود“ ۱۸

۱۹ مناقبِ فخریہ صفحہ ۳۸ -

اور جاگیر اور امیر الامرائی بھی دلوائی۔ بادشاہ لاچار تھے اور اُن کے اشارے پر چل رہے تھے۔ ۱۱۸۶ھ میں بادشاہ سے الہ آباد اور کوڑہ جہاں آباد کی سند جاگیر داری بھی اپنے حق میں لکھوائی۔ اس کے بعد مرہٹوں نے ہاتھ پیر نکالے۔ روہیل کھنڈ پر اُن کا نزلہ ڈھلا۔ ٹوٹے مار، غارت گری کا بازار گرم ہو گیا۔ یکایک نارائن راؤ پیشوا کے مرنے کی خبر نے مرہٹوں کو فکر مند کر دیا۔ وہ روہیلوں سے صلح کر کے دکن جانے کو ہوئے۔ بادشاہ سے من مانی شرائط منوا کر دکن گئے۔

ذوالفقار الدولہ نجف خاں ایرانی | مرزا نجف خاں کے دن پھرے۔ یہ ایران سے آکر محمد قلی خاں صوبہ دار الہ آباد کا ملازم رہا۔ اس کے بعد میر قاسم کا متوسل بنا۔ منیر الدولہ کے توسط سے الہ آباد میں شاہی ملازمت اختیار کر کے دہلی چلا آیا۔ اُس نے اپنی بہادری اور تدبیر سے ذوالفقار الدولہ نواب نجف خاں بہادر غالب جنگ کا خطاب حاصل کیا۔

پہلے جاٹوں کا زور توڑا پھر بادشاہ کی شر پر ضابطہ خاں کے مقابلہ کو آیا۔ سکھوں اور روہیلوں کے متحدہ لشکر سے خونریز جنگ کر کے ۹۰ روپے معاف ۱۱۹۰ھ کو نواب ضابطہ خاں کو اطاعت پر مجبور کر دیا۔

بادشاہ نے مرزا نجف خاں کو روہیلوں کی مذکورہ لڑائی تباہی و بربادی کے صلہ میں امیر الاعزاء اور نائب وزارت کے عہدہ پر سرفراز کیا۔ اب نجف خاں نے ہاتھ پیر نکالے۔ ایران سے لوگوں کی آمد شروع ہوئے لگی۔ دہلی میں چند دنوں کے عرصہ میں ایرانی، ایرانی نظر آئے لگے۔ اپنے مسلک کی ترویج عام کر دی۔ رہے سے اسلامی شعائر مٹنے لگے۔ نئے نئے مشغلے شروع ہو گئے۔ بے غیرتی بڑھی ہوئی تھی۔

۱۱۹۰ھ مرزا نجف خاں شجاع الدولہ کا رشتہ دار تھا اُس نے اپنا نائب وزیر مقرر کر کے بادشاہ کے پاس بھیجا۔ انگریزوں نے بھی اسکی سفارتش کی کیونکہ وہ انگریزوں کا ہمنوا، مرہٹوں اور روہیلوں کا دشمن تھا۔ ادھر اسکو جاٹوں کی خود سری ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ عہ تاریخ ہندوستان جلد ۹ صفحہ ۳۲۔

قوم کی حمیت وغیرت نے دوسری کمزور اقوام کو ابھرنے کا موقعہ دیا۔ سکھوں نے پھر زور باندھا اور دو آبے سے لے کر لاہور تک قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ شاہ عالم نے مجدد الدولہ کو ان کے مقابلہ پر بھیجا۔ وہ شکست کھا کر دلی بھاگ آیا۔ مرزا نجف خاں اگرچہ تھا باوشاہ نے اُسے دلی بلایا (۱۱۹۳ھ) کو مجدد الدولہ گرفتار ہوا اور اُس کی خدمات مرزا نجف خاں کے سپرد ہوئیں۔

مرزا نجف خاں جہاں اپنوں کے لئے متعصب تھا وہاں شجاع اور بہادر بھی تھا۔ اُس نے سکھوں کی تنبیہ کے لئے ایک لشکر روانہ کیا۔ ۱۱۹۵ھ میں سکھوں نے دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ شاہی لشکر جیت گیا۔ سکھوں کا سردار پانچ ہزار سپاہیوں کے ساتھ کھیت رہا۔ پھر سے لاہور تک کا علاقہ مغل حکومت کا مطیع ہوا اور پھر نئے سرے سے سکھ بیٹھ گیا۔

چنانچہ مرزا ۱۱۹۷ھ میں روہیل کھنڈ کی مہم میں مصروف رہا۔ اُس نے اکبر آباد کا قلعہ جاٹوں سے لے کر محمد بیگ ہمدانی کے سپرد کیا۔ جاٹوں کے راجہ رنجیت سنگھ کو اس کا بڑا داغ تھا اُس نے دس ہزار فوج جمع کی اور سکندر آباد پہنچا۔ دلی میں اُس وقت صرف پانچ ہزار سوار اور دو بلٹنیں سپاہیوں کی تھیں جن سے اس کی مدد بھیڑ ہوئی، شکست کھا کر واپس گیا۔ پھر چین نہ پڑا تو شمر و فرانسسی کو ساتھ لے کر آیا۔ مرزا روہیل کھنڈ سے آگیا تھا۔ وہ ۱۱۹۸ھ میں سرکوبی کو روانہ ہو گیا۔ کھربانہ سے سردار نجف قلی خاں دس ہزار سپاہ کے ساتھ آگیا۔ یہاں دلی میں مجدد الدولہ عبدالاحد خاں فتنہ اٹھا رہا تھا کہ آصف الدولہ نواب وزیر کا وکیل لطافت خاں پانچ ہزار سپاہ سے پہنچ گیا۔ اُس نے مجدد الدولہ کی تدبیریں چلنے نہ دیں۔ مرزا نجف خاں ہوڈلی میں پہنچا۔ وہاں سے جاٹوں کو رگیدتا ہوا ڈیگ بھگ گیا۔ شمر نے بھی زور لگایا مگر مرزا کی شجاعت سے مُنہ کی کھانی پڑی۔

قلعہ ڈیگ ۱۱۹۶ھ میں مرزا کے ہاتھ آیا۔ چند لاکھ روپیہ نقد اور بہت کچھ اگرچہ کی لوٹ کا مال ملا۔ جاٹ بے سرو پا بھاگے۔ کھیر کے قلعہ میں پناہ لی۔ اب جاٹوں کے پاس صرف تین قلعے رہ گئے تھے۔ بھرت پور کی راج گدی نجف خاں نے لے لیا کیونکہ رانی نے اس کو بھائی کہا تھا اس بنا پر اُس کے بڑے کو عطا کی اور تمام جاٹوں کی بستیوں میں داد و دہش سے اسلام پھیلایا۔ لطف یہ ہے

کہ وہ پیشتر سادات کے ذمہ میں شمار کئے جانے لگے۔ وہاں سے لوٹ کر واپس آیا۔

۱۱۹۶ھ کو انتقال | اس بہادر نے ۲۲ ربیع الثانی ۱۱۹۶ھ کو انتقال کیا۔ اس کے بعد سے حکومت کا شیرازہ بالکل بکھر

گیا۔ امراء میں بھوٹ پڑ گئی۔ مرزا کے متوسلین میں سے محمد شفیع خاں اور افراسیاب خاں میں امیر الامرائی کی رستہ کشی ہونے لگی۔ یکے بعد دیگرے امیر الامراء ہوئے۔ اس اثناء میں مرزا جو ان نجات ولی عہد نے جو رنگ امراء کی چپقلش کا دیکھا تو دُاُس نے چند امراء کو موافق کر کے بادشاہ کو ان کے پھندے سے نکالنا چاہا اور امیر الامراء بن کر ان نظام سلطنت کرنے لگا۔ بادشاہ سلامت شکر کرنے کی نماز دو گنا ادا کرنے جامع مسجد گئے۔ خیرات و مہارت بہت کی گئی مگر محمد شفیع اور افراسیاب خاں دونوں میل کر گئے۔ بادشاہ پھر ان کے قبضہ میں آکر شاہ شہر سچ بن گیا۔ ولی عہد کو جان بچانا مشکل ہو گیا۔ ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۱۹۷ھ کو طوفانی شب میں دہلی سے راہ فرار اختیار کی۔ رام پور ہوئے، پھر لکھنؤ پہنچے۔

۱۱۹۷ھ کو | مادھوجی سندھیا اور مرزا شفیع خاں امیر الامراء میں خفیہ معاہدہ ہو چکے تھے کہ وہ دلی پر اقتدار قائم کرے اور امیر الامراء

پورے طور پر مدد دینے کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔ سندھیا ایک بڑی فوج لے کر چمپل کے شمال ہی میں پہنچا تھا کہ اُس نے شفیع کی موت کی خبر سنی۔ سندھیا نے دہلی دربار میں خطوط بھیجے جس میں اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ وہ شاہی خاندان کی شان و شوکت از سر نو قائم کرنا چاہتا ہے جو ایک چال پر مبنی تھی اور یہ صورت اپنی ریاست سے قریب میں رکھنے کی پیش کی کہ شاہ عالم مع اپنے دربار کے چلے آئیں جہاں وہ سلطنت کے کاروبار کو مختلف جماعتوں کے اطمینان کے مطابق طے کر سکیں اور اُس نے امیر الامراء اور افراسیاب خاں کو بھی اپنا ہمنوا بنالیا۔ افراسیاب نے بلا سوچے سمجھے سندھیا کا آلہ کار بن کر بادشاہ کے سامنے یہ صورت پیش کی اور اُس کی موافقت میں بادشاہ کی رائے کو مائل کرنے میں کوئی کسر نہ رکھی۔

۱۱۹۷ھ | تاریخ بھرت پور از مولوی رحیم بخش جے پوری قلمی ۲۷ وقائع عالم شاہی

شاہ عالم اگرہ جانے پر راضی ہو گئے اور روانگی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ادھر مادھو سندھیا بڑھتا ہوا دلی تک آگیا اور افراسیاب کو مشورہ کے لئے بلایا اور خمیں دھوکے سے قتل کر دیا۔

مادھو سندھیا کا اقتدار | بادشاہ نے پیشوا کو مکمل مطلق کیا اور مادھو گوالیری کو نائب کا منصب مرحمت کیا۔ مادھو جی نے بادشاہ کی کمزوری اور مسلمان امراء کی باہمی شکر رنجیوں سے فائدہ اٹھا کر اگرہ سے دہلی تک کے علاقہ پر قبضہ کیا اور بادشاہ کی ۶۵ ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کر دی اور تمام امراء کی جاگیریں ضبطی میں لائی گئیں۔ یہ دن تھاجس دن مغلیہ حکومت کا چراغ گل ہوا۔ بادشاہ مرہٹہ ریاست کے تنخواہ دار کی حیثیت سے برج رہے تھے اور مادھو کے مناقب فرما رہے تھے۔

ملک و مال سب کھوٹے کر پڑے تمہارے بس

مادھو ایسی کیمجو آوے تم کو جس

مسلمانوں میں حکومت کے اس ناگوار واقعہ نے غم و غصہ کی ایک لہر پیدا کی۔ اتفاقیہ واجبہ پر تاپ سنگھ والی جے نگر برسر پر غاش ہوا اُس سے لڑنے مادھو سندھیا گیا۔ عین موقعہ جنگ میں اُس کے سرداروں نے سندھیا کو دھوکہ دیا اور اُس کو شکست اٹھانا پڑی اور گوالیار کا راستہ لیا۔

روہیلوں میں بے چینی | بادشاہ کے مذکور الذکر واقعات نے روہیلوں میں عام

طرح مرہٹوں کے پنجے سے اس بے سمجھ بادشاہ کو چھڑایا جایا اور یہی سہی جو حکومت ہے وہ بچا لی جائے۔ نواب ضابطہ خاں نے اپنے وقار کی خاطر سکھوں سے ساز باز کیا حتیٰ کہ شہرت یہ اُڑی کہ وہ سکھ ہو گیا۔ آخر شرجفت خاں کے ہاتھ سے اُس کی تدبیریں خاک میں ملیں۔ اس کا بیٹا غلام قادر تھا۔ یہ مرہٹوں کے ساتھ غوث گرٹھ کی تباہی کے بعد سے تھا

مرہٹے ضابطہ خاں کے بیوی بچے پکڑ لائے تھے۔ بادشاہ نے غلام قادر خاں کو قتل کرا دینا چاہا مگر منظور علی خاں ناظر کی سفارش سے جان بخشی ہوئی۔ عمر اس وقت ۱۰۰۹ سال کی تھی۔ یہ بہت خوب صورت اور حسین تھا۔ بادشاہ نے اسے منظور نظر بنا کر خضعتی کرادیا اور قدسیہ باغ میں رکھا گیا۔ بادشاہ بھی اب رنگ دلیوں کی نذر ہو گئے تھے۔ دن رات ناپ چکانا ہوتا۔ چنانچہ غلام قادر کو زانے کپڑے پہنا کر سامنے بلایا جاتا۔ جب تک نادان رہا سب بادشاہ کے ظلم سے ہوشیار ہونے پر راہ فرار اختیار کی اور اپنے باپ سے جا ملا۔

واقعات نواب غلام قادر | ضابطہ خاں کے انتقال کے بعد غلام قادر جاگیر دشمنی تھی۔ مگر اس سے زیادہ اس جماعت سے تھی جس نے غوث گڑھ کی اینٹ سے اینٹ بجائی۔ چنانچہ منظور علی خاں ناظر قلعہ معلیٰ نے جو مرہٹوں کی سخت گیری سے تنگ آچکا تھا۔ غلام قادر سے مشورہ کر کے طے کیا کہ مرہٹوں کو دہلی سے باہر کر کے نئے طور سے مغلیہ سلطنت کا وقار قائم کیا جائے۔

مادھو سندھیا گوالیار گیا ہوا تھا۔ موقعہ پا کر کچھ جاں نثار روہیلوں کو ہمراہ لیکر غلام قادر دہلی پر چڑھ دوڑا۔ منظور علی خاں ناظر نے بلا مزاحمت دہلی پر اس کا قبضہ کرادیا اور غلام قادر نے اپنا آبائی منصب امیر الامرائی حاصل کر لیا۔ دربار کے امراء بادشاہ کی حرکتوں سے دل برداشتہ ہو گئے وہ سب غلام قادر کے ساتھی ہو گئے۔

غلام قادر نے علی گڑھ کا قلعہ مرہٹوں سے چھین لیا۔ اس کے بعد اسماعیل بیگ کی مدد سے آگرہ کا محاصرہ کر لیا۔ ۱۲۰۱ھ میں آگرہ کو زبردست جنگ ہوئی۔ اس میں مسلمانوں نے دوشجاعت دی۔ اس اثنا میں سہارنپور سے اطلاع آئی۔ یہاں کے علاقہ میں سکھوں نے پیرودستی شروع کر دی۔ اس خبر پر غلام قادر خاں کو اپنے علاقہ میں واپس جانا پڑا۔

۱۰ واقعات مظفری و نجیب التواریخ صفحہ ۱۵ قلمی۔

امراء کی کشیدگی | آغاز ۱۲۰۲ھ میں غلام قادر خاں دلی آیا۔ شاہ عالم نے پھر استدھیا کو ملک کے لئے خفیہ طور پر طلب کیا۔ اس حرکت سے بادشاہ کے تمام امراء بگڑ بیٹھے اور غلام قادر کے شریک اور ہمنوا ہو گئے حتیٰ کہ ساری مغل سپاہ بادشاہ کی مسلم کش پالیسی سے ٹوٹ کر غلام قادر سے مل گئی۔ بادشاہ گھبرا گیا اور اُس نے منظور علی کی معرفت غلام قادر خاں سے میل کیا اور پھر امیر الامراء اس کو بنا دیا۔

نواب غلام قادر نے شاہ عالم سے کہا آپ کے پاس جو خزانہ شاہی ہے اس میں سے اس قدر روپیہ حرمت فرمائیے تاکہ نئے سرے سے فوج بھرتی کی جائے اور اتنی طاقت آپ کی ہو جائے کہ آپ کا وہ ملک جو آپ نے خود اپنے ہاتھوں مرہٹوں کو دیا ہے واپس لے کر حکومتِ مغلیہ کی آبرو بچالی جائے تمام اہل کار غلام قادر کی رائے کے موثر تھے۔ مگر ستیل داس خزانچی نے روپیہ دینے سے انکار کیا۔

شاہ عالم کے اعمال کا ثمرہ | غلام قادر کو پتہ لگ گیا کہ یہ بادشاہ کی حرکت ہے اور اُس نے وہ خط نکال کر بادشاہ کے سامنے ڈال دیا۔ جو بادشاہ نے ملاحظہ فرمایا کہ غلام قادر کے مقابلہ میں مدد کے لئے لکھا تھا۔ اس نے شاہ عالم سے کہا کہ اگر اس وقت ان حرکتوں سے دگرگندوں اور فوج کا انتظام کر لوں تو مرہٹہ قوت کو توڑ کر رکھ دوں گا۔ میرے دادا نے آپ سے کسی رفاقت کی اور حکومتِ مغلیہ کے بچاؤ میں اپنا خون پسینہ ایک کیا۔ آپ اپنے ہاتھوں اس حکومت کو مرہٹوں کے سپرد کر رہے ہیں۔ مگر بادشاہ نے اس کی التجا کی کوئی شنوائی نہ کی۔ آخر شہ اپنی جان اور حکومتِ مغلیہ کو بچانے کے لئے یہ کیا کہ پہلے شاہ عالم کو معزول کیا اور ۲۲ شوال ۱۲۰۳ھ کو احمد شاہ کے بیٹے بیدار تخت کو تخت پر بٹھایا۔ چونکہ اس کو شاہ عالم کی مرہٹہ پرستی اور اُن کے لکھنے پر روہیلوں سے لڑنے اور انہیں تباہ و برباد کر ڈالنے کا بہت ملال تھا۔ بادشاہ کو مرہٹوں کا حامی پاکر

قلعہ علی کو لوٹنا کھسوٹنا شروع کر دیا۔ غوث گڑھ کی لوٹ کے وقت اس کے خاندان پر جو کچھ گزری تھی کچھ اس سے بڑھ کر ہی شاہی خاندان پر گزر گئی۔ غلام قادر کا جوش انتقام بہت بڑھا ہوا تھا۔

بادشاہ شاہ عالم کا نابینا ہونا | ۱۲۰۲ھ کو شاہ عالم کو دیوان علم میں بلا کر اس سے روپیہ طلب کیا۔ انکار کرنے پر انہیں نیچے گرا کر پیش قبض سے آنکھیں نکال لیں۔ غلام قادر کی اس حرکت قیبح پر تمام امراء اور اہل کائنات اس سے بگڑ بیٹھے اور تمام ہمدردیاں اس سے جو تھیں وہ جاتی رہیں۔ یہ چند شہزادوں کو ساتھ لے کر میرٹھ چلتا ہوا سندھیانے دانا خاں کی سرکردگی میں فوج بھیجی اور اس کو پھر موقع مل گیا کہ بادشاہ کو قابو میں لائے۔ مرہٹہ فوج نے غلام قادر کو گھیر لیا اور ربیع الاول ۱۲۰۳ھ میں گرفتار کر کے بادشاہ کے انتقام میں تکا بوٹی کر ڈالی۔ مرہٹوں کی اس کافر مافی سے شہادت کا درجہ تو اسے مل ہی گیا۔

سندھیانے معلومت سے دوبارہ بادشاہ کو تخت پر بٹھایا مگر کل اختیارات چھین لئے اور اخراجات کے لئے ۹ لاکھ روپیہ سالانہ مقرر کر دیئے۔

اب بادشاہ مرہٹوں کے آلہ کار تھے کوئی روہیلہ سردار باقی نہ بچا تھا کہ ان کی معاونت کرتا اور مرہٹوں کے لئے خوف کا سبب ہوتا۔

مرہٹوں کے مظالم | کچھ عرصہ کے بعد سے ہی مرہٹوں نے وحشیانہ طور سے شاہ دہلی اور دلی والوں کو تانا شروع کیا۔ مغل بچوں

کی کچھ حقیقت نہ سمجھتے جو چاہتے کرتے اور جو کچھ ان کا جی چاہتا قلعہ علی میں دست اندازی کر کے شاہ کا دل دکھاتے۔ شاہ عالم کی پانچویں بیوی زبدۃ النساء بیگم عاقلہ عورت تھی اس نے مرہٹوں کا یہ رنگ دیکھا کہ وہ مقررہ رقم کے دینے میں الجھن پیدا کرتے ہیں۔ محل کے اخراجات کو سخت تنگی سے پورا کیا جاتا ہے۔ شاہ عالم سے کہا لاڈ و لہزی کے نام

خط روانہ کرو اور اب انگریزوں کے ذریعے ان مرہٹوں کے پنجہ سے رہائی پاؤ۔ چنانچہ بادشاہ نے لاڈ و لزلہ کو اپنی معیبت کی داستان لکھی کہ ”میری مرہٹوں کی قید میں اور بھی حالت بدتر ہے وہ وزیر بن کر رہتے ہیں لیکن اُلٹی مجھ پر حکومت کرتے ہیں۔ مابدولت کی دلی خواہش ہے کہ میں اپنا دستو تہیں بناؤں یا اُس شخص کو جسے تم پسند کرو میری آنکھیں تمہاری طرف لگی ہوئی ہیں تم بہت جلد آؤ اور مجھے مرہٹوں کی قید سے رہائی دلاؤ۔“

جوں ہی لاڈ و لزلہ نے یہ شقہ سلطانی دیکھا بہت خوش ہوا۔ اس کے

لاڈ و لزلہ | جواب میں لاڈ و موصوف نے بادشاہ کا اطمینان خاطر کر دیا کہ :-

”آپ گھبراہٹ میں نہیں عنقریب مرہٹوں کی قید سے آپ کو ہم لوگ رہائی دیتے ہیں۔“

مگر ڈاکٹر جندر کما مجم دار ایم اے، پی۔ ایچ۔ ڈی۔ دیباچہ ”راجہ رام موہن رائے“ میں لکھتے ہیں کہ :-

”مرہٹوں کے ہمنوا فرانسیسی تھے اور وہ سندھیا کے پردے میں روز بروز اقتدار قائم کر رہے تھے۔ پیرن کا توپ خانہ اور فوج اور فرانسیسی مقبوضات جو شمالی مغربی ہندوستان میں تھے سندھیا کی حمایت میں مغلیہ حکومت کے کھنڈرات پر قائم تھے۔ اس بڑھتی ہوئی حالت سے انگریز خوف زدہ تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مرہٹوں کی آلے کے فرانسیسی بادشاہ کو اپنا آلہ کار بنالیں گے۔ گورنر جنرل نے کمانڈر انچیف کو اختیارات دیدیے کہ وہ شاہ عالم سے معاہدہ کر لے کہ اگر بادشاہ سلامت حکومت برطانیہ کی حفاظت میں آنا چاہتے ہیں تو شرائط کے تحت آسکتے ہیں۔ چنانچہ بادشاہ کو گورنر جنرل کے نیک ارادوں سے مطلع کرنے کے لئے مارکیوز آف ویلزلے نے اس مضمون کا خط ۲۳ جولائی ۱۸۰۳ء کو بادشاہ کو لکھا کہ اگر کسی وقت حالات نازک ہو جائیں تو آپ فوراً ہماری حفاظت میں آسکتے ہیں۔ اور اس امر کا بھی یقین دلایا کہ اگر آپ ہماری پناہ میں آجائیں تو ہر اعتبار سے برطانوی

۱۔ تذکرہ عالم صفحہ ۲۵۶ از مولوی رحیم بخش دہلوی ۲۔ ایضاً صفحہ ۲۵۶۔

حکومت آپ کا اعزاز قائم رکھے گی اور ایک معقول وظیفہ آپ کے اور آپ کے خاندان والوں کے لئے دے گی۔ اعلیٰ حضرت اس کو خوشی سے منظور کر لیں گے۔^۱

کمانڈر انچیف کو یہ بھی ہدایت کی گئی کہ یہ پیغام رازداری کے ساتھ تحفیہ طور سے بادشاہ کو پہنچایا جائے تاکہ فرانسیسی افسر کو جو دولت راؤ سندھیا کی طرف سے بادشاہ کی حفاظت کا ذمہ دار ہے یہ توقع نہ ملے کہ وہ انگریزوں کو بادشاہ سے نہ ملنے دے اور اس طریقے سے ان کی تجویز کو کامیاب نہ ہونے دے۔ سعید رضا خاں جو دہلی میں دولت راؤ سندھیا کے ریڈیٹنٹ کا ایجنٹ تھا اس کام کے کرنے کے لئے مناسب سمجھا گیا۔ مذکورہ خط کے متعلق بادشاہ کا جواب جو سعید خاں کی معرفت بھیجا گیا بہت امید افزا تھا۔

اعلیٰ حضرت نے بعد شوق اس کا بھی اظہار کیا کہ وہ برطانوی حفاظت میں آنے کے لئے تیار ہیں۔^۲

دہلی پر انگریز اور مرہٹہ جنگ

پہلی مرہٹہ جنگ میں انگریزوں نے جان توڑ کر لڑائی لڑی اور انہیں شکست دی۔ دوسری جنگ دہلی پر ہوئی اور یہ خونخوار جنگ تھی۔ انگریزوں نے لاڈلیک کو اس جنگ کے لئے مقرر کیا تھا۔ وہ ۱۸۵۳ء میں دہلی پر حملہ آور ہوا دولت راؤ سندھیا کی طرف سے اس کا فرانسیسی جنرل یوگین تھا۔ مرہٹہ اس جنگ کو دل لگی کی جنگ سمجھ رہے تھے اس لئے انہوں نے اس میں اتنا زور ہی نہیں دیا صرف جنرل یوگین صفت آ رہا تھا۔ جب خونریزی کے ساتھ جنگ شروع ہوئی تو مرہٹوں نے شاہ عالم کو بھیج دیا کہ آپ چل کر جنگ کریں۔ زبدۃ النساء نے ہر چند چاہا کہ بادشاہ انگریزوں کے مقابلہ میں نہ جائے لیکن مرہٹے بغیر رہے۔ آخر ش زبدۃ النساء شاہ کے پیچھے خود ہاتھی پر بیٹھی اور ہاتھی میدان جنگ

۱۔ مقدمہ راجہ رام موہن رائے مترجم مولوی سراج الحق بی اے علیگ رسالہ مصنف مارچ ۱۹۴۲ء

۲۔ رسالہ مصنف علی گڑھ مارچ ۱۹۴۳ء صفحہ ۹۔

کی طرف چلا۔ شاہ کے ہاتھ میں تیر و کمان تھی۔ وہ بحالت عدم بینائی کیا تیر چلاتے مرہٹوں کا مجبور کرنا تھا۔ چنانچہ زبدۃ النساء بیچھے سے کہتی جاتی تھی تیر ہاتھ بلند کر کے مارتے جائیے۔ اسی اثناء میں بیگم نے لاڈ لیک کے نام شاہ کی مہر سے ایک شوقہ بھجوا دیا جس میں انچی مجبوری کا اظہار تھا۔ آخر شش مہرہ لاڈ لیک کے مقابل شکست یاب ہوئے۔

۱۸ ستمبر ۱۸۰۳ء کو دہلی فتح ہوئی۔ لاڈ لیک نے بادشاہ کے حضور میں اکبر عرض کیا۔ حضور آپ مرہٹوں کی قید سے آج آزاد ہو گئے۔ زبدۃ النساء نے شاہ کی طرف سے کہا شاہ آپ کو فرزند دلہند کا خطاب عطا فرماتے ہیں اور آپ کو اس نمایاں فتح پر مبارکباد دیتے ہیں۔ لاڈ لیک نے یسین کرٹوپی اُتار کر سلام کیا۔ شاہ کے خطاب عطا کرنے پر شکریہ ادا کیا۔ گوروں کی پلٹنوں نے لاڈ لیک کے حکم سے شاہ کی سلامی اُتاری اور پھر بڑے جاہ و جلال سے شاہ قلعہ میں داخل ہو کر تخت پر رونق افروز ہوئے۔

انگریزی قبضہ ۱۳ ستمبر ۱۸۰۳ء کو برطانوی فوجوں نے جینا مجبور کر کے دارالسلطنت پر قبضہ کر لیا۔

۱۶ ستمبر کو کمانڈر انچیف جنرل لیک شہر میں داخل ہوئے۔ دہلی کے سارے باشندے جو مرہٹوں کے مظالم کا شکار رہے تھے دولت اُن کی لٹی تھی۔ عزت و آبرو خاک میں مل رہی تھی وہ اس واقعہ سے بے حد خوش ہوئے۔ ادھر جنرل لیک نے ہر ایک کی دلجوئی اور تشفی کی جس پر دہلی کے باشندے اور بالخصوص مسلمان اس قدر متاثر ہوئے کہ اس کا بیان احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ جنرل کو سلطنت کا دوسرے نمبر کا خطاب ملا تھا کیونکہ پہلا خطاب سندھیا کو دیا جا چکا تھا۔ اب شمالی مغربی صوبوں میں ان کی کامیابی سے فرانسیسی اثر و اقتدار پر بڑا اثر پڑا اور دو آہ کا علاقہ برطانیہ کے لئے محفوظ ہو گیا۔

بادشاہ کی سخاوت باوجودیکہ بادشاہ کی حالت بہت زبوں تھی جس وقت دہلی کے قلعہ میں گئے ہیں شکستہ حالی میں گرفتار، ضعیفی، غربت،

عدم بھارت ایک بوسیدہ شامیانہ کے نیچے بیٹھے ہوئے اپنی گزشتہ عظمت پر آنسو بہا رہے تھے۔ معلوم ہوا دولت راؤ سندھیا کا چھ لاکھ روپیہ فرانسیسی کمانڈر دہلی کے پاس تھا جو اس کے خراجی شاہ نواز خاں کے پاس موجود ہے۔ کمانڈر انچیف کو بھی اس کی اطلاع ملی انہوں نے ایک مؤدبانہ درخواست بادشاہ کے حضور میں گزاری کہ یہ رقم ہم کو عطا ہو۔ بادشاہ نے اپنی فراخ دلی سے بنظر عنایت وہ رقم کمانڈر انچیف کے خیمہ میں بھیج دی اور اس کو پیغام بھیجا کہ یہ رقم بطور شاہانہ عطیہ قبول فرمائی جائے۔

ریزیڈنٹ کا تقرر | شاہ عالم اب انگریزوں کی حفاظت میں تھے۔ کمانڈر انچیف دہلی سے روانہ ہونے لگے۔ لفٹنٹ کرنل اکثر لونی جو ڈپٹی جوئیٹ جنرل تھے برطانوی گورنمنٹ کی جانب سے دربار مغلیہ میں ریزیڈنٹ بنائے گئے۔ دو سال جوں توں کر کے گزرے اس اثنا میں ریواڑی پر برطانیہ کی فتح ہوئی تھی بادشاہ نے کمانڈر انچیف کو اس فتح کے صلہ میں اعزازی خلعت دے کر اپنی مسرت اور جانبازی کا اظہار کیا۔

اقترب برطانیہ میں مشورہ ہوا کہ شاہ دہلی مدت ہوئی اپنا شاہی وقار کھو چکے ہیں اور اس کو از سر نو زندہ نہ کیا جائے۔ اس بنا پر شاہی رتبہ اور وظیفہ کے متعلق اختلاف رونما ہوا۔

۲۳ مئی ۱۸۰۵ء کو ریزیڈنٹ متعینہ دہلی کی معرفت بادشاہ کو مطلع کیا گیا کہ ہمارے اور آپ کے تعلقات کن شرائط پر ہوں گے اور اقرار نامہ بھیجا گیا جس کی مختصر شرائط یہ ہیں:-
۱۔ ”وہ خاص علاقہ جو دہلی کے نواح میں دریائے جمنہ کے داہنی طرف واقع ہے شاہی خاندان کی کفالت کے لئے بموجب شرائط اقرار نامہ دیدیا جائے اور یہ علاقہ دہلی ریزیڈنٹ کے ماتحت رہے گا۔ مالیات کا وصول کرنا اور انصاف قائم کرنا مطابق قوانین گورنمنٹ برطانیہ شاہ عالم کے نام سے موسوم ہوگا۔“

۲۔ دیباچہ راجہ رام موہن رائے ص ۹۱ ایضاً ص ۹۳ (مصحف)

۲۔ بادشاہ کو اختیار ہے کہ ایک دیوانی اور دوسرے چھوٹے چھوٹے افسر کلکٹر کے دفتر میں لکھیں جن کا کام یہ ہوگا کہ جانچ پڑتال کریں اور بذریعہ رپورٹ بادشاہ کو اس امر کا اطمینان دلاتے رہیں کہ وصول شدہ اقوم مالیات اور وصول مالگذاہی میں جو خرچہ ہو رہا ہے اس کا کوئی حصہ خورد و برد نہیں کیا جا رہا ہے۔ وہ عدالتیں دیوانی اور فوجداری کی اسلامی قانون کے مطابق دہلی شہر اور اس آدامنی کے باشندوں کے لئے جو بادشاہ کے نام غتعل کردی گئی تھی قائم ہونی چاہئیں اور فوجداری عدالتوں کے منرائے موت کے حکم کی تعمیل اُس وقت تک نہیں کی جائے گی جب تک کہ بادشاہ سے منظوری نہ لے لی جائے اور اس کے سامنے اس قسم کے مقدمات کی روئیداد بھی پیش کی جائے گی کسی عضو کے کاٹنے کا حکم نہ دیا جائے گا“ لہ

ڈاکٹر محمد اہ لکھتے ہیں :-

”بادشاہ اور اُن کے خاندان کی فوری ضرورت پوری کرنے کے لئے نوٹے ہزار روپیہ کا مشاہرہ منظور کیا گیا۔ اگر منتقلہ ادا منی کی آمدنی اجازت دے تو یہ رقم ایک لاکھ تک بڑھائی جاسکتی ہے۔ مذکورہ بالا رقم کے علاوہ دس ہزار روپیہ سالانہ ہندو مسلمانوں کے خاص تہواروں کے موقع پر قدیم رواج کے مطابق دیئے جائیں گے۔

مُغلیہ حکومت کا آخری دور

سر جے ڈبلو کتنا ہے کہ ایک چھوٹے سے پیمانہ پر قیام سلطنت مغلیہ کی تجویز لارڈ ولزلی جارج یا لارڈ رسلرڈ جیسے قابل اور تجربہ کاروں کی دماغ نموزی کا نتیجہ ہے:-

ڈاکٹر محمد اہ لکھتے ہیں :-

۲۔ مقدمہ راجہ رام موہن داسے مصنف ص ۹۲۔

”یہ اسکیم تھی جس سے شاہ عالم کی حیثیت ایک پش خوار کٹھ پتلی سے گوکچہ زیادہ بڑھ جاتی ہے مگر اس کے ساتھ اُس کے پاس کچھ اختیارات شاہی نہ تھے وہ بادشاہ تھا بھی اور نہیں بھی، سب کچھ تھا اور کچھ بھی نہ تھا“ ۱۵

غرضیکہ شاہ عالم مدبرانِ برطانیہ کے ایک معزز آلہ کار بنے ہوئے تھے۔ اب یہ قیدی نہ تھی کہ اس سے جیتے جی چھوٹنا نصیب ہوتا۔

وفات چنانچہ نومبر ۱۸۵۷ء، رمضان ۱۲۷۶ھ کو اس بادشاہ نے حکومتِ مغلیہ کا بیڑہ غرق کر کے دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو کوچ کیا۔ قطبِ صاحب میں بہادر شاہ اول کی قبر کے برابر دفن کئے گئے۔

اُن کی حکومت کی کل مدت ۴۸ سال ہے جس میں سے بارہ برس بہادر شاہ اول آباد اور ۱۹ برس بینائی کے ساتھ اور ۱۹ برس آنکھیں کھوکھری میں گزارے۔ ۱۶

ولی عہد اول

جہاندار شاہ، شاہ عالم کے بڑے صاحبزادہ اصلی نام مرزا جواں بخت تھا۔ ۱۱۶۲ھ میں نواب تاج محل کے لپٹن سے پیدا ہوئے جو حکمِ الدولہ سید علی اکبر خاں بہادر مستقیم جنگ کی حقیقی بہن تھی۔ ۱۷

مولوی نظام الدین دہلوی سے تعلیم پائی شعر و شاعری سے بھی لگاؤ تھا۔ اُردو فارسی دونوں سے کہتے اور جہاندار شاہ تخلص کرتے تھے۔ جہاں دار شاہ سخی، خلیق، بامروت، شوخ طبع اور رنگین مزاج تھے۔ جرات اور ہمت کا یہ عالم تھا کہ ایک دن شکار گاہ میں ہاتھی بگڑ گیا چاہا سونڈ سے پکڑ کر والہ کرے انہوں نے اتنی ہمت نہ دی اور تلوار کے ایک ہی وارہ میں کام تمام کر دیا۔

۱۵ مقدمہ راجہ راجہ رام موہن رائے مصنف صفحہ ۹۳

۱۶ مقدماتِ نادراتِ شاہی از مولانا امتیاز علی خاں عرشی ص ۳۲۳ یہ واقع عالم شاہی۔

۱۱۸۴ھ میں احمد شاہ ابدالی نے شاہ عالم کے پیچھے انہیں نائب السلطنت بنا کر نجیب الدولہ کی سرپرستی میں دیا تھا۔ دس بارہ برس تک نہایت حسن و خوبی سے کاروبار سلطنت انجام دیتے رہے۔ ۱۱۸۵ھ میں شاہ عالم دلی واپس آئے تو یہ ولیم سلطنت کی حیثیت سے زندگی گزارنے لگے۔ مرہٹوں کے پنجے سے باپ کو چھڑانا چاہا مگر افراسیاب خاں امیر الامراء کے دُور سے ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۱۹۸ھ کو رات کو محل سے نکل کر رام پور گئے۔ پھر لکھنؤ آصف الدولہ کے پاس آ گئے۔ اس نے آداب اور خدمتگذاری میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ آخر میں دلوں میں کدورت پیدا ہوئی۔ جہاندار شاہ بنارس چلے گئے۔ دارن ہسٹنگز نے آصف الدولہ سے ۲۵ ہزار روپیہ ماہوار نذرانہ مقرر کر دیا تھا۔ اسی میں گزربہر کرتے تھے۔ مرزا محمد علاؤ الدین بہادر معروف مرزا بابا کی صاحبزادی جینا بیگم سے عقد کیا۔ ۲۵ شعبان ۱۲۰۱ھ میں انتقال ہوا۔ مرزا بابا شاہ عالم کے چچا زاد بھائی تھے اور بہنوئی بھی تھے۔ جینا بیگم کے بطن سے مرزا منظر بخت تھے جو بنارس ہی رہے۔ شاہ عالم کے دوسرے صاحبزادہ اکبر شاہ ثانی اور تین صاحبزادیاں تھیں۔

شاعری اور شاہ عالم | شاہ عالم کو گو تمام عمر مصائب کا سامنا رہا مگر طبعی رحبان شعر و شاعری کی طرف تھا۔ فادسی اردو میں شعر کہتے تھے۔ آفتاب تخلص تھا۔ بھاشا میں شاہ عالم تخلص کرتے تھے۔ فادسی کلام کی اصلا حمزہ محمد فخر مبین سے لی۔ اردو میں مشورہ مولوی نور احمد ممتاز سے لیا۔

شاہ عالم کے عہد میں شاعری کی ترقی | گو سلطنت مغلیہ ریٹ رہی تھی لیکن اردو زبان سنورتی جاتی تھی۔ اردو

کے جتنے بڑے استاد ہیں وہ اسی زمانہ میں پھلے پھولے۔ کلیم، میر، سودا، مصحفی گو جب شاہ عالم دلی آئے یہ لوگ جا چکے تھے۔ حکیم شاہ اللہ خاں فراق شاگرد میر درد، حکیم قدرت اللہ خاں قاسم، شاہ ہدایت، میاں شکیبا، مرزا

عظیم بیگ عظیم شاگرد سودا، میر قمر الدین منت، شیخ ولی اللہ محبت جیسے حضرات کا دور دورہ تھا جو رفعت شاعری کے علاوہ شاہی دربار میں خاندانی اعزاز بھی رکھتے تھے۔
 یہی زمانہ تھا کہ سید انشاء اللہ شاہ دلی آئے۔ دربار ایک ٹوٹی بھوٹی درگاہ سے مناسبت رکھتا تھا۔ جس کے سجادہ نشین شاہ عالم خود تھے۔ حضرت نے شاعرانہ قدرانی کے لحاظ سے اس نوجوان پر خلوت و عزت کے ساتھ شفقت کا دامن ڈالا اور سید انشاء اللہ اہل دربار میں داخل ہوئے۔ اپنے اشعار کے ساتھ لطافت و ظرافت کے ایک چمن زعفران تھا۔ گل افشانی کر کے محفل کو لٹا دیتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد یہ دلی چلتے ہوئے۔ آزاد دہلوی نے لکھا ہے کہ شاہ عالم بڑے مشاق شاعر تھے۔ مولانا عرشی رام پوری لکھتے ہیں :-

”ان کے شعروں کی خاص خوبی یہ ہے کہ ان میں پیچ و ادنیٰ خیالات، مشکل فقرے یا لفظ اور دوران کا زنجیر نہیں ملتیں۔ ان کی شاعری جذبات کی شاعری ہے۔ جو کچھ دل پر گزرتی ہے خوشی ہو یا رنج آرام ہو یا تکلیف اسے سادہ طریقے سے بیان کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں شان و شکوہ کم مگر اثر زیادہ ہے۔ طرز ادا کی سادگی اردو، فارسی، ہندی تینوں زبانوں کے اشعار میں یکساں پائی جاتی ہے اور یہی حال ان کے خیالات کی صفائی کا ہے۔ وہ گہری زبان تو وہ قلعہ معنی کے ممتاز لکھتے تھے ان سے زیادہ نتھری اور پاک صاف اردو کون لکھ سکتا تھا جو سند کا درجہ رکھتی ہے۔“

مغل بادشاہوں اور شہزادوں کو تصنیف و تالیف کا طرہ اشوق تھا۔
تصانیف | ابا بر اعظم مرزا کامران جہانگیر، دارا شکوہ، عالمگیر ثانی جن کی دو کتابیں مجموعہ روزگار، منتخب عزیز ی یادگار سے ہیں۔ شاہ عالم کی تصانیف دیوان فارسی

۱۔ دیباچہ نادر شاہی صفحہ ۳۱، ۲۔ آب حیات صفحہ ۲۳۳ ۳۔ دیباچہ نادر شاہی۔

دیوان اردو، منظوم اقدس (مثنوی) تفسیر شاہ شجاع الشمس، قاسم نے لکھا ہے کہ یہ نثر سنجیدہ میں تھا۔ مولوی ذکاۃ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اس کی عبارت چار درویش جیسی نہیں ہے۔ نادر شاہی، اردو، فارسی، ہندی، پنجابی شعروں کا مجموعہ ہے مولانا احتیاز علی خاں عرشی رام پوری نے معہ دیباچہ کے اس کتاب کو مرتب کر کے شائع کر دیا ہے۔

علمائے عہد اور شاہ عالم | شاہ عالم کے زمانہ میں علماء اور مشائخ مسلمانوں کی زبانوں حالی کی اصلاح میں لگے ہوئے تھے۔ شاہ فخر الدین بادشاہ کو اس کی اصلاح کے لئے ارشاد کرتے ہیں۔ چنانچہ مناقب فخریہ میں ہے :-
 ”سلطان عصر (شاہ عالم) تا بذاتِ خود بہ امور ملک ستانی و ملک داری متوجہ نشود و اختیار محنت و مشقت نہ کند بندوبست بہ هیچ وجہ صورت نمیکرد۔“
 حکومت امیروں کے سپرد کرنے کے خطرناک نتائج سے شاہ صاحب ان کو آگاہ فرماتے ہیں :-

”اگر مامور و مختار و نائب سلطنت نمایند امرائے دیگر ناخوش می شوند و سر بہ طاعت او نمی نهند و بے خبریے بردگی با سلطان می گردند و در عب سلطان ہر کہ و سر نمی ماند و فوج بادشاہی کہ محتاج بہ آن امیر شد اور امی شناسد و سر را شہتہ تعلق شان از سلطان منقطع می گردند و درد دماغ امیر ہوئے انا و اولاد غیر می پیچد و گاہ باشد کہ بر سر می آرد در سلف اکثر ہچنین شدہ است۔“

آگے فرماتے ہیں :-

”پس اول مقدم این ست کہ آن صاحب بذاتِ خود مستعد محنت کشی و ملک گیری شوند۔“

آپ کے سامنے فتنے اٹھ رہے تھے۔ سکھوں نے ظلم پر کمر باندھ دیا تھی اور بادشاہ کا

تغافل بڑھا ہوا تھا۔ ایک دن خود دربار میں تشریف لے گئے اور فرمایا :-
 ”وہ تنبیہ آئنا (فتنہ سکھاں) باید پرداخت کہ فلاح دینی و دنیوی در
 ضمن اس است“

سکھوں کی چیرہ دستیوں انہما کو پہنچ گئی تھیں۔ دہلی کے علماء کے خاندان ہر اس
 پریشان تھے۔ بڑے خاندانوں کو عزت و ناموس کا خطرہ تھا۔ شاہ عبدالعزیز نے
 اپنے چچا شاہ اہل اللہ کو ایک خط میں لکھا :

ایام برداشت فالقلم منجز من قوم سکھ و ان اللہ معقول
 ترجمہ ”مردیوں کا موسم آگیا اور دل پریشان ہے سکھ قوم سے اور دل کا یہ اندیشہ معقول ہے“
 تذکرہ شاہ ولی اللہ میں مولوی رحیم بخش دہلوی نے پورا خط نقل کیا ہے۔ اس عہد
 کے علماء کی بے عزتی مرزا بخت خاں کے ہاتھوں ہوئی۔

شعراء کا جھگڑا | دہلی میں ان دنوں اردو شاعری شباب پر تھی، آئے دن
 امشاعرے ہوتے تھے۔ میر تقی میر کے یہاں مشاعرہ ہوتا۔ اس
 کے بعد میر ممنون نے اپنے یہاں شعر و شاعری کی محفل جمائی مگر مرہٹہ گم دی نے صحبتوں
 کا لطف اٹھا دیا تھا۔

دلی کی شعر و شاعری کی سبھا کا اجاڑ | دلی میں جاٹ گردی نے امراء
 امراء اور باب فضل و کمال کو بھی
 چین نہ لینے دیا۔ کوئی مُرشد آباد و عظیم آباد گیا کوئی دکن پہنچا جن میں دوری کی
 نہ تھی وہ فرخ آباد اور فیض آباد سدھا رہے۔

نواب شجاع الدولہ کو محمد خاں خاں شونستری کی بیٹی امۃ الزہرا بیگم جو محمد شاہ
 بادشاہ کی منہ بولی بیٹی تھیں بیاہی تھیں ان کی سیرِ حیشمی سے آدمی دلی ادھر کھنچ گئی۔
 مرزا جواں بخت جو لکھنؤ گئے کچھ شعراء ان کے پاس پہنچے۔ مرزا سیلیمان شاہ کوہ کا لکھنؤ
 میں دوسرا دربار تھا۔ دلی سے جو جاتا ان کے خوانِ کرم کا مہمان رہتا۔
 علامہ میراج الدین خاں علی خاں آذر دلی سے لکھنؤ چلے گئے۔ نواب سالار جنگ

ہاں دن گزارے۔ میر غلام حسین ضاحک نے فیض آباد جا بسایا۔ میر سوز اور مرزا رفیع سودا دلی کا بگڑا رنگ دیکھ کر فرخ آباد گئے۔ وہاں نواب مہربان خاں زند نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

جب وہاں کا کھیل بگڑا تو فیض آباد، پھر لکھنؤ آ گئے۔
میر محمد تقی میر نے جاٹ گردی سے گھبرا کر اپنا وطن اکبر آباد چھوڑا۔ کچھ عرصہ دلی میں خوش وقتی سے زندگی بسر کی۔ بقول صاحب گل رعنا وضع داری نے مدتوں ان کو دلی سے نکلنے نہ دیا۔ آخر کب تک؟ وہ گھبرا کر لکھنؤ چلے گئے۔ پھر شیخ غلام ہمدانی مصطفیٰ میر اللہ محب، میر غلام حسین برشتہ، میر انشاء اللہ خاں انشاء اور حبرات بھی لکھنؤ پہنچ گئے۔ مرزا قتیل جو ذوالفقار الدولہ نجف خاں کے ساتھ مثل سایہ کے تھے اُن کے مرنے پر دلی سے منہ موڑ گئے۔ غرضیکہ دلی کی شعر و شاعری کی سبھا اُڑ گئی۔

علمی دور | شاہ عالم کا ابتدائی زمانہ دلی سے باہر گزرا۔ عالمگیر ثانی کا عہد تھا۔ گوطوائف الملوک کا دور دورہ تھا۔ امن چلن کہاں مگر علمی ترقی بالخصوص دینیات کی وسعت پذیری تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے صاحبزادگان علمی بساط پہنچائے ہوئے تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر کی درس گاہیں دہلی پر تھیں۔ اقطاع ہند سے طالبانِ علم و حدیث و قرآن آ کر فیض یاب ہو رہے تھے۔ قال اللہ وقال الرسول کی گرم باز آ رہی تھی۔ یہی زمانہ تھا کہ حضرت شاہ فخر الدین دکن سے دلی آئے اور اجمیری دروازہ کے باہر امیر غازی فیروز جنگ کے مدرسہ میں درس دینے لگے۔ علوم معقول کے ساتھ حقائق و معارف کے دریا بہائے۔

”سینہ ہائے کنوزِ حقائق و دلہائے معاونِ معارف گشتِ خفتگانِ بیدار
وہیوشاں ہوشیار گشتند و بے خبراں باخبر و بے اثراں با اثر گردیدند“^۱
آپ کے شاگرد مولانا سید احمد بھی درس دیتے تھے۔ میر بدیع الدین حضرت شاہ عبدالرحمن

۱۔ مناقب فخریہ ص ۶۔

لکھوی آپ کے شاگردوں میں نامور تھے۔

غرضیکہ ملکی بدامنی اور اخلاقی ہستی کے زمانہ میں بھی علماء درس و تدریس میں مشغول تھے۔ مخالفت ہوا تیر و تند لیکن یہ لوگ اپنا چراغ جلا رہے تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے عہد کے علمی چرچوں کا اس طرح ذکر کیا ہے :-

بہا مدارس لوطاٹ البصیر بہا لم تفتح علیہ الا علی الصلوات
ترجمہ۔ جس طرف نکل جائے اسیں مدارس نظر آئیں گے اور وہاں درس و تدریس کا سلسلہ برابر جاری ہو گا۔

حضرت شاہ فخر الدین اور حضرت شاہ مظہر جان جاناں علیہ الرحمۃ علم طریقت کی بساطیں بچھائے ہوئے تھے۔

ان درسگاہوں نے کثرت سے علماء پیدا کر دیئے اور وہ یہاں سے کامیاب ہو کر جہاں گئے وہاں علم کی ترویج کی۔ شاہ عالم کے عہد میں اردو میں قرآن مجید کے ترجمے ہوئے۔ شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین کلیم شریف خاں کی سعی کے مشکور ہوئے۔ شاہ عبدالعزیزؒ قدس سرہ نے ڈھائی پارے کی تفسیر فادسی میں لکھی۔

فصوص الحکم کا ترجمہ اردو میں کلیم دہلوی نے کیا۔ الہی بخش اکبر آبادی نے ایک کتاب اردو میں لکھ کر بادشاہ کی نذر کی۔ اس عہد میں اردو میں کثرت سے کتابیں لکھی گئیں۔

حضرت شاہ فخر الدین ابن شاہ نظام الدین اورنگ آبادی نیز شیخ
علمائے کرام الشیوخ شہاب الدین سہروردی والدہ سیدہ بیگم حضرت سید محمد گیسو دراز

کی پوتی تھیں۔ ۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے مولانا محمد میاں محمد جان، مولوی عبدالحکیم سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کی۔ بیعت اپنے والد سے فرمائی وہ حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کے مرید تھے۔ ۱۲۶ھ میں دہلی آئے اور مدرسہ امیر غازی الدین خاں فیروز جنگ میں درس و تدریس میں لگ گئے۔ اس کے علاوہ رشید و ہدایت کی محفل الگ۔ جنہے لگی۔ بڑے پائے کے بزرگ تھے۔

۲۷ جمادی الثانی کو وصال ہوا۔ تاریخ گفت بات خورشید دو جہانی

حضرت منظر جان باباں ابن مرزا جان دہلوی، شیخ محمد فاضل سیالکوٹی سے حدیث پڑھی۔ تیس برس تک مشائخ نقشبندیہ سے کسب کمال کیا شعر و شاعری میں صاحب کمال تھے۔ فارسی میں بیس ہزار اشعار میں سے ایک ہزار اشعار کا دیوان ہے جو خرطیہ جواہر سے کم نہیں۔ اردو میں غزلیں اور اشعار کافی ہیں۔ ساتویں محرم ۱۱۹۵ھ کو ایک ایرانی نے مرزا نجف خاں کے اشارہ سے ان کے قریب ماری دھو کر دھواں کو دھال دیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز ابن شاہ ولی اللہ عمری دہلوی نے باپ سے جملہ علوم حاصل کئے۔ سن پیدائش ۱۱۵۹ھ ہے اور وفات کا ۱۲۳۹ھ۔ تفسیر فتح العزیز، تحفہ اثنا عشریہ، بستان المحدثین یادگار سے ہیں۔

حضرت شاہ رفیع الدین ابن شاہ ولی اللہ عمری قدس سرہ کا قرآن مجید کا اردو ترجمہ اور چند تصانیف یادگار سے ہیں۔ ۱۲۲۲ھ میں انتقال کیا۔

حضرت شاہ عبدالقادر ابن شاہ ولی اللہ نے تمام عمر اکبر آبادی مسجد میں گزار دی۔ موضح القرآن ۱۲۰۵ھ میں لکھی۔ تینوں بھائی درس و تدریس میں لگے رہے۔ بعمر ۶۳ سال ۱۲۳۲ھ میں وصال ہوا۔ مہندیوں میں دفن ہوا۔

حافظ فخر الدین محدث نبیو شاہ عبدالحق محدث دہلوی محمد شاہی عہد کے بزرگ تھے۔ عمر کا بقیہ حقہ شاہ عالم کے عہد میں گزارا۔ بڑے فاضل اور عالم اجل تھے۔ صحیح مسلم کی شرح فارسی میں لکھی۔ عین العلم اور حصن حصین کی شرحیں یادگار ہیں۔

مولوی سلام اللہ بن شیخ الاسلام ابن حافظ فخر الدین دہلوی فقیہ فاضل محدث کامل مفسر متبحر علامہ عصر تھے۔ علوم اپنے والد شارح صحیح بخاری فارسی سے تحصیل کئے۔ مسند افاضت پر تمکین ہو کر مثل اپنے اجداد کے نشر علوم میں لگ گئے۔ تصانیف میں کمالین حاشیہ تفسیر جلالین۔ محلی شرح مؤطا ترجمہ فارسی صحیح بخاری، ترجمہ فارسی شمائل ترمذی مشہور ہیں۔ ۱۲۳۳ھ میں انتقال فرمایا۔

۱۔ مناقب فخریہ و گل رعنا وغیرہ۔

مفتی محمد ولی بن مفتی محمد امان بن ابوسعید صاحب بحر الحقائق بن مفتی علیم اللہ بن مفتی عبید اللہ اور ملا وجیہ الدین گوپاموی مؤلف فتاویٰ عالمگیری۔ ملا معز الدین داماد ملا محمد صالح ہرگامی (جد مولانا فضل امام خیر آبادی کے نواسے تھے) تذکرہ علما اودھ میں ہے:-
 ”اودہ وفور علم و دانش در اطراف و اکناف عالم بغایت مشہور اند و ہمارے تشر
 در علم فقہ و حدیث ضرب المثل، جمہور علماء نزدیک و دور در مدرسہ پدر
 بزرگوار خویش پیوستہ با قاعدہ قیام می نماید و بر عمدہ افتاء بعد وفات
 پدر ممتاز شد۔“

فتاویٰ یادگار سے ہے۔

یورپ میں آپ کے اجداد اور محب اللہ بہادی اور غلام سیکھی بہادی سے علم پھیلا۔
 بنگال اور مدراس میں قاضی حکیم علی بن قاضی مبارک شامی سلم و دیگر علماء و گوپامو قاضی
 مجتبیٰ علی خاں بہادر، افضل العلماء قاضی القضا خاں بہادر، علامہ عبد العلی بحر العلوم جیسے
 حضرات سے علم پھیلا اور خوب پھیلا۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کی اولاد کے
 ذریعہ تمام ہندوستان میں علوم کی اشاعت ہوئی۔ مگر عجب اتفاق ہے کہ یہ خاندان اور
 شاہ محمد فضل محب اللہ ملا محمود جونپوری صاحب شمس بازغہ، بلگرام میں عبد الجلیل اور غلام علی
 آزاد، یہ سب خاندان دو تین پشت سے آگے نہ چلے۔ یعنی وہ علمی حیثیت برقرار نہ رہی۔
 لیکن بحر العلوم کا خاندان اور مفتیان گوپامو دوسو برس تک ایک حیثیت پر قائم رہا اور سیکڑوں
 علماء و فضلاء پیدا ہوئے مفتی محمد ولی کے صاحبزادے قاضی محمد اسماعیل مدراس میں قاضی القضا
 نکات تفسیر فادسی کے مؤلف تھے مفتی محمد ولی کا انتقال ۱۹ شوال ۱۲۱۸ھ کو ہوا۔

قاضی احمد علی سندیلوی ابن سید فتح محمد شاگرد و اما د مولانا احمد اللہ سندیلوی
 دانشمند متبحر کثیر الدرس و التصانیف ذکی و ذہین بود از پیشگاہ سلاطین دہلی
 بعد از قضاۃ قضیہ سندلیہ عز امتیاز داشت۔“

۱۔ آثار علماء ۲۔ تذکرہ علمائے ہند۔

اُن کی تصنیفات میں حاشیہ میرزا ہد رسالہ وحاشیہ میرزا ہد ملا جلال، میرزا ہد شرح موافق و شرح سلم العلوم مشہور و معروف ہیں۔ ۲۳ ہجری کے اواخر میں انتقال کیا۔ مولوی حیدر علی سندیلوی، مولانا احمد اللہ کے خلف الرشید اور علوم عقلیہ و نقلیہ میں والد خود اور قاضی احمد علی کے شاگرد تھے۔ عمر کا بڑا حصہ باپ کے ساتھ دہلی میں گزرا۔ آخری عمر میں وطن چلے گئے۔ درس و تدریس جاری کیا۔ شاہ میر علماء فضل العلماء قاضی ارتضیٰ علی خاں گویا موی، دلدار علی مجتہد لکھنوی، مولوی نور اللہ فرنگی محلی و قاضی جلال الدین آسیونی جیسے شاگرد تھے۔ حاشیہ میرزا ہد رسالہ و تعلیقات میرزا ہد ملا جلال علمی یادگار چھوڑی۔

۶ رجب ۱۲۲۵ھ کو انتقال ہوا۔

مولوی عبدالحی دہلوی شاگرد و داماد مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی۔
دور فقہ حنفی و سنگا ہے کامل داشت

رسالہ نکاح ایامی و فتاویٰ متفرق تالیف سے ہیں۔ ۸ شعبان ۱۲۴۳ھ کو وفات پائی۔ حضرت قاضی ثناء اللہ عثمانی بنیرہ شیخ جلال الدین کبیر پانی پتی سات سال کی عمر میں قرآن مجید اور سولہ سال کی عمر میں علوم معقول و منقول کی تکمیل کی۔ فقہ اور اصول میں مجتہدانہ درجہ حاصل تھا۔ تیس سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں۔ کتب حدیث کی سند حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ تفسیر مظہری جس کو اپنے پیر طریقت مرزا مظہر شہید کے نام سے لکھی۔

۱۲۲۵ھ میں وصال ہوا۔

ملا عبدالحی بحر العلوم ابن ملا نظام الدین سہالوی نے سترہ برس کی عمر میں تحصیل علوم عالیہ سے فراغت پائی۔ لکھنؤ سے شاہجمنا پور گئے۔ حافظ الماک حافظ رحمت خاں نے با اعزاز و اکرام اپنے پاس رکھا۔ یہاں درس کا سلسلہ شروع کیا۔ اُن کی شہادت کے بعد نواب نعیم اللہ خاں نے امام پور بلالیا۔ کچھ عرصہ وہاں رہے، دہلی آئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی خدمت میں گئے۔ آپ نے ہی بحر العلوم کا خطاب دیا۔ نواب والاباہ محمد علی فاروقی گویا موی رئیس کرناٹک نے خرچ بھیج کر مدراس بلوالیا۔ جب آپ

مدرس پہنچے تو تزک و احتشام سے استقبال کیا گیا۔ خود والی جاہ نے پالکی کو کندھا دیا اور دربار میں اپنی نشست پر جگہ دی۔

عالی شان مدرسہ بنوا کر آپ کے سپرد کیا اور ملک العلماء کا خطاب دیا۔ کثیر المقادیر کتب الہکان الرابعہ در اصول فقہ حاشیہ بر میرزا ہد رسالہ حاشیہ زہدیدیہ بر شرح تہذیب جلالیہ۔ حواشی ثلاثیہ بر حاشیہ زہدیدیہ امور عامہ جدیدہ و قدیمہ۔ شرح مسلم مع حاشیہ منہیہ۔ عجلالہ نافعہ۔ فوائج الحموت، شرح مسلم الثبوت، تکملہ بر شرح ملا نظام الدین بر تحریر ابن ہمام۔ تنویر الابصار شرح فادسی منار حاشیہ بر شرح صدر شیرازی شرح مثنوی مولانا روم۔ شرح فقہ اکبر وغیرہ۔

محمد علی والا جاہ امور ملکی میں آپ سے مشورہ لیا کرتا تھا۔ ۸۳ برس کی عمر میں ۱۲۳۵ھ کو وفات ہوئی۔

حکماء علامہ حکیم شریف خاں دہلوی شاہ عالم کے سرکاری طبیب تھے۔ شفاء الملک کا خطاب تھا۔ عجلالہ نافعہ، تالیف شریفی، علاج الامراض حاشیہ نفیسی، حاشیہ شرح اسباب، ترجمہ فادسی مشکوٰۃ المصابیح، ترجمہ ادو کلام مجید یادگار سے ہیں۔

۱۲۳۱ھ کو وفات ہوئی۔

ابوالنصر معین الدین اکبر شاہ ثانی

شاہِ دلی

محمد اکبر شاہ، شاہِ عالم کے بیٹے مبارک محل کے بطن سے بدھ کے دن، ۱۵۵۶ء میں مکن پور زاهدان میں پیدا ہوئے۔ مبارک محل خاندانِ سادات سے تھیں۔ ذوالحجہ ۱۵۵۶ء میں شاہِ عالم نواب نجیب الدولہ کے پاس قیام پذیر تھے۔ وہیں جہانگیر عقد میں آئیں۔

اکبر شاہ علومِ رسمی سے واقف تھے۔ اپنے بھائیوں مرزا جہاندار شاہ، مرزا حسن بخت، مرزا سلیمان شکوہ اور مرزا فرخندہ بخت جہاں شاہ کی طرح ان کو بھی شعر و سخن سے دلچسپی تھی۔ شعاعِ تخلص تھا مگر زیادہ تعلق صوفیہ کرام سے تھا۔

شاہِ عالم جہاندار شاہ کو اپنا ولی عہد مقرر کرنا چاہتے تھے۔ مگر وہ ۱۵۷۱ء میں بمقام بنارس فوت ہو گئے۔ جہاں دار شاہ انگریزوں کے سخت مخالف تھے۔ اگر زندہ رہ جاتے تو ملک کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ اکبر شاہ ثانی کو مرہٹے چاہتے تھے اور اُن سے بہت مانوس تھے۔ اُن کو ولی عہد بھی بنا دیا تھا۔ غلام قادر شہیدِ دلی سے میرٹھ گیا تو اُن کو ساتھ لیتا گیا۔ جب وہ شہید ہوا تو ان کی جان بچی اور یہ دلی آئے۔ جہاندار کے بعد یہی ولی عہد قرار دیے گئے۔ انگریزوں نے بھی منظور کر لیا۔

۱۵۹۵ء میں شاہِ عالم نے اُن کی شادی بڑی دھوم دھام سے کی۔ امیرِ لامرا شادی | ذوالفقار الدولہ بخت خاں ایرانی نے دو لہا دہن کو لاکھوں روپے

۱۔ شاہِ عالم نامہ صفحہ ۶۳ ۲۔ گلستان سخن مرزا قادر بخش گورکانی -

۳۔ تذکرہ عالم مطبوعہ بلاقی داس دہلی (تذکرہ اکبر شاہ ثانی)

کے تحفے نذر کئے۔

ان کی اولاد میں بڑے بیٹے ابو نضر بہادر شاہ تھے جو راجپوت خاتون کے بطن سے تھے۔ دوسرے مرزا جہانگیر تھے جو ممتاز محل کے بطن سے تھے۔

شاہ عالم ۱۹ نومبر ۱۶۲۷ء میں انتقال کر گئے۔ محمد اکبر شاہ ثانی کی عمر اس **جلوس** وقت ۴۶ سال کی تھی۔ زیب افروز تخت سلطنت ہوئے تو ریزیدنٹ دیگر حکام کمپنی نے مراسم دربار ادا کئے۔ لال پردہ سے باہر رو بروئے تخت تین جگہ مجرایا، عمدہ وحشی و چوہدار اور عصا بردار نے یہ الفاظ نگاہ رو برو مجاہلی بادشاہ "یا حضرت جہاں پناہ سلامت" مبرا کرایا۔

پہلی عید آئی بادشاہ فیل پر سوار ہو کر عازم عید گاہ ہوئے۔ لالہ موہن لال ملک الشعراء متخلص بہم نے صفت فیلان شاہی میں ایک مثنوی لکھی تھی۔

فیل مستش چو قلعہ الوند زردہ پہلو بہ آسمان بلند

جس امیر کے دروازہ سے سواری گزرتی وہ نذر پیش کرتا۔ سرچالس مڈکاف مخاطب بہ منتظم الدولہ مختار الملک سواری کے ساتھ تھے۔ یہ کمپنی بہادر اور شاہ دہلی کے باہمی تعلقات کی خوشگواہی کا ثبوت تھا۔ اکبر شاہ کی تخت نشینی پر گورنر جنرل نے جو تہنیت نامہ بھیجا اُس میں بادشاہ کو یقین دلایا کہ حکومت برطانیہ آپ کی خدمت اقتدار اور امن و اطمینان کی ضمانت ہے۔ بادشاہ نے شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ خواہش کی کہ شاہ عالم اور لارڈ ولزلی سے جو وعدہ پیمان ہوئے تھے اس کی رو سے شاہی وظیفہ میں اضافہ کیا جائے۔ اس لئے کہ سلطنت کے اخراجات بڑھ گئے ہیں۔ وظیفہ کی یہ درخواست درخور اعتنا سمجھی گئی۔

اکبر شاہ کے براہ راست اول متواتر خطوط پر گورنمنٹ کو یہ حکم دینا پڑا کہ بادشاہ کے خطوط ریزیدنٹ کی معرفت آیا کریں اور ریزیدنٹ جن خطوط کو مناسب سمجھے آگے

لے دیا چو راہ رام موہن رائے از ڈاکٹر محمد راج (ترجمہ ڈاکٹر مرزا الحق مصنف)

بڑھائے ورنہ خطوط کے قائل میں رکھے رہیں۔

پالیسی کی تبدیلی | سرچارلس مٹکاف نائب ریزیڈنٹ تھا۔ اُس کو یہ پسند نہ تھا کہ بادشاہ کے ساتھ نرم سلوک کیا جائے بلکہ وہ بادشاہ کو تمام اختیارات سے محروم کرنے کے ورے تھا اور چاہتا تھا کہ مغلیہ خاندان کو لقب شاہی سے بھی محروم کر دیا جائے۔ اکبر شاہ نے ایک وفد جو شیرعل اور شاہ جی پر مشتمل تھا کلکتہ بھیجا۔ گورنمنٹ کے ایرانی سفیر نے وفد کو نا کامیاب بنا دیا۔ جو تحفے تحائف وفد کے ساتھ گئے تھے وہ گورنر جنرل کے پاس ایرانی سفیر کے ذریعے طلب کئے گئے۔ اس طرح شاہ دہلی کے ادعائے شہنشاہیت کو روک دیا گیا۔ وظیفہ شاہی کے ایک لاکھ تیس ہزار ماہوار تک بڑھا دینے کا مطالبہ، ولی عہد کا انتخاب، ضبط شدہ اراضی کی واگذاری اور انتظامی شرائط کی پابندی وغیرہ میں سے اکثر مطالبات کی منظوری سے حکومت نے انکار کر دیا۔ مگر بادشاہ نے سلسلہ جنابی جاری رکھی۔ آخر لارڈ منٹون نے بادشاہ پر رحم کھایا اور بارہ لاکھ سالانہ کی سفارش کی۔ مگر ریزیڈنٹ ریشہ دو انیاں کر رہا تھا۔

دس سال بعد لارڈ ہسٹنگز نے سخت روش اختیار کی اور آداب شاہی اور رسوم دربار ختم کر دیئے۔ بادشاہ جو چاہتا تھا وہ نہیں ملا۔ بلکہ مخصوص جشن کے موقع پر انگریز حکام نذر پیش کرتے تھے وہ سلسلہ بھی ختم کر دیا گیا۔ کیونکہ اس سے کلپنی کے محروسہ علاقوں پر تاج شاہی کا تفوق نمایاں ہوتا تھا۔

انقلاب و آداب بھی مراسلوں میں ختم کر دیئے۔ سرج اے کول بروک دلی میں ریزیڈنٹ ہو کر آئے۔ یہ ایک شریف انگریز تھا اس نے اپنے محکمہ کا مرستہ دار مفتی انعام اللہ خاں بہادر گوپاموی کو کیا۔ بادشاہ نے مفتی صاحب کو خانی کا خطاب دیا۔ کول بروک بادشاہ کا ہمدرد تھا۔ مگر زیادہ عرصے اس کو رہنے نہیں دیا گیا۔

۱۔ تاریخ مفتیان گوپامو مصنفہ مفتی محمد حسن ص ۲۔

۱۸۱۹ء تک گورنر جنرل ایک بڑی مہرجس پر لقب "وفادار اکبر شاہ" یا حلقہ مگوشن اکبر شاہ" کندہ تھا۔ استعمال کرتا تھا اور خط جو بادشاہ کو لکھا جاتا تھا وہ عرضداشت یا درخواست کی شکل میں ہوتا تھا۔ اب یہ عبارت متروک قرار دی گئی۔

۱۸۲۰ء میں شاہ انگلستان کا انتقال ہوا تو بادشاہ نے گورنر جنرل کی معرفت متوفی شاہ انگلستان کی تعزیت اور نئے شاہ کی تنییت کا پیغام بھیجنا چاہا۔ مگر یہ درخواست نامنظور کی گئی۔

ان واقعات نے بادشاہ کو مجبور کیا کہ ایک وفد انگلستان روانہ کریں۔ چنانچہ راجہ رام موہن رائے کو مقرر کیا کہ وہ انگلستان جا کر کورٹ میں عرضداشت پیش کریں۔ دربار شاہی سے اُن کو راجہ کا خطاب دیا گیا اور گورنر جنرل سے منظوری چاہی گئی جس نے یہ درخواست مسترد کر دی اور اُن کے تقرر کو بھی جائز قرار نہیں دیا گیا۔ مگر راجہ رام موہن رائے ۱۵ جنوری ۱۸۳۰ء کو روانہ ہو گئے اور ۱۸ اپریل ۱۸۳۱ء کو انگلستان کے ساحل پر اترے۔ پہلے تو راجہ کے خلاف اخبارات میں حکام برطانیہ نے بہت زہر اگلا اور گورنر نے بادشاہ سے دریافت کیا کہ کیا موہن رائے آپ کا سفیر ہے؟ انہوں نے کہا میرا وکیل اور سفیر ہے۔ وہ جو کچھ وہاں درخواست پیش کرے گا وہ میرے ہی مطالبات کی درخواست ہوگی۔

غرضیکہ وزیرائے سلطنت برطانیہ نے شہنشاہ کے سفیر کی بڑی آؤ بھگت کی۔ عدالت ڈاکٹر کٹران کے ارکان نے رام موہن رائے کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور راجہ نے پُرانے مطالبات کی درخواست پیش کی۔ اس کی تفصیل دیا راجہ رام موہن رائے میں تحریر ہے۔ غرضیکہ ایک عرصہ تک اس معاملہ کا فیصلہ نہیں ہوا۔

پھر ڈاکٹر کٹران نے فیصلہ کیا اور ۱۳ فروری ۱۸۳۲ء کو گورنر باجلاس کونسل کو بھیج دیا گیا۔ انہوں نے سب مطالبات کو نظر انداز کرتے ہوئے تین لاکھ روپیہ سالانہ کے اضافہ کو

۱۔ تاریخ ملت جلد دہم ص -

اس شرط پر منظور کیا کہ اس کے بعد شہنشاہِ دہلی کے ہر قسم کے دعویٰ ختم ہو جائیں گے۔ اس اضافہ کی تقسیم کا طریقہ گورنر جنرل باجلاس کونسل کے فیصلہ پر چھوڑ دیا گیا۔ اکبر شاہ کو اطلاع دی گئی، اُنہوں نے اظہارِ خیال سے انکار کر دیا۔ جس پر یہ اطلاع کورٹ کو بھیج دی گئی۔ ادھر راجہ جی پیہم میں لگا ہوا تھا کہ موت کا شکار ہو گیا جس سے تمام اُمیدیں خاک میں مل گئیں۔

ادھر قرض خواہوں کا تقاضا ہونے لگا۔ بادشاہ نے بے دلی سے رقم مذکور کے لینے کی منظوری دے دی۔ مگر اباب کیپنی نے اس میں بھی رخنہ ڈالے۔ آخر بادشاہ نے نام نہاد اضافہ لینے سے انکار کر دیا اور راضی نامہ کی واپسی چاہی۔

بادشاہ کو اباب حکومت کی فتنہ پردازیوں سے سخت صدمہ تھا اور وہ **وفات** ان ظالمانہ واقعات سے بے حد اٹھلے رہا تھا۔ کچھ عرصہ بیمار رہا اور جمعہ ۲ جمادی الاول ۱۲۵۳ھ کو بصرہ ۸ سال لال قلعہ میں انتقال کیا۔^{۱۷} اُن کے باپ کی طرح اُن کی وفات پر بھی تینوں پریسڈنسیوں سے ان کے اعزاز میں ۸۲ ضرب توپیں سر کی گئیں۔

اکبر شاہ کے عہد کے انگریزی عہدہ دار | اکبر شاہ ثانی کے عہد کے حسب ذیل انگریز عہدیدار قابل ذکر ہیں :-

ناظم الدولہ سٹین صاحب بہادر ہر سال امرائے دہلی کی دعوت بڑے پیمانہ پر کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد محفلِ رقص سرود بپا ہوتی۔ کسی نے اُن کے وصف میں کہا ہے :-

ناظم الدولہ در لباسِ سیاہ نظرے کن دریں چہ بادِ یکبست
بہر خلق است اد چو آبِ حیات آبِ حیاں دروین تارِ یکبست
جنرل آکٹوئی کا بڑا دور دورہ تھا۔ پاکی پر نکلتے تھے۔ آگے آگے نقیب الفاظ دولت

۱۷۔ دیباچہ راجہ رام موہن رائے۔ مترجمہ ڈاکٹر سراج الحق ایم اے (مصنف)

۱۸۔ تاریخ خاندانِ مغلیہ (مطبوعہ مکتبہ نیا کتاب گھر دہلی ص ۳۰۰)

زیادہ نواب ناصر سلامت“ بلند آواز کے ساتھ ادا کرتا جاتا۔ جس جگہ اترتے تھے،
”دولت شاد دشمن پائمال“ کی صدا ہوتی تھی۔

مرشد اکبر شاہ ثانی

اکبر شاہ ثانی مولانا فخر الدین سے بیعت تھے۔ شجرۃ الانوار میں لکھا ہے :-
بیعت ”حضرت ظل سبحانی محمد اکبر شاہ ثانی باعتماد تمام مریدان فرزند رشید حضرت فخر
صاحب گشتند و بعضے فرزندان و متعلقان خود را نیز مرید کناہند“

سناوت اکبر شاہ ثانی میں جہاں عشرت نوازی تھی وہاں بیحد سخاوت اور غربا پروری
میں تھی۔ بڑھاپے میں لیتے دیتے زیادہ تھے۔ ایک دن حضرت سلطان جی کے
فاتر خوانی کو گئے تخت رواں پر سوار درگاہ میں پہنچے۔ ایک درویش صورت شخص نظر پڑا۔
اُس نے بادشاہ سلامت کو دیکھتے ہی السلام علیکم کہا۔ بخندہ پیشانی سلام کا جواب دیا۔ اُس نے
مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ انہوں نے بھی ہاتھ بڑھایا۔ اتنے میں تخت رواں جنتی کوچہ میں
داخل ہوا۔ ہمراہی آگے پیچھے ہو گئے۔ درویش ناشخص ہاتھ میں ہاتھ لئے چلتا ہوا اور میرے
کی انگشتی اتارنے کی کوشش کی۔ بادشاہ نے ہاتھ ڈھیل کر دیا۔ مگر چنگلی میں سے انگشتی اتری
نہیں۔ چنگلی میں درد کرنے لگا۔ ہاتھ چھینچ لیا۔ مزار پر حاضری دے کر فاتر خوانی کے
بعد قلعہ ٹوٹ آئے۔ ناظر کو حکم دیا کہ ایک ہزار روپیہ لے کر فوراً حضرت سلطان جی میں جاؤ۔
اس شکل و صورت کا درویش لے گا اس کو میری جانب سے نظر کرنا۔ ناظم حسب الحکم گیا مگر وہ
شخص رخصت ہو چکا تھا۔ واپس آکر بادشاہ سلامت سے عرض کیا۔ درویش کا پتہ نہ لگا۔
بادشاہ نے کہا۔ افسوس اس کی قسمت میں نہ دس ہزار کی انگشتی تھی اور نہ ایک ہزار روپیہ۔
چنگلی میں ورم آیا۔ تین چار روز اس کی تکلیف اٹھائی۔

مذہبی حالت اکبر شاہ ثانی کے زمانہ میں اکثر شعائر اسلامی کامل طور سے ختم ہو گئے تھے۔
مرشدانہ رسوم و بدعات ساری جاری تھیں۔

کان کا ہر بیٹہ شرعی ختم ہو چکا تھا۔ شاہ عالم کے عہد سے جتنے نکاح ہوتے تھے نہ ان میں قاضی کی ضرورت تھی اور نہ نکاح خواں کی نہ کسی وکیل اور ایجاب و قبول کی محل میں ڈال لینے کا نام ہی نکاح تھا۔ یہ ختمی کی اسلامی سنت کو یک قلم اٹھا دیا گیا تھا تا کہ غیر جنسیت کا خیال تک نہ آنے پائے۔

راج کماریاں تیوری قلعہ میں آنے کے بعد اپنے دھرم کی پوجا پاٹ کرتی تھیں۔ ٹھاکر جی کو جل پھول چڑھاتی تھیں۔ منک لگاتی تھیں۔ پھر پرار تھنا کرتی تھیں۔ سینڈا کی پوجا کا دل و دل انہی راجپوتوں کی وجہ سے آیا۔ اکبر شاہ ثانی کی بیوی لال بائی جن کے بطن سے ابوظفر تھے ان کی کاہ فرمائیاں کچھ کم نہ تھیں۔

قلعہ میں قرآن شریف کے بجائے دیون حافظ کی تلاوت ہوتی تھی۔ اس کی غزلیں گائی جاتی تھیں۔ اُس کے اشعار پر حال آتا تھا۔ قلعہ میں سورہ لیسین کا نام ننانویں سورہ دکھایا گیا تھا۔ یہ ہر بیگم کا کمرہ طلبہ، سادہ لگی اور رنٹ غنہ کا گہوارہ تھا۔ لطف یہ ہے کہ جو قلعہ میں گیا شہزادیوں اور شہزادے کے زمرے میں داخل ہو گیا۔ مائیں، اسیلیں یہاں تک کہ کسبیاں بھی چند روز کے بعد شہزادیاں بن جایا کرتی تھیں۔ اس سے بڑھ کر یہ لطیفہ تھا کہ شہزادے جامع مسجد کی سیڑھیوں پر جمع ہوتے اور رنگ برنگ کے ڈنٹے آپس میں لڑایا کرتے تھے۔ شاہ عالم کے عہد سے تعزویوں کا زور تھا۔ مرہٹوں کے تغلب و استیلا کے بعد شہزادانہ رسوم بہت رائج تھیں۔

بادشاہ اور اُن کے اہل خاندان میں مذہب اتنا گافورہ گیا تھا کہ ہر سال جامع مسجد کے تبرکات، اکبر شاہ ثانی کے لئے قلعہ میں لے جاتے تھے۔ انہیں آنکھوں کو لگایا جاتا اور خدام کو انعام و اکرام مل جاتا۔

شاہ محمد اسماعیل شہید شاہ عبدالغنی کے صاحبزادے اور شاہ ولی اللہ کے پوتے اپنے

۱۔ تذکرہ عالم حس ۲۵۳ ۲۔ امر لے ہنور ص ۵۷۵ از مولوی سعید احمد مارہروی ۳۔ بلی ص ۹۰

باپ اور چچا سے کم عمری میں فارغ التحصیل ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک علم و فضل کا درخشندہ آفتاب و ممتاز تھا۔ قوم کی حالت بگڑی ہوئی دیکھی۔ اصلاح، حوالہ دیا۔ پہلی ہم بدعات و محدثات کے خلاف تھی۔ آپ نے حقیقی اسلامی توحید کا نقشہ پیش کیا اور مسلمانوں کی خلاف اسلام طرز معاشرت کی دھجیاں اڑائیں اور بابِ دہلی کے اوباشانہ طریقوں کو آشکار کیا۔ اس پر عوام تو عوام علماء بگڑ بیٹھے۔ مگر شاہ صاحب کی عملی زندگی نے اُن کے لئے کامیابی کا راستہ کھول دیا۔

سکھوں کی چہرہ دستیاب ہوئی تھیں اور اُن کے مظالم کی کوئی حد نہ رہی تھی۔ اکبر شاہ ثانی میں سکت نہ تھی جو اس سیلاب کو روکتے۔

شاہ صاحب نے اپنے چچا سے مظالم کی داستانیں سُنی تھیں۔ اس زمانہ میں مولانا سید احمد بریلوی دہلی آگئے۔ شاہ صاحب اُسٹھے، بیعت کی اور علماء کے مشورہ سے مجاہدین کے لشکر کی تیاری شروع کر دی۔ ۱۸۴۷ء میں جہاد کے لئے روانگی عمل میں آئی۔ تھانہ میر علی کوٹلہ، ممدوٹ، بہاول پور، حیدر آباد سندھ اور خان گڑھ ہوتے ہوئے قندھار گئے۔ پھر کابل آئے۔ درہ خیبر سے پنجاب آئے۔ راستے میں امیر دوست محمد خاں کے بھائی نے بیعت کی۔ اکوڑہ پر سردار بدھ سنگھ دس ہزار فوج لئے کھڑا تھا۔ آپ نے اعلان نامہ دربار لاہور کے نام بھیجا۔ بعد ازاں جنگ ہوئی سو سکھ مارے گئے۔ مجاہدین شہید ہوئے۔ غرضیکہ بہت سی جنگیں سکھوں سے متواتر ہوئیں۔

مولانا عبدالحی نے ۱۲۲۶ھ میں بمقام فہر انتقال کیا۔ سکھوں سے مقابلہ تھا ہی لیکن افغان زنی اور درانی آڑے آئے۔ جنگ معیار میں سرحدیوں کو شکست دینے کے بعد مردان پر قبضہ کر لیا۔ یار محمد خاں کے بھائی سلطان محمد خاں نے سید صاحب سے معافی مانگ لی۔ آپ نے اس کو پشاور عطا کیا۔ مگر سلطان نے بے وفائی کی اور آپ معہ مجاہدین کے بالا کوٹ آگئے۔

سردار شیر سنگھ نے کثیر لشکر سے مقابلہ کیا۔ اس میں شاہ اسماعیل اور سید احمد بریلوی شہید ہوئے۔ سردار شیر سنگھ نے ان شہداء کو اعزاز کے ساتھ دفن کیا۔ اس واقعہ

کے بعد صرف آٹھ سو غازی باقی تھے۔ شیخ ولی محمد بقیہ گروہ کے سردار مقرر ہوئے۔
اور سرحد میں رہ گئے۔

علمی دور دورہ | اکبر شاہ کا زمانہ علمی اعتبار سے بہت اچھا تو نہ تھا مگر غنیمت
تھی۔ نہ علماء کو پیش قدمی قرار و وظائف دیتے جلتے تھے۔ یہ بڑا شرمناک واقعہ ہے کہ حضرت شاہ
عبدالعزیز کی خدمت میں دس روپیہ ماہوار نذرانہ پیش ہوا۔ اور اپنی چھٹی کبھی شکر لب
کو تین سو روپیہ ماہوار دیئے جائیں۔ مگر دلی اس عہد میں خاندان شاہ ولی اللہ کی وجہ سے
مرجع اہل علم بنا ہوا تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت شاہ ذبیح الدین کے درس جاری تھے۔
دور دور سے طلباء علمی استفادہ کرنے آتے۔ ان کی عمریں اختتام پر پہنچ گئی تھیں۔

اس عہد میں صدر الصدور کے عہدہ پر مولانا فضل امام خیر آبادی ممتاز تھے۔ اپنے
فرائض ملازمت کی ادائیگی کے بعد منتہی طلباء کو معقولات کا درس دیتے تھے۔ ایک
طرف علوم نقلیہ اور دوسری طرف علوم عقلیہ کی اشاعت عام تھی۔ یہ ضرور ہے کہ بادشاہ کی
ناقدری سے اہل علم دلی چھوڑ چھوڑ کر کھنڈر امپور چلے گئے۔ مگر پھر بھی تھوڑے بہت علمی چرچے
باقی تھے۔ مولانا فضل امام نے دلی میں ”مرقات“ لکھی۔ ”افق المبین“ پر حاشیہ چڑھایا۔
اس کے علاوہ ان دنوں اردو شعر و شاعری کے بڑے چرچے تھے۔ بادشاہ سلامت کو بھی
اس سے دلچسپی تھی خود بھی کہہ لیا کرتے تھے۔ شعاع تخلص تھا۔

دلی اس زمانہ میں آج کی ایسی دلی نہ تھی۔ گواہ بڑ گئی تھی۔ بڑے بڑے صاحب کمال مرہٹہ
گروہ سے عاجز آکر دلی چھوڑ گئے تھے۔ اس پر تیر، سودا و درو کے تلامذہ نے دلی کی آبرو
بڑھانے کبھی سید محمد میر فرخ، حکیم قدرت اللہ قائم، حضرت نصیر الدین نقیر، میر تقی الدین مینون جیسے
دلی شہر میں تھے انہی شاعری کا سکہ لایا تھا۔ اکبر شاہ بادشاہ نے فخر الشعراء کا خطاب عطا کیا۔

۱۔ حیات طیبات از مرزا حیرت۔ تفصیل کے لئے سیرت سید احمد شہید از مولانا غلام رسول مہر دیکھو۔
۲۔ گل رعنا صفحہ ۲۷۲۔

ایسے ایسے ارباب کمال کا یہاں جھمکا تھا اور شاعری کا ہنگامہ گرم تھا۔ یہ ضرور ہے کہ لکھنؤ کی گنگا جہنی نہریں یہاں کے شعراء کو لبھا کر وہاں ہاتھ دھونے پہنچا دیتی تھیں۔ مگر وضع دار لوگ دلی سے جانا عائد سمجھتے تھے شیخ ابراہیم ذوق بھی اکبر شاہ کے دربار میں قصیدہ لے کر پہنچے۔ ولی عہد ابو ظفر کے شاعری میں نگراں بنے اور قصیدہ کے صلہ میں غاقانی ہند کا خطاب عنایت ہوا۔

اکبر شاہ ثانی کا آخری وقت تھا اور مفتی صدر الدین خاں آذرودہ، مولانا فضل حق، مرزا غالب، حکیم مومن خاں موتی جیسے حضرات کی جوانی تھی۔ ان حضرات کے کارنامے عہد ابو ظفر سے وابستہ ہیں۔

علمائے عہد مولانا فضل امام فاروقی ابن قاضی ارشد بندہ قاضی صدر الدین ہرگامی، مولوی سید عبدالواحد خیر آبادی تلمیذ رشید ملا وجہ الدین گویا مولوی سے اخذ علوم عقلیہ و نقلیہ کیا۔

”بمنصب صدر الصدوری شاہ جہان آباد از سرکار انگریزی امتیاز داشت“ میرزا ہد رسالہ، میرزا ہد جلال پر حاشیے لکھے۔

”در علوم عقلیہ سبقت لبودہ“ پنجم ذیقعدہ ۱۲۴۳ھ کو انتقال ہوا۔
مولوی کرم اللہ دہلوی۔ آپ اہل ہنود سے تھے۔ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کے دست حق پرست پر داخل اسلام ہوئے اور علوم اسلامیہ کی تکمیل کی۔ شاہ غلام علی دہلوی سے فرقہ خلافت پایا۔ ۱۲۵۹ھ میں انتقال ہوا۔ ۲

مولانا رشید الدین خاں دہلوی، ارشد تلامذہ مولوی رفیع الدین دہلوی سے تھے۔ ابجد العلوم میں نواب صدیق خاں لکھتے ہیں :-

سكان فاضلہ جامعہ باین کشیر من العلوم الدراسیہ ۳

۱۔ سیر العلماء از مکیم بہاؤ الدین گویا مولوی ۲۔ ذکر علماء از مولوی اکرام اللہ گویا مولوی

۳۔ ابجد العلوم ص ۹۱ ۴۔ تذکرہ علماء ہند ص ۶۳ ۔

مولوی رحمن علیؒ مذکورہ علمائے ہند میں تحریر کرتے ہیں :-
 ”ذہن وقاد و طبع نقاد دور علم کمال کمالے وافر داشت“
 شوکت عمریہ یادگار میں ہے۔ ۱۲۵۹ھ میں انتقال کیا۔

مشائخ حضرت مولانا ابوسعید متوفی ۱۲۵۰ھ مولانا شاہ احمد سعید، مولانا شاہ عبدالغنی
 شاہ آفاق متوفی ۱۲۵۲ھ۔ حاجی علاء الدین احمد بھجوانی، مولانا قطب الدین متوفی
 ۱۲۵۴ھ، حضرت شاہ غیاث الدین متوفی ۱۲۴۴ھ۔ سید شاہ صابر بخش چشتی ابن شاہ غلام شاد
 چشتی، بچہ ۶۳ سال ۱۲۳۴ھ میں انتقال کیا۔

میران شاہ ناتونیدہ شیخ جلال الدین تھا نیسری حرم مسجد فتحپوری میں عمر گزاری۔ ۱۲۶۰ھ
 میں انتقال ہوا۔ شاہ جلال آپ کے سجادہ نشین تھے۔

مولانا محمد حیات پنجابی، سید شاہ صابر بخش کی خانقاہ میں درس و تدریس کا مشغلہ رکھا۔ ۱۲۶۵ھ
 میں انتقال ہوا۔ شاہ فدا حسین میرہ خواجہ یوسف ہمدانی متوفی ۱۲۵۹ھ۔ شاہ توکل حسین
 متوفی ۱۲۶۲ھ۔ سید عسکری مجذوب۔ شاہ عبدالبنی مجذوب۔

حکماء حکیم صادق علی خاں ابن حکیم شریف خان سرآمدہ حکمائے دوزگار سے تھے۔ اکثر
 اہل علم نامی ان سے نسبت شاگردی سے سرمایہ اعتبار رکھتے تھے۔

حکیم امام الدین خاں، حکیم غلام حیدر خاں، حکیم نھرا اللہ خاں، حکیم فتح اللہ خاں،
 حکیم میر بخش خاں فادوقی، محمد اکبر شاہ کی پیشگاہ سے حکیم دوراں خاں کے خطاب سے مشرف
 تھے۔ حضرت حکیم مہربانی کے بھائی تھے۔

حکیم غلام حیدر خاں شاگرد حکیم شریف خاں۔ ۱۲۶۰ھ میں انتقال ہوا۔
 یہ ہے اکبر شاہ ثانی کے عہد کی پوری تصویر۔



لے یوپی میں اردو از انتظام اللہ شہابی (کنول آگرہ)۔

ابوظفر بہادر شاہ

خاندان تیموریہ کا یہ بادشاہ جس کی قسمت میں سلطنتِ مغلیہ کا خاتمہ دیکھنا روزِ اول سے تحریر ہو چکا تھا۔

پیدائش ۲۸ شعبان المعظم ۱۱۸۹ھ مطابق ۱۷۷۵ء بروز شنبہ پیدا ہوا اور اس کا والد مرزا اکبر شاہ فرمانروائے دہلی شاہ عالم کے دوسرے شہزادے تھے اور والدہ کا نام لال بائی تھا۔

مفصل حالات ”ابوظفر“ جب سن شعور کو پہنچے تو حافظ ابراہیم آتالیق مقرر مشہور خوشنویس سید جلال الدین حیدر مرصع رنم کے والد میرزا ابراہیم علی شاہ نے تحریر کی مشق کرائی۔ عربی و سوادری میں یہ کمال حاصل کیا کہ اس وقت ہندوستان میں اڑھائی سوار مشہور تھے۔ ایک یہ، نشانہ بازی اور فنِ بوٹ میں یدِ طولی حاصل کیا۔ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ آٹھ آدمیوں کے مقابل میں ہر ایک کا وارہیک وقت روکتے تھے اور سب پر اپنی چھوٹ چھوڑتے جاتے تھے اور شہسواری میں یہ کمال حاصل تھا کہ اس وقت ہندوستان میں اڑھائی سوار مشہور تھے۔ ایک یہ، ایک ان کے بھائی جہانگیر اور آدھا کوئی اور۔ جس کی تفصیل یہ ہے :-

فنِ تیر اندازی فنِ تیر اندازی میں بادشاہ آٹھ سو گھوڑوں کے شاگرد تھے۔ بادشاہ کی اشرت تیر اندازی کا حال ظہیر دہلوی نے اپنے والد کی زبان سے سنا تھا۔ کہ بادشاہ نے زمانہ ولی عہدی میں تیر اندازی کی مشق بڑھانے کو قلعہ کے دیوان خاص میں ایک برقیٹ لگا رکھی تھی۔ تین من جنوں کی بوٹ نیچے لٹکی ہوئی تھی، جبرقیٹ کے ذریعہ سے اسے چٹکی سے کھینچ کر تے تھے۔ تیس ٹانگ کمان کھینچنے پر بادشاہ قادر تھے۔ اچھی کمان کو کبادہ پھینک دیتے تھے۔ ایک سواری مبارک سلیم گڑھ سے قلعہ کو آتی تھی۔ راستہ میں

مرزا فتح الملک بہادر ولیعہد ثانی کا باغ تھا۔ وہاں سے کچھ شور و غل کی آواز نہ آئی۔ فرمایا غل کیسا ہے؟ اطلاع ہوئی مرشد زادے مسابقت تیر لگانے میں کمر رہے ہیں۔ حکم ہوا۔ ہماری سواری ادھر لے چلو۔ غرضیکہ وہاں پہنچے۔ شہزادے آداب بجالائے۔ فرمایا تیر لگاؤ۔ سب تیر لگا رہے تھے۔ فرمایا کمان ادھر لاؤ۔ کمانوں کی کشتی پیش کی گئی۔ اُن میں سے ایک کمان اٹھالی اور تین تیر کھینچ لے اور اسناد پر کھڑے ہو کہ ایک تیر لگایا۔ تیر تو وہ میں پیوست ہوا۔ ایک بالشت باہر دیا۔ سب نے تحسین آفرین کی۔ دوسرا تیر لگایا۔ وہ اس سے زیادہ تودے میں داخل ہوا۔ تیسرا وہ بالکل مغروق تھا۔ فقط لب سوفا دہی باہر رہے اور تمام تیر غرق تو دانتا۔ تحسین و آفرین کی صدا بلند ہوئی۔

سپہر شہسوار
پہنکنی کے فن میں بادشاہ میر حامد صاحب کے شاگرد تھے۔ میر حامد علی و میر اثر علی دونوں بھائی اُستاد کامل تھے ہندوستان کے بڑے بڑے رئیس اُن کے شاگرد تھے۔ علی مد کی کثرت جو حضرت علی شیر خدائی ایجاد ہے۔ وہ ان کے گھرانے کی میراث تھی۔ میں نے اپنے والد کی زبان یہ سنا ہے کہ بادشاہ تن تنہا اٹھ آدمیوں کے مقابل یکدم کثرت کرتے تھے اور اٹھ آدمی برابر اُن پر چوٹ آتے تھے اور بادشاہ سب کے دلدہ روکتے تھے اور اپنی چوٹ چھوڑتے جاتے تھے۔ اس قدر شوق بہم پہنچائی۔

فن شہسواری | مشہور روزگار تھے کہ ہندوستان میں اڑھائی سواری تھے۔ ایک بہادر شاہ، دوسرے آپ کے بھائی مرزا جہانگیر جنہوں نے انگریزوں سے شرط بد کر لیا۔ آباد کی خندق گھوڑے سے کدوائی تھی اور نصف سواری کوئی مرہٹہ مشہور تھا۔ اب سن مہاراج اتی سے تاج و زر کہ گیا تھا۔ لیکن اب بھی جس دن گھوڑے پر سوار ہو جاتے تھے اپنی شہسواری دکھاتے تھے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گھوڑے پر ایک ستون قائم کر دیا ہے۔ ایک دن حضرت نظام الدین اولیاء کو سواری جاتی تھی تسبیح خانہ میں جب برآمد ہوئے ہوا دار میں تو سوار نہ ہوئے۔ سامنے خاصوں کی لائن لگی ہوئی تھی۔ آگے چابک سوار

۱۔ داستانِ غدر ص -

کھڑے ہوئے تھے۔ محبوبک کی طرف نگاہ الٹا۔ نہ ہوئی۔ رہ آئے۔ حاضر ہوئے اُن سے دریافت فرمایا کہ وہ دامالی گھوڑا تو قابل سواری ہے۔ محبوبک نہ ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ حضور کے اقبال سے تیار ہے۔ فی الفور گھوڑے آگئے ابا حضور سوار ہوئے سب ملازم رکاب سعادت میں ہمراہ ہوئے۔ آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہوئے نقار خانہ کی ڈیوڑھی سے باہر ہو کر توپو دیا کئے پتھری پر پہنچے۔ گھوڑا گردن جھکائے دہانے سے کھیلنا ہوا۔ اپنے کو بناتا ہوا مجھوتا چلا جاتا ہے۔ وہاں جا کر انہوں نے نظر بچا کر گھوڑے کے پچھلے ہاتھ سے جو کا دیا اور گھوڑا اذرا اور چپکا۔ چونکہ یہ سکاہ بند کپڑے ہوئے گھوڑے کے ساتھ چپے چلے آ رہے تھے۔ بادشاہ نے ٹکر دیکھا اور فرمایا کہ کیا کرتا ہے؟ میں تو خود گھوڑے کو روکے ہوئے چلا آتا ہوں۔ گھوڑے کی چال کی میں کچھ کسر نہیں ہے۔ لے دیکھ تو بس دردِ اداؤں میں مسکا ہے کہ گھوڑے نے بھکے بھرنے شروع کر دیئے۔ ایک پلہ بھر اسی طرح اُٹا ہوا گیا ہے۔ جیسے کوئی پرندہ اُٹتا ہے یا کوئی ہرن چوڑیاں بھرتا ہے اور تھکی ہاتھ کی دے کہ گھوڑے کو چمکا دیا۔

پھر سب لوگوں کو سواری کا حکم دیا۔ سب اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہوئے اور حضور نے گھوڑے کو دو گامی قدم پر لگادیا اور گھوڑوں نے جھوم جھوم کر اور کلاٹیاں بھر بھر کر چلنا شروع کیا۔ شہر سے تین کوس درگاہ ہے اسی طرح پہنچے اور دروازے پر گھوڑے سے اتر کر درگاہ میں داخل ہوئے۔ واپسی میں مولانجش ہاتھی پر سوار ہو کر محل میں تشریف لائے۔

حضور انور شہ سوار تھے اسی درجہ مبصر بھی تھے۔ گھوڑے کے عیب صواب اور مبصری قوم دود سے دیکھ کر بتا دیتے تھے۔ شہر میں جو سوداگر بیش قیمت گھوڑے کر آتا تھا۔ ادلی حضور کو ملاحظہ فرمایا جاتا تھا۔ اُس کے بعد شہر کے رئیس دیکھتے تھے۔ جو گھوڑا اچھی قوم کا آتا تھا وہ حضور لے دیتے تھے۔

حضور نے ایک نکتہ بطور قاعدہ کلیہ تسلیم فرمایا تھا کہ گھوڑے کی قوم میں ہر رنگ میں سو برس سلطنت رہتی ہے۔ اس رنگ کا گھوڑا بادشاہ ہوتا ہے اور دوسرے رنگ وزیر شاہت یہ ہے جس رنگ کا گھوڑا بادشاہ ہوتا ہے سو برس تک وہ شہر نہیں ہوتا

بلکہ وفادار ہوتا ہے اور اس کی پیدائش بکثرت ہوتی ہے اور وزیر کی شناخت یہ کہ اس کی عادت بادشاہ سے ملتی جلتی ہے۔ مگر بطور شاذ وہ شریعہ بھی ہوتا ہے اور اس کی پیدائش بہ نسبت بادشاہ کے قدرے کم ہوتی ہے۔ چنانچہ فی زمانہ بورنے کی سلطنت ہے اور سبزے کی وزارت۔ بعد میں سبزے کی سلطنت ہوگی اور بورنے کی وزارت۔ گھوڑے کی اقوام سے ایک قوم ہے پیریا۔ اس کا خاصہ یہ ہے کہ وہ پنج شنبہ کے روز روزہ دار رہتا ہے اور اپنے تھان پر پٹنیں اور غلیظ آدمی کو مثل خاک و ب وغیرہ نہیں آنے دیتا اور اگر آجاتا ہے تو فوراً چوٹ کر دیتا ہے۔

ایک بار میں موجود تھا ولایتی سوداگر گھوڑے لے کر آئے۔ دس بارہ گھوڑے تھے۔ لال پردوں کے آگے گھوڑوں کی صف استادہ تھی اور حضور دیوان خاص کے بیچ کے در میں تشریف رکھتے تھے۔ اتنے ناصلہ سے دیکھ کر فرمایا کہ ان گھوڑوں میں موہ گھوڑا اچھا ہے بشرطیکہ شریعہ نہ ہو۔ غرضیکہ موہے کو آگے طلب کیا گیا۔ واقعی گھوڑا شکل و صورت و نسبت کا درواں اچھا تھا۔ حکم ہوا سوار کی دیکھی جائے۔ فوراً چابک سوار کو سوار کر دیا گیا۔ جیسے ہی سوار نے چابکوں کو پھیر کر دکھائے۔ گھوڑے نے باگ پرے کر شرارت شروع کی۔ کھڑے ہو کر تالی بجاٹی۔ دوسرا سوار چڑھایا اور اس نے مارنا شروع کیا۔ گھوڑا اڑ کر فرش خانے کے دالان میں جا پڑا۔ اکثر سامان کا نقصان ہوا۔ سوار نے وہاں سے مار کر نکالا۔ وہاں سے پلٹ کر چڑیا خانے میں جا پڑا۔ تقریباً کچھ دیر گھوڑے اور سوار کی لڑائی رہی۔

اب گھوڑے کا یہ حال کہ پسینے میں شرابور اور تمام رانوں کے ٹکڑے ہو گئے۔ جا بجا سے خون کی فصدیں کھل گئیں۔ خون بہہ گیا اور گھوڑا اندھا ہوا گیا۔ اب سوار جدھر کو پھیرتا ہے پھر جاتا ہے۔ کیا مجال کہ سرتابی کرے اور بادشاہ کے آگے نہ پھیر کر دکھلا دیا اور سلام کر کے اُتر پڑا۔ اُسی وقت شالی رومال بادشاہ نے چابک سوار کو عطا کیا۔

فیصل سواری خاص | مولابخش نامی ایک معمر ہاتھی تھا۔ کئی بادشاہوں کو سواری دے چکا تھا۔ اس ہاتھی کی عاتیں انسانوں جیسی تھیں۔ قد و قامت میں ایسا بلند ہاتھی ہندوستان کی سرزمین پر نہ تھا اور داب سے یہ ہاتھی

بیٹھا ہوا اور ہاتھیوں کے قد کے برابر ہوتا تھا۔ خوبصورتی میں جواب نہیں رکھتا تھا اور روزانہ ماہ مست رہتا تھا۔ کسی ایک آدمی کو سوائے خدمتی کے نہ آنے دیتا تھا جس دن بادشاہ کی سواری ہوتی تھی اُس سے ایک دن پیشتر بادشاہی چوہدر حکم سنا دیتا تھا کہ میاں مولابخش کل تمہاری نوکری ہے ہشیار ہو جاؤ۔ نہادھو کر تیار ہو اُسی وقت سے ہشیار ہیں۔ فیلبان تھان سے کھول کر جنائیں لے گئے اور لے جا کر جھانوسے سے میل چھڑانا شروع کیا۔ پھر دوسری کروٹ لٹا کر دوسری طرف سے پاک صاف کر کے تھان پر لائے۔ نقاش نے ننگ پر نقش و نگار کھینچ دیئے۔ وقت سواری گد پکس کر کارخانے میں لے گئے۔ گننا پہننا جھولی ڈالی۔ عمار کی نقار خانے کی ڈیوڑھی پر لاکر استادہ کیا۔ برابر اور ہاتھیوں کی قطار کھڑی تھی۔ جس وقت ہوادا سواری پر بادشاہ نقار خانے کے دروازہ سے برآمد ہوا یوحنا مار کر تین سلام کئے اور خود ہی بیٹھ گیا۔

جس وقت تک بادشاہ اور دوسرے سواد سوار نہ ہولیں کیا مجال کہ جنبش کھا جائے۔ جس وقت بادشاہ سوار ہوئے فوجدار نے اشارہ کیا فوراً استادہ ہو گیا۔ ایک خوبی اور تھی کہ وقت سواری دو کمانیں اُس کے کالوں میں پہنائی جاتیں۔ دو ترکش نیزوں کے کانوں کے نیچے اوپر کئے جاتے اور بڑی سپر فولادی مسٹک پر نصب کی جاتی اور بہت بڑا حقہ چاندی کا مع چلم و چیز نقرہ اُس کے سر پر رکھا جاتا اور بیچوان کی سٹک فوجدار خاص اپنے کندھے پر رکھتے۔ بادشاہ محمد الحقہ پہنتے جاتے تھے اور سواری رواں ہوتی تھی۔ کیا مقدور کہ حقہ گرنے پائے یا چلم گرے۔ ایسا سبک رفتار تھا۔ بڑی بھولی جھول تھی۔ حقہ مختصر جب سواری سے فرصت پائی پھر ویسا ہی مست ہے جیسا کہ تھا۔ یہ حال اس ہاتھی کا تھا۔ اس کے علاوہ ایک صفت اور تھی کہ تمام دن خور و سال بچے بارہ سال اُس کے گرد بیٹھے رہتے تھے اُن سے کھیلا کرتا تھا اور اپنے ہاتھ سے تلے گئے کی پوریاں صاف کر کے انہیں دیتا تھا۔ دن بھر بچے اُسے گھرے رہتے تھے۔ بچے اُسے کہتے تھے مولابخش نکلی اوٹھے تو وہ اپنا اگلا ہاتھ زمین سے اٹھا لیتا تھا اور ہلایا کرتا اور جب بچے کہتے ٹیک دو، ہاتھ ٹیک دیتا۔ پھر آپ فوں کرتا تو بچے ایک پاؤں سے کھڑے ہو جاتے۔

اگر وہ گھڑی بھر سے پیشتر کہے کہ گھڑی پوری ہو گئی تو سر ہلاتا ابھی نہیں ہوتی جس در
نچے نہ آتے تو چھینیں ماد کہہلاتا تھا اور گئے دیتا یہ

شاہجہاں اور اورنگ زیب کا ساعدہ تودلی کا نہ تھا مگر علم فضل کے اعتبار سے
بہت اونچی تھی۔ کوئی مشرقی شہر اس سے لگا نہیں کھا سکتا تھا۔ درس گاہوں کی گرم بازاء
تھی۔ شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر کی درس گاہیں شباب پر تھیں۔ حضرت اسماعیل شاہ
شاہ محمد اسحاق، مولانا فضل حق، مفتی صدر الدین خاں آذرہ سے اصحاب فضل و کمال
درس گاہوں سے پیدا ہوئے مولوی مخصوص اللہ، مولوی عبدالحق، مولانا شہید الدین خاں،
مولوی کریم اللہ، نواب قطب الدین خاں، مولوی ملوک علی، مولوی نصیر الدین، سراج العلماء
مولوی مفتی سید رحمت علی، خان بہادر مولوی کریم علی سے حضرات فضلائے وقت
سے تھے مولوی حکیم عبدالحی نے گل رعنا میں عہدہ مولفہ کا یہ نقشہ کھینچا ہے۔

دلی اس وقت کی ایسی دلی نہ تھی بڑے بڑے کہنہ شاعر مولانا امام بخش
صہبائی علامہ عبداللہ خاں علوی آذرہ مرزا اسد اللہ خاں غالب، نواب ضیاء اللہ
خاں نمبر، شاہ نصیر الدین نصیر، حضرت ذوق، حکیم آغا جان عیش، حافظ عبدالرحمن خاں
احسان، میر حسین تسکین اور خدا جانے، کتنے سخنوران بالکمال کا جھمکنا تھا۔ جب یہ لوگ
ایک جگہ جمع ہوتے ہوں گے تو آسمان کو بھی زمین پر رشک آتا ہوگا۔

مولفہ نے انہیں بالکالوں کی صحبت اٹھائی تھی۔ یہی حضرات ولی عہدی میں دو
تھے۔ جب یہ تاج دار ہوئے تو یہی درباری کہلائے گئے۔ ان کی شاعری بھی شعرا
سخن کے دور میں پروان چڑھی۔

شاعری کا ذوق شاعری کی طرف ایام طفلی ہی سے میلان خاطر تھا۔ اس فن
میں پہلے شاہ نصیر سے اور پھر ان کے شاگرد میر کاظم حسین بیقرار
سے اصلاح لیتے رہے۔ شہنشاہی میں جب بیقرار میر منشی ہو کر کلکتہ چلے گئے تو شیخ ابراہیم ذوق

لہ داستان غرملہ ۲۱۰ آٹار الصنادید از سر سید احمد خاں ص ۲۲۵ گل رعنا

استادشہ کے منصب پر فائز ہوئے اور جب ۱۵۵۲ء میں ذوق کا انتقال ہو گیا تو یہ عہد مت غالب کے سپرد ہوئی۔ ہمیں اس وقت صرف ظفر کی شاعری کا جائزہ لینا ہے ورنہ کی شاعری پر نقد و تبصرہ کرنا ہے۔ مگر ہمیں اس ماحول کو بھی پیش نظر رکھنا ہے جس میں ظفر نے آنکھیں کھولیں اور جس میں انہوں نے آخری سانس لیا کیونکہ شاعر کے کلام پر اس کا ماحول کا بہت گہرا اثر ہونا ایک لازمی امر ہے۔

ظفر نے اس وقت آنکھ کھولی جب اردو شاعری منازل ارتقا کو تیزی کے ساتھ طے کر رہی تھی اور اُس کا آفتاب پوری بلندی پر تھا۔ ظفر کے دادا شاہ عالم ثانی حکومت بدستگن تھے۔ یہ خود اچھے شاعر تھے اور آفتابِ تخلص کرتے تھے۔ اس وقت خواجہ میر درد، مظہر جانجانا، میر تقی، سودا، مصحفی، انشاء، جبرأت وغیرہ جیسے مایہ ناز شعراء ہو چکے تھے اور دہلی میں شاہ نصیر، احسان، مخدوم قاسم وغیرہ جیسے رطب اللسان ماہرین فن موجود تھے۔ ایسے ماحول میں آنکھیں کھول کر ظفر کا میلان طبع اردو شاعری کی طرف نہ ہونا غیر ممکن تھا۔ ساتھ ہی ساتھ اپنے گرد و پیش کے ماحول کا اثر نہ لینا بھی ممکن نہ تھا۔ سلطنتِ مغلیہ کے ٹٹماتے ہوئے چراغ کی روشنی مدہم ہوتی جاتی ہے اور یہ مردِ عاقل و دانا اور بینا اس کا بچشمِ غور مطالعہ کر رہا تھا۔ آخر وہ کہاں تک اس کا اثر قبول نہ کرتا۔ چنانچہ ظفر ایک بالکمال شاعر ہے اور اس کی شاعری اُس کے ماحول کے عین مطابق ہے اور اس کا ہر شعر اس کے ذہنی اور قلبی تاثرات کی ایک سچی تصویر ہے۔

سیاسی حالات جہانگیر اور عالمگیر کے تخت پر شاہ عالم ثانی جلوہ گر ضرور تھا جو آفتابِ تخلص کرتا تھا۔ لیکن آفتابِ سلطنت مغلیہ زوال میں تھا۔ دہلی میں مرہٹوں اور جاٹوں کی یورش ہوئی۔ شاہ عالم ثانی دلی سے بھاگے لہ آباد رہے۔ احمد شاہ ابدالی اور نواب نجیب الدولہ، احمد خاں بگلش، عنایت خاں سردارِ انارک و ہیلہ نے مرہٹوں کو شکست دی۔ دلی فتح کی اور شاہ عالم ثانی کو بادشاہ تسلیم کیا۔ سات سال کے بعد شاہ دہلی واپس آیا اور مادھوجی سندھیا کے ایک وظیفہ خوار کی حیثیت سے

برائے نام بادشاہ کہلاتا رہا۔ شہنشاہ میں غلام قادر دوسریلے نے پرنے انتقام میں کہ شاہ نے اُس کو اختہ کرادیا۔ اُس کے وفادار خاندان کو شجاع الدولہ کے کھنے سے تباہ کیا۔ عورتوں کی بے عزتی کی۔ دلی پر چڑھائی کرائی۔ ضعیف العمر بادشاہ قید ہوا۔ شاہی بیگمات کی زد و کوب کی گئی اور شہزادوں کو سخت ایذا میں پہنچائی گئیں اور بادشاہ کی ایک آنکھ غلام قادر نے چھاتی پر چڑھ کر اپنے خنجر سے نکال لی۔ اور دوسری آنکھ اُس کے اشاروں پر اُس کے ایک ساتھی نے نکال کر بادشاہ کے لئے دنیا اندھیر کر دی اور اسی حالت میں بے بس بادشاہ کو سلیم گرٹھ لے گئے۔

سندھیلے فوجی افسر رانا خاں نے مقابلہ پر غلام قادر کو شکست دی اور قتل کر ڈالا اور بادشاہ کو اُس کے پنجہ سے بجات ملی اور وہ دہلی آیا۔ سندھیامارالمہام بنا۔ اُس نے بادشاہ کے اختیارات سلب کر لئے تاہم مراتب شاہی کی توقیر برقرار رکھی۔ مرہٹے کرتے وہی تھے جو چاہتے تھے۔ لیکن احکام سب بادشاہ ہی کے نام سے جاری ہوتے تھے۔ سکھ بادشاہ ہی کا راج تھا اور شاہی رعب و داب قائم تھا۔ شاہ کی خواہش پر ۱۸۵۳ء میں انگریزوں کے جنرل لارڈ لیک نے مرہٹوں کو شکست دی اور شاہ عالم مرہٹوں سے نکل کر انگریزوں کی حفاظت میں آئے۔ غالب شاہی برطرف ہوئے اور نیا دور شروع ہوا۔

بادشاہ کی گزربسر کے لئے ساٹھ ہزار ماہوار مقرر ہوا۔ اس کے علاوہ جملہ اخراجات وظائف کے لئے ۲۵۰۰۰۰ کی رقم ماہانہ قلعہ علی میں پہنچ جاتی تھی جس میں ظفر کے والد اکبر شاہ ولی عہد کا وظیفہ دس ہزار روپیہ ماہوار شامل تھا۔ محرم، عیدین، نوروز اور دوسرے تہواروں کے لئے دس ہزار روپیہ ہر تہوار کی سالانہ رقم معین تھی۔ ایک دیوان اور چندا ہلکا بہ مقرر کرنے کا اختیار بادشاہ کو تعویض ہوا۔ دہلی اور اُس کے نواح میں شرع محمدی کا نفاذ ہوا اور اتنی رعایت اور ملحوظ ہوئی کہ بغیر بادشاہ سلامت کے استمراج کے منراے موت یا منراے قید طویل عمل میں نہ آئے گی۔ بالآخر ۱۲ رمضان المبارک ۱۲۳۱ھ مطابق ۱۸ نومبر ۱۸۱۵ء کو مظلوم اور نابینا نام نہاد بادشاہ شاہ عالم ثانی نے داعی اجل کو لبیک کہا اور اس

جہان پُرا آشوب سے مخصت ہوا۔ اور ابوالنصر معین الدین اکبر شاہ ثانی مسند نشین اور نیک وظیفہ خوار ہی ہوئے۔

یہ سارے انقلابات نوجوان شہزادہ ابوظفر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک حساس طبیعت رکھتا تھا اور ہر واقعہ اس پر اپنا گہرا اثر ڈالتا تھا۔ تاہم اب تک شہزادوں کی زندگی گونہ بے فکری کی زندگی تھی۔ خارجی ماحول کا پورا پورا اثر قبول کرتے رہنے کے باوجود ہنوز بذات خاص افکار و حوادث کا شکار نہ ہوا تھا لیکن کوٹ قاسم کی جاگیر جو مرہٹوں نے ولی عہد کی جاگیر قرار دی تھی اور جس پر اکبر شاہ اپنے زمانہ ولیعہدی میں برابر قابض و متصرف رہے۔ اب شاہی املاک میں شامل ہو گئی اور اکبر شاہ ثانی نے اپنے دوسرے بیٹے جہانگیر کو ظفر پر ترجیح دی اور اپنا ولی عہد بنانا چاہا۔ انگریزوں نے اس بے انصافی سے باز نہ رکھنا چاہا تو باپ نے بلا تکلف فرما دیا کہ ابوظفر میرا بیٹا نہیں ہے۔ اس کمپرسی کے عالم میں ظفر نے ایک شخص لکھی تھی جس کا مطلع ہے ۷

ستم کرتا ہے بے مہری سے کیا کیا آسمان بہیم
دل اسکے ہاتھ سے پُرد رہے اور چشم ہے پُرم
کروں گا پردہ شکوہ گر چہ ہونگے لاکھ غم پر غم
کے جاؤں گا تیں ہر دم ہی جھپٹ ہے دم میں دم

خدا دادم چہ غم دادم
خدا دادم چہ غم دادم

اس خمسہ کا پانچواں مصرعہ ہر بند میں ایک ہی ہے کئی سال کی آزمائش میں جب یہ ثابت قدم رہا تو خدا کو بھی رحم آیا اور اس کی قناعت اور تسلیم و رضا کا صلہ یوں ملا کہ سالانہ میں جہانگیر مرزا انگریزوں کی قید میں بمقام الہ آباد انتقال کر گئے اور سرکارِ کبھی نے اعلان کر دیا کہ وہ سوائے مرزا ابوظفر کے کسی کو وارثِ تاج و تخت تسلیم نہ کرے گی۔ اس وقت ظفر کے مغوم دل سے بے اختیار یہ شعر نکلا ہو گا ۷

کیسی تدبیر ظفر جب وہ کمرے اپنا کام

کام بگڑے ہوئے پنجائیں یونہی آپ سے آپ

خیر یہ تو ہوا لیکن جس تخت و تاج کا یہ وارث ہوا اس کی حالت روز بد سے بدتر ہوتی

جاتی تھی۔ ۱۸۳۲ء میں دلی صوبہ مغربی دشمنان میں شامل کر دیا گیا اور مدہ با سہا اشتباہ بھی باقی نہ رہا کہ بادشاہ سلامت کی ملکیت خود دہلی پر بھی برقرار نہیں ہے۔ گویا اب پورے طور پر بادشاہ کی معزولی کا اعلان ہو گیا اور ۱۸۳۳ء میں سکھ بھی دلی اور نواح دلی میں سرکار کمپنی بہادر کاراج ہو گیا۔ ۱۸۳۴ء میں اکبر شاہ ثانی نے بھی جنت کی راہ لی اور بہادر شاہ بادشاہ ظفر سریر آئے سلطنت ہوئے۔ اس وقت اُن کی عمر باسٹھ سال کی تھی اور اُن کی قسمت میں اس انقلاب عظیم کا تتمہ دیکھنا لکھا تھا جو ایک عرصہ سے رونما ہوا تھا، رفتہ رفتہ سلطنت کا اقتدار کم ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ اگرہ کی عدالت العالیہ سے فیصلہ ہوا کہ قلعہ دہلی کے باہر بادشاہ کو کسی قسم یا کوئی استحقاق حاصل نہیں ہے۔ ۱۸۵۲ء میں دلی کے ہندو مسلمانوں میں گاؤں کشی کے مسئلہ پر جھگڑا ہو گیا۔ بادشاہ نے جھگڑا فرو کرنا چاہا اور کچھ نیک مشورہ دینے کی غرض سے اپنی رائے لفٹنٹ گورنر بہادر صوبہ مغربی شمالی کو لکھ بھیجی تو اُس نے جواب دیا کہ مقامی عہدیدان جو قیام امن کے ذمہ دار ہیں۔ اُن سے رجوع کیا جائے۔ القاب و آداب میں بھی فرق آگیا ہے۔ پہلے خطوط لفٹنٹ گورنر بہادر کی جانب سے بادشاہ کے پاس جلتے تھے۔

MAY IT PLEASE BE NOTED YOUR MAJESTY

سے شروع ہوتے تھے اور

YOUR MAJESTYS FAITHFUL SERVANT

پر ختم ہوتے تھے۔ لیکن ۲۲ اگست ۱۸۵۲ء کو مٹر کالون (Caldwell) نے جو اگرہ کے لفٹنٹ گورنر تھے وہ القاب تحریر کیا جو ایک برابر کا دوست دوسرے دوست کو کہتا ہے۔ یعنی مائی ڈیئر ظفر سے خط کا آغاز کیا اور (SINCERELY) پر اُس کی تان توڑی۔ ظفر جیسی حساس اور موقع شناس کے لئے یہ بھی ایک کاری ضرب تھی۔ چنانچہ اپنے ملاں کا ایک شعر میں یوں اظہار کرتے ہیں

اب جو لکھتا ہے وہ کاہے کو یہ لکھتا تھا کبھی
دیکھو اس بت بے پیر کا اگلا کاغذ

۱۸۵۶ء میں مرزا فتح و جود علی عہد تھا ان کا انتقال ہو گیا۔ ولی عہد کا قصہ پھر اٹھا۔ بادشاہ نے شہزادہ جواں بخت کی ولی عہدی کے لئے باضابطہ مطلع کیا اور ایک محضر نامہ پیش کیا جس پر ان کے اٹھوں بیٹوں کے دستخط تھے اور اس میں لکھا تھا کہ ہم سب بہ رضا و رغبت جواں بخت کی ولی عہدی کے حامی ہیں لیکن دوسرے ہی دن سرکارِ بکیتی بہادر نے مرزا قوش سے جو بہادر شاہ کے بڑے بیٹے تھے۔ یہ شرط منظور کرائی کہ بہادر شاہ کا لقب شاہی موقوف کیا جائے گا۔ صرف خطاب شہزادہ باقی رہ جائے گا اور زرِ پیشگی جو اس وقت تک تقریباً سو لاکھ روپیہ ماہوار تھا صرف پندرہ ہزار ماہوار رہ جائے گا۔ اور مرزا قوش کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا گیا۔ جب یہ خبر پورٹھے شاہ کو ملی تو اس کے رنج و غم کی کوئی حد نہ رہی۔ ایک نہایت دردناک نظم اس موقع پر ان کے دلی تاثرات کی ترجمانی کرتی ہے جس کا مطلع ہے ۷

اے نظرباہر ہے تجھی تک انتظامِ سلطنت
بعد تیرے نے ولی عہدی نہ نامِ سلطنت

عالم شہزادگی | ابو ظفر آداب شاہی سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ شاہ عالم اور اکبر شاہ ثانی کی صحبت اٹھائی تھی۔ اوائل عمری سے لکھ رکھاؤ تھا۔ بزرگوں کی تعظیم اور ان سے حسنِ عقیدت تھی۔ شاہ عبدالعزیز کے نواسہ شاہ محمد اسحاق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب انگریزوں کے مظالم اور ان کے جوہر و تشدد اور مداخلت فی الدین گوارا نہ کر سکے۔ انہوں نے اس ملک کو دار الحرب قرار دیا۔ کیونکہ اکبر شاہ ثانی کے زمانہ میں انگریزوں نے محکمہ شریعت اڑا دیا جس محکمہ کے مفتی خان بہادر مفتی انعام اللہ گویا موسیٰ تھے۔ اس کے بجائے آلہ آباد میں صدر نظامت قائم کیا اور اس کا وکیل سرکارِ مفتی صاحب کو مقرر کر دیا۔ یہ واقعہ علماء کے لئے سخت روحانی صدمہ کا تھا۔ چنانچہ شاہ محمد اسحاق نے اور ان کے بھائی نے دلی میں رہنا مناسب

۱۔ ابو ظفر بہادر شاہ حسن عبداللہ (مفتی علی گڑھ) ۲۔ تاریخ مفتیان گویا مواز مفتی محمد حسن گویا موسیٰ ص ۱۷۱

نہ سمجھا۔ ہجرت کا ارادہ کر لیا اور حجاز کے لئے مہرولی روانہ ہوئے۔ عمائدین شہر اور ابو ظفر بھی آپ کے ساتھ ساتھ گئے۔ رخصت کرتے وقت بہت رنجیدہ ہوئے۔

ابو ظفر میں دوست نوازی بہت تھی۔ اُن کے مخصوص احباب میں مولانا فضل حق خیر آبادی، مفتی صدر الدین خاں آزادہ، حکیم مومن خاں، مولانا امام بخش صہبائی، علامہ عبداللہ خاں علوی، مولوی رشید الدین سے حضرات تھے۔ مولانا فضل حق ابو ظفر کے بچپن کے دوست تھے۔ جب ریڈیو نٹورپلی کے محکمہ کی سرشتہ داری چھوڑ کر نواب عبدالرحمن خاں والی جہجہر کی دعوت پر جانے لگے۔ نواب نے پانچ صد روپیہ مشاہرہ پر آپ کو بلایا۔ ابو ظفر سے رخصت ہونے کے لئے قلعہ معلیٰ گئے۔ ابو ظفر نے اپنا بیٹوس دو سالہ اوڑھایا اور رخصت کرتے وقت فرمایا: جی نہیں چاہتا کہ آپ سے کہوں کہ جانیے مگر مجبوری ہے اور ابدیدہ ہو کر رخصت کیا ہے۔

شریعت کی پابندی | ابو ظفر علماء، جملہ اہل کی صحبت کی وجہ سے شریعت حق کے بڑے پابند تھے۔ حتی الامکان نہایت سے پرہیز کرتے تھے۔ نوافل اور اداء و وظائف کی پابندی تھی۔ اوائل عمری سے صوفیانے کرام سے محبت عقیدت تھی۔ حضرت قطب الدین نختیار کاکی صاحب سے بیعت تھے۔ آپ کی پاکبازی اور خدا پرستی کی عام شہرت تھی۔ یہ اند کہتے ہیں۔

نافہ ہو جائے ذکر کیا ہے قرآن ابو ظفر بہادر

غالب نے دیباچہ ہر نیمروز میں اظہار عقیدت کیا ہے

شبلی از منیر و ہدأ و از عشق شاہ ما بر تخت گوید از عشق

شاہ ما دار دہم در مہروی خرقہ پیری و تاج قیصری

شاہی و درویشی اینجا با ہم است بادشاہ عہد قطب عالم است

۱۔ حیات بعد المات مولانا نذیر حسین محدث دہلوی ۲۔ پنج آہنگ از مرزا غالب
۳۔ اولیائے ہند از صاحب محمد اختر گورکافی ذکر ابو ظفر بہادر شاہ ۴۔ ہر نیمروز از مرزا غالب

اپنے پیر کے شیفٹہ تھے۔
پیری مریدی | کہتے ہیں یہ

مرید قطب دیں ہوں خاکپائے فخر دیں ہوں میں
 اگرچہ شاہ ہوں ان کا عنکلام کمتر میں

بہادر شاہ میرا نام ہے مشہور عالم میں
 لیکن اسے ظفر ان کا گدائے رہ نشیں ہوں میں

خود بھی مرید کیا رہتے اور پانچ روپیہ ماہوار مریدوں کا ترہ تھا۔ کمپنی نے یہ رنگ دیکھ کر
 اہل کار سڑکا کو منہ کر دیا تھا کہ وہ بادشاہ کے مرید نہ ہوں۔ ریڈیٹنٹ نے اعلان عام کر
 دیا کہ کوئی فوجی انسر شاہ کا مرید نہیں ہو سکتا۔

اخلاقی زندگی | بہادر شاہ جملہ مکالمہ اخلاق سے متصف تھے۔ عجز و انکسار، عفو و حلم
 تراحم اور حسن خلق کے زیوروں سے آداستہ تھے۔ بونے نخوت و
 دعوت پاس ہو کر نہیں گزری۔ نہ بد و طہارت اور تقویٰ کی جانب مائل تھے۔ آغازِ بلوغ
 سے پرہیز گاری اور فیاضی کی وجہ سے ہر دلعزیز تھے اور شہرت تھی۔ اپنے خادموں کو
 بلا کھائے خود طعام میں ہاتھ نہیں ڈالتے تھے یہ

رعیت پروری کا یہ عالم تھا کہ گھوسلیوں کو ایجنٹ دہلی نے شہر سے نکلنے کا حکم دیا
 کہ یہ اپنے جانور لے کر شہر سے باہر آباد ہوں۔ بادشاہ کو خبر لگی۔ ایجنٹ کو کھلا بھیجا کہ
 مدعایا کو تکلیف نہ دو۔ وہ آمادہ نہ ہوا تو حکم دیا کہ ہمارا خیمہ جہاں گھوسی آباد کئے ہیں۔
 وہیں لگا دو ہم بھی ان میں رہیں گے۔ حکم کی دیر تھی خیمے جانے لگے۔ ایجنٹ کو خبر لگی
 بھاگا ہوا آیا اور معذرت کی اور گھوسی اپنی جگہوں پر مقیم رہے۔ بادشاہ کے متوسلین
 جو تھے خود ان کا بڑا خیال رکھتے۔ احسان دہلوی بادشاہ کے منہ لگے شاعر تھے۔ بادشاہ
 ان کا خیال بھی بہت کرتے۔ ان دنوں بادشاہ کو مچھلی کے شکار کے دھت تھی۔ روزانہ

۱۔ داستانِ غدر از ظہیر دہلوی ص۔

جمنائے کنارے رونق افروز ہو کر شکار میں مشغول رہتے۔ احسان کے وظیفہ میں دیہ
ہو گئی۔ وہ شکار میں جا پہنچے۔ مجرا عرض کیا۔ پوچھا کیسے آئے ہو؟ عرض کیا ایک قطعہ
سنانے حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا۔ سناؤ ۛ

صید ماہی و صید دل شاہا خوب ہے اور کچھ نہیں معیوب
جال ہوں اور شکار مچھلی کا یعنی ڈوبے کا ہے نکلنا خوب
قطب صاحب تھے جب حضور گئے وہ دو ماہا گیا ہے میرا ڈوب
اس کو بھی حکم ہو نکل آئے صبر تک ہو میں نہیں ایوب
بادشاہ سکرائے اور احسن اللہ خاں کو حکم دیا کہ آج وظیفہ احسان کے یہاں
پہنچ جائے۔

لطیفہ انواب زینت محل بادشاہ سے کھنچنے لگی۔ بادشاہ مخاطب ہوتے انا کافی
ادے جاتیں۔ بادشاہ کو یہ بے مدخی کہاں گوارا تھی۔ صبح کے اوراد سے
فادغ ہو کر چیل قدمی کے لئے اٹھنے کو تھے۔ زینت محل دُخ بدلے ہوئے گزریں۔ بہادر شاہ
بولے۔ زینت ایک شعر تو سنتی جاؤ خوب ہے۔ وہ ٹھہر گئیں ۛ
کیا کان بھر دیئے ہیں خدا جانے غیر نے
غصہ میں جو پھرے ہے وہ کافر پھرا پھرا
بیگم کرا دیں۔ پھر ہر دول بیٹھے اور حیات باغ میں چیل قدمی کو بادشاہ
کے ساتھ گئیں۔

ایک دن بادشاہ کی سوادہی ملکہ باغ گئی وہ اُجڑ رہا تھا۔ رینڈیڈنٹ کو حکم اُس
کی درستی کے لئے بھیجا۔ اُس نے انجینئر کو بھیج کر روشیں وغیرہ درست کرا دیں اور کیا دیاں
آداستہ ہو گئیں اور حضور شاہ کو مطلع کیا کہ ملاحظہ کر لیں۔ بہادر شاہ مع تمام شہزادوں کے وہاں
پہنچے مگر رینڈیڈنٹ وہاں نہیں حاضر ہوا اس کا مال دل پر گزرا ۛ
دل نے کی ساری خرابی لے گیا مجھ کو ظفر
واں کے جانے میں مسری تو قیر آدھی رہ گئی

معمولات بہادر شاہ صبح بعد اداۓ فرائض مذہبی طبیب کو مہین دھاتے۔
 پھر دربار خاص میں رونق افروز ہوتے۔ جنگ آزادی کے زمانہ میں
 عمائد شہر اور باہر سے آئے ہوئے لوگ دربار کی شرکت کرتے مفتی صدر الدین خاں آذرہ،
 مولانا امام بخش صہبائی، بہادر جنگ رئیس وادری، نواب حسن علی خاں، نواب احمد علی خاں
 والی فرخ نگر، میر الدین خاں جو پولیس افسر تھے۔ مولانا عبدالقادر دہلوی، شیونگھ والی
 سمفٹ، حکیم عبدالحق، مولوی احمد علی سفیر راجہ پنہر سنگھ والی بلب گڑھ، قاضی فیض اللہ
 چیف پولیس افسر سعادت خاں رئیس جہانگیر آباد گوری شکر، شہزادہ محمد عظیم، کپتان ناظر
 مرزا دلدار علی خاں، مرزا ضیاء الدین، سالک رام خزانچی۔ حجت علی خاں، نواب فیض محمد خاں
 محمد علی خاں فرزند سالار جنگ، خواجہ مسرا محبوب علی خاں کچھ عرصہ وزیر بھی رہے۔ خالق داد
 بقوی، بھل خاں، دین محمد جنہوں نے فرزند کو گولی سے گرا کر قتل کیا۔ قدرت اللہ خاں
 رسالدار، نواب محبوب علی خاں، ناظر حسن، مرزا امیر الدین، حسن علی شاہ، نظام الدین
 پیرزادہ، نواب محمد جان وغیرہ۔

دربار برخواست کر کے محل سرا میں داخل ہوئے۔ دوپہر کا خاصہ تناول فرمایا۔ پھر
 آرام گاہ میں تشریف لے جا کر قیلولہ کیا۔ پھر ظہر کی نماز ادا کی اور ذکر و فکر میں مشغول ہوئے۔
 عصر کی نماز پڑھی۔ شاہی طبیب نے دوا المسک پیش کی۔ اس کے بعد شہزادہ کی انجن منعقد
 ہوئی۔ محبوب علی، وزیر اعظم حسن عسکری شاہ، نواب ذینت محل، بہادر شاہ کی صاحبزادی
 مانی بیگم، دوسری دختر آغا بیگم، بہادر شاہ کی بیگم نواب شرف النساء شریک ہوئیں اور
 ضروری مشورے ہوئے۔

مغرب کا وقت آیا نماز ادا کی۔ پھر طعام نوش فرمایا۔ عشاء کی نماز پڑھ کر خواب گاہ
 میں تشریف لے گئے۔ پھر مسجد کے لئے اٹھے اور نواخل کی ادائیگی اور وظیفہ میں مشغول ہو کر
 صبح کاذب پر کچھ آرام کیا۔ یہ تھے روزانہ کے معمولات۔

۱۔ روزنامہ چوں لال و معین الدین خاں (غزنی صبح و شام) ۲۸ ص ۱۸۰ ۲۔ مقدمہ بہادر شاہ ص ۱۲۷۔

انگریزی اقتدار

پلاسی کی جنگ کے بعد انگریز مغلیہ حکومت پر چھا گیا تھا۔ روز بروز مکر و فریب سے ریاستوں کو باہمی لڑوا کر کمزور ملک اپنی نگرانی میں لینے کے بہانے تسلط جمانا چلا جا رہا تھا جب پورا اقتدار اقطاع ہند پر ہو گیا تو یہاں کی اقوام کو مذہبی جال میں پھالنے کی سعی کی۔ چنانچہ اُس وقت کی کیفیت کا نقشہ علامہ فضل حق خیر آبادی نے رسالہ غدیر (الثورة الهندیہ) میں اس طرح کھینچا ہے۔

ہندو مسلم لشکریوں کو ان کے رسوم و اصول سے ہٹانے اور مذہب و عقائد سے گمراہ کرنے کے دُرپے ہوئے۔ گمان یہ تھا کہ لشکر کی قابو میں آجائیں گے تو دوسرے باشندے منرا و عقاب کے ڈر سے خود ہی دام ہو جائیں گے۔ چنانچہ گائے کی چربی اور سور کی چربی چکھانے پر نہ ور ڈالا اور یہ کام توں پر مکی گئی۔ دونوں فرقوں میں اضطراب پیدا ہو گیا اور وہ منحرف ہو گئے اور نصاریٰ کا قتل اور ڈاکہ زنی کرنے لگے۔ بہت سے لشکر شہر مشہور بلکہ معمور مسکن آل تیمور دار السلطنت دہلی جا پہنچے اور امیر و حاکم (سراج الدین بہادر شاہ ظفر) تھانہ کے پاس ادرکان دولت اور وزیر بھی تھے اپنا سردار و پیشوا بنالیا۔ وہ خود ضعیف و غمزہ عمر کی کافی منزلیں طے کر کے بڑھاپے کی وادی میں قدم رکھ چکا تھا اور سچ پوچھے وہ اپنی شریک حیات (ذہنیت محل) اور وزیر (احسن الشراں) کا مامور و محکوم تھا۔ اس کا یہ وزیر حقیقت میں نصائی کا کارپرداز اور ان کی محبت میں غالی تھا۔

یہ تو سب کچھ تھی کہ بعض شہر و دیہہ سے بہادر مسلمانوں کی ایک جماعت علماء و زہاد اور ائمہ اجتہاد سے جہاد کے وجوب کا فتویٰ لے کر جہاد و قتال کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ۱۸۵۷ء سے چند سال پہلے سے انقلاب کی تحریک چل رہی تھی کیونکہ پادری فندرس نے ولایت سے آکر ہزرگان مذاہب کو دشنام طرازی کا محل بنادیا تھا۔ پادری ڈاکٹر وزیر خاں

۱۔ الثورة الهندیہ صفحہ ۲۶۷ مطبوعہ مدنیہ پریس بجنور۔

اکبر آبادی اور مولوی رحمت اللہ کیرانوی نے آگرہ میں جلسہ عام میں مناظرہ کر کے ہجکا دیا۔ اس سے کچھ پہلے مولوی احمد اللہ شاہ جو نواب چنیاں کے صاحبزادے تھے۔ محراب شاہ قلندر گوالیاری کے مرید ہوئے۔ بیعت جہاد کی اور نصرانیوں کو ملک سے نکالنے کے لئے آٹھ کھڑے ہوئے یہ دلی گئے پھر آگرہ آئے۔

مفتی انعام اللہ خاں بہادر کے یہاں مقیم ہو کر مجلس علمہ بنائی اور مریدی کا دائرہ وسیع کیا اور اپنے مریدوں کو قصبات و دیہات میں بھیجنا شروع کیا اور خود بھی پاکی میں سوار ہو کر مرید ہمراہ لے کر ڈنکا بجاتا ہوتا دورہ فرماتے۔ آپ کے وعظ میں دس دس ہزار ہندو مسلمان شریک ہوتے۔

آپ اپنے مریدین کو فوجوں حرب سے بھی آگاہ کرتے۔ یہی زمانہ تھا کہ لارڈ ہسٹنگز نے ریاستیں ضبط کرنا شروع کر دیں۔ نانا راؤ پیشوا کی پٹن بھی ضبطی میں آئی اُس نے اپنے کامدار مولوی عظیم اللہ جو انگریزی کے بڑے عالم تھے اُن کو اور اپنے بھائی کو انگلستان مرافعہ کے لئے بھیجا اور ڈائریکٹران نے توجہ نہ کی۔ ہسٹنگز کا فیصلہ بحال رکھا عظیم اللہ ناکام لوٹے۔ فرانس کے ہوٹل میں دوس کے انقلابی ملے انہوں نے انگریز کو ہندوستان سے نکالنے کی اسکیم بتائی۔

جب عظیم اللہ ۱۸۵۷ء میں ہندوستان واپس آئے۔ نانا راؤ کو آگاہ کیا۔ ہردو نے مرہٹہ سردار تانٹیا ٹوپی کو شریک تحریک کیا۔ راجواڑوں اور نوابوں کو خط لکھے اور خود بھی ملے۔ کوئی ہمنوانہ ہوا۔ تانٹیا ٹوپے نے جوگیوں کا بھیس بدل کر فوجوں میں انگریزوں کے خلاف آگ بھڑکادی۔ ان کے سوا شاہ فیض اللہ بھی فوجوں میں گشت لگایا کرتے تھے۔ مسٹر ہورٹسٹل لکھتی ہے :-

» بعض ہندوستانی درویش برہمنوں کے لباس میں آبادیوں میں چکر لگاتے

۱۔ تواریخ احمدی تا شب لکھنوی ۲۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل از مولوی طفیل احمد منگلوری۔
۳۔ ہسٹری آف دی انڈین میوٹی کے مالین جلد اول ص ۲۵۴ ۴۔ غدر کے چند علماء

تھے اور خاص کیلک (روٹی) جو نیلو فر کے پھول سے مطابقت رکھتا تھا
باشندوں میں تقسیم کرتے تھے یہ جس کو یہ بلتا انگریز کو مارنے مرنے
کے لئے آمادہ ہو جاتا۔

مولوی احمد اللہ شاہ بھی روٹیاں اور نیلو فر کے پھول لوگوں میں تقسیم کرتے تھے۔
۱۸ فروری کو انیسویں رجمنٹ جو چھاؤٹی برم پور علاقہ مُرشد آباد میں مقیم تھی اچانک
کارتوس کے کاٹنے پر جھگڑا کرنے لگی اور پیش پیش منگل پانڈے تھا۔ رجمنٹ توڑ دی
گئی اور ۱۸ اپریل ۱۸۵۷ء کو منگل پانڈے کو بھانسی دے دی گئی۔ رجمنٹ کے سپاہیوں
نے فوجوں میں گشت کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد افسران فوج نے میرٹھ میں چربی کے
کارتوس دانتوں سے کٹوانا چاہے جنہوں نے انکار کیا کہ قاتلہ کر لیا اور کورٹ مارشل
اُن کا کرنا چاہا۔ اس واقعہ نے فوجیوں میں انگریز سے نفرت پیدا کر دی۔ مارنے مرنے
کو تیار ہو گئے۔

۱۸ مئی ۱۸۵۷ء کو رجمنٹ کے سپاہیوں نے اپنے ساتھیوں کو پھپھڑا کر اپنے افسروں
کو تہ تیغ کرنا شروع کیا۔ عوام بھی اُن کے ساتھ ہو گئے۔ سولین کی کوٹھیوں میں آگ لگا دی
ہم غیر حریت نوازوں کا دل روانہ ہو گیا۔ ادھر کلکٹر میرٹھ نے کشنر دلی سین کو خط لکھا۔
آدھی رات کو خط پہنچا وہ جیب میں رکھ کر سو گیا یہ گیارہ کی صبح کو دلی میں داخل ہوا۔
بادشاہ اوراد و وظائف میں مشغول تھے۔ اشارے سے غل و شور کے متعلق پوچھا یہ کیا ہے؟
خدام نے کہا سرکاری فوج اپنے افسروں سے باغی ہو کر انگریزوں کو قتل کر کے یہاں آئی
ہے۔ بادشاہ نے وظیفہ منتم کیا۔ غلام عباس کو نکلسن فریزر اور کپتان ڈگلز کے قلعہ
میں بلانے کو بھیجا۔ ہر دو بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ طفل تسلی دے کر قلعہ کے
نیچے جو فوج موجود تھی اس کو سمجھا یا مگر وہ ہر انگریز سے بیزار ہو چکی تھی فریزر یہ رنگ

۱۷۰۰ء کے مناظر از مسز ہورٹسٹن ترجمہ مظہر تابان مطبوعہ تلی پریس دہلی ۱۹۳۲ء ۲۷ حالات مذکور اب غلام حسین خان لاس مٹ
۱۷۰۰ء غزوہ انگلیشیہ از مولانا ذکاء اللہ دہلوی ۱۷۰۰ء داستان ۔

دیکھ کر نوٹے اور دربار کو ٹوٹ کر جلا رہے تھے۔ مرزا مغل بیگ نے گولی مار دی۔ وہ گر پڑا۔ پھر انگلش پر پل پڑے اس کا کام تمام کیا۔ بادشاہ کو خبر لگی وہ برا بھلا کہتے رہے۔ مرزا مغل، مرزا ابوبکر اور مرزا عبداللہ فوجیوں سے میل کر گئے۔ فوجیوں نے مرزا مغل کو اپنا کمانڈر بنایا۔ دوسرے شہزادے بھی فوجی عہدوں پر ممتاز کئے گئے۔ شہر میں مالدھاڑ قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔ دکانیں لٹے لگے۔ ۱۲ مئی کو بادشاہ نے جو ارد گرد کے حالات سے واقف تھا انگریز کے ظلم و ستم مجبوری سے سہہ رہا تھا وہ انتقام لینا چاہتا تھا، فوجیں چلی آ رہی تھیں دل بڑھ رہا تھا۔ دو دن کا رنگ دیکھ کر فوجی سرداروں اور شہر کے عمائدین کو مدعو کیا۔

دربار

۱۳ کو شاہی دربار منعقد ہوا خود بادشاہ تخت طاؤس پر رونق افروز ہوئے۔ مفتی صدر الدین خاں آذرہ، مولانا امام بخش صہبائی، نواب ولی داد خاں ندیس مالاگریہ نواب علی محمد خاں، نواب علی قلی خاں، شمشیر الدولہ بہادر، حکیم عبدالحق، حکیم احسن اللہ خاں تلم شہزادے شریک دربار تھے۔ مرزا غالب نے آسکے شعر کہہ کر بھیجا۔

بزد زد سکتہ کشور ستانی سراج الدین بہادر شاہ ثانی

ایک کونسل املاکات جنگ کے لئے منتخب ہوئی۔ وزیر حرب مرزا جوان بخت بنا گئے۔ ایک فوج کی کمان نواب زینت محل کے سپرد ہوئی۔ مرزا مغل کمانڈر افواج (سر سالاری) کے مقرر کئے گئے اور خضر سلطان کو باپٹ کی کرنیلی ملی۔ محمد بختا و شاہ الیکٹریٹر پلٹن کے کرنیل مرزا عبداللہ، مرزا قوش کرنیل مقرر ہوئے۔ مرزا اینڈ ہولپٹن کین کے امیر ہوئے۔ نواب محمد خاں مرزا خضر سلطان کے نائب ہوئے۔ میر نواب نائب قوش

۱۴ حالات غدر از نواب حسین خاں نے ذکر مرزا غالب از مالک رام ایم اے ۱۵ روز ناچہ نواب حسین الدین خاں بہادر مرزا ۱۶

میر فتح علی وزیر صحرائی مقرر ہوئے۔ شہزادہ محمد عظیم بن شہزادہ میاں اختر ضلع سرسہ کے حاکم مقرر ہوئے۔ مفتی صاحب خاموش تھے۔ حکیم احسن اللہ خاں برابر بیٹھے ہوئے لوگوں کو انگریزوں سے خوف زدہ کر رہے تھے۔ مگر شہزادے بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہے تھے۔ دربار برخواست ہوا اور ذیل کا اعلان بادشاہ کی طرف سے شائع ہوا۔

شاہی اعلان

”جہاں پناہ ظالم انگریزوں کو دفع کرنے کے بعد تختِ طاؤس پر جلوہ فرما ہوئے ہیں۔ حکومت کی طرف سے یہ منصفانہ قانون صادر کیا جاتا ہے کہ انگریزوں کے قتل و غارت کو موقوف کیا جائے۔ تمام معاملات اس کے بعد عدالتِ عالیہ کے سپرد کئے جائیں گے جہاں بجز عدل و انصاف کے کسی پر ظلم و ستم نہ کیا جائے گا۔“

مگر شہر میں اس کا کچھ اثر نہ پڑا۔ فوجیوں کے ساتھ غیر ذمہ دار لوگ شرمیکہ ہو کر جوہریوں اور امراء کے مکان لوٹنے لگے۔ ان کی سرپرستی عیاش شہزادہ کر رہے تھے۔

وفدِ مجاہدین کی آمد | حضرت سید احمد بریلوی کے مریدین میں سے رئیس المجاہدین مولوی سید سرفراز علی گود کو پور کے اضلاع میں انگریزوں کے خلاف ایک عرصہ سے خفیہ طور سے بیعتِ جہاد لے رہے تھے۔ اور وہ دورہ بھی خود کرتے اور اپنے خلفاء کو بھی دیہاتوں میں بھیجتے۔ چنانچہ جب سلطان پور پہنچے ایک صوبہ دار بخت خاں جو نواب نجیب الدولہ کے خاندان سے تھا جس کے والد نے نواب شجاع الدولہ کے گھرانے میں شادی کر لی تھی۔ وہ مولوی سید سرفراز علی کامرید ہوا اور اُس نے بیعتِ جہاد کی۔ یہ صوبہ دار انگریزی توپ خانہ کا افسر تھا۔ مسٹر سیل کے تحت جنگِ افغانستان میں جلال آباد میں بہادرانہ کارنامے ایسے دکھائے کہ توپ خانہ باتری کا سب سے بڑا افسر

۱۰ غدر کے مناظر مطبوعہ تجلی پریس دہلی ۱۹۳۵ء ص ۵۹

کر دیا گیا۔ بخت خاں کے ماتحت تمام ہندوستانی توپچی تھے۔ ناتھری بڑی مشہور تھی۔

اعزاز کے طور پر توپوں پر پھولوں کا محراب نما تاج بھی رکھا گیا۔

بخت خاں افغانستان سے واپس آ کر تیج کی چھاؤنی میں متعین کئے گئے۔

مرہٹہ کے واقعہ کی اطلاع آنا فانا دور دور پھیل گئی۔ بخت خاں نے سنا تو وہ تیج کی چھاؤنی سے توپ خانہ اور تین رجمنٹ لے کر روہیلوں کے مرکز بریلی پہنچا۔ یہاں

نواب حافظ الملک رحمت خاں کے پوتے نواب بہادر خاں جو صدر الصدور رہ چکے تھے۔ انہوں نے اپنی نوابی کا اعلان کر دیا۔ بخت خاں نے اُن کی معاونت کی اور اُن کی حکمرانی کو

مضبوط کر کے توپ خانہ معہ باتری کے اور چار لاکھ روپیہ ساتھ لیا۔ نانا راؤ کا بھائی بالاراؤ

آیا ہوا تھا اس کو بھی ہمراہ لیکر دلی چل کھڑا ہوا۔ دہلی پہنچ کر بادشاہ کو اطلاع دی۔ بادشاہ نے

اپنے خسر نواب شیر الدولہ احمد علی خاں، حکیم حسن اللہ خاں، احمد یار خاں، ابراہیم خاں اور

غلام علی خاں کو استقبال کے لئے بھیجا۔ صوبہ دار کے ساتھ ایک صدر علماء بھی تھے۔ بخت خاں اپنی

پودنی سادی وضع میں بادشاہ کے حضور میں باد یاب ہوا۔ ظہیر دہلوی لکھتا ہے :-

» جنرل بخت خاں ۱۴ ہزارہ کا کپو چند توپ اور تین رجمنٹیں سواروں کی اور

کئی لاکھ روپیہ لے کر ۲ جولائی ۱۸۵۷ء کو دہلی میں داخل ہوا۔ سربراہ انگو چھا

لپٹا ہوا چال کر چ گئے میں پڑی ہوئی پیچھے حال کھلا کہ بریلی والا جنرل وہی

تھا۔ بظاہر تو اس کا لباس گھس گھروں کا سا تھا مین تو سمجھا جیسے پوری

سپاہی ہیں یہ بھی کوئی سپاہی ہوگا۔ «

بادشاہ سلامت کی طرف سے بڑے پیمانہ پر اُن کی پوری فوج کو دعوت دی گئی اور

چاد ہزار روپیہ حبیب خاص سے مرحمت کئے گئے۔

مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں :-

۱۔ ہٹری آف دی انڈین میونٹی جلد ۲ صفحہ ۲۳۶ ۲۔ ایضاً جلد ۳ صفحہ ۲۰۲

۳۔ داستان عذر۔

”سپاہ میں سب سے زیادہ بہتر حالت بریلی بریگیڈ کی تھی جس نے چھ ماہ کی تنخواہ پیشگی اپنے سپاہیوں کو دے دی تھی اور اُس کے سالار کے پاس چار لاکھ روپیہ تھا“ ۱۷

بادشاہ کو نجات خاں کے انتظام شہر اور خوش سلیقگی اور فوج کی تنظیم کا بہتہ چلا تو اپنے حضور میں طلب فرمایا اور فرزند کا خطاب عطا کیا۔ ایک بیش قیمت ڈھال اور تلوار بھی عنایت کی، جنرل کمانڈر فوج بنایا اور شہر میں منادی کرادی گئی کہ جُملہ پلٹنیں جو دہلی میں جمع ہیں وہ جنرل صاحب سے ہدایت جنگی حاصل کریں۔ جنرل صاحب نے فوجی دفتر قائم کیا۔ میرمنشی خیرات علی مقرر کئے گئے۔

پہلی جنگ

مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں :-

”۲۹ جولائی کے دربار میں جنرل نجات خاں بادشاہ کا قائم مقام ہو کر آیا۔ بادشاہ نے ساری سپاہ اور شہر پر نیم بادشاہ بنا دیا۔ جنرل نے بھی کمانڈر انچیف کی نقل اتاری۔ آج میگزین دیکھتا ہے اس میں بالترتیب سامان رکھنے کی ہدایت کرتا ہے۔ لال ڈگی اور جامع مسجد کے درمیان ہزاروں فوج کی پریڈی رنگ اور شکر پر جو محصول تھا وہ معاف کر دیا تاکہ غریب کو تکلیف نہ ہو۔ نیز یہ بھی کہا کہ جو شہزادہ شہر کی دوکانوں کو لوٹے گا میں اس کی ناک کٹوا دوں گا“

اُسے جل کر مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں :-

”دوباب تک نجات خاں دلی نہیں آیا تھا جہاد کے فتویٰ کا چرچا بہت کم تھا مگر جب نجات خاں دلی آیا تو اُس نے یہ فتویٰ لکھایا کہ مسلمانوں پر جہاد اس لئے فرض ہے کہ اگر کافروں کو فتح ہو گئی تو وہ اُن کی بیوی بچوں کو قتل کر دیں گے

۱۷ عروجِ عبدالغلتشیہ ۱۷، ہسٹری آف دی انڈین میوٹی کے اور ایس جلد ۲ صفحہ ۴۲۶۔

جامع مسجد میں مولویوں کو جمع کر کے اُن کے دستخط کرائے۔ اس فتویٰ جہاد کے علاوہ ایک حلف نامہ بھی تقسیم کرایا اور اس پر ہر سپاہی سے جن کی تعداد ستر اسی ہزار کے لگ بھگ تھی عہد لیا۔ مرزا امغل نے یہ حلف نامہ فوجوں کو پڑھ کر سنایا جن پر انہوں نے اقرار کیا کہ ہم آخری دم تک لڑیں گے۔“ ۱۵

فتویٰ جہاد | مولانا فضل حق الور سے دہلی آگئے تھے۔ بادشاہ کے مشوروں میں شریک ہوتے یہ جنرل بخت خاں کو آپ کی جلالتِ شان کا علم ہوا وہ حاضر خدمت ہوا چنانچہ آپ نے جہاد کا فتویٰ لکھا۔ مفتی صدر الدین خاں نے دستخط کئے۔ مولوی عبدالخالق، مولوی سرفراز علی، مولوی ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی، مولوی فیض احمد بدایونی کثیر التعداد علماء نے دستخط کر دیئے۔ اس فتویٰ کا اثر اچھا ہوا۔ ٹونک جے پور اگرہ وغیرہ سے بغرض جہاد لوگ آنے لگے۔ جنرل بخت خاں کی بادشاہ کی نگاہوں میں بڑی قدر بڑھ گئی۔ مولوی ذکا اللہ لکھتے ہیں :-

”جنرل بخت خاں خلوت و جلوت میں جب چاہتے بادشاہ کی خدمت میں بادیاہ ہوتے۔ کوئی پابندی نہ تھی۔ بادشاہ نے عید کے موقع پر حسب ذیل شعر لکھ کر بھیجا۔“

شکر اعدا الہی آج سالا قتل ہو

گورہ کھا گوہر سے لے کر انصاری قتل ہو

مورچہ بندی | جنرل بخت خاں نے شہر کا بالکل انتظام کر کے فوج کی تنظیم کی اور جگہ جگہ مورچے بنانے کا انتظام کیا۔ اس کے علاوہ انگریزی فوجیں جہاں تھیں اُن کے مقابلے پر دستے روانہ کئے۔

۱۵ مروج عہد انگلیشی ۱۲ رسالہ بغاوت ہند ماہ دسمبر ص ۱۳۔

پیدل فوج کی دو پلٹنیں اور پانچ سو در سالہ کے سپاہی چھ توپوں اور سامانِ اسلحہ کے ساتھ بخت خاں کے حکم سے باخیت روانہ ہوئے تاکہ انگریزوں کو پل تعمیر کرنے سے روکیں۔ اس کے علاوہ فوج کی کثیر تعداد مع سامانِ حرب کے علی پور روانہ ہوئی۔ سہ ہر کو یہ افواہ اڑی کہ باغیوں کو بہت بڑی فتح ہوئی۔ اس کی وجہ سے عوام میں بڑا جوش و خروش پھیل گیا۔ دہلی سے اجمیری دروازہ تک فوجوں کی پریڈ لی گئی۔ جنرل نے سپاہیوں کے ساتھ نہایت شفقت کے ساتھ بات چیت کی اور بادشاہ کا پیغام پہنچایا کہ جو شخص میدانِ جنگ میں کارہائے نمایاں کرے گا اسے پانچ بیگھ زمین دی جائے گی اور اعزازی عہدہ بھی دیا جائے گا۔

بہادر شاہ نے عام راجاؤں اور نوابوں کو شرکت کے فرمان جاری کئے۔ معمولی رئیس جانسپادی کو تیار ہوئے۔ بڑے راجوں اور نوابوں نے جواب تک نہ دیئے بلکہ وہ انگریزوں کی پشت گری کر رہے تھے۔

غرضیکہ انگریزوں سے جنرل صاحب کا جہاں جہاں مقابلہ ہوا انگریز شکست کھا گئے۔ انگریزوں نے یہ رنگ دیکھے تو حکیم احسن اللہ خاں سے منشی رجب علی کے ذریعہ زینت محل اور مرزا مغل پر زور ڈلوانا شروع کیا۔ میگزین میں آگ لگوائی اور بادود کے کاخانہ میں باہرہ رنگا جانے لگا۔ ادھر مرزا الہی بخش شاہ عالم کے پوتے ریشہ دو انیاں کرنے لگے۔ روزانہ کے حالات قلعہ کاچن لال اور بالکنڈا انگریزوں کو بھیج رہا تھا۔ جنرل صاحب کونسل کے سامنے اسکی پیش کرتے انگریز کو اس کا علم ہو جاتا۔

مرزا مغل نے جنرل بخت خاں کی عام مقبولیت اور کامیابی دیکھ کر جنرل کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ دو مہرے شہزادے بھی مرزا مغل کے ہمنوا ہو گئے۔ مرزا الہی بخش نے یہ خبر شہزادوں میں اڑادی کہ بخت خاں غلام قادر روہیلہ کے خاندان کا ہے اور وہ ہم لوگوں کی آٹے کے انگریزوں کو ملک سے نکال کر خود بادشاہ بننا چاہتا ہے۔ جب تک جنرل دلی میں آیا تھا حریت نواز فوج مرزا مغل کو اپنا بادشاہ بنانا چاہتی تھی اب وہ مرزا کو منہ تک نہ لگاتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگی بساط میں رخنے پڑ گئے اور ہر بادشاہ ووزارہ

دور باد کرتے مفتی صدر الدین خاں کو قاضی القضاۃ کا عہدہ دینا چاہا مگر انہوں نے منظور نہیں کیا۔ قاضی فیض اللہ کو عہدہ دیا گیا۔ وہ مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے۔

تیس ہزاری میدان سے انگریزوں کو نکالنے میں جنرل بخت خاں کے ساتھ مرزا مغل، مرزا خضر سلطان، مرزا فتح الملک بہادر کے صاحبزادہ مرزا ابوبکر، مرزا عبداللہ اور مرزا مینٹھو دوش بدوش داد شجاعت دے رہے تھے۔ اب جس مورچہ پر جنرل صاحب شہزادوں کو لگاتے وہیں سے شکست کھا کر آتے یا بلا مقابلہ کے کمر کھول دیتے۔ بخت خاں نے بادشاہ کے حضور میں یہ واقعات پیش کر دیئے۔ بادشاہ نے شہزادوں کو تنبیہ بھی کی مگر اُن پر الٹی بخش کا جادو کا گدگد ہو چکا تھا۔ جنرل صاحب نے ۳۳ حملے انگریزوں پر کئے جس کی انگریزوں نے بھی تصدیق کی۔

چنانچہ مسٹر ولیم فورس لکھتا ہے :-

”محاصرہ کے زمانہ میں باغیوں نے متعدد حملے کئے اور یہ باغیوں کی لیاقت کا اچھا ثبوت ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم کسی معمولی دشمن سے مقابلہ نہ کر رہے تھے۔ ان حملوں کی تعداد ۳۶ تھی ان میں سے ہر ایک نہایت ہی منظم اور باقاعدہ اقدام اور حملہ تھا۔ ان کے علاوہ بے شمار حملے دوران فتادہ چوکیوں اور ہراول پر ہوئے۔ یہ ہمارے آدمیوں کے بہت کم قریب آتے تھے اور یہ بھی اُس وقت جب اُن پر اچانک حملہ کر دیا جاتا تھا مگر روزانہ جنگ آزما ہوتے تھے۔ ان کی اس مستقل جرأت و بہادری سے کوئی چیز بازی نہیں لے جاسکتی تھی“ لہ

چالیس سال لکھتا ہے :-

”دشمن نے ہر ٹرک پر ایک ایک فٹ زمین کے لئے لڑائی لڑی تھی اور بڑے استقلال کے ساتھ یکے بعد دیگرے ہر مقام پر قبضہ کیا تھا“۔

لہ غنیمت کا تذکرہ از ولیم فورس۔

نا کامیابی | مغل شہزادوں اور قوم فروشوں کی سازش کا نتیجہ تھا کہ حریت نوازوں کی قربانیاں لڑائیوں میں اور فتح شکست میں تبدیل ہونے لگی۔

ظہیر دہلوی لکھتا ہے :-

”اس زمانہ میں یہ ستم ہوا کہ شہر و بیگم کی حویلی میں جو میگزین تھا اور جس میں سلت سون بارود تھا وہ اڑا دیا گیا۔ بارود کی عدم فراہمی کی وجہ سے تمام آلات حرب بیکار تھے۔ دشمن دروازہ پر کھڑا تھا۔ باہر سے امداد کی کوئی صورت نہ تھی۔ بادشاہ پہلے ہی سے سوختہ جنگ اور سوختہ سامان ہو رہے تھے۔ مرزا الہی بخش نے کچھ ایسا افسوس کیا کہ قلعہ چھوڑ کر ہمایوں کے مقبرہ میں گوشہ گیر ہونے میں عافیت سمجھی۔“

منشی رحیم علی میرنشی ہڈن کا خط حکیم احسن اللہ خاں کے پاس لایا کہ بادشاہ کو دام کرلو۔ اُس کو اور اُس کے لواحقین کو گزند نہ پہنچے گا۔ باغیوں سے بادشاہ کو بچا لو۔ وہ خط زینت محل کو دکھایا گیا اُس نے بادشاہ کو آمادہ کر لیا۔ قلعہ سے نکل کر مقبرہ ہمایوں آگئے۔ میلن لکھتا ہے :-

دو باغی فوج کے سپہ سالار بخت خاں نے اس شب شہر کو خالی کر دیا اور اپنے ہمراہیوں کو بھی لے گیا جن پر اُس کو اعتماد تھا۔ بخت خاں نے ممکن الفاظ میں بادشاہ سے درخواست کی کہ اس کے ہمراہ چلیں انہیں بہت کچھ کرنا ہے۔ اگرچہ انگریزوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا ہے لیکن ملک کے دروازے اُن کے سامنے کھلے ہوئے ہیں اور یہ کہ بادشاہ کی موجودگی سے اب بھی اُس کے نام پر جنگ کو جاری رکھنا ممکن ہے اور کامیابی کے امکانات ہیں۔“

پچاس ہزار روہیلہ روہیل کھنڈ میں موجود تھا جو جاں سپاہی کو تیار تھا۔ چنانچہ

۱۔ داستان غدر ۲۔ تذکرہ عالم از رحیم بخش دہلوی مطبوعہ بلاقی داس ذکر بہادر شاہ ۳۔ تاریخ غدر عظیم از میلن۔

ظہیر دہلوی لکھتے ہیں :-

”بریلی میں ہر طرف کے مفورین کا اجتماع ہے اور سب سردار مثل ناناراؤ پیشوا فیروز شاہ وغیرہ جمع ہیں۔ رام پور کے تیس ہزار آدمی بریلی میں ملازم ہیں اور مردمان رام پور کا یہ حال ہے کہ ایک ایک تھان دوپٹہ کا سر سے بندھا ہوا ہے اور اس پر گوٹہ لگا ہوا ہے۔ آدھا دوپٹہ سر سے بندھا اور آدھا گھوڑے کی رکاب سے نیچے لٹکا ہوا ہے اور چار چار ٹپنچے کمر میں لگے ہوئے ہیں۔ دوہری تلواروں میں ڈاب رکھی ہوئی ہیں۔ گھوڑوں پر سوار ہیں اور شہر میں گھوڑے کو دلتے پھرتے ہیں۔ سچاس ہزار کا اجتماع بریلی میں موجود ہے۔“

جنرل صاحب سیدھے لکھنؤ گئے۔ نواب بہو بیگم کے محل میں مقیم ہوئے۔ وہ ان کی عزیزہ تھی۔ پھر مولوی احمد اللہ شاہ کے شریک مہم جنگ آزادی رہے۔ شاہ صاحب کی شہادت کے بعد وپوش ہو گئے۔

بہادر شاہ کی قید پہنچا۔ باہر کھڑا رہا۔ مرزا الہی بخش بادشاہ کو باہر لائے۔ پہلے انہیں اور زینت محل اور جواں بخت کو پالکی میں اُس نے سوا کر دیا۔ مرزا مغل، مرزا خضر سلطان بیل گاڑی میں سوا ہوئے۔ بیل گاڑی قلعہ کوروانہ کی گئی راہ میں ان دونوں سے پہلے ہڈن نے ہتھیار لٹے اور ہر دو کو گولی مادی اور شہزادوں کو کو توالی کے سامنے گولی کا نشانہ بنایا۔ لال کنواں پر بادشاہ زینت محل کی محل میں ٹھہرائے گئے۔ نواب زینت محل اور مرزا جواں بخت بادشاہ کے ہمراہ تھے۔ ہڈن نے ایک خون میں شہزادوں کے سر کاٹ کر بادشاہ کے حضور میں پیش کئے۔ سرد آہ بھری اور خاموش ہو گئے۔ ہڈن بہادر شاہ کو قتل کرنا چاہتا تھا مگر اُس کے افسر نے اس فعل سے باز رکھا۔

۱۔ داستانِ غدر ۲۔ قیصر التواریخ

مقدمہ بغاوت خدا کی شان ہے داد اسے انگریز حقوق دیوانی لے اور اس کے پوتے پر جو اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو دوبارہ برسرِ اقتدار لانا ہوتا تھا۔ اس پر بغاوت کا الزام عائد کیا جائے۔ ظالم انگریزوں نے یہ الزام مظلوم بادشاہ پر لگائے۔ ۱۹۹۱ انگریز قتل کرائے۔ وظیفہ خواہ ہو کہ حکومت سے بغاوت کی۔ فوجیوں کو ورغلا یا۔ اس مقدمہ کے لئے لال قلعہ میں ایک پنج مقرر کی۔ اس فوجی کمیشن کے صدر لفٹننٹ کرنل داس تھے۔ میجر پامر، ریڈ منڈر، میجر سائرس، کپتان راتھن، کپتان سلہ بیل، مترجم مٹر جیس، وکیل سرکار میجر ایٹ جے پیرٹ ڈی جی ایڈووکیٹ جنرل تھے دیوان خاص میں مظلوم بادشاہ کو مثل قیدی کے لایا جاتا۔

۲۷ جنوری ۱۸۵۷ء سے مقدمہ شروع ہوا۔ مکند لال پیشکار بہادر شاہ اپنی لال روزنامہ نچہ نویس، حکیم احسن اللہ خاں اور فوجی افسران گواہ کی حیثیت سے پیش ہوئے۔ ہر ایک نے اپنی کرنی میں کسر نہیں رکھی۔ بادشاہ کی طرف سے غلام عباس پیر وکا مقدمہ تھے۔ بہادر شاہ نے اپنا بیان تحریری دیا۔ تمام الزام بخت خاں اور مرزا مغل کے سر تھوپا۔ خود انقلابی تحریک سے اپنے دامن کو بچالے گئے۔

آخرش عدالت نے یہ فیصلہ دیا کہ انگریز بادشاہ نے قتل کرائے اور ملک میں بغاوت پھیلانی۔ غرضیکہ تمام جرائم کے مجرم بادشاہ ہیں۔ ۹ مارچ ۱۸۵۷ء کو رنگون جانے کا فیصلہ صادر ہوا۔ سر جان لارنس کی کوشش سے بہادر شاہ کو جان سے نہیں مارا گیا۔

بہادر شاہ رنگون بھیج دیئے گئے۔ نواب تاج محل بیگم، نواب زینت محل، اور جوان بخت اُن کے سارے ولایت علی بیگ اور بیوی رنگون گئے یہ اُن پر بھی مقدمہ تھا اور بری ہوئے اور واپس آ گئے۔ زینت محل، جوان بخت وہیں رہے۔ چھ سو روپیہ ماہوار مقرر ہوا جسے بادشاہ نے لینے سے انکار کر دیا۔ چار سال

لے دہلی کی جانجی صفحہ ۹۵ ۷۷ غالب کا روزنامہ صفحہ ۲۸۔

نہایت عمرت سے بسر کئے۔

۷ نومبر ۱۸۶۲ء کو عالم غربت میں بہادر شاہ نے وفات پائی۔ رنگون کی سرزمین میں پیوندِ خاک ہوئے۔

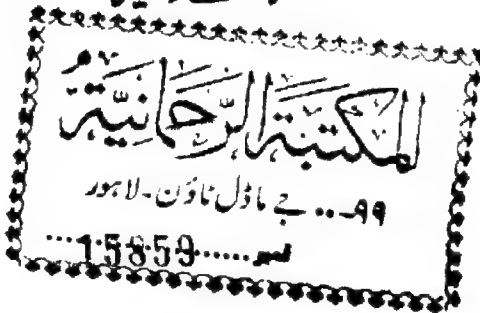
یہ تھی بہادر شاہ کی زندگی اور اُن کی سیاسی حالت، اب اُن کی شاعری کے متعلق چند کلمات سن لیجئے۔

زندگی میں جو ظلم اس مغرب بادشاہ پر ہوئے سطورِ بالا سے ظاہر ہے۔ ستم ظریفی یہ دیکھئے کہ وہ مرنے کے بعد بھی اہل قلم کے لطف و کرم کا شکار رہا۔ مولانا آزاد نے اُس حیات میں لکھا ہے :-

”بادشاہ کے چار دیوان ہیں پہلی کچھ غزلیں نصیر کی اصلاحی ہیں اور کچھ کاظمین بیکر آری کی۔ غرض پہلا دیوان نصف سے زیادہ اور باقی تین دیوان سرتاپا حضرت مرحوم ذوق کے ہیں۔“

ظفر کے کلام کو ذوق کا کلام بتانا ایک بہتانِ عظیم ہے۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ مرزا غالب کے سوانح نگار نے یہی سہی متاع مرزا غالب کے حوالے کر دی۔ یہ ایک طویل بحث ہے۔ اس کے متعلق اپنی تالیف ”ابوظفر بہادر شاہ“ میں کافی بحث کی ہے۔ اس تاریخ میں گنجائش نہیں۔

تمتہ بالخیر



مسلمانوں کا عُرج و زوال

تاریخ اسلام کی مستند کتابوں کا جامع خلاصہ جس میں خلافت راشدہ کے دور سے لے کر اب تک مشہور مسلمان حکومتوں ان کی سیاسی حکمت عملیوں اور چودہ سو سال میں مسلمانوں کے عام اجتماعی معاشرتی اور تمدنی احوال و واقعات پر گہرے مطالعہ کے بعد بصیرت افروز تبصرہ کیا گیا ہے،

تألیف

مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایم اے فاضل دیوبند
سابق پروفیسر علیگڑھ مسلم یونیورسٹی، ایڈیٹر ماہنامہ ”بریل“ دہلی



ادارۃ اسلامیۃ لاہور

۱۹۰ - انارکلی

اعجازِ عیسویؑ

تألیف

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی قدس سرہ

تحرلیف ہائیل اور اس میں موجود تضادات پر نامور محقق کی نادر علمی تحریر
اردو کے سنیے پیر ہن میں — تردید عیسائیت پر حوالہ کی مشہور کتاب

تسلیل و تحقیق و تشریح و حواشی

حضرت مولانا حبش محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

جناب مولانا محمد محترم فہیم عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

جناب مولانا حسین احمد نجیب

الذکر الاسلامی

۱۹۰- انارکلی ○ لاہور

اضافہ شدہ ایڈیشن

القاموس الجدید

عربی۔ اردو لغت

پنستیس ہزار سے زائد قدیم و جدید عربی الفاظ اور ان کے مترادفات و معانی، مروجہ تعبیرات، محاورات، ضرب الامثال اور جدید علمی، ادبی، فنی اصطلاحات پر مشتمل مشہور و معروف لغت۔

تالیف

مولانا وحید الزماں قاسمی کیرانوی

استاذ ادب عربی، دارالعلوم دیوبند

ناشر

اداء اسلامیات ۱۹۰۶-۱۹۰۷
لاہور ۲

اضافہ شدہ ایڈیشن

القاموس الجدید

اُردو-عربی لغت

تقریباً ساٹھ ہزار اُردو الفاظ اور ان کے ہم معنی عربی الفاظ،
محاورات و ضرب الامثال، دفتری، ادبی، فنی اور علمی اصطلاحات
پر مشتمل مشہور و معروف لغت

تألیف

مولانا وحید الزماں قاسمی کیرانوی

استاذ ادب عربی، دارالعلوم دیوبند

ناشر

ادارۃ اسلامیات، لاہور ۱۹۰-۱۹۱
۲

صديق اکبر

خداوند انسانیت حضرت اکبر صلی اللہ علیہ وسلم کا سناٹا جس میں حضور خداوند عالم نے اپنے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نائب و وصی بنایا ہے۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی

برادری سرگودھا، گجرات

ادارۃ اسلامیات

۱۹۰ - انارکلی - لاہور

مَلَاؤْا کَلَامَ رَاٰیَہِیْہِیْ اَسْلَمَ

ہم نے اپنے پیغمبر کے کلام کو پورا کیا ہے

رسول اکرم

کا طریقہ نماز

۱۹۰ - انارکلی - لاہور

از قلم : مولانا مفتی جلیل احمد ندوی

ناشر

ادارۃ اسلامیات

انارکلی لاہور

فتوح الشمل

عربی کی مشہور تاریخ کا ایک بلیس اور ہاتھ آور دار و ترجمہ جس میں شام و سیریا القدس کی فتوحات اور صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین و خلفاء کے ایمان افروز عظیم کاموں کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے۔

جناب مولانا حکیم شبیر احمد انصاری

ادارۃ اسلامیات

۱۹۰ - انارکلی - لاہور

پڑا سا سنہ ۲۰۳۳ء عہدہ کاغذ و طباعت

مجلد دہائی دار /

مَسَائِلُ السُّئَالِ

کلام ملک الملک

مسئلے

قرآن کی روشنی میں

مسائل تصوف

تحریر و تالیف

جامعہ ترمذیہ طریت

محکم الدتہ مجدد الملت محمد علی شاہ مجدد ملت علی قادیان

نور الدین جناب خواجہ اقبال قادری مدظلہ العالی

★

ناشر

ادارۃ اسلامیات

۱۹۰ - انارکلی - لاہور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْقُرْآنِ
الْكَرِيمِ

لقد کان فی قصصہنّ عبرۃ لّی الیّنا

توجہ
یقیناً ان کے قصے میں غش والوں کے لیے
بہت بڑی عبرت ہے

تاریخ عالم قبل از اسلام سے لے کر مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر تک ملت اسلامیہ کی
تیرہ سو سالہ مکمل تاریخ، ڈھائی ہزار سے زائد صفحات پر افراد اور اقوام کے نشیب و فراز اور عروج و زوال
کی داستان پر مشتمل مفید علم کتاب جماعت تاریخ اسلام کی بے شمار کتب سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ سلیس زبان
عام فہم اور آسان طرز بیان، مدارس سکولوں کالجوں اور جامعات کے اساتذہ و طلباء کے لیے یکساں
فائدہ مند۔ ایک ایسی منفرد تاریخ جس کا ہر اچھی لائبریری اور پڑھے لکھے گھرانے میں ہونا ضروری ہے۔



ادارۃ اسلامیات

لاہور — کراچی